نمل
نِمرہ احمد
"اور آپ سکھائے جاتے ہیں قُرآن بڑے حِکمت والے، بڑے عِلم والے کی جانب سے"
27:6
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اور خدا نے انعام کیا
نوح علیہ السلام پر
اور ان کے بیٹوں پر
اور ان سے فرمایا
آباد رہو اور پھیلتے جاؤ
اور زمین کو بھر دو
تمہارا خوف اور تمہاری ہیبت
ہوگی زمین کے ہر درندے پر

آسمانوں کے ہر پرندے پر
مٹی پہ رینگنے والی ہر شے پر
اور سمندر کی تمام مچھلیوں پر
تمہارے ہاتھوں میں وہ پہنچائی جائیں گی
ہر زندہ متحرک شے تمہاری غذا ہوگی
اور جیسے میں نے تمہیں عطا کیے ہیں
سر سبز پودے
ویسے ہی میں تمہیں ہر شے عطا کروں گا

مگر...!
تم اس کو اس کی جان کے ساتھ نہیں کھاؤ گے
اور اس کی جان اس کا خون ہے
اور تمہاری جان کے خون کا
میں حساب لوں گا
ہر درندے اور ہر انسان سے

اور میں یقیناً "حساب لوں گا ہر انسان سے
اس کے ساتھی انسان کی
جان کا!
(کتاب فرہنش 'عہد نامہ قدیم تورات)

نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا

صحن تاریک تھا اور طویل برآمدہ نیم روشن۔ فجر کی دو اذانیں دی جا چکی تھیں اور آسمان گہرا جامنی تھا۔ برآمدے کے آگے کوٹھڑیاں در کوٹھڑیاں تھیں۔ جن کے دروازے سلاخ دار تھے اور جن کی میلی دیواروں پہ لکیریں 'نشان' نام لکھے تھے۔ کچھ قیدی سو رہے تھے کچھ جاگ رہے تھے۔ یہاں زندگی دو انتہاؤں کے درمیان لٹکتی تھی۔

سیاہ دھاری 'سفید دھاری سے مکمل الگ ہو چکی تو فجر کی تیسری اذان گونجنے لگی۔ ہواؤں نے موذن کی آواز کو اپنے پروں پہ اٹھایا اور صحن میں پھیلا دیا۔
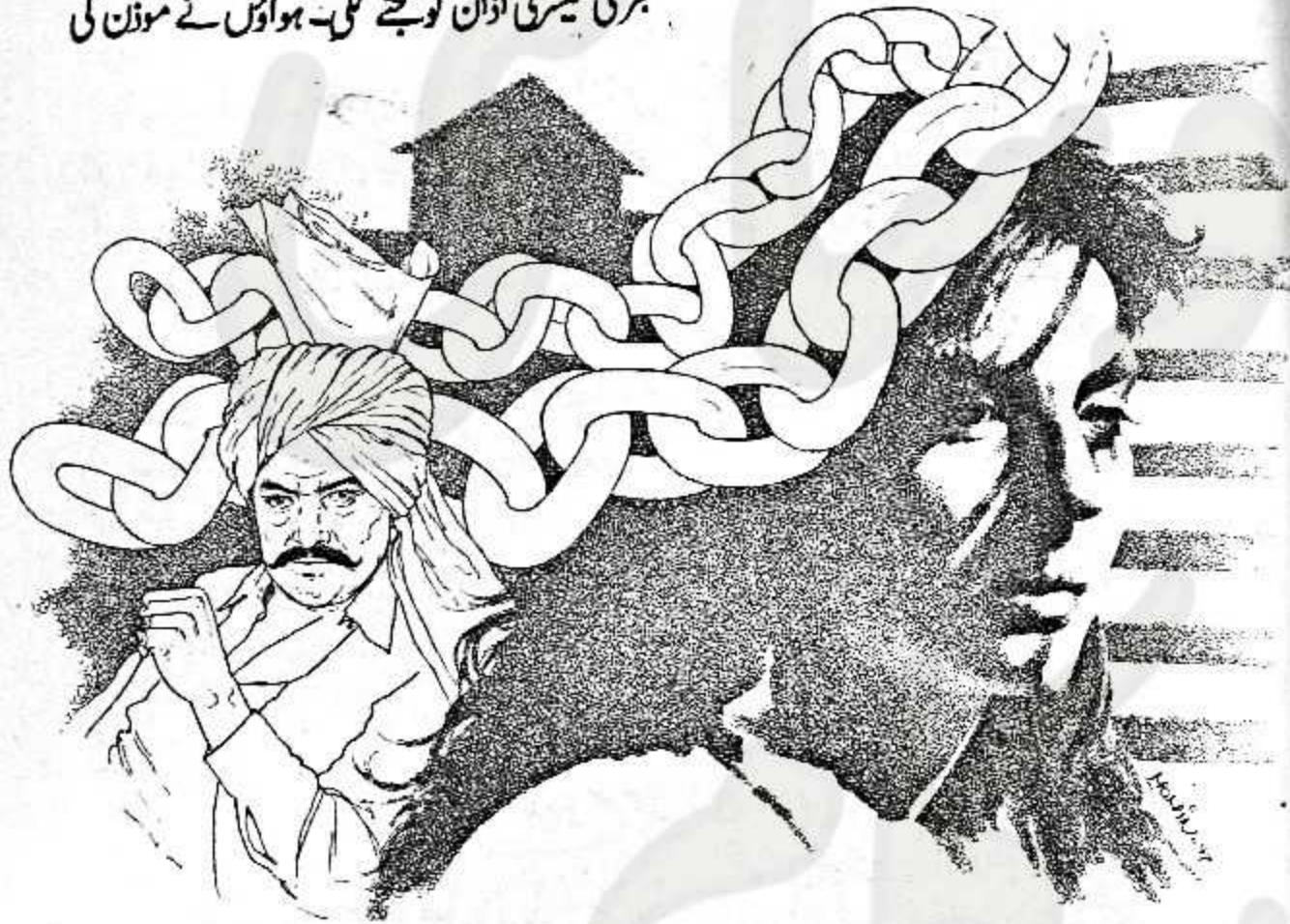
"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔"

ایسے میں برآمدے میں دو پہرے دار ٹہلتے ٹہلتے ایک ستون کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے بیڑی سلگائی اور دوسرے کو پیش کش کی 'جسے دوسرے نے مسترد کر کے پھر سے اس حوالاتی قیدی کی کوٹھڑی کو دیکھا۔ جس کے سامنے وہ کھڑے تھے۔

پہلے سپاہی عبدالشکور نے بھی گردن موڑی' پھر استہزائیہ مسکا کر سر جھٹکا۔

"محمد دین! باربار اس بدمزاج آدمی کو نہ دیکھا کر۔ اس کا دماغ پہلے ہی خراب رہتا ہے۔ تیری ہمدردی سے وہ اور شیر ہوجائے گا۔" لبوں سے دھواں چھوڑتے اس نے تنبیہہ کی۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔" موذن کی صدا برابر آرہی تھی۔

محمد دین تاسف سے اسی کوٹھڑی کو دیکھتا رہا۔ جس میں سفید لباس میں ملبوس قیدی نماز کا کپڑا بچھاتا نظر آرہا تھا۔

"کیا یوں نماز پڑھنے سے اللہ معاف کردیتا ہے؟" محمد دین نے مایوس آواز میں پوچھا۔

قیدی اب آستینیں کلائیوں تک برابر کررہا تھا جو اس نے وضو کے لیے اوپر چڑھائی تھیں۔ اس کی پشت ان دونوں کی جانب تھی۔

"قتل کبھی معاف نہیں ہوتا اور جو اس کی طرح اپنی بیوی اور سگے بھائی کو قتل کردے۔ وہ تو کبھی معاف نہیں ہوگا۔" بیڑی کا بڑا سانس اندر کھینچتے عبدالشکور نے فتویٰ دیا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے رسول ہیں۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے رسول ہیں۔"

"مگر اس کی بیوی اور اس کے بھائی کے تعلقات تھے۔ اس نے غیرت میں قتل کیا تھا۔ یہی سننے میں آیا ہے۔ تب ہی تو چار سال سے جیل میں ہے۔"

محمد دین ستون سے ٹیک لگائے ترحم سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نماز کی طرف آؤ' نماز کی طرف آؤ۔"

قیدی اب کپڑے کے سرے پہ کھڑا تکبیرات پڑھتا رفع یدین کررہا تھا۔ برآمدے کی مدھم روشنی میں اس کا نیم رخ واضح تھا۔ سفید شلوار' سفید کرتا' بالکل کفن جیسا۔ اب گردن جھکی تھی۔ ہاتھ سینے پہ تھے۔ قدرے لمبے بال دو انچ کی پونی میں بندھے تھے۔ اس کا عمومی تاثر صاف ستھرے' اونچے' مضبوط جسم اور خوب صورت نقوش والے مرد کا پڑتا تھا۔

"فلاح کی طرف آؤ' فلاح کی طرف آؤ۔"

اذان ہواؤں میں ترنم گھولتی سنائی دے رہی تھی۔

"تو بیوی کو طلاق دے دیتا' بھائی سے تعلق توڑلیتا' قتل کرنا ضروری تھا؟ اور لوگ نماز توبہ وبہ کے لیے نہیں پڑھتے' ان کو رہائی چاہیے ہوتی ہے۔" تلخی سے کہہ کر اس نے ایک اور کش کھینچا۔

"مگر ایک بات ماننے کی ہے۔ اس کے غصے کے علاوہ یہ بندہ برا نہیں تھا۔ تجھے پتا ہے۔ اس کا انٹیلی جنس میں اونچا عہدہ تھا۔ اچھا خوب صورت جوان تھا۔ مگر بیوی ایسی نکلی کہ۔۔۔ چچ چچ۔۔۔ زندگی برباد ہوگئی فارس غازی کی۔"

اندر فارس غازی اب رکوع میں جھک رہا تھا۔

"نماز نیند سے بہتر ہے۔ نماز نیند سے بہتر ہے۔" فضا میں تیرتی آواز ملائمت سے ستونوں سے ٹکرا رہی تھی۔

"ہاں تو اپنا کیا سامنے آتا ہے۔ اب یہ بچے گا تھوڑی ہونہہ۔۔۔" لاپروائی واستہزا سے سر جھٹک کر عبدالشکور جانے کو پلٹا۔ تب ہی محمد دین کسی سحر کے زیر اثر بولا۔

"مگر وہ کہہ رہا تھا' یہ رہا ہوجائے گا۔"

عبدالشکور نے حیرت سے رک کر اپنے ساتھی کو دیکھا۔

"یہ۔۔۔ فارس غازی' رہا ہوجائے گا؟ یہ کس نے کہا؟"

"وہی۔۔۔ وہ لمبا۔۔۔ خوب صورت۔۔۔ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا جو اس سے ملنے ہر ہفتے آتا ہے۔" محمد دین کی نگاہیں ہنوز اس پہ مرکوز تھیں۔ فارس غازی اب سجدے میں سر رکھے ہوئے تھا۔

"وہ اس کا بھانجا؟ کیا نام ہے اس کا؟ اور اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟"

"اس کی بات ہمیشہ سچ ہوجاتی ہے۔ پہلے اس نے کہا تھا' جج بدل جائے گا اور اس کے کیس کا جج بدل گیا۔ پھر اس نے کہا۔ روزانہ کے حساب سے پیشی ہوگی۔ ایسا ہی ہوا۔ اس روز وہ کہہ کر گیا کہ اس ہفتے یہ رہا ہوجائے گا۔"

"تو تو اس کا بھانجا یہ سب تجھے کیوں بتا رہا ہے؟" عبدالشکور بیڑی لبوں سے ہٹائے مشکوک نظروں سے محمد دین کو دیکھ رہا تھا۔

"ابے مجھے کہاں۔۔۔ اسی کو بتا رہا تھا' میں نے یوں ہی سن لیا۔"

"اللہ سب سے بڑا ہے۔۔۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔" اذان اب دھیمی پڑ رہی تھی۔

"چھوڑ یار۔۔۔ یہ نہیں رہا ہونے والا۔" اس نے تلخی سے کہہ کر بیڑی پھینکی اور پھر سلگتے' بجھتے انگارے کو دیکھنے لگا۔

"اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔"

آواز دم توڑ گئی۔ فضا میں سکوت چھا گیا۔ پھر بلبل نے صدا لگائی' درختوں نے پتے جھکائے اور ساری مخلوق اپنی عبادت میں مشغول ہوگئی۔

قیدی سلام پھیر کر اٹھا۔ جائے نماز کا کونا موڑا' کف کلائی پہ موڑے اور چلتا ہوا سلاخوں تک آیا۔ اس کا چہرہ ٹیوب لائٹ کی روشنی میں واضح ہوا۔ اس کی آنکھیں سنہری تھیں انہیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے اس نے انگلی سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

محمد دین میکانکی انداز میں قریب آیا۔ عبدالشکور اتنا متاثر نہ تھا۔ مگر اس نے بھی پیروی کی۔

"اپنے کان صاف کرکے دھیان سے سنو۔" وہ تیز نگاہوں سے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بولا۔ "پہلی بات وہ میرا سگا نہیں' سوتیلا بھائی تھا۔ دوسری بات میرے بھانجے کا نام سعدی یوسف ہے اور آخری بات' اگر آئندہ تم مجھے میری ملاقات کے اوقات میں اپنے قریب پھٹکتے نظر آئے تو اگلے دن یہاں پہرہ وہیل چیئر پہ دوگے۔ سمجھ میں آیا؟"

"تجھے تو میں ابھی۔۔۔" عبدالشکور غصے سے آگے بڑھا۔ مگر محمد دین نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دھکیلتے "چھوڑو' جانے دو" کہہ کر اسے روکا اور واپس لے گیا۔

"کیا۔۔۔ ہاں؟ ابھی کیا؟" سلاخیں تھامے' فارس نے بھنچے جبڑے اور غصیلی آنکھوں سے پکارا۔ مگر محمد دین بمشکل سمجھا بجھا کر اسے دور کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

فارس نے سر جھٹکا اور واپس ہولیا۔ صبح کی سفیدی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

؎ میں زخم زخم ہوں پھر بھی دکھائی نہ دوں

ٹھیک اسی وقت اسلام آباد کے دوسرے حصوں پر بھی فجر ایسے ہی طلوع ہورہی تھی۔ اس اپر مڈل کلاس کالونی میں ایک گھر کی کھڑکیاں نیلے اندھیرے میں روشن تھیں۔

چھوٹے سے لان کے سامنے لاؤنج کی کھڑکی نظر آتی' مگر گھر کی بغلی گلی سے اندر جاؤ تو پہلے کچن کا بند دروازہ آتا اور پھر ایک بیڈ روم کی کھڑکی جس سے چہرہ لگا کر دیکھو تو اندر لیمپ جل رہا تھا اور کارپٹ پہ ایک لڑکی نماز پڑھ کر سلام پھیر رہی تھی۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے جلتے لیمپ کے ساتھ موبائل' پانی اور چند دوائیاں رکھی تھیں۔ ایسی دوائیاں جو گردے کا وہ مریض استعمال کرتا ہے جس کو ڈونر گردہ (کسی دوسرے کا) لگا ہو۔

وہ نماز ختم کرکے' بنا دعا مانگے اٹھی' جاء نماز اسی میز

کے خانے میں رکھ دی۔ دوپٹا اتار کر بال آزاد کیے۔ پھر پلٹ کر اسٹڈی ٹیبل تک آئی تو اس کا چہرہ سامنے آیا۔

وہ صاف مگر قدرے زرد رنگت کی دراز قد ' دبلی پتلی سی تھی۔ نقوش متناسب ' آنکھیں بادامی رنگ کی ' گہری بھوری پلکیں ' مڑی ہوئی اور ناک میں ہیرے کی ننھی سی لونگ ' بالکل مونگ کے دانے جتنی۔ وہ بہت خوب صورت نہیں تھی۔ مگر اس کے بال خوب صورت تھے۔ گہرے بھورے ' سر سے کان تک سیدھے اور پھر موٹے موٹے Curls کی صورت گھنگریالے ہو جاتے۔ وہ اسٹیپ میں تھے۔ سامنے سے ٹھوڑی تک ' پھر کندھوں تک اور پیچھے کمر تک آتے۔

اس نے الماری کھول کر ایک فائل نکالی اور بے دھیانی میں ایک ڈبے کو لڑھکا دیا۔ جس سے اخبار کے چند تراشے پھسل کر باہر گرے ' مگر چونکہ اس نے دیکھا نہیں تھا۔ سو اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھی اور فائل کھول لی۔

اخبار کے تراشے اس کے قدموں میں گرے رہے۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ وہ ٹھیک سے پڑھے نہ جاتے تھے۔ مگر پھر کھڑکی کے باہر صبح پھیلتی گئی اور روشنی اندر بھرتی گئی اور ان کی تحریر واضح ہو گئی۔

ان تراشوں کی سرخیاں کہہ رہی تھیں۔

"اسسٹنٹ ڈائریکٹر نیب وارث غازی پراسرار طور پر کمرے میں مردہ پائے گئے۔ پولیس نے موت کو خود کشی ' عزیز و اقارب نے قتل قرار دے دیا۔ کمرے سے لیپ ٹاپ اور اہم ڈاکومنٹس بھی غائب۔"

"اسلام آباد کے پوش علاقے میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ایک خاتون جاں بحق ' ایک زخمی ' جاں بحق خاتون کچھ روز قبل مبینہ طور پر خود کشی کرنے والے نیب ڈائریکٹر کے بھائی کی اہلیہ تھیں۔"

"زخمی خاتون کے دونوں گردے فائرنگ کے نتیجے میں ضائع ہو چکے ہیں ' نیز ان کا تعلق۔۔۔"

"نیب ڈائریکٹر کے قتل کا معمہ حل ' پولیس نے سوتیلے بھائی فارس غازی کو گرفتار کر لیا۔ پولیس کے مطابق اپنی بیوی اور رشتے دار خاتون پہ فائرنگ کے پیچھے بھی اسی کا ہاتھ۔۔۔"

دو ہاتھوں نے تیزی سے وہ کاغذ سمیٹے اور ان کو ڈبے میں ڈالتے ہوئے الماری بند کی۔ پھر سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی۔

وہ تیار ہو چکی تھی اور اب گیلے گھنگریالے بال برش کر رہی تھی۔ فجر بیتے کافی دیر ہو چکی تھی اور باہر ہر طرف سنہری روشنی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کی کھڑکی کے باہر تلی گلی میں واپس چلتے جاؤ تو اب کچن کا دروازہ کھلا تھا اور جالی سے باتیں کرنے کی آوازیں اور ناشتے کی خوشبو آرہی تھی۔ ملازم لڑکا کھڑا چائے دم پہ رکھ رہا تھا۔ ساتھ ایک ہٹی کٹی اس کے طبقے کی عورت کھڑی تھی۔

"وے صداقت! ماں کا سارا پیغام سمجھ میں آ گیا نا؟ اب میں تسلی سے گرائیں چلی جاؤں؟" وہ جیسے کوئی لمبی چوڑی بات سمیٹ رہی تھی۔ لڑکے نے "ہاں نا چاچی!" کہتے تشفی کروائی۔ چاچی نے جیسے فراغت سے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ تو اپنی باجی کا ناشتا بنا رہا ہے؟" اس نے مالکن کی بابت استفسار کیا۔

"ہاں۔۔۔ اور صاحب کا بھی۔۔۔ باجی کے ابو۔۔۔ دو لوگ ہی تو ہیں گھر میں۔"

"نا تو تیری باجی کی شادی وادی نہیں ہوئی؟"

"صاحب نے بوووہت پہلے۔" انڈا توڑتے ہوئے "بہت" کو بہت کھینچا۔

"باجی کی منگنی کی تھی ' شادی بھی ہونے والی تھی ' مگر پھر بازار میں فائرنگ ہوئی اور باجی کو بھی گولی لگ گئی۔ بس دونوں گردے ضائع ہو گئے۔ کسی انگریز عورت نے گردہ تو دے دیا اور لگ بھی گیا ' پر منگنی ٹوٹ گئی۔ پھر باجی نے شادی نہیں کی۔"

"چچ چچ۔۔۔ بے چاری۔۔۔ ستائیس اٹھائیس کی تو ہو گی؟"

"ارے۔۔۔ تینتیس چونتیس سے کم کی نہیں ہیں باجی ' لگتی چھوٹی ہیں۔" صداقت نے فخر سے کہتے ہوئے انڈا تیل پہ ڈالا۔ شڑشڑ کی آواز آئی اور تیل میں بلبلے بننے لگے۔

"تجھے کیسے پتا اس کی عمر؟" چاچی نے مشکوک نظروں سے لڑکے کو دیکھا۔

"عمر کا نہیں ' سالگرہ کا پتا چل جاتا ہے۔ وہ ہر سالگرہ پہ سعدی بھائی کارڈ اور پھول جو لے آتا ہے۔"

"سعدی بھائی کون؟"

"لے۔۔۔ تجھے سعدی بھائی کا نہیں پتا؟" صداقت نے انڈا پلٹتے ملامتی نظروں سے چاچی کو دیکھا۔ "باجی کا بھتیجا ہے۔ بڑے صاحب کا پوتا۔"

"دیکھ۔۔۔ ایسے ہوتے ہیں بھتیجے اور تو گرائیں آتا ہے تو مجال نہیں کہ چاچے ' چاچی کو شکل بھی دکھا دے۔" ساتھ ہی لڑکے کی پشت پہ دھموکا جڑا۔ وہ بلبلا کر رہ گیا۔ "اسی لیے تو باجی اپنے بھتیجے سے بڑا پیار کرتی ہو گی۔"

"کہاں؟" برا سا منہ بنائے صداقت نے اسی انداز میں کہا۔ "وہ تو سعدی بھائی سے بات بھی نہیں کرتی ' ملتی بھی نہیں ہے ' وہ تب ہی گھر آتا ہے جب وہ نہیں ہوتی۔ وہ اس سے ناراض ہے۔"

"ائے ہئے کیوں؟"

"پرانی ناراضی ہے ' باجی کو جو گولی لگی تھی ' وہ سعدی بھائی کے ماموں نے ماری تھی۔ بس تب سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔" وہ سر جھکائے کام کرتے ہوئے تبصرہ کیے جا رہا تھا۔ چاچی نے پر سوچ ہنکارا بھرا۔

"تو اسی لیے باجی کے بھائی کا خاندان ان کے ساتھ نہیں رہتا۔"

"او نہیں چاچی! وہ تو ہمیشہ سے الگ رہتے تھے۔ پھر خاندان میں اور ہے بھی کون؟ باجی کے ایک ہی بھائی تھے۔ سعدی کے ابو ' عرصہ ہوا فوت ہو چکے۔ ان کی وفات سے بھی سالوں پہلے سے انہوں نے گھر الگ کر لیا تھا۔ ان کی بیوی کی اپنی ساس ' مطلب باجی کی مرحومہ امی سے نہیں بنتی تھی ' پھر بھی باجی بڑا خیال کیا کرتی تھیں اپنے بھتیجوں کا ' سعدی بھائی لوگ تین بہن بھائی ہیں ' یہ تو بس اب کچھ سالوں سے ان کی بول چال۔"

"صداقت! اگر آپ ہمارے شجرہ نسب پہ روشنی ڈال چکے ہو تو ناشتا ٹیبل پہ لگا دو گے؟"

صداقت کے ہاتھ سے چمٹا گرتے گرتے بچا۔ چچی ' بھتیجا گھبرا کر پلٹے۔ وہ کوٹ بازو پہ ڈالے دوسرے ہاتھ میں پرس لیے چوکھٹ پر کھڑی تھی اور یہ فقرہ اس نے بنا کسی غصے یا طنز کے بہت سادگی و نرمی سے ادا کیا تھا۔

"لایا باجی بس۔۔۔" وہ جیسے کرنٹ کھا کر ایک دم تیز تیز کام کرنے لگا۔ چاچی نے بھی خفیف سا سلام کیا۔ وہ اسی نرمی مگر سنجیدگی سے جواب دے کر راہ داری میں آگے چلتی گئی اور ہیل کی فرش سے ٹکراتی آواز گونجتی گئی۔

راہ داری کے سامنے بڑا سا لونگ روم تھا۔ اس کا آدھا حصہ صوفوں سے آراستہ ٹی وی لاؤنج تھا۔ باقی نصف میں ڈائننگ ٹیبل بچھی تھی۔ سربراہی کرسی کی جگہ پہ ایک معمر صاحب وہیل چیئر پہ بیٹھے عینک ناک پہ جمائے اخبار دیکھ رہے تھے۔

وہ دائیں ہاتھ کی پہلی کرسی پہ آ بیٹھی ' چیزیں ایک طرف رکھیں ' پلیٹ اٹھائی ' کانٹا اس میں رکھا۔

"آج گھر کب آؤ گی؟"

"جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔"

وہ بہت ٹھہرے ہوئے نرم انداز میں بولتی تھی اور اس کے فقرے ایک روانی میں لبوں سے ادا ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ بات ختم کر کے سانس لیا کرتی تھی۔ اس کے باوجود ہر لفظ واضح اور کلیئر ہوتا تھا۔

"زمر!" انہوں نے پکارا۔ زمر نے جواب میں صرف "ہوں" کہا۔

"کل کی تاریخ یاد ہے ' کیا تھا؟"

"کوئی کرکٹ میچ تھا؟" زمر نے اسی اطمینان سے پوچھتے ہوئے نیپکن گود میں بچھایا۔

"سعدی کی سالگرہ تھی۔ وہ پچیس سال کا ہوگیا ہے۔"

اس کے ہاتھوں کی حرکت سست ہوئی' بھوری آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔ وہ ایک دم چہرہ موڑ کر صداقت کی طرف متوجہ ہوگئی جو لوازمات میز پہ رکھ رہا تھا اور زمر سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔ بڑے ابا بھی اخبار کو ہی دیکھ رہے تھے۔

صداقت اندر چلا گیا تو انہوں نے کہا۔ "تم پھر بھول گئیں نا۔"

"سوری!" وہ پلیٹ میں آملیٹ نکالنے لگی۔

"کیا تمہیں یہ یاد ہے کہ تم کیا کیا بھولنے لگی ہو؟ چار سال سے اس کی ہر سالگرہ بھول جاتی ہو' چار سال سے اس کے گھر جانا بھول گئی ہو' ڈیڑھ سال سے اس کی شکل دیکھنا بھول چکی ہو۔"

زمر نے میز کے وسط میں رکھے گلدان کو دیکھتے ہوئے کپ لبوں سے لگایا' بولی کچھ نہیں۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"وہ تمہاری کوئی سالگرہ نہیں بھولتا۔"

"میں اسے کال کرلوں گی۔"

"کال کرنا' پروا کرنے کے مترادف نہیں ہوتا۔"

زمر نے سنجیدگی سے بڑے ابو کا چہرہ دیکھا جو اب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"وہ میرا بھتیجا ہے' میں اس کی پروا کیوں نہیں کروں گی؟"

"تو پھر اس سے ناراضی ختم کیوں نہیں کرتی ہو؟"

"میں اس سے ناراض نہیں ہوں' سعدی میرے لیے کیا ہے' آپ جانتے ہیں اور کوئی بھی چیز اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔"

"تو پھر اس سے ملتی کیوں نہیں ہو؟"

"آل رائٹ' آپ ہمارا ناشتا spoil (خراب) کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔" پیالی پرچ پہ رکھ کر وہ مکمل طور پہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ "وہ مجھ سے کیوں نہیں ملا۔ جب میں بیمار تھی؟ ابا! میرے گردے ضائع ہوگئے تھے۔ ایک اجنبی فرنچ عورت مجھے گردہ دے سکتی ہے' مگر میرا بھتیجا مجھ سے ملنے نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس کی پڑھائی زیادہ ضروری تھی۔ ابا! وہ میرا بیٹا تھا۔ میرا بھائی تھا۔ میرا سب سے اچھا دوست تھا۔ مگر وہ میرے پاس نہیں تھا۔ جب مجھے اس کی ضرورت تھی۔ وہ انگلینڈ چلا گیا اور ہاں وہ وہاں سے مجھے کال کرلیتا تھا۔ مگر کال کرنا پروا کرنے کے مترادف تو نہیں ہوتا نا۔"

"تم اس کی یہ بات درگزر کردیتیں۔ اگر اس نے یہ نہ کہا ہوتا کہ فارس بے گناہ ہے اور..."

زمر رک گئی۔ اس کے تاثرات بدلے' آنکھوں میں گہرا کرب' تکلیف' غصہ ابھرا۔

"فارس غازی کا نام میرے سامنے مت لیا کریں' اس شخص نے میرے ساتھ کیا' کیا۔ آپ بھول گئے ہیں تو میں یاد کرادیتی ہوں۔" اس کا جیسے ناشتا حرام ہوچکا تھا۔ لبوں کو نیپکن سے تھپتھپا کر بال کان کے پیچھے اڑسے اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"وہ... آپ کے پوتے کا ماموں... اس نے چار سال پہلے میری زندگی برباد کردی تھی۔ اس نے اپنی بیوی اور مجھے ایک جگہ بلا کر' ہم دونوں کو شوٹ کردیا' تاکہ میں اصل ٹارگٹ سمجھی جاؤں۔ ان تین گولیوں نے جو مجھے کمر میں لگی تھیں کہ اس شخص نے میری پشت پہ حملہ ہی تو کیا تھا۔ میرے صرف گردے نہیں چھینے' ہر چیز چھینی اور سعدی... اس نے تب بھی کہا تھا اب بھی کہے گا کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے' گریٹ!"

دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے جیسے کسی نادیدہ ہستی کو شاباش دی۔ اس کا رنگ بگڑ چکا تھا اور وہ شدید ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔

"اس نے سعدی کے بڑے ماموں اور اپنی بیوی کو مارا۔ یہ ان کا اپنا معاملہ ہے' مگر اس نے مجھے بھی مارنا چاہا تھا اور یہ میرا معاملہ ہے۔ مگر ابا! اس کے باوجود میں فارس غازی کے کیس کو فالو نہیں کرتی' کیونکہ جب

جب اس واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مجھے نئے سرے سے تکلیف ہوتی ہے۔ پلیز مجھے کم از کم ناشتے کی میز پہ یہ تکلیف مت دیا کریں۔"

بہت دکھ سے کہتے ہوئے اپنی چیزیں سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑے ابا نے خاموش تاسف سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر اس کی آدھی چائے کی پیالی کو۔

ہر "سعدی..." سے شروع ہو کر "فارس" پہ ختم ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں چائے' ناشتے اور کھانے یوں ہی ادھورے رہ جاتے تھے۔

☼ ☼ ☼

؎ پھر حشر کے ساماں ہوئے ہیں

فجر کو قضا ہوئے کئی ساعتیں بیت چکی تھیں اور سورج ابھی تک ٹھنڈا تھا۔ شہر کے مضافات میں ایک پوش علاقے میں زندگی اتنی صبح بھی یوں بیدار اور چاق و چوبند تھی جیسے کبھی سوئی نہ ہو۔

وہ ایک بلند اور عالیشان محل نما گھر تھا۔ باہر سیکورٹی چیک پوائنٹس' مسلح گارڈز' کرنٹ سے لبریز تاریں تھیں۔ اندر عمارت سبزہ زار کے درمیان میں کھڑی تھی اور آگے پیچھے' اونچی نیچی پہاڑیوں کی مانند لان کہیں نشیب میں جاتا' کہیں اوپر اٹھ جاتا۔

لان میں باوردی ملازم چوکسی سے کام نپٹا رہے تھے۔ کسی بڑے ایونٹ سے پہلے ہونے والی پلاننگ ایک سنہرے باب کٹ والی لڑکی جو دودھیا رنگت اور دلکش نقوش کی مالک تھی' ہاتھ سے مختلف جگہوں پہ اشارہ کرتی۔ ایونٹ آرگنائزر کو ہدایات دے رہی تھی۔ جسے آرگنائزر مستعدی سے سر ہلاتا پہ نوٹ کرتا جارہا تھا۔

دور سے ایک فلپینو ملازمہ جو خوش شکل اور بااعتماد تھی اور سفید بلاؤز' اسکرٹ اور ٹائٹس میں ملبوس تھی۔ چلتی ہوئی آئی اور اس لڑکی کے سامنے مسکرا کر' سر کو خم دے کر پوچھا۔

"کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے' مس شہرین؟"

شہرین آرگنائزر کو بتا رہی تھی کہ اسے پھول کیسے اور کدھر چاہیے ہیں' اس نے رک کر بے زار نظر اس پہ ڈالی۔

"صرف اتنا فینو ناکہ تم ہر دو منٹ بعد آکر مجھ سے یہ سوال مت پوچھو۔" اور واپس مصروف ہو گئی۔

فینو نا کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ سر کو خم دے کر وہ وہاں سے چلی آئی۔ یقیناً" وہ عملے کی سپروائزر تھی' تب ہی بہت تمکنت سے تھوڑی دور ایجنسی کی طرف سے آئی۔ فاضل میڈز کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

"سب ٹھیک جا رہا ہے؟" اس نے تحکم سے جائزہ لیا۔

"پرفیکٹ... ویسے ابھی پارٹی میں ایک ہفتہ ہے۔ ہم کچھ جلدی تیاری نہیں کر رہے؟"

"اونہوں... یہاں ہر کوئی وقت سے پہلے کام کرنے کا عادی ہے اور یہ ہاشم کاردار کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ کوئی عام بات نہیں۔" فینو نا نے قدرے فخر سے جتایا۔ ملازمہ نے مڑ کر بے اختیار شہرین کی سمت دیکھا۔

"یہ ہاشم کاردار کی بیوی ہے نا؟ ان ہی کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔"

"ہاں مگر ان کی علیحدگی ہو چکی ہے' یہ یہاں نہیں رہتیں' پارٹی کے لیے آئی ہیں۔"

"اور ادھر کون رہتا ہے؟" ملازمہ کو دلچسپی ہوئی تو اس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں لان ڈھلان میں جا کر ختم ہوتا تھا وہاں ایک چھوٹی سی عام سی عمارت تھی جیسے انیکسی ہو۔

"وہ... وہ تو فارس غازی کا پورشن ہے۔" فینو نا نے برا سا منہ بنایا۔

"وہ کون ہے؟"

"ہاشم صاحب کی پھپھو کا بیٹا ہے' مگر وہ گھر مقفل ہوتا ہے۔ کیونکہ فارس جیل میں ہے۔" پھر آواز دھیمی کی۔ "اس نے اپنے سوتیلے بھائی' مطلب اپنے باپ کی پہلی بیوی کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا اور اپنی بیوی کو بھی۔"

"اوہ!" ملازمہ کی آنکھیں حیرت و تجسس سے پھیلیں۔ "تو اس کے مقتول بھائی کا خاندان یہاں نہیں رہتا؟"

"بتایا تو ہے' وہ اس کے باپ کا بیٹا تھا۔ سوتیلا بھائی تھا۔ ہاشم صاحب اس کی ماں کی طرف سے کزن ہوئے' تو ان سوتیلے رشتے داروں کا یہاں سے کیا تعلق؟" گوسپ کا لطف ختم ہوا تو وہ منہ بنا کر مڑ گئی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اس کی کروفر بھری چال میں عاجزی آ گئی۔ اس نے لونگ روم پار کیا' جس میں سیڑھیاں اوپر جاتی دکھائی دیتیں اور گھر کی چار منزلیں ختم ہونے کے بعد چھت آتی' یوں لونگ روم بہت عالی شان تاثر ڈالتا' پھر وہ ڈائننگ ہال میں آئی اور سربراہی کرسی ادب سے کھینچی۔ یہاں سے لونگ روم نظر آتا تھا اور اسے اپنی مالکن بھی آتی نظر آ رہی تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی باریک ہیل سے تیز تیز چلتی آ رہی تھی۔ ٹائٹس پہ انگریزی طرز کا بغیر آستین کے گھٹنوں سے اوپر آتا لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکے بھورے ڈائی بال سیدھے اور کمر پہ تھے اور شیرنی جیسی آنکھیں لیے تھیں' چہرہ خوب صورت و ملائم۔ وہ یقیناً" کافی عمر کی تھی' مگر بے حد اسمارٹ اور ترو تازہ۔

"گڈ مارننگ مسز جواہرات!"

"مارننگ...!"

مسکرا کر جواب دیتی وہ سربراہی کرسی پہ ملکہ کی شان سے بیٹھی' نیپکن گود میں بچھایا اور باادب کھڑی فینو نا کو شیریں لہجے میں مخاطب کیا۔

"میرے بیٹے کدھر ہیں؟"

"ہاشم تیار ہو رہے ہیں اور نوشیرواں ابھی نہیں اٹھے۔"

جواہرات نے جواب دیے بنا پلیٹ اپنے قریب کی۔

"میم... آپ کی فلر ٹریٹمنٹ کی اپائنٹمنٹ آج شام کی ہے۔ آپ نے ریمائنڈ کروانے کو کہا تھا۔"

"اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسی باتیں آواز دھیمی رکھ کر کیا کرو۔" اسی شیریں مسکراہٹ سے اس نے فینو نا کو دیکھ کر کہا "اور اپنا میک اپ کم کرو' مجھے اسٹاف کی بے ربطگی بالکل پسند نہیں ہے۔"

"سوری میم!" فینو نا کی مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی۔ اس نے جلدی سے رومال سے لپ اسٹک رگڑی' جواہرات اب ناشتا پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

سیڑھیوں کے اوپر پہلے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر اے سی کی خنکی اور مردانہ پرفیوم کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ کوٹ قریب ہی ٹنگا تھا۔ بال ماتھے پہ پیچھے کو سیٹ کیے۔ وجیہہ نقوش' شان دار شخصیت اور پرکشش سیاہ آنکھیں' بالکل جواہرات کے جیسی۔

دفعتاً" ٹائی درمیان میں چھوڑ کر اس نے وقت دیکھا اور موبائل اٹھا کر چند بٹن دبائے' پھر ایک کال ملائی۔

"باجوہ صاحب! ابھی آپ کو ایک ای میل بھیجی ہے۔ اس کو دیکھنے کے بعد آپ مجھ سے یقیناً" بات کرنا چاہیں گے۔" اگلے کی بات سنے بغیر مسکرا کر فون بند کیا اور رکھ دیا۔ ٹائی کی ناٹ باندھ چکا تو فون بجا اور پھر بجتا گیا۔ چھ سات کالز آئیں۔ مگر اس نے نہیں اٹھایا۔ ذرا خاموشی ہوئی تو اس نے ایک اور نمبر ملایا۔

"خاور... کام ہو گیا ہے۔ اس لڑکی جو بھی نام ہے اس کا... اس کو غائب ہونے کو کہہ دو... اب وہ باجوہ سے نہیں ملے گی اور دوپہر تک میری سیکریٹری اس کی پے منٹ کلیئر کر دے گی۔" کال کاٹی ہی تھی کہ پھر سے باجوہ صاحب کی کال آنے لگی۔ اس نے مسکرا کر ریس کیا اور آئینے میں دیکھتے ہوئے خود پہ پرفیوم چھڑکتے بولا۔

"کیسا لگا میرا تحفہ؟ اگر تم نہیں چاہتے کہ میں اس پر تمہاری بیٹیوں کی رائے لوں تو آج بورڈ کے اجلاس میں تم میری قرارداد کے حق میں ووٹ دو گے۔ ورنہ میں کتنا بے رحم ہوں' تم جانتے ہو۔" دوسرے کا غصہ' احتجاج' درخواست کچھ بھی سنے بغیر اس نے فون رکھ دیا۔ خود پہ دو' تین اسپرے مزید کیے۔ کف لنکس لگائے' کوٹ پہنا اور باہر نکلا۔ راہ داری میں موجود باوردی ملازم نے فوراً" اندر جا کر اس کا بریف کیس اٹھا لیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو جواہرات جوس گھونٹ گھونٹ پیتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے قریب آ کر اس کا ماتھا چوما' پھر دائیں ہاتھ کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔

"میرا خیال تھا مسز کاردار اب تک آفس جا چکی ہوں گی۔" ساتھ ہی ہاشم نے ابرو سے فینو نا کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً" غائب ہو گئی۔

"تمہاری ایکس وائف صبح سویرے آ گئی تو میں کیسے جاتی؟"

"شہری کیوں آئی ہے؟" ہاشم نے توس پہ اسپریڈ لگاتے ہوئے غیر دلچسپی سے پوچھا۔ جواہرات نے نزاکت سے شانے اچکائے۔

"سونیا کی سالگرہ ہم نے اسے اس کے گھر نہیں کرنے دی' تو وہ ہفتہ پہلے سے تیاری شروع کر کے انتقام لے رہی ہے۔"

"سونیا کو ساتھ لائی ہے؟"

جواہرات نے نفی میں گردن ہلائی۔

"اینی ویز باجوہ کا ووٹ میرے پاس ہے یوں آج عبدالصمد کو ہم ووٹ آؤٹ کر دیں گے۔"

جواہرات کھلے دل سے مسکرائی۔

"یہ تم نے کیسے کیا؟"

ہاشم مسکراتے ہوئے شانے اچکا کر بولا۔ "ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔"

"سوائے اس گھر کے اسٹاف کے۔ مطلب کوئی کام کا بندہ ہے یہاں؟ کبھی کوئی میری کار مار دیتا ہے۔ کبھی میرا سوٹ برباد ہو جاتا ہے' حد ہو گئی۔"

آواز پہ دونوں نے اس طرف دیکھا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں نوشیرواں بستر سے اٹھ کر آیا تھا اور بہت بگڑے موڈ میں آیا تھا۔

"اور اب کیا ہوا ہے؟" ہاشم نے چھری کانٹے سے ٹکڑا توڑتے ہوئے مسکرا کر اس کو دیکھا۔

"میرا سوٹ برباد کردیا اس جاہل ریاض نے۔ آپ اس کی پے سلپ اس کے حوالے کردیں ممی۔۔۔ میں نے اسے۔۔۔ کردیا ہے۔" سیب اٹھا کر اس میں دانت گاڑتے ہوئے وہ خفا خفا سا بولا۔ وہ چوبیس پچیس سال کا خوش شکل نوجوان تھا۔ ہاشم جتنا نہیں، مگر اچھا تھا۔ فرنچ کٹ اور بالوں کی الجھی بکھری اسپائکس۔۔۔ آنکھوں میں بے زاری اور لاپروائی۔۔۔ جواہرات نے ناپسندیدگی سے اس کی بات سنی۔

"تم کب بڑے ہوگے؟ جب ہاشم تمہاری عمر کا تھا تو وہ اتنا چھوٹا ہرگز نہیں تھا۔"

ہاشم نے ماں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے ٹوکا۔ "میں سمجھادوں گا نا۔" اور پھر نوشیرواں کی طرف متوجہ ہوا۔ "آج تمہیں آفس میں نظر آنا چاہیے۔"

"آؤں گا بھائی! مگر اپنے وقت پہ۔" اس نے اب مسکرا کر بے نیازی سے کہا۔ ہاشم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ اسے نوشیرواں پہ کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔

"صبح ہوچکی ہے شیرو! اب تم بالکل نہیں سوؤ گے اور تیار ہو کر آفس آؤ گے۔"

"اوکے!" وہ لاپروائی سے کہہ کر سیب کھانے لگا۔ ہاشم کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے جوس کا گھونٹ بھرا اور موبائل کان سے لگایا۔

"ہاشم کاردار؟" نسوانی آواز نے استفسار کیا۔

"آگے بولو۔" اس کا لہجہ بے لچک اور سپاٹ ہوگیا۔

"میں کامران حیات کے آفس سے بات کررہی ہوں۔ پلیز لائن پہ رہیے گا، کامران صاحب بات کریں گے۔"

"اپنے باس کو بولو کہ میں سیکریٹریز سے بات نہیں کرتا، اسے مجھ سے کام ہو تو مجھے خود کال کیا کرے۔" بے نیازی سے کہہ کر اس نے موبائل بند کردیا۔ جواہرات اور نوشیرواں نے اپنی خفگی بھلا کر مسکراتی، مگر فخریہ نگاہوں کا تبادلہ کیا۔ ہاشم کا موبائل پھر سے بار بار بجنے لگا تو شیرو کو کہنا

"اٹھالیں بھائی! بے چارے کی کال۔"

"شام کو اٹھاؤں گا۔ اسے پورا دن خوار ہونے دو۔ کام ہو تو ہاشم کاردار یاد آجاتا ہے۔" وہ ناشتا ختم کرکے اب اٹھ رہا تھا۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کورٹ جارہے ہو؟"

"پہلے آفس پھر کورٹ۔۔۔ جنرل نوید کے بیٹے والا مسئلہ، وقت پہ نہ گیا تو زمر سیٹل منٹ سے انکار ہی نہ کردے۔ اس مغرور عورت کا کوئی بھروسا نہیں، ممی۔"

"زمر کو میرا سلام کہہ دینا۔" جواہرات نے دلچسپی سے کہا۔

"شیور۔۔۔" ہاتھ صاف کرکے اس نے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ وہ پھر سے بجا۔ ہاشم نے "ہاں خاور بولو" کہہ کر عجلت میں کال ریسیو کی تھی۔ مگر دوسری طرف جو کہا جارہا تھا، اسے سن کر وہ بالکل رک گیا۔ آنکھیں سکیڑلیں اور آہستہ آہستہ واپس بیٹھ گیا۔

"ہوں۔۔۔ پچھلے دو مہینے میں وہ کس کس سے ملا ہے۔ اپنے وکیل کے علاوہ، مجھے ایک ایک ملاقات کی تفصیل دو۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔" سرد لہجے میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو وہ دونوں اسی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ اس نے صرف ایک لفظ کہا۔ "فارس!"

جواہرات کے ہاتھ سے سیب کی قاش پھسلی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"فارس۔۔۔ کا کیا ذکر؟"

"اس کا کیس۔۔۔ آج اس کا فیصلہ متوقع ہے۔" وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

جواہرات سانس لینا بھول گئی۔

"اور تمہیں اب پتا چل رہا ہے؟"

ہاشم کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔

"میں اراضی کے مقدمات میں پھنسا تھا۔ اس طرف دھیان نہیں گیا۔ مجھے عجیب لگ رہا ہے کہ اس کا فیصلہ اچانک سے آنے والا ہے۔"

ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ جواہرات کی مسکراہٹ اب غائب تھی۔ وہ بالکل یک ٹک ہاشم کو

دیکھ رہی تھی۔

"ڈونٹ وری، وہ رہا نہیں ہوگا۔" ہاشم کو کہنا پڑا۔

"اسے رہا ہونا بھی نہیں چاہیے اور تم اس بات کو یقینی بناؤ گے ہاشم!" وہ بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔

"میں سنبھال لوں گا ممی!"

"تمہارے اس کزن کے رہا ہونے کا مطلب ہے کہ عدالت کے نزدیک وہ قاتل نہیں ہے۔ یقیناً" اگلا سوال یہ ہوگا کہ پھر قاتل کون ہے؟" نوشیرواں نے سیب کھاتے چباتے ہوئے کہا۔" دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کا ہلتا منہ رک گیا۔

"یوں ہی کہہ رہا تھا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"یہ بات میں دوبارہ تمہارے منہ سے نہ سنوں شیرو!" جواہرات نے بمشکل غصہ ضبط کیا، پھر ہاشم کو دیکھا۔ جیسے خود بھی وہی سوال پوچھ رہی ہو۔ اس کی شربتی جیسی آنکھوں میں تپش تھی۔

ہاشم نے ذرا سے کندھے اچکائے۔ "فیصلہ اس کے خلاف ہی آئے گا، ڈونٹ وری۔ وہ باہر نہیں آئے گا اور آ بھی جائے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" تب ہی اس کا فون پھر بجا۔ اس نے فوراً" کال وصول کی۔

"ہاں خاور۔۔۔ ہوں۔۔۔ اچھا۔۔۔" سنجیدہ، سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ سنتا رہا، پھر فون رکھ دیا۔

"سعدی! سعدی یوسف!" اس نے ہولے سے کہا اور۔۔۔

نوشیرواں کا چہرہ یوں ہوگیا جیسے اس نے زہریلا سیب نگل لیا ہو۔

☆ ☆ ☆

مت چھیڑو ہم اہل جنوں کو

زمر نے جب گاڑی سگنل سے تیزی سے گزاری تو بتی زرد تھی اور اس کے نکلتے ہی وہ سرخ ہوگئی۔ اس نے بے اختیار سائیڈ مرر میں دیکھا۔ ٹریفک سارجنٹ اس کو اشارہ کررہا تھا۔ گہری سانس لے کر سر جھٹکتے اس نے کار سائیڈ پہ کی۔ انجن بند نہیں کیا۔ بٹن دبایا، شیشہ نیچے گرتا گیا۔ اس نے سن گلاسز اوپر کرکے

گھنگھریالے بالوں پہ لگائے اور اسٹیئرنگ پہ دونوں ہاتھ رکھ کر مختصر سی نظر آنے لگی۔

"بی بی۔۔۔ آپ نے سگنل توڑا ہے۔" وہ کھڑکی تک آیا اور کھردرے لہجے میں بولا۔

"سگنل میرے گزرنے کے بعد ریڈ ہوا تھا۔" اس نے گردن ذرا اٹھا کر بے نیازی سے جواب دیا۔

"نہیں جی۔۔۔ آپ نے لال بتی کراس کی ہے، چالان بنتا ہے۔" وہ بک کے صفحے پلٹتے معمول کے مطابق کہہ رہا تھا۔

"آپ اسے سنبھال کر رکھیں۔ کیونکہ ہم دونوں کو پتا ہے کہ میں نے سگنل نہیں توڑا۔"

"میں گواہ ہوں، آپ نے سگنل توڑا ہے۔"

"بتی زرد تھی۔"

"تو آپ کو معلوم ہوگا کہ زرد کے بعد بتی لال ہوتی ہے۔ آپ کو نہیں گزرنا چاہیے تھا۔" وہ قلم کھول رہا تھا۔

"پھر آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ آپ کے سگنل کا ٹائمر خراب پڑا ہے۔" اس نے سگنل کی جانب اشارہ کیا۔ "تو مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کتنے سیکنڈ بعد بتی سرخ ہوتی ہے۔"

"بی بی! آپ بحث کیوں کررہی ہیں؟ چالان دیں اور جائیں۔" وہ اکتا کر بولا۔ زمر نے اثبات میں گردن ہلائی، چابی گھمائی اور کار بند کردی، پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں تو چالان نہیں دوں گی، کیونکہ میری غلطی نہیں ہے اور آفیسر آپ مجھ سے اونچی آواز میں کافی بدتمیزی سے بات کررہے ہیں۔ اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں کار ادھر سائیڈ پہ لگاؤں گی، پھر ڈسٹرکٹ بار فون کروں گی۔ آدھے گھنٹے میں یہاں بار کے نمائندے اور دو مخالف میڈیا چینلز کے کیمرے ہوں گے اور میں اسی جگہ پریس کانفرنس کرکے ان کو بتاؤں گی کہ کس طرح نااہل ٹریفک پولیس اپنے ٹائمر ٹھیک کروانے کے بجائے خواتین کو روک کر ان سے بدتمیزی کررہی ہے اور جب سارا میڈیا آئی جی ٹریفک کو لائن پہ لے کر ان

کی کارکردگی پہ سوال اٹھائے گا تو وہ یقیناً ”سب سے پہلے اس آفیسر کا نام جاننا چاہیں گے جس نے ایک خاتون کو غلط روک کر نہ صرف اس سے بدتمیزی کی بلکہ اسے ساعت پہ وقت پہ پہنچنے سے بھی روکا۔ کیونکہ میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف ہوں اور اگر میں پانچ منٹ بھی لیٹ ہوئی اور اس سے اس کیس پہ ذرا سا بھی اثر پڑا تو میں اس امر کو یقینی بناؤں گی کہ آپ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال عدالت کے دھکے کھاتے ہوئے گزاریں گے۔ میں جن لوگوں سے روزانہ ڈیل کرتی ہوں وہ قاتل، چور اور rapists ہوتے ہیں۔ اس لیے میری کار سے ہاتھ ہٹائیں۔ جا کر اپنی ڈیوٹی کریں اور مجھے میری ڈیوٹی کرنے دیں۔“

اس نے گلاسز واپس آنکھوں پہ لگائے۔ چابی گھمائی، ایکسیلیٹر پہ دباؤ بڑھایا۔ آفیسر بے اختیار پیچھے ہٹا اور وہ زن سے کار آگے لے گئی۔

”اللہ ان عورتوں کو زبان نہ دے، یا پھر وکیل نہ بنائے۔“ وہ غصے اور بے بسی سے بڑبڑاتے ہوئے اپنی جگہ پہ واپس جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

؎ اس شہرِ دل نواز کے آداب دیکھنا

”سعدی؟ فارس کا بھانجا؟“ جواہرات نے اچنبھے سے ابرو اٹھائیں۔ نوشیرواں نے بے زاری سے سیب رکھ دیا۔ اس کا کھانا حرام ہو چکا تھا۔

”وہ ہر ہفتے فارس سے ملنے آتا ہے۔“ ہاشم گہری سوچ میں ڈوبا آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

”اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔“

”مگر۔۔۔ وہ مجھے بھی اپنے آس پاس نظر آیا ہے۔ ایک، دو دفعہ، بالکل رینڈم جگہوں پہ۔ جہاں اس کا کوئی کام نہیں تھا۔ یہ لڑکا کچھ گڑبڑ ہے۔“ ہاشم پہلے سے زیادہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

”ہاشم۔۔۔ مجھے اس سارے مسئلے کا حل بتاؤ۔“ وہ مضطرب اور بے چین سی بولی۔

”ممی! بھائی سنبھال لے گا نا۔“

ہاشم نے سنا ہی نہیں، اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے فینو نا کو آواز دی اور اسے دو دعوت نامے لانے کو کہا۔

”بہت عرصہ ہوا میں اس سے نہیں ملا۔ اب اسے میری پارٹی میں آنا چاہیے۔“ وہ جیسے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے کر بولا تھا۔

”اوہ پلیز۔۔۔ اگر وہ آئے گا تو میں پارٹی میں نہیں ہوں گا۔ میں اسے اپنے گھر میں نہیں برداشت کر سکتا۔“ نوشیرواں کا موڈ بگڑ چکا تھا۔ ”یونیورسٹی کے پانچ سال میں نے اسے برداشت کیا ہے۔ اب اور نہیں۔“ پھر یکایک اس کے تاثرات بدلے۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ جواہرات نے لاؤنج کی سمت دیکھا۔ شہرین ادھر ہی آ رہی تھی۔ نوشیرواں کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا۔ جواہرات نے مسکرا کر گہری سرد نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

”آپ کب آئیں؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔“ نوشیرواں کو اپنے رف حلیے پہ جیسے شرمندگی ہوئی تھی۔

”بدقسمتی سے شہری میری بیٹی کی ماں ہے اور اس کی سالگرہ کی تیاری کے لیے یہ یقیناً“ ارلی مارننگ ہی آئی ہوگی۔“ ہاشم مسکرا کر کہتے ہوئے اٹھا اور مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ بے زاری سے نظر انداز کر کے جواب دیے بنا جواہرات کی طرف متوجہ ہوئی۔

”میں نے سیٹنگ ارینج منٹ فائنل کر دی ہے۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔“ پھر نوشیرواں کو دیکھ کر تکلفاً مسکرائی۔ ہاشم تب تک باہر نکل چکا تھا۔

”لسٹ میں دو نام اور بھی ایڈ کرنے ہیں۔ سعدی یوسف اور زمر یوسف۔“ جواہرات نے اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ نشاندہی کی۔ شہرین ذرا چونکی۔

”سعدی؟ وہ۔۔۔ فارس کا بھانجا؟“

”آپ اسے جانتی ہیں؟“ نوشیرواں کو برا لگا۔ وہ ابھی تک کھڑا تھا۔

”ہوں۔۔۔ کچھ زیادہ نہیں۔“ وہ سنبھل کر بے نیاز

نظر آنے لگی۔ پھر جب جانے کے لیے پلٹی تو جواہرات نے آواز دی۔

”کیا تم شام میں آؤ گی؟“

”نہیں۔۔۔“ وہ باہر جا چکی تھی۔ جواہرات نے مسکرا کر نوشیرواں کو دیکھا اور نزاکت سے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

”وہ ایک دن میں بھی دوسری دفعہ اس گھر میں آنا پسند نہیں کرتی۔“

نوشیرواں چونکا، پھر خفیف سا سر جھٹکا اور کھڑا ہو گیا۔

”یہ سعدی لوگوں کا ریسٹورنٹ وہیں ہے نا؟“ بات بدلنے کو اس نے پوچھا یا پھر وہ واقعی اسی نہج پہ سوچ رہا تھا۔ جواہرات نے شانے اچکا کر گلاس لبوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

؎ ہوا کی زد پہ بھی دو اک چراغ روشن ہیں
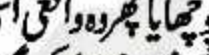
صبح ابھی تازہ تھی اور سفیدی سنہرے پن میں نہیں بدلی تھی۔ کاردار ز کے گھر گو کہ ناشتا ختم ہو چکا تھا، فجر کی آئی شہرین واپس، نوشیرواں دوبارہ سونے اور ہاشم کورٹ کے لیے نکل چکا تھا۔ مگر اکثر گھروں میں ناشتے، اسکول، کالج کی تیاری ابھی چل رہی تھی۔ اس سیکٹر کے درمیانے درجے کے گھروں میں ایک وہ چھوٹے باغیچے والا گھر بھی تھا جس کی بیرونی تختی پہ ذوالفقار یوسف (مرحوم) لکھا تھا۔ گھر کے اندر جاؤ تو کمروں سے کمرے نکلتے تھے۔ دو منزلہ گھر چھوٹا سا تھا۔ اسی لیے کچن میں پکتے ناشتے کی مہک اور دھواں سارے میں پھیلا تھا ایک فربہی مائل خاتون پراٹھا توے پہ پلٹتے ہوئے غصے سے زور، زور سے آوازیں بھی دیے جا رہی تھیں۔

”اسامہ۔۔۔ حنین۔۔۔ اٹھ جاؤ۔۔۔ وین آنے والی ہے۔“

”کیا امی۔۔۔ میں کب کا تیار بھی ہو چکا ہوں۔“ ایک تیرہ برس کے لڑکے نے ناراضی سے کہتے کچن میں جھانکا۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھا اور برش سے گیلے بال سنوار رہا تھا۔ اس کے بال گہرے بھورے اور گھنگھریالے تھے۔ اپنی زمر پھپھو کی طرح۔

ندرت نے عجلت میں مڑ کر اسے دیکھا۔ ”اچھا شاباش۔۔۔ اور حنین کدھر ہے؟“

”کٹو بیگم ابھی تک سو رہی ہے۔“

”کتنی دفعہ کہا ہے سیم کہ بڑی بہن کو ان ناموں سے مت پکارا کرو۔“

”گن کر بتاؤں کتنی دفعہ امی؟“

اس سے پہلے کہ وہ جوتا اتارتیں، وہ بھاگ چکا تھا۔

ایک کمرے میں آ کر وہ رکا۔ وہاں دو پلنگ مخالف دیواروں سے لگے تھے۔ ایک کی سائیڈ ٹیبل پہ اسامہ کا بیگ رکھا تھا۔ دوسرے پہ لحاف منہ تک لیے وہ سو رہی تھی۔

”حنین۔۔۔ حنی ی ی ن۔۔۔“ اس کے نام کو لمبا کھینچ کر پکارا۔ ”کٹو بیگم! اٹھ جاؤ۔“ پھر غصے سے اس کا لحاف میں دبکا بازو ہلایا۔ اندر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ اسامہ کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں میں شرارت چمکی۔۔۔ وہ پائنتی کی طرف آیا۔ وہاں ایک نسوانی پیر لحاف سے باہر تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے پیر کے نیچے گدگدی کی۔

پیر تیزی سے اندر کھینچا گیا۔ ساتھ ہی لحاف اتار کر وہ دھاڑی۔

”بدتمیز۔۔۔ الو۔۔۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔“ جھک کر بیڈ کے آس پاس جوتا تلاش کیا، مگر وہ بھاگ کر چوکھٹ کے باہر چھپ گیا تھا۔ پھر کچھوے کی طرح گردن اندر کر کے بولا۔

”وین آنے والی ہے، آج میں تمہیں چھٹی نہیں کرنے دوں گا کٹو بیگم۔“ جوتا اڑتا ہوا اس تک آیا، مگر اسامہ اڑن چھو ہو چکا تھا۔

”میں چھٹی کر بھی نہیں رہی، پیپر ہے میرا، مگر مجال ہے جو یہ دس منٹ زیادہ سونے دے۔“ وہ منہ بسورتی، پیر فرش پہ مارتی اٹھی۔ ”کیا یار۔۔۔ روز صبح صبح اٹھنا پڑتا ہے۔“ پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ لپک کر راہداری میں آئی اور زور سے چلائی۔

"مسوٹے' آلو' اب آنا تم میرے پاس کاپی پہ کور چڑھوانے یا نوڈلز بنوانے۔"

غصہ نکال کر اندر آئی۔ گھڑی دیکھی۔ "اوہ نو۔" وہ بھاگ بھاگ کر تیار ہونے لگی۔ الماری کھولی تو کپڑوں کا ڈھیر باہر کو گرا' بمشکل اس ڈھیر کو ہاتھ سے روک کر اندر سے ایک سوٹ کھینچا۔ ڈھیر کو واپس دھکیلا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

باہر آئی تو جلدی جلدی جوتے پالش کیے' کپڑے کوئی خاص استری نہ تھے۔ ساتھ ساتھ امی کی صلواتیں۔

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ رات کو کام کرکے رکھا کرو۔ جس دن میں نہ کروں تم دونوں کوئی کام نہیں کروگے۔" وہ راہ داری کے سرے پہ گول میز پہ ناشتا رکھتے افراتفری میں ڈانٹ بھی رہی تھیں۔ "ایک میرا سعدی ہے' کبھی مجھے تنگ نہیں کیا' بغیر کہے ہر کام کرتا ہے۔"

وہ جو زمین پہ بیٹھی جوتے پالش کررہی تھی' ایک دم رکی۔ "امی۔۔۔ بھائی کہاں ہے؟"

"ریسٹورنٹ پہ ہے۔ آج کل آفس سے چھٹی لے رکھی ہے' مگر فجر کے بعد آفس کا کام لے کر ریسٹورنٹ چلا جاتا ہے۔ کالونی کی مسجد میں فجر بھی آج اسی نے پڑھائی تھی۔ امام صاحب بیمار ہیں نا اور ایک تم دونوں ہو جس دن جوتے نہیں کھاؤ گے' نماز کے لیے نہیں اٹھو گے۔"

"اللہ۔۔۔ بھائی بھی نا' چھٹی لے کر بھی کام کرنا نہیں چھوڑے گا۔" وہ جوتے پہن کر اٹھی۔ یہ بات کہتے ہوئے انداز میں فخر در آیا تھا۔

تب ہی وین کا ہارن سنائی دینے لگا۔

"جاؤ موٹے' جاکر بیٹھو' انکل کو تسلی ہو۔" اسامہ نے فوراً "ہدایت پہ عمل کیا اور "اچھا کٹو بیگم" کہتا باہر بھاگا۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ برش لیے جلدی سے ماں کے قدموں میں آبیٹھی اور گردن اونچی کی۔ وہ تیز تیز اس کی فرنچ چوٹی بنانے لگیں۔

"اماں دعا کرنا۔ بس آج کا پیپر اچھا ہوجائے۔ پھر تین رہ جائیں گے' جان چھٹے گی۔" وہ سر اونچا کیے کہہ رہی تھی۔ وہ انیس' بیس سال کی دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ رنگت گندمی تھی اور نقوش معمولی۔ خوب صورت تو بالکل نہیں تھی' مگر اچھی لگتی تھی۔ درمیانی سی' بال سیاہ اور سیدھے تھے۔ کندھوں سے ذرا نیچے آتے اور ماتھے پہ برابر کٹے تھے۔ امی نے فرنچ چوٹی بناتے ہوئے ماتھے والے چھوڑ دیے تھے اور پچھلوں کو گوندھ کر ربڑ بینڈ لگادیا۔

بیگ اٹھا کر' دوپٹا کندھے پر برابر کرکے' باہر نکلتے نکلتے حنین نے ایک دم مڑ کر ندرت کو پکارا۔

"امی۔۔۔ بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ آج فارس ماموں رہا ہوکر گھر آجائیں گے۔ امی! کیا وہ واقعی آجائیں گے؟" اس کی آواز میں امید بھی تھی اور آس ٹوٹنے کا خوف بھی۔

"تمہارے بھائی نے کب اپنا وعدہ پورا نہیں کیا؟" ندرت نم آنکھوں سے مسکرائیں تو وہ بھی مسکرادی۔

وین کا ہارن پھر بجا تو وہ بوکھلا کر باہر بھاگی۔

اسامہ اگلی سیٹ پہ انکل کے ساتھ بیٹھا تھا اور پچھلی نشستوں پہ لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ حنین کے بیٹھتے ہی وین چل پڑی۔ اس کی کلاس فیلو رافعہ نے ذرا منہ بنا کر کہا۔

"حنین! جلدی آیا کرو۔"

اسامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"رافعہ باجی۔۔۔ جب آپ لوگ تھرٹی ون اسٹریٹ میں رہتے تھے اور آپ کو ہم سے بعد میں انکل پک کرتے تھے تو ہم بھی آپ کا اسی طرح انتظار کرتے تھے۔"

رافعہ ہونٹ سکیڑ کر خاموش رہی۔ حنین نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور اپنا بیگ آگے اسامہ کی طرف بڑھایا' جسے اس نے اپنے قدموں میں رکھ لیا۔ رافعہ اور سحل نے بھی اپنے اپنے بیگ اسی نیت سے اٹھائے کہ ذرا زیادہ آرام سے بیٹھ سکیں۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے بیگ آگے پاس کرتیں۔ حنین نے بازو بڑھا کر اسامہ کی گردن کی نبض محسوس کی' پھر لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے ایکسائیٹڈ سی بولی۔

"ابھی سانس لے رہا ہے' ایسا کرو تم سب اپنے پکڑ رہے دو' تاکہ بچے کا سانس صحیح سے تو بند ہو۔" پھر آگے بڑھاتے ہاتھ فوراً" رکے اور منہ بنا کر واپس ہوگئے۔ حنین کے چہرے کے تاثرات بدلے اور تنبیہی نظروں سے ان سب کو دیکھ کر پیچھے ہوکر بیٹھ گئی۔ اسامہ نے گردن ذرا موڑ کر مسکراہٹ چھپاتے اسے دیکھا اور ایک آنکھ دبائی۔ حنین نے بھی بے ساختہ امڈ کر آتی مسکراہٹ روک لی۔

گھر کی مرغی اور باہر کی دال میں واضح فرق تھا۔

☼ ☼ ☼

اسلام آباد پہ صبح کا دودھیا پن زرد ہو کر خستہ پڑ گیا اور سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو سارے درخت پسینے میں نہا گئے۔ مگر لندن میں ابھی صبح تازہ تھی۔ ٹھنڈی سی چھایا میں گھرے ہلٹن ہوٹل کے اندر لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔

ایک کارنر میں ایک فربہی مائل' سوٹڈ بوٹڈ صاحب کے ساتھ ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان کھڑا تھا۔ وہ صاحب جیسے کسی کا انتظار کررہے تھے۔ دفعتاً" نوجوان نے گھڑی دیکھتے ہوئے ان کو مخاطب کیا۔

"کانفرنس شروع ہونے میں خاصا وقت ہے۔ ڈاکٹر عطا کیوں نا ہم اندر چل کر بیٹھیں؟"

"بس تھوڑی دیر اور خضر۔"

"آپ کی واپسی کب ہے اسلام آباد کی؟"

"کانفرنس اٹینڈ کرکے نکل جاؤں گا شام کو۔ تم لوگ کب تک ہو؟" مگر پھر خضر کا جواب سنے بغیر ہی وہ جیسے دور کسی کو دیکھ کر شناسا سا مسکرائے تو خضر نے اس جانب دیکھا۔

"آپ ڈاکٹر سارہ کا انتظار کررہے تھے؟"

"آؤ۔۔۔ تمہیں ملواتا ہوں۔" وہ اسے لیے انٹرنس تک چلے آئے۔ جہاں سے وہ چلتی آرہی تھی۔ وہ گوری گلابی' نیلی سبز آنکھوں والی تھی۔ عمر تیس سے پینتیس کے درمیان' مگر کافی دبلی پتلی' خوب صورت نہیں تھی' پیاری تھی۔ مسکراتی تو آنکھوں کے گرد لکیریں پڑتیں۔ بال فرنچ ناٹ میں باندھ رکھے تھے۔ مجموعی طور پر اس کے چہرے پہ ایک سادہ اور پرخلوص سا تاثر تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر شناسائی سے سر کو خم دیتی قریب آئی۔ ہاتھ میں فائل' فولڈر' بیگ' بہت کچھ اٹھا رکھا تھا۔

"سوری ڈاکٹر عطا۔۔۔ مجھے دیر تو نہیں ہوگئی۔ بیٹیوں کو اسلام آباد چھوڑ کر آئی ہوں۔ آپ کو پتا ہے نا ان سے تفصیلی بات نہ کرلوں تو مجھے تسلی نہیں ہوتی۔" بہت سادہ اور معذرت بھرے انداز میں بولی۔ "بالکل ایسا ہی ہے' اچھا ان سے ملو' یہ خضر ہیں' پلاننگ کمیشن میں شاید تم نے کبھی ان کو دیکھا ہو اور خضر' یہ ڈاکٹر سارہ غازی ہیں۔ کیمیکل انجینئر ہیں' تھرکول پاور پروجیکٹ کی پروجیکٹ ڈائریکٹر' اسپیس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی پاکستانی اور آج کی انٹرنیشنل انرجی ایجنسی کے اس سیمینار میں ہمارے ملک کی نمائندگی کریں گی۔ مختصراً" یہ ایک راکٹ سائنٹسٹ ہیں۔" بات ختم کرکے انہوں نے فخر سے اس عہدیدار کے تاثرات دیکھے۔

"سر مجھے میڈم کے کریڈینشلز سننا اچھا لگ رہا تھا' ورنہ ہماری بہت اچھی ملاقات ہے۔ میڈم کا پلاننگ کمیشن میں روز کا آنا جانا ہے۔" خضر نے تب بتایا جب وہ سب کہہ چکے۔ سارہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔ ڈاکٹر عطا بے حد محظوظ نظر آنے لگے۔

"میں بڑوں کو نہیں ٹوکتی' ورنہ مجھے اپنے کریڈینشلز سننا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔" پھر خضر کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اور سنائیں خضر پلاننگ کمیشن والے ٹھیک ہیں؟"

"سنائیں گی تو آپ میم۔۔۔ آپ لوگوں نے انٹرنیشنل کورٹ میں آئی ایم ایف کے خلاف کیس جیتا ہے' جتنی مبارک دوں کم ہے۔"

"جی خضر صاحب۔۔۔ اس کا تو گورنر صاحب کو کریڈٹ جاتا ہے جنہوں نے اپنے خرچ پہ کیس لڑا تھا۔" وہ ابرو اٹھا کر سادگی اور خوشی سے کہہ رہی تھی۔

"کوئی شک نہیں۔" ڈاکٹر عطا نے تائید کی۔ پھر

جیسے کچھ یاد آنے پہ پوچھنے لگے۔ "ڈاکٹر سارہ۔۔۔ کل ہی کسی نے مجھ سے پوچھا تو سوچا آپ سے معلوم کروں گا' آپ کے ہزبینڈ کے مرڈر کیس کا کیا بنا؟"

سارہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ آنکھوں میں سائے لہرائے اس نے خفیف سا سر جھٹکا۔ پلاننگ کمیشن کے عہدیدار نے سوالیہ ڈاکٹر عطا کو دیکھا۔

"سارہ کے ہزبینڈ۔۔۔ وارث غازی نیب آفیسر تھے۔ تین' چار سال پہلے ان کا مرڈر ہوا تھا۔ ان کے بھائی نے ہی کیا تھا۔" "سارہ! کیا اسے سزا ہوئی؟" وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اوہ۔۔۔ بہت افسوس ہوا۔" خضر کو جیسے شرمندگی ہوئی۔

"میں نہیں جانتی کہ ان کے بھائی نے قتل کیا بھی تھا یا نہیں' ڈاکٹر عطا' سب کہتے تھے کیا تھا تو شاید کیا ہو' مگر میں اس کیس کو فالو نہیں کرتی۔ انتقام' قصاص' بدلہ' ان سب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا' میرا کل اثاثہ میری بیٹیاں ہیں اور وہ ابھی بہت چھوٹی ہیں' سو میں کسی ایسے معاملے میں نہیں انوالو ہونا چاہتی جو ان کی سیفٹی کو خطرے میں ڈالے۔" بھری محفل میں کسی کے دکھ کا ذکر چھیڑ دینا' بری نیت سے ہو یا اچھی نیت سے' دل ہمیشہ ایک طرح سے ہی دکھاتا ہے۔ وہ بھی افسردہ ہو گئی تھی۔

"میم۔۔۔ آپ سے کچھ ڈاکومنٹس مانگے تھے میں نے۔" آپ نے کہا تھا میل کروا دیں گی' مگر مجھے ملے نہیں ابھی تک۔" خضر نے جیسے بات بدلی۔ وہ ابھی تک لابی میں کھڑے تھے اور ماحول خاصا سوگوار ہو گیا تھا۔ لمحے بھر میں وہ تینوں اردگرد سے کٹ گئے تھے۔ سارہ زبردستی مسکرائی۔ "آئی ایم سوری خضر' میرا سینئر انجینئر چھٹی پہ ہے' کچھ دنوں میں شام میں اسلام آباد واپس جا رہی ہوں۔ جاتے ہی اس کو یاد کرواؤں گی۔ وہ آپ کو میل کر دے گا۔"

"اوہ ہاں۔۔۔ میں پوچھنے لگا تھا۔ آپ کا سینئر انجینئر آپ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے ہمیشہ' آج نظر نہیں آ رہا۔"

"وہ کسی ذاتی کام میں مصروف ہے۔" کہتے ہوئے اس کی زبردستی مسکراہٹ قدرتی مسکان میں بدلنے لگی۔

خضر نے ماتھے کو چھوا۔

"میں اس کا نام ہمیشہ بھول جاتا ہوں' کہیں یہ نہ ہو کہ میں اس کی میل مس کر دوں۔"

"سعدی۔۔۔ سعدی یوسف!" سارہ نے یاد دلایا پھر چہرے پہ دوبارہ بشاشت لاتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔ "اندر چلتے ہیں' آج ہمارے پاس توانائی کی دنیا کو دکھانے اور بتانے کے لیے بہت کچھ ہے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھی تو دونوں اس کے ساتھ ہو لیے۔ البتہ ڈاکٹر عطا ابھی تک یہ موضوع چھیڑنے پہ پشیمانی محسوس کر رہے تھے اور خضر یاد کرتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔

"بالکل۔۔۔ سعدی یوسف۔۔۔ بہت ہی competent لڑکا ہے۔ میں ایک دفعہ ملا تھا۔" وہ دور ہوتے گئے اور لابی کی گہما گہمی میں ان کی آوازیں مدھم پڑتی گئیں۔

☼ ☼ ☼

ع گرفتہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا۔

اسلام آباد میں دوپہر تیز شعاعوں کے ساتھ گویا برس رہی تھی۔ ایسے میں سنہری روشنی میں نہائے چھوٹے باغیچے والے گھر سے آگے مین روڈ پہ نکلیں تو مرکز شروع ہو جاتا' جہاں ایک قطار میں دکانیں تھیں اور قطار کے کونے پہ آخری دکان میں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ تھا۔ اوپر بڑے سے بورڈ پہ جلی حروف میں لکھا تھا۔ " Foodily Everafter "

یقیناً" یہ پریوں کی کہانیوں کے اختتامی happily everafter کی اشتہا انگیز نئی شکل تھی۔

ریسٹورنٹ کے برآمدے میں بچھی کرسیاں خالی تھیں۔ قریب ہی پھولوں کا اسٹال لگائے کم عمر پٹھان بچہ موجود تھا۔ ریسٹورنٹ کی سڑک کے سامنے کی دیوار

شیشے کی تھی۔ جس سے اندر جھانکو تو سب سونا پڑا تھا۔ ابھی لنچ ٹائم نہیں ہوا تھا۔ سو سوائے ویٹرز کے جو کام نپٹاتے پھر رہے تھے۔ وہاں کوئی گاہک موجود نہ تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ سوائے شیشے کی دیوار سے لگی میز کے۔ اس پہ لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ایک کھلی فائل اور موبائل۔۔۔ ساتھ کافی کا مگ۔ جس سے وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ جبکہ اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ اسکرین پہ جمی تھیں۔ وہ کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ جینز پہ بٹنوں والی شرٹ جس کی آستینیں پیچھے موڑ رکھی تھیں۔ اسکرین پہ جمی آنکھیں گہری بھوری اور پرکشش تھیں۔ رنگت بہت صاف اور نقوش کافی ہینڈسم۔۔۔ بال پیچھے کی طرف برش کر رکھے تھے۔ سامنے سے دیکھو تو سیدھے لگتے۔ پیچھے سے دیکھو تو گھنگھریالے تھے۔ بالکل زمر جیسے اس کی مجموعی شخصیت ذہن پہ ایک صاف ستھرا' خوشگوار سا تاثر چھوڑتی تھی۔

لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ گاہے بگاہے ایک نظر ان فونز پر بھی ڈال لیتا۔ قریب سے گزرتا ویٹر بھی ان ہی فونز کو دیکھ رہا تھا۔

"سعدی بھائی؟" ویٹر نے رک کر اسے مخاطب کیا۔

"ہوں؟" وہ مصروف سا پڑھتا رہا۔

"اس موبائل کا مالک ابھی تک نہیں آیا؟"

"اس کے ابو کو اطلاع تو کر دی ہے' آ جائے گا۔" وہ پڑھتے پڑھتے نچلا لب دبائے بولا۔ اس کی آواز بھاری اور صاف تھی۔ اردو کا لہجہ کسی بھی علاقائی زبان کے اثر میں نہیں تھا۔

"بڑا کوئی لاپروا لڑکا تھا' اتنا قیمتی موبائل میز پہ چھوڑ گیا۔ آپ نہ دیکھتے تو کوئی چرا کر لے جا چکا ہوتا۔"

سعدی کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ گردن ہلائے بغیر صرف نگاہیں اٹھا کر ویٹر کو دیکھا۔

"کسٹمر تو اس کے بعد آئے ہی نہیں' میں نہ ہوتا' تب بھی تم دونوں پھر تو رہے ہو۔ پھر کون چرا کر لے جاتا؟"

ویٹر جھینپ گیا۔ "مطلب۔۔۔ گم سکتا تھا۔ گر سکتا تھا۔ شکر آپ نے دیکھ لیا۔ میڈم کی طرح آپ بھی بہت دیانت دار ہیں بھائی۔"

"تھوڑا سا لمحن' کریم سوپ کے لیے بچا کر رکھو جنید!" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نرم سی تنبیہہ کرتا وہ اب کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جنید گڑبڑا کر وہاں سے کھسک گیا۔

☼ ☼ ☼

دفعتاً" اس نے موبائل اٹھایا اور کال ملائی۔ یہ اس کا اپنا موبائل تھا۔

"سعدی یوسف بات کر رہا ہوں' تھرکول سے۔ جی۔۔۔ جی۔۔۔" اس نے رک کر سنا' پھر اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

"جی میں نے وہ رپورٹ دیکھ لی ہے' مگر جو چیز میں نے آپ سے مانگی تھی' وہ مکمل نہیں ہے۔ میں آپ کو اپنی ڈیمانڈ لکھ کر میل کر رہا ہوں۔ اگلے ہفتے' ہمیں فیلڈ پہ جانا ہے' تب تک۔۔۔" وہ دھیمے مگر قطعی لہجے میں چند منٹ بات کرتا رہا تھا۔ اتنے میں باہر سے پھولوں والا پٹھان لڑکا آ کر اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔۔۔ گل خان۔۔۔ کیسے ہو؟" فون بند کر کے اس نے پھر سے ٹائپ کرتے ہوئے اس کو مخاطب کیا۔

"یار سعدی بھائی! تمہارے شہر کا لوگ بڑا خراب ہے۔" بڑے ہی بگڑے موڈ میں کہتے ہوئے ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور ناک سے مکھی اڑائی۔

"اچھا۔۔۔ اب کیا کر دیا ہے میرے شہر کے لوگوں نے؟"

"وہ جو سڑک کے دوسری طرف بیٹھا ہے نا۔" اشارے پہ سعدی نے اس طرف دیکھا۔ جہاں دور پھولوں کا ایک اور اسٹال لگا تھا۔ جس کو گل خان سے ذرا بڑا بچہ چلا رہا تھا۔

"وہ خانہ خراب کا بچہ ہمارا پھول چرانے کے پیچھے ہوتا ہے۔"

"اچھا۔ تم اسی لیے یہاں آ کر بیٹھ گئے ہو' تاکہ اسے

چرانے میں مشکل نہ ہو؟" سعدی نے سمجھ کر اثبات میں سرہلایا۔

"یار سعدی بھائی! مذاق نہ کیا کرو ہمارے ساتھ' وہ ہماری نظر کے نشانے پہ ہے۔" پھر آگے ہو کر بولا۔

"بھائی۔۔۔ تمہارا نام سعد ہے نا کیا؟ مطلب پیار سے سعدی کہتے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے غصے سے بھی سب سعدی ہی کہتے ہیں۔ سعد نہیں ہے یہ۔ سعدی ہی ہے۔ شیخ سعدی سے۔" وہ بچے کو دیکھے بغیر کام کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہارا ابو کیسا ہے؟ صبح نماز پہ نہیں تھا۔"

"بس اب بابا ہماری طرح تھوڑی ہے کہ پہلی اذان پہ اٹھ جائے۔" اس نے گردن اکڑا کر کہا۔

"ہاں اور پھر مسجد میں آکر سجدے میں سو جائے۔ دیکھ رہا تھا میں تمہیں آج۔۔۔"

گل خان برا سا منہ بنا کر سیدھا ہوا۔ "یار! تمہارا ایک آنکھ پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ کبھی تو معاف کر دیا کرو۔ تم اتنا لمبا سورت پڑھتا ہے' ہمیں نیند آجاتا ہے۔" پھر کچھ یاد آنے پہ تاثرات بدلے۔ دلچسپی سے مزید آگے کو ہوا۔ "بھائی! تم نے اتنا اچھا قرآن پڑھنا کدھر سے سیکھا؟"

"میرے اسکول کے ایک قاری۔۔۔" وہ بتاتے بتاتے رکا۔ جیسے کچھ یاد آیا۔ سر اٹھا کر جنید کو پکارا۔ "اسکول کا آرڈر تیار ہو گیا؟" ساتھ ہی وال کلاک دیکھا۔

"کون سا آرڈر بھائی؟" جنید' سفیان دونوں بھاگے آئے۔

سعدی نے اچنبھے سے دونوں کو دیکھا۔ "کیا مطلب۔۔۔ فہیم نے نہیں بتایا؟ کل میں ادھر تھا جب فون آیا تھا۔ پکنک کا آرڈر تھا۔ فہیم کو بتا کر گیا تھا میں۔" وہ کہتے ہی کھڑا ہوا تھا' جیسے الارم سا بج رہا ہو کہیں۔

"فہیم تو بیمار تھا۔ آج آیا ہی نہیں ہے۔ اس نے تو کوئی ذکر نہیں کیا بھائی۔"

"یا اللہ۔۔۔ دو گھنٹے تک ڈلیوری کرنی ہے اور یہاں کام بھی نہیں شروع ہوا۔" وہ اٹھتے ہوئے چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس کا ارادہ بھانپ کر دونوں بوکھلا گئے۔

"بھائی! آپ رہنے دیں' ہم کر لیں گے۔"

سعدی نے سنجیدگی سے جنید کو دیکھا۔

"ان کی کال کل میں نے اٹھائی تھی۔ آرڈر میں نے نوٹ کیا تھا۔ جب انہوں نے نام پوچھا تو میں نے سعدی یوسف بتایا تھا۔ میں نے ان کو زبان دی ہے کہ آج سہ پہر تک آرڈر تیار ہو گا تو اب وہ میرے بھروسے آئیں گے۔ سو آرڈر بھی مجھے ہی پورا کرنا ہے۔" قطعیت سے کہتا وہ لیپ ٹاپ بند کر کے میز کے پیچھے سے نکلا۔ گل خان نے اس کا کپ اٹھا کر کافی چکھی۔ سعدی کے خود کو دیکھنے پہ مسکرایا۔

"ہم پہ تو پرائے گھر کا پانی بھی حرام ہے۔ مگر تم تو اپنا بھائی ہے۔" دو گھونٹ اور بھرے۔ سعدی اس کا کندھا تھپک کر ریسپشن تک آیا۔ ایک دم گل خان "اوہ خانہ خراب" کہتا کپ چھوڑ کر بھاگا۔ ان تینوں نے مڑ کر دیکھا۔

سڑک پہ مقابل والا لڑکا پھول اٹھائے بھاگ رہا تھا۔ گل خان اس کے پیچھے لپک رہا تھا۔ ایک سفید گاڑی قریب آتی دکھائی دے رہی تھی۔

سعدی واپس رجسٹر کی طرف متوجہ ہوا' مگر ذہن میں جیسے کچھ اٹکا۔ سفید گاڑی؟ اس نے تیزی سے گردن موڑی۔

وہ سفید رولز رائس تھی۔ پاکستان میں کچھ عرصہ قبل تک اس طرح کی صرف دو گاڑیاں تھیں۔ پہلی ایک پرائیویٹ نیوز چینل کے مالک کے پاس اور دوسری ایک ہاؤسنگ اسکیم کے ارب پتی مالک کی ملکیت تھی۔ مگر اب تیسری بھی دکھائی دیتی تھی اور اس کے مالک کو تو وہ لاکھوں میں پہچانتا تھا۔

"نوشیرواں کاردار!" وہ بے اختیار گلاس ڈور کے قریب آکھڑا ہوا۔

"تو ٹھہر تو سہی۔۔۔" دونوں لڑکے آگے پیچھے بھاگتے سڑک پہ آئے۔ رولز رائس نے ایک دم بریک لگائے۔ ٹائر چرچرائے' دوسرا تو بھاگ گیا تھا' گل خان دبک کر سر پہ ہاتھ رکھے سڑک پہ بیٹھ گیا۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر سرخ چہرہ لیے نوشیرواں تیزی سے باہر نکلا۔

"اندھے۔۔۔ اڈیٹ۔۔۔ تمہارے باپ کی سڑک ہے؟ چلنے کی تمیز نہیں ہے۔ ابھی میری گاڑی کہیں لگ جاتی تو کیسے نقصان پورا کرتے؟ اپنے ماں' باپ کو بیچ کر؟" اس کا جیسے بس نہیں چل رہا تھا۔ لڑکے کو دو تھپڑ لگا دے۔ ڈریس پینٹ' شرٹ' اور بنا آستین کے ویسٹ میں ملبوس' وہ آفس کی تیاری میں لگ رہا تھا۔

سعدی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم قدم چلتا باہر آیا اور ریسٹورنٹ کا سبزہ عبور کر کے سڑک کے کنارے آرکا۔

"اور اگر تمہاری گاڑی سے اس بچے کو چوٹ لگ جاتی تو تم کس کو بیچ کر نقصان پورا کرتے؟"

نوشیرواں جو بگڑے تیوروں کے ساتھ گاڑی کی طرف پلٹ رہا تھا۔ بے اختیار پلٹا۔ سعدی کو دیکھ کر غصہ جیسے کم ہوا' مگر آنکھوں میں تپش اور کینہ بڑھ گیا۔ گل خان لپک کر سعدی کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

"اچھا۔۔۔ میں سمجھ گیا۔" نوشیرواں نے طیش کو دبا کر طنزیہ مسکرانے کی کوشش کی۔ "یہ شاید تمہارا مین بزنس ہے۔ ان آوارہ لڑکوں کو چوٹیں لگواؤ اور پھر گاڑیوں کے مالکان سے رقم وصول کرو۔ گڈ گڈ۔ کیا یہ کرنے سے ریسٹورنٹ کا کرایہ پورا ہو جاتا ہے؟"

سعدی آنکھیں سکیڑے' ٹھنڈے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

"میرا اصل بزنس تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر تمہارا موڈ خراب نہ ہو تو میں دہرا دوں کہ میں کس پروجیکٹ پہ کام کر رہا ہوں؟"

نوشیرواں کے چہرے پہ پھر سے سرخی بڑھنے لگی۔ لب بھینچ کر بمشکل ضبط کیا۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ سعدی! کہ میں تمہارے آفس کی روداد سن سکوں۔ میرے پاس میری ایک کمپنی ہے جہاں جانے کے لیے میں اس تمہارے اسسٹنٹ کی وجہ سے لیٹ ہو رہا ہوں۔" اس نے حقارت سے ابرو سے بچے کی طرف اشارہ کیا جو سعدی کے بازو کی اوٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا۔ تم آفس جا رہے ہو۔ ویری گڈ۔۔۔ مگر میرا جغرافیہ اگر درست ہے تو میرا ریسٹورنٹ تمہارے گھر سے آفس کے راستے میں نہیں پڑتا۔ ان فیکٹ تمہارے کسی راستے میں نہیں پڑتا۔ سو میری چھٹی حس مجھے یہ بتاتی ہے کہ یقیناً" تمہارے اردگرد آج کسی حوالے سے میرا ذکر ہوا ہو گا اور تم حسب معمول غصے میں بے قابو ہو کر مجھے چیک کرنے آئے ہو۔ سو۔۔۔ اب تم دیکھ ہی چکے ہو کہ میں وہی سعدی ہوں۔"

کندھے ذرا سے اچکا کر سعدی نے بہت آرام سے کہا۔ ویٹرز' جنید' سفیان' گل خان کا باپ اور ایک دو راہ گیر اب جمع ہوئے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ضبط کی شدت سے نوشیرواں کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کون ہو۔"

"میں بھی جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں ایک یتیمی میں بڑا ہونے والا مڈل کلاس لڑکا ہوں۔ میری ماں یہ چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہے اور میرا گھر اس سے بھی چھوٹا ہے۔ میں انگلینڈ پڑھنے بھی اسکالر شپ پہ گیا تھا اور میں نے زندگی میں وہ دن بھی دیکھے ہیں جب پیسے نہ ہونے کے باعث ہمیں چٹنی سے روٹی کھانی پڑتی تھی۔ آج میں ایک کیمیکل انجینئر ہوں۔ ایک سائنس دان اور آج بھی میری تنخواہ بہت زیادہ نہیں ہے۔ اپنے خاندان' اپنے گھر' اپنی مالی حیثیت مجھے کسی چیز کے بارے میں سچ بتانے سے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ میں سعدی یوسف خان ہوں اور یہاں سب مجھے جانتے ہیں۔ کیا اب تم بھرے مجمع میں اپنا تعارف کروا سکتے ہو؟"

نوشیرواں کا غصہ ٹھنڈا اور آنکھوں کی تپش مزید بھڑک چکی تھی۔ وہ خاموش رہا تو سعدی نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"اگر نہیں۔۔۔ تو بہتر ہے کہ تم اپنی قیمتی کار کو ٹھیک

سے ڈرائیو کرنا سیکھ لو۔۔۔ کیونکہ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے۔ جب تم غلط ڈرائیو کر رہے ہو اور اگر تمہارا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے تو پھر گاڑی آگے پیچھے کرلو۔ تاکہ ہمارے کسٹمرز کو تکلیف نہ ہو۔" اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ واپس پلٹ گیا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اندر آیا تو باہر نوشیرواں گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کررہا تھا۔

گل خان بھی اس کے ساتھ اندر آیا تھا اور اب خاصی مضبوطی سے کھڑا تھا۔

"تا تو سعدی بھائی۔۔۔ کتنے کی ہوگی اس کی ڈبا گاڑی جس پہ یہ اتنا اکڑ رہا تھا؟"

سعدی نے ہلکا سا مسکرا کر اسے دیکھا۔ "زیادہ نہیں۔۔۔ بس چار۔۔۔ ساڑھے چار کروڑ روپے کی۔"

گل خان کا منہ مارے شاک کے کھل گیا۔ سعدی آستینیں دوبارہ فولڈ کرتا کاؤنٹر تک آیا۔ مگر اس کا فون بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر اس نے تیزی سے کال لی۔ ایڈوکیٹ خلجی کالنگ۔

"جی خلجی بھائی۔۔۔ کیا بنا؟ سماعت ہوگئی؟" پوچھتے ہوئے اس کے چہرے پہ لمحے بھر کو ڈر اور امید کا ملا جلا تاثر ابھرا، پھر جواب سن کر وہ تاثر مسکراہٹ میں ڈھلتا گیا۔

"رئیلی۔۔۔! ماموں بری ہوگئے؟ ہر چارج سے؟ گریٹ!" فون رکھ کر اس نے فوراً" باہر دیکھا۔ نوشیرواں کی کار جا چکی تھی۔ اس کی دھول تک وہاں نہیں تھی۔

سعدی نے پُرعزم مسکراہٹ کے ساتھ دور آسمان کو دیکھا۔

"یہ خبر سن کر آپ کی شکل کیسی ہوگی، میں دیکھنا چاہتا ہوں ہاشم بھائی۔۔۔!" اور پھر عملے کی طرف مڑ گیا۔ "کم آن بوائز۔۔۔ ہمارے پاس ابھی دو گھنٹے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

ہاشم کو جب یہ خبر ملی تو وہ کوریڈور میں کھڑا تھا۔ اس نے کمال ضبط سے اپنے کڑوے ہوتے تاثرات چھپا لیے۔ وہ ابھی اتنا مصروف تھا کہ ایک دم ری ایکٹ نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے خود سے عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے۔ تو اسے حساب دینا ہوگا اور توجہ زمر کی طرف مبذول کردی جو سامنے سے فائل کے صفحے سرسری انداز میں پلٹتی، تیز تیز اس طرف آرہی تھی۔ ایک معمر خاتون اور ایک دوپٹا اوڑھے نوجوان لڑکی بھی اس کے ہمراہ تھی۔ ہاشم کوریڈور کے سرے پہ اسے ملا تھا۔ زمر اس کے سلام کا مختصر جواب دے کر آگے ہولی۔ وہ بنا کچھ کہے ساتھ چلنے لگا۔ ایک کریو کٹ والا نوجوان اس کے بائیں جانب تھا۔

کورٹ روم تک کی یہ واک خاموشی سے کٹ جاتی۔ اگر ہاشم کی کسی بات کے جواب میں وہ نوجوان بگڑے تاثرات سے یہ نہ کہتا۔

"میں نہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں رقم ادا کررہا ہوں۔ ورنہ کورٹ میں یہ مجھے Rapist (عزت لوٹنے والا) ثابت نہیں کرسکتے۔" ساتھ ہی دبے دبے غصے سے اس لڑکی کو دیکھا۔

ہاشم نے نظروں سے تنبیہہ کی، مگر زمر کے قدم ایک دم رکے تھے۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی اور سنجیدہ مگر تیکھی نگاہوں سے اس کو دیکھا۔

"آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔ ورنہ اگر ہم ٹرائل پہ جاتے تو آپ کو معلوم ہے کیا ہوتا؟"

ہاشم نے ابرو اٹھا کر لڑکے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ جو پہلے ہی بہت برے موڈ میں تھا۔ اکھڑا۔۔۔ اکھڑا۔۔۔ سا بولا۔

"میں باعزت بری ہو جاتا اور مجھے یہ پیسے نہ دینے پڑتے اور میری جاب۔۔۔"

مدعی لڑکی کی ماں تلخی سے کچھ بڑبڑائی تھی۔ ہاشم نے لڑکے کو ہاتھ اٹھا کر خاموش کیا اور زمر کو دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

"میڈم پراسیکیوٹر۔۔۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ٹرائل پہ جانے کے بعد کیا ہوگا۔"

الفاظ کی سنجیدگی کے باوجود ہاشم کی مسکراہٹ برقرار

تھی۔ "بارہ سال۔۔۔ کم سے کم بھی بارہ سال کیس عدالت میں چلے گا اور کچھ ثابت نہیں ہوگا۔ ثنا نے فرید کو خود وہاں بلایا تھا۔ میرے پاس ان کے ٹیکسٹ میسجز کا ریکارڈ ہے اور اس بات سے ثناء انکار نہیں کررہی کہ ان کا چھوٹا موٹا سہی مگر افیئر تھا تو۔ نہ صرف میں عدالت میں اس افیئر کے ثبوت پیش کروں گا۔ بلکہ دس ایسے لوگوں کو بھی لاؤں گا جن کو اس لڑکی نے زندگی میں کبھی دیکھا بھی نہیں ہوگا اور وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ یہ ان کے ساتھ بھی یہی کرچکی ہے۔ میں اس کو عدالت میں پیشہ ور عورت ثابت کرکے دکھاؤں گا۔ اس کا خاندان اور محلہ اس کو ڈس اون کردے گا۔ کوئی اس سے شادی نہیں کرے گا اور بارہ سال بعد آخری پیشی پہ جب یہ ہار جائے گی تو اس کے پاس نہ شوہر ہوگا اور نہ بچے۔ اس لیے آپ کو واقعی ہمارا شکرگزار ہونا چاہیے کہ ہم نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔"

فرید نے فخریہ مسکرا کر ہاشم کو دیکھا۔ ثناء کی ماں لبوں میں کوئی بددعا بڑبڑائی' ثنا کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ زمر ہلکی سی مسکرائی اور نفی میں سر ہلایا۔

"اصل میں ہوگا یہ ہاشم! کہ جب کیس ٹرائل پہ جائے گا تو میں اسے ٹرائل تک نہیں رکھوں گی۔ پہلے مہینے میں ہی میں پوری اسٹوری میڈیا پہ لیک کردوں گی۔ یہ شام کے اخبار کی سرخی جتنا کیس نو بجے کی خبروں میں آئے گا۔ آٹھ اور دس بجے والے ٹاک شوز اس پہ بات کریں گے۔ ثنا کو مارننگ شوز پہ بلایا جائے گا جہاں پہ شاؤنسٹ قسم کی خواتین کے ساتھ بیٹھ کر ظلم کی پوری داستان سنائے گی۔ این جی اوز اس کے لیے واک کریں گی۔ یہ انٹرنیشنل سیمینارز پہ مدعو ہوگی۔ اینٹی آرمی طبقہ اس کو فرید کی ثنا کے ساتھ نہیں' بلکہ ایک جرنیل کے بیٹے کی ایک مظلوم لڑکی کے ساتھ زیادتی بنادے گا اور تمہارا۔" فرید کی طرف رخ کرتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی "سوشل سرکل تمہیں آؤٹ کردے گا۔ تمہارا باس تمہاری رپورٹ پہ مشکوک الفاظ لکھے گا۔ کوئی بھی لڑکی تم سے شادی کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچے گی' کیونکہ قاتل کو لوگ قبول کرلیتے ہیں' بدکار کو نہیں۔ میں ثنا کو ایک اسٹار بنادوں گی اور بارہ سال بعد تم کیس جیت بھی جاؤ تو تم بہت کچھ ہار چکے ہوگے اور وہ ہارے ہوئے رشتے تمہیں یہ تمہارا پچاس ہزار کے ہیئر کٹ اور ڈھائی لاکھ کے سوٹ پہنے گھڑا وکیل واپس نہیں لاکردے گا۔ سو اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو پراسیکیوٹر کے سامنے اپنے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ کو روک لیتی۔"

مسکراہٹ معدوم تھی اور ایک کٹیلی نظر ان دونوں پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی۔ فرید کا چہرہ اب ثنا سے مختلف نہ تھا۔ ہاشم پہ البتہ کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ کندھے ذرا سے اچکا کر اس کے پیچھے ہولیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے پیپر مکمل کرلیا تھا اور ابھی امتحانی دورانیہ ختم ہونے میں پندرہ منٹ تھے۔ تب تک ممتحن ٹیچرز نے اسے وہیں بیٹھے رہنے کو کہا تھا۔ حنین پرچہ الٹا رکھ کر بیٹھی لکھ لکھ کر دکھتی انگلیوں' جن پہ کہیں کہیں نیلی انک لگ گئی تھی کو سہلا رہی تھی۔ اسے پیپر کرکے پڑھنے کی عادت نہیں تھی اور بعد میں باہر لڑکیوں کے گروپ میں کھڑے ہوکر ایک ایک جواب ملانے سے تو وہ بھاگتی تھی۔ آدھے جواب تو وہیں غلط نکل آتے تھے۔

"بس تین پرچے مزید اور پھر ایف اے ختم۔ شکر۔۔۔" اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ لڑکیاں سر جھکائے دھڑا دھڑ لکھے جارہی تھیں۔ امتحانی عملے کی خواتین کڑی نظروں سے دیکھتی' ٹہل رہی تھیں۔ حنین کی نظریں روشن دان تک گئیں۔ تین' تین' تین' ایک' ٹوٹل ہوئے دس۔۔۔ وہ اسی طرح کھڑکیاں' دروازے' سڑک کنارے درخت گنا کرتی تھی اور وہ بھی دس' دس کے گروپ بنا کر پھر سے شروع کرتی۔

سارے دروازے گن کر اس نے ایک خشک سیاہی والا قلم نکالا اور اس کی نب کو کرسی کے بازو پہ رگڑ کر ان دیکھے لفظ لکھنے لگی۔ وہ عموماً "پھول بناتی تھی یا تکون اور

پھر اپنا نام لکھنا شروع ہوجاتی۔ Yousuf Haneen حنین یوسف۔۔۔ حنین۔۔۔ حنین۔۔۔ اور لاشعوری طور پہ اس کے بنا سیاہی کے قلم نے لکھنا شروع کردیا۔

"ہاشم کاردار۔۔۔ ہاشم۔۔۔ ہاشم۔"

وہ ایک دم چونکی۔۔۔ پھر قدرے گھبراہٹ سے ادھر ادھر دیکھا۔ چہرے کا رنگ تھوڑا سرخ ہوا۔ بے چینی سے ماتھے پہ گرے بال ٹھیک کیے۔ جو بات کبھی کسی سے کہی نہ ہو' وہ اچانک باہر نکل آئے' جیسے بھرا ہو گلاس چھلک جاتا ہے' تو انسان اپنے ہی ہاتھوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ اس نے قلم رکھ دیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔

نظروں کے سامنے وہ چند لمحات' چند گھڑیاں گزریں۔۔۔ جب اس نے کبھی ہاشم کو دیکھا تھا یا اس سے ملی تھی۔ خاندانی دعوتیں۔۔۔ تہوار۔۔۔ وہ ان کی ماں کے سوتیلے بھائی کا فرسٹ کزن تھا۔ ہروقت مسکراتا ہوا۔۔۔ بہت شاندار اور متاثر کن۔۔۔ مگر ایک دور کا رشتہ دار۔۔۔ اس کے قریب کھڑے ہوکر اس کو دیکھنا ایسے تھا جیسے بندہ ایفل ٹاور کے نیچے ہجوم میں کھڑا ہو۔

مگر اب ایفل ٹاور تک گئے بھی کتنا عرصہ ہوگیا تھا۔ خاندان میں دور۔۔۔ دور تک کوئی ایسی تقریب ہی نہیں ہوئی جس میں اس کی ایک جھلک بھی نظر آجاتی۔ پتا نہیں کب دوبارہ وہ اسے دیکھے گی؟

اس نے بے دلی سے سوچا اور خشک نب سے پھر سے تکونیں بنانے لگی۔۔۔ پھر پھول۔۔۔ پھر حنین۔۔۔ اور پھر سے ہاشم۔۔۔

☼ ☼ ☼

ہاشم نے دروازے پر دستک دی اور پھر ہینڈل پکڑ کر دھکیلا۔

اندر آفس میں پرسکون خاموشی تھی۔ وہ اپنی کرسی بیٹھی' تھرماس سے پیالی میں چائے انڈیل رہی تھی۔ قریب ہی فائلز اور موٹی سیاہ جلد والی کتابیں کھلی رکھی تھیں۔ زمر نے بس ایک نظر اسے دیکھا' پھر خاموشی سے چینی دان اٹھایا۔

"اونہوں۔۔۔ مجھے پھیکی چائے پسند ہے۔" ہاشم نے مسکرا کر کہتے منع کیا۔۔۔ دروازہ بند کرکے اندر آیا۔۔۔ کرسی کھینچی۔۔۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔۔۔ کوٹ کا بٹن کھولا اور اس کے آگے سے پیالی اٹھا کر لبوں سے لگائی۔

زمر نے ابرو اچکا کر چینی دان واپس رکھ دیا اور فائل کے صفحے پلٹنے لگی۔

"۔۔۔ تین گھونٹ بھر کر ہاشم نے پیالی میز پہ رکھی۔۔۔ پھر خوش گوار مسکراہٹ سے اس کو دیکھ کر بولا۔

"سو۔۔۔ ہم اب ٹھیک ہیں آپس میں؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" وہ فائل پہ چہرہ جھکائے سنجیدگی سے بولی۔

"شاید نہیں۔۔۔ کیونکہ جس طرح ابھی باہر آپ میرے ہیئرکٹ اور سوٹ کو درمیان میں لائیں۔۔۔" ہاشم نے ذرا سے شانے اچکائے۔ "اس پہ میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔"

اس نے نگاہیں اٹھا کر سنجیدگی سے ہاشم کو دیکھا۔ "اگر اگلی دفعہ آپ نے کسی کو یوں میرے سامنے ہراساں کرنے کی کوشش کی۔۔۔ تو ہم اس کے بعد ٹھیک نہیں ہوں گے' از دیٹ کلیئر؟"

"کرسٹل!" ہاشم نے پیالی سے دوبارہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے گھنگھریالے بال کیچر میں آدھے بندھے تھے۔ ناک کی لونگ چمک رہی تھی اور سکیڑی ہوئی آنکھوں میں ٹھنڈی سی بے رحمی تھی۔

"میں اپنی جاب کررہا تھا' پھر بھی معافی مانگتا ہوں۔"

"آپ کو مانگنی بھی چاہیے۔" وہ پھر سے فائل کی طرف متوجہ ہوگئی۔ چند لمحے کے لیے ہاشم کچھ نہ بولا تو زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے یقین ہے آپ صرف سوری کرنے نہیں آئے۔ آپ کو کوئی فیور چاہیے۔" فائل بند کرکے وہ پیچھے ہوکر بیٹھی۔ "کہیے' میں سن رہی ہوں۔"

ہاشم نے مسکرا کر ایک پیپر بیگ سامنے رکھا۔ زمر نے اسے کھولا۔ اندر سے ایک کارڈ نکلا۔

"کیا آپ دوبارہ شادی کر رہے ہیں؟" اسی سرد انداز میں مسکرا کر زمر نے کارڈ سامنے کیا' وہ ہلکا سا ہنسا۔

"اونہوں۔۔۔ میری بیٹی' سونیا کی چھٹی سالگرہ ہے اور آپ انوائیٹڈ ہیں۔"

زمر نے کارڈ دیکھا۔ وہ مستطیل ڈبے میں رکھا تھا۔ کسی شیلڈ کی طرح۔ سب سیاہ تھا اور اس پہ سنہرے رنگ سے تفصیلات لکھی تھیں اور سامنے سنہرے ربن سے وہ بنا ڈھکن کا ڈبہ بند ہوتا تھا۔ اندر ایک چھوٹا آر ایس وی پی کارڈ بھی رکھا تھا۔ جس کی ایک سطر میں شرکت کرنے کی ہامی اور دوسرے میں معذرت تھی اور دونوں کے آگے خالی خانے بنے تھے۔

"تھینک یو ہاشم۔۔۔ میں کوشش کروں گی' وعدہ نہیں کرتی' مگر انویٹیشن اور فیور میں فرق ہوتا ہے۔" اس نے کارڈ بے نیازی سے میز پہ ڈال کر اسی ٹھنڈے پُرسکون انداز میں پوچھا۔

ہاشم نے ابرو سے پیپر بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ زمر نے دیکھا۔ اس میں ایک اور کارڈ بھی تھا۔ اس نے وہ نکالا۔ اس پہ درج تھا۔ "سعدی یوسف اینڈ فیملی۔"

ہاشم نے غور سے زمر کے بدلتے تاثرات دیکھے۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری' چہرے پہ مضطرب سا احساس نمایاں ہوا۔ پھر وہی خاموشی چھا گئی۔ اس نے بے تاثر آنکھوں سے ہاشم کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ اسے کوریئر کر دیں یا ہینڈ ڈلیور۔"

"نہ وہ میرے کوریئر کرنے سے آئے گا' نہ خود بلانے سے۔ مگر آپ کہیں گی تو وہ آئے گا۔"

زمر نے دھیرے سے شانے اچکائے۔ "میں اسے بھجوا دوں گی۔ کہلوا بھی دوں گی' مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ آپ کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتے نا۔" وہ پہلے جیسے انداز میں بول رہی تھی۔ مگر سمندر میں پتھر پھینکنے کے بعد کے بنتے دائرے ابھی تک پھیل رہے تھے۔

"نہ میں آج پیدا ہوا ہوں' نہ آپ۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ آپ کا کہا نہیں ٹالے گا۔" ہاشم ذرا آگے ہوا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔ "سعدی کو میری پارٹی میں ہونا چاہیے۔ کسی بھی طرح۔ آپ اسے وہاں لائیں گی۔"

زمر نے جواب نہیں دیا۔ وہ بس کارڈز کو دیکھتی رہی۔ ہاشم کپ رکھ کر واپس پیچھے ہوا اور اس کے چہرے کو مسکرا کر پڑھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ "وہ کیا کر رہا ہے کل؟"

"ہوں۔۔۔ جاب۔" وہ کسی سوچ میں تھی۔

ہاشم خاموش رہا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے پھر بھی آخری گھونٹ اندر انڈیلا اور ذرا آواز سے پیالی رکھی۔

زمر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "آپ ابھی تک یہیں ہیں' یعنی آپ کو کوئی اور فیور بھی چاہیے۔"

ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور بولنے کے لیے لب کھولے کہ۔۔۔

"میرا جواب انکار ہے۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ابھی میں نے کچھ کہا ہی نہیں۔"

"میں جانتی ہوں' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" دائرے اب پھیل پھیل کر مٹ چکے تھے اور وہ سنبھل چکی تھی۔ "آپ کو سرکار بنام عبدالغفور حیدر میں سیٹل منٹ چاہیے۔ مگر نہیں۔۔۔ ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔"

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس نے واقعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔ "لیکن یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا۔ غلطی ڈرائیور کی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ دیت دینے کو تیار ہے۔"

"وہ ایک سولہ سال کی لڑکی تھی جو اس ایکسیڈنٹ میں مر گئی ہے ہاشم' ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔"

"مگر لڑکی کا خاندان دیت لینے پہ راضی ہو گیا تب پراسیکیوٹر کا کیا خیال ہو گا؟"

"تب پراسیکیوٹر اپنی جیب سے دیت جتنی رقم ادا کر کے متاثرہ خاندان کو مجبور کر دے گا کہ وہ ٹرائل پہ جائیں۔"

"اوہ۔۔۔ آپ خود یہ رقم ادا کریں گی ان کو؟" اس نے مصنوعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔

زمر پہلی دفعہ پورے دل سے مسکرائی۔

"میں نے کہا' ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں' میں نہیں۔ سوری مگر آپ کو شاید معلوم نہیں' یہ کیس میں پلیڈ نہیں کر رہی' یہ پراسیکیوٹر بصیرت کا کیس ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے بالکل خاموش رہ گیا۔ بھنویں سکیڑ کر اس نے واقعتاً" اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"پچاس ہزار کا پینٹر کٹ اور ڈھائی لاکھ کا سوٹ۔ آپ واقعی ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔" بظاہر مسکراتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "آپ نے جان بوجھ کر یہ کیس انہیں دے دیا' کیونکہ جب انہیں معلوم ہو گا کہ ڈیفنس میں ہاشم کا روار ہے تو وہ کبھی اسے سیٹل نہیں کریں گے۔ گڈ' ویری گڈ۔" زمر نے مسکرا کر ابرو اچکائے۔

"میں معاف نہیں کیا کرتی ہاشم۔ یو نو دیٹ۔ کیا میں اب بھی آپ کی پارٹی میں انوائیٹڈ ہوں؟"

"بالکل اور آپ سعدی کو بھی لائیں گی۔ ہمارے ذاتی تعلقات اس سب کی۔ وجہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔" وہ مسکرا کر اٹھا۔ کوٹ کا بٹن بند کیا۔ بار بار بجتا موبائل سائیلنٹ کیا۔ پھر اسی رسان سے بولا۔ "میں اس کیس کو سیٹل کروا لوں گا' ہاشم سب سنبھال لیتا ہے' یو نو دیٹ۔ باوجود اس کے کہ بصیرت صاحب کے پاس آج کے بعد بہت وقت ہو گا۔" اس نے سمندر میں دوسرا پتھر پھینکا۔

"کیوں؟ آج کیا ہوا ہے؟" اس نے دوبارہ سے فائلز کھول لیں۔

"ان کے کیس کا فیصلہ جو آ گیا ہے۔"

"کس کیس کا؟" وہ اب ایک سطر کو انڈر لائن کر رہی تھی۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ زمر نے دوسری سطر انڈر لائن کی' پھر ایک دم اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کس۔۔۔ کس کیس کا؟" اب کے سوال کی نوعیت مختلف تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ شاک اور اضطراب تھا اور چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ جیسے سنہرے صحرا میں اچانک سے برف باری ہو جائے۔

"اوہ۔۔۔ آپ کو نہیں معلوم تھا؟ مجھے بھی ابھی پتا چلا۔" ہاشم کو جیسے بہت افسوس ہوا تھا۔

"کیا فیصلہ آیا؟" اس نے اگلی سانس میں پوچھا۔ وہ جگہ سے بھی نہیں اٹھی۔ گردن اٹھا کر ہاشم کو دیکھتی وہ بالکل ساکن تھی۔

"ناٹ گلٹی۔ ہر الزام سے بری۔" ہاشم نے ہمدردی سے سر جھٹکا۔ "آئی ایم سوری۔" پھر دوبارہ سے بجتے موبائل کی طرف متوجہ ہوتا باہر نکل گیا۔ کوریڈور میں آ کر اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس کے آفس کے بند دروازے کو دیکھا۔

"میں بھی معاف نہیں کرتا' یو بچ!" اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

اندر زمر ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھی۔ صحرا میں برف باری ہنوز جاری تھی۔

☼ ☼ ☼

ہے یہی جنوں کا یہی طوق و دار کا موسم

دوپہر۔۔۔ سہ پہر میں بدل گئی۔ مگر اس جیل کا آہنی گیٹ ویسا ہی تپ رہا تھا۔ باہر نکل کر اس نے سنہری آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے اِدھر اُدھر کسی کو تلاش کیا اور پھر وہ اسے نظر آ گیا۔ دور گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا سعدی۔ اسے آتا دیکھ کر سعدی بھی مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ دونوں نے قدم قدم فاصلہ عبور کیا اور آمنے سامنے آئے۔ فارس اپنے بھانجے سے دو انچ لمبا تھا۔

اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ یوں بڑھایا جیسے آرم ریسلنگ کے لیے پنجہ بڑھاتے ہیں۔ سعدی نے جوابی پنجہ اس کے ہاتھ سے ملایا۔ فتح کا نشان' سعدی مسکرا رہا

تھا۔ فارس سنجیدہ تھا۔
"کہاں چلیں؟" کار میں بیٹھ کر پہلا سوال سعدی نے پوچھا۔ "تمہارے گھر یا کاردار زکی طرف؟"
"قبرستان۔۔۔"
سعدی نے ہوں کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔ فارس نے ایک نظر دونوں کی سیٹوں کے درمیان گیئر کے ساتھ خانے میں رکھے۔ سعدی کے موبائل کو دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔
"میں آؤں؟" قبرستان کے سرے پہ گاڑی روک کر سعدی نے پوچھا۔
"مجھے تنہائی کی عادت ہے' وقت لگے گا۔" یہ واضح منع تھا۔ کہہ کر وہ نکل گیا۔
سعدی خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کا موبائل اب خانے میں نہیں پڑا تھا۔
قبرستان میں ان دو قبروں پہ فاتحہ پڑھ کر وہ اٹھ گیا۔ پھر ایک درخت کی اوٹ میں آیا جہاں سے سعدی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور اس کے موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔
"ہاں اسٹیفنی۔۔۔ غازی بول رہا ہوں۔" بات کرتے ہوئے عادتاً" کان کی لو کو دو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔
"ہاں میں باہر آگیا ہوں۔ بات سنو دھیان سے۔ مجھے کچھ چیزیں چاہئیں۔ کل شام تک تیار ہوں۔ میری گن' میرا چاقو۔" وہ جدید اسلحے کے چند نام گنوا تا گیا۔ پھر رک کر جیسے اکتاہٹ سے اس کی بات سنی۔
"جو کہا ہے وہ کرکے دو' زیادہ سوال مت کرو۔" کال بند کرکے ریکارڈ مٹایا اور ایک آخری نظر ان دو قبروں پہ ڈالی۔ زرتاشہ فارس غازی' وارث غازی۔
جب واپس آیا تو سعدی ادھر ادھر ہاتھ مارتا کچھ تلاش کررہا تھا۔
"کیا ہوا؟"
"پتا نہیں موبائل کدھر رکھ دیا۔"
"یہ۔۔۔ تمہاری سیٹ کے پیچھے گرا ہے۔" سعدی نے چونک کر دیکھا۔ اس کا موبائل پچھلی نشست کے نیچے گرا تھا۔ جیسے اگلے خانے سے سلپ ہو کر پیچھے گر گیا ہو۔ سعدی نے شکر کرتے ہوئے فون اٹھایا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔
"کیا تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ جج نے مجھے رہا کردیا؟" فارس کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ سعدی نے شانے اچکائے۔
"آپ نے وہ قتل نہیں کیے' میں جانتا ہوں۔"
"کیا فرق پڑتا ہے؟ پوری دنیا تو یہی سمجھتی ہے اور وہ جج۔۔۔ وہ اتنی آسانی سے کیسے مانا۔۔۔ مجھے حیرت ہے۔" کہتے ہوئے مڑ کر غور سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔
"اگر تمہارا اس میں کوئی ہاتھ ہے سعدی! تو کہہ دو میں سن رہا ہوں۔"
"میرا ہاتھ کیسے ہوسکتا ہے؟ میری بات جج نے اور مانے گا بھی کیوں؟" اس نے لاپروائی سے پھر شانے اچکائے اور ڈرائیو کرتا رہا۔
فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یو نو واٹ سعدی۔۔۔ تم نے میری بات کی تردید نہیں کی۔" اور کھڑکی کے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔ سعدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموش رہا۔

☆ ☆ ☆

ع دل کو لہو کریں کہ گریباں رفو کریں

اس بلند و بالا عمارت کے ٹاپ فلور کا وہ کشادہ اور پرتعیش انداز میں آراستہ آفس مکمل روشن تھا۔ پاور سیٹ پہ جواہرات ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کرسی پہ بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے موبائل پہ کچھ ٹائپ کررہا تھا۔ پیچھے نوشیرواں مضطرب' جھنجلایا ہوا سا ٹہل رہا تھا۔ کسی پنڈولم کی طرح۔ دائیں سے بائیں اور واپس دائیں۔
"مجھے وضاحت چاہیے ہاشم!" جواہرات نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "تم اتنے بے خبر کیسے ہوسکتے ہو کہ اس کے رہا ہونے سے پہلے تمہیں معلوم بھی نہ ہوسکے۔"
"میں اراضی کے مقدمات میں مصروف تھا اور یہ

سب اچانک ہوا ہے۔" ہاشم نے فون رکھ کر کندھے ذرا جھٹک کر کہا۔ "جسٹس سکندر کے تاثرات میں نے دیکھے تھے۔ وہ ذہن بنا کر آیا تھا۔ یقیناً" اسے اس کام کے لیے پہلے سے راضی کرلیا گیا تھا۔"
"ان لوگوں کی اتنی حیثیت نہیں کہ اس بااثر جج کو خرید سکیں۔"
"ججز صرف خریدے نہیں جاتے' ان کو مجبور کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔"
نوشیرواں گھوم کر ہاشم کے سامنے آیا۔ "اور اگر کسی نے اس جج کو بلیک میل کیا ہے بھائی! تو وہ اس سعدی کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔"
"پلیز شیرو۔۔۔ کیا ہم سعدی سے سے ہٹ کر کوئی بات کرسکتے ہیں؟" مسکراتی ہوئی جواہرات کی آنکھوں میں سخت تنبیہہ ابھری۔
"اس نے وہاں دس لوگوں کے سامنے میری بے عزتی کی اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے بھول جاؤں؟" حسب عادت نوشیرواں بھڑک اٹھا۔
"تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔" مگر وہ ہاشم کی بات نہیں سن رہا تھا۔
"وہ مجھے جتا رہا تھا کہ وہ میرے چالان کے متعلق جانتا ہے جو انگلینڈ میں ہوا تھا۔ وہ خود کو سمجھتا کیا ہے؟ ممی میں آپ کو بتا رہا ہوں' آپ اسے پارٹی میں انوائیٹ نہیں کررہیں۔ میں اس کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا۔"
"میں کارڈ دے چکا ہوں۔۔۔ سوری۔۔۔!" ہاشم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"شیرو۔۔۔! سعدی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ پارٹی میں آئے گا تو میں اسے دیکھ لوں گی۔ اپنے بیٹے کی بے عزتی کا بدلہ کیسے لینا ہے۔ مجھے معلوم ہے۔" کہتے ہوئے آگے ہو کر نرمی سے اس نے شیرو کا ہاتھ دبایا۔ وہ ذرا ڈھیلا پڑا۔
"مسئلہ فارس ہے۔ میں اسے اپنے اردگرد برداشت نہیں کرسکتی۔ مجھے بتاؤ ہاشم! تم اس معاملے کو حل کرنے کے لیے کیا کررہے ہو؟"
ہاشم اب کاغذ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ یقیناً" وہ بھی ڈسٹرب تھا۔ مگر کمپوزڈ نظر آرہا تھا۔
"میں نے اسے ایک دفعہ اندر کروایا تھا۔ دوسری دفعہ بھی کرواسکتا ہوں۔"
"وہ ایک دفعہ باہر آسکتا ہے تو دوسری دفعہ بھی آجائے گا۔ سو بہتر ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا کھیلو۔ وہ نہیں جانتا کہ قتل کس نے کیے تھے اور اس کے نزدیک ہم اس کی واحد فیملی ہیں۔" جواہرات مطمئن نہیں تھی۔
"وہ ہمیں کبھی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔" نوشیرواں اکتا کر کہتا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔
"اس لیے بہتر ہے کہ وہ ہم سے دشمنی نہ رکھے۔ کیونکہ باہر آنے کے بعد وہ سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ وہ سب کس نے کروایا تھا۔"
"ہاشم سنبھال لے گا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟" ہاشم بہت اعتماد اور اطمینان سے پیچھے ہو کر بیٹھتے بولا۔
"میں نے تب بھی جو کچھ کیا' اپنی فیملی کے لیے کیا' اب بھی اپنی فیملی کو پروٹیکٹ کرنے کے لیے مجھے جو بھی کرنا پڑا میں کروں گا۔ اپنی فیملی کے لیے کچھ بھی کرنا جرم نہیں ہوتا۔ اگر میں وارث غازی کو راستے سے نہ ہٹاتا تو وہ ہمارے خلاف کیسز کھول کر ہمیں تباہ کرسکتا تھا اور وہ زرتاشہ میں اس کو نہ مرواتا تو اس قتل کو بھی آنر کلنگ کی شکل نہ دے سکتا۔ مجھے اس کے لیے افسوس ہے' مگر میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ پھر جب قتل ہوتا ہے تو کسی کو تو جیل جانا پڑتا ہے۔ مجھے فارس سے ہمدردی ہے۔ اس کے چار سال ضائع ہوئے' مگر وہ ایک انٹیلی جنس آفیسر تھا۔ اگر وہ اندر نہ جاتا تو قاتل کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا۔ اپنے خاندان کو محفوظ رکھنے کے لیے میں نے اسے بزی رکھا تو کیا غلط کیا؟ حکومت نے پانچ سال سے کسی کو سزائے موت نہیں دی۔ اس ملک میں سزائے موت کا قانون شاید جلد ختم ہوجائے' وہ زندہ سلامت ہے' اس کا تو کچھ نہیں گیا۔ اپنوں کو تو سب کھوتے ہیں۔ ہم نے بھی ڈیڈ کو کھویا تھا۔ بے شک نیچرل ڈیتھ سے ہی

سہی۔ مگر ہماری زندگیوں میں بھی دکھ ہیں ' پریشانیاں ہیں ' مجھے افسوس ہے۔ ان سب کے لیے۔ مگر زمر کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے اسے گواہی کے لیے زندہ چھوڑ دیا۔ وہ ٹھیک ہے۔ زندگی گزار رہی ہے۔ پرفیکٹ تو نہیں ہو سکتی نا اب زندگی۔"

ہاشم نے بات کرتے ہوئے ذرا سے شانے اچکائے۔

"بہت سے لوگوں کی زندگی اگر دو ' چار کی قربانی سے بچ جاتی ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ میں فارس کو سنبھال لوں گا۔ اسے آنے دیں۔۔۔ ممی۔۔۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔ اوکے۔"

پھر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا "اب ہم تمہارے پروجیکٹ کے بارے میں بات کر لیتے ہیں شیرو۔"

اور نوشیرواں نے جیسے کڑوی گولی نگل لی۔ وہ بے دلی سے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"اور میرے پروجیکٹ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے بھی کون ہیں بھائی؟ سعدی اور اس کی باس۔"

ہاشم بے اختیار ہنس دیا۔ "یار یہ تمہارا اور سعدی کا کسی لڑکی پہ جھگڑا تو نہیں ہے؟"

جواہرات نے مسکرا کر سر جھکا اور بغور شیرو کے تاثرات دیکھے جو مزید خفا لگنے لگا تھا۔

"شیری۔۔۔ سونیا کو کب گھر لائے گی؟" جواہرات نے اسی کو دیکھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ شیرو ایک دم کوئی فائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ البتہ اس کی گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی واضح محسوس ہوئی تھی۔

"اس وقت اس کا کیا ذکر؟" ہاشم نے گویا ناک سے مکھی اڑائی اور کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

؎ جو رنجشیں تھیں جو دل میں غبار تھا نہ گیا۔

اس درمیانے درجے کے بنگلے کے لاؤنج کی بڑی سی کھڑکی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ شیشہ آئینہ بنا لان کا عکس دکھا رہا تھا۔ کھڑکی سے چہرہ لگا کر دیکھو تو اندر وہ تھکی تھکی سی چیزیں اٹھائے داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ درمیان سے مانگ نکال کر گھنگھریالے بال کیچر میں ہاف باندھے ' وہ جھولتی لٹ کان کے پیچھے اڑستی ' کچن کے دروازے تک گئی۔

"صداقت! کھانا تیار ہے؟"

"جی باجی۔۔۔ بس روٹی ڈال رہا ہوں۔"

"پھر کھانے کے بعد۔۔۔ سعدی کی طرف جانا' ایک کام ہے۔"

لاؤنج میں وہیل چیئر پہ کتاب پڑھتے بڑے ابا نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ وہ اب واپس آ رہی تھی۔

"دن کیسا گزرا تمہارا؟" انہوں نے معمول کا سوال کیا۔

"بس روزمرہ کے کام تھے۔" وہ صوفے پہ بیٹھ کر جوتوں کا اسٹریپ کھولتے ہوئے بولی۔

"سماعت کیسی رہی؟"

"ہاشم کاردار کا کلائنٹ تھا' کیسی ہو سکتی تھی۔" ابا کے کتاب پہ جھکے چہرے پہ ناگواری ابھری۔

"ہر کرپٹ اور گناہ گار آدمی اسی کا کلائنٹ کیوں ہوتا ہے؟"

"وہ ایک اچھا ڈیفنس لائر ہے ابا۔ اسے گناہوں کی جسٹی فیکشن دینا آتی ہے۔" وہ کیچر اتار کر بال جوڑے میں باندھنے لگی۔

"مجھے وہ سخت ناپسند ہے۔ انتہائی جھوٹا اور مکار آدمی ہے۔"

"سو تو ہے۔" زمر نے تائید کی۔

بڑے ابا نے کتاب پرے کر کے اس کا چہرہ دیکھا۔

"سعدی سے کیا کام ہے؟"

"ہاشم نے اپنی بیٹی کی سالگرہ کا کارڈ دیا تھا سعدی کے لیے۔ وہی دینا ہے۔" وہ سرسری سا بتا کر ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگی۔

"تو تم دے آؤ۔" انہوں نے ایک دم اتنی امید اور منت سے کہا کہ زمر نے بے اختیار ان کو دیکھا۔

"میں نہ بھی جاؤں تو فرق نہیں پڑتا۔ میں اس سے ناراض نہیں ہوں ابا!"

"تو پھر چلی جاؤ۔ اس کی سالگرہ پہ ہی وش کر دینا۔"

زمر نے ان کی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ اداس نظر آ رہی تھیں۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"وہ چھوٹا ہے۔ تم تو بڑی ہو۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو تم معاف کر دو۔ وہ تمہاری بیماری میں تمہارے ساتھ نہیں تھا۔ واقعی یہ اس کی خطا تھی۔"

"میں کب کا معاف کر چکی۔ میں اس کے خلاف برا نہیں سوچ سکتی۔ وہ میرا بیٹا ہے ابا۔"

"تو کارڈ تم خود دے آؤ۔ زندگی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کون کب چلا جائے اور دوسرے کو تا زندگی پچھتاوا ہی رہے۔"

وہ بنا کچھ کہے اٹھ گئی۔ ابا دکھ سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ انہوں نے پھر کتاب نہیں اٹھائی۔ وہ کمرے میں جاتے ہوئے صداقت کو آواز دیتی گئی۔ "میری روٹی مت بنانا۔" اور وہ مزید دکھی ہو گئے۔ اب اس کا موڈ بگڑ چکا تھا اور وہ کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند ہو جائے گی۔

دس ' پندرہ منٹ بعد وہ کپڑے بدل کر ' فریش ہو کر کمرے سے نکلی تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کھانا نہیں کھانا؟"

"کیا آپ کا پوتا مجھے کھانا بھی نہیں پوچھے گا؟" عام سے انداز میں سنجیدگی سے کہہ کر اس نے میز سے کارڈ زا ٹھائے اور پرس کندھے پہ ڈالا۔

ابا جہاں تھے ' وہیں رہ گئے۔ آنکھوں میں تحیر ' بے یقینی ابھر کر معدوم ہوئی اور اس کی جگہ خوش گوار تذبذب نے لے لی۔ جیسے کوئی خواب میں آنکھ کھلنے کے ڈر سے صحیح سے خوش بھی نہ ہو پائے۔ ایک دم ان کا چہرہ بجھا۔

"کیا تمہیں پتا چل چکا ہے کہ فارس رہا ہو گیا ہے؟"

وہ جیسے ٹھنڈی سانس لے کر دروازے سے پلٹی۔

"اگر آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں سعدی سے یہ پوچھنے جا رہی ہوں کہ فارس کیسے رہا ہوا تو ایسا نہیں ہے۔ میں اتنی اسٹریٹ فارورڈ ہوں کہ اگر مجھے اس سے کچھ بھی پوچھنا ہو تو میں چار منٹ کی کال کر کے بغیر تمہید کے بھی پوچھ سکتی ہوں۔ ابھی مجھ سے ہاشم نے ایک فیور مانگا ہے اور میں اسے وہی دینے جا رہی ہوں۔" اسی سنجیدگی سے کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

ابا کے چہرے پہ خوش گوار حیرت ابھر آئی۔ صداقت بھی بھاگ کر چوکھٹ میں آ کھڑا ہوا تھا اور اب ان ہی حیران مگر مسرت آمیز تاثرات کے ساتھ ان کو دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

؎ یہی ہے جبر یہی ہے اختیار کا موسم

حنین اور اسامہ تب سے فارس کے گرد بیٹھے تھے جب سے وہ آیا تھا۔ سعدی خاموشی سے گول میز پہ ان کے مقابل بیٹھا تھا۔

"ماموں۔۔۔ کیا وہ دوبارہ تو آپ کو۔۔۔ نہیں لے جائیں گے؟" حنین نے جھجکتے ہوئے انجانے خوف کے زیر اثر سوال کیا۔ فرنچ چوٹی اور ماتھے پہ کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ اب گھر کے لباس میں تھی۔

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ "نہیں۔" ساتھ ہی سعدی کو دیکھا' سعدی نرمی سے مسکرا دیا اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگا۔

"اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گے نا؟" سیم نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میرے لیے اچھا ہو گا اگر میں اپنا گھر کھولوں۔"

"کیوں جاتے ہو ادھر؟ یہیں رہو نا۔" ندرت نے ناراضی سے کہتے میز پہ مٹر قیمہ کا ڈونگا رکھا' کھانا بس لگ چکا تھا۔

"مجھے بہت سے کام کرنے ہیں آپا! مگر آتا جاتا رہوں گا۔" وہ سنجیدگی بھرے سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ عموماً" دھیما بولتا تھا' چھوٹے چھوٹے فقرے' لیکن غصہ چڑھنے پہ آواز بلند ہو جاتی تھی۔

ندرت نے تازہ چپاتی لا کر رکھی ہی تھی کہ فارس ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گیا۔ ویسے بھی وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ جینز کے اوپر بٹنوں والی شرٹ' بال اسی طرح

پونی میں مقید سعدی نے پیچھے سے آواز لگائی۔
"ماموں! آپ کو ہیئر کٹ کی اشد ضرورت ہے۔"
"نہیں۔ ماموں اس ہیئر اسٹائل میں زیادہ اچھے لگ رہے ہیں۔" حنین نے فوراً" مخالفت کی۔ ساتھ ہی وہ پلیٹ سے کھیرے ٹونگ رہی تھی۔ اسامہ نے اس کے ہاتھ کو پرے کیا۔ اس نے غصے سے اسامہ کو دیکھا۔ "کیا ہے؟"
"ابھی کھانا شروع نہیں ہوا' تم کیوں کھا رہی ہو؟"
"تمہارے حصے کا تو نہیں کھا رہی۔ زیادہ ٹوکا مت کرو ورنہ تمہاری دم باندھ دوں گی۔"
"میری کوئی دم نہیں ہے۔" وہ غصے سے کہتا کھڑا ہوا۔
"بس!" سعدی نے ایک دم سنجیدگی سے کہا' بس ایک لفظ اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔
"کتنی دفعہ کہا ہے' مت لڑا کرو آپس میں' مگر مجال ہے جو۔" ندرت کی بات گھنٹی کی آواز نے کاٹ دی۔
فارس اسی وقت واپس آتا دکھائی دیا تھا۔ اسامہ بھاگ کر دروازے پہ گیا اور اس کے ساتھ کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھا۔
"کون ہے اسامہ؟" سعدی نے بیٹھے بیٹھے پوچھا' مگر اسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس وہیں کھڑا رہا۔
"اسامہ' کون ہے؟" ندرت نے سوال دہرایا۔
فارس بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ اسامہ آہستہ سے ان کی طرف پلٹا۔
"پھول لائی ہیں۔"
"کون؟"
"پھپھو۔ زمر پھپھو آئی ہیں اور پھول لائی ہیں۔"
چند لمحے کے لیے راہداری میں سناٹا چھا گیا۔ جیسے سانس آنا بھی بند ہو گیا ہو۔ ندرت پلیٹیں لگاتی رک گئیں۔ حنین کا کھیرا اٹھاتا ہاتھ رکا' چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا۔ البتہ سعدی تیزی سے دروازے کی طرف گیا۔
فارس نے باری باری سب کو دیکھا۔
"سعدی!" اس نے بے اختیار اسے روکا۔ "میں کمرے میں ہوں۔" ساتھ ہی نگاہوں سے اشارہ کیا'

جیسے نہ ملنا چاہتا ہے' نہ اس کی آمد کی خبر کی جائے سعدی نے سمجھ کر سر ہلایا۔
حنین پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ بھنویں کھنچ گئیں' چہرے پہ خفگی چھا گئی۔
دروازہ کھلنے پہ باہر کھڑی زمر نے سر اٹھایا۔ گھنگھریالے بال ہاف باندھے' وہ زرد چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ بازوؤں میں سوسن کے پھولوں کا بوکے تھا۔ بدقت مسکرائی۔ اسی پل ناک کی لونگ چمکی۔ آنکھیں بھی چمکیں۔
"سالگرہ مبارک ہو' سعدی!" پھول اس کی طرف بڑھائے۔ سعدی ابھی تک سکتے میں تھا' پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ آنکھوں میں بے پناہ حیرت اتر آئی۔
"تھینک۔ تھینک یو پھپھو۔ آئیں نا اندر!" کسی معصوم بچے کی طرح خوش ہوتا سعدی ہٹا اور اسے راستہ دیا۔ زمر کی مسکراہٹ معدوم ہوئی' نرم تاثرات والے چہرے کے ساتھ متذبذب سی اندر داخل ہوئی۔ جس گھر میں چار سال تک قدم نہ رکھا تھا' وہاں چار قدم بھی مشکل سے پڑ رہے تھے۔
"زمر... کیسی ہو؟" ندرت فرط مسرت سے نہال اس سے آ کر ملیں۔ پھر ڈائننگ چیئر پیش کی۔ زمر نے ایک لمحے کو گول میز کو دیکھا' جہاں کھانا چنا تھا۔ گن کر پلیٹیں رکھی تھیں۔ ایک فیملی کھانا کھانے ہی والی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔
سعدی نے اصرار کیا "تھوڑا سا لے لیں" مگر وہ وہاں نہیں بیٹھی۔
"میں کھانا کھا چکی ہوں۔" شائستگی' تکلف' تذبذب' حنین کی آنکھوں میں ناراضی گہری ہوئی۔ بہرحال اس نے اٹھ کر ڈرائنگ روم کم لاؤنج کا دروازہ کھولا۔
"کیسی ہو' حنین؟"
حنین جیسے اس سوال پہ ڈسٹرب ہوئی تھی مگر پھر سپاٹ چہرے کے ساتھ "ٹھیک" کہہ کر اندر صوفے کی طرف ہاتھ کیا۔ "بیٹھیں۔"

زمر اسی تکلف سے صوفے کے کنارے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی تو اسامہ آ کر ملا۔ وہ جیسے اب ذرا کھل کر مسکرائی' اس کا گال چوما' پھر پیشانی سے گھنگھریالے بال نرمی سے ہٹا کر بولی' کیسے ہو اسامہ؟"
چوکھٹ میں کھڑے سعدی کی مسکراتی آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ ایک پرانا منظر ان میں جھلملایا۔
اسکول یونیفارم میں گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بنچ کے پاس کھڑا تھا' اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے یونیفارم میں ایک لڑکی بیٹھی تھی' اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"کس نے مارا ہے؟ مجھے بتاؤ' میں ابھی اس کو دیکھتی ہوں۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ ہمارے سعدی کو مارے؟ ادھر دیکھو' روؤ مت' میں ہوں نا تمہارے ساتھ' تمہاری سپورٹ اور پروٹیکشن کے لیے۔" وہ فکرمندی اور غصے سے کہہ رہی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں۔ آپ؟" اسامہ کی شرماتی آواز پہ وہ چونکا' پھر سامنے آ کر بیٹھ گیا اور پھولوں کو میز پہ رکھ کر بولا۔
"آپ کو یاد تھا' مجھے سوسن پسند ہیں۔"
زمر نے سر کو خم دیا' بولی کچھ نہیں۔ ندرت کھانے پہ اصرار کرنے لگیں' پھر چائے پہ' وہ بس ایک کپ چائے کے لیے راضی ہوئی۔ حنین سعدی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی' شکوہ آمیز نظروں سے پھپھو کو دیکھتی' مگر خاموش۔
"مجھے یہ کارڈ دینا تھا۔ ہاشم نے دیا ہے۔ تمہارے لیے۔" کہتے ہوئے اس نے کارڈ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی تو چونکا ہی حنین زیادہ چونکی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔
"ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ ہے" اس نے بہت اصرار کیا تھا تو میں نے تمہاری طرف سے ہامی بھر لی۔ مجھے امید تھی کہ تم لوگ آؤ گے۔"
حنین سعدی کے کندھے پہ سے جھک کر کارڈ دیکھنے لگی۔ سعدی کے تاثرات وہ نہیں پڑھ پا رہی تھی۔ اس نے

بالکل خاموشی سے سیاہ پہ سنہری عبارتیں پڑھیں' پھر کارڈ حنین کی طرف بڑھا دیا۔
"ہاشم بھائی مجھے اپنی پارٹی میں کیوں دیکھنا چاہیں گے پھپھو؟"
"تم اس کے رشتے دار ہو۔"
سعدی پھیکا سا مسکرایا۔ "ہاشم بھائی کے ذہن میں ہر کام کی کوئی خاص وجہ ضرور ہوتی ہے۔ بہرحال' آپ ان سے معذرت کر لیجئے گا۔ ہم نہیں آ سکیں گے۔"
کارڈ پڑھتی حنین نے بے اختیار سعدی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ایک دم بجھا تھا۔
"گھر کی بات ہے سعدی! پہلے بھی تو جاتے رہے ہو ان کے گھر تو..."
"گھر میں ہے فنکشن؟" سعدی نے چوکنا سا ہو کر بات کاٹی اور تیزی سے کارڈ لے کر جیسے تصدیق کی۔ آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ پھر وہ سنبھل گیا۔
"او کے... ہم... آئیں گے۔" وہ نارمل انداز میں مسکرایا۔
حنین ساری ناراضی بھول کر دوبارہ کارڈ دیکھنے لگی۔ اسامہ بھی آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"بلیک اور گولڈ تھیم ہے۔ مطلب' ہم صرف سیاہ یا سنہری لباس پہن سکتے ہیں۔" وہ اسامہ کو بتانے لگی۔ پھر ایک دم اس نے سعدی کے ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے کی چین پکڑی ہوئی تھی۔ زمر بھی وہی دیکھنے لگی۔ اور سعدی نے بھی گردن جھکا کر اسے ہی دیکھا۔
دو تین چابیوں کے ساتھ رنگ میں ایک تین انچ کا سیاہ' مصنوعی ڈائمنڈ سا پرویا تھا۔ وہ دو انچ موٹا تھا اور اوپر سے گول' نیچے سے تکون تھا۔ کسی ہیرے کی طرح وہ روشنی منعکس کرتا تھا۔ اس پہ سنہری حروف میں لکھا تھا۔

Ants Everafter
(ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں!)

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ ابھری۔
"تم ابھی تک چیونٹیوں پہ یقین رکھتے ہو؟"
"میں انہی چیزوں کے لیے جیتا ہوں جن پہ یقین

رکھتا ہوں۔" اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہتے سعدی نے سیاہ ہیرے کو دیکھا۔

چائے آئی اور ساتھ کباب کیک اور دو ایک چیزیں مگر ندرت کے اصرار کے باوجود زمر نے صرف پیالی اٹھائی اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

"یہ۔۔۔ کاروار کرتے کیا ہیں؟ ان کا بزنس کس چیز کا ہے؟" کارڈ میں محو حنین نے پوچھا۔ اس کی نظریں نیچے لکھے ہاشم کے نام اور ساتھ درج موبائل نمبر پہ جمی تھیں۔

ایک دم سے بجلی چلی گئی' اور ہر روشنی کے بجھ جانے کی خاموش آواز سنائی دی' پھر یو پی ایس پہ بتی جلی اور پنکھا گر گر کرتا گھومنے لگا۔ سعدی ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔

"وہ ایک آئل کارٹیل کے سربراہ ہیں۔"

"کارٹیل کیا ہوتا ہے؟" حنین نے بے اختیار پوچھا' پھر جیسے اپنی کم علمی پہ پھپھو کے سامنے شرمندہ ہوئی۔

"ایسے سمجھو جیسے مارکیٹ میں برگر کی تین دکانیں ہوں۔" زمر نے نرمی سے کہنا شروع کیا "ور دو دکانیں پچاس کا برگر بیچیں اور ایک چالیس کا' تو زیادہ کس کے بکیں گے؟"

"چالیس والے کے۔" حنین کے لبوں سے پھسلا۔ وہ ساری ناراضی بھول گئی تھی۔

"بالکل۔ مگر کم قیمت کے باعث چالیس والا بھی منافع زیادہ نہیں کما سکے گا' اور باقی دونوں ویسے ہی نقصان میں رہیں گے سو یہ تینوں یوں کریں گے کہ مل کر ایک گروپ یعنی ایک Cartel کارٹیل بنا لیں گے' اور یہ طے کر لیں گے کہ تینوں دکانیں ایک ہی قیمت پہ برگر بیچیں گی یوں تینوں کو کاروبار ملے گا۔"

"اور تینوں جب چاہے قیمت اکٹھی بڑھا دیں' لوگوں کے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوگا تو وہ مہنگا خریدنے پہ بھی مجبور ہوں گے۔" سعدی نے مسکراتے ہوئے اضافہ کیا۔ "اور ہاشم بھائی یہی کرتے ہیں۔ وہ ملک کی تمام آئل کمپنیز کے کارٹیل کو لیڈ کرتے ہیں' اور یہ تیل سے بجلی بنا کر حکومت کو بیچتے ہیں' اور ان کا جب دل کرتا ہے' یہ بجلی کی قیمت بڑھا دیتے ہیں' اور پھر یہ ہوتا ہے!"

اس نے ابرو سے پنکھے کی طرف اشارہ کیا جو یو پی ایس پہ چل رہا تھا۔ زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔

"میرا نہیں خیال کہ انرجی کرائسز کی وجہ آئل کمپنیز ہیں۔"

"یہ تھرکول پراجیکٹ کے سائنس دانوں اور آئل کمپنیز کے مغرور اور امیر انگیز یکٹیو کی جنگ نہیں ہے' پھپھو! یہ کوئلے اور تیل کی جنگ ہے۔ مجھے یقین ہے' ہاشم پارٹی میں سنہری رنگ پہنے گا۔ ایک بچی کی سالگرہ کو بلیک اور گولڈ کا تھیم دے کر وہ لوگ صرف دنیا کو اپنے مضبوط اعصاب دکھانا چاہتے ہیں۔ سیاہ اور سنہرا یعنی کوئلہ اور تیل۔"

وہ نرمی سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"ایکس کیوز' اب میں چلتی ہوں۔" اس نے جیسے کسی بات میں دلچسپی نہیں لی' بس اٹھنے کی تیاری کرنے لگی۔ حنین نے کارڈ چھوڑ دیا' چہرہ پھر سے بجھ گیا۔ سعدی چپ ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اس کی صاف گوئی نے اسے ناراض کر دیا تھا۔

"کچھ دیر تو بیٹھو!" ندرت اصرار کرنے لگیں مگر اس کا کہنا تھا کہ اگلے ہفتے تفصیل سے پارٹی پہ ساتھ بیٹھیں گے۔ سعدی اسے دروازے تک چھوڑنے گیا۔ واپس آیا تو حنین اکیلی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

"چار سال بعد آئیں اور چالیس منٹ بھی نہیں بیٹھ سکیں!" وہ بڑبڑائی۔

"ایسے نہیں سوچتے حنین!" وہ جیسے ہرٹ ہوا تھا۔

"مگر میں تو ایسے ہی سوچتی ہوں بھائی! آپ کا دل بہت بڑا ہے' آپ بھول سکتے ہیں' مگر مجھے یاد ہے۔ پھپھو نے ہمیں تب چھوڑا' جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ ہمارے ماموں بے گناہ تھے' مگر پھپھو نے ان کو گناہ گار مانا' اور اس لیے آپ بھی زیر عتاب آئے۔ مگر یہ لڑائی تو آپ کی' ماموں اور پھپھو کی تھی'

میں نے تو کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا کیا قصور تھا؟ مجھے کیوں چھوڑا؟" بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سعدی کا دل بے حد دکھا۔

"انہوں نے بہت کچھ لوز کیا ہے اس سب میں' ان کی صحت' ان کی شادی۔ ان کی زندگی' سب ختم ہو گیا۔"

"تو کیا میں نے کچھ لوز نہیں کیا؟ میں نے پھپھو کو لوز کیا ہے' بھائی۔ ان چار سالوں میں کتنے ایسے دن آئے جب مجھے ان کی ضرورت تھی پھپھو نہ ماں ہوتی ہے نہ بہن' وہ ان دونوں سے ہٹ کر ہوتی ہے' میری تو کوئی بہن بھی نہیں تھی' میرا بھی دل چاہتا تھا۔ میں ان سے بہت کچھ شیئر کروں' وہ میری بات سنیں' مگر وہ اب ہماری پرواہ نہیں کرتیں۔ انہوں نے ہمیں تب چھوڑا جب ہمیں ان کی ضرورت تھی' یو نو واٹ بھائی' اب ہم بڑے ہو چکے ہیں' اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی۔ میں وہ حنین نہیں ہوں جو ان کے جانے کے بعد دیر تک کھڑکی سے ان کی راہ تکتی تھی کہ شاید وہ کچھ بھول گئی ہوں۔ تو واپس آئیں' میں بھی اب ان کی پرواہ نہیں کرتی۔"

اس نے رخ موڑ لیا۔ سعدی نے کچھ کہنا چاہا' پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ابھی بیچ راہداری میں تھا کہ کسی احساس کے تحت واپس آیا اور دھیرے سے لاؤنج کے اندر جھانکا۔

حنین کھڑکی کا پردہ سرکائے باہر دیکھ رہی تھی' دور سڑک پہ جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ کسی کے بھول کے واپس آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

سعدی کی آنکھوں میں اداسی اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی' وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ راہداری میں واپس چلتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔

ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔

ہوٹل کی لابی زرد روشنیوں میں چمک رہی تھی۔ چار' پانچ سوٹ میں ملبوس افراد خوشگوار انداز میں ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ ان میں ایک ہاشم کاردار بھی تھا جو کسی سے مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ ہاشم کے پیچھے اس کی سیکریٹری کھڑی تھی' جس نے ایک ہاتھ میں ہاشم کا لیپ ٹاپ اٹھا رکھا تھا' اور وہ ہاتھ پہلو میں گرا ہوا تھا۔ وہ بھی سامنے' مسکراتے ہوئے میٹنگ کے لیے آئے افراد کو دیکھ رہی تھی۔

دور سے جینز شرٹ' اور پی کیپ میں ملبوس سعدی چلتا ہوا آیا۔ اس کا سر جھکا تھا' وہ اسی طرح سیکریٹری کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ سیکریٹری وہیں متوجہ رہی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ لڑکے کے گزرنے کے بعد لیپ ٹاپ کے سائیڈ کے ساکٹ میں ایک فلیش ڈرائیو لگ چکی تھی۔

سعدی ایک قریبی میز پہ جا بیٹھا' کندھے سے بیگ اتارا' اندر سے ٹیبلٹ نکالا اور اس پہ مختلف جگہیں انگلی سے پریس کرنے لگا۔ اسکرین پہ پیغام آ رہا تھا۔

"آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے' کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟"

سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا۔

"پاس ورڈ داخل کریں۔"

"اوہ نہیں یار۔۔۔" اس نے بے بسی سے مڑ کر دیکھا جہاں وہ لوگ ابھی تک کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ اسے کیوں خیال نہیں آیا کہ ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ پاس ورڈ ہو سکتا ہے۔

وہ جلدی سے سب سمیٹ کر اٹھا اور سر جھکائے ان کے قریب سے گزرا اور سیکریٹری سے ٹکرا گیا اور خفیف سا سوری کہتا آگے بڑھ گیا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا' اور پھر دور تک سوچتی نگاہوں سے اس کا تعاقب کیا۔

"چلی گئیں؟" فارس کی آواز پر سعدی چونکا۔ اس کے سامنے فارس کھڑا تھا۔

"ہوں!" اس نے کارڈ بڑھایا' جیسے پھپھو کے آنے کا مقصد بیان کیا ہو۔ فارس نے سرسری سا دیکھا اور پھر گول میز تک آ گیا۔ حنین' اسامہ سب واپس آ گئے۔

www.paksociety.com

ذرا سی ہلچل کے بعد زندگی جیسے پھر نارمل روٹین پہ آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

؏ اب نہ فرصت ہے نہ احساس ہے غم سے اپنے

آسمان پہ سیاہی پھیل رہی تھی۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ فائلز پھیلائے بیٹھی تھی۔ ہلکی سی آہٹ نے اسے سر اٹھانے پہ مجبور کیا۔ ابا وہیل چیئر گھسیٹتے اندر آرہے تھے۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوگئی۔

"آپ کے بلانے پہ نہ آئی جو آپ خود آگئے؟" رسان سے شکوہ کرکے وہ وہیل چیئر پیچھے سے تھامے سامنے لائی' اور پھر خود مقابل صوفے پہ پاؤں اوپر کرکے بیٹھ گئی۔ بڑے ابا منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا اس نے کھانا نہیں پوچھا جو شام میں تم نے واپس آکر کھایا؟"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں کھا کر آؤں گی۔ کھانا میٹر نہیں کرتا۔" گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اس نے جواب دیا۔

"کیا وہ خوش تھا؟"

"آپ کو دن میں دو دفعہ تو فون کرتا ہی ہے' پوچھ لیجئے گا۔"

پھر دونوں کے بیچ کھڑکی کے باہر پھیلی رات جیسی خاموشی چھا گئی۔ ابا فکر مندی و تاسف سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"پھر بات آپ نے شروع کرنی ہے یا میں نے؟ اور اگر آپ نے تو کتنے فقروں کی تمہید باندھیں گے؟" اس نے اطمینان سے پوچھا۔

"زمر۔ شادی کرلو۔" وہ آزردہ سے بولے۔

"آج آپ نے تمہید ہی نہیں باندھی۔" اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا۔

"کب تک اس ٹوٹے رشتے کا سوگ مناؤ گی' میری بچی! میری موت آسان کردو' اب بس کردو۔"

"آپ جانتے ہیں میں جذباتی بلیک میلنگ میں نہیں آیا کرتی۔ جب مجھے کرنا ہوگی' میں بتادوں گی۔ ویسے بھی اب میں بوڑھی ہو رہی ہوں۔ کون کرے گا مجھ سے شادی؟"

"دو چار سال میں واقعی بوڑھی لگنے لگو گی۔ میں اس تکلیف کے ساتھ نہیں مرنا چاہتا۔"

"او کے ابا' صاف بات کرتے ہیں۔" اس نے کشن پرے رکھا' پیر نیچے کیے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور گہری سانس لی۔ وہ واپس ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے روپ میں چلی گئی تھی۔

"آپ میری شادی کسی بھی ایکس وائی زیڈ سے کرادیں' میں کرلوں گی' پھر چند دن میں مزید بددل ہو جاؤں گی' زیادہ بے زار اور تلخ۔ وہ مجھ سے توقعات باندھے گا جو میں پوری نہیں کروں گی' میں ایسی ہی رہوں گی' وہ شروع میں برداشت کرے گا' کہے گا ماضی بھلا دو' میں کہوں گی شادی جب کی تب اس فیز سے نہیں نکلی تھی' ابھی وقت لگے گا۔ وہ صبر کرلے گا' مگر پھر جلد ہی صبر کھو دے گا' غصہ کرے گا' ہاتھ اٹھائے گا' نفرت کرے گا' تین ماہ میں گھر سے نکال دے گا' اور میں یہیں آکر بیٹھی ہوں گی۔ اب بتائیں' آپ کے لیے کیا زیادہ تکلیف دہ ہوگا؟"

ابا نے دکھ سے اسے دیکھا۔ "کیا تم اپنی شادی کو کامیاب بنانے کی کوئی کوشش نہیں کرو گی؟"

"اس فیز سے نکلی ہی نہیں تو کیسے کروں گی؟"

"کب نکلو گی اس فیز سے؟"

"آپ مجھے جانتے ہیں' جب میرے اوپر کچھ طاری ہو جائے تو میرے لیے اس کو جھٹکنا ناممکن ہوتا ہے۔ میں اسی کو اپنی زندگی بنا لیتی ہوں۔ اور جب آخری دفعہ ہم نے یہی بحث کی تھی تو دو دن تک ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔ اس دفعہ کتنے دن کا ارادہ ہے؟"

ابا نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ "مگر تم کوشش تو کرو گی نا اس فیز سے نکلنے کی؟"

"میں چار سال سے کوشش کر رہی ہوں' میں بہت ٹراما سے گزری ہوں' میرے گردے ضائع ہوگئے' تیار

شادی کینسل ہو گئی' وہ حماد مجھے چھوڑ کر چلا گیا بیماری کے عالم میں' وہ وقت بہت برا تھا ابا! میں آگے بڑھ نہیں سکتی جب تک اس وقت کو بھلا نہ دوں۔ مجھے کچھ ٹائم دیں۔"

وہ سرہلاتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔ زمرد کھ سے ان کو جاتے دیکھتی رہی مگر وہ خود بھی بے بس تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کا سیاہ پردہ سارے گناہ' سارے عیب ڈھانپ چکا تھا۔ اتنے میں کاردارز کے اونچے گھر کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ جواہرات باریک ہیل سے تیز تیز چلتی ڈائننگ ہال میں آئی تو قطار میں کھڑے ملازم جیسے اسی کے منتظر تھے۔

فینوتا نے آنکھ سے ایک سرجھکائے کھڑی فلپائنی ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔ جواہرات مسکراتی ہوئی اس کے قریب گئی تو اس فلپائنی میری اینجیو نے سر اٹھایا' پھر ندامت سے جھکا لیا۔

"کیا تم اس جوہری سے میرا نیکلس لے آئی ہو جس کو تم نے وہ بیچا تھا؟" سرد سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پوچھا۔

میری نے سرخ متورم آنکھیں اٹھائیں۔ "یس میم!" اور ڈبہ آگے کیا' پھر کھولا۔

جواہرات نے دو انگلیوں پہ وہ نیکلس اٹھا کر دیکھا۔ ہیروں کا نازک نیکلس ویسا ہی تھا۔

"اور تمہاری چوری کا علم ہونے پر میں نے تم سے کیا کہا تھا؟" وہ انگلیوں میں مسل کر نیکلس کو دیکھ رہی تھی۔

"یہی میم۔۔۔ کہ اگر میں نیکلس واپس لا دوں تو آپ میری ایجنسی کو نہیں بتائیں گی اور میں باعزت طریقے سے اپنے ملک واپس جا سکوں گی۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

جواہرات نے شیرنی جیسی تیکھی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تو پھر خوش ہو جاؤ۔ کیونکہ میں تمہاری ایجنسی کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکی ہوں۔ کل تمہیں یہاں سے ڈی پورٹ کر دیا جائے گا اور تم دوبارہ زندگی بھر یہ نوکری نہیں کر سکوں گی۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی اہمیت یہ تھی۔"

کہتے ہوئے جواہرات نے نیکلس اچھال دیا۔ وہ اڑ کر ایک مصنوعی پودے کے گملے میں جا گرا۔

"وفاداری سے بڑھ کر کسی چیز کی اہمیت نہیں ہوتی۔ میری! اب تم جا سکتی ہو۔"

اس نے تمکنت سے فینوتا کو اشارہ کیا۔ جو شاکڈ اور صدمے سے چور میری کو وہاں سے لے جانے لگی۔

کسی ملازم میں ہمت نہیں تھی کہ گملے میں گرے نیکلس کو دیکھ بھی لیتا جواہرات اسی طرح چلتی ہوئی ہال کراس کر کے لاؤنج میں آئی اور چہرے پہ معصوم معذرت خواہانہ مسکراہٹ سجائے فارس کو مخاطب کیا جو ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر بہت اچھا لگا فارس۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو؟" وہ اس کی طرف پلٹا تو جواہرات نے اس کے کندھوں کو تھام کر کسی بچے کی طرح اسے اپنے سامنے کیا۔

"اوہ۔۔۔ تم کتنے کمزور ہو گئے ہو۔ اپنی رنگت تو دیکھو۔"

وہ جو بے نیازی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ذرا سا سر جھٹکا۔ "ٹھیک ہوں۔ میرے پورشن کی چابی۔۔۔"

"آف کورس۔ وہ میرے پاس ہے۔ میں اس کی صفائی کروا رہی ہوں' مگر تم دیکھ رہے ہو' پارٹی قریب ہے اور سارا اسٹاف مصروف ہے۔ مجھے جیسے ہی تمہاری آمد کا پتا چلا' میں نے گیسٹ روم سیٹ کروا دیا۔"

"آنٹی۔۔۔ میں اپنے گھر میں جانا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے بے زاری کو ظاہر نہ کرتے ہوئے کہا۔ جواہرات مسکرا کر اس کو بازو سے تھامے آگے بڑھنے لگی۔ وہ خاموشی سے ساتھ چلتا آیا۔

"کیا تم مجھے صرف ایک ہفتے کے لیے اپنی مہمان نوازی کا حق بھی نہیں دو گے؟ تم جانتے ہو تمہاری رہائی کے لیے میں نے اور ہاشم نے بہت کوشش کی' مگر میری جان! ہم کیا کرتے۔ یہ عدالتی نظام بہت خراب ہے۔ آئی ہوپ تم ہم سے خفا نہیں ہو گے۔"

"نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔" وہ راہداری میں آ کر رکا' جواہرات نے مسکراتے ہوئے فینوتا کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً" دروازہ کھولا۔ اندر سجا' سجایا کمرہ تیار تھا۔

"پارٹی کے بعد تمہارا پورشن تیار کروا دوں گی۔ اب تم آرام کرو' ہوں۔" مسکرا کر کہتی وہ وہیں کھڑی رہی۔ فارس خاموشی سے اندر چلا گیا۔ وہ شاید خود بھی اپنے گھر سے بچنا چاہتا تھا۔ دروازہ بند کر دیا۔ جواہرات کی مسکراہٹ سمٹی' آنکھوں میں اضطراب ابھرا اور کڑھن' وہ پلٹی تو بیرونی دروازے سے ہاشم آ رہا تھا۔ پیچھے ایک سوٹ میں ملبوس ملازم بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔

جواہرات تازگی سے مسکرا کر تیزی سے اس تک آئی۔ ہاشم نے دروازہ بند ہونے سے قبل فارس کو دیکھ لیا تھا۔ تب ہی تاثرات برہم ہوئے۔ ماں کے قریب آ کر دبی دبی سی آواز میں غرایا۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"مجھے اسے پارٹی میں دیکھنا ہے اور تب تک اسے یہاں روک کر رکھنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے۔" پھر مسکرا کر ہاشم کا شانہ تھپکا "اور مجھے اس کے یہاں ہونے سے کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں' ہاشم سنبھال لے گا۔" مگر ہاشم کو تسلی نہیں ہوئی وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

"بابا۔۔۔" سیڑھیاں بھاگ کر اترتی' فراک میں ملبوس چھوٹی سی بچی ادھر آ رہی تھی۔ کوٹ کے بٹن کھولتا ہاشم بے اختیار مڑا' آنکھوں میں بے پناہ پیار امڈ آیا۔ وہ جھکا اور دوڑتی ہوئی بچی کو اٹھا لیا۔

"بابا کی جان۔۔۔ کب آئی ہو؟" باری باری اس کے گال چومتا وہ پوچھ رہا تھا۔ جواہرات نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

ع تلخی کام و دہن کب سے عذاب جان ہے

☼ ☼ ☼

رات ذرا گہری ہوئی تو اس چھوٹی سی مارکیٹ کی دکانیں بند ہونے لگیں۔ اب فقط چند بتیاں روشن تھیں۔ دور ایک درخت کی اوٹ میں چھوٹی سی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈیش بورڈ پہ ایک خاکی پھولا ہوا لفافہ رکھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سعدی نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور پھر پیچھے دیکھا۔ اردگرد کوئی نہیں تھا۔

تب ہی اس کا موبائل بجا۔ اس نے اسے سامنے کیا تو نیلی روشنی چہرے پہ پڑنے لگی۔ "بلاکڈ نمبر کالنگ" لکھا آ رہا تھا۔

سعدی نے اٹھا کر احتیاط سے ہیلو کہا۔ پھر دوسری جانب سے آواز سن کر جیسے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ "جی باس۔۔۔ کیسی رہی کانفرنس؟"

"تم نے ایک بہت اچھی چیز مس کی ہے۔ اس سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا تمہارے لیے۔" فون میں سے ہلکی سی نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سعدی کا چہرہ تاریکی میں نیم واضح تھا۔ اس نے زخمی سا مسکراتے پھر پیچھے دیکھا۔

"کچھ بہت اہم تھا یہاں۔ خیر۔۔۔ کانفرنس کا سنائیں۔"

"تم جانتے ہو' آدھا وقت تو ان کو یہ واضح کرنے میں گزر جاتا ہے کہ ٹھیک ہے۔ ہمارا کوئلہ اینتھرا سائٹ نہیں ہے۔ مگر ہم کہہ بھی نہیں رہے کہ وہ اینتھرا سائٹ ہے۔ میں مان رہی ہوں کہ وہ لگنائیٹ ہے اور ہمارے علاقے میں صدیوں سے دبے fossils اس سے بہتر کوئلے میں تبدیل نہیں ہو سکتے ویسے بھی۔۔۔ اور اگر۔۔۔" وہ روانی سے بولتے ہوئے رکی۔ "پتا ہے سعدی! آج مجھ سے کسی نے وارث کے کیس کے بارے میں پوچھا۔ اس کا کیا بنا؟ فارس کو سزا ہو گئی؟ میں نے تو اتنے عرصے سے تم سے پوچھا ہی نہیں۔"

"آپ اتنی بہادر نہیں ہیں کہ اس کیس کو فالو کریں۔ سو مجھ پہ چھوڑ دیں۔"

"مگر۔"

"جو بھی بنا ہو گا کیس کا' میں خود دیکھ لوں گا خالہ! میں نے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا کہ ماموں کو مارنے کے بعد ان کے لیپ ٹاپ اور فائلز کو جس نے بھی چرایا تھا' میں وہ آپ کو واپس لادوں گا۔ بس میں اس بندے کے لیپ ٹاپ تک پہنچ جاؤں ایک دفعہ' پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ ماموں کو کیوں قتل کیا گیا۔"

"کون؟ کس کی بات کررہے ہو؟"

"ایک الزام نے فارس غازی کی زندگی کے چار سال لے لیے۔ میں بنا ثبوت کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہتا۔ ثبوت کے بعد بتاؤں گا۔"

"اتنے سال ہو گئے سعدی! کیوں پڑے ہو اس کیس کے پیچھے؟ ختم کرو۔ اللہ کے حوالے کرکے چھوڑ دو۔"

"اونہوں۔۔۔ کیسے چھوڑ دوں؟ میرے خاندان کے دو لوگ مارے گئے' میری پھپھو کی زندگی برباد ہو گئی۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو قتل کو معاف کردیتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے' قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اور میرے خاندان کے باقی لوگوں کی زندگی قصاص میں ہی ہے۔ میں تو برابر کا بدلہ لوں گا۔ جس نے یہ کیا ہے۔ وہ جان سے جائے گا۔ بس۔۔۔! اچھا مجھے جانا ہے' بائے۔"

ایک دم سے اس نے فون بند کیا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک فربہی مائل' ادھیڑ عمر شخص اندر بیٹھ رہا تھا۔ سعدی خاموشی اور سنجیدگی سے سامنے دیکھنے لگا۔ اس شخص نے تلخی سے سعدی کو دیکھا۔

"میں نے اسے بری کردیا ہے' اب وہ دو' جو تم نے دینا تھا۔"

سعدی نے خاموشی نے ڈیش بورڈ سے خاکی لفافہ اٹھا کر انہیں تھمایا۔ جسٹس سکندر نے اندر جھانکا' چہرے پہ مزید کڑواہٹ پھیلی' کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ "میرے بارے میں اگر یہ گند۔۔۔ باہر نکالا تو۔۔۔" غم و غصے سے آواز کانپنے لگی۔ سعدی نے گردن موڑ کر ان کو دیکھا۔

"اگر آپ مجھے جانتے ہوتے تو اندازہ لگا لیتے کہ میں ایک شخص کی زندگی بچانے کے لیے آپ کے خاندان کے پانچ افراد کی زندگی برباد نہیں کروں گا۔ میں اس حد تک بھی نہ جاتا اگر آپ میری بات سن لیتے۔ میں آیا تھا آپ کے پاس جسٹس صاحب۔ میں نے آپ کی منت کی تھی کہ فارس غازی بے قصور ہے' مگر آپ نے میری نہیں سنی تھی' ہاشم کا پیسہ ہر جگہ بول رہا تھا۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ سوری۔۔۔!" کندھے اچکا کر بے نیازی سے سوری کہا۔

"بکواس مت کرو' مجھے بتاؤ' تمہارے پاس اس کی کوئی کاپی ہے یا نہیں؟"

"ہو سکتا ہے میرے پاس کاپی ہو' کیونکہ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ فارس غازی کو دوبارہ اس کیس میں پھنسایا جائے۔ آپ اپنے اینڈ پہ خیال رکھیے گا۔ میں اپنے اینڈ پہ رکھوں گا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ تو جیسے رکنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ سر پہ ٹوپی اور گردن کا مفلر درست کیا۔ تاکہ شناخت نہ ہو پائے اور باہر نکل گئے۔ سعدی نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور کار اسٹارٹ کردی۔

☆ ☆ ☆
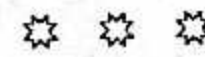
؎ نشتر چبھے ہوئے تھے رگ جاں کے آس پاس

صبح جب سورج کی روشنی بادلوں کے کناروں کو سرخ اور جامنی رنگ میں دہکا رہی تھی تو شہر کے کاروباری علاقے میں اس اونچی عمارت میں وہ داخل ہو رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ بٹنوں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال بہت چھوٹے کٹوا لیے تھے۔ فوجیوں کی طرح گویا استرا پھیرنے کے دو چار دن بعد کے انچ بھر بال ہوں۔ دو ہفتے قبل رہا ہونے والے فارس سے وہ بہتر لگ رہا تھا۔

دھات کا ڈیٹیکٹر داخلے کے سامنے کھڑا تھا۔ لوگ اس میں سے گزر کر اندر جا رہے تھے' وہ سائیڈ سے نکل کر چلا گیا تو گارڈز چونکے۔ کسی نے اسے آواز دی۔ فارس نے بغیر ریسپشن پہ لمحے بھر کو رکا۔

"ہاشم کاردار کا آفس؟" ابرو اٹھا کر اکھڑے انداز میں پوچھا۔

"پانچویں فلور پہ۔۔۔ مگر آپ۔۔۔" ریسپشنسٹ کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ گارڈز بے اختیار پیچھے آئے۔ لفٹ میں داخل ہو کر اس نے ان کے آنے سے پہلے بٹن دبا کر دروازہ بند کردیا تھا۔ گارڈ گھبرا کر وائرلیس پہ اطلاع دینے لگا۔

پانچویں فلور پہ جب لفٹ کا دروازہ کھلا تو وائرلیس پکڑے ایک گارڈ اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ فارس نظرانداز کرکے راہ داری میں آگے بڑھ گیا۔ اسے غالباً" آفس یاد تھا۔ فلور ذہن سے نکل گیا تھا۔

"ہاشم اندر ہے؟" سیکریٹری سے بس سرسری سا پوچھا۔ وہ "جی" کہتی حیران سی اٹھی۔ گارڈ دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ اسے روکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ "سر۔۔۔ مسٹر کاردار مصروف ہیں' آپ اندر نہیں جاسکتے۔" وہ دروازے کی طرف آیا تو گارڈ سامنے آگیا۔

"سر۔۔۔ آپ یوں اندر نہیں جاسکتے' آپ نے نیچے سیکورٹی کو۔۔۔"

"میرے منہ نہ لگو!" تیوری چڑھائے فارس نے ہاتھ سے اس کے کندھے کو پیچھے دھکیلا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ گارڈ حواس باختہ سا پیچھے بھاگا۔

اندر ہاشم اپنی سیٹ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا' سامنے موجود دو افراد سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس اچانک افتاد پہ سر اٹھا کر دیکھا۔ فارس سے گارڈ تک نظروں نے سفر کیا۔

"ان کو بھیجو' مجھے بات کرنی ہے۔"

فارس نے تیسری کرسی کھینچی اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ ہاشم کے لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں ابھرتی ناگواری کو اس نے ضبط کرلیا۔

"سر! میں ان کو منع کررہا تھا مگر یہ۔۔۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے' میں نے ہی بلایا ہے!" تازہ دم ہو کر مسکراتے ہاشم نے ان کو جانے کا اشارہ کیا۔

وہ نکلے تو ہاشم پیچھے ہو کر بیٹھا اور خاموشی سے فارس کو دیکھا۔

"کیوں بلایا ہے؟" اس نے ابرو اٹھا کر اکھڑے اکھڑے انداز سے پوچھا۔

ہاشم اٹھا اور دیوار تک گیا۔ وسط دیوار میں ایک پینٹنگ لگی تھی۔ ہاشم نے پینٹنگ کو سلائیڈنگ ڈور کی طرح دائیں طرف سلائیڈ کیا۔ اندر دیوار میں نصب سیف تھا۔ اس نے کچھ نمبرز ڈائل کرکے سیف کھولا۔ اس کی پشت اب فارس کے سامنے تھی اور وہ پاس ورڈ یا اندر سے سیف نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ہاشم سیف بند کرکے پلٹا اور میز پہ کچھ ڈاکومنٹس اور ایک پلاسٹک بیگ رکھا۔ شفاف بیگ کے اندر زیورات دکھائی دے رہے تھے۔

"تمہاری امانت۔۔۔ تمہارے گرفتار ہونے کے بعد پولیس باربار گھر آتی رہی تھی۔ اس لیے ممی نے پہلے ہی تمہاری تمام قیمتی اشیا وہاں سے نکال لی تھیں۔ چیک کرلو۔" واپس بیٹھتے ہوئے اس نے دوستانہ مگر محتاط انداز میں کہا۔ فارس نے بس ایک نظر اس سب کو دیکھا اور پھر ابرو تان کر ہاشم کو۔

"ٹھیک۔۔۔ اور کچھ؟"

"تمہاری رہائی کے لیے میں نے بہت کوشش کی تھی۔ جسٹس سکندر کو بہت فیورز دیے ہیں اور اب جبکہ میں اس سے مایوس ہو چکا تھا' اس نے تمہیں رہا کر ہی دیا۔ بہرحال۔۔۔ تم اب باہر ہو' نئی زندگی شروع کرنے۔۔۔"

"تمہید کاٹو اور مطلب کی بات پہ آؤ۔" فارس نے اس کی بات بے زاری سے کاٹی۔ ہاشم نے گہری سانس باہر کو خارج کی اور ذرا سے شانے اچکائے۔

"تمہیں جاب چاہیے ہو گی اور میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھی پوسٹ ہے۔"

"نہیں چاہیے۔۔۔ اور کچھ؟" وہ کھڑا ہوا اور اپنی چیزیں اکٹھی کیں۔ ہاشم نے سر اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

"ہم کزنز ہیں یار۔۔۔ تمہاری پرابلم میری بھی پرابلم ہے۔"

"مگر میری بیوی تمہاری بیوی نہیں تھی۔" فارس

کی آواز بلند ہوئی' آنکھوں میں غصہ اترا' کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ "تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں کس طرح تم اس کو میرے خلاف اکسایا کرتے تھے۔"

"او خدا۔" ہاشم نے جھکے ہوئے۔ انداز میں سر جھٹکا۔ "تم اپنی اس غلط فہمی کو دور کیوں نہیں کر لیتے ایک دفعہ۔ وہ میری بہن کی طرح تھی' اس بات پہ تم مجھ سے کوئی مقدس صحیفہ اٹھوانا چاہتے ہو تو اٹھوالو' میں ایک۔ اور ایمان دار آدمی ہوں۔"

فارس شک وشبہ سے آنکھیں سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے اس رویے کے باوجود میں نے تم پہ شک نہیں کیا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ تم نے وہ قتل کیے ہوں گے۔ مجھے تمہاری بے گناہی پہ یقین تھا۔ مگر تمہیں مجھ پہ یقین نہیں ہے۔" وہ ہرٹ نظر آرہا تھا۔

فارس کے تاثرات دھیمے پڑے۔ مگر وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔ ہاشم اب اٹھا۔ دونوں کے درمیان میز حائل تھی۔

"اور مجھے تمہاری فکر ہے۔ کیا کرنا چاہو گے اب؟"

"جس کے خاندان کے دو فرد مار دیے گئے ہوں' اسے کیا کرنا چاہیے؟ سوائے ہر ذمہ دار شخص کا گریبان پکڑنے کے؟"

کمرے میں جیسے کاربن مونو آکسائیڈ بھر گئی تھی۔ ہاشم کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھ سے اچھا وکیل تمہیں نہیں ملے گا۔ جو اس کیس کو دوبارہ سے زندہ کرکے اصل قاتلوں کو سامنے لائے۔ اس لیے جاب نہیں کرنی یہاں' مت کرو' مگر جب اور جیسے تمہیں کچھ معلوم ہو' تم سب سے پہلے مجھے آکر بتاؤ گے۔ گڈ لک!"

ہاشم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ فارس اکھڑا اکھڑا سا دیکھتا رہا' پھر متذبذب سا ہاتھ ملالیا۔ ہاشم مسکرا دیا۔

فارس باہر نکلا تو جواہرات چوکھٹ پہ دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔ تیزی سے ہاشم تک آتے اس نے پوچھا۔

"یہ کیوں آیا تھا؟" ساتھ ہی دروازہ بند کیا۔ "جب بھی اس کو آزاد دیکھتی ہوں تو مجھے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑی نظر آتی ہے۔" ہاشم نے اس کی فکرو پریشانی کو صاف نظرانداز کیا۔

"میں نے بلایا تھا۔ جاب آفر کی' مگر نہیں مانا۔"

"جاب؟ تاکہ وہ مصروف رہ کر کسی بھی انتقامی کارروائی سے باز رہے؟"

ہاشم نے اثبات میں سرہلایا۔ جواہرات نے ٹھنڈی سانس اندر اتاری۔

"اسے تم پہ شک تو نہیں ہے نا؟" اس کے خدشے بڑھتے جارہے تھے۔

"اگر ہوتا تو اس طرح آرام سے نہ چلا جاتا۔ وہ ہاتھوں سے بات کرنے کا عادی ہے اور اداکار تو بالکل نہیں ہے۔" اس کا فون پھر بجا تو اس نے جھنجلا کر کال ریسیو کی۔

"جی۔ جی۔ میں آپ کے آفس پہنچ گیا ہوں۔ بس لفٹ میں ہوں' آرہا ہوں۔" کال کاٹی۔ پھر بریف کیس میں ضروری چیزیں ڈالنے لگا۔

"کام سے جارہا ہوں' شام کو ملتے ہیں۔"

"ہوں۔!" جواہرات بدقت مسکرائی۔

☼ ☼ ☼

وہ اس نفاست اور خوب صورتی سے آراستہ بنگلے کا اسٹڈی روم تھا جہاں وہ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی کام کررہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور سبز آنکھیں سکیڑے' لبوں سے بال پین کا کنارہ دبائے وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ پھر سر جھکا کر فائل پہ کچھ لکھنے لگی۔ دفعتاً اس نے کھڑکی پہ نگاہ دوڑائی تو رک گئی۔ دو جڑواں بچیاں اپنے ہم عمر دو' تین بچوں کے ہمراہ باہر جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

سارہ بچن چھوڑ کر بے اختیار باہر لپکی۔ لاؤنج میں زرینہ بیگم بیٹھی' سلائیوں پہ کچھ بن رہی تھیں۔ گاہے بگاہے چلتے ٹی وی پہ بھی نظر ڈال لیتیں۔ "سارہ یہ ترک ڈرامے دیکھ دیکھ کر ہم کچھ بے حیا نہیں ہوتے جارہے؟" انہوں نے تائید چاہی۔ مگر وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"امی۔ آپ نے بچیوں کو پھر پارک بھیج دیا۔ میں نے منع کیا تھا نا۔" بھنویں سکیڑے وہ بے بسی سے کہتی ان کے سر پہ کھڑی تھی۔ زرینہ بیگم نے خفگی سے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔

"بس کرو بی بی۔ تم تو ایسے پریشان ہورہی ہو جیسے اکیلا بھیج دیا ہو۔ آس پاس کے بچے بھی تھے اور کرنل خورشید کی ملازمہ بھی۔ ابھی گھنٹے بھر میں آجائیں گی۔"

"آپ بھی نا کمال کرتی ہیں۔" وہ ناراضی سے کہتی ان کے ساتھ بیٹھی' مگر نشست کے بالکل کنارے پہ۔ "پتا ہے نا امی! حالات کتنے خراب ہیں' پھر بھی ان کو باہر بھیج دیتی ہیں۔"

"اچھا تمہاری بیٹیاں ہیں تو میری نواسیاں بھی ہیں' دشمن نہیں ہوں میں ان کی۔ گھر میں قید کرکے رکھوں تو بزدل اور ڈری سہمی سی بن جائیں گی' بالکل تمہاری طرح۔" انہوں نے اسے ذرا خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی سلائی جاری رکھی۔

"میں نہیں ہوں بزدل' وہ سعدی بھی ہر وقت یہی کہتا رہتا ہے۔" وہ خفا بھی تھی اور پریشان بھی۔ "وارث کی موت بھول گئی آپ کو؟ کیسے ان کو ماردیا گیا تھا۔ جب کسی خاندان میں کوئی قتل ہوجائے تو خاندان والے پہلے جیسے نہیں رہتے' رہ ہی نہیں سکتے۔"

"سچ۔ تم نے بتایا ہی نہیں فارس کے رہا ہونے کا۔ مجھے عزیز بھائی کی بیوی نے بتایا۔" وہ سلائی روک کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اس کی ساری باتیں نظرانداز کردیں۔ سارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"فارس۔ وہ تو رہا نہیں ہوا۔ وہ۔ کیا

مطلب؟"

"تمہیں نہیں پتا؟" وہ الٹا حیران ہوئیں۔ "جب تم لندن میں تھیں تب ہی تو رہا ہوا تھا وہ۔"

"سعدی کو بھی پتا نہیں ہوگا۔ پھر تو... ورنہ وہ ذکر تو کرتا۔" وہ حیران بیٹھی تھی۔

"لو... وہی تو اسے لینے گیا تھا۔ اسے کب کسی بات کا نہیں پتا ہوتا؟"

"مگر... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اچانک سے؟" وہ الجھ سی گئی۔ "اور سعدی نے بھی نہیں بتایا۔" پھر چونک کر ماں کو دیکھا۔ "اور کیا بتایا آنٹی نے؟"

"یہی کہ اپنے ماموں کے گھر رہ رہا ہے۔ جواہرات کے پاس اپنا گھر نہیں کھولا اور ندرت کے پاس بھی نہیں رہ رہا۔ مگر اچھا ہی ہوا۔ مجھے تو کبھی بھی وہ قصوروار نہیں لگا تھا۔ شکر کہ بچے کی جان بچ گئی۔" انہوں نے پھر سے سلائیاں اٹھالیں۔

"ہوں... سعدی بھی یہی کہتا تھا۔ فارس ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ مگر ایک ہفتہ ہو گیا اور مجھے پتا ہی نہیں۔" وہ اچنبھے میں تھی پھر بے اختیار گھڑی دیکھی اور فون کی طرف بڑھی۔

"کس کو کرنے لگی ہو؟"

"کرنل خورشید کی میڈ کا نمبر ہے میرے پاس۔ اس کو کہتی ہوں کہ انہیں جلدی گھر لائے۔ پورے پندرہ منٹ ہو گئے ہیں۔"

فکرمندی سے کہتی وہ کارڈلیس اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ زرینہ بیگم ماتھا چھو کر بڑبڑائیں۔ سارہ کا کوئی علاج نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

سینٹورس مال میں رنگوں اور روشنیوں کا سیلاب جگمگا رہا تھا۔ تیسرے فلور کے ایک بوتیک کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ وسط میں مخملیں صوفے بچھے تھے۔ کپڑوں کے ریکس کونوں میں تھے۔ وہیں ایک قد آور آئینے کے سامنے شہرین کھڑی تنقیدی نگاہوں سے اپنا پہنا ہوا گولڈن گاؤن دیکھ رہی تھی۔ جس کی ایک آستین نہیں تھی اور دوسری کلائی تک آتی تھی۔ اس نے دائیں اور بائیں دونوں طرف سے ترچھی ہو کر عکس دیکھا۔ سنہرے باب کٹ بالوں کو دو انگلیوں سے پیچھے کیا اور بےزاری سے منہ بنایا۔

"فال اتنی اچھی نہیں ہے جتنی میں نے کہی تھی۔" وہ سخت چڑچڑی لگ رہی تھی۔

قریب کھڑی لڑکی اسے جلدی جلدی وضاحت دینے لگی۔ جسے اس نے گویا سنا ہی نہیں۔ وہ خود کو ہر زاویے سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے عکس میں پیچھے صوفے پہ بیٹھی سونیا اور ساتھ مستعد کھڑی ملازمہ بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ سونیا بور سی ہو کر بار بار پاؤں قالین سے رگڑ رہی تھی۔

عکس میں دکان کا دروازہ بھی نظر آرہا تھا اور وہ جو بگڑے موڈ سے منیجر کو کچھ کہنے لگی تھی۔ دروازے کو دیکھ کر بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر اس نے تھوک نگلا

چوکھٹ پر سعدی کھڑا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

شہری نے مڑ کر صوفوں کی سمت دیکھا۔

"ثمینہ... سونیا کو لے کر اوپر فوڈ کورٹ جاؤ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔"

پھر منیجر سے مخاطب ہو کر بولی۔ "میں آپ سے ذرا ٹھہر کر بات کرتی ہوں۔" وہ تو سر ہلا کر چلی گئی۔ البتہ ثمینہ نے بچی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پس و پیش کی تھی۔

"میم اوپر کس جگہ؟"

"ثمینہ!" اس نے تیز نظروں سے گھورا تو وہ فوراً" سونیا کی انگلی تھامے باہر نکل گئی۔

شہرین پھر سے آئینے میں دیکھتے ہوئے گاؤن کا فال والا گلا انگلیوں سے ادھر ادھر کرنے لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے کندھے کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

"تو آپ گولڈن پہن رہی ہیں۔ گڈ! میں بلیک پہن رہا ہوں۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ مڑے بغیر آئینے میں اس کو دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔ سعدی نے مصنوعی حیرت سے شانے اچکائے۔

"یہ ایک مال ہے اور یہاں لوگ شاپنگ کرنے آتے ہیں۔"

"مجھے گھر سے فالو کر رہے تھے یا فون سے ٹریس کیا ہے؟"

"کیا آپ یہ نہیں مان سکتیں کہ ہم اتفاق سے ملے ہیں؟"

"ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔"

سعدی نے جواباً" اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے... آپ کے فون سے ٹریس کیا ہے۔"

شہرین اس کی طرف پلٹی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"ہمیں اس طرح ایک ساتھ نہیں نظر آنا چاہیے۔"

"اسی لیے آپ نے ان کو بھیج دیا؟"

"وہ ہاشم کو بتا دے گی۔" اس نے گویا جھڑک دیا۔

"اتنی ناقابل اعتبار ملازمہ؟" وہ حیران ہوا۔

"وہ نہیں... سونیا... میری بیٹی... وہ اپنے باپ کو ہر بات بتاتی ہے۔" تلخی سے کہہ کر وہ کان میں پہنے سیاہ نگوں والے آویزے اتارنے لگی۔

"آپ اتنا ڈرتی ہیں ہاشم بھائی سے؟"

"سعدی!" شہرین نے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔ "میں اس سے نہیں ڈرتی مگر وہ سونیا کو مجھ سے لے سکتا ہے اگر میں اس کے خلاف گئی اور یو نو واٹ تمہارے یہاں آنے کا مطلب ہے کہ تمہیں ہاشم کے خلاف میری مدد چاہیے اور میں ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والی۔"

"جب آپ نے مجھ سے مدد مانگی تھی تو میں نے بھی کیا ایسے ہی منع کیا تھا؟" وہ اب بہت سنجیدہ تھا۔ شیری ایک ثانیہ کو خاموش رہ گئی۔

"وہ اور مسئلہ تھا۔" اس کی آواز دھیمی پڑی۔ سعدی جواب دیے بنا اس کو دیکھتا رہا۔ وہ بھی اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹکا۔

"کیا چاہیے؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا اور اندرونی جیب سے ٹیبلٹ نکال کر میز پہ رکھے شہرین کے پرس میں ڈال دیا۔ سب اتنی پھرتی سے کیا کہ وہ الجھی سی کھڑی رہ گئی۔

"میرا ٹیب آپ کل مجھے پارٹی میں واپس کر دیں گی۔ اتنا سا کام ہے۔"

"مگر تم یہ خود بھی لے کر جا سکتے ہو پارٹی میں۔" وہ حیران ہوئی۔

"سیکیورٹی پروٹوکول سخت ہے۔ موبائلز وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔ مگر آپ تو فیملی ہیں نا۔"

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"آپ دوسرا کام کرنے کی ہامی بھریں... میں بتادوں گا۔"

"اور کیا ہے وہ دوسرا کام؟" اس نے بہت ضبط سے سینے پہ بازو لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ ہر صورت میں۔"

"تم... اف..." اس کا صبر جواب دینے لگا۔ "تم پارٹی میں نا ہی آؤ سعدی! تم ہم دونوں کو مشکل میں ڈالو گے۔"

"میں ایک ہفتے سے جب سے ہاشم بھائی نے بالخصوص میرے لیے کارڈ بھجوایا تھا۔ اس پارٹی کی تیاری کر رہا ہوں اور میں آپ پہ اعتبار کر رہا ہوں۔ آپ کو ہاشم بھائی سے اپنے تمام دکھوں اور اذیتوں کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو پھر آپ کو میرے ساتھ کھڑے ہونا ہوگا۔ چاہے آپ پسند کریں یا نہ کریں۔ آپ مجھے ہاشم بھائی کا پاس ورڈ لا کر دیں گی۔" اس نے سنجیدگی اور مضبوطی سے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

شہرین کے تاثرات دھیمے پڑے۔ اس نے تذبذب امید اور خدشات سے بھری آنکھوں سے سعدی کو دیکھا۔

"تم کیا کرنے جا رہے ہو؟"

وہ اداسی سے مسکرایا۔ ایک زخمی سی مسکراہٹ۔

"جو انہوں نے ہم سے چرایا تھا میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد
نمل
فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز تھا۔ فارس غازی اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف فارس غازی کا بھانجا ہے جو اپنے ماموں فارس غازی سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔
سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں ' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ سعدی یوسف کی والدہ نے کڑی مشقت کرکے بچوں کی پرورش کی ہے ' حنین اور اسامہ ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر ' سعدی یوسف کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ فارس غازی ' سعدی یوسف کا ماموں ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے ' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی
مکمل ناول

پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کاردار کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ ہاشم سونیا کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

فارس غازی، ہاشم کاردار کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے، رہائش پذیر تھا۔ فارس غازی کے جیل جانے کے بعد اس کا پورشن مقفل ہے۔

سعدی یوسف کے لیے وہ دن خوشیوں سے بھرپور تھا جب اسے فارس غازی کے رہا ہونے کی خبر ملتی ہے۔

ہاشم نے یہ خبر سن کر عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے اس کا حساب دینا ہو گا۔ فارس غازی جیل سے نکلتا ہے تو سعدی یوسف ان کا منتظر ہوتا ہے۔ فارس اس سے قبرستان چلنے کو کہتا ہے۔ قبرستان جا کر فارس دو قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہے۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے سعدی کا موبائل لے لیتا ہے۔ قبرستان میں وہ کسی کو فون کرکے کوئی ہتھیار منگواتا ہے۔

ہاشم کاردار، زمر کو اپنی بیٹی سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دینے کے ساتھ سعدی کا کارڈ بھی زمر کو دے دیتا ہے۔

زمر کے والد کو اپنے پوتے سعدی یوسف سے بہت محبت ہے۔ وہ زمر سے کہتے ہیں، سعدی کی سالگرہ پروش کرنے ان کے گھر جائے۔ وہ پھول لے کر کارڈ دینے سعدی کے گھر جاتی ہے۔ زمر کو دیکھ کر سعدی کے ساتھ تمام گھر والے حیران ہو جاتے ہیں۔ زمر سعدی کو سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دیتی ہے۔

زمر کے جانے کے بعد سعدی نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔ اسی وقت ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔ اس نے ہوٹل میں ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگایا تھا۔ وہ اس کے لیپ ٹاپ سے ڈیٹا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سعدی نے جب بیگ سے نیلبنٹ نکالا تو اسے پریس کرنے کے بعد اسکرین پہ پیغام آیا کہ آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے 'کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟ سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اسکرین پہ دوسرا پیغام دیکھ کر سعدی کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا کہ "پاس ورڈ داخل کریں" سعدی کے پاس 'پاس ورڈ نہیں تھا۔

سعدی یوسف، ہاشم کاردار کی سابقہ بیوی شہرین سے ایک شاپنگ مال میں مل کر کہتا ہے۔ مجھے آپ سے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ شہرین، سعدی سے کہتی ہے کہ "تم کیا کرنے جا رہے ہو؟" سعدی زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے کہ "ہاشم بھائی نے جو ہم سے چرایا تھا میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔"

(اب آگے پڑھیں)

فریب کار

۲ دوسری قسط

اور ابلیس کا ساتھی ماموں بھی تھا۔
جنت سے نکالی جانے والی ایک کمتر روح
کہ وہاں بھی اس کی نگاہ اور سوچ نیچے جھکی رہتی
اور زیادہ سراہتی سونے کی بنی جنت کی روش کو۔
یہ منظر اسے کسی بھی دوسرے سے زیادہ مزا
دیتا ہے۔
اسی نے سکھایا بنی نوع انسان کو
اپنے ناپاک ہاتھوں سے دھرتی ماں کے بطن کو کھود
کر لوٹنا
ان خزانوں کو جو چھپے بہتر تھے
جلد ہی اس کی فوج نے جہنم کی پہاڑی میں ڈالا ایک
وسیع چھید۔
اور کھود ڈالیں سونے کی پسلیاں
نہ ہو کوئی حیران اس بات پہ کہ سونا اگتا ہے اندھیر
جہنم میں
کہ شاید مٹی ہی قابل ہے۔ اس قیمتی بلا کے۔۔۔۔
(ماخوذ از : ملٹن۔ جنت گمشدہ)

حسن و عشق کا سوز تعلق سمتوں کا پابند نہیں
اکثر تو خود شمع کا شعلہ بڑھ کے گیا پروانے تک

ہاشم کاردار کی بیٹی سونیا کی سیاہ، سنہری سالگرہ آج یعنی ہفتے کی شام کو تھی، شاید اسی لیے ہفتے کی صبح بھی چمکیلی سنہری طلوع ہوئی تھی۔ ذوالفقار یوسف کے گھر میں ناشتے کا دھواں، ندرت کی ڈانٹ بھری تاکیدیں، حنین کی بھاگم بھاگ تیاری، سب ایک ساتھ چل رہا تھا۔ سعدی آج بھی صبح سویرے ریسٹورنٹ چلا گیا تھا۔

سیم اب یونیفارم میں تیار گول میز کے گرد بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ حنین اپنے سیاہ کوٹ شوز پالش کرکے جب آئی تو توس کی پلیٹ کو دیکھ کر منہ بن گیا۔

"امی ـــــ میں نے نہیں کھانا ڈھکن ٹوسٹ۔ یہ موٹا آلو میرے لیے بریڈ کا پہلا اور آخری توس ہی بچاتا ہے ہمیشہ!" وہ ماتھے کے کٹے بالوں پہ برش پھیرتی وہیں سے چلائی۔ کچن سے ندرت کا ڈپٹا ہوا جواب فوراً آیا۔

"ہزار دفعہ کہا ہے کھانے کی چیزوں کے نام مت رکھا کرو۔"

اس نے منہ میں بڑبڑاتے آگے ہو کر سیم کا آدھا پراٹھا توڑ لیا۔ خلاف معمول سیم نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ چپ چاپ کھاتا رہا۔

وہ ناشتہ کرکے اٹھی تھی کہ سیم نے پکارا "حنہ!"

"حن..... نا؟" اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تاریخ گواہ ہے کہ تم نے مجھے بغیر کام کے حنہ نہیں کہا۔"

"آج کا لنچ میری طرف سے ہے!" ہاتھ جھاڑتے اس نے مزید سنجیدگی سے اطلاع دی۔

حنین نے بیگ کندھے پہ ڈالا، فائل اٹھائی اور استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

"مجھے گیس کرنے دو کہ کیا منگوایا ہو گا تم نے 'ہاں ہوں گے سموسے، ساتھ میں چرغہ اور آلو کے چپس۔" اور جیسے ان سب اشیا پہ لعنت بھیج کر وہ دروازے کی طرف بڑھی جہاں باہر وین والا ہارن دیے جا رہا تھا۔

"اسپرنگ رولز، بہاری کباب اور بھکّے ہوئے آلو۔" سیم نے عقب میں بڑے سکون سے کہا۔ حنین کے قدم زنجیر ہوئے، آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ یکدم مڑی، کہنی سے دبوچ کر اسے سامنے کھڑا کیا۔

"پھر ساتھ میں ہو گی پودینے کی چٹنی؟" اور مشکوک نظروں سے گھورا۔

"اونہوں۔ تمہاری فیورٹ، مایونیز والی ساس!" حنین کے لب بھرپور مسکراہٹ میں پھیل گئے۔ آنکھوں میں شرارت چمکی۔ بازو چھوڑا اور چلنے کا اشارہ کیا۔

"اب کام بتاؤ!"

"رات ہاشم بھائی کی بیٹی کی سالگرہ میں، میں نے بھی جانا ہے۔" وہ دونوں ساتھ چلتے باہر آئے تو باغیچہ کراس کرتے ہوئے سیم نے کہا۔

"سعدی بھائی نے کہا تھا کہ امی نہیں جا رہیں تو میں گھر میں رہوں۔"

"ہوں۔ تمہارے پاس بلیک سوٹ ہے؟"

تصحیح

نمل کی تمام اقساط کو مصنفہ نے عنوان دیے ہیں۔ پہلی قسط کا عنوان "تمہارا سعدی" گزشتہ ماہ شائع ہونے سے سہوا" رہ گیا تھا جس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ یہ نمل کی دوسری قسط "فریب کار" ہے۔

"ہاں' وہی جو بھائی نے برتھ ڈے پہ دیا تھا۔"

"تو پھر اس کو دھوپ لگوالو' ہوا لگوالو اور استری کروالو۔" وہ گیٹ بند کر کے وین کی طرف بڑھتے ہوئے بڑے سکون سے بولی۔ سیم نے خوشگوار بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"مگر تم بھائی کو کیسے مناؤ گی کنو۔۔۔ سوری۔۔۔ حنہ!"

"سیم یوسف' یہ جو آج تم مجھ پہ اپنی پاکٹ منی جھونک رہے ہونا' یہ اس لیے ہے کہ تمہیں پتا ہے' اس کام کے لیے صحیح بندی میں ہی ہوں' اس لیے اپنے سوٹ کی فکر کرو بس!" کہہ کر وہ وین میں چڑھ گئی۔

اندر رافعہ اور خدیجہ بری طرح دہرائی کرنے میں مگن تھیں۔ جبکہ ناعمہ کتاب کھولے کچھ لکھ رہی تھی۔ آج ان کا آخری پیپر تھا۔

"کیسی تیاری ہے؟" اس نے امتحان کی صبح کا مخصوص سوال دہرایا۔

"یار! کچھ نہیں آتا' سمجھو سب مکس اپ ہو گیا۔" رافعہ نے ہراساں نفی میں سر ہلاتے ہوئے مخصوص جواب دہرایا۔

حنین نے اپنی فائل کھول لی اور سرسری سی نگاہ دوڑانے لگی۔ پھر کسی احساس کے تحت ناعمہ کو دیکھا ۔۔۔ وہ ٹشو پیپر پہ کچی پنسل سے لکھے جا رہی تھی۔ نقل کے یہ طریقے ان کو جانے سوجھتے کہاں سے تھے۔

"اگر پکڑی گئیں تو؟" حنین نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تو گرمی گرمی کرتے اس سے پسینہ پونچھ لوں گی۔ سارے ثبوت ختم!" اس نے شانے اچکا دیے تو حنین سر جھٹک کر اپنا پڑھنے لگی۔

سیم کھڑکی سے باہر دیکھتا اپنے سوٹ اور ان دوستوں کے بارے میں سوچ رہا تھا' جن کو اس نے سوموار کی پارٹی کی تفصیلات دینا تھیں۔ ذہن میں وہ فقرے ترتیب دے رہا تھا۔

"پتا ہے ہمارے ایک انکل ہیں ۔۔۔ ان کے بیٹے ۔۔۔ کزن ہیں ہاشم بھائی' ان کا گھر ۔۔۔"

☼ ☼ ☼

تو نے کیا کیا اے زندگی دشت و در میں پھرایا مجھے
اب تو اپنے در و بام بھی جانتے ہیں پرایا مجھے

کاردار خاندان کے قصر کے سبزہ زار میں ملازموں کا عملہ اور فاضل ویٹرز پارٹی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اندر لاؤنج میں بھی صفائی ستھرائی کا عمل جاری تھا۔ شہرین متوازن قدموں سے زینے چڑھتی اوپر جا رہی تھی۔

ہاشم کا کمرا سنسان پڑا تھا۔ وہ آگے بڑھی۔ نوشیرواں کے کمرے کا داخلی دروازہ کھلا تھا اور آگے بالکونی کا بھی۔ وہ بالکونی میں بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ گود میں' کانوں میں ایئر فونز۔ شہرین وہیں کھڑی رہی' یہاں تک کہ نوشیرواں نے چونک کر اس طرف دیکھا تو وہ سر جھٹک کر جانے لگی۔

"آپ کب آئیں؟ آئیے۔" شیرو جلدی سے ایئر فونز نکالتے ہوئے اٹھا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اس روز کی نسبت آج درست حلیے میں تھا۔ وہ اسے پسند کرتا ہے' کوئی اندھا بھی بتا سکتا تھا اور شہرین اندھی نہیں تھی' البتہ اسے معلوم تھا کہ وہ کہنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ شہرین نے پریشانی سے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں تم بیٹھو۔۔۔" پھر رکی۔

"ہاشم۔۔۔ ہے یا؟" اس نے نوشیرواں کے بھائی کا نام لیا' وہی بھائی جس کے ڈر کے باعث شیرو کبھی نہیں کہہ سکے گا۔

"بھائی کا آف تھا مگر وہ شاید شہلا آنٹی کے کیس کے لیے کہیں گئے ہیں' ان کے ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ کر دیا تھا کسی کا۔" وہ ابھی تک منتظر کھڑا تھا۔ شہرین کی آنکھوں میں مایوسی ابھری۔

"خیر وہ ہوتا بھی تو میرا کام نہیں ہوتا تھا۔ اٹس اوکے جانے دو۔" وہ کہہ کر پلٹنے لگی۔

"کیا کام؟ مجھے بتائیں۔" وہ قدم قدم اٹھاتا اس تک آیا۔

"چھوڑو' تم سے نہیں ہو گا۔"

"ویل اگر آپ نے اپنے کام کا ذکر مجھ سے کیا ہے تو یقیناً" آپ کو لگتا ہو گا کہ میں کر سکتا ہوں تو بتائیں۔" وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا۔ شہرین تھکے انداز سے مسکرائی۔

"سونیا۔۔۔ وہی ہے اصل مسئلہ۔۔۔ اس کو میری اور ہاشم کی پکچرز چاہئیں۔ ہنی مون کی۔"

"تو آپ کے پاس نہیں ہیں؟" نوشیرواں کو اندر سے شاید خوشی ہوئی۔

"میں تکلیف دہ یادوں کو سنبھال کر نہیں رکھتی۔" اس نے سنہرے بالوں میں ہاتھ پھیر کر ان کو پیچھے کرتے کہا۔ وہ دونوں ہنوز چوکھٹ پہ کھڑے تھے۔

"شادی کی تو میرے پاس بھی ہوں گی۔"

"مگر ہنی مون والی ہاشم کے لیپ ٹاپ میں ہوں گی اور میں تمہارے بھائی کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔" اس نے بہت ہی لاپروائی سے لیپ ٹاپ کا ذکر کیا۔

"نو پرابلم میں کاپی کر دیتا ہوں۔ بھائی آفس نہیں گئے تو لیپ ٹاپ گھر پہ رکھ کر گئے ہوں گے۔" وہ چلتا ہوا ساتھ والے کمرے میں آیا' بتی آن کی۔

"جلدی کرنا' میں اس کمرے میں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتی۔" اس نے فلیش ڈرائیو بڑھاتے ہوئے کہا۔ نوشیرواں نے ڈرائیو پکڑتے ہوئے نظر بھر کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" وہ جواباً" زخمی سا مسکرائی۔

نوشیرواں نے ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور آن کیا۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی ہو کر دیکھنے لگی۔ ساتھ ہی وہ لب بھی کاٹ رہی تھی اور انگلیاں بھی مروڑ رہی تھی۔

"اوہ ..... پاس ورڈ؟ اب یہ کیا ہے؟" سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے جب پاس ورڈ مانگا گیا تو نوشیرواں کراہ کر رہ گیا۔ شہرین کے ماتھے پر بل پڑے۔

"میں نے کہا تھا نا' تم سے نہیں ہو گا۔ جانے دو۔" وہ مڑنے لگی۔

"ایک منٹ ۔۔۔ ٹھہریں تو!" اس نے موبائل نکال کر ہاشم کو کال ملائی۔

"میرا نام لے لینا تاکہ وہ بالکل بھی اپنا پاس ورڈ نہ دے۔" وہ تلخی سے بولی۔ نوشیرواں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بہت نرم اور سمجھ دار نظر آنے کی سعی کر رہا تھا۔

"ہاں شیرو بولو۔" وہ مصروف تھا۔

"بھائی یار! آپ کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"کیوں؟ کیا ہوا؟" اپنی تمام تر مصروفیت کے باوجود وہ چونکا تھا۔

"کچھ پکچرز چاہئیں تھیں سونیا کے لیے۔"

"کون سی پکچرز؟" وہ ہاشم تھا' کھٹک گیا۔

"بھائی دے رہے ہو یا میں کچھ اور کروں؟ اس کا موڈ بگڑنے لگا "پھر ہوں۔۔۔ اچھا۔" کہہ کر سر ہلا کر فون بند کیا اور مسکراتے ہوئے کی بورڈ کے بٹن دبائے۔ اس کے کندھے سے جھانکتی شہرین نے ان کو حفظ کیا (گوکہ اس کی ضرورت نہ تھی) اور پھر لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ (یہ لفظ تو اس کو ازبر تھا۔ آنکھیں بند کر کے بھی ٹائپ کر سکتی تھی)

"آپ بتاتی جائیں' کون کون سی چاہیے۔"

ان کی ہنی مون' شادی اور دیگر مواقع کی تصاویر کھلتی جا رہی تھیں۔ مقصد پورا ہونے کے بعد شہرین کو جانے کی جلدی تھی اور وہ سب دیکھ کر سینے میں کچھ چبھنے لگا تھا۔ احساس زیاں' تہی دامنی۔

"یہ والی۔۔۔ اور یہ تینوں۔۔۔" وہ انگلی سے اسکرین پہ اشارہ کرتی بتانے لگی۔ نوشیرواں نے کاپی کرتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا' وہ ضبط کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی اس نے افسوس' ہمدردی' ترحم' سب محسوس کیا تھا۔

سوائے فریب کی بُو کے۔

☼ ☼ ☼

میں تو لب کھول کے پابند سلاسل ٹھہرا
تیری اور بات ہے تو صاحب محفل ٹھہرا

کمرا امتحان میں معمول کا سناٹا چھایا تھا۔ دو ممتحن خواتین کرسیوں کی قطاروں کے بیچ ٹہل رہی تھیں۔ لڑکیاں سر جھکائے‘ دھڑادھڑ لکھے جارہی تھیں۔ حنین نے دفعتاً ”درد کرتی انگلیوں کو سہلاتے ہوئے سر اٹھایا اور پھر گردن کو ریلیکس کرتے ہوئے دائیں طرف دیکھا۔ کمرے کی ایک دیوار کھڑکی سے ڈھکی تھی‘ اور سامنے سڑک اور بنگلوں کی قطار نظر آرہی تھی۔ جس لاء کالج کو ان کا امتحانی مرکز بنایا گیا تھا‘ وہ دراصل ایک بڑا سا بنگلہ تھا اور یہ کمرا یقیناً ”ڈرائنگ ڈائننگ کے طور پہ استعمال کے لیے بنایا گیا ہوگا۔ اس نے سوچا۔

نیچے لان تھا اور وہاں سے ان ادھیڑ عمر وکیل صاحب کی کار نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ جو ہائی کورٹ کے وکیل تھے‘ اس لاء کالج کے مالک تھے اور ہر پیپر میں بار بار امتحانی کمروں کا چکر لگا کر اپنی خراب انگریزی میں لڑکیوں کو نقل کرنے کے نتائج سے ڈرانے کی کوشش کرتے تھے۔ شکر کہ اب وہ کہیں جارہے تھے اور اگلے ڈیڑھ گھنٹے سر پہ سوار نہیں ہوں گے۔ اس نے مسکراہٹ دبا کر سوچا اور دوبارہ پرچے پہ جھک گئی۔

”شش!“ ناعمہ نے پیچھے سے اسے ٹھوکا دیا۔ اس نے جھنجلا کر ممتحن کو دیکھا‘ جس کی ان کی طرف پشت تھی اور پھر پیچھے مڑی۔

”کیا ہے؟“

”رافعہ کو دو!“ اس نے ٹشو آگے کیا۔ حنین نے جلدی سے ٹشو پکڑا جیسے کوئی جلتا ہوا انگارہ ہو اور رافعہ کی کمر پہ پین چبھا کر اسے متوجہ کیا۔ ممتحن اب چلتی ہوئے آگے جارہی تھی۔ قطار ختم کرکے ہی وہ مڑتیں اور اس سے پہلے ہی اس نے رافعہ کو وہ دے دینا تھا۔

مگر رافعہ یا تو ڈر گئی تھی یا اس سے سمجھنے میں غلطی ہوئی یا ممتحن غلط وقت پہ مڑیں‘ اسے ٹھوکا دے کر ٹشو پکڑاتی حنین کے ہاتھ سے ٹشو گرا‘ وہ فوراً” پیپر پہ جھکی۔ اس کی گھبراہٹ نے سب واضح کردیا۔ ممتحن خاتون تیز تیز اس طرف آئیں۔ جھک کر ٹشو اٹھایا۔ اسے کھولا۔ حنین نے سر جھکائے اگلا لفظ لکھنے کی کوشش کی‘ مگر ہاتھ نم ہوگئے‘ پرچہ نم ہوگیا‘ سیاہی پھیلنے لگی۔

”آپ نقل استعمال کررہی تھیں؟ کہاں سے آیا یہ آپ کے پاس؟ چھوڑیں پیپر!“ دو ہاتھوں نے اس کا پرچہ کھینچا۔ دو ٹیچرز مزید اس طرف آئیں۔ وہ ہکابکا سی بیٹھی رہ گئی۔

”یہ میرا نہیں ہے میم‘ مجھے نہیں پتا اس میں کیا ہے۔“

”جھوٹ مت بولو۔ میں نے خود تمہیں اسے پکڑے دیکھا ہے۔“

”یہ ناعمہ نے دیا تھا‘ رافعہ کو دینے۔“ اس نے پچھلی اور اگلی دونوں کو گھسیٹا‘ کہ وہ کوئی اس کی اچھی دوستیں نہ تھیں جن کو وہ بچاتی۔

”میرا نام کیوں لے رہی ہو؟“

”مجھے نہیں پتا‘ یہ کیا کہہ رہی ہے۔“ دونوں لاتعلق ہوگئیں۔ کمرے میں تماشا لگ گیا۔ سب سر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ ٹیچرز اسے اٹھا رہی تھیں کہ وہ اپنی چیزیں لے کر آفس میں آجائے‘ اس کا پرچہ ختم۔

”آپ پر کیس بنے گا اور تھانے میں درج ہوگا۔ تین سال تک آپ پیپرز نہیں دے سکتیں۔“ ان کے الفاظ حنین یوسف کی روح قبض کررہے تھے۔

زمین آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔ آج تو ویسے بھی آخری پرچہ تھا۔ یہ ایک دم سے سب کیسے غلط ہونے لگ گیا تھا؟

کچھ لڑکیاں واپس لکھنے میں مصروف ہوگئیں۔ کچھ اسے چیزیں سمیٹتے دیکھ رہی تھیں۔

”میم! یہ میرا نہیں ہے‘ مجھے نہیں پتا تھا اس میں کیا لکھا ہے۔“ وہ ساتھ ساتھ خشک حلق کے کہہ رہی تھی۔

کسی نے اسے ٹشو ”پاس“ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ سپرٹینڈنٹ نے ٹشو اس کے ”پاس“ دیکھا تھا اور اگلی پچھلی انہیں دم کٹی لومڑی کا شکار لگی تھیں۔ صرف اسے اٹھایا گیا‘ وہ منت کرتی رہی۔ کبھی غصے سے زور سے بھی بولتی مگر کوئی اثر نہیں۔۔۔ میڈم اسے دو کمروں سے گزار کر ایک آفس نما کمرے میں لے آئیں۔

اسے کرسی پہ بٹھادیا۔ پرچہ پیپر ویٹ تلے رکھ دیا۔ اور ایک دوسری ٹیچر کو یونیورسٹی کی انسپکشن ٹیم کو کال کرنے کا کہا۔ مقدمے کا پرچہ انہوں نے ہی آکر بنوانا تھا۔ ٹیم شہر کے کسی دوسرے امتحانی مرکز کے دورے پہ تھی‘ ان کو آنے میں کچھ وقت لگنا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک حنین کے اعصاب پہ ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔ وہ سفید چہرہ لیے‘ حواس باختہ پریشان سی بیٹھی تھی۔ مگر خاموش نہیں تھی۔ وہ بار بار احتجاج کررہی تھی۔

”میم! میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ پچھلی لڑکی کا تھا ——“

”اگر آپ نے ایک لفظ مزید بولا تو میں اس پہ ابھی سرخ کانٹا پھیر دوں گی۔“ انہوں نے غصے سے جھڑکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے سر جھکا دیا۔ مگر وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔ وہ سعدی یوسف کی بہن تھی۔۔۔ اوہ۔۔۔ بھائی کو کتنی شرمندگی ہوگی اس پر؟ حنین چیٹنگ کرتے پکڑے گئی؟ تھانے میں مقدمہ؟ وہ لرز کر رہ گئی۔ بھائی کبھی اس پہ دوبارہ اعتبار کرسکے گا کیا؟

سپرٹینڈنٹ کو ایک ٹیچر نے بلوالیا۔ ایک دوسرے کمرے میں کچھ لڑکیاں کونسچن پیپر پہ لکھ رہی تھیں۔ ان کی لاپرواہی نے ان کو بھی پھنسا دیا۔ ابھی پچھلے پیپر میں اسی جگہ ایک پوری قطار جو کونسچن پیپر پہ پوائنٹس لکھ رہی تھی اور اس قطار میں غلطی سے ممتحن‘ دونوں پہ پرچہ کیا تھا انسپکٹر نے اور ابھی وہی جلاد صفت انسپکٹر پھر آنے والا تھا۔ سپرٹینڈنٹ غصے سے باہر نکلیں۔ حنین کمرے میں تنہا رہ گئی۔ گھڑی کی ٹک ٹک ہر سو گونجنے لگی۔

میز پہ سپرٹینڈنٹ کے پرس کے ساتھ ان کا موبائل رکھا تھا۔ حنین نے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا اور لمحے بھر میں فیصلہ کیا۔ اسے مدد پکارنا تھا۔ مگر کون آئے گا؟

موبائل اچک کر اس نے دھڑکتے دل سے نمبر ملایا۔ پہلے سعدی کا پھر مٹا دیا۔ بھائی کے سامنے شرمندگی؟ نہیں پھر پھپھو کا۔۔۔ دو ہندسوں کے بعد ہی مٹا دیا۔ کبھی بھی نہیں‘ ہونہہ اور ماموں کا تو کوئی نمبر ہی نہ تھا۔ پھر کسے کرے؟ وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسلتی جارہی تھی۔ وہ تاریک سرنگ میں کھڑی تھی اور ایسے میں اچانک سے سنہری رنگ سے لکھے گیارہ ہندسے جگمگانے لگے۔ بنا سوچے سمجھے اس نے نمبر ڈائل کیا۔ یہ پہلی دفعہ تو نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کو فیورز دے رہے تھے۔

”ہیلو؟“ ہاشم نے تیسری گھنٹی پہ فون اٹھایا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا تھا اور ایکسیڈنٹ میں مرنے والی لڑکی کی فیملی سے مل کر واپس آرہا تھا۔ گو کہ نمبر انجان تھا مگر ہاشم ہر انجان کال اٹھایا کرتا تھا۔

”ہاشم بھائی؟ ہاشم بھائی‘ میں حنین بول رہی ہوں۔“ منہ پہ ہاتھ رکھ کر وہ دبی دبی سی آواز سے بولی‘ خوف زدہ نظریں دروازے پہ ٹکی تھیں۔

”آ۔۔۔ کون۔۔۔ حنین؟“ وہ یاد کرنے لگا تھا۔ حنین کے گرد اندھیرے بڑھنے لگے۔ نقل کرنے پہ ایک پرچہ امتحانی مرکز میں موبائل کے استعمال پہ دوسرا پرچہ۔۔۔

”میں۔۔۔ ندرت کی بیٹی‘ فارس کی بھانجی‘ زمر کی ——“

”سعدی کی بہن؟“ ہاشم چونکا تھا۔ ”ہاں‘ حنین‘ بولو بیٹا‘ کیا ہوا؟ خیریت؟“ اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

”ہاشم بھائی! انہوں نے مجھے چیٹنگ کے جرم میں پکڑا ہے‘ پرچہ ہوگا‘ پلیز کچھ کریں میں۔۔۔“

”تم۔۔۔ کدھر ہو تم؟ مجھے ایڈریس بتاؤ اور فون کہاں سے کررہی ہو؟“

اس نے جلدی جلدی ایڈریس بتایا تھا کہ باہر سے بولتی سپرینٹنڈنٹ کی آواز قریب آنے لگی۔

”سپرٹینڈنٹ آگئی‘ کال بیک مت کیجیے گا۔“ گھبرا کر اس نے فون رکھا۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر آئیں۔

حنین نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا۔ دونوں ٹیچرز اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں‘ اسے تو وہ کنارے لگا ہی چکی تھیں۔ اب پوری پانچ لڑکیوں کے کونسچن

پیپر کا معاملہ آگیا تھا' انسپکشن ٹیم آئے گی تو یہ پنڈورا باکس بھی کھلے گا۔ وہ لوگ سخت غصے میں تھیں۔

کسی نے بھی موبائل کی سمت نہ دیکھا کہ ان کو بلا ضرورت خود بھی موبائل استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔

حنین اب بہتر محسوس کر رہی تھی ہاشم سے بات کر کے تسلی ہوئی تھی۔ یہ لاء کالج تھا' ہو سکتا ہے ہاشم ان خراب انگریزی والے پرنسپل وکیل کو جانتا ہو' وہ انہیں فون کر دے اور معاملہ ختم ہو جائے۔ ہاشم تو سب کو جانتا ہے اور یہ تو سب کو پتا تھا کہ کام کے وقت ہاشم کاردار کو ہی پہلی کال کی جاتی ہے۔ اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔

وہ انگلیاں مروڑتی خود کو ریلیکس کر رہی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی سے نیچے گیٹ کو دیکھنے لگی' یہاں سے گیٹ صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ وکیل پرنسپل کب آئیں گے؟ اف۔

کتنا وقت گزرا سپرنٹنڈنٹ کی کتنی کڑوی کسیلی سنی' کچھ پتا نہیں' پتا بس اس وقت چلا جب اس نے گیٹ کے پار سیاہ چمکتی کار رکتی دیکھی۔ پچھلا دروازہ کھول کر وہ نکلا۔ سیاہ سوٹ' ٹائی' سن گلاسز' ہاتھ میں سرخ کور کی فائل۔ گلاسز اتارتے ہوئے اس نے گیٹ پار کیا۔ حنین کا سانس رک گیا۔

بہت عرصے بعد دیکھا تھا مگر وہ پہچان گئی تھی۔ وہ ہاشم تھا۔ ہاشم خود آیا تھا؟ حنین کے لیے؟ وہ ساکت تھی۔

وہ وکیل لگ رہا تھا' یا اس کی شخصیت ایسی تھی' اسے کسی ملازم نے نہیں روکا۔ وہ کسی سے امتحانی کمرے کا پوچھ کر اوپر آیا' راہداری عبور کی اور سپرنٹنڈنٹ کے آفس کے سامنے رکا۔

حنین بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں امید اور خوف دونوں سمٹے تھے۔

"سپرنٹنڈنٹ آپ ہیں؟" ہاشم نے سنجیدگی سے سپرنٹنڈنٹ کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں خواتین پزل سی ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

"جی میں ہی ہوں' مگر یہ امتحانی مرکز ہے' یہاں غیر متعلقہ افراد کا داخلہ؟" اس کی شخصیت کے رعب میں وہ ذرا دھیمی سی کہنے لگیں۔

"تو پھر آپ ان کو یہاں سے بھیج دیں کیونکہ مجھے اور آپ کو تنہائی میں بات کرنی ہے۔" ہاشم نے کرسی کھینچی' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا اور سنجیدگی سے دوسری ممتحن کی جانب اشارہ کیا۔

سپرنٹنڈنٹ پریشان ہوئیں' مگر دوسری ٹیچر خود ہی جلدی سے باہر نکل گئیں۔

"حنین' بیٹا دروازہ بند کرو۔" اس نے اطمینان سے دوسرا حکم صادر کیا۔ سپرنٹنڈنٹ چونکیں۔ وہ اس بچی کا جاننے والا تھا' مگر۔۔۔۔؟

حنین نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ پھر واپس آ کر کھڑی رہی۔ ٹانگوں سے جان نکلنے کو تھی مگر بیٹھی نہیں۔ ہاشم نے ابھی تک اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"دیکھیں' آپ اس طرح کیسے اندر آگئے ہیں؟ یہ کوئی طریقہ کار نہیں؟" اب کہ ان کو غصہ چڑھنے لگا تھا۔

"میں ہاشم کاردار ہوں' حنین یوسف کا وکیل اور طریقہ کار میں ابھی آپ کو سمجھائے دیتا ہوں۔"

مگر اس کے نام کا سپرنٹنڈنٹ پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسے نہیں جانتی تھیں۔

"اس بچی نے نقل کی ہے' یہ نقل کی بوٹی (ٹشو پیپر لہرایا) ہم نے اس کے پاس سے پکڑی ہے اور ابھی انسپکٹر آ کر اس پہ پرچہ کاٹنے لگے ہیں' اس لیے میں یہاں آپ کی کوئی سفارش نہیں سننے والی ہوں۔"

"جی۔۔۔ یہ نقل کی بوٹی اس کے پاس تھی' بالکل تھی!" ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا تو حنین نے کرنٹ کھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"اور یہ بوٹی اسے آپ نے پہنچائی تھی میڈم سپرنٹنڈنٹ۔"

میڈم کا منہ کھل گیا' آنکھوں میں حیرت اور پھر غصہ ہلکورے لینے لگا۔ مگر اب ہاشم نے اسے بولنے کا

موقع نہیں دیتا تھا۔

"یہ آپ ہی نے پہنچائی ہے' بالکل اسی طرح جیسے پچھلے چند سالوں میں آپ نے اپنی تین رشتہ دار بچیوں اور ایک دوست کی بچی کو نقل پہنچائی تھی۔ ان چاروں لڑکیوں کے بیان حلفی' نقل کے عمل کا طریقہ' ان امتحانی مراکز کی تفصیلات اور شناختی کارڈز کی کاپی سب اس فائل میں موجود ہیں اور جب میں یہ فائل یونیورسٹی انتظامیہ اور کنٹرولر امتحانات کو دکھاؤں گا اور جب وہ ان میں سے ایک بچی کے منہ سے سب سنیں گے کیونکہ وہ بچی بعد میں مدرسے چلی گئی تھی اور اب اسے اپنی نقل سے کمائی گئی ڈگری پہ بے حد ندامت ہے' تو آپ کا کیا بنے گا؟"

سپرنٹنڈنٹ کا تو رنگ سفید پڑا ہی' حنین الگ منہ کھولے ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو سرخ فائل لہرا کر سب کہہ رہا تھا۔

"یہ جھوٹ ہے' میں نے کبھی کسی کو نقل نہیں کروائی۔"

"وہ میرا مسئلہ نہیں ہے' یہ بچی میرا مسئلہ ہے۔ آپ اسے پیپر واپس دیں اور اس کا جو ٹائم ___ کتنا ٹائم ضائع ہوا ہے؟" رک کر حنین کو دیکھا۔ وہ جو ہکا بکا اسے دیکھے جا رہی تھی' ہڑبڑا کر گھڑی دیکھی۔ "چالیس منٹ۔"

"اس کے جو چالیس منٹ ضائع ہوئے ہیں وہ اس کو ایکسٹرا دیں' اس کا پیپر بغیر سرخ نشان کے لیا جائے اور اسے عزت سے جانے دیا جائے' کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو آپ کی یونیورسٹی کے وی سی کا نمبر میرے فون میں "آر" کی لسٹ میں ہے (ساتھ ہی موبائل اسکرین دکھائی) کنٹرولر امتحانات کا "ایس" کی لسٹ میں اور آئی جی کا "ٹی" میں سو میرے آر ایس ٹی دبانے سے پہلے اس بچی کو اس کا پیپر واپس مل جانا چاہیے۔" وہ سپرنٹنڈنٹ کی آنکھوں میں دیکھ کر بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"یہ سب بکواس ہے اور ہم انسپکشن ٹیم کو کال کر چکے ہیں' وہ آتے ہی ہوں گے۔" وہ بے چین' مضطرب' غصے میں تھیں۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ میں یہ فائل ان ہی کو پیش کر دوں گا اور مجھے لگتا ہے ابھی تک آپ کو ان لڑکیوں کے بیانات کی نزاکت کی سمجھ نہیں آئی۔ حنین' بیٹا! یہ لو اور پہلا بیان ان کو پڑھ کر سناؤ۔" ہاشم نے سپرنٹنڈنٹ کو ہی دیکھتے ہوئے فائل اس کی طرف بڑھائی۔ حنین کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے فائل کھولی اور پہلا صفحہ سامنے کیا۔

کاردار اینڈ سنز' پریزنٹیشن' ہاشم کاردار کے پوائنٹس وہ اندھوں کی طرح صفحے کو اوپر نیچے دیکھ رہی تھی۔ یہ تو ہاشم کے آفس کی کوئی فائل تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے ہاشم کا چہرہ دیکھا۔ (کیا وہ غلط فائل اٹھا لایا تھا؟)

"پڑھو حنین!" اب کے ہاشم نے اسے دیکھ کر کہا' پھر ترچھا ہو کر خود فائل کو دیکھا۔

"ہوں ___ پہلا کیس تو آپ کی بہت قریبی عزیز بچی کا ہے اور یہ واقعہ بھی اسی سیکٹر کے ایک کالج میں پیش آیا ___" وہ جیسے پڑھتے ہوئے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ وہ غلط فائل نہیں اٹھا کر لایا تھا۔ حنین بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم جھوٹ بول رہا تھا۔

"بس!" سپرنٹنڈنٹ کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا' ہاتھ اٹھا کر سختی سے روکا۔ ہاشم نے فائل لے کر بند کر دی۔ پیپر ویٹ ہٹا کر پیپر اٹھایا اور حنین کو دیا۔

"جاؤ' جا کر پیپر کرو۔" حنین نے میڈم کو دیکھا۔ وہ ضبط سے لب کاٹتی اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسی پل دروازہ کھول کر پرنسپل وکیل داخل ہوئے۔ ہاشم نے گردن ترچھی کر کے مسکرا کر دیکھا' پھر اٹھ کر ملا۔ وہ خوشگوار حیرت سے اس سے ملے۔

"کاردار صاحب' آپ ادھر کیسے؟" وہ اسے جانتے تھے خیر اب تو سپرنٹنڈنٹ بھی اسے جان گئی تھیں۔

"دراصل یہ میری کزن کی بیٹی ہیں' خاندان میں ایک بزرگ کی ڈیتھ ہو گئی تھی' مجھے ان کو پک کرنا تھا' مگر یہ خبر سن کر پریشان ہو گئیں اور آدھا پونا گھنٹہ ضائع ہو گیا۔ بمشکل پیپر مکمل کرنے پہ راضی کیا ہے میڈم نے اور ایکسٹرا ٹائم بھی دیں گی۔ ان کی مہربانی!" کہتے ہوئے اس نے مسکرا کر سپرنٹنڈنٹ کو دیکھا جنہوں نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

"نہیں' بس تھوڑا سا رہ گیا تھا' میں پندرہ بیس منٹ میں کر لوں گی۔" حنین پیپر دبوچے کھڑی ہو گئی۔

"جی بالکل آپ آرام سے کریں۔" پرنسپل صاحب نے گرم جوشی سے کہا پھر ہاشم کی طرف متوجہ ہوئے۔ "آئیے نیچے آفس میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ بڑا عرصہ ہوا ملاقات نہیں ہوئی تھی آپ سے۔" ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا' پھر گھڑی دیکھی۔ اس کا وقت بہت قیمتی تھا۔ مگر پھر بھی اس نے حنین سے کہا۔ "پیپر دے کر آؤ' میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"اوہ میڈم' انسپکشن ٹیم پہنچنے والی ہے' آپ نے ان کو کس سلسلے میں بلایا تھا؟" پرنسپل صاحب نے جاتے جاتے ایک دم پوچھا۔ حنین کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ اس نے ہراساں سی ہو کر ہاشم کو دیکھا جو گہری' سرد نظروں سے سپرنٹنڈنٹ کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ ہال نمبر تھری میں لڑکیاں کونسچن پیپر پہ لکھ رہی تھیں تو ___"

"اوکے اوکے ___" وہ سر ہلا کر ہاشم کو باہر لے گئے۔ حنین بھی پیپر کسی متاع عزیز کی طرف پکڑے وہاں سے نکل گئی۔

بیس نہیں' اسے پچیس منٹ لگے۔ جلدی جلدی پیپر ختم کر کے وہ شعلہ بار نظروں سے خود کو گھورتی سپرنٹنڈنٹ سے نگاہ ملائے بغیر نیچے آئی تو ہاشم پرنسپل کے آفس (جو پورچ کے ساتھ تھا کہ وہ کالج بنگلہ ہی تھا) سے نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشگوار سا مسکرایا۔

"ہاشم بھائی ___ تھینک یو سو مچ!" وہ قریب آ کر بولی تو آواز بھرا گئی۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔

"شکریہ کس چیز کا؟ سعدی اور تم نے ہم پہ ایک احسان کیا تھا' اس کو اسی کا بدل سمجھ لو۔ خیر' میں نے پرنسپل سے کہہ دیا ہے' وہ اس امر کو یقینی بنائے گا کہ تمہارا پیپر بغیر سرخ کانٹے کے سیل ہو جائے۔"

"ان کو ___ خبر نہیں ہوئی سارے معاملے کی؟"

"ضرور ہو گی مگر تب تک تمہارا پیپر جا چکا ہو گا۔ بے فکر رہو' میں نے سب سنبھال لیا ہے۔" اس نے اعتماد سے کندھے اچکائے۔

"مگر ___ وہ فائل اس میں میڈم کی تفصیلات تو نہیں تھیں؟"

ہاشم نے ہنس کر سر جھٹکا۔

"مجھے تو اس عورت کا نام بھی نہیں معلوم!"

"مگر ___ وہ سب آپ نے کیسے کہا؟"

"میں نے اندازہ لگایا۔ کم از کم چار دفعہ تو اس نے یہ کام کیا ہو گا۔"

"لیکن اگر وہ ایمان دار ٹیچر ہوتیں تو؟"

"بہرحال' وہ ایماندار نہیں تھی۔"

"اور اگر وہ فائل دیکھ لیتیں؟"

"مجھے پتا تھا وہ نہیں دیکھے گی۔ اپنا اعمال نامہ کوئی بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" اس نے کلائی پہ گھڑی دیکھی۔ "چلو تمہیں ڈراپ کر دوں؟"

اور سعدی یوسف کی بہن بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی "نہیں' وین آ گئی ہو گی اور اگر آپ نے چھوڑا تو سب کو پتا چل جائے گا۔ ہاشم بھائی' پلیز سعدی بھائی کو مت بتایئے گا۔" وہ یکدم خوفزدہ و شرمندہ نظر آنے لگی۔

"کیا یہ کہنے کی بات ہے؟" الٹا وہ حیران ہوا۔ حنین نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

"آج پھر پارٹی پہ آ رہے ہو؟ زمر نے آر ایس وی پیز ٹکٹ کر کے بھیج تو دیے تھے۔"

"جی' پھپھو خود کارڈ دینے آئی تھیں' ہم سب آئیں گے۔"

"اچھا زمر خود گئی تھیں؟ گڈ!" ہاشم مسکرا دیا' پھر دوبارہ گھڑی دیکھی۔ اس کو جانا تھا' سو مہذب انداز میں اجازت چاہی۔

حنین کی نگاہوں نے اس کے کار میں بیٹھنے تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کا پرفیوم ہنوز اس کے اردگرد پھیلا تھا۔ وہ جادوگر تھا۔

جادوگر۔۔۔
وہ مڑ گئی۔۔۔ ابھی اسے رافعہ اور ناعمہ کی بھی خبر لینی تھی۔

☼ ☼ ☼

سارے گل بوٹے مصنوعی
رنگ ' نمو ' خوشبو دھوکا ہے

قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی تھی۔ بھرپور سجاوٹ' سیاہ اور سنہری اسپرے پینٹ شدہ اصلی گلاب' روشنیاں' قہقہے۔
وہ سب گول میزوں کے گرد کھڑے تھے۔ وہ گول میزیں اتنی اونچی تھیں کہ سینے تک آتیں کرسیاں ندارد ایک میز پہ ٹیگ لگا تھا "Yousufs" اور اس کے گرد وہی چاروں تھے۔ صرف حنین کا فراک سنہری تھا' باقی سعدی اور سیم سیاہ سوٹ میں تھے اور زمر کو تو سیاہ کی عادت تھی۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے' گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی سامنے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ لمبی قمیص' کندھوں پہ سیاہ ہی دوپٹہ۔ بال کھلے تھے۔ حنین کے بال مگر فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور وہ مسلسل ارد گرد سے گزرتی لڑکیوں کے پیر دیکھ رہی تھی۔ (امیر لڑکیوں کی شکلیں جیسی بھی ہوں' پاؤں بلا کے حسین ہوتے ہیں) وہ چہرہ رگڑ لے بہت ہے' پیروں کا خیال دعوتوں میں ہی آتا۔ اس نے اپنے پاؤں فراک کے گھیر کے اندر سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے سوچا۔
سیم کافی پرجوش آیا تھا۔ حنین نے یہ کہہ کر کہ "امی کو بڑے ابا کے پاس چھوڑ دیتے ہیں کیوں پھپھو؟" زمر کی تائیدلی تو سعدی انکار نہ کر سکا۔ سیم کو سب سے زیادہ خوشی سوموار کو اپنے دوستوں کو اپنے امیر رشتے داروں کی دعوت کی تفصیل بتانے کی تھی۔ اس لیے رستے میں بار بار وہ دبی آواز میں حنین سے اپنا اور کاردار ز کا رشتہ پوچھتا آیا تھا۔
"ہاشم بھائی ہمارے کیا لگتے ہیں۔"
"دیکھو سیم! ہمارے نانا نے دو شادیاں کی تھیں۔" حنین نے پہلی دفعہ تفصیل سے سمجھایا۔ "پہلی بیوی سے امی اور وارث ماموں تھے' جن کی بیوی سارہ خالہ ہیں' پتا ہے نا ان کا؟" سیم نے اثبات میں سر ہلایا "اور دوسری بیوی سے فارس ماموں تھے۔ اب یہ جو دوسری نانی تھیں نا' ان کے بھائی اورنگ زیب کاردار تھے۔ ہاشم بھائی کے ابو۔"
"یعنی فارس ماموں اور ہاشم بھائی فرسٹ کزن ہوئے؟"
"بالکل۔ مگر ہماری امی کے فرسٹ کزن نہیں ہیں ہاشم بھائی۔ ہمارے وہ کچھ بھی نہیں لگتے ویسے۔"
"تو پھر وہ ہمیں کیسے جانتے ہیں؟"
"اف سیم۔۔۔! خون کا رشتہ نہیں ہے مگر امی کی سوتیلی ماں کے بھتیجے ہوئے تو رشتے دار تو لگے نا۔ اب دوبارہ مت پوچھنا۔"
"مگر پھر وہ زمر پھپھو کو کیسے جانتے ہیں؟"
"ہاشم بھائی اور پھپھو وکیل ہیں ایک ساتھ کام کرتے رہے ہوں گے' اسی طرح شاید۔"
"تو ہاشم بھائی نے سارہ خالہ کو کیوں نہیں بلایا؟"
"اف' مجھے کیا پتا۔ سارہ خالہ تو ویسے بھی اب کسی سے زیادہ ملتی جلتی نہیں ہیں اور ہمیں بھی کبھی کبھی ہی بلاتے ہیں۔"
"پہلے کب بلایا تھا' میں تو کبھی نہیں گیا۔" سیم کو تو غم لگ گیا۔
"بس چند ایک بار گئے تھے ہم ان کی طرف۔ بھائی اور میں' اب چپ کر کے بیٹھو!" اس نے بات ٹال دی اور۔۔۔ بمشکل سیم کو خاموش کروایا' مگر پارٹی میں آکر وہ واقعی خاموش ہو گیا تھا۔ یہ اس کی دنیا سے مختلف دنیا تھی اور اسے بالکل بھی مزا نہیں آ رہا تھا۔
"کٹو۔۔۔" اس نے حنین کے قریب سرگوشی کی۔ "یہ ہاشم بھائی۔۔۔ دور کسی سے ہنس کر باتیں کرتے ہاشم کی طرف اشارہ کیا "کتنے آرٹیفشل لگتے ہیں نا۔"
"الو۔ اشارے مت کرو!" اس نے جلدی سے سیم کا ہاتھ دبایا البتہ چہرے کے رنگ بدل گئے۔ وہ ہاشم کو دیکھ بھی نہ پا رہی تھی۔ دل میں خوف الگ۔ اگر کسی کو پتا چل گیا تو؟

سعدی جوس کے گلاس سے گھونٹ بھرتا گہری نظروں سے بائیں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہاں شہرین کھڑی کسی سے مل رہی تھی اس نے وہی سنہرا گاؤن پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں کلچ کے ساتھ ٹیب اٹھا رکھا تھا۔ پھر سعدی کو دیکھ کر ان کی طرف آئی۔
"ہیلو ڈی اے!" زمر کو وہ اسی طرح پکارتی تھی۔ ڈی اے یعنی ڈسٹرکٹ اٹارنی۔ پھر سعدی پہ ایک سرسری نظر ڈالی۔
"ہیلو سعدی؟ ٹھیک ہو تم؟" رسمی سا حال احوال پوچھا۔
زمر نے محض سر کے خم سے جواب دیا۔ وہ اسی طرح مڑ گئی' مگر سعدی کے قریب سے اور سعدی نے بے حد مہارت سے ٹیب پکڑ کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ شہرین مڑے بنا دور ہوتی گئی۔ سعدی نے گہری سانس لی آدھا کام ہو گیا تھا مگر پاس ورڈ۔۔۔
"زمر نے وعدہ پورا کیا سعدی بالآخر آگیا۔" ہاشم نے مسکرا کر اس کے کندھے کو تھپکا تو وہ سنبھل کر سیدھا ہوا۔ ہاشم ابھی ادھر آیا تھا۔ حنین اپنے جوتوں کو دیکھنے لگی۔
زمر نے ذرا سے شانے اچکائے۔ اور خاموشی سے اسے سعدی سے بات کرتے دیکھتی رہی۔
"کیا کر رہے ہو آج کل؟" وہ بالکل بڑے بھائیوں کے انداز میں پوچھنے لگا۔ سعدی سادگی سے مسکرایا۔
"آپ کو علم نہ ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں' یہ میں نہیں مان سکتا۔"
ہاشم ہنس دیا مگر اس کی سرد آنکھیں سعدی کے اندر تک اتر رہی تھیں۔
"یہی تو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم کیا کر رہے ہو؟"
"گڑے مردے اکھاڑ رہا ہوں۔"
ہاشم کی برف آنکھوں میں تپش ابھری' مگر مسکراہٹ پھیکی نہ ہوئی۔
"کوئی مدفن ملے تو مجھے بھی خبر کرنا!"
"سب سے پہلے آپ ہی کے پاس آؤں گا' وعدہ رہا!" سعدی کے لہجے میں عزم تھا۔ ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور سعدی کے کالر سے نادیدہ گرد جھاڑی۔
"میں انتظار کروں گا۔" پھر وہ دوسروں کی طرف پلٹا "کیسی ہو حنین؟"
حنین نے چہرہ اٹھایا' پلکیں لرزیں۔ وہ سامنے کھڑا تھا' نرم مسکراہٹ سے اس کو دیکھتا۔ کیمل کلر کے سوٹ میں ملبوس اندر سیاہ شرٹ سب سے مختلف' حنین کا اعتماد بڑھا۔ کسی کو کچھ علم نہیں ہو گا۔ ہاشم کسی کو نہیں بتائے گا۔
"جی۔۔۔ ٹھیک!"
وہ سیم کو دیکھے بنا زمر کی جانب متوجہ ہوا۔ "کیا میں نے آپ کو بتایا کہ مجھے سرکار بنام عبدالغفور میں سیٹل منٹ مل گئی ہے؟"
زمر کی گھنگھریالی لٹ لپیٹتی انگلی ساکت ہوئی۔ آنکھوں میں حیرت' شاک کچھ بھی نہ ظاہر ہوا' بس سوالیہ ابرو اٹھائی۔
"واقعی؟ پراسیکیوٹر بصیرت کیسے مانے؟"
"جیسا کہ میں کہتا ہوں' پیسہ بولتا ہے۔" وہ محظوظ ہوا تھا۔ "ویسے آپ کو لاعلم دیکھ کر حیرت ہوئی' میرا خیال تھا میری جیت کا آپ کو علم ہو گا!"
"مجھے واقعی علم نہیں تھا کہ آپ جیت گئے ہیں۔" اس نے بے نیازی سے ابرو اچکائے۔ "اینی ویز مبارک ہو' آپ نے ایک قاتل کو ٹرائل سے محفوظ کر لیا۔"
"یہ صرف ایک ایکسیڈنٹ تھا!" ہاشم نے یاد کروایا' پھر انٹرنس کی طرف دیکھا اور "میں آتا ہوں" کہہ کر اپنے دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔
زمر اسے جاتے دیکھتی رہی' پھر رخ موڑا تو سعدی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"یہ کس جیت کی بات کر رہے تھے؟" اور یہ کارپوریٹ Licitation سے کرمنل کیسز کی طرف کیوں آجاتے ہیں بار بار؟ ذرا سرپرائز کر کے بتائیں۔" اس کی بات پر زمر نے کہنا شروع کیا۔

"ڈیل۔۔۔ ہاشم کی ماں کی دوست مسز شہلا ارشاد کے ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ میں تین ایج لڑکی مار دی اور ہاشم اپنا آفس چھوڑ کر صرف عزیز و اقارب کو فیورز دینے ڈی اے کے آفس آتا رہتا ہے' سو وہ معاملہ سیٹل کرنا چاہتا تھا مگر پراسیکیوٹر بصیرت کے پاس کیس ہونے کی وجہ سے یہ مشکل تھا۔ بہرحال اس نے دیت کی رقم جتنا اماؤنٹ اوپر بھی خفیہ طور پر ورثا کو دے دیا اور معاملہ سیٹل۔"

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "صرف بیس منٹ!"

زمر نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"ابا پہلی دفعہ جب مجھے آپ کے پاس لے کر گئے تھے تب میری عمر بیس منٹ تھی' سو سوائے ان بیس منٹ کے باقی کے پچیس سال اور سات دن میں آپ کے قریب رہا ہوں' اور ان بیس منٹ کی کمی میری آپ کو سمجھنے کی صلاحیت پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی' کیونکہ آپ نے ہاشم سے کہا' آپ اس کی جیت سے بے خبر تھیں' اور اس کو ڈی کوڈ کروں تو آپ کو خبر تھی مگر جیت کی نہیں' کیونکہ وہ شاید جیتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے یہ جو آپ نے ابھی سرپرائز کرکے بتایا ہے' اسے زمرائز کر کے بتائیں۔"

"زمرائز کروں؟ اچھا۔۔۔" وہ ہلکا سا ہنسی اور اتنے عرصے بعد یہ پہلی دفعہ ہوا۔ وہ مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا اور حنین بے دلی سے سن رہی تھی۔ اس کا دھیان بار بار بھٹک رہا تھا۔

"قانون اندھا ہوتا ہے مگر پراسیکیوٹر کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ مجھے کیس دیکھ کر پتا چل گیا تھا کہ ایکسیڈنٹ مالکن نے کیا ہے اور وفادار ڈرائیور قربانی کی بھینٹ ہے۔ مگر ثبوت تھا نہ گواہ' تو میں نے ہاشم کو پراسیکیوٹر بصیرت کا رستہ دکھایا' کیونکہ ہاشم اپنی انا کے لیے مسز شہلا سے دوہری رقم نکلوا سکتا تھا۔ جب لڑکی کے باپ نے بتایا کہ دہری رقم مل گئی ہے تو میں نے بصیرت صاحب کو ڈیل کے لیے قائل کر لیا۔ بہرحال یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا اور میں صرف اس فیملی کی مدد کرنا چاہتی تھی۔"

مسکرا کر بتاتے اس نے دور کسی سے بات کرتے ہاشم کو دیکھا۔ حنین بے دلی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی' البتہ سعدی نے صحیح انجوائے کیا تھا۔

"آپ نے ہاشم کو کیوں نہیں بتایا کہ وہ نہیں جیتا؟"

زمر نے جواباً" سعدی کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ہمارے اسکول میں ایک جادوگر شو کرتا تھا۔ کبھی ٹوپی سے کبوتر نکالتا' کبھی کان سے سکہ۔ میں نے ایک دن پوچھا' اس ٹرک کا راز تو بتائیں۔ وہ بولا جس دن بتا دیا' وہ میرے شو کا تمہارے اسکول میں آخری دن ہوگا۔"

"صحیح! اور یہ ڈرائیور کو قربان کرنے کا مشورہ بھی ہاشم بھائی کا ہوگا۔"

"کیا پتا انہیں معلوم نہ ہو کہ جرم مالکن نے کیا ہے۔" حنین کو برا لگا تھا۔

"معلوم؟ ہاشم کبھی بھی اپنے کلائنٹ سے نہیں پوچھے گا کہ اس نے جرم کیا ہے یا نہیں۔ اس کا کام دفاع کرنا ہو تو وہ دفاع کرے گا' پراسیکیوٹ کرنا ہو تو پراسیکیوٹ کرے گا۔"

حنین زمر کو دیکھ کر رہ گئی۔ ہاشم نے اس سے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اس نے نقل کی تھی یا نہیں۔

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ وکیل کا کام پوچھنا اور موکل پہ اعتبار کرنا نہیں ہوتا۔ اسے خود تفتیش کر کے سچ ڈھونڈنا اور اسے چھپانا یا بڑھانا ہوتا ہے۔"

"ہاشم بھائی کو لازمی پتا ہوگا کہ مالکن نے جرم کیا ہے۔ اپنے جیسے کرمنلز کو وہ اچھے سے جانتے ہیں۔" سعدی نے اضافہ کیا تو زمر نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"سعدی! میں ہاشم کو پسند نہیں کرتی اور قابل اعتبار تو قطعاً" نہیں سمجھتی' مگر کرمنلز کا دفاع کرنے کے باعث ہم اس کو کرمنل نہیں کہہ سکتے۔"

سعدی خاموش ہو گیا۔ بس ایک نظر زمر پہ ڈالی۔ اگر جو پھپھو کو پتا چل جائے کہ وہ ہاشم کو اتنا بھی نہیں جانتیں تو؟

جواہرات جب ادھر آئی تو تنہا نہیں تھی' ساتھ دو تین خواتین بھی تھیں۔ تازہ بوٹوکس کا اثر تھا' وہ سیاہ سنہری دھاریوں والے گاؤن میں دمک رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے سعدی کا کالر نزاکت سے جھاڑا۔

"کیا یہ دوستی ہے تمہاری نظر میں کہ شکل بھی نہیں دکھاتے؟" بڑی نزاکت اور مان سے کہا۔

سعدی نرمی سے مسکرا دیا۔

"اب آپ کے پاس خود پہلے جیسا وقت نہیں ہوتا مسز جواہرات۔" جواہرات بس مسکرا کر اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کروانے لگی۔ ایک تو شاید زمر کو جانتی بھی تھی۔

"اوہ' آپ زمر ہیں' مجھے یاد ہے۔ پہلے بھی ملاقات ہوئی تھی۔" اس نے البتہ زمر کا نام غلط تلفظ سے بولا تھا۔ رے کے اوپر زبر کے ساتھ۔ "اُف"

"اِٹس زمُر۔۔۔ زُ۔۔۔ مر زے کے اوپر پیش ہے۔" اس نے توڑ توڑ کر بتایا۔ وہ خاتون "اچھا' اچھا" کہہ کر سر ہلانے لگیں۔ قدرے فاصلے پہ کھڑا نوشیرواں تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے ماں کے وعدہ پورا کرنے کا انتظار تھا۔

اب جواہرات نے ساتھی خواتین سے سعدی کا تعارف کروایا۔

"یہ سعدی یوسف ہے' ہمارا رشتہ دار اور بہت اچھا دوست۔ اپنا مکمل تعارف اور شجرہ نسب بتانا سعدی کو پسند ہے۔ سو بتاؤ نا سعدی!"

سعدی ذرا سا چونکا' پھر سنبھل کر مسکرایا۔۔۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ (تو نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتارا جا رہا تھا) اس نے بس ایک نظر سامنے کھڑے شیرو پہ ڈالی' جس کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ سعدی کھنکھارا۔

"مسز جواہرات نے چونکہ شجرہ نسب کا ذکر کیا ہے تو ہم پٹھان ہیں اور ہمارا قبیلہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا ہے' یوسف علیہ السلام کی اولاد سے' اسی لیے سعدی یوسف خان نام ہے میرا اور چند برس قبل میں نے اپنا ڈی این اے ٹیسٹ بھی کروایا تھا' اس کے مطابق بھی میرے آبا یہود میں سے تھے۔ یوں' میں' میرے مڈل کلاس والدین' ہم سب بنی اسرائیل سے ہیں۔"

کہہ کر اس نے معصومیت سے جواہرات کو دیکھا جہاں شیرو کا چہرہ سیاہ پڑا۔ وہیں جواہرات بھی بجھ گئی' وہ یقیناً" یہ سب اس انداز میں نہیں کہلوانا چاہتی تھی اگر جو وہ اس روز نوشیرواں کے سامنے جھاڑی گئی تقریر یہاں دہراتا تو کتنا مزا آتا' مگر اب وہ تینوں خواتین ستائشی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ نوشیرواں سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ جواہرات نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ "آسٹریلیا کب جا رہی ہو آمنہ؟"

"اسی ہفتے' حماد اور کرن کے ساتھ۔"

زمر چونکی' سعدی بھی' حنین تک نے ان کو دیکھا۔ جواہرات مسکراتے ہوئے نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے پاس بدلہ لینے کے بہت طریقے تھے۔

"کرن کیسی ہے؟"

"جڑواں بیٹے ہوئے ہیں اس کے' خوش ہے۔" وہ کرن کی خالہ تھیں اور یہ تو سب کو علم تھا کہ زمر کے منگیتر کا رشتہ جواہرات کے جاننے والوں میں ہی ہوا تھا۔

وہ خواتین وہاں سے ہٹیں تو جواہرات اس طرف مڑی' ایک معصوم نظر سعدی کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی' پھر زمر کو دیکھا جو سپاٹ کھڑی تھی' پھر ایکدم آنکھوں میں ملال ابھرا۔

"اوہ آئی ایم سوری ہنی! مجھے حماد کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا' میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا نا۔" نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ جیسے بے حد شرمندہ تھی۔

حنین نے لب کاٹتے ہوئے پھپھو کو ہمدردی سے دیکھا۔ اسے اپنے پچھلے رویے پہ شرمندگی ہوئی بے چاری پھپھو۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔" اسے فرق پڑا تھا' مگر وہ رخ موڑ گئی اور وہیں انٹرنس سے وہ چلا آ رہا تھا۔ سیاہ سنہرے لوگوں میں وہی منفرد تھا۔ نیلی جینز اور سفید شرٹ' چھوٹے کٹے بال' کندھے پہ بیگ لٹکائے۔ ویٹر نے کچھ کہا اس نے "اونہوں" کرتے بے زاری سے

اسے پرے کیا اور برآمدے کی جانب بڑھ گیا۔ زمر کی آنکھوں میں کرب ابھرا۔ نفرت، غم، غصہ، لب بھنچ گئے۔ جواہرات نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

"وہ رہا ہو گیا ہے، اور یہ اس کے ماموں کا گھر ہے، اس کو رہنے سے روک نہیں سکتی۔ فارس کو کوئی بھی کچھ کرنے سے روک نہیں سکتا۔" جواہرات نے زمر کا ہاتھ دبائے گویا معذرت کی تکرو پھیرے سے۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا!"

"آئی ایم سوری! ریئلی!"

"یو شڈ بی!" سعدی نے سرد لہجے میں کہا۔ جواہرات نے نرمی سے اسے دیکھا، اس کی کہنی کو بچے کی طرح تھپکا اور ایکسکیوزمی کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ حنین، نسیم، سعدی، تینوں خاموش تھے اور زمر کے ردعمل کے منتظر تھے۔ مگر وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ نے وہ کتاب پڑھی جو میں نے گفٹ کی تھی؟" سعدی نے کھنکھار کر کہا۔

"کون سی کتاب؟" زمر نے آنکھوں میں اتری نمی کو اندر اتار لیا مگر لہجے میں لرزش تھی۔ "ہاں وہ۔۔۔ تیرہویں صدی کا مسلم اسکالر نان فکشن؟ نہیں، میں نہیں پڑھ سکی۔ میں آتی ہوں ابھی ہوں!" وہ معذرت کرکے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"پھپھو ہرٹ ہوئی ہیں۔" نسیم نے کہا۔ وہ دونوں چپ رہے۔

کیک کٹ رہا تھا۔ ہاشم اور شہرین بچی کے اردگرد مسکراتے ہوئے موجود تھے۔ مصنوعی قہقہے، کھوکھلی خوشیاں پھر شہرین نے کیک کے ٹکڑے کرنا شروع کیے۔ وہ فونڈنٹ کا تین منزلہ باربی کیک تھا، جیسے اصلی باربی پھولے فراک کے ساتھ کھڑی ہو۔ چند کیکس اس کے علاوہ بھی مرکزی میز پہ رکھے تھے جن کے اب فینو نا ٹکڑے کر رہی تھی۔ باربی والے کیک پہ باربی نے ایک دل اٹھا رکھا تھا جس پہ Soniya لکھا تھا۔ شہرین نے وہ دل سونیا کی پلیٹ میں ڈالا مگر جب کیک سرو کیے جانے لگا تو اس نے وہ دل ایک اور ڈش میں کیک کے اوپر رکھ کر فینو نا کو دیا۔

"یہ ڈی اے کی ٹیبل پہ لے جاؤ۔"

فینو نا اسے "فوراً" وہاں لے آئی۔ ڈی اے (زمر) تو نہیں تھی، مگر سعدی نے یہ سب غور سے دیکھا اور پھر شہرین کو۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر اس کو دیکھتے پا کر مہمانوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔ یعنی سعدی خود سمجھ لے تو سمجھ لے، وہ بس کنارے کنارے رہ کر ہی مدد کرے گی۔

زمر اندر آئی تو وہاں بھی مہمان بکھرے تھے۔ امیروں کی دعوتیں، سارا گھر ہی کھول کر رکھ دیتے ہیں۔

"گیسٹ باتھ روم کس طرف ہے؟" زمر نے گزرتے ویٹر کو روکا وہ کسی کام سے آیا تھا سو ہاتھ کے بجائے گیسٹ روم کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ سیدھی ادھر چلی آئی۔ وہ آنسو جو باہر مضبوطی کے خول نے بہنے نہیں دیے تھے، وہ اندر اترنے کے باوجود آنکھوں کو سرخ کر گئے تھے۔ اس نے گیسٹ روم کا دروازہ دھکیلا کہ باتھ روم جا کر منہ دھوئے مگر۔۔۔

بیڈ پہ بیگ کھلا پڑا تھا۔ ایک مشین گن، دو پستول، گولیاں اور خود وہ بیڈ کے کنارے پہ جو گر رکھے، پنڈلی کے ساتھ چاقو باندھ رہا تھا۔ آہٹ پہ چونک کر سر اٹھایا پھر وہیں رک گیا۔ سیدھا بھی نہ ہوا۔

چوکھٹ پر کھڑی زمر کا سانس رک گیا تھا۔ اس کی نگاہیں اسلحے سے ہوتی، فارس کے چہرے تک گئیں، پھر ان میں اترا غم، غصے میں بدلا جبڑے کی رگیں تن گئیں وہ پیچھے ہوئی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ اب اسے مزید فریش ہونے کی خواہش نہ تھی۔ وہ تیز تیز چلتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

حنین کے کپڑوں پہ کیک کا ٹکڑا گرا تھا، وہ نسیم کو لیے اندر آ گئی۔ کیک کے بعد سب پھر سے بکھر گئے تھے۔ کھانے میں ابھی وقت تھا۔ حنین کو یاد تھا کہ گیسٹ باتھ رومز کدھر ہیں۔ داخلی رستے میں سے دروازہ کھلتا اور اندر شیشے کی دیوار کے ساتھ قطار میں بیسن تھے۔

"کچھ لوگوں کے چہرے کو دیکھ کر لگتا ہے ان کو

بھڑوں نے کاٹا ہے۔ مگر نوشیرواں بھائی کے بالوں کو دیکھ کر مجھے یہی لگتا ہے۔" راہداری سے گزر کر اندر جاتے شیرو کو دیکھ کر سیم نے تبصرہ کیا۔ حنین کو شدید ہنسی آئی مگر اس نے زور سے سیم کے چٹکی کاٹی۔

"اپنی کمنٹری بند رکھو۔" وہ نل پہ اوپر نیچے ہاتھ مارنے لگی، وہ کھل نہیں رہا تھا۔

چونکہ دروازہ کھلا تھا اور ہر گزرتا شخص دکھائی دے رہا تھا، تب ہی ہاشم نے چوکھٹ پہ رک کر پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے، بچو؟"

حنین نے خوشگوار حیرت سے سر اٹھایا۔ وہ ان کو دیکھ کر بالخصوص رکا تھا۔ سب سے ہٹ کر بھی اس سے ملاقات ممکن تھی؟ پھر جھینپ گئی۔

"یہ نل نہیں کھل رہا۔"

"آہستہ سے اس کے نیچے ہاتھ لے کر جاؤ۔" ہاشم نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔ حنین نے آہستہ سے نل تلے ہاتھ کیے۔ پانی کی دھار بہہ پڑی۔

"اوہ۔" وہ جھینپ گئی۔ ہاتھ دھو کر ہٹائے۔ دھار غائب۔ آٹومیٹک۔ اسے کیوں بھول گیا؟

سیم اندر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ حنین پیپر ٹاول سے ہاتھ خشک کر کے چوکھٹ تک آئی۔

"تو کیا سبجیکٹس ہیں تمہارے؟" ہاشم نے بات کا آغاز کیا۔

"لٹریچر!" وہ نگاہیں جھکا کر جھینپ کر مسکرائی۔

"اوہ... میں سمجھا شاید..." وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے چہرے پہ سایہ گزرا۔ ہاشم نے اسے غور سے دیکھا اور بات بدل دی۔ "تو کیا لٹریچر میں بھی نقل ہو سکتی ہے؟"

"نقل ہر سبجیکٹ میں ہو سکتی ہے مگر آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے نقل کی تھی یا نہیں؟"

"میں یہ کبھی نہیں پوچھتا۔" وہ مسکرایا۔ "مگر یہ ضرور پوچھوں گا کہ تمہارے گلاسز کہاں گئے۔ تم تو چشمش ہوتی تھیں نا۔"

"اتر گئے۔ بھائی نے لیزر کروا دیا تھا۔" اس نے قدرے اعتماد سے ہاشم کو مسکرا کر دیکھا۔

"آپ کو میری عینک یاد ہے، مگر صبح آپ نے پوچھا کون حنین؟" وہ ہلکا پھلکا سا شکوہ کر گئی۔

"کیونکہ میرے جاننے والوں میں دو اور حنین بھی ہیں۔ ایک اپنے نام کے دونوں N کے درمیان آئی لگاتی ہے اور دوسری ڈبل ای۔ تم کیا لگاتی ہو؟"

"ڈبل ای۔"

"گڈ! خیر آتی جاتی رہا کرو سونیا، ممی، سب سے ملتی رہو... یا بھائی سختی کرتا ہے؟" ہاشم نے مسکرا کر پوچھا مگر وہ بہت گہرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"سونیا اور آپ کی ممی میری عمر کی نہیں ہیں۔ اور بھائی سے اچھا میرے لیے دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" وہ بھی مسکرا کر بولی مگر بھائی کا منفی انداز میں ذکر اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ ہاشم مزید کچھ کہتا مگر کان میں کوئی آواز آئی وہ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا، پھر کان میں موجود آلہ انگلی سے دبا کر بولا۔

"ہاں خاور بولو؟"

"سر! آپ وہیں رکیے، میں آ رہا ہوں۔" خاور لان میں تھا اور ادھر آ رہا تھا۔ ہاشم وہیں رک گیا مگر پھر کوئی اور مل گیا تو وہ ان کا حال احوال پوچھنے کھڑا ہو گیا۔ خاور منتظر سا کھڑا رہا۔ وہ فارغ ہو کر اپنے چیف سیکیورٹی آفیسر کی طرف مڑا۔

"کیا ہوا؟" استفسار میں سختی تھی۔

"آپ کو یہ دیکھنا چاہیے۔" خاور نے ٹیبلٹ آگے کیا۔ اس کی اسکرین پہ پانچ کیمروں کی فوٹیج آ رہی تھی۔ خاور نے ایک پہ انگلی رکھ کر اسے بڑا کیا۔ ہاشم نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ وہ اس کے کمرے کے بند دروازے کا منظر تھا۔ خاور نے اسے تیزی سے ریوائنڈ کیا اور پھر پلے کیا۔

سیڑھیوں سے دو چار لوگ اترتے چڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں ایک سیاہ سوٹ اور گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بھی تھا جو سر جھکائے زینے پھلانگتا اوپر گیا۔ ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر دروازہ بند کیا۔

ہاشم کو لگا، اس کے منہ پہ کسی نے دروازہ دے مارا ہو۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ابھری، مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"یہ کتنی دیر پہلے کی ہے؟"

"تیرہ منٹ!"

اور تیرہ منٹ قبل جب وہ ہاشم کے کمرے میں آیا تھا تو اس نے لیپ ٹاپ میں فلیش لگانے میں تین سیکنڈ بھی نہ لگائے تھے۔ لیپ ٹاپ بند رہا مگر فلیش کی بتی چمکنے لگی۔ اس نے پنجوں کے بل کارپٹ پہ بیٹھے تیزی سے ٹیب کھولا۔

"آپ کی ڈیوائس کا رابطہ ایک ہارڈ ڈرائیو سے ہو چکا ہے۔ کیا آپ تمام ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟"

"بہت خوشی کے ساتھ!" دھڑکتے دل سے اس نے یس دبایا۔ پاس ورڈ اس نے "سونیا" ٹائپ کیا۔ ہرا سگنل، سعدی نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

ڈیٹا کاپی ہونے لگا۔ دس فیصد، بیس فیصد... چالیس... وہ بار بار مضطرب نظروں سے بند دروازے کو دیکھتا... پچپن فیصد... ساٹھ...

نیچے کھڑے ہاشم نے شعلہ بار نظروں سے خاور کو دیکھا۔

"تیرہ منٹ سے وہ میرے کمرے میں ہے اور تم اب بکواس کر رہے ہو؟" وہ دبا دبا سا گرجا۔ خاور تھوک نگلتے پیچھے ہوا۔

"سر آپ کسی سے بات کر رہے..."

"دو بندوں کو لے کر میری بالکونی پہ جاؤ، میں ادھر سے جاتا ہوں۔" ساری شائستگی، مہمان نوازی دفعان کر کے وہ تیز تیز زینے تک آیا...

"ستر فیصد... تہتر... چھہتر۔" سعدی بے چینی سے انگلیاں مروڑ رہا تھا۔

ہاشم کوٹ کا بٹن کھولتے زینے پھلانگ رہا تھا۔ کسی آندھی طوفان کی طرح۔ وہ جیسے ابھی جا کر سعدی کو گریبان سے دبوچ لینا چاہتا تھا، اس الو کے پٹھے نے "ہاشم بھائی" کو ابھی بہت انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا۔

"بچاسی... نوے۔" سعدی نے فلیش انگلیوں سے پکڑ رکھی تھی، گنتی ختم ہو اور وہ اسے کھینچ لے۔

ماتھے پہ پسینہ تھا۔

ہاشم نے دھاڑ سے دروازہ کھولا۔ غصے سے بھری اس کی نگاہیں آگے پیچھے دوڑیں۔

کمرا خالی تھا۔ سعدی وہاں نہیں تھا۔ البتہ... ہلتا ہوا پردہ ہٹا ہوا تھا، بالکونی کا دروازہ پورا کھلا تھا۔

وہ اندھا دھند باہر بھاگا۔ بالکونی میں بھی وہ نہ تھا۔ وہ تیزی سے بیرونی زینے اترنے لگا۔ اس طرف لان خالی اور نیم اندھیرا تھا۔ خاور اور دو سوٹ پہنے آدمی بھاگتے ہوئے ادھر آ رہے تھے۔ ہاشم کا ماتھا بھیگنے لگا۔ وہ کہاں گیا؟

اندر خالی کمرے میں حرکت ہوئی۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر سعدی آہستہ سے نکلا اور اسی آہستگی سے کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر دیا۔

"کیا ہے ہاشم بھائی! کہ آج کل کے بچے تھوڑے سے زیادہ اسمارٹ ہیں۔" کان کھجاتے ہوئے اس نے معصومیت سے خود کلامی کی اور اسی اعتماد سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

داخلی دروازے کے قریب دیوار پہ بہت سے ڈیجیٹل فوٹو فریم آویزاں تھے۔ ان میں تصاویر سلائیڈ شو کی صورت حرکت کر رہی تھیں۔ حنین اور سیم باتیں کرتے ہوئے کافی شوق سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ ہاشم، نوشیرواں وغیرہ کی تصاویر۔ بچپن، یونیورسٹی۔

سعدی ابھی سیڑھیاں اتر کر آیا ہی تھا کہ۔

"ہے سعدی!" نوشیرواں جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک مجسمے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، پکار کر بولا۔ سعدی گھوما۔

وہ عادتاً "بغیر کوٹ کے، سنہری شرٹ پہ سیاہ ویسٹ میں ملبوس تھا" اور استہزائیہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"اپنے بہن بھائی کو لے آیا کرو نا کبھی ادھر۔ دیکھو کتنے ایکسائیٹڈ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے شاید ایسی چیزیں پہلے نہیں دیکھی ہیں۔"

سعدی نے ایک نظر دور کھڑے دونوں پہ ڈالی۔

"ہاں، انہوں نے تم جیسی چیزیں کم ہی دیکھی ہیں۔" مگر نوشیرواں نے جیسے نہیں سنا۔

"مگران کا قصور نہیں ہے' غربت اور چھوٹا خاندان' بہت بڑی مصیبت ہے۔" تاسف سے کہتے اس نے سرہلایا۔

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھڑک کر تمہارے اوپر حملہ کروں اور تم سب میں میرا تماشا بناؤ تو ایسا نہیں ہو گا۔ میں مہمان ہوں' آداب مہمانی مجھے آتے ہیں۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ مڑ گیا۔ اس کا رخ داخلی دروازے کی سمت تھا۔

"تمہاری بہن کافی بڑی ہو گئی ہے۔" نوشیرواں نے پھر پکارا۔ اب کے حملہ مختلف نوعیت کا تھا۔

سعدی کے قدم زنجیر ہوئے۔ اس نے گردن موڑی۔ آنکھوں میں سرخی ابھری' لب بھینچے' مگر اس سے پہلے کہ وہ جھپٹ کر بھنچی ہوئی مٹھی کو نوشیرواں کے چہرے تک لے کر جاتا۔

"اے... کیا بولا ہے؟ کس کی بہن کی بات کی ہے ہاں؟" فارس برہمی سے بولتا تیز تیز قدم اٹھاتا ادھر آرہا تھا۔ ایسے کہ وہ جو سعدی سے دو انچ لمبا تھا۔ سعدی کے آگے آکر نوشیرواں کی طرف بڑھا۔

نوشیرواں واقعی گڑبڑایا تھا۔ اس نے فارس کو آتے نہیں دیکھا تھا۔ مگر لاپروائی سے شانے جھٹکے۔

"ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟" وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

"بکواس مت کرو... میری بہن کی بیٹی کا نام مت لینا آئندہ... ورنہ ہاتھ پاؤں سلامت نہیں رہیں گے تمہارے۔ بات سمجھ میں آئی یا نہیں' ہاں۔" گھورتے ہوئے انگلی سے اس کے سینے کو دھکیلا۔ تب ہی ہاشم نے آکر تیزی سے دونوں ہاتھوں سے دونوں کو دور کیا۔ وہ ابھی ابھی سیڑھیاں اترتا ادھر آیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہوا ہے؟" صلح جو انداز میں اس نے فارس کا کندھا تھاما' مگر فارس نے جھٹکے سے چھڑایا اور طیش بھری نگاہوں سے ہاشم کو دیکھا۔

"اپنے بھائی کو سمجھا لو' اس طرح کی بکواس آئندہ کی تو میں زبان سے جواب نہیں دوں گا۔" ارد گرد موجود لوگ دیکھنے لگ گئے تھے۔ دور کھڑے حنین اور سیم بھی متوجہ ہو گئے۔ ماموں اور نوشیرواں مدمقابل تھے۔

"اچھا... ٹھیک ہے... میں معذرت کرتا ہوں... تم ٹھنڈے ہو جاؤ۔"

کہتے ہوئے وہ بار بار سرد نگاہوں سے سعدی کو بھی دیکھتا۔ فارس "ہونہہ" سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا اور سعدی' ہاشم سے نگاہ ملائے بغیر اپنے بہن' بھائی کی طرف چل دیا۔

"میرا قصور نہیں تھا بھائی... میں نے..."

"تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔" ہاشم نے اس سے اور خاور سے سختی سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ مجھے چکمہ دے کر نکل گیا۔ میری ناک کے نیچے وہ میرے کمرے میں گھسا اور..." اس نے غصے سے کہتے کاؤچ کو ٹھوکر ماری۔ خاور کمرے کی ہر شے چیک کر رہا تھا۔ کمروں کے اندر کیمرے نہیں تھے' سو اس کے آنے کا مقصد واضح نہ تھا۔

"مگر وہ اندر کیوں آیا تھا؟" نوشیرواں ہکا بکا رہ گیا' پھر حیرت کی جگہ طیش نے لی۔

"میں اس کو چھوڑوں گا نہیں' اس کی اتنی ہمت۔" وہ غصے سے کھولتا دروازے کی طرف بڑھا۔ ہاشم نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

"چپ کرو... فارس اور تم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اس کی طرح ہر وقت ہاتھ کی زبان مت استعمال کیا کرو۔"

"مگر سر! وہ اندر کیوں آیا تھا؟"

"کچھ لینے آیا تھا یا کچھ رکھنے۔ پورے کمرے کو ڈی بگ کرو' مائیکرو فون' کیمرہ سب ڈھونڈو... اگر وہ جاسوس ہے تو اب تحمل سے تماشا دیکھے گا اور اگر وہ چور ہے اور کچھ چرایا ہے تو سب سے پہلے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔" ہاشم تیز تیز چیزیں الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ ڈسٹرب تھا۔ غصے میں تھا۔ مگر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ جیسے ہی ایگزٹ پہ پہنچے' تم اسے روکو گے۔ مجھے ایسے مت دیکھو۔ جو کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔" خاور کو جھڑک کر وہ کہنے لگا۔

"اور ڈی اے؟"

"بھاڑ میں گئی ڈی اے۔"

وہ باہر آیا تو فینوٹا ٹرے اٹھائے جا رہی تھی۔

"میری انجیو Angio سے نیکلس لے کر ممی نے کہاں پھینکا تھا؟" وہ اس کا راستہ روک کر بولا۔ فینوٹا یک دم رک گئی۔

"اسی گملے میں' کسی نوکر کی ہمت نہیں ہوئی کہ..."

"میرا ایک کام کرو۔" وہ جلدی جلدی اسے سمجھا رہا تھا۔ فینوٹا سر ہلاتی الرٹ سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی' جس پہ پسینہ تھا اور رنگ بھی زرد تھا۔ ہاشم ٹھیک نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

ہم گھوم پھر کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں

"بس اب گھر جا رہے ہیں۔" دونوں کو ساتھ لے کر لان کی طرف جاتے سعدی نے بتایا۔ تب ہی پیچھے سے آتی ملازمہ اس سے ٹکرا گئی۔ ٹرے گری' برتن بکھر گئے۔

"آئی ایم سوری... سوری... پلیز۔" فینوٹا بوکھلاتے ہوئے معذرت کرتی برتن سمیٹنے لگی۔ سعدی نے "اٹس اوکے" کہہ کر کوٹ ذرا سا جھاڑا اور آگے بڑھ گیا۔

"ابھی چلے جائیں؟ مگر ابھی تو کھانا بھی نہیں لگا؟" حنین نے لان میں اپنی میز تک آکر دبا دبا سا احتجاج کیا۔ سیم خاموش رہا' وہ دونوں وجہ سے لاعلم تھے' مگر لاؤنج کا جھگڑا دیکھ چکے تھے۔

"کھانا کسی اچھے ریسٹورنٹ سے کھائیں گے۔ بس چلو یہاں سے۔" سعدی نے زمر کو دیکھا۔ وہ اکیلی کھڑی تھی اور وہ جلد بھلا دینے والوں میں سے کبھی نہیں تھی۔ سو فوراً" راضی ہو گئی۔ وہ اس ماحول سے فرار چاہتی تھی۔

"ہاں چلو... بڑے ابا نے بھی جلد آنے کو کہا تھا۔" جواہرات سے اسی نے اجازت لی۔ اس کے اصرار اور حیرت کے باوجود... وہ واپس آئی اور چلنے کا اشارہ کیا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پہ کھڑا ہاشم ان ہی کو دیکھ رہا تھا۔ کان کا آلہ انگلی سے دبایا۔ "اس کو بغیر تلاشی کے مت جانے دینا۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"راجر سر!" ایگزٹ پہ سوٹڈ بوٹڈ کھڑے خاور نے سن کر سر ہلایا' پھر ان کی طرف مڑا جو زمر کے پیچھے چلے آرہے تھے۔ زمر سنجیدگی سے آگے بڑھ جاتی' مگر خاور نے کھنکھار کر متوجہ کیا۔

"میم... سر... ذرا زحمت ہوگی آپ کو... پلیز..." زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ سعدی کا حلق خشک ہوا' گڑبڑ...

"کیا ہوا؟"

"دراصل... مسز جواہرات کا نیکلیس چوری ہو گیا ہے اور..." خاور کی سمجھ میں نہیں آیا وہ ڈی اے (ڈسٹرکٹ اٹارنی) سے کیا کہے' مگر ڈی اے کو ادھورے فقرے سمجھنے میں دیر نہیں لگتی تھی۔

"اچھا... مسز جواہرات کا نیکلیس چوری ہوا ہے اور اب آپ ہماری تلاشی لینا چاہتے ہیں؟"

"نہیں میم... دراصل... جو لوگ گھر کے اندر گئے تھے' ان کو..."

"مگر ہم تو ہاتھ دھونے گئے تھے۔" حنین نے ایک دم روہانسی ہو کر کہا۔ خاور نے بات سنبھالنی چاہی' مگر زمر کے تو سر پہ لگ چکی تھی۔

"اچھا! آپ کا مطلب ہے کہ میرے بچے چور ہیں؟"

"میم... سعدی صاحب اندر گئے تھے تو میرے پاس فوٹیج..."

"ایک منٹ پہلے حنین اور سیم چور تھے۔ اب سعدی ہو گیا اور اگلے منٹ میں' میں ہوں گی؟ اور اب آپ یہاں ہمیں چوروں کی طرح لائن میں کھڑا کر کے ہماری تلاشی لینا چاہتے ہیں؟" وہ سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں... آپ کی نہیں۔"

"میری فیملی کے بچے ہیں یہ... ان کی تلاشی لینے

سے پہلے آپ کو میری تلاشی لینا ہوگی۔ مگر اس اندھیرے کونے میں نہیں' وہاں ان ڈھائی سو مہمانوں کے سامنے دوں گی میں تلاشی' تاکہ ان کو بھی پتا چلے کہ آپ لوگ عزت سے بلا کر عزت سے کیسے رخصت کرتے ہیں۔" صورت حال بگڑ گئی تھی۔

ہاشم اچنبھے سے ان کو دیکھتا اس طرف آرہا تھا۔

"زمر۔۔۔! سعدی۔۔۔! کھانا لگنے والا ہے۔ آپ لوگ اتنی جلدی کیسے جارہے ہیں؟" زمر نے چہرہ گھما کر تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

"میں بہت زیادہ سراہوں گی اس بات کو ہاشم! اگر آپ اپنی اداکاری پس پشت ڈال دیں' کیونکہ میں نہیں مان سکتی کہ آپ کا گارڈ آپ کے کہے بغیر ہمیں یوں روک سکتا ہے۔"

"مگر۔۔۔ کیا ہوا ہے؟ خاور؟" ہاشم نے حیرت اور الجھن سے خاور کو دیکھا جو نفی میں سر ہلاتا کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

"آپ کی ممی کا نیکلس چوری ہوا ہے۔ ہماری تلاشی لینی ہے۔" حنین نے بے بسی سے کہا۔

"تلاشی۔۔۔ واٹ؟" ہاشم نے بے یقینی سے خاور کو دیکھا۔ سعدی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب قدرے اطمینان سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ خاور اس کے مکرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ گڑبڑا گیا۔

"سر! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"یہ میرے مہمان ہیں خاور!" وہ دبا دبا سا اس پہ برسا۔ زمر نے سر جھٹکا۔

"اپنی وضاحتیں محفوظ رکھیں ہاشم! آپ میرے بھتیجے کو فارس کا بھانجا ہونے کی سزا نہیں دے سکتے۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا اور ہاشم نے بھی۔ زمر نے اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔

"نہ میں آج پیدا ہوئی ہوں' نہ آپ۔۔۔ سعدی' فارس کے لیے کوشش کر رہا تھا۔ سو جب وہ رہا ہوا تو اتنے عرصے بعد آپ کو سعدی کو انوائٹ کرنے کا خیال آگیا۔ آپ کو جاننا تھا کہ فارس کیسے رہا ہوا یا پھر سعدی کو اس بات کی سزا دینی تھی' مقصد جو بھی تھا' آپ میرے بھتیجے کو یوں بے عزت نہیں کر سکتے۔ آپ کے اور فارس کے خاندانی جھگڑوں سے ہمارا تعلق نہیں ہے۔"

"میری بالکل سمجھ میں نہیں آرہا' یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ رہی ہوں' چلو۔"

زمر کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ حنین اور سیم جھٹ پیچھے ہو لیے۔ سعدی آخر میں نکلا اور پھر مڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم بالکل بدلی ہوئی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

سعدی جلدی سے پلٹ گیا۔

"سر۔۔۔!" خاور نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھا جو یقیناً "کچھ" لے کر گیا تھا۔

"جانے دو اسے۔ آج جانے دو۔" وہ کڑواہٹ سے کہتا پلٹ گیا۔ پیچھے کھڑے نوشیرواں نے تلملاہٹ سے یہ سب دیکھا تھا۔

"آپ اس کی پھپھو سے ڈر گئے؟ اس کو کیوں جانے دیا؟"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ آگے موقع آئے گا۔"

"اور اس کو بتایا کیوں نہیں کہ اس کی بہن نے صبح کیسے آپ سے مدد مانگی تھی؟" نوشیرواں اس کے ساتھ چلتا کھولن سے کہہ رہا تھا۔ اس کے دل میں سعدی کی رقابت کے انگارے دہکنا کم نہیں ہوئے تھے۔

"بتاؤں گا' جب اس کے منہ پہ تھپڑ مارنا ہوگا تب بتاؤں گا۔" وہ تلخی سے بڑبڑاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

"مگر بھائی۔۔۔"

"مہمانوں سے بھرا پڑا ہے گھر' میں کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتا ابھی۔" اس نے ساری بات ہی ختم کر دی۔ نوشیرواں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

✲ ✲ ✲

اپنے ہی ہوتے ہیں جو دل پہ وار کرتے ہیں محسن
غیروں کو کیا خبر دل کس بات پہ دکھتا ہے

سڑک تاریک تھی۔ مگر سنسان نہیں۔ ٹریفک چل رہا تھا۔ سعدی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور سیم پچھلی سیٹ پہ آنکھیں موندے پڑا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ ہاشم اس حد تک جا سکتا ہے۔" زمر ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی تلخی سے بولی تھی۔ بھنویں ابھی تک ناراضی سے بھنچی تھیں۔

"پھپھو۔۔۔ ان کے گارڈ کی غلطی ہے ان کو بلیم مت کریں۔ اس سب میں ہاشم بھائی کا کوئی قصور نہیں ہے۔" پیچھے بیٹھی حنین تیزی سے آگے ہوئی۔

"حنین! ملازم' مالک کے اشارے کے بغیر اتنا بڑا کام نہیں کیا کرتے اور ہاشم کے ملازم تو کبھی بھی نہیں۔"

"پھپھو ٹھیک کہہ رہی ہیں' ہاشم بھائی ہمیں بے عزت کرنا چاہتے تھے۔" سعدی نے کہتے ہوئے کار روکی۔

"میرا ریسٹورنٹ جانے کا دل نہیں ہے سعدی! کچھ ٹیک اوے کر لیتے ہیں۔" زمر اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے حنین کو اشارہ کیا کہ وہ پچھلی سیٹ پہ پڑے اس کے کوٹ سے والٹ نکال دے۔ ادھر حنین نے کوٹ اٹھایا' ادھر زمر نے پرس کھولا۔

"پھپھو! میں دے رہا ہوں نا۔" سعدی خفا ہوا۔

"ایک ہی بات ہے۔"

"پرس بند کریں پھپھو! میں دے رہا ہوں۔ حنہ! والٹ دو میرا!" اب کے سعدی کو درشتی سے کہنا پڑا' کیونکہ حنین والٹ نہیں دے رہی تھی۔ حنین نے والٹ نکالا بھی نہیں تھا۔ اس نے کچھ اور نکالا تھا۔

کسی احساس کے تحت زمر اور سعدی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دو انگلیوں میں جگمگاتا نیکلس اٹھائے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ زمر کی نگاہیں وہیں ٹھہر گئیں۔ سانس رک گیا اور سعدی کو تو اپنے اردگرد ہر آواز آتا بند ہو چکی تھی۔

"یہ۔۔۔ کوٹ میں تھا۔۔۔" حنین نے الجھن و پریشانی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"یہ مسز کاردار کا ہے۔ میں اسے پہچانتی ہوں۔" سرد آواز میں وہ بولی اور ان ہی برفیلی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

"یہ ادھر کیسے۔۔۔؟" اور تب ہی حیران' پریشان سعدی یوسف نے چونک کر زمر کے تاثرات دیکھے۔

"نہیں پھپھو! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"سعدی! گاڑی چلاؤ۔" وہ سیدھی ہو گئی۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

"پھپھو! آپ کو لگتا ہے کہ یہ میں نے چرایا ہے؟ میں چور ہوں؟" ہکابکا سعدی کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا۔

"سعدی! گاڑی چلاؤ۔"

"یہ ہاشم نے مجھ پہ پلانٹ کیا ہے۔ اس نے مجھے سیٹ اپ کیا ہے۔ میں آپ کو سب بتاؤں گا' مگر مجھ پہ اعتبار تو کریں۔"

"اعتبار؟" زمر نے دکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "اور اگر وہاں تمہاری تلاشی لی جاتی اور یہ تمہارے پاس سے نکلتا تو کیا میں اس شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہتی سعدی؟ میں نے تمہیں یہ سب نہیں سکھایا تھا۔ تم وہ سعدی نہیں ہو جس کو میں جانتی تھی۔"

سعدی نے بے بسی سے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔

"میں نے اگر یہ چرایا ہوتا تو کیا کوٹ اتار کر یوں پھینک دیتا؟ میں ایسا کر سکتا ہوں کیا؟"

"بھائی چوری نہیں کر سکتا۔ کبھی بھی نہیں۔ یہ کسی نے بھائی کی جیب میں ڈالا ہوگا۔" حنین سے مزید برداشت نہیں ہوا تھا۔

"کسی نے نہیں' ہاشم نے' یہ سب اس کا کیا دھرا ہے۔"

"سعدی! مجھے گھر ڈراپ کرو' ابھی اور اسی وقت۔" وہ رخ موڑ کر شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب کہ آپ کو ڈراپ کروں؟ آپ مجھے اتنے کرائسز میں یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتیں زمر۔" جذبات کی انتہا تھی کہ اس کے لبوں سے "زمر" نکلا۔ وہ جو اکیس برس "زمر" رہی تھی اور پچھلے چار سال کی سرد مہری کی دیوار کے بعد "پھپھو" بنی تھی۔ اس کو یہ لفظ چابک کی طرح لگا۔ بہت تڑپ کر اس نے

سلگتی نظروں سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"اور میرے کرائسز میں تم میرے ساتھ تھے؟ یہ تو ایک چوری ہے' تم اچھا وکیل کرلو تو دنیا کی کسی بھی عدالت میں خود کو بے گناہ ثابت کروالو گے' یہ کرائسز نہیں ہے۔ کرائسز وہ تھا جس میں تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔ تمہیں پتا ہے سعدی! جب کسی کی کمر چیر کر گردہ نکالا جائے تو کیسی تکلیف ہوتی ہے؟ تم کبھی بھی وہ تکلیف نہیں سمجھ سکتے اور بات کرتے ہو کرائسز کی؟"

سعدی بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ حنین کو لگا وہ نیلا پڑ جائے گا۔ مگر وہ نہیں پڑا۔ ہر زہر نیلا نہیں کرتا۔

"آپ نے آج کہہ ہی دیا۔"

زمر نے سر جھٹک کر رخ موڑ لیا۔ اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ پڑ رہی تھیں۔

"ڈراپ می!" اس کو دیکھے بنا دو لفظ بولے۔ حنین بس اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر کار اسٹارٹ کررہا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ میں آپ کے پاس نہیں تھا۔ میرا ٹیسٹ تھا پھپھو! اور میں فیل نہیں ہونا چاہتا تھا۔" حنین کو لگا' سعدی کی آنکھوں میں آنسو ہیں یا شاید اس کی اپنی آنکھیں نم تھیں۔ وہ دل گرفتہ سی پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"اٹس اوکے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔" زمر نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ گھر آیا تو وہ خاموشی سے گاڑی سے اتر گئی اور امی البتہ اتنی خاموشی سے آکر نہیں بیٹھی تھیں۔ ان کے پاس سوال تھے' کیا رہا؟ کون کون ملا' کھانے میں کیا تھا؟ مگر حنین اور سعدی کے پاس ان کے جواب نہ تھے۔

سعدی نے حنین کو پہلے ہی کچھ بتانے سے منع کردیا تھا کہ امی دل کی مریض تھیں۔

سیم دنیا و مافیہا سے بے خبر نیم دراز سو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ان کے جلووں کو زندگی کہہ کر
اپنی نظر کا وقار کھو بیٹھے

کنٹرول روم میں اندھیرا تھا۔ صرف بڑی اسکرینز کی روشنیاں ان کے چہروں کو چمکا رہی تھیں۔ ہاشم ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' مٹھی لبوں پہ رکھے' پارٹی کی فوٹیج دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں جیبوں میں ہاتھ ڈالے دیوار کے ساتھ کھڑا تھا اور جواہرات بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

خاور کنٹرول پہ بٹن دبا تا ویڈیوز آگے پیچھے کررہا تھا۔

"سارا گھر ڈی بگ کروالیا ہے' اس نے کچھ نہیں رکھا۔ میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہاری پوری فوج کی موجودگی میں وہ ہاشم کے کمرے میں داخل کیسے ہوا؟" وہ ضبط کھو کر خاور پہ برس پڑی۔

"اس نے کچھ نہیں رکھا' وہ کچھ لے کر گیا ہے۔" ہاشم غور سے اسکرین کو دیکھتے ہوئے۔

"اور ڈی اے اس کے ساتھ ملی ہوئی تھی؟" نوشیرواں کو اپنے علاوہ ہر ایک پہ شک تھا۔

"ناممکن۔" پھر ایک دم ہاشم سیدھا ہوا۔

"اسے۔ اسے پیچھے کرو۔"

خاور نے ریوائنڈ کیا۔ کیک ٹیبل پہ شہرین کیک کاٹ رہی تھی۔ پھر اس نے سونیا کی پلیٹ سے دل نکال کر ایک ڈش پہ رکھا' اب وہ فینو نا سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر فینو نا ڈش اٹھائے سعدی کی ٹیبل تک گئی۔ نظروں کے تبادلے۔ ہاشم کے لب بھینچ گئے۔

"یہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" جواہرات کو حیرت ہوئی۔ حالانکہ وہ اس کے سامنے کئی دفعہ ملے تھے۔

"وہ اتنے سال میری بیوی رہی ہے اور سعدی' فارس کا بھانجا ہے۔ وہ یقیناً" ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" ہاشم اکتا کر بولا' نگاہیں ابھی تک ان پہ تھیں۔

"اس دل پہ سونیا لکھا ہوا تھا نا؟ اس نے یہ سعدی کو کیوں بھجوایا؟"

"یوں ہی مہمان نوازی کررہی ہوگی۔" نوشیرواں نے حمایت کرنے کی سعی کی' جواہرات نے خاموشی سے اسے گھورا۔ وہ چپ ہو گیا۔

ہاشم ایک دم اٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ بمشکل ایک منٹ بعد وہ اسی طرح واپس آیا۔

"خاور! باہر جاؤ۔" تحکم سے کہا تو خاور فوراً" باہر نکل گیا۔

"میرا لیپ ٹاپ باہر کیوں نکلا پڑا ہے۔ کس نے نکالا تھا؟" پھر اس نے چونک کر نوشیرواں کو دیکھا۔ "تمہیں میرا پاس ورڈ کیوں چاہیے تھا؟"

"وہ۔ شہری کو آپ کے ہنی مون کی پکچرز۔"

"تم نے اس کے سامنے میرا پاس ورڈ ڈالا؟" وہ غیض و غضب سے غراتا اس کے سر پہ پہنچا۔ نوشیرواں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"جی مگر۔"

"اس مطلب پرست عورت کے پاس سب تصوریں ہیں' اس نے تمہیں استعمال کیا میرا پاس ورڈ لینے کے لیے اور یہ۔ یہ تمہاری شہری نے اس گھٹیا آدمی کو میرا پاس ورڈ دے دیا۔ یہ۔" وہ ہذیانی انداز میں چلا' تا اسکرین کی طرف اشارہ کررہا تھا۔

"نہیں۔ شہری ایسے نہیں کرسکتی۔" نوشیرواں شاکڈ تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ کیوں چھوڑا تھا میں نے اسے؟ وہ ایک مطلب پرست عورت ہے۔ مکار اور خود غرض۔ اس نے سعدی کے لیے تمہیں استعمال کیا اور اس نے پتا نہیں میرا کمپیوٹر کھول کر کیا' کیا دیکھا ہوگا۔" ہاشم کا سر چکرا کر رہ گیا۔

"شہری ایسے نہیں کرسکتی بھائی! آپ کو۔"

"بکواس بند کرو!" ہاشم نے اسے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگایا اور سرخ پڑتی آنکھیں اس کی ششدر آنکھوں میں گویا گاڑ کر بولا۔ "میں نے اگر کسی چیز کو اگنور کیا ہے تو اس لیے کہ شاید تمہیں خود ہی عقل آجائے۔ وہ تم سے شادی کرے یا کسی سے بھی' مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا' لیکن اچھا ہوگا اگر تم خود اس بے وقوفوں کی جنت سے باہر نکل آؤ۔"

جھٹکے سے اس نے دم بخود کھڑے نوشیرواں کا گریبان چھوڑا' پھر بالوں میں ہاتھ پھیرتا' چلتا ہوا خود کو پرسکون کرنے لگا۔ جواہرات اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

"وہ جانتی ہے تم اسے پسند کرتے ہو۔" اب کے وہ بولا تو لہجہ نسبتاً" نرم تھا۔ "اور وہ اتنی خود غرض ہے کہ تمہیں دھوکا دینے میں اس نے لمحہ نہیں لگایا اور وہ بھی اس سعدی کے لیے۔ پتا نہیں اس نے تیرہ چودہ منٹ میں کیا' کیا دیکھا ہوگا؟" وہ تھک ہار کر کرسی پہ بیٹھ گیا۔ جواہرات نے احتیاط سے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"تم نے۔ اتنے اہم ڈاکومنٹس لیپ ٹاپ میں کیوں رکھے تھے؟"

"تو کیا اب میں اپنی رگوں سے خون بھی نکال لوں اس ڈر سے کہ کوئی خنجر نہ گھونپ دے؟ اور بہت کم ڈاکومنٹس ہیں لیپ ٹاپ میں اور وہ بھی سیکورٹی کی تہوں میں۔"

نوشیرواں نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ اسے یقین آگیا تھا اور اسی لیے اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ جواہرات نے اس کی کہنی کو نرمی سے چھوا۔

"اس سب میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ دس' پندرہ منٹ میں وہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا۔"

ہاشم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "یہ تمہاری غلطی نہیں ہے شیرو! جاؤ جا کر سو جاؤ اور رہی شہرین تو تم اس سے کوئی رشتہ جوڑنا چاہتے ہو تو جوڑ لو' مجھے کوئی اعتراض نہیں' بس سوچ سمجھ کر کرنا جو بھی کرنا۔ جاؤ۔ شاباش' آرام کرو۔"

وہ بڑے بھائی سے باپ بننے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔

"سوری بھائی۔" اس سے نگاہ ملائے بغیر شیرو نے بہت سی باتوں کی معذرت ایک ساتھ کی اور کمرے سے نکل گیا۔ جواہرات حیران نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کیا لگا تھا؟ میں نہیں جانتا؟"

"مجھے یہ لگ رہا ہے کہ شاید میں ہی تمہیں نہیں جانتی۔" وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرائی' پھر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ کل کا بچہ۔ وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اور اگر

کچھ کیا بھی تو میرے پاس اس کا حل ہے۔ جاؤ چینج کرو اور سو جاؤ۔"

ہاشم نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

"تم حساب دو گے سعدی۔"

☆ ☆ ☆

وقت کی اپنی عدالت بھی ہوا کرتی ہے
آج اس شہر میں قانون تمہارا ہی سہی

اور درد تو سعدی کے سر میں بھی ہو رہا تھا۔ مگر اس کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اندھیرے کمرے میں اس کا صرف لیپ ٹاپ آن تھا اور وہ آنکھیں سکیڑے ایک کے بعد ایک فائل کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب کوڈڈ تھا۔

جواہرات کے طنز، نوشیرواں کا پتھر، ہاشم کا جال اور زمر کی باتیں، سب اس کے ذہن میں مکس اپ ہو رہا تھا، مگر وہ ہر شے کو جھٹک کر صرف اپنی فلیش کی طرف متوجہ تھا جو بروقت "سو فیصد" کاپی کر چکی تھی۔ مگر اندر موجود فائلز ڈی کوڈ کرنے میں بہت وقت درکار تھا۔

"آپ حساب دیں گے ہاشم بھائی۔ میرے خاندان کو تباہ کرنے کا حساب آپ ضرور دیں گے۔" وہ خود سے بولا تو آنکھوں میں کرب اتر آیا۔

☆ ☆ ☆

سب نے ملائے ہاتھ یہاں تیرگی کے ساتھ
کتنا برا مذاق ہوا روشنی کے ساتھ

اتوار کو سوائے سورج کے، سب کچھ ہی سستی سے طلوع ہوا تھا۔ زمر فجر کے بعد سوئی تو پھر دیر سے اٹھی اور اس کی آنکھیں ابھی تک سرخ تھیں۔ گھنگھریالے بال ہاتھوں سے سمیٹتے۔ وہ سرہانے پڑے فون کی طرف متوجہ ہوئی جو بجے جا رہا تھا۔ گہری سانس لے کر اس نے کال لے لی۔

"کہیے ہاشم!"

وہ جو اپنے گھر کے اندرونی جم میں ٹریڈ مل پہ بھاگ رہا تھا۔ بے اختیار رکا ہینڈز فری کان میں پکا کیا اور تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے بولا۔

"میں اپنے ملازم کی بے وقوفی پہ معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ جو ہوا اس میں میرا قصور نہیں تھا۔"

زمر کی آنکھیں پھر سے جلنے لگیں۔ سعدی کا آخری چہرہ یاد آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کو پالا تھا، بڑا کیا تھا، اس کو دکھ میں دیکھ کر دکھ بڑھ جاتا تھا۔ ایک غلطی پہ اتنا تو نہ سناتی۔

وہ خاموش رہی۔

ہاشم نے تولیے سے گردن کی پشت رگڑتے ہوئے دوبارہ کہا۔ "اور میں کسی بھی ایسے واقعے کی وجہ سے اپنے اور آپ کے ورکنگ ریلیشن شپ کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

پھر جوس کی بوتل اٹھائی اور منہ سے لگائی۔ تمتماتے چہرے پہ تناؤ تھا، احتیاط تھی۔

زمر نے پیر بیڈ سے اتارے، فون کندھے اور گال کے درمیان رکھا، پونی میں بال جکڑے۔

"میرا اور آپ کا ورکنگ ریلیشن شپ ون ٹو تھری پہ مبنی ہے ہاشم!" "ون، ہم ایک دوسرے کو اچھے سے جانتے ہیں۔ ٹو، ہم ایک دوسرے کو بالکل پسند نہیں کرتے اور تھری، اس سب کے باوجود ہم بہت عزت سے ایک دوسرے کے کام آتے رہتے ہیں۔ سو اس تعلق کو قائم رکھنے کے لیے بہتر ہے کہ ہم ظاہر کریں کل کچھ بھی نہیں ہوا۔" چیل پہن کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"درست!" وہ ذرا سا مسکرایا۔

"مسز جواہرات کا نیکلس مل گیا؟" اس نے ذرا ٹھہر کر پوچھا۔

اور ہاشم کی آنکھوں میں بہت کچھ سمجھتی ہوئی مسکراہٹ اتری۔

"میری طرف سے وہ نیکلس جہنم میں چلا جائے۔"

"گڈ۔" زمر نے فون بند کیا تو وہ مسکراتے ہوئے مڑا۔ نوشیرواں جم میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ رات والے لباس میں تھا۔ بکھرا، مضمحل، جبکہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس ہاشم کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ ایک پرسکون نیند کے بعد جاگا ہے۔

"بھائی! مجھے معاف کر دیں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔" وہ قریب آیا تو اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ ہاشم نے ہینڈز فری کان سے نکالتے ہوئے نرمی سے اسے دیکھا۔

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ شہری نے تمہیں یوز (استعمال) کیا ہے۔"

یہ نام سن کر نوشیرواں کی آنکھوں میں ملال ابھرا۔ اس کی چوٹ "صدمے" سے "غم" کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اس سے اگلا مرحلہ غصہ اور پھر انتقام تھا۔

"وہ مجھے یوں ایکسپلائٹ کرے گی، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔" وہ ایک دن میں جمع تعظیم کے صیغے سے واحد غیر تعظیم پہ گرا دی گئی تھی۔

"یہ بات تمہیں مجھ سے نہیں، اس سے کہنی چاہیے۔ میں سونیا کو ڈراپ کرنے ادھر جا رہا ہوں۔ چینج کرو اور میرے ساتھ آؤ۔" ہاشم نے اس کا کندھا تھپکا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر بڑے بھائی کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔

"اور وہ سعدی، اس کی کیا سزا ہو گی؟"

"اس کی سزا شروع ہو چکی ہے۔ وہ پکڑا گیا ہے۔ زمر نے نیکلس اس کی جیب سے برآمد کر لیا ہے۔ ابھی کال کی تھی اس کو۔"

"ڈی اے ڈسٹرک اٹارنی نے خود بتایا؟" وہ حیران ہوا۔

"اس کے لہجے نے بتایا۔ یعنی کہ سعدی اپنا اعتماد کھو چکا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔" نوشیرواں کے شانے کو تھپتھپا کر وہ آگے بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

خوشی کی بات نہیں ہے کوئی فسانے میں
وگرنہ عذر نہ تھا آپ کو سنانے میں

زمر کال ختم کر کے باہر آئی تو بڑے ابا لاؤنج میں اخبار پڑھ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھی۔ بڑے ابا نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں اور ناک گلابی پڑ رہی تھی۔ صداقت نے چائے لا کر رکھی تو وہ سر جھکائے چینی ملانے لگی۔

"پارٹی کیسی رہی؟ تم رات بنا بات کیے اندر چلی گئی تھیں۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کے پوتے یا پوتی نے سویرے ہی فون کر کے ساری بات نہیں بتائی؟" اس کی آواز بھاری تھی۔ شاید وہ رات کو روئی تھی۔ وہ کسی کے سامنے نہیں روتی تھی۔ وہ مضبوط تھی۔ بڑے ابا کو ہر مضبوط انسان پہ اب ترس آتا تھا۔

"حنین نے بتایا ہے سب، مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

زمر کپ لبوں سے لگا کر ٹی وی کی سمت دیکھنے لگی۔ اس کا رنگین شور جاری تھا۔ لاؤنج میں پھر بھی خاموشی محسوس ہوتی تھی۔ دونوں منتظر تھے۔ پھر وہی بول اٹھی۔

"اس کو پیسے چاہیے تھے تو مجھ سے مانگتا، کوئی مسئلہ تھا تو مجھے بتاتا... مگر..." شدت ضبط سے آنکھوں میں گلابی لکیریں ابھرنے لگیں۔

"تمہیں لگتا ہے، اس نے چوری کی ہے؟"

"وہ نیکلس اس کے پاس سے ملا ہے۔ وہ اندر کمروں میں بھی گیا تھا، وہ اسی لیے آنے پہ راضی ہوا تھا کہ پارٹی گھر پہ ہے، ورنہ پہلے صاف انکار کر دیا تھا۔ مجھے اس کے بعد کیا لگنا چاہیے، سوائے اس کے کہ اس نے مجھے دھوکا دیا۔"

بڑے ابا تھک کر اثبات میں سر ہلانے لگے۔ "ہاں وہ بڑا ہو گیا ہے، دھوکے دینے لگ گیا ہے۔ فریب کار بن گیا ہے۔ ایسا ہی ہے بالکل۔"

زمر کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔ "فریبی؟ اور سعدی؟" کچھ اندر تڑپا تھا۔

"ایسے مت کہیں طنز میں بھی نہیں۔"

"نہیں... طنز نہیں، سچ ہے یہ، وہ کتنے آرام سے سب کو دھوکا دے دیتا ہے نا اور تمہیں تو پہلی دفعہ دھوکا

نہیں دیا اس نے۔"

وہ جو دو انگلیوں سے کنپٹی مسل رہی تھی۔ چونک کر ان کو دیکھنے لگی۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟"

"وہ دھوکے باز ہے' اس سے فریب کی ہی توقع کرو زمر!" ان کی آواز بلند ہونے لگی۔ الفاظ کی نسبت لہجہ مختلف تھا۔ عجیب تھا' چونکا دینے والا تھا۔

"مت کہیں' کچھ مت کہیں۔" اور وہ متوحش ہو کر ان کو روکنا چاہتی تھی۔ وہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔

"تم نے اس سے کہا۔ وہ تمہاری تکلیف نہیں سمجھ سکتا' ظاہر ہے' وہ کیسے سمجھ سکتا ہے' اس نے تو تب بھی تمہیں دھوکا ہی دیا تھا۔"

زمر کے لب ادھ کھلے رہ گئے۔ ٹوٹے کانچ سے اس کا دل زخمی کیا جا رہا تھا۔ بڑے ابا اپنی جگہ سے آگے ہوئے' ذرا جھکے' زمر کی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگے۔

"یاد ہے وہ یورپین عورت جس نے تمہیں گردہ دیا تھا؟"

زمر نے سر بھی اثبات میں نہ ہلایا۔ وہ بس ان کو دیکھ رہی تھی۔

"زمر! اس عورت نے گردہ نہیں دیا تھا۔ تمہیں وہ گردہ سعدی نے دیا تھا۔"

وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔۔۔ پھر مڑی' کھڑکی کے پٹ زور سے دھکیلے۔ تازہ ہوا میں دمے کی مریض کی طرح منہ کھول کر' آنکھیں بند کر کے سانس لینے کی کوشش کی۔

"وہ لڑکا کتنا جھوٹا ہے نا' اس نے تم سے جھوٹ بولا' دھوکا دیا' سب اس نے پلان کیا تھا۔ اس کا خون' گردہ سب تمہارے جیسا تھا۔ مگر دل تم سے بڑا تھا۔ وہ کہتا تھا' یہ میرا ٹیسٹ ہے' میں تیمارداری کر کے نمبر بنا لوں یا پڑھائی کے بہانے' نظروں سے غائب ہو کر' اپنا فرض ادا کروں اور اگر برا بنتا ہوں تو بن جاؤں' مگر اس ٹیسٹ میں فیل نہیں ہونا چاہیے مجھے۔ کمر کو کاٹ کر گردہ نکالنے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔ زمر! اس کو بتا ہے۔ وہ لڑکا آج ایک گردے پہ ہے۔ وہ چار سال سے ایک گردے پہ ہے۔ جب تم ہسپتال میں تھیں تو وہ بھی قریبی کمرے میں ایڈمٹ تھا۔ مگر اسے تو ہمدردی بھی نہیں ملی۔ وہ چار سال سے خاموشی سے تمہاری سرد مہری برداشت کرتا آ رہا ہے اور تم کہتی ہو وہ تمہاری تکلیف نہیں سمجھتا؟"

اس نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔ شاید اب وہ نیلی پڑنے والی تھی۔ صرف دمے سے ہی رنگ نیلا نہیں پڑا کرتا۔

"مجھے۔۔۔ کیوں نہیں بتایا؟" رک رک کر الفاظ نکلے۔ اس سے سانس نہیں لیا جا رہا تھا۔ وہ کھڑکی کو پکڑے کھڑی تھی۔ تھکن سے آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

"بہت خوددار ہے میرا بیٹا' زمر! میں نے کتنی منت کی تھی اس کی۔ مگر وہ کہتا تھا۔ اگر پھپھو کو پتا چلا کہ یہ میرا گردہ ہے تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ پھپھو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں' میں ان کا بھائی بھی ہوں' دوست بھی' بیٹا بھی' مجھے تکلیف سے نہیں گزار سکتیں۔ ایسے وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوں گی۔ میں آج بھی نہ بتاتا اگر تم رات اس کو یہ نہ جتاتیں۔"

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ گردہ کٹنے کی تکلیف زیادہ بڑی تھی یا دل کٹنے کی؟ اس سوال کو جواب کی ضرورت ہی نہ تھی۔

وہ پژمردہ' نحیف سے چہرے کے ساتھ اس کی پشت دیکھ رہے تھے۔

"اگر آج تمہارے پاس ایک گردہ ہے' تو اس کی وجہ سعدی ہے۔"

وہ دھیرے سے پلٹی۔ اس کی آنکھوں کی گلابی لکیریں' سرخ پڑ چکی تھیں۔ شاید ان میں نمی بھی تھی۔ بھلے وہ انہیں نہ گرنے دے' مگر وہ بہرحال آنسو تھے۔

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آج اس کے پاس ایک گردہ ہے تو اس کی وجہ میں ہوں؟"

اور یہ سوال نہیں تھا۔ سو اس کا کوئی جواب بھی نہ تھا۔ وہ نم آنکھوں سے اس کو دیکھتے رہے۔ جواب کا انتظار اسے بھی نہ تھا۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

کھڑکی اب پوری کھل چکی تھی اور تازہ ہوا بہت امید افزا تھی۔

☆ ☆ ☆

الفت کے سودے کون کرے' نفرت کی جھولی کون بھرے
ہم کاروباری دنیا میں بیگانے ہی بیگانے ہیں

سیاہ بی ایم ڈبلیو اس بنگلے کے پورچ میں رکی۔ شوفر نے فوراً" دروازہ کھولا۔ ہاشم باہر نکلا اور سونیا کی انگلی پکڑے اسے بھی باہر لایا۔ پھر گلاسز اتار کر گریبان میں اٹکاتے ہوئے داخلی دروازے کو دیکھا' جہاں شہرین کھڑی تھی۔ وہ ابھی اٹھی تھی' مگر باب کٹ بال بالکل سیٹ تھے۔

"ہائے بابا!" سونیا سے ملنے کو وہ جھکا تو اس نے باپ کے دونوں گال چومے' پھر پیچھے اترتے نوشیرواں کو ہاتھ ہلایا۔

"ہائے شیرو!" وہ جو خشمگیں نگاہوں سے صرف شہرین کو دیکھ رہا تھا۔ بدقت مسکرا کر سر کو خم دیا۔ سونیا بھاگتی ہوئی ماں کے گلے لگ گئی جو اس کے لیے جھکی تھی۔ ان دونوں سے قطعا" بے نیاز۔

"میرا بے بی!" آنکھیں موندے' بچی کو ساتھ لگائے وہ بڑبڑائی۔ ہاشم ایک ہاتھ جیب میں ڈالے مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"بتایا ہے مجھے سونیا نے رستے میں کہ اسے کتنی خواہش تھی ہمارے ہنی مون کی تصاویر دیکھنے کی۔"

شہرین بے اختیار سیدھی ہوئی' نگاہیں پھسل کر خود کو چبھتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے شیرو پہ گئیں۔ اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"تو۔۔۔؟" وہ بظاہر لاپروا تھی۔ سونیا کو سر کے اشارے سے اندر بھیجا۔

"تو تمہیں لگتا تھا کہ تم مجھے بے وقوف بنا لوگی؟" وہ مسکراتے ہوئے آگے آیا۔ اس کے بالکل مقابل کھڑا ہوا اور آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ اکتائی۔

"شہرین! انسان میں اتنے گٹس ہونے چاہئیں کہ اپنے عمل کی ذمہ داری لے۔ تم سے اچھا تو سعدی نکلا۔ وہ ہاتھ لگائے میرے گارڈ نے تو سب بک دیا کہ کس طرح تم نے اسے پاس ورڈ دیا اور ہاں' وہ بھی میری ہی بیٹی کے کیک پہ۔ تم اچھی جاسوس بن سکتی ہو ویسے۔ تم نے آئی ایس آئی کے لیے اپلائی کیوں نہیں کیا۔"

شہرین کے ابرو حیرت سے اٹھے۔ "سعدی نے۔۔۔؟"

"اوہ۔۔۔ تمہیں لگا تھا' وہ نہیں بتائے گا۔"

شہرین کی آنکھوں میں غصہ اور بے زاری ابھری۔

"میں تم سے اتنی اکتا چکی ہوں کہ تمہارے خلاف مدد مانگنے والے کو انکار نہیں کر سکتی اور کسی اچھے دوست کو تو بالکل نہیں۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا دوست۔۔۔ کیا تم نے نوٹ کیا؟" مڑے بغیر نوشیرواں سے سوال کیا۔

اور اس کو دوسری دفعہ صدمہ ہوا تھا۔ ابھی تک امید تھی کہ شاید۔۔۔ مگر اب نہیں' غم غصے میں بدلنے لگا۔ وہ بھائی کے عقب سے نکل کر آگے آیا۔

"کیا تمہیں میں ہی ملا تھا استعمال کرنے کے لیے؟" بھنویں بھینچے وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ "وہ بھی اس لوزر سعدی کے لیے؟ اس کو تو میں چھوڑوں گا نہیں اور بدلہ تو میں تم سے بھی لوں گا۔"

گو کہ ہاشم یہی چاہتا تھا' مگر نوشیرواں کا پارہ کی طرح تیز چڑھتا غصہ قابو کرنے کے لیے اسے اس کی کہنی تھامنی پڑی۔ نوشیراں سر جھٹک کر رخ موڑ گیا۔ شہرین بس ضبط سے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"آئندہ میرے خلاف کسی کی مدد کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ پھر تمہیں ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل

نہیں دیکھنے دوں گا اور اگر کوئی شک ہو تو پہلی قسط تم تین دن بعد تب دیکھو گی جب تم چھٹیوں پہ دبئی اکیلی جاؤ گی۔ سونیا کو اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ دو دن گزار لو اس کے ساتھ۔"

شہرین کے تاثرات بدلے، بے چینی، پریشانی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ہاشم! سونیا میرے ساتھ جائے گی، یہی طے ہوا تھا۔"

"طے کرنے والا میں تھا، منسوخ بھی میں کر رہا ہوں۔" مسکراہٹ غائب تھی اور وہ درشتی سے چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ "خلع کے وقت اپنی بیٹی میں نے تمہارے حوالے کی کہ تم ماں تھیں۔ مجھے تم پہ ترس آگیا تھا۔ سو میں نے تم پہ احسان کیا تھا۔ تب سے ہفتے میں دو دن اپنی بیٹی کو لے کر جاتا ہوں، باقی وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ تمہیں میری طرف سے کوئی پریشانی نہیں ملتی، اور اس سب کا صلہ تم نے میری پشت پہ وار کر کے دیا۔" اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔ نوشیرواں اب ذرا کم غصے سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ اندر سے پریشانی بھی تھی، شہری بیٹی کے بغیر کیسے رہے گی؟

"میں سونیا کے بغیر کیسے رہوں گی؟ تم یہ نہیں کر سکتے۔" اس کا سارا طنطنہ جھاگ بن کر بیٹھ گیا۔

"یہ تو پہلے سوچنے والی بات تھی۔ دو دن گزارو، اور تیسرے دن میری بیٹی کو واپس چھوڑ جاؤ اور یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ میری بیٹی کو میری مرضی کے بغیر تم دنیا کے کسی ملک لے جانا تو کیا، اس ملک سے بھی نہیں نکال سکتیں۔"

"اس نے صرف پاس ورڈ مانگا تھا۔ اسے وہ واپس چاہیے تھا جو تم نے اس سے لیا تھا۔ مجھے نہیں پتا، وہ کس چیز کی بات کر رہا تھا۔ تم میرے ساتھ یوں مت کرو ہاشم۔"

ہاشم چونکا، پھر سر جھٹکا۔ "نہیں پتا تھا تو اس کی مدد کیوں کی؟ تمہاری بیٹی کا باپ ہوں میں اور یہ تمہاری بیٹی کا چچا ہے، جس کو تم نے یوز کیا۔ سو اب تم سونیا کو نہیں لے کر جا رہیں۔" قطعی انداز میں کہہ کر وہ مڑ گیا۔ دونوں تیز تیز کار تک واپس آئے۔ دروازے جھٹ کھولے گئے۔ شہری کھڑی رہی، بے بسی، پریشانی سے لب کاٹتی۔

"میں نے سعدی کو انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا۔" ہاشم بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔ نوشیرواں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"مطلب؟"

"کیا تم سن نہیں رہے تھے؟ اسے وہ چاہیے تھا جو میں نے اس سے لیا تھا۔ وارث کے لیپ ٹاپ کے ڈاکومنٹس، وہ میرے پاس تھے۔" کہتے ہوئے شوفر کو اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔

"مگر پندرہ منٹ میں وہ کتنے ڈاکومنٹس پڑھ سکتا ہے؟"

"شاید ایک بھی نہیں، مگر پندرہ منٹ میں وہ ان سب کو کاپی ضرور کر سکتا ہے۔" کہہ کر ہاشم جیسے ساری دنیا پہ لعنت بھیج کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

نوشیرواں خاموش ہو گیا۔ اسے شہری کی حالت دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔ شہری کا قصور نہیں تھا۔ یہ سعدی تھا جو ہر چیز کے درمیان آیا تھا۔ اس کا قصوروار ہمیشہ سعدی نکلتا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہمی نہیں تھے ہماری طرح کے اور بھی لوگ
عذاب میں تھے جو دنیا سے سوچتے تھے الگ

صبح کی سنہری سفیدی میں گرمی کی حدت بڑھتی جا رہی تھی۔ مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں چلتے ایئر کولر نے ٹی وی والے کمرے کو قدرے ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ ندرت ادھر ادھر بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ راہ داری کی گول میز پہ بیٹھے حنین اور اسامہ کو لیکچر بھی جاری تھا۔

"اتنا نہیں ہوتا کہ جو چیز اٹھاؤ اسے جگہ پہ رکھو۔"

"امی! میں سب کچھ جگہ پہ واپس رکھتا ہوں۔" سیم نے احتجاج کیا۔

"جی۔۔۔ مگر کسی اور کی جگہ پہ۔۔۔" حنین نے بات مکمل کی۔ وہ ساتھ چائے بھی پی رہی تھی۔

"تم تو جیسے سب ٹھیک رکھتی ہو نا۔ ابھی تمہاری الماری کھولوں تو کپڑوں کا ماؤنٹ ایورسٹ نیچے گرے گا۔"

"اور جیسے تم اس ماؤنٹ ایورسٹ تلے دب کر زخمی ہو جاؤ گے۔" اس نے سکون سے دوسرا گھونٹ بھرا۔ آج فرنچ چوٹی بنانے کی زحمت نہیں کی تھی، کھلے بال سیدھے، مگر ذرا بکھرے ہوئے تھے۔

ندرت مزید ان دونوں کو کچھ کہے بغیر راہ داری سے گزر کر سعدی کے کمرے تک گئیں۔ اتنا تو وہ دیکھ چکی تھیں کہ وہ فجر تک کام کرتا رہا تھا۔ پھر سو کر نو بجے اٹھ بھی گیا۔ اب وہ باہر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ بیڈ پہ بیٹھا جھک کر جوگرز کے تسمے باندھ رہا تھا۔ ندرت نے پیار سے اسے دیکھا۔ وہ بڑا ہو گیا تھا اور لمبا بھی، مگر اس کے چہرے پہ ایک نوعمر لڑکوں والی سادگی اور معصومیت اب بھی تھی۔ وہ سیدھا ہوا تو ماں کو کھڑے پایا۔ ستی ہوئی آنکھوں سے مسکرایا۔

"کیا باتیں ہوئیں بڑے ابو سے؟" وہ اٹھ کر لیپ ٹاپ بیگ میں سمیٹنے لگا۔

"وہی ان کی پرانی فکر، زمر کی شادی۔" انہوں نے تھکی ہوئی سانس کھینچی۔ سعدی خاموشی سے چیزیں سمیٹتا رہا۔

"وہ اس کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں، مگر وہ نہیں مانتی، سعدی! تم سمجھاؤ نا، اب تو تمہاری بات چیت ہوتی ہے پھپھو سے، اور تمہاری بات تو وہ ہمیشہ مانتی ہے۔"

سعدی نے بیگ کا اسٹریپ کندھے پہ ڈالا، چہرے پہ چھائے حزن کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کچھ کہنے لگا تھا کہ فون بج اٹھا۔ جیسے جان بچ گئی۔ ندرت بات بھول کر واپس چلی گئیں اور اس نے ان جانا نمبر اٹھا لیا۔

"ملنا ہے مجھے اسی وقت، کدھر آؤں؟" فارس کے الفاظ بھی اسی کی طرح ہوتے تھے۔ ٹھک ٹھک۔

"میں تو نکل رہا تھا۔۔۔ آ۔۔۔ ریسٹورنٹ آجائیں۔" اس نے درمیان کا راستہ نکالا۔

"آدھے گھنٹے تک۔" اور فون بند۔

"یہ ماموں بھی نا۔۔۔ آگے پیچھے کی بات نہیں کریں گے کبھی۔" اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ پھر ندرت کی باتیں یاد آئیں۔ پھپھو کیا اب بھی اس کی مانتی تھیں؟ اوں ہوں۔

وہ باہر آیا تو حنین ہاتھ ہلا کر پرجوش سی سیم سے کہہ رہی تھی۔

"اور اتنے بے کھلے لان۔۔۔ سیم! تمہارا دل نہیں چاہتا کہ ہمارا بھی اتنا۔۔۔ بڑا گھر ہو اور خوب دولت ہو ہمارے پاس بھی۔ نہیں، یہ نہیں ہے کہ ہمارا چھوٹا گھر، مجھے برا لگتا ہے، یہ سب بھی اچھا ہے، مگر زیادہ بڑا گھر۔۔۔ سوچو سیم۔"

سیم نے پیچھے سے سعدی کو آتے دیکھ لیا تھا۔ سو جواب نہیں دیا۔ اس کو صحیح جواب معلوم ہی نہ تھا۔

"تم تو ہو ہی کنویں کے مینڈک، تمہیں کیا پتا۔ لیکن۔۔۔" وہ افسردہ ہوئی۔ "اگر میں یہ بات اپنی کسی دوست سے کرتی تو وہ کہتی کہ لالچ بری چیز ہے۔ کیا زیادہ پیسے کی خواہش ہونا بری چیز ہے؟"

"بالکل بھی نہیں۔" عقب سے آتے سعدی نے کہتے ہوئے اس کا کپ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔

حنین چونکی، مگر بھائی کو دیکھ کر مزید پرجوش سی پوچھنے لگی۔ "مگر کیسے بھائی؟"

"ہر کسی کا دل چاہتا ہے کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہو، مگر لوگ یہ اعتراف کرنے سے ڈرتے ہیں، کہیں ان کو غلط یا لالچی نہ سمجھا جائے۔ ورنہ مال کی محبت بری بات نہیں ہے، زندگی میں اونچے گول ہونے چاہئیں، یہ انسان کو متحرک رکھتے ہیں۔ بس ان کو حاصل کرنے کے لیے غلط طریقہ نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی تو اللہ کی یاد کے لیے مال کی محبت اختیار کی تھی نا۔"

حنین کھلے دل سے مسکرا دی۔ وہ ایسا بھائی تھا جس سے با آسانی سب کہا جا سکتا تھا اور وہ آپ کو بالکل جج نہیں کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

نہ تکلف نہ احتیاط نہ زعم
دوستی کی زبان سادہ تھی

ریسٹورنٹ نیم ویران تھا۔ ان کا کاروبار ویسے بھی کوئی بہت فائدے میں نہیں تھا۔ پھر بھی گزارہ ہو جاتا تھا۔ اس نے اپنی مخصوص میز پر بیگ رکھا ہی تھا کہ فون بجنے لگا۔

"سنڈے کو بھی لوگوں کو چین نہیں آتا۔" کہتے ہوئے جب نمبر دیکھا تو الرٹ سا ہو گیا۔

"سعدی! شہرین بات کر رہی ہوں۔" وہ بیزار، مگر ضبط سے بولی تھی۔

"جی۔۔۔ میرے پاس ہے آپ کا نمبر' سوری میں آپ کا شکریہ نہیں ادا کر سکا۔"

"اب اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ہاشم ابھی ابھی یہاں سے نکلا ہے۔ وہ سونیا کو میرے ساتھ چھٹیوں پہ نہیں جانے دے رہا۔"

"مگر کیوں؟"

"یہ تو تم بتاؤ گے۔ کیا اس لیے مجھ سے مدد مانگی تھی کہ پکڑے جانے پہ سارا ملبہ مجھ پہ گرا دو؟" وہ تیزی سے بولی۔ سعدی کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"کیا۔۔۔؟"

"تم نے ہاشم کے سامنے میرا نام کیوں لیا؟"

"میں نے۔۔۔ ہاشم کے سامنے۔۔۔ کس نے کہا یہ آپ کو؟" وہ شاکڈ تھا۔ چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔

"کیا ہاشم کے گارڈز نے جب تم پہ تشدد کیا تو تم نے میرا نام نہیں اگل دیا؟"

"کیا؟ یہ ہاشم۔۔۔ اف۔۔۔" وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ "اس آدمی کو کوے کیوں نہیں کاٹتے۔ اس کے جھوٹ پہ یقین کرکے آپ نے اعتراف کر لیا؟ اف لگم" (اف ہے آپ کے لیے) اس کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔

"میں نے کچھ بتایا' نہ مجھے کسی نے چھوا۔ اس سے زیادہ میں اپنی صفائی نہیں دوں گا۔"

شہرین نے گہری سانس لی۔

"مجھے تم پہ یقین ہے' وہ واقعی جھوٹ بول رہا تھا' بہرحال وہ جانتے ہیں کہ اس میں تمہارا ہاتھ ہے اور نوشیرواں مجھے سنگین نتائج کی دھمکی دے کر گیا ہے۔"

"نوشیرواں کیوں؟" وہ چونکا۔

"میں نے اس کے ذریعے پاس ورڈ لیا تھا۔"

سعدی چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ اسے کچھ برا لگا تھا۔

"آپ کو نوشیرواں کو یوز نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"اوکے۔۔۔ ساری غلطی میری۔۔۔ مجھے تمہاری مدد ہی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ ایک تو میں نے اتنا خطرہ لے کر تمہارا کام کیا' صرف اس لیے کہ تم مجھے فیور دے چکے ہو اور آگے سے تم مجھے اخلاقیات کی تلقین کر رہے ہو؟" وہ تلخی سے بلند آواز سے کہے جا رہی تھی۔

"میں نوشیرواں کو پسند نہیں کرتا اور اس کی بالکل بھی عزت نہیں کرتا' مگر اس قصے میں وہ ڈائریکٹ انوالوڈ نہیں تھا۔ اس لیے اسے استعمال کرنے پہ مجھے افسوس ہوا ہے' بس یہی بات ہے۔"

"اور یہ سارا قصہ ہے کیا؟" شہرین نے پوچھا۔ سعدی خاموش ہو گیا۔

"خیر۔۔۔ جو بھی ہے' مجھے میری بیٹی چاہیے سعدی' تمہاری وجہ سے وہ اسے میرے ساتھ نہیں جانے دے گا۔"

"آپ اس کی ماں ہیں۔ اسے خاموشی سے لے کر نکل جائیں۔"

"تاکہ وہ اگلے چوبیس گھنٹے میں میرے سر پہ پہنچ کر میری بیٹی چھین لے اور کبھی مجھے اس کی شکل بھی نہ دیکھنے دے؟ میں اس کو لے کر دنیا کے کسی بھی حصے میں چلی جاتی' اگر مجھے یقین ہوتا کہ وہ وہاں نہیں پہنچ سکتا اور پھر میں کیوں بھاگوں؟ میری زندگی یہاں سیٹل ہے' دوست' ماں' باپ' سب یہاں ہیں اور میں اس روٹین میں خوش تھی۔ مگر۔۔۔" اس کا گلا تھک گیا۔ سانس لینے کو رکی۔

"آئی ایم سوری۔"

"سوری کافی نہیں ہے۔ تم ہاشم سے بات کرو۔ تم نے اس کا جو چرایا ہے' اسے واپس کر دو۔"

"یہ تو میں کبھی نہیں کروں گا۔ لیکن اگر آپ نوشیرواں سے ایکسکیوز کر لیں تو شاید وہ کچھ کر سکے۔"

"تم کیوں کچھ نہیں کر سکتے؟"

"میں آپ کو جھوٹی تسلی نہیں دینا چاہتا۔ ایمان داری سے بتا رہا ہوں' میری بات ہاشم نہیں مانے گا۔ آپ شیرو نہیں تو سونیا کو راضی کریں' وہ ضد کرے گی تو ہاشم مان جائے گا۔"

وہ کرسی پہ بیٹھا' گلاس وال کو دیکھتے کہے جا رہا تھا۔ یک دم کوئی جھلک دکھائی دی۔ گھنے بھورے گھنگھریالے بال۔ اس نے چونک کر گردن موڑی' پھر عجلت سے خدا حافظ کہہ کر فون رکھتا کھڑا ہوا۔

وہ اس کو دیکھتی ہوئی آ رہی تھی۔ آنکھوں کا گلابی پن اب مدھم تھا۔ سعدی سانس روکے کھڑا تھا۔

وہ خوف زدہ تھا' پرامید تھا۔

وہ پریشان تھا' خوش تھا۔

زمر خاموشی سے کرسی پہ بیٹھی۔ چہرہ بنا تاثر تھا۔ بال جوڑے میں تھے' ایک لٹ گردن کو چھو رہی تھی۔

"بھابھی نے بتایا' تم ادھر ملو گے۔" سعدی کو دیکھتے ہوئے وہ متوازن لہجے میں بولی۔

(تو زمر گھر گئی تھیں؟ ایک ہفتے میں دوسرا چکر؟) سعدی بھی سر ہلاتا بیٹھا۔

"چھٹی پہ ہوں آج کل' کام وغیرہ ادھر لے آتا ہوں۔"

"آگے کا کیا ارادہ ہے؟" زمر لحظے بھر کو بھی اس سے نظریں نہیں ہٹا رہی تھی۔

"کچھ عرصے بعد پی ایچ ڈی کے لیے جاؤں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ حنین کی کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے' پھر امی اور سیم کو ساتھ لے جاؤں گا۔" وہ احتیاط سے بول رہا تھا۔ زمر کا کوئی بھروسا بھی نہیں' کس بات سے رات والے واقعے کا ذکر چھیڑ دے۔

"اور تمہاری شادی؟"

سعدی نے مسکرانے کی سعی کی' مگر زمر کی خود کو اندر تک دیکھتی پرسکون نگاہیں ڈرا رہی تھیں۔

"وہ تو امی اور آپ ہی طے کریں گی' جس سے بھی کر دیں۔" سر جھٹک کر سعدی اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا' پھر چہرہ اٹھایا تو وہ ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کہہ دیں' پھپھو! جو کہنے آئی ہیں۔"

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" اس کی آنکھوں میں پھر سے گلابی لکیریں ابھرنے لگیں۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں چور نہیں ہوں۔ یوں دھوکا نہیں دے سکتا۔ ان کے گھر سے کچھ لیا ہے میں نے' اسی کو تلاش کرنے کے لیے وہ میری تلاشی لینا چاہتے تھے۔ مگر وہ مسز جواہرات کا نیکلیس نہیں۔"

سعدی رک گیا۔ زمر کی بھیگی نگاہیں اس پہ ویسے ہی مرکوز تھیں۔ سعدی نے آنکھیں سکیڑیں' زمر کو دیکھتا رہا' دیکھتا رہا' یہاں تک کہ ایک دم اس کو جیسے دھکا لگا۔ آنکھوں میں شاک سا پھیلا۔ زمر چوری کی بات نہیں کر رہی تھی۔

"امی نے۔۔۔ یا حنین؟" وہ قصوروار کا نام جاننا چاہتا تھا۔

"بڑے ابا نے۔" زمر نے بھیگے لہجے میں تصحیح کی۔ سعدی کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ لب بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔ پھر سر جھٹکا۔

"میں ان کو اس کے لیے معاف نہیں کروں گا۔" وہ بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ زمر کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ اندھیرے میں کھڑے شخص پہ کسی نے فلڈلائٹس روشن کر دی تھیں۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا سعدی؟ مجھے کیوں دھوکے میں رکھا؟" صرف سعدی کے سامنے وہ رو سکتی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔ سعدی نے کاؤنٹر پہ کھڑے لڑکوں کو اشارہ کیا۔ ان سب نے فوراً" شکلیں کچن میں گم کر لیں۔

"اگر مجھے پتا ہوتا تو تمہیں ایسے کبھی نہ کرنے دیتی۔ کیوں نہیں بتایا؟ کیوں نہیں جتایا؟ ایک دفعہ تو کہا

ہوتا۔ غصے سے کہہ دیتے‘ لڑ کر کہہ دیتے۔ ہمارے درمیان تو بہت دوستی تھی۔“

”میں جتانے والا نہیں ہوں۔“ اس نے مجرم کی طرح سر جھکا لیا۔

”اپنا کیوں نہیں سوچا؟ اس عمر میں کوئی گردہ دیتا ہے کیا؟ آگے لمبی زندگی پڑی ہے تمہاری‘ شادی کرو گے‘ بچے ہوں گے‘ ایک گردے کے ساتھ کیسے رہو گے؟“ اس کا دل بری طرح دکھا ہوا تھا۔

”وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ واک کرتا رہوں‘ شوگر وغیرہ نہ ہو تو سب ٹھیک رہے گا۔“ جھکے ہوئے سر سے سادہ وضاحت دی۔

”مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں تمہیں یہ کبھی نہ کرنے دیتی۔ یہ گردہ تو کیا پتا اسی وقت ضائع ہو جاتا‘ کیا پتا کچھ سال بعد ضائع ہو جائے‘ میں تو اسی اسٹیج پہ آجاؤں گی‘ اپنے لیے تمہاری صحت کے ساتھ اتنا بڑا نقصان میں تمہیں کبھی نہ کرنے دیتی سعدی۔“

”اسی لیے نہیں بتایا۔“ اس نے گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔ زمر کا چہرہ آنسوؤں سے گیلا تھا۔ آنکھوں میں فکر‘ اپنائیت‘ محبت‘ سب تھا۔ وہ چار سال پہلے والی زمر تھی۔ وہ ”پھپھو“ سے واپس زمر بن گئی تھی۔

”میں ہم دونوں میں سے پہلا دھوکے باز نہیں ہوں زمر! کیا آپ نے کبھی مجھے دھوکے میں رکھ کر کچھ نہیں کیا؟ کیا میرے لیے‘ حنین‘ اسامہ کے لیے آپ نے کچھ نہیں کیا؟ یاد ہے جب ہم اسکول میں تھے‘ میں۔۔۔“

”سعدی۔“ اس نے روکنا چاہا۔

”نہیں‘ مت روکیں‘ سنیں۔۔۔ میں چھوٹا تھا‘ آپ مجھ سے آٹھ سال بڑی تھیں۔ آٹھ کلاسز آگے تھیں۔ ہمارا ایک ہی اسکول تھا۔ امی اور دادی کی نہیں بنتی تھی۔ ہم الگ رہتے تھے۔ ابو کے حالات اچھے نہیں تھے‘ مگر خوددار تھے۔ بڑے ابو کو ہوا نہیں لگنے دیتے تھے۔ پھر میں ان ہی کا بیٹا تھا۔ ان سے اسکول لے جانے کو پیسے نہیں مانگتا تھا۔ امی اور ابو اپنے مالی مسائل میں اتنے الجھے ہوتے تھے کہ خود سے دینے کا خیال بھی نہ آتا۔ میں گھر سے آدھی چیزوں کے بغیر آتا تھا۔ مگر اسمبلی سے کلاس میں واپس آتا تو میری جیومیٹری باکس میں پنسل‘ ربڑ‘ شارپنر‘ رولر اور وہ کیا تھا ہاں ”ڈی“ (پروٹیکٹر) وہ سب پورا ہوتا تھا۔ آپ بتا بتائے روز صبح میرا بیگ چیک کر کے چیزیں رکھ جاتی تھیں اور آپ اسمبلی سے لیٹ بھی ہو جاتیں‘ اسی لیے ڈانٹ بھی کھاتیں‘ مگر زمر آپ ہمیشہ سے بہت determined (مستقل مزاج) رہی ہیں‘ جو ٹھان لی‘ اسے کرنا ہے۔“

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔ اسے یوں سر جھکا کر بولتے سننا اچھا لگ رہا تھا۔

”اور بریک میں مجھے ساتھ لے جاتیں۔ تب دو روپے کا سموسہ اور ایک روپے کی نمکو ہوتی تھی۔ آپ کہتیں‘ میں تین روپے لائی ہوں‘ میں ”چیز“ لے کر کھالوں گی‘ تم میرا لنچ کھالو۔ ان دنوں میں نہ لنچ لاتا تھا‘ نہ پیسے۔ آپ کہتیں‘ امی نے جو کباب دیا ہے‘ وہ مجھے نہیں پسند‘ تم لے لو اور میں یقین کر کے کھا لیتا۔ بہت دن بعد خیال آیا کہ کباب تو آپ کو بہت پسند تھے۔ بہت سالوں بعد خیال آیا کہ کبھی آپ کو کینٹین سے کچھ خرید کر کھاتے نہیں دیکھا۔“

زمر نے ہتھیلی سے آنسو رگڑے‘ پھر اداسی سے مسکرائی۔ ”ان دنوں بڑے ابا کی نوکری چلی گئی تھی‘ ہمارے حالات بھی اچھے نہیں تھے۔ دونوں باپ‘ بیٹے خوددار تھے۔ میں دونوں کا بھرم رکھنا چاہتی تھی۔“

”ہاں۔۔۔ میں۔۔۔ بہت دیر سے سمجھا کہ آپ پیسے نہیں لاتیں‘ میرے لیے آپ سارا دن بھوکی رہتی تھیں۔ جب امی نے کاروبار کا سوچا تو میں نے کہا کہ ریسٹورنٹ کھولیں‘ کسی کو کھانا کھلانے سے پیارا احسان بھی کیا ہوگا؟“

”سب اپنے گھر کے بچوں کے لیے یہ کرتے ہیں‘ اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔“ مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

”میں چھٹی کے بعد کلاس فیلوز کے ساتھ ”برف پانی“ کھیل رہا تھا۔ جس لڑکے کی باری تھی‘ اس نے

مجھے ”برف“ کر دیا اور اس سے پہلے کہ مجھے کوئی پانی کرتا‘ کسی بات پہ دو‘ تین لڑکوں نے مجھے بہت مارا۔ میں کمزور تھا۔ چھوٹا تھا۔ وہ بڑے تھے۔ مجھے مار‘ مار کر گرا دیا‘ میرے منہ پہ‘ کپڑوں پہ خون اور مٹی لگی تھی۔ آپ پتا نہیں کہاں سے آئیں۔ آپ نے مجھے اٹھایا‘ میرا چہرہ صاف کیا‘ اپنی یونیفارم کی پٹی سے خون صاف کیا۔ پھر پکڑ کر بینچ پہ ساتھ بٹھایا اور پوچھا ”ان لڑکوں کا نام بتاؤ‘ کلاس اور سیکشن“ میں ڈر گیا‘ کہا کہ جانے دیں‘ مگر آپ تو نا شروع سے ہی پراسیکیوٹر تھیں۔ آپ تو اڑ گئیں۔ وہ کوئی اور لوگ ہوتے ہیں جن کے سعدی کو کوئی مار جائے اور وہ چپ کر کے بیٹھ جائیں۔ میں تو غلط چیز پہ چپ نہیں رہوں گی۔ ”ہمارے سعدی“ کو کس نے مارا ہے؟“ آپ مجھے اسی طرح کہا کرتی تھیں۔ ہمارا سعدی اور اس وقت آپ کے یہی تین الفاظ تھے نام‘ کلاس‘ سیکشن‘ مجھے بتانا پڑے۔ تب مجھے پتا چلا آپ کتنی مستقل مزاج ہیں اور ہیڈ اسٹرانگ بھی۔ آپ ان لڑکوں کے پاس گئیں۔ ان کو کچھ نہیں کہا۔ صرف پیار سے ان کے ماں‘ باپ کے پتے پوچھے۔ پھر اللہ جانے کیسے آپ نے ان کے والدین کو اسکول بلایا۔ وہ لڑکے مجھے‘ ٹیچرز‘ پرنسپل‘ سب کو ایک کمرے میں اکٹھا کیا اور پھر آپ نے وہ لمبی تقریر کی۔ وہ شرمندہ کیا ان کو کہ مجھے یقین ہے‘ گھر جا کر ان لڑکوں کو مجھ سے زیادہ مار پڑی ہوگی۔“

زمر نرمی سے ہنسے جا رہی تھی۔ سعدی نے عرصے بعد اسے یوں ہنستے دیکھا تھا۔

”میں دس سال کا تھا‘ جب آپ کی منگنی ہوئی تھی‘ پہلی منگنی۔“ اس کے اگلے الفاظ نے زمر کی ہنسی ٹھہرا دی۔

وہ سر جھکا کر کہنے لگا۔ ”ان کو شادی کی جلدی تھی‘ بڑے ابا نے سارا جہیز جمع کر لیا تھا۔ آپ نے انٹر کے بعد پڑھائی بھی بس کر دی‘ شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ دادی نے سارا سامان اسٹور میں رکھا تھا۔ کپڑے‘ فرنیچر‘ سب اوپر نیچے گھسایا تھا۔ میں اور آپ وہاں بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ آپ مجھے بہت شوق سے اپنی چیزیں دکھا رہی تھیں۔ میں نے زندگی میں کبھی دوبارہ آپ کو اتنا خوش نہیں دیکھا‘ جتنا تب دیکھا تھا۔“

”چھوڑو اس بات کو۔۔۔“ اس نے تکلیف سے پہلو بدلا۔

”مجھے تو وہ سب یاد ہے۔ آپ چلی گئی تھیں‘ میں اکیلا تھا‘ میں نے کچھ جلایا تھا‘ پھر میں سمجھا‘ آگ بجھ گئی ہے‘ یا پتا نہیں کیا‘ میں باہر آگیا‘ مگر آگ نہیں بجھی۔ سارا اسٹور جل کر راکھ ہو گیا۔ اگر وہ اسٹور الگ نہ بنا ہوتا تو سارا گھر جل جاتا۔ بڑے ابا کے پاس جہیز دوبارہ بنانے کی رقم نہ تھی۔ لڑکے والوں کے پاس مہلت دینے کا ظرف نہ تھا۔ آپ کی منگنی ٹوٹ گئی۔ دادی کو شک تھا کہ اس میں میرا ہاتھ ہے۔ مگر آپ نے سب کہا‘ یہ آپ سے ہوا ہے‘ آپ نے مجھ تک بات نہ آنے دی۔“ میں نے پوچھا کہ کیوں جھوٹ بول رہی ہیں؟ تو آپ نے کہا۔ ”سعدی! میں تمہیں پروٹیکٹ کر رہی ہوں‘ میں ہمیشہ تمہیں پروٹیکٹ کروں گی۔“

”اس میں تمہارا قصور نہیں تھا۔“

”تھا۔۔۔ اور آپ کی دوسری منگنی ختم ہونے میں بھی میرا قصور تھا۔ میں نے آپ کو مجبور کیا تھا۔ وارث ماموں کے کیس کے لیے۔ میں نے آپ کو اس میں پھنسایا تھا۔ کیا اس سب کے بعد بھی اور دوسری ان گنت قربانیوں کے بعد بھی جو آپ نے ہمارے لیے دیں‘ میں آپ کے لیے اتنا سا بھی نہیں کر سکتا تھا؟“

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کچھ بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا۔ یہ میری قسمت تھی۔ میں چار سال غلط وجہ سے تم سے خفا رہی یا شاید میں انتظار کرتی رہی کہ تم خود۔۔۔ تم نے بھی تو میری موجودگی میں آنا چھوڑ دیا تھا۔“

”میں چاہتا تھا ہم ناراضی میں کم سے کم سامنا کریں۔ مجھے پتا تھا ایک دن ہماری صلح ہو جائے گی۔ خون کے رشتوں میں صلح ہو ہی جاتی ہے۔ مگر میں درمیان کی تکلیف سے بچنا چاہتا تھا۔“

زمر نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا جو سر جھکائے لب کاٹتا کہہ رہا تھا۔ یہ وہی بچہ تھا جس کو انگلی

پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ یہ اتنا بڑا کب ہوا؟

"کیا آپ کل رات کے لیے ابھی بھی ناراض ہیں؟" سعدی نے سر اٹھا کر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں کل بھی ناراض نہیں تھی، بس اپ سیٹ تھی۔"

"نکلنے سے پہلے ان کی نوکرانی مجھ سے ٹکرائی تھی، بری طرح، اسی نے میرے کوٹ میں ڈالا ہوگا، مجھے یقین ہے۔"

"ہوں۔۔۔ ہوسکتا ہے اس نے چرایا ہو، مگر پکڑے جانے کے خوف سے ایسا کیا ہو۔" وہ ٹشو سے آنکھیں کنارے پونچھتے اندازہ لگا رہی تھی۔

"زمر! ملازم، مالک کے کہے بغیر اتنا بڑا اسٹیپ نہیں لیتے۔ یہ سب ہاشم نے کروایا ہے۔" مگر زمر جو کل ہاشم سے بدگمان ہو رہی تھی۔ اب وہ "بدگمانی" زائل ہوچکی تھی۔

"ہاشم کو نیکلس چاہیے تھا۔ اس لیے وہ تلاشی لینا چاہتا تھا۔ شاید مجھ سے کوئی بھولا بسرا بدلہ بھی اتارنا چاہتا ہو۔ مگر وہ اتنا برا نہیں ہے کہ یہ خود ر کھواتا۔ ورنہ وہ صبح مجھے فون کر کے معذرت نہ کرتا۔" وہ رسان سے سمجھا رہی تھی۔ "اس کو پتا تھا کہ نیکلس تمہاری جیب میں ہے، مگر پھر بھی اس نے ہمیں جانے دیا، اس نے ہمیں بے عزت نہیں ہونے دیا۔ میں اس کے اس عمل کی قدر کرتی ہوں۔ خیر۔۔۔ اب تم وہ کیسے واپس کروگے؟"

"خود جاؤں گا اور دے کر آؤں گا اور چونکہ وہ اتنے برے نہیں ہیں۔ تو میرے اس عمل کی قدر کریں گے۔" بظاہر سعدی نے نرمی سے کہا کہ وہ متنازعہ موضوع کو زمر کے ساتھ چھیڑ کر تازہ تازہ مندمل ہوتے زخم پھر سے نہیں کریدنا چاہتا تھا۔

ریسٹورنٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ سعدی چونکا، پھر بے اختیار کھڑا ہوگیا، زمر نے گردن موڑی۔ فارس وہیں رک گیا تھا۔ زمر نے رخ واپس موڑ لیا تھا۔ ٹشو سے آنکھیں تھپتھپا کر صاف کیں اور اٹھی۔

بوجھل سی خاموشی نے سب کو گھیرے میں لے لیا۔

"پھر ملیں گے۔" نرمی سے اس نے سعدی کا کندھا تھپکا اور مڑ گئی۔ فارس تیکھی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے مڑنے پہ شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

وہ متناسب چال چلتی دروازے تک آئی۔ فارس ہٹ گیا۔ زمر نے بس ایک سرد، نفرت آمیز نگاہ اس پہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ فارس کی پیشانی پہ بل پڑے، اس نے اکھڑے تاثرات کے ساتھ اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹک کر آگے آیا۔

"آئیں۔۔۔ بیٹھیں۔۔۔" سعدی نے احترام سے اشارہ کیا، مگر وہ کھڑے کھڑے تنے ابرو کے ساتھ اسے گھورتا رہا۔

"ایک دفعہ پوچھوں گا، سچ نہ بتایا تو اگلوانے کے سارے طریقے آتے ہیں مجھے۔"

"کیا ہوا؟" سعدی حیران ہوا۔

"جس روز میں رہا ہوا تھا، اس رات تم میرے کیس کے جج سے کیوں ملے تھے۔"

سعدی نے کچھ کہنا چاہا، مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ وہ واقعی شاکڈ تھا۔ بے یقین تھا۔

"میں۔۔۔ آپ کو کیسے پتا چلا۔"

"اچھا تو تم واقعی اس سے ملے تھے۔ میرا اندازہ ٹھیک تھا۔"

اور سعدی کو ایک دم اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ ظاہر ہے، اگر اس نے جج کو مجبور کیا تھا تو فیصلے والی رات کو ہی ملا ہوگا۔ اف۔۔۔

"اب انکار مت کرنا، اب دیر ہوچکی ہے۔" فارس نے کرسی کھینچی، ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ افراتفری پھیلا کر اس نے سعدی کو گڑبڑا دیا تھا۔

"کیا دیا ہے اس کو مجھے رہا کروانے کا؟"

"آپ بے گناہ تھے۔"

"میں نے پوچھا، کیا دیا ہے؟" اس کی آنکھوں کی سختی بڑھی۔

"ان کے کچھ خفیہ راز معلوم تھے مجھے۔ ان کو ایکسپوز کرنے کی دھمکی دی' وہ مان گئے۔" فارس ان ہی سخت تیوروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔"

"مجھے بھی قانون سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ایک بے گناہ کو پھانسی تک دھکیلے گا۔ میرے پاس جج کو رشوت دینے کے لیے لمبی چوڑی رقم نہیں تھی۔ یہ میرا واحد آپشن تھا۔ جو قانون روٹی نہیں دے سکتا' وہ ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتا اور وہ جج اتنا معصوم نہیں تھا۔ اس نے پھانسی صادر کرنے کے لیے پیسے لے رکھے تھے۔ میں نے اس کو اسی شے سے روکا۔ کبھی کبھی اچھے کو برا کرنا پڑتا ہے' تاکہ وہ برے کو سزا دلوا سکے۔" اس نے مشہور مقولہ دہرایا۔ پھر اضطراب سے فارس کا چہرہ دیکھا۔

"کس نے پیسے دیے تھے جج کو؟" وہ پتلیاں سکیڑ کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی نے سوچا کہہ دے' ہاشم کاردار نے' مگر اول تو اس کے پاس ثبوت نہ تھے۔ دوم فارس یقین کیونکر کرتا؟ کیونکہ گرفتاری کے بعد سے اب تک ہاشم نے منہ زبانی ہمیشہ بظاہر فارس کا ساتھ دیا تھا اور فارس اسے جتنا ناپسند کرتا ہو' وہ ہاشم کو اپنے بھائی اور بیوی کا قاتل نہ مانتا' اور اگر مان بھی لے تو اس کا غصہ جو انٹیلی جنس کی نوکری نے دبا دیا تھا۔ جیل کے چار سال واپس لے آنے تھے۔ ادھر فارس کو یقین آتا ادھر جا کر وہ ہاشم کا گریبان پکڑ لیتا۔ کیا اتنی جلدی یوں اسے ہاشم کو خبردار کروانا چاہیے؟ یا سب تیاری کر کے ایک ہی دفعہ حملہ کرنا چاہیے؟ وہ فائلز ابھی تک ڈی کوڈ نہیں ہوئی تھیں۔ سعدی نے فیصلہ کرنے میں لمحے لگائے۔

"جج نے نہیں بتایا' مگر میں پتا کروالوں گا۔" وہ نگاہ ملائے بغیر لڑکوں کو آوازیں دینے لگا۔ "کیا لیں گے آپ؟"

"لے چکا میں سب۔" فارس نے ناک سے مکھی اڑائی اور اٹھ گیا۔

"ماموں... رکیں... بڑے ابا نے آپ سے ملنا ہے۔"

فارس جاتے جاتے مڑا۔ ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔ شیشے کی دیوار پہ نظر ڈالی۔ وہ کب کی جاچکی تھی۔

"کل ان کے گھر چلیں گے۔"

"گھر؟" اس نے ناگواری سے ابرو اٹھائی اور دوبارہ شیشے کی دیوار کو دیکھا۔

"وہ اس وقت گھر پہ نہیں ہوں گی۔ ان کی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ ہے۔ آپ نے انکار کیا تو بڑے ابا کا دل ٹوٹ جائے گا۔" (یہ پلان پچھلے ہفتے سے بن رہا تھا۔)

فارس نے لب کھول کر بند کیے۔ متذبذب سا سر جھٹکا۔ "اچھا کل دیکھیں گے اور ہاں وہ موضوع ابھی ختم نہیں ہوا۔" تنبیہہ کر کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

سعدی نے گہری سانس لے کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔

☼ ☼ ☼

پیر کی صبح ہر دوسرے آفس کی طرح وہاں بھی کاموں کی افراتفری پھیلی تھی۔ جواہرات باریک ہیل سے کوریڈور میں چلتی آرہی تھی۔ گزرتے لوگوں کے سلام کا مسکرا کر سر کے خم سے جواب دیتی۔ وہ ہمیشہ کی طرح دمک رہی تھی۔ راہ داری کے سرے پہ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر کھول کر اندر آئی تو راستے بھر کی مصنوعی مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس کی جگہ تشویش نے لے لی۔

لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرتے ہاشم نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر واپس ٹائپ کرنے لگا۔ اس کا کوٹ اسٹینڈ پہ لٹکا تھا اور وہ مصروف لگ رہا تھا۔

"خیریت؟"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ لڑکا دو دن سے تمہارا سارا ڈیٹا لے کر بیٹھا ہے اور تم اتنے سکون سے کام کر رہے ہو۔" میز پہ ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے وہ تشویش سے بولی۔ "پہلی بات' میرے ڈاکومنٹس سیکورٹی کی تہوں میں تھے' جنہیں وہ نہیں توڑ سکتا۔ میں ابھی چار بندوں کے ساتھ اس کے گھر پہ دھاوا بول سکتا ہوں۔ اس کے سارے کمپیوٹرز اور فائلز نکال سکتا ہوں' مگر میں اس کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا کہ اس کے پاس میری کوئی کمزوری ہے۔" کرسی گھما کر ماں کو دیکھتے ہوئے ہاشم تحمل سے کہہ رہا تھا۔ "اور مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ اتنی جلدی میرا اتنا سارا ڈیٹا کاپی بھی کر سکتا ہے۔ خیر' جو بھی ہو' وہ میرے پاس سب سے پہلے آئے گا اور بالفرض اس کے پاس کچھ ہے بھی تو اس کو خاموش کروانے کے ایک سو ایک طریقے آتے ہیں مجھے۔ اب اپنی پریشانی کی دوسری وجہ بتائیں۔"

جواہرات نے گہری سانس لی' انگلی سے بال پیچھے کیے اور کرسی پہ بیٹھی۔

"تمہارا بھائی کہاں ہے؟"

"وہ آج پھر نہیں آیا؟ خیر گھر پہ سو رہا ہو گا۔"

"وہ گھر پہ نہیں ہے۔ دوستوں کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے۔"

ہاشم نے موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

"ہاں... شیرو کدھر ہے؟ اسے ڈھونڈ کر خبر دو مجھے۔" اور فون میز پہ ڈال کر ماں کو دیکھا۔ "مل جائے گا۔ آخر کہاں جاتا ہے اس نے؟"

"وہ ڈسٹرب ہے' شہری کی وجہ سے۔ اسے سمجھاؤ' ہاشم۔"

"میں سنبھال لوں گا' کیوں فکر کرتی ہیں؟"

"سعدی کو بھی تمہیں سنبھالنا ہو گا' کیونکہ جب تک سعدی کو سزا نہیں ملے گی' شیرو کا غصہ ہلکا نہیں ہو گا۔ مجھے ڈر ہے وہ کچھ غلط نہ کر بیٹھے۔"

"ممی! کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم شیرو کو اس کا غصہ نکالنے کے بجائے' غصہ کم کرنا سکھائیں؟"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ تم سعدی کا کچھ کرو۔ وہ ویسے بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جتنا سعدی اس کا راستہ کاٹے گا' اتنا ہی شیرو ہائپر ہو گا۔" ہاشم کچھ کہنے لگا تھا... مگر موبائل بجا۔ اس نے کال اٹھائی۔ "ہوں... ٹھیک ہے۔" پھر ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"وہ شوٹنگ کلب گیا ہے اور وہ ٹھیک ہے۔ میں مل لوں گا اس سے' بے فکر رہیں۔" نرمی سے مسکرا کر وہ آگے جھکا اور جواہرات کا ہاتھ دبایا۔ وہ بدقت مسکرائی۔ ہاشم پھر سے کام کی جانب متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

دوست ہیں دل میں' ذہن میں دشمن
کوئی بھی مجھ سے دور نہیں ہے

سعدی نے گلاس ڈور کھولا۔ اندر آفس میں سارہ کرسی پہ براجمان' گردن ترچھی کیے' ایک فائل پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بس نگاہیں اٹھا کر اسے آتے دیکھا اور واپس لکھنے لگی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور رخسار سرخ گلابی ہو رہے تھے۔

"ڈاکٹر سارہ! میں نے یہ کام مکمل کر لیا ہے۔ فیلڈ رپورٹ تیار ہے۔"

اس نے سلام کے بعد کہتے ہوئے کاغذوں کا بنڈل میز پہ رکھا۔

"آپ کی تعریف؟" سارہ نے لکھتے ہوئے پوچھا۔

سعدی نے "اچھا؟" والے انداز میں ابرو اٹھائی۔

"آپ اکثر کرتی رہتی ہیں۔" کہہ کر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

سارہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر انگلی سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پہلے سیدھا ہوا' پھر کھڑا ہو گیا۔ سارہ نے قلم کی پشت لبوں سے لگائے اسے دیکھ کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کی شکل دیکھی بھالی ہے اوہ... جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' آپ اس پروجیکٹ کے سینئر انجینئر ہیں۔"

"جی میم! اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' میں نے ایک چھٹی کی درخواست دی تھی جو اپروو بھی ہوئی تھی۔"

"اور آپ نے چھٹی ختم ہونے سے پہلے آنے کی زحمت کیوں کی؟"

"پہلے میں بیٹھ جاؤں؟" اس نے پوچھا۔ وہ اسی طرح خفگی سے اسے دیکھتی رہی۔ سعدی پھر سے بیٹھا اور بنڈل اس کی طرف دھکیلا۔

"آپ کا کام وقت سے پہلے کردیا ہے۔ فیلڈ پہ جانے کی ساری تیاری بھی مکمل کرلی ہے۔ اب آپ وہ شکایت بتائیں جو آپ کو مجھ سے ہے۔"

سارہ نے فائل بند کی، ٹیک لگائی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے سعدی! تھر کے اس فیلڈ پہ ہزاروں لوگ کام کررہے ہیں اور ان سب کے اوپر، اس عہدے پہ پہنچنے والی میں واحد عورت ہوں اور اس کی وجہ معلوم ہے کیا ہے؟"

"میرے جیسے ذہین اور قابل سینئر انجینئر کا ساتھ ہونا؟" سعدی کی زبان پھسلی۔

"اپنے کام سے کمیٹڈ ہو کر رہنا اور بلاوجہ کے ناغوں سے پرہیز کرنا۔"

"آپ کو پتا ہے، میں بلاوجہ چھٹیاں نہیں کرتا، اب بھی کئی کام تھے تو۔" وہ خاموش ہوگیا اور سنجیدہ بھی۔

"اتنے اہم کام کہ تم نے مجھے فارس کے رہا ہونے کا نہیں بتایا؟"

"آپ نے پوچھا ہی نہیں۔" اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔

"پوچھا تھا میں نے۔ تم نے تو بات ٹال دی تھی۔"

"پوچھا نا۔۔۔ اب تو پتا چل گیا آپ کو۔" وہ خوش گوار انداز میں گفتگو کی نوعیت بدلنے لگا۔ سارہ اب فکرمندی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم بہت پراسرار ہوتے جارہے ہو۔ اب تو کچھ بتاتے ہی نہیں ہو۔"

"ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ میں نے کہا تھا نا اس بندے کے لیپ ٹاپ تک پہنچ جاؤں۔ پھر۔۔۔"

"کون ہے وہ؟ کیا اسی نے وارث کو۔۔۔" سارے شکوے بھول کر سارہ نے آگے ہوتے احتیاط سے پوچھا۔ سعدی نے اثبات میں سرہلایا۔

"بس تھوڑا سا انتظار کرلیں اور یہ سب مجھے سنبھالنے دیں۔" مسکرا کر بشاشت سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سارہ کی آنکھوں میں شکایت پھر سے عود کر آئی۔

"لڑکے۔ تم اگلے ہفتے مجھے فیلڈ پہ اپنے ساتھ چاہیے ہو، تیاری کرلو۔"

"زاجر۔۔۔ باس۔۔۔" مسکرا کر ماتھے تک ہاتھ لے جاکر سلام کیا اور جانے کو مڑ گیا۔

سارہ نے بمشکل مسکراہٹ دبائے سر جھٹکا۔ "یہ سعدی بھی نا۔"

✡ ✡ ✡

یہ ہیں اہل دنیا کے دلچسپ دھوکے
کسی کو کسی سے محبت نہیں ہے

نوشیرواں شوٹنگ پوائنٹ پہ کھڑا تھا۔ اس کی لین میں سامنے ایک پتلا پھڑپھڑا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پستول پکڑے بازو سیدھے کیے۔ ایک آنکھ بند کیے، نشانہ باندھا۔ کانوں پہ پہلی ہی ہیڈ فون ٹائپ ایئر پروٹیکشن پہنے ہوئے تھا اور آنکھوں پہ زرد گلاسز، تاک کر اس نے فائر کیا۔ ایک، دو، تین، چار۔۔۔ سب دل کے آس پاس لگے۔ دل ٹوٹنے اور پھٹنے سے بچا رہا۔

"ہاتھ سیدھا رکھو، کندھے مت جھٹکو، اس پوائنٹ کو دیکھو۔" اپنے قریب ہاشم کی مدھم آواز سن کر وہ چونک کر مڑا۔ گلاسز لگائے، کیپ پہنے، ہاشم اس کو دیکھے بنا آگے ہو کر اس کے ہاتھ کو سیدھا کررہا تھا۔ نوشیرواں نے ہولے سے سر جھٹکا، بے زاری ظاہر کرنے کی کوشش کی، مگر چونکہ وہ ہاشم کی آمد سے بے زار نہیں ہوا تھا۔ سو ناکام رہا۔ اس کا بازو سیدھا کرکے ہاشم پیچھے ہٹا۔

"ہوں۔۔۔ اب نشانہ لو۔۔۔ پوری یکسوئی سے۔" اس کے کندھے کے پیچھے کھڑے ہوئے وہ پتلے کو دیکھ کر بولا۔ نوشیرواں نے پتلے کو دیکھا۔ پلکیں سکیڑیں، گہری سانس اندر کھینچی اور فائر کیا۔

دل اب بھی نہیں پھٹا۔

وہ اکتا کر سر جھٹکتا ایک طرف ہوگیا۔ مشین نے پتلا پیچھے کرکے فریش پتلا سامنے کیا۔ ہاشم اس کی جگہ پہ آکھڑا ہوا۔ پستول کا اوپری حصہ پیچھے کرکے لوڈ کیا۔

"شہرین نہ اتنی خوب صورت ہے، نہ اتنی متاثر کن کہ تم ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں نکلے۔" دونوں ہاتھوں میں پکڑا پستول تاک کر نشانے پہ رکھتے وہ بولا۔

"وہ آپ کی بیوی رہی ہے۔" شیرو سر جھکا کر جوتے سے فرش مسلنے لگا۔ وہ اس موضوع سے بچنا چاہ رہا تھا۔

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا، تم بتاؤ، تمہاری وہ پسند تھی، محبت تھی یا عشق تھی؟" سامنے دیکھتے ہوئے ہاشم نے فائر کیا۔

گولیوں کی تڑتڑاہٹ شوٹنگ رینج کے اس اندرونی کمرے میں گونجی۔ یکے بعد دیگرے دو گولیاں پتلے کے دونوں ہاتھوں پہ لگیں۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" شیرو نے بے زاری سے شانے اچکائے۔

"فرق پڑتا ہے، اگر یہ پسندیدگی تھی تو شام تک تمہیں ٹھیک ہوجانا چاہیے۔" کہتے ہوئے اس نے پھر فائر کیا۔ دونوں آنکھوں کے بیچ گولی نے سوراخ کردیا۔

"اگر محبت تھی تو کچھ دن لگیں گے۔" زوردار گونج کے ساتھ اگلی گولی پیشانی پہ ماری۔

"اور اگر عشق تھا تو پھر یہ لاعلاج ہے۔" آخری گولی دل پہ ماری، دل پھٹ گیا۔ ہاشم نے گلاسز اتارے، آنکھیں سکیڑ کر تنقیدی نگاہوں سے پتلے کا جائزہ لیا جسے اب پیچھے لے جایا جارہا تھا، پھر علامتی طور پہ پستول کی نالی پہ پھونک ماری، اسے پینٹ کی پچھلی جیب میں اڑسا اور پرسکون سا نوشیرواں کی طرف مڑا۔

"پسند سے زیادہ، محبت سے کم۔" وہ جوتے سے مسلسل فرش مسل رہا تھا۔

"یا شاید شہرین کے تمہیں استعمال کرنے سے زیادہ صدمہ تمہیں سعدی کے کہنے پہ استعمال کیے جانے پہ ہوا ہے۔"

نوشیرواں کے جھکے چہرے پہ مارے اہانت کے سرخیاں دوڑنے لگیں، مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہاشم نے بہت غور سے اسے دیکھا۔

"سعدی کو دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے، معلوم ہے؟"

نوشیرواں نے سلگتی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ڈی اے زمر سے؟"

ہاشم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اور اس کی نظر میں ہم اسے گرا چکے ہیں۔ ان کے خراب تعلقات نیکلس برآمدگی کے بعد مزید خراب ہوجائیں گے۔ جلد سعدی میرے پاس آئے گا اور میں اپنے طریقے سے اس کو سنبھال لوں گا۔ اگر وہ میرے لیے کام کرنے لگ جائے تو سوچو ہمارا غلام بن کر ہمیں کتنا فائدہ دے گا۔"

"وہ کبھی ہمارا غلام نہیں بنے گا، ناممکن۔" اور اتنا تو نوشیرواں اسے جانتا ہی تھا۔

"میں اسے ان دیکھی زنجیروں میں جکڑ لوں گا شیرو، ایک دن وہ میرے لیے کام کرے گا۔ اس کا ٹیلنٹ ہمارے حق میں استعمال ہونا چاہیے۔"

"مطلب آپ کو ابھی بھی سعدی کی فکر ہے؟"

نوشیرواں کے اندر غصے کی نئی لہر دوڑی "وہ ساری زندگی مجھ سے مقابلہ کرتا آیا ہے، ہر جگہ مجھے پیچھے کرکے خود لوگوں کی تحسین بٹورتا آیا ہے۔ اس کے سامنے کبھی میں کچھ نہیں ہوتا، ہر کوئی اس کا معترف ہوتا ہے، آخر کیوں؟"

"کیونکہ وہ ایک خوددار اور ذہین نوجوان ہے۔ اس میں وقار ہے اور وہ رشتوں کا پاس کرنا جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے لیے اچھا سوچتا ہے اور مشکل میں ان کی مدد کرتا ہے۔ انسان کو عزت کرانی پڑتی ہے اور یو نو واٹ، میں یہاں کھڑا ہو کر سعدی کی صلاحیتوں پہ دو گھنٹے مزید بھی بول سکتا ہوں، مگر نہ مجھے اس سے ہمدردی ہے اور نہ کوئی لگاؤ۔ مجھے تمہاری فکر ہے، کیونکہ میرے بھائی تم ہو، اس لیے اس شہرین ڈراما سے نکلو، آج پورا دن اس کا سوگ منالو اور کل صبح تم مجھے مضبوط اعصاب کے ساتھ واپس آفس میں نظر آؤ اور اس بارے میں، میں مزید ایک لفظ نہیں سنوں گا۔"

سختی ودرشتی سے اس نے کہا تو شیرو کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھا۔ اس نے جی کہہ کر سر جھکایا۔ ہاشم اس کے برابر سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں نے گلاس اب ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ دنیا اب ذرا واضح نظر آرہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اب تو سیل درد تھم جائے، سکوں دل کو ملے
زخم دل میں آچکی ہے' اب تو گہرائی بہت

لاؤنج کی چوڑی کھڑکی کے باہر دھوپ پگھل رہی تھی۔ کچن میں تلتے کبابوں کی خوشبو یہاں تک آرہی تھی۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا بہت محبت واپنائیت سے صوفے پہ سر جھکائے بیٹھے فارس کو دیکھ رہے تھے۔ قریب ہی سعدی کھڑا فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

"اونہوں۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے سعدی نے ان کا دوائیوں کا باکس کھول کر دیکھا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمیں کتنی گولیاں چھوڑ کر گیا تھا۔ آپ نے دو ہفتے میں صرف گیارہ روز کی دوا کھائی ہے۔"

فارس نے خاموشی سے بس نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا' البتہ انہوں نے مسکراتے ہوئے تفتیش کرتے لڑکے پہ نظر ڈالی۔

"وہ ختم ہو گئی تھیں' یہ نئی منگوائی ہیں۔ صداقت سے پوچھ لو۔"

"بیٹے اور غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔"

"میرا بیٹا آتا جاتا ہے' اس سے اچھی دوا کیا ہو گی میرے لیے؟" نرمی سے انہوں نے سعدی کا بازو چھو کر فارس سے تائید چاہی۔ فارس جو آگے کو ہو کر الرٹ سا بیٹھا تھا۔ زبردستی مسکرایا' پھر وہی سنجیدگی طاری کر لی۔ وہ بے آرام سا بیٹھا تھا۔

"میں اس بات کو ابھی ٹال رہا ہوں' ختم نہیں کر رہا۔" سعدی تنبیہہ کرتے ہوئے کھڑکی تک آیا اور باہر دیکھنے لگا جہاں پورچ میں اس کی کار کھڑی تھی۔ دوسری کوئی کار نہ تھی۔ زمر میڈیکل چیک اپ کے لیے گئی تھی اور اس کو آتے آتے بھی دو' تین گھنٹے لگ جانے تھے' سو وہ بے فکر تھا۔

"آگے کیا کرو گے فارس؟" وہ اب نرمی سے اسے دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

"پرانی نوکری واپس لینے کی کوشش کروں گا۔"

"اگر کوئی مدد۔۔۔" فارس نے ہلکا سا ہاتھ اٹھایا۔

"میرے پاس کچھ سیونگز ہیں' بہت ہے میرے لیے' آپ نے پہلے ہی بہت احسان کیے ہیں مجھ پہ' مزید نہ لوں گا نہ لیتے اچھا لگوں گا۔" بنا کسی تاثر کے وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میں جانتا تھا۔ تم رہا ہو جاؤ گے' جج کو تمہاری بے گناہی کا یقین آجائے گا۔"

فارس نے ترچھی نظروں سے باہر دیکھتے سعدی کو دیکھا۔ "جی سعدی بھی جانتا تھا۔"

جیبوں میں ہاتھ ڈالے' چیونگم چباتے سعدی نے مڑے بنا کہا۔ "میں نے سنا نہیں۔ کیا کسی نے میرا نام لیا؟"

اور "کسی" نے چہرہ واپس موڑ لیا۔

"مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ اچھا لگ رہا ہے' تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر۔"

"اوہ!" سعدی نے بے اختیار چیونگم اگلی اور ڈسٹ بن میں پھینکی' پھر گھبراہٹ سے باہر دیکھا۔ نیلی کار اس کی کار کے پیچھے رکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل رہی تھی۔ گھنگھریالے بال ہاف بندھے تھے اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے وہ ایک جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

"آپ نے تو کہا تھا' وہ دو بجے سے پہلے نہیں آئیں گی؟" سعدی ہلکا سا بول پایا۔

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ مگر اسے یہاں سے وہ نہیں نظر آرہا تھا جو سعدی دیکھ رہا تھا۔

زمر اس کی گاڑی کے پاس رکی' پھر اچنبھے سے لاؤنج کی کھڑکی کو دیکھا۔ سعدی ادھر کھڑا نظر آیا کہ وہ شیشے کے بہت قریب کھڑا تھا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی اور آگے بڑھ آئی۔ سعدی مسکرا بھی نہ سکا۔

وہ راہ داری میں داخل ہوئی تھی کہ ٹرالی لاتا صداقت اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"باجی! آپ اتنی جلدی؟"

"ہاں۔۔۔ اپائنٹمنٹ کینسل ہو گئی۔ ڈاکٹر کو کہیں جانا تھا۔ سعدی آیا ہے؟" وہ سیدھی ڈرائنگ روم کی طرف آرہی تھی اور اس کی آواز پہلے ہی ادھر پہنچ گئی تھی۔ بڑے ابا نے بے اختیار سعدی کو دیکھا۔

فارس ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"آج تو ہمارا سعدی اتنے عرصے بعد۔۔۔" چوکھٹ پہ زمر کے الفاظ ٹوٹ گئے۔

فارس سامنے کھڑا تھا۔ ابا وہیل چیئر پہ' سعدی کھڑکی کے ساتھ' فارس کو دیکھ کر اس کی بھوری آنکھوں میں پہلے بے یقینی ابھری' پھر صدمہ اور آخر میں شدید غصہ۔ اس کے لب بھینچ گئے۔ اتنی سختی سے کہ گردن کی نسیں ابھرنے لگیں۔ تیز نگاہوں سے سعدی کو دیکھ کر جیسے جواب مانگا۔

فارس تیزی سے اس کے پاس سے گزر کر باہر کی طرف بڑھا۔

"یہ آدمی میرے گھر میں کیا کر رہا ہے؟" وہ ابھی نکلا بھی نہ تھا' جب وہ جواب طلب نظروں سے بڑے ابا کو دیکھ کر اونچی آواز میں بولی تھی۔

فارس لمحے بھر کو رکا' پھر تیزی سے نکل گیا۔

"اسے میں نے بلایا تھا' زمر!" بڑے ابا نے ملال سے اسے جاتے دیکھا۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟"

وہ بے یقینی' حیرت و صدمے سے اتنا بلند بول رہی تھی کہ صداقت راہ داری میں ہی تھم گیا۔

"وہ بے گناہ ہے۔"

"اور میں بے گناہ نہیں تھی؟ آپ کو اس سارے معاملے میں' میں معصوم نہیں لگتی؟"

"زمر۔۔۔" سعدی نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم تو بالکل خاموش رہو!" انگلی اٹھا کر اسے چپ کرایا۔ سعدی نے سر جھکا لیا۔

مرکزی دروازہ کھول کر بند ہونے کی آواز آئی۔

"اگر آئندہ یہ آدمی میرے گھر میں داخل بھی ہوا تو میں یہاں نہیں رہوں گی ابا۔"

فارس پورچ عبور کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اہانت اور ضبط سے اس کے کان سرخ ہو گئے تھے۔ بڑے ابا کا دل بری طرح دکھا۔

"وہ میرے اصرار پہ آیا تھا' اس کا کیا قصور۔"

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ سب۔۔۔" زمر نے پرس سے رپورٹس کے لفافے نکال کر زور سے میز پہ اچھالے' وہ سب بکھر کر نیچے لڑھک گئے۔ "یہ سب اس کا قصور ہے۔ آپ کے دو بچے ایک' ایک گردہ کھو چکے ہیں تو اس آدمی کی وجہ سے اور آپ اسے اپنے لاؤنج میں بٹھا رہے تھے؟ ابا! اس نے مجھے گولی ماری تھی' یہ وہی آدمی ہے۔"

"تم نے اسے یہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔۔۔ تم۔۔۔"

"مجھے پتا ہے یہ وہی تھا' مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ گلابی سرخ آنکھوں کے ساتھ پھٹے دل سے بولتی پلٹ گئی۔

صداقت سر جھکائے ٹرالی اندر لے آیا۔ سعدی نے گہری سانس بھری' آگے آیا' کباب اٹھایا' صوفے پہ براجمان ہوا اور اسے چکھا۔

"مزے کا ہے' آپ بھی لیں نا۔"

وہ ابھی تک دل مسوس کر بیٹھے تھے۔ گردن دائیں طرف گرائے۔ زرد رنگت کے ساتھ۔

"وہ کیا سوچتا ہو گا اور تم بھی اسے لے کر نہیں گئے' بے چارہ ٹیکسی پہ گیا ہو گا۔"

"اوہ چھوڑیں بڑے ابا! وہ بہت رف اینڈ ٹف ہیں' چار سال جیل میں چکی پیس کر آئے ہیں۔ ٹیکسی پہ جا کر گھل نہیں جائیں گے۔" وہ ذرا اٹھ کر دوسرا کباب اٹھا رہا تھا۔

"وہ میرا مہمان تھا۔ گھر آئے کے ساتھ کوئی ایسے کرتا ہے؟ اور وہ تو تھا بھی معصوم۔"

"آپ ایسا کریں۔" اس نے کباب توڑ کر منہ میں

رکھتے ہوئے کہا۔ "پھپھو کی شادی کر دیں۔"

بڑے ابا نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں کر سکتا ہوں؟"

سعدی نے چباتے ہوئے آنکھیں سکیڑ کر سوچا۔

"ہیپو تھیٹکلی ہاں۔ hy po thetically شاید اور پریکٹیکلی تو بالکل بھی نہیں۔" امید سے شروع کی ہوئی بات کے آخر میں جھرجھری لے کر اس نے سر جھٹکا۔

بڑے ابا وہیل چیئر کے پہیے چلاتے اس کے قریب آنے لگے۔

"پڑھی لکھی بیٹیاں جب تیس عبور کر جائیں اور ان کے پاس نہ ختم ہونے والے دلائل ہوں تو ان کو کوئی شادی کے لیے مجبور نہیں کر سکتا اور ......" غم زدہ مسکراہٹ سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔ "اور وہ تو اسے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی، زندگی میں کیسے کرے گی؟"

کباب میں کوئی ہڈی تھی شاید جو سعدی کے حلق میں پھنس گئی۔ وہ بے اختیار آگے جھک کر کھانسا، پھر چہرہ اٹھا کر اڑی رنگت کے ساتھ ان کو دیکھا۔

"میں نے ...... یہ تو نہیں ...... کہا۔"

"چھ فٹ کا پوتا پچیس سال کا ہو کر، باہر سے ڈگری لا کر سمجھتا ہے کہ وہ دادا کی دوائیوں کی پرچی پڑھ سکتا ہے اور دادا اس کا ذہن نہیں پڑھ سکتا۔"

سعدی نے بوکھلا کر دروازے کو دیکھا۔

"آہستہ بولیے میں عاق کر دیا جاؤں گا۔"

بڑے ابا اداسی سے مسکرائے۔ "یہ میری بھی خواہش ہے ہمیشہ سے تھی، مگر وہ کبھی نہیں مانے گی۔"

سعدی بالکل چپ ہو گیا۔ تب ہی راہ داری سے قدموں کی آواز آئی۔ سعدی نے جلدی سے کبابوں کی پلیٹ واپس رکھی اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"جاب پہ نہیں جا رہے آج کل؟" زمر اندر آئی، سامنے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی۔ لباس بدل کر، فریش اور سنبھلی ہوئی تھی۔

"منڈے تک آف لیا ہے، کچھ کام نپٹانے تھے۔" وہ بظاہر سرسری لہجے میں کہتے ہوئے گاہے بگاہے محتاط نظر اس پہ ڈالتا۔

"اگر تمہیں میرا وہ رویہ برا لگا ہے تو میں معذرت کرتی ہوں، مگر مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں کیونکہ اگر تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو تو تمہیں میں حق بجانب نظر آؤں گی۔" نہایت ٹھنڈے لہجے میں وہ شروع ہوئی۔ "میری زندگی کے کچھ اصول ہیں، میں جن کو پسند نہیں کرتی، ان سے بھی مل لیتی ہوں، مگر جن سے نفرت کرتی ہوں بالخصوص کسی ایسے شخص سے جس نے مجھے اتنا نقصان دیا ہو تو اس کو میں اپنے اردگرد برداشت نہیں کر سکتی۔ اس بارے میں مجھے اپنے جذبات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔" آخر میں ہلکے سے شانے اچکائے۔

سعدی نے سر ہلایا۔ وہ جذبات نہیں، مگر ڈھیروں کرب چھپا کر آئی تھی۔

"آئندہ کچھ بھی ایسا نہیں ہو گا جو آپ کو تکلیف دے۔ زمر اور جو دے چکے ہیں، وہ ضرور بھگتیں گے۔"

"مجھے ان کے بھگتنے سے غرض نہیں ہے۔"

"مگر آپ تو انصاف، قصاص پہ یقین رکھتی تھیں۔"

"معاف میں نے ابھی بھی نہیں کیا سعدی! مگر میں زندگی میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔ میں خود کو مزید تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"اور اگر یہ سب آپ کے بجائے آپ کے کسی قریبی شخص کے ساتھ ہوا ہوتا؟"

"تب میں ایک، ایک کو پراسیکیوٹ کرتی۔" اس نے ایمان داری سے جواب دیا۔ پھر بڑے ابا کو دیکھا۔ وہ افسردہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو اس سے ملنا ہے تو ضرور ملیں، مگر میری موجودگی میں یہ مت کیا کیجیے۔"

"ہم نے تو یہی سمجھا تھا نا۔" سعدی نے بمشکل خود کو کہنے سے روکا۔

"سعدی چاہتا ہے ہم کل رات اس کی طرف کھانا کھائیں۔" بڑے ابا نے بات بدل دی۔ نہ تائید کی نہ انکار کیا۔

زمر نے سعدی کو دیکھا جو متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی۔

"شیور ہم ضرور آئیں گے۔"

سعدی کی رنگت واپس آئی، وہ مسکراتا ہوا اٹھا۔

"ہم سب انتظار کریں گے۔"

زمر کی مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

تم جسے نور صبح کہتے ہو
میں اسے گرد شام بھی نہ کہوں

رات کی سیاہ افشاں پورے شہر پہ جگمگا رہی تھی۔ کاردار ز کے عظیم الشان قصر کے سامنے لان نشیب میں جاتا تو آگے انیکسی تھی۔ فارس دروازے پہ کھڑا چابیوں کے گچھے سے ایک لگا رہا تھا۔ جینز پہ بٹنوں والی شرٹ پہنے، کف کلائی پہ موڑے، اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

دروازہ کھلا۔ اس نے اندر قدم رکھا۔ بنا دیکھے دیوار پہ ہاتھ مارا اور سیدھا دوسرا بٹن دبایا۔ داخلی حصے کی بتی جل اٹھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اندر آیا۔ گردن گھما کر چھت، کھڑکیوں، دیواروں کو دیکھتا، وہ راہ داری سے گزر رہا تھا۔

گھر باہر سے پینٹ شدہ تھا کہ کاردار ز اپنا گھر پینٹ کرواتے تو اس کا بھی بیرونی حصہ کروا دیتے کہ ان کے لان سے وہ دکھائی دیتا تھا۔ البتہ اندر سے گھر معمولی تھا۔ نارمل فرنیچر، چپس کا فرش، دیوار اور چھت کے ملنے کی جگہ پہ اکھڑا پینٹ۔

وہ آگے بڑھتا گیا۔

لاؤنج چھوٹا سا تھا۔ اس کے ایک طرف کھانے کی گول میز رکھی تھی۔ ڈرائنگ روم الگ تھا۔ سیڑھیاں اوپر جاتیں۔ ایک طرف دروازہ تھا جہاں سے سیڑھیاں بیسمنٹ میں جاتیں۔ بیسمنٹ تہ خانے کی طرح

تھی۔ پورے گھر کے رقبے پہ پھیلا کمرا جس میں ستون تھے، مگر دیواریں ندارد... اس تہہ خانے میں کاٹھ کباڑ تھا۔ فارس ادھر نہیں گیا۔ وہ اوپری منزل پہ آیا۔ وہاں دو بیڈ روم تھے۔ وہ بڑے والے میں آیا۔ آگے ٹیرس بھی تھا اور اندر دیوار پہ ایک تصویر تھی۔

تصویر میں وہ ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔ بالکل ہلکا سا۔ ایش گرے ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔ بال اب جیسے تھے۔ ساتھ ایک ساڑھی میں ملبوس لڑکی کھڑی تھی۔ اسٹیپ میں کٹے بال، بڑے جھمکے، جاذب نظر، وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

فارس پلٹ گیا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ باتھ روم میں آ کر اس نے نل کھولا اور آستین موڑ کر وضو کرنے لگا۔

ٹیرس سے باہر، روشنی میں نہایا قصر دکھائی دے رہا تھا۔ اندر ملازموں کی چہل پہل جاری تھی۔ جواہرات سربراہی کرسی پہ براجمان نزاکت سے چھری کانٹے سے اسٹیک کا ٹکڑا توڑ رہی تھی۔ دائیں ہاتھ بیٹھا ہاشم پلیٹ پہ جھکا کھانے میں مگن تھا۔ اس کے موبائل کی میسج ٹون بھی وقفے وقفے سے بج رہی تھی۔ جواہرات کے دوسرے ہاتھ بیٹھا نوشیرواں بے دلی سے کانٹا پلیٹ میں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔

"تم آج پھر آفس نہیں آئے۔" جواہرات نے کانٹا چلاتے، بس نگاہیں اٹھا کر شیرو کو دیکھا۔ اس نے بے زاری سے چہرہ اٹھایا۔

"آپ لوگ مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے؟"

"ممی!" ہاشم نے نگاہوں میں جواہرات کو تنبیہہ کی۔ اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"میرا خیال تھا، تم اب تک اپنے بھائی کو سمجھا چکے ہو گے، مگر یہ ہنوز اس عورت کے غم میں ہے، جو اس کو گدھا سمجھ کر استعمال کر کے چلی گئی۔"

"آپ چاہتی ہیں، میں ٹیبل سے اٹھ جاؤں؟" اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"شیرو! بد تمیزی مت کرو۔ وہ ہماری ماں ہیں۔" اور جس طرح ہاشم نے صرف نگاہ اٹھا کر کرختی سے کہا تھا، نوشیرواں نے گردن جھکا لی۔ جواہرات نے گہری سانس لے کر گلاس لبوں سے لگایا۔

"میں اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب تمہیں احساس ہو گا کہ تمہاری ماں اور تمہارا بھائی تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لیے کیا کیا کرتے ہیں۔ اور یہ پورا ہفتہ ہم نے تمہارا خوامخوا کا غصہ برداشت کیا ہے۔ تم ہمیں ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہو؟ اگر سعدی نے (اور اس نام پہ نوشیرواں کی کنپٹیاں پھٹنے کو تھیں) کچھ برا کیا بھی ہے تو تمہارے بھائی کے ساتھ اور جب وہ کہہ رہا ہے کہ وہ اسے سنبھال لے گا تو تم کیوں اپنا خون جلا رہے ہو؟"

نوشیرواں نے کانٹا رکھ دیا۔ بس کھا چکا تھا وہ۔

"فارس چلا گیا؟" ہاشم نے دانستہ ماں کو دیکھتے ہوئے موضوع بدلا۔ وہ ابھی ... ٹھنڈے انداز میں شیرو کی مزید کلاس لے سکتی تھی مگر ہاشم کے مسلسل نگاہوں سے تنبیہہ کرنے پہ گہری سانس لے کر بولی۔

"مہمان سے چار دن بعد بو آنے لگتی ہے، سو آج اس کا گھر تیار کروا دیا تھا۔"

نوشیرواں اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر بہر حال اس میں اتنی جرات نہ تھی کہ بڑے بھائی اور ماں کے سامنے سے یوں اٹھ جائے۔

ہاشم کا موبائل پھر بجا۔ اس نے ایک ہاتھ سے کانٹا لبوں تک لے جاتے، دوسرے سے فون کان سے لگایا۔ "جی... جی... آپ کا کام ہو گیا تھا، میں صبح تک کیس فائل آپ کو بھجوا دوں گا۔ جی بالکل۔" اس نے پلیٹ پرے کی اور دوسرا نمبر ملانے لگا۔ ہاشم کے ہر وقت کے بجتے فون کے وہ عادی تھے۔

"جی زمر! کیسی ہیں آپ؟"

ان دونوں نے چونک کر اسے فون پہ کہتے سنا۔

"میں نے آپ کو ایک کیس فائل کا کہا تھا، وہ کاپی ہو گئی؟ اچھا۔ میں ڈرائیور کو بھیج دیتا ہوں، آپ کے گھر سے پک کر لے گا۔" اس نے رک کر سنا۔

"آپ کدھر ہیں؟ خیریت؟ سعدی کی طرف؟ اچھا۔" ہاشم بات دہرانے کا عادی نہ تھا مگر چونکہ یہ اس کے لیے بھی غیر متوقع تھا، سو وہ دہراتا گیا۔ نگاہ اٹھا کر شیرو کو دیکھا۔ وہ بھنویں بھینچے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"چلیں، جب آپ واپس آئیں۔ اچھا۔ صبح وہیں سے کورٹ جائیں گی؟ اوکے۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ سعدی قریب ہے تو میری بات کروا دیں۔" وہ کہتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ جواہرات بھی نیپکن سے لب تھپتھپاتی ادھر ہی متوجہ تھی۔

"کیا حال ہے سعدی؟" وہ بولا تو آنکھوں میں سرد مہری در آئی۔ نوشیرواں نے "ہونہہ" استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ ایسا ہے کہ صبح میری سیکریٹری تمہیں کال کر کے کل کی اپائنٹمنٹ دے گی، ضرور آنا، میں انتظار کروں گا۔" کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

"یہ کر ایا آپ نے اسے ڈی اے کی نظروں سے کہ وہ ایک دفعہ پھر فیملی بن گئے؟"

"وہ کل آئے گا، میں اس سے بات کروں گا اور میں سب سنبھال لوں گا، اب وقت آگیا ہے کہ تم سعدی یوسف Obssession (آسیب) سے نکل آؤ۔" ہر فقرہ توڑ توڑ کر تحمل سے ادا کیا۔

"نوشیرواں... ریلیکس..." جواہرات نے اب کے نرمی سے شیرو کا ہاتھ دبایا۔ اس نے بظاہر خود کو نارمل کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا، بہر حال تاثرات چھپانے میں ماں اور بھائی جیسا ماہر نہ تھا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ بڑی بات تب ہوتی اگر سعدی کے ہاتھ کچھ ایسا لگتا جو ہمیں نقصان دے۔"

"میں سمجھ گیا۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ اپنا موبائل نکالتے ہوئے اٹھ گیا۔ جواہرات نے قدرے تشویش سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"سرمد وغیرہ نے باہر کھانے کا پروگرام بنایا تھا، پہلے انکار کر دیا، اب چلا ہی جاتا ہوں، موڈ اچھا ہو جائے گا۔ ورنہ جب تک یہ سعدی یوسف زندہ ہے، میری زندگی مسائل کا شکار ہی رہے گی۔" سر جھٹک کر کہتا وہ نکلنے لگا، پھر جیسے اپنی ہی بات نے سوچ کا ایک نیا در دکھایا۔

"مر کیوں نہیں جاتا یہ سعدی آخر! اتنے تو بم بلاسٹ ہوتے ہیں روز۔" وہ تو کہہ کر نکل گیا مگر ہاشم بے اختیار سانس روکے اس کو دیکھنے لگا۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو!" اس نے عقب سے قدرے برہمی سے پکارا۔ شیرو نے مڑے بغیر "بائے" کا ہاتھ ہلایا اور آگے بڑھتا گیا۔

"مجھے یقین نہیں ہے، وہ دوستوں کے پاس جا رہا ہے۔"

"اگر آپ اسی طرح ہر وقت اس کو منفی رخ دکھاتی رہیں تو وہ واقعی کسی کے پاس جانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

"تمہارے خیال میں میں اس کی بھلائی نہیں چاہتی۔"

"کیا ہم سکون سے کھانا کھا سکتے ہیں؟" ہاشم واپس پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

"شیور!" جواہرات نے نزاکت سے شانے اچکائے، انگلی سے سامنے گرے بال پیچھے کیے اور گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز تھا۔ فارس غازی اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں، چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف فارس غازی کا بھانجا ہے جو اپنے ماموں فارس غازی سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ سعدی یوسف کی والدہ نے کڑی مشقت کر کے بچوں کی پرورش کی ہے' حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی

مکمل ناول

۳
تیسری قسط

یوسف کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہوجاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہوجاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ فارس غازی' سعدی یوسف کا ماموں ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہوجاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہوچکی ہے۔ ہاشم کاردار کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ ہاشم سونیا کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی تیاریاں کررہا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کاردار کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ فارس غازی کے جیل جانے کے بعد اس کا پورشن مقفل ہے۔

سعدی یوسف کے لیے وہ دن خوشیوں سے بھرپور تھا جب اسے فارس غازی کے رہا ہونے کی خبر ملتی ہے۔

ہاشم نے یہ خبر سن کر عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے اس کا حساب دینا ہوگا۔ فارس غازی جیل سے نکلتا ہے تو سعدی یوسف ان کا منتظر ہوتا ہے۔ فارس اس سے قبرستان چلنے کو کہتا ہے۔ قبرستان جاکر فارس دو قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہے۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے سعدی کا موبائل لے لیتا ہے۔ قبرستان میں وہ کسی کو فون کرکے کوئی ہتھیار منگواتا ہے۔

ہاشم کاردار' زمر کو اپنی بیٹی سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دینے کے ساتھ سعدی کا کارڈ بھی زمر کو دے دیتا ہے۔

زمر کے والد کو اپنے پوتے سعدی یوسف سے بہت محبت ہے۔ وہ زمر سے کہتے ہیں' سعدی کی سالگرہ پروش کرنے ان کے گھر جائے۔ وہ پھول لے کر کارڈ دینے سعدی کے گھر جاتی ہے۔ زمر کو دیکھ کر سعدی کے ساتھ تمام گھر والے حیران ہوجاتے ہیں۔ زمر' سعدی کو سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دیتی ہے۔

زمر کے جانے کے بعد سعدی نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔ اسی وقت ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔ اس نے ہوٹل میں ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگایا تھا۔ وہ اس کے لیپ ٹاپ سے ڈیٹا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سعدی نے جب بیگ سے ٹیبلٹ نکالا تو اسے پریس کرنے کے بعد اسکرین پہ پیغام آیا کہ آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے' کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟ سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اسکرین پہ دوسرا پیغام دیکھ کر سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا کہ "پاس ورڈ داخل کریں" سعدی کے پاس' پاس ورڈ نہیں تھا۔

سعدی یوسف' ہاشم کاردار کی سابقہ بیوی شہرین سے ایک شاپنگ مال میں مل کر کہتا ہے۔ مجھے آپ سے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ شہرین' سعدی سے کہتی ہے کہ "تم کیا کرنے جارہے ہو؟" سعدی زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے کہ "ہاشم بھائی نے جو ہم سے چرایا تھا' میں وہ واپس چرانے جارہا ہوں۔"

شہرین نوشیرواں کے پاس جاکر کہتی ہے کہ سونیا کو اس کی اور ہاشم کی ہنی مون کی پکچرز چاہئیں۔ یہ جھوٹ بول کر نہایت چالاکی سے شہرین نوشیرواں سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔

حنین یوسف پر اس کی دوست کی وجہ سے کمرہ امتحان میں نقل کا الزام لگتا ہے' ٹیچرز حنین سے کہتی ہیں کہ اس پر کیس بنے گا اور وہ تین سال تک پیپرز نہیں دے سکتی۔ وہ حنین کو آفس میں بٹھا کر چلی جاتی ہیں تو حنین کی نظر میز پہ سپرنٹنڈنٹ کے پرس کے ساتھ رکھے موبائل پر پڑتی ہے۔ حنین موبائل اٹھا کر دھڑکتے دل سے ہاشم کا نمبر ملا کر اسے تمام صورت حال

سے آگاہ کرتی ہے۔ ہاشم کچھ دیر بعد ہی امتحانی مرکز میں پہنچ جاتا ہے اور کمال ہوشیاری سے حنین کو مشکل وقت سے نہ صرف نکلواتا ہے بلکہ حنین کو پیپر مکمل کرنے کے لیے ٹیچرز سے ایکسٹرا ٹائم بھی دلوا دیتا ہے۔
پیپر دینے کے بعد حنین ہاشم کا شکریہ ادا کرتی ہے اور ہاشم سے کہتی ہے۔ کہ سعدی بھائی کو اس معاملے کے بارے میں مت بتائیے گا۔ ہاشم حنین سے پارٹی میں آنے کا پوچھتا ہے۔ جس پر حنین کہتی ہے کہ پارٹی میں ہم سب آئیں گے۔
قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ روشنیاں، قہقہے، سیاہ اور سنہری امتزاج سے بھی سونیا کی سالگرہ کی تقریب کی رونق عروج پر تھی۔
حنین سنہری فراک میں جبکہ سعدی، سیم اور زمر سیاہ سوٹ میں ملبوس تقریب میں شریک تھے۔ شہرین ان کی میز کے پاس آکر زمر کو ڈی اے کہہ کر پکارتی ہے اور سعدی سے رسمی سا حال احوال پوچھ کر کمال مہارت سے نیب پکڑا کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔ سعدی نیب کو کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر سوچتا ہے کہ آدھا کام ہو گیا مگر ابھی پاس ورڈ لینا باقی ہے۔
جواہرات دو، تین خواتین کے ساتھ سعدی اور زمر کی میز کی طرف آتی ہے۔ جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کرواتی ہے پھر سعدی یوسف کا تعارف بھی کروا کر سعدی سے کہتی ہے کہ وہ اپنا شجرہ نسب ان خواتین کو بتائے۔ نوشیرواں قدرے فاصلے پر کھڑا تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی سمجھ جاتا ہے کہ جواہرات اس وقت نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتار رہی ہے پھر سعدی اپنا شجرہ نسب ایسا بتاتا ہے کہ جس سے نوشیرواں کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور جواہرات کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اسی دوران جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کے سابقہ منگیتر حماد کا ذکر چھیڑ دیتی ہے، جس کی وجہ سے زمر ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔
شہرین بڑی ہوشیاری سے سعدی کو پاس ورڈ بتا دیتی ہے۔
دوسری جانب زمر کا گیسٹ روم میں فارس سے سامنا ہو جاتا ہے فارس کو دیکھ کر زمر غصے میں باہر کی طرف آجاتی ہے۔
پاس ورڈ ملنے کے سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے۔ جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے۔ ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی پکڑ میں آئے بغیر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
ہاشم غصے میں خاور سے کہتا ہے کہ سعدی جیسے ہی ایگزٹ پر پہنچے 'اسے روکو۔ جبکہ ملازمہ فیونا ہاشم کے کہنے پر جان بوجھ کر سعدی سے ٹکراتی ہے اور اس کے کوٹ میں نیکلس ڈال کر معذرت کرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔
جیسے ہی زمر، سعدی، حنین اور سیم گھر جا رہے ہوتے ہیں تو خاور انہیں روک کر بتاتا ہے کہ مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہو گیا ہے، زمر غصے میں خاور سے کہتی ہے کہ یہ میری فیملی کے بچے ہیں 'ان کی تلاشی لینے سے پہلے میری تلاشی لینا ہو گی۔ اس دوران ہاشم بھی وہاں آجاتا ہے اور پھر بگڑتی صورت حال دیکھ کر انہیں جانے دیتا ہے۔
ریسٹورنٹ کا بل دینے کے لیے سعدی حنین سے اپنے کوٹ سے والٹ نکالنے کو کہتا ہے، حنین کے ہاتھ میں والٹ کے بجائے نیکلس آجاتا ہے۔ زمر کی نگاہیں نیکلس کو دیکھ کر ٹھہر جاتی ہیں، زمر غصے میں سعدی کو کہتی ہے اسے گھر ڈراپ کردے۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔
دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔
زمر سعدی کے ریسٹورنٹ جاتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ بڑے ابا نے اسے بتا دیا ہے کہ اسے گردہ کسی خاتون نے نہیں بلکہ اس نے دیا ہے۔ اسی دوران فارس وہاں آجاتا ہے جسے دیکھ کر زمر نفرت آمیز نگاہ فارس پر ڈال کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔ سعدی بہت دنوں بعد آفس جاتا ہے اور اپنی باس سارہ کو فیلڈ رپورٹ دے کر کہتا ہے کہ اس نے کام مکمل کر لیا ہے، اور فیلڈ پہ جانے کی تیاری بھی مکمل کر لی ہے۔

پہلا تاثر، پہلا تعارف

محبت صابر ہوتی ہے۔
محبت مہربان ہوتی ہے۔
یہ حسد نہیں کرتی، شیخی نہیں بگھارتی۔
مغرور نہیں ہوتی۔
یہ ترش نہیں ہوتی، خود شناس ہوتی ہے۔
جلد غصہ نہیں کرتی، غلطیوں کا حساب نہیں رکھتی۔
بدی میں خوش نہیں ہوتی، صرف سچ میں تسکین پاتی ہے۔
ہمیشہ حفاظت کرتی ہے، ہمیشہ بھروسہ کرتی ہے۔
ہمیشہ امید رکھتی ہے، ہمیشہ ثابت قدم رہتی ہے۔
محبت کبھی ناکام نہیں ہوتی۔
مگر جو پیش گوئیاں ہیں۔
وہ ختم ہو جائیں گی۔
جو زبانیں ہیں۔
وہ خاموش کرادی جائیں گی۔
اور جو علم ہے....
وہ دم توڑ جائے گا....

(عہد نامہ جدید، انجیل مقدس)

مرحوم ذوالفقار یوسف کے چھوٹے باغیچے والے گھر میں اس رات کسی تہوار کی طرح رونق بکھری تھی۔ گول میز کے گرد سعدی کی والدہ اور بہن بھائی کے علاوہ وعدے کے مطابق پھپھو اور دادا بھی تھے اور وہ بہت خوش نظر آرہے تھے۔ بڑے ابا، ندرت کو خاندان میں کسی کا قصہ سناتے ہوئے اس بات کو اپنے ماضی کی کسی یاد سے جوڑتے پیچھے چلے گئے تھے اور اب کوئی لمبی سی مثال دے رہے تھے۔

"بڑے ابا اصل میں امتحانی پرچوں میں دی گئی اس ہدایت پہ عمل کرتے ہیں جو کہتی ہے مندرجہ بالا تصویر کو مثالوں سے واضح کریں۔"

وہ ساتھ ساتھ ان کی ہر بات پہ تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ بڑے ابا نے تو کوئی توجہ نہ دی۔ زمر البتہ مسکراہٹ دبائے کھانا کھاتی رہی۔ حنین قدرے لاتعلق بیٹھی (صرف زمر سے) کھا رہی تھی (ہونہہ جب پتہ چلا کہ بھائی نے کر وہ دیا ہے تو آگئیں۔ اب بھائی اچھا ہو گیا) اور سیم اپنے بھائی کے کھانے اور بولنے کے انداز کی بھرپور نقالی کی کوشش میں پرجوش سا لگ رہا تھا۔

"پھپھو! میں اس دفعہ سیکنڈ آیا تھا ایگزامز میں۔"

مہمان کے سامنے تو وہ آواز کو اتنا معصوم اور شرمیلا بنا لیتا تھا کہ حنین نے تعجب سے گھورا، مگر وہ کہے جا رہا تھا۔ "اور جو لڑکا تھرڈ آیا، وہ مجھ سے آگے بیٹھا تھا اور پرچی بنا کر مجھ سے پچھلے والے کو نقل کروا رہا تھا اور میں نے اسے...."

"سیم یوسف!" حنین نے اضطراب سے پہلو بدلتے ٹوکا "اگر آپ ہمیں اپنی باتوں سے کچھ دیر مستفید نہ کریں تو کتنا اچھا ہو۔" راز پرانے ہونے کے ساتھ وزنی ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے کندھوں پر دھرا بوجھ اور بھی بڑھ گیا۔

سیم نے اداسی سے منہ لٹکا لیا، پھر زمر کو دیکھا، وہ کھانا ختم کر چکی تھی اور باوقار انداز میں پیچھے ہو کر بیٹھی، مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ سیم کی آنکھوں میں امید جھلکی۔

"پھپھو میں بولتا رہوں؟"

"ہاں تم بولتے رہو۔" زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ وہ زیادہ پرجوش ہو کر وہی قصہ دہرانے لگا۔

حنین سر جھٹک کر پانی پینے لگی۔ اس کا انداز کھنچا کھنچا سا تھا، یہ زمر نے پہلے بھی محسوس کیا تھا اور اب تو سب نے ہی کیا، مگر سعدی نے نظر انداز کر دیا اور زمر تو ویسے بھی متحمل مزاج اور میچور تھی، اس نے یوں ظاہر کیا جیسے محسوس ہی نہ کیا ہو اور سیم کے ماتھے کے بال نرمی سے سنوارتی، مسکرا کر اس کو سننے لگی۔

سیم کو اب پچھلی بات بھول گئی تھی، اسے نئی فکر نے آن گھیرا تھا۔

"پھپھو! بھائی جب چھوٹا تھا تو کیسا تھا؟"

سعدی فریج کے دروازے کو کھولے کھڑا، پانی کی بوتل نکال رہا تھا، اس سوال پہ فوراً پلٹا۔ "سعدی جیسا

کوئی نہیں ہے پھپھو کے لیے۔" اس نے واضح سیم کو چڑایا۔

"ہاں مگر سیم کی اپنی جگہ ہے۔" زمر نے سیم کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بھائی جیسا کوئی کیوں نہیں ہے؟"

"اس لیے سیم کہ جب سعدی تم جتنا تھا تو میں حنین جتنی تھی اور ہم بہترین دوست تھے۔ ہمارا اسکول بھی ایک تھا' اور اسکول جانے سے پہلے اپنے اپنے گھر سے ہم ایک ہی کارٹون دیکھ کر نکلا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں صبح سات بجے پی ٹی وی پہ کارٹون لگا کرتے تھے۔"

سعدی بوتل ہاتھ میں لیے واپس کرسی پہ آبیٹھا۔ حنین خاموشی سے ندرت کے ساتھ برتن اٹھوانے لگی۔ کھانا کھایا جاچکا تھا اور وہ مزید' زمر کے قریب نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔

"اور ہمیں گیمز بھی ایک ہی طرح کی پسند تھیں زمر!" سعدی یاد کر کے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔

"ہم برف پانی' اونچ نیچ' پکڑن پکڑائی' ٹیلو ایکسپریس کھیلا کرتے تھے اور ہاں ہکنگ اور ڈارک روم اور کونا کونا بھی۔"

"اور وہ ویڈیو گیم یاد ہے بطخ والی سعدی؟ ڈک ہنٹ؟ ہم پستول سے ٹی وی اسکرین پہ فائر کیا کرتے اور اڑتی ہوئی بطخیں گر جاتیں۔" حنین نے ایک دم سر اٹھایا میز صاف کرتے ہاتھ رکے۔

"وہ پستول ابھی بھی پڑی ہے ہمارے پاس!" بے اختیار وہ کہہ اٹھی' اس پہ زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا' تو وہ ایک دم جلدی جلدی اپنا کام ختم کرنے لگی۔

"اور اس میں سپر ماریو بھی تھی اور ٹینکس والی ایک گیم بھی' اور پھپھو! یاد ہے ہم گھنٹوں بیٹھ کر monopoly کھیلا کرتے تھے۔ مگر میں مونوپلی میں ہمیشہ دیوالیہ ہوجاتا تھا' کیونکہ پھپھو اتنی اچھی پلانر تھیں کہ ساری بہترین زمینیں خرید لیتیں اور میں ٹھہرا جذباتی اور ناکام پلانر' میری گوٹ جیل میں ہی پھنسی رہتی۔"

"اور سعدی' وہ ایک کارڈز گیم بھی تو ہم کھیلتے تھے رنگ برنگے کارڈز جن پہ نمبر لکھے ہوتے تھے۔" زمر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ حنین جو واپس آبیٹھی تھی' پھر سے خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔ بنا سوچے سمجھے بولی۔

"وہ اونو (ONO) تھی۔ ہمارے پاس ابھی بھی پڑی ہے۔"

"اچھا واقعی؟ تمہیں وہ بہت پسند تھی حنین' مجھے یاد ہے۔ اور تمہیں اسوینجو' ایکشن ٹائپ کی گیمز بھی بہت پسند تھیں۔" زمر اب رخ بالکل حنین کی طرف موڑ کر بولی تو حنین کے لبوں پہ ایک بھولی بسری مسکراہٹ آٹھہری۔

"اور آپ کو عینک والا جن بہت پسند تھا۔"

"خیر مجھے تو نستور پسند تھا اور نستور کے بارے میں' میں اپنی فیلنگز چھپانے کی بالکل قائل نہیں ہوں۔" حنین کی مسکراہٹ اور بھی بڑھی۔ "اور آپ کو دھواں ڈرامہ بھی بہت پسند تھا۔ ہمارے پاس کیسٹیں تھیں اس کی' اور آپ ہر دفعہ داؤد کے مرنے کے سین پہ اٹھ کر چلی جایا کرتی تھیں۔"

"اوہ حنین' میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈرامہ نگار اسی کردار کو کیوں مار دیتا ہے جس کو ہم بہت پسند کرتے ہیں؟"

"اونہوں!" حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ "انہیں جس کردار کو مارنا ہوتا ہے' وہ آپ کو پسند کرنے پہ مجبور کردیتے ہیں۔"

"پھپھو مجھے بھی ONO کھیلنی آتی ہے' کیا ہم کھیلیں؟" سیم سے زیادہ دیر نظرانداز ہونا برداشت نہیں ہوا۔ حنین چونکی' پھر مسکراہٹ دھیمی ہوئی' ذرا پیچھے ہو کر بیٹھی۔ وہ کس خوشی میں اتنا بولے جارہی تھی بھلا؟ خود کو ڈانٹا۔

"ہاں اونو کھیلتے ہیں۔" سعدی نے اس کو بغور دیکھتے درمیان کا راستہ نکالا۔

"جاؤ حنہ' اونو لے آؤ' مگر کارڈز میں (shuffle) شفل کروں گا۔ یاد ہے پھپھو! حنہ اپنے گھٹنے کے نیچے ڈرا فور کے چاروں کارڈ پہلے ہی چھپا لیتی

تھی' اس لیے میں کبھی بھی نہیں جیتتا تھا۔ مجھے آج احساس ہو رہا ہے کہ میں یہ سارے گیم ہمیشہ ہار جاتا ہوں۔ اس لیے حنین' تم آج اپنی چیٹنگ کرنے کی صلاحیتوں سے باز رہنا۔" مصنوعی ناراضی سے اس نے حنین کو دیکھتے ہوئے کہا مگر۔۔۔

حنین ذوالفقار یوسف خان۔ بالکل ساکت رہ گئی۔ سعدی کو بے یقینی سے دیکھتی اس کی نگاہیں پتھرا گئیں۔ رنگت سفید پڑی' جیسے وہ کوئی برف کا مجسمہ ہو۔

"میں۔۔۔ چیٹنگ نہیں کرتی بھائی!" اس نے اتنی بے یقینی سے اسے دیکھتے کہا تھا کہ سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ حنین ایک دم کھڑی ہوئی۔ زمر نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں کارڈز لاتی ہوں۔" وہ مڑ گئی۔ سعدی فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

"آئی ایم سوری' میں نے۔۔۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سعدی کے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی جب وہ اس کے سامنے آیا۔ حنین سر ہلا کر' جھک کر دراز کھولنے لگی۔

"مجھے پتا ہے' تم کبھی چیٹنگ نہیں کر سکتیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا۔"

"آئی نو۔" اس نے کارڈز نکالے اور دراز بند کر کے سیدھی ہوئی۔ وہ اسی طرح فکر مندی سے اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا جس کی رنگت ہنوز سفید تھی۔

"حنین! ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے اور وہ شخص ہم خود ہوتے ہیں۔"

"مجھے پتا ہے بھائی!" اس نے سر ہلا کر پھیکا سا مسکرانے کی کوشش کی پھر مڑی تو ایک دم قدم زنجیر ہوئے۔

سعدی کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔ زمر کے آنے سے قبل وہ جو کام کر رہا تھا' وہ یونہی رکھا تھا۔ اسکرین پہ نمبرز چل رہے تھے۔ اوپر نیچے' حنین کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں اس نے چہرہ ذرا آگے کیا۔

ایک ہاتھ نے دھپ سے لیپ ٹاپ اسکرین کو کی بورڈ پہ گرا دیا۔ اس نے چونک کر بھائی کو دیکھا۔

"اولو کو دیر نہیں کراتے' گناہ ملتا ہے۔" مگر وہ یونہی سعدی کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن' شک' سب کچھ تھا۔

"بھائی! آپ کیا کر رہے ہیں؟"

مگر زمر ادھر ہی آ رہی تھی۔

"سعدی۔۔۔ ہاشم!" کہتے اس نے فون پکڑایا۔ سعدی نے گڑبڑا کر فون تھاما' چہرے سے وہ خوشگوار تاثرات غائب ہوئے اور ان کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔

"جی۔۔۔ اوکے۔" اس نے فون بند کیا تو حنین تیزی سے بولی۔

"کیا کہہ رہے تھے' مطلب اس دن کے لیے معذرت کر رہے تھے؟"

سعدی لمحے بھر کو رکا۔ ہاشم نے کہا تھا کہ اس کی سیکرٹری صبح کال کر کے اسے ملاقات کا وقت دے دے گی' مگر چونکہ اس کا فی الحال ہاشم سے ملنے کا کوئی ارادہ نہ تھا' اس لیے اس نے "ہاں" کہہ کر بات ختم کر دی۔

"آپ گیم شروع کریں' میں آتی ہوں۔" وہ وہاں سے نکل آئی۔ اپنے پیچھے اسے سعدی اور زمر باتیں کرتے راہداری میں آگے جاتے محسوس ہوئے' مگر وہ اپنے اور سیم کے مشترکہ کمرے میں آئی۔ (جہاں آج پھپھو اور اسے رہنا تھا) دروازہ بند کیا۔ الماری کھولی۔ کپڑوں کا ماؤنٹ ایورسٹ آج نہیں گرا' کیونکہ صبح امی نے الماری جمائی تھی۔ وہ جوتوں کے خانے پہ جھکی' چند ڈبے باہر نکالے' پھر ہاتھ ڈال کر کونے میں رکھا ایک ننھا مخملیں ڈبا نکالا۔

سنہری مخمل کا وہ ڈبا کھولنے سے پہلے اس نے بہت دیر سوچا' اتنی دیر کہ ہاتھ شل ہو گئے' اور پھر اس نے کھول ہی دیا۔

اندر سنہرے مخمل پہ ایک سنہری چین والا لاکٹ رکھا تھا۔ مگر کسی سونے چاندی کی جگہ اس زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا اسٹون پرویا تھا' جس کے اوپر سنہرے حروف میں "اہنلس ایور آفٹر" کندہ تھا۔ یہ سعدی کے کی چین کا جڑواں تھا۔

اس نے زنجیر کو ہولے سے چھوا مگر پھر ہاتھ ہٹا لیا، جیسے کرنٹ کے ننگے تار کو چھو لیا ہو، سر جھٹک کر ڈبا بند کیا، اسے پھینکنے والے انداز میں نچلے خانے میں ڈالا، جوتوں کے ڈبے اندر رکھے اور زور سے الماری بند کی۔

گہری سانس لے کر وہ اٹھی تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھائی کو ہاشم بھائی والی بات بتا دے گی۔ آخر ہاشم بھائی ہی تو تھے نا، کوئی غیر تو نہیں تھا۔ بھائی سمجھ جائے گا، اس لیے وہ بتا دے گی۔

مگر کب؟ یہ حنین نے ابھی طے نہیں کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ع دشت طلب بھی کیا کوئی شہر طلسم ہے۔

جواہرات کا اندازہ ہمیشہ کی طرح درست تھا۔ نوشیرواں دوستوں کی طرف نہیں گیا تھا۔ وہ اس پر رونق مارکیٹ آ گیا تھا جہاں رات میں بھی دن کا سماں تھا۔ جو نئیو کنٹینرز آج کل لوٹے جا رہے تھے، ان کا سامان یہاں کوڑیوں کے بھاؤ بک رہا تھا، پٹھان اور مقامی دکاندار اس بات سے قطعاً" بے نیاز کہ وہ جو بیچ رہے ہیں وہ بے حد قیمتی، برانڈڈ اشیا ہیں، بہت مزے سے بھاؤ تاؤ میں مصروف تھے۔

نوشیرواں نے کار کہیں دور کھڑی کی تھی، اور اب وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، فٹ پاتھ پہ چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی متلاشی نگاہیں آس پاس چہروں کو کھوج رہی تھیں۔ اسی تلاش میں وہ آگے چلتا گیا۔ کافی دیر بعد ڈرائی فروٹ کی ایک سامنے سے کھلی دکان کے سامنے وہ رکا۔ چند ثانیے پتلیاں سکیڑ کر دکاندار کو دیکھتا رہا جو صافی سے اشیا جھاڑ رہا تھا۔ اور پھر آگے آیا۔

"جی صاحب، تازہ ڈرائی فروٹ ہے۔۔۔" دکاندار اس کو دیکھ کر کپڑا رکھتا۔ جلدی جلدی اپنی اشیا کی خصوصیات گنوانے لگا۔ نوشیرواں نے پہلے دو فقرے تو بے زاری سے سن لیے، پھر بات کاٹ کر بولا۔

"چالیس گرام چاہیے۔"

"بس؟ مگر کون سا۔۔۔؟"

"تمہیں پتا ہے مجھے کیا چیز چالیس گرام چاہیے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر درشتی سے بولا تو دکاندار کے الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی مگر رنگت متغیر ہو گئی۔

"صاب! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ہم ایسے کام نہیں کرتا۔"

"میں پولیس والا نہیں ہوں، مال دو تو میں جاؤں۔" وہ بگڑے تاثرات سے بولا۔

"صاب! میں نے بتایا نا، میں۔۔۔"

"دیکھ بھائی! میری ایک جیب میں پستول ہے اور دوسری میں بٹوہ، میں تجھے کون سی جیب دکھاؤں جو تو میری بات سنے گا؟"

کہتے ساتھ اس نے شرٹ کا کنارہ ترچھا کیا، اور پہلی جیب میں اڑسا پستول ذرا سا جھلکا۔ دکاندار نے ہاتھ اٹھا کر سراثبات میں ہلایا۔

"گلابی والے قائداعظم چلیں گے۔ اندر آؤ اور بتاؤ کون سا چاہیے۔"

نوشیرواں استہزائیہ مسکرایا اور اس کے پیچھے اندر چلا گیا۔

جس وقت وہ گھر واپس آیا، ہاشم لاؤنج میں نیم دراز تھا، یوں کہ پاؤں میز پہ رکھے تھے، اور سونیا اس کے سینے پہ سر رکھے، ترچھی لیٹی، ہاتھ میں آئی پیڈ پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے سونیا کے نرم، سیاہ بال سہلاتا، دوسرے میں پکڑے مگ سے گھونٹ بھرتے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"بابا! میرا گیم دیکھیں نا۔" وہ خفا خفا سی بولی۔ ہاشم نے ایک نظر اسکرین پہ ڈالی۔

"اتنی دیر سے تو ان لمبی ناکوں والے پرندوں کو دیکھ رہا ہوں، اب تو مجھے ان کی شکل بھی یاد ہو گئی ہے۔" مسکراہٹ دبا کر کہتا وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

"آپ کو میرا کوئی گیم سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ مسلسل اسکرین پہ انگلیاں چلاتی کہہ رہی تھی۔

"میں اس طرح کے گیم نہیں کھیلا کرتا، سونی اور جو میں کھیلتا ہوں وہ میں ہمیشہ جیتتا ہوں۔"

"شیرو میرے ساتھ سب گیم کھیلتا ہے۔"

"ہاں، شیرو اور تمہاری عمر میں زیادہ فرق ہے بھی نہیں۔" ہاشم نے ٹی وی کو ہی دیکھتے، جھک کر اس کے بال چومے۔

"کیا سونی کو پتا ہے، وہ ماما کے ساتھ چھٹیوں پہ نہیں جارہی؟"

"ہوں!" وہ گیم میں مصروف تھی۔

"گڈ، میرے دو ایک کام ختم ہو جائیں، پھر بابا اور سونی چھٹیوں پہ جائیں گے، ٹھیک؟"

"اور شیرو بھی جائے گا؟ اور ماما بھی؟ اور ممی بھی؟"

"ماما کے علاوہ سب جائیں گے، ماما کے ساتھ سونیا سردیوں میں چلی جائے گی۔"

"اوکے۔" اس نے سر ہلا دیا۔ گیم مشکل ہوتا جارہا تھا۔ تبھی ہاشم کی نگاہ اندر آتے شیرو پہ پڑی، جو نگاہ ملائے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاشم نے اسے پکارا۔

"ہوسکتا ہے کل سعدی آئے، میں چاہوں گا کہ تم میرے ساتھ ہو تب۔"

نوشیرواں پہلے زینے پہ رکا، مڑا نہیں۔ آہستہ سے کہا۔

"اوکے۔"

"کیسا ہے سرمد؟ اور اس کے بھائی کے کیس کا کیا بنا؟" بغور اسے دیکھتے ہوئے مگ سے گھونٹ بھرا۔ اسے بھی جواہرات کی طرح یقین تھا کہ شیرو دوست کے پاس نہیں گیا۔

"پتا نہیں، میں نے پوچھا نہیں۔" وہ نگاہ ملائے بغیر سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ ہاشم نے بھی بحث نہیں کی۔

اندر آکر اس نے دروازہ لاک کیا اور اسٹڈی ٹیبل تک آیا۔ جیب سے پیکٹ نکال کر میز پہ رکھا۔ اس میں عجیب سے ننھے ننھے ٹکڑے تھے۔ کرسی کھینچ کر بیٹھتے اس نے دراز سے خالی سگریٹ نکالا، اس میں پیکٹ میں رکھی منشیات مسل کر بھرنے لگا۔ یہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں ذرا سی لرزش تھی۔ پیشانی پہ پسینہ بھی تھا۔

لائٹر جلا کر سگریٹ کے کنارے کو سلگایا، اور دوسرا کنارہ لبوں سے لگایا۔ سانس اندر کھینچی۔ آنکھیں بند کیں۔ کڑوا مادہ اندر اترتا گیا۔

سانس باہر خارج کی تو دھوئیں کے مرغولے ہر طرف بکھر گئے۔ اس کا دماغ ہلکا ہوتا گیا۔ ہر شے سے ہلکا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔

☆ ☆ ☆

ناشتے کے بعد تیاری کی افراتفری پورے گھر میں پھیلی تھی۔ سیم بھاگ بھاگ کر اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سعدی آفس اور زمر کورٹ کے لیے۔ واپسی پہ اس نے بڑے ابا کو لے کر اپنے گھر جانا تھا، سو وہ سب سے زیادہ سکون سے بیٹھے تھے۔ حنین ان کے قریب بیٹھی، اخبار میں سے کچھ سناتی، ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیے جارہی تھی، جب زمر ادھر آئی۔ حنین کی بولتی زبان ذرا دھیمی ہوئی، الرٹ سی ہو کر بیٹھی۔ زمر بھی ساتھ آ ٹکی، حنین نے اسے نظر انداز کیا۔

"ماسٹرز کس سبجیکٹ میں کرنے کا ارادہ ہے حنین؟" جھک کر جوتے کے اسٹریپ بند کرتی، وہ ساتھ بیٹھی نرمی سے پوچھنے لگی۔ حنین کے تنے تاثرات قدرے نرم ہوئے۔

"لٹریچر میں یا عربی میں۔ ابھی فیصلہ نہیں کیا۔" پھر رکی، اور اضافہ کیا۔ "بیچلرز میں بھی لٹریچر رکھا تھا نا۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ تم اتنی ذہین ہو، کچھ بھی کرلو گی۔" وہ اب جھکی ہوئی دوسرا جوتا بند کر رہی تھی۔ حنین ذرا سا مسکرائی، ساتھ ہی وہ اخبار کے کونے کو عادتاً ناخن کے اندر رگڑ رہی تھی۔

"مگر مجھے یاد ہے تم نے ایف ایس سی میں بورڈ میں پوزیشن لی تھی اور اینٹری ٹیسٹ میں بھی بہت اچھے نمبر تھے، ٹاپ میرٹ بنتا تھا تمہارا، پھر انجینئرنگ میں کیوں نہیں لیا ایڈمیشن؟"

حنین کی مسکراہٹ مدھم ہوگئی۔ اس نے سر اٹھا کر زمر کو دیکھا۔ وہ اسٹریپ بند کر کے اٹھ رہی تھی۔

لوگوں کو پتا بھی نہیں چلتا اور وہ گردن دبا جاتے ہیں۔

"اچانک سے دل پلٹ گیا تو بی اے میں داخلہ لے لیا۔ دل تو کبھی بھی پلٹ جاتا ہے نا پھپھو!"

اس کا اخبار کا کنارہ رگڑتا ناخن مزید تیز ہو گیا۔ سر جھکا کر وہ بڑے ابا کو کوئی دوسری خبر سنانے لگی، البتہ اب کے انداز سست تھا۔

زمر نے جاتے جاتے مڑ کر اسے دیکھا۔ یہ آخری فقرہ کہتے اس کی آواز میں نہ طنز تھا، نہ تلخی۔ بس عجیب سی اداسی تھی۔

وہ راہداری سے گزر کر سعدی کے کمرے کے دروازے تک آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا نظر آ رہا تھا۔ کالر اکڑے ہوئے اوپر کھڑے تھے اور وہ ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔ زمر ذرا سا مسکرائی۔ دروازہ ہولے سے بجایا۔

"تو تمہارا کوئی آفس بھی ہے؟"

گرہ کھینچ کر اوپر لے جاتے وہ خفگی سے پلٹا اور کالر درست کیے۔

"دو سال میں پہلی دفعہ چھٹی لی، وہ بھی صرف دو ہفتے کی اور باس سے چپڑاسی تک ہر بندہ گزرتے گزرتے طعنے دے جاتا ہے، آپ تو ایسے مت کریں۔"

"اوہ اور اتنی لمبی چھٹی کیوں لی؟"

سعدی چپ ہو گیا۔ (جج پہ آخری دنوں میں پریشر ڈالنا تھا، ماموں کو نکلوانا تھا، ہاشم بھائی کا لیپ ٹاپ ہیک کرنا تھا، جس کا موقع آپ کے توسط سے مل ہی گیا اور اب ان فائلز کو کھولنا ہے مگر چھٹی ختم) یہ سب صرف سوچا۔ جب بولا تو محض اتنا۔

"کچھ ریسرچ ورک کر رہا تھا، اسی کو مکمل کرنا تھا۔"

"چلو پھر ویک اینڈ پہ کچھ ملنے کا پلان کرتے ہیں۔"

"جی، آپ تو شادی میں نہیں آئیں گی نا؟" اس نے سرسری سا ذکر چھیڑا۔ وہ جو مڑنے لگی تھی، چونک گئی۔

"کس کی شادی؟"

"اب پورا رشتہ معلوم نہیں مگر، جس لڑکے کی شادی ہے وہ ہمارا بھی رشتہ دار ہے اور اس حماد کا بھی۔ حماد اور کرن اس لیے تو آئے ہوئے ہیں آسٹریلیا سے۔ وہ بھی ہوں گے شادی پہ اور کرن، کاردار خاندان کو بالخصوص بلوائے گی۔ وہ سب بھی ہوں گے۔ سو ادھر آپ حماد کا سامنا نہیں کر سکیں گی، مجھے پتا ہے۔ اس لیے آپ کا کارڈ ادھر آیا تو میں نے امی سے کہا کہ پھپھو کو نہ بھیجیں، وہ نہیں آئیں گی۔"

زمر کے لب بھنچے اور آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ سینے پہ بازو لپیٹ کر اسے تندی سے دیکھا۔ "اور تمہیں کیوں لگا کہ میں اس کا سامنا نہیں کر سکتی؟"

"آپ نہیں کر سکتیں تب ہی تو خاندان میں کسی تقریب پہ نہیں جاتیں۔ خیر، آپ نے نہیں جانا تو کوئی بات نہیں، میں سمجھ سکتا ہوں۔" بہت سمجھ داری سے اس نے کہا۔

"میں اس لیے نہیں جاتی کیوں کہ وقت نہیں ملتا اور....."

"ویک اینڈ پہ وقت ہو گا پھر؟" وہ تیزی سے بولا۔

زمر نے بے دھیانی سے "ہاں" کہا تو اس نے اسی تیزی سے پوچھا۔ "مطلب آپ چلیں گی؟"

"میں.... دیکھوں گی۔" وہ رک کر بولی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اسے اب چلنا تھا۔ وہ نکلی تو سعدی مکمل تیار ہو کر، نکھرا نکھرا سا باہر نکلا۔ لاؤنج میں بس بڑے ابا تھے، حنین سونے چلی گئی تھی۔ انہوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ تقریب پہ جانے کے لیے مان گئی؟"

"بالکل!" مسکرا کر کہتے اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور سامنے بیٹھا۔ بڑے ابا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم نے کیسے راضی کیا اسے؟ میں کہتا تو کبھی نہ مانتی۔"

"اب آپ کے پاس سعدی یوسف جیسا دماغ تھوڑی ہے۔" گھونٹ بھرتے وہ مسکرایا، پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز لگائی۔

"امی! آپ ناشتہ لاہور سے لا رہی ہیں یا کچن سے؟"

"کچن سے میں نے جوتا پھینکنا ہے تمہارے قد کا

لحاظ کیے بغیر۔" وہ ٹرے اٹھائے مصنوعی خفگی سے بولتی آرہی تھیں۔ سعدی نے افسوس سے دادا کو دیکھا۔

"کوئی مانے گا کہ یہ خاتون میرے پیچھے میرے بہن بھائی کو میری مثالیں دیتی ہیں؟"

"مجھے پتا ہے اچھے سے 'جلدی جلدی کا شور اس لیے مچاتے ہو تاکہ ناشتہ آدھا کرنا پڑے۔ اب اگر تم نے یہ ختم نہ کیا ناسعدی' تو مجھے امی نہ کہنا۔" وہ سامنے بیٹھتے ہوئے اس کی شکایت دادا سے لگا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بس سُن رہے تھے۔

سعدی نے حسب عادت تھوڑا سا کھایا' پھر ہاتھ صاف کرتا اٹھا اور بہت متانت سے ماں کو مخاطب کیا۔

"اچھا ندرت بہن! اللہ حافظ۔" اور اس سے پہلے کہ وہ واقعی اس کے قد کا لحاظ کیے بغیر ایک ہاتھ جڑ دیتیں' وہ باہر نکل چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

تو نے کیا کیا نہ اے زندگی دشت و در میں پھرایا مجھے
اب تو اپنے در و بام بھی جانتے ہیں پرایا مجھے

سارہ آفس کے لیے تیار' کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب گیٹ کی گھنٹی بجی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ گیٹ اونچا تھا۔ یہاں سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ باہر کون ہے۔ وہ چابی دروازے میں چھوڑ کر' بیگ کار کی چھت پہ رکھ کر گیٹ تک آئی' اور اسے کھولا۔ آدھا دروازہ کھلتے ہی ہاتھ ٹھٹک کر رکے۔

باہر فارس کھڑا تھا۔ ٹی شرٹ' جینز' چھوٹے کٹے بال' سنجیدہ گہری نظریں اور سپاٹ چہرہ۔ سارہ نے باقی کا دروازہ سست روی سے کھولا۔

"فارس؟" کوئی نادیدہ لٹ کان کے پیچھے اڑستی وہ ایک طرف ہٹی۔ چہرے پہ تذبذب سا در آیا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" سرسری سا سوال کیا' البتہ اس کو دیکھ گہری نظر سے رہا تھا۔ وہ "ہوں" میں سر ذرا سا ہلا کر مزید ایک جانب ہوئی۔

"میرا اتنی صبح آنا اچھا نہیں لگا' یا آنا ہی؟" اس کے ہیجان کے باعث وہ ذرا سرد سا بولا۔ سارہ کے چہرے پہ شرمندگی ابھری۔

"ایسا نہیں ہے' آؤ۔"

"بچیوں سے ملنے آیا تھا میں۔" وہ وہیں کھڑا رہا۔ سارہ بھی ادھر ہی کھڑی رہی' مگر اس سے نگاہ نہیں ملائی۔

"وہ اسکول کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔ بس ہم نکلنے ہی والے تھے۔" ساتھ ہی اس نے گھڑی دیکھی جیسے جلدی میں ہو۔

"یعنی کسی اور وقت آؤں؟" اس کے چہرے کے بدلتے رنگ بغور دیکھتے وہ خشک انداز میں کہہ رہا تھا۔ سارہ نے اضطراب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم آسکتے ہو' فارس۔"

"مگر۔۔۔ زیادہ نہیں' ہوں؟" وہ اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ "تو آپ کے خیال میں وارث کو میں نے قتل کیا تھا؟"

"ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں پھنسایا گیا تھا' یقیناً" "تمہارے دشمن بہت ہوں گے اور۔۔۔۔"

"اور میرا ادھر آنا آپ کے خاندان کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ آئندہ دور رہوں گا۔" سر ہلا کر وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے واقعی سمجھ گیا ہو۔ سارہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"فارس' آئی ایم سوری' مگر میں پہلے ہی بہت مشکل زندگی گزار رہی ہوں۔ میرے پاس میری بیٹیوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ ان کو کسی بھی خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ تم پلیز مجھے غلط مت لینا۔"

"کہانا' سمجھ گیا۔ اب مل لوں یا جاؤں؟"

"نہیں' آؤ پلیز۔" وہ اب کے واقعی پیچھے ہٹی اور اندر کی طرف بڑھی۔ وہ چند لمحے ضبط سے اسے آگے جاتے دیکھتا رہا' پھر سر جھٹک کر پیچھے ہو لیا۔

☆ ☆ ☆

ہر حقیقت فریب لگتی ہے
جب کوئی اعتبار کھو بیٹھے

اسٹڈی روم میں خاموشی پھیلی تھی۔ نوشیرواں بھی

اسی خاموشی کا حصہ بنا' لبوں پہ مٹھی رکھے' میز کے اس طرف بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہا تھا' جو بہت انہماک سے فائل کے صفحے کو پڑھ رہا تھا۔ اسے آج آفس دیر سے جانا تھا۔ اس لیے وہ رات والے لباس میں تھا۔

"تیسری دفعہ پوچھ رہا ہوں' سعدی کب آئے گا؟" وہ اب بے زار ہونے لگا تو مقدس خاموشی کو توڑا۔

"ہوں!" ہاشم نے صفحہ پلٹا' پھر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا اس کے انتظار میں تم تمام رات نہیں سوئے؟" اس نے شیرو کی ہلکی گلابی آنکھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ شیرو کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ رنگت ذرا پھیکی ہوئی۔

"سویا تھا' مگر بہت دیر سے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔ پھر بغور ہاشم کے تاثرات دیکھے۔ وہ پھر سے فائل میں مصروف ہو گیا تھا۔ لاکھ شاطر سہی' اتنی جلدی ہاشم کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ پھر سے ڈرگز پہ آگیا ہے۔

موبائل بجا' ہاشم نے انگلی سے بٹن دبایا اور "بولو" کہتے ہوئے فائل کا دوسرا صفحہ پلٹا۔ اس کے پاس اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ موبائل کان سے لگاتا۔ اس کی سیکرٹری کی آواز گونجی۔

"سر! میں نے سعدی یوسف کو کال کی تھی۔" وہ رک گئی۔ ہاشم نے پین سے اس صفحے میں کچھ انڈر لائن کیا۔

"حلیمہ! میں اگلے کتنے منٹ تمہارے بولنے کا انتظار کروں گا؟"

"سوری سر' انہوں نے کہا کہ وہ مصروف ہیں' ان کو اپنا شیڈول دیکھنا پڑے گا۔ آج تو ناممکن ہے' اگلے ہفتے میں ان کو دوبارہ کال کر کے پوچھوں' اگر....." وہ رکی مگر پھر جلدی سے بولی۔ "اگر ہاشم بھائی کو مجھ سے ملنے کا اتنا ہی شوق ہے تو۔"

"اوکے۔" ہاشم نے بٹن آف کیا اور صفحے پہ دو الفاظ کے گرد دائرہ لگایا۔ وکالت سارا الفاظ کا کھیل ہی تھا۔

شیرو کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"ایٹی ٹیوڈ دیکھا آپ نے اس کا؟ بدتمیز انسان..... خود کو سمجھتا کیا ہے؟"

ہاشم نے تھکاوٹ سے سر نفی میں ہلا کر شیرو کو دیکھا۔ "تم کب بین السطور باتیں پڑھنا سیکھو گے نوشیرواں؟"

وہ جو بپھرا ہوا' آگے ہو کر بیٹھا' کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا' حیرت سے رکا۔

"اس کی اس بات کا اور کیا مطلب۔"

"کیا تم سعدی کو نہیں جانتے؟ وہ بدتمیزی نہیں کر رہا' وہ مجھ سے ملاقات کو ٹال رہا ہے۔"

"مگر..... وہ کیوں ٹالے گا؟"

"جب اس کو کوئی مدفن ثبوت ملے گا تو وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے گا' صاف بات ہے' اس سے میری فائلز نہیں کھلیں۔ بغیر ثبوت کے' وہ میرا سامنا نہیں کرنا چاہے گا اور فائلز کو کھولنے کے لیے اسے وقت چاہیے۔"

"اور اگر اس نے فائلز کھول لیں؟"

"نہیں کھلیں گی۔" ہاشم نے اطمینان سے کہتے ہوئے وہ فائل اسٹینڈ پہ رکھے پلندے پہ ڈالی اور لیپ ٹاپ اپنے قریب کیا۔

"سعدی کبھی بھی کمپیوٹر کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ میرے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈرائیو کو وہ اپنی کسی ڈیوائس سے (Remotely access) ریموٹلی ایکسیز تو کر سکتا ہے' مگر فائلز پہ لگے تالے کھولنے کے لیے وہ ایسے پروگرامز استعمال کرے گا جو تالا توڑ نہیں سکتے' مگر اس میں باری باری ہزاروں چابیاں لگا کر دیکھتے ہیں کہ شاید کوئی چابی لگ جائے اور جب آدھے سفر میں بھی تالا نہیں کھلتا تو فرسٹریشن کا شکار شخص زور زور سے چابی گھماتا ہے اور اس کے بعد پتا ہے کیا ہوتا ہے شیرو؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "غلط چابی' تالے میں ٹوٹ جاتی ہے اور ٹوٹی چابی والا لاک پھر صحیح چابی سے کھلنے کے قابل بھی نہیں رہتا اور اگر تمہاری گلستان سعدی ختم ہو چکی ہے تو میں کام کر لوں؟"

شیرو ماتھے پہ بل لیے اٹھا' میز پہ دھرا اپنا موبائل بھی اٹھایا۔ ادھر اس نے اپنے موبائل کو دیکھا ادھر ہاشم نے

اس کی نگاہوں کو۔

پھر ہاشم نے سنجیدگی سے ہاتھ بڑھایا۔ "فون دو۔"

شیرو نے نا سمجھی سے فون اسے پکڑایا۔ ہاشم نے اسکرین کو چند دفعہ دبایا۔ "یہ سعدی کا نمبر ہے۔" اسکرین شیرو کو دکھائی' اور فون پھر اپنے سامنے کر لیا "اور یہ ہو گیا سعدی کا نمبر ڈیلیٹ۔" دوبارہ اسکرین لہرائی۔ نوشیرواں کا منہ کھل گیا۔

"بھائی.... مگر۔"

"تم میری اسٹڈی سے نکل کر اسے کال کرنے اور اس پہ غصہ کرنے کا سوچ رہے تھے نا' بالکل بھی انکار مت کرنا اور مجھے معلوم ہے تم اس کا نمبر کہیں سے دوبارہ بھی لے سکتے ہو' مگر میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر تم نے سعدی کو چھیڑ کر میرے لیے کوئی مصیبت کھڑی کی تو میں تمہارے ساتھ کتنی سختی سے پیش آ سکتا ہوں۔" اس کا فون اپنی دراز میں ڈالتے ہوئے وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ شیرو نے خفگی سے اسے دیکھا پھر اوکے کہہ کر مڑ گیا۔

"اور ناشتے کے لیے جاتے ہوئے **فیونا** سے کہہ دینا کہ آج کے سارے کھانے تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچائے کیونکہ آج کے دن تم گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔" وہ کوئی دوسری کتاب کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شیرو ہکا بکا سا پلٹا۔

"میں پچیس سال کا ہوں بھائی!" اس نے احتجاجاً" دبا دبا سا کہا۔

"اور میں **سینتیس** کا۔ کیا مجھے دوبارہ دہرانے کی ضرورت ہے کہ تم آج کے لیے (grounded) گراونڈڈ ہو؟" ابرو اٹھا کر ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالتے ہاشم نے پوچھا۔ شیرو کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"سوری بھائی' میں اسے اپروچ نہیں کروں گا۔"

"اور میں اس بات پہ کل صبح یقین کروں گا۔ **فیونا** سے کہو' میرا ناشتہ یہیں پہنچا دے' میں آفس دیر سے جاؤں گا۔"

شیرو نے منہ بنا کر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرا کر سر جھٹکا۔

"یہ کب بڑا ہو گا؟"

واپس کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے وہ لمحے بھر کو رکا' چہرہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسٹڈی کے ریکس' کتابیں' لیمپس۔ ایک عجیب سے **ناسٹلجیا** نے ہاشم کو اپنی گرفت لے لیا۔ کتاب پرے کر کے اس نے پیچھے ٹیک لگائی اور قلم ہاتھوں میں گھماتے' ان در و دیوار کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

پھر اس نے اپنا موبائل نکالا اور جیسے ریت میں دبا کوئی گم گشتہ صندوق ڈھونڈ رہا ہو' سعدی کا نمبر تلاش کیا۔ فون کان سے لگا کر وہ گھنٹی جاتے سنتا رہا۔

"جی ہاشم بھائی۔" وہ آج بھی اس کی کال **ریجیکٹ** نہیں کر سکتا تھا۔ ہاشم کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

"تم نے آنے سے انکار کیوں کر دیا؟" وہ دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ "آج آفس دوبارہ اسٹارٹ کیا ہے' تو ابھی نکلنا مشکل ہو گا۔"

"تم چاہو تو میں تمہارے آفس آ جاتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔

"آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟"

"کیونکہ مجھے لگتا ہے' تم بدل گئے ہو۔"

"وقت بدل گیا ہے۔" وہ محتاط سا بول رہا تھا۔ ہاشم نے دو انگلیوں سے آنکھیں مسلیں' ناک کی ہڈی کو چٹکی میں لیا۔ پھر گہری سانس لی۔

"وقت بھی وہی ہے' میں بھی وہی ہوں اور تم بھی.... شاید ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی آ گئی ہے۔ میں وہ دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔" اسے تو یقین تھا۔ ہاشم خاموش ہو گیا۔ چند لمحے اسٹڈی کی خاموشی ان دونوں کو بولنے پہ مجبور کرتی رہی' مگر دونوں چپ رہے۔

"سعدی! کیا ہم واپس جا سکتے ہیں؟ اچھے وقتوں میں واپس' جب ہمارے درمیان یہ ذومعنی باتیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ تم رات کے ایک بجے بھی میری ایک

کال پہ چلے آتے تھے۔ جب تم مجھے ہاشم بھائی کہا کرتے تھے تو دل سے کہتے تھے۔ کیا کوئی راستہ بچا ہے سعدی؟"

"شاید نہیں۔"

ہاشم نے موبائل بند کر کے میز پہ ڈال دیا۔ اسٹڈی کے در و دیوار پھر سے بولنے لگے' اس کی سماعتوں میں اچھے وقتوں کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ بمشکل ان سب کو ذہن سے جھٹکتا' ہاشم سیدھا ہوا اور کتاب پھر سے کھول لی۔

دوسری طرف' اپنے آفس میں' لیپ ٹاپ کے سامنے' سوچ میں گم بیٹھا سعدی ابھی تک موبائل کو تک رہا تھا' پھر وہ بھی ہر چیز کو ذہن سے جھٹکتا' سیدھا ہوا اور لیپ ٹاپ قریب کیا۔ گردن ذرا اونچی کر کے آگے پیچھے کا جائزہ بھی لے لیا اور پھر اپنا پروگرام دیکھا جو ابھی تک چل رہا تھا۔ ناکامی در ناکامی۔ اسے شدید فرسٹریشن ہوئی۔ مضطرب سے انداز میں چند ایک کیز دبائیں' پروگرام سے ایک ساتھ دو' تین کام کروانے کی کوشش کی اور..... اور..... اسکرین پہ جلتا بجھتا نشان جگمگانے لگا۔ اس نے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی اور..... پروگرام کرپٹ ہو گیا۔

پارٹی کی ساری محنت ضائع چلی گئی۔ چابی' لاک میں ٹوٹ گئی تھی۔ سب برباد ہو گیا۔

فائلز ڈیمج ہو چکی تھیں اور اب کوئی بھی چیز ان کو ری کور نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ واقعی کمپیوٹرز کے ساتھ اچھا نہ تھا اور وہ بغیر ثبوت کے کسی سے مدد بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔

اب وہ کیا کرے؟ اس نے سر اٹھا کر اپنے آفس کو اجنبی نظروں سے پھیکی پڑتی رنگت کے ساتھ دیکھا۔ دوبارہ سے ہاشم کا کمپیوٹر..... ؟ ناممکن اب تو ہاشم اس کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔

"اور ایک وقت تھا جب....." جب اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اچھے وقتوں کی ساری کہانیاں فضا میں آج بھی ان مٹ روشنائی سے لکھی تھیں۔

☆ ☆ ☆

سات سال پہلے

عشرت رفتہ کو آواز دیا کرتی ہیں
ہر نئے لمحے کی دہلیز پہ جا کر یا دیں

کانٹریکٹ لاء کی کلاس میں مخصوص خاموشی تھی۔ باہر اترتی شام کی سرسراہٹوں میں اندر کاغذ پہ قلم گھسٹنے کی آواز مدغم ہو رہی تھی۔ تمام طلبا غور سے سنتے یا سننے کی اداکاری کرتے' لیکچرر کی جانب متوجہ تھے' جو لیکچر کا اختتام کرتے ہوئے حسب عادت کہہ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے میری اتنی لمبی تقریر آپ میں سے بہت سوں کی سمجھ میں آ گئی ہو گی اور اگر میرا خیال درست ہے تو چند ایک کی سمجھ میں نہیں بھی آئی ہو گی' اس لیے وہ چند ایک ابھی یا امتحانات سے قبل میرے پاس فارغ وقت میں آ کر اپنی کنفیوژن کلیئر کر لیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اپنے رزلٹ کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری صرف آپ کے کندھوں پہ ہو گی' رائٹ؟"

نرمی سے مسکرا کر کہتی زمر یوسف کی آنکھیں پوری کلاس پہ مرکوز تھیں۔ اور اس نرمی میں بھی رعب پنہاں تھا۔ آدھے کیچر میں بندھے گھنگھریالے بال' شفاف جلد' ناک میں سونے کی بالی کی طرح نتھ اور ہاں' ابھی آنکھوں کے گرد ایک دو جھریاں بھی نہیں پڑی تھیں۔

چند ایک طلبہ و طالبات نے ہاتھ بلند کیے' کنفیوژن کلیئر کی' وہ تحمل سے جواب دیتی رہی اور ایسا کرتے ہوئے اس کی نگاہ ہال کے ایک ایک چہرے سے گزرتی اس اجنبی شناسا کے چہرے پہ ٹھہر سی گئی۔ لبوں پہ مبہم سی مسکراہٹ والا وہ شخص اس ایوننگ کلاس میں چار روز سے آ رہا تھا اور ہر دفعہ اسے دیکھ کر لاشعور میں کوئی احساس جاگزیں ہوتا' جیسے وہ اسے کہیں دیکھ چکی ہے' مگر وہ شعور اس چہرے کو کسی نام کے ساتھ فٹ نہیں کر پا رہا تھا' سو وہ نظر انداز کر کے کلاس برخاست کرنے لگی۔ اسٹوڈنٹس یکے بعد دیگرے اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ زمر نے میز سے اپنی چیزیں

کمیٹیں۔ ان کو ترتیب سے بیگ کے مختلف خانوں میں رکھا۔ نفاست سے فائل اور کتابیں جوڑیں۔ بیگ کندھے سے لٹکایا اور سر اٹھایا تو وہ شخص سامنے کھڑا تھا۔

"کہیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" وہ سر جھکا کر بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی۔ میز کی چمکتی سطح میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ لمبا' چوڑا کافی اسمارٹ' اٹھائیس انتیس سال کے لگ بھگ' ہلکی آنکھوں اور چھوٹے کٹے بالوں والا وہ شخص....

"میں کردوں آپ کی مدد؟" اس نے نرمی سے کہا مگر لاپروائی کا عنصر غالب تھا۔ زمر نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا۔

"سوری؟"

"میں مائیگریٹ ہو کر ادھر آیا ہوں۔" انگلی سے کان کی لو مسلتا وہ ادھر ادھر دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز غصہ نہیں دلاتا تھا' ورنہ کوئی ایسے بات کرتا تو شاید اس کے سر پہ لگ جاتی۔

"تو؟"

"تو چار دن سے آپ مجھے دیکھ کر ذرا...." (ہاتھ سے اشارہ کیا) ذرا کنفیوزڈ ہیں' یو نو dejavii فیلنگ"

زمر نے بمشکل تعجب چھپایا۔ "آئی ایم سوری' مجھے یاد نہیں اگر ہم پہلے مل چکے ہیں۔ ابھی تک میرے رجسٹر میں آپ کا نام بھی نہیں پہنچا۔"

"شاید کئی سال پہلے' اب تو یاد بھی نہیں...." پھر ذرا سے شانے اچکائے۔ زمر بھنویں سکوڑے اس کو دیکھتی رہی' تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"میں فارس غازی ہوں' سعدی کا ماموں!"

زمر کے بھنچے ابرو ڈھیلے پڑے' لب "اوہ" میں سکڑے' چہرے پہ پہلے حیرت اور پھر شرمندگی ابھری۔

"اوہ.... آئی ایم سوری.... میں نے واقعی نہیں پہچانا۔ میں شاید آپ سے ملی بھی نہیں کبھی' مگر آپ کو کیسے پتا میں سعدی کی....؟"

"سمپل!" اس نے کندھے جھٹکے۔ "سعدی نے بتایا تھا کہ آپ شام میں ادھر پڑھاتی ہیں اور صبح سعود رانا کے چیمبر میں ہوتی ہیں۔"

"اوہ.... مگر اس نے مجھے نہیں بتایا' میرا مطلب ہے' آپ سعدی کے وہی ماموں ہیں نا جو...." وہ گڑبڑا کر رکی۔

"جی' وہی جو سوتیلا ہے۔" وہ پھر ذرا سا مسکرایا۔ زمر کے رخسار گلابی ہوئے۔

"نہیں' میرا مطلب تھا' وہ جو آئی بی (انٹیلی جنس) میں ہوتے ہیں اور کہیں سندھ وغیرہ میں پوسٹڈ تھے۔ کیونکہ سعدی کے نیب والے ماموں سے تو اکثر ملاقات ہو جاتی ہے۔"

"جی' میں کئی سال سے ادھر تھا' اسی ہفتے آیا ہوں۔"

کلاس قریباً" خالی ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ راہداری میں ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر زمر نے اس کی طرف رخ کرتے پوچھا۔

"تو آپ میری کلاس میں کیسے؟ ڈونٹ ٹیل می ہماری کلاس میں آپ کسی کی جاسوسی واسوسی کرنے آئے ہیں۔"

اس بات پہ فارس ہنس پڑا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"میں جاسوس نہیں ہوں' جاسوسوں کا ڈیپارٹمنٹ الگ ہوتا ہے۔ میں یوں ہوں جیسے پولیس آفیسرز ہوتے ہیں' ہم مختلف کیسز پہ کام کرتے ہیں۔ ہاں ادھر پڑھنے آیا ہوں میں۔" وہ گردن ذرا جھکا کر' عادتا" ناخن سے کان رگڑتا کہہ رہا تھا۔ ساتھ میں شاید وہ چیونگم بھی چبا رہا تھا۔

"تو کیا نوکری چھوڑ دی؟"

"نوکری کے لیے تو پڑھ رہا ہوں۔ پہلے زیادہ پڑھ وڑھ نہیں سکا تھا۔ چھوٹی پوسٹ پہ بھرتی ہوا تھا' اب ترقی تو ملتی رہی ہے' مگر لاء کی ڈگری ہمارے لیے بہت اچھی ہوتی ہے' ترقی کے چانسز بڑھتے ہیں۔" پھر رک کر زمر کا چہرہ جیسے جانچا۔ "کیا آپ کے والد نے نہیں بتایا کہ کس طرح وہ نوکری اور نوکری سے پہلے میری مدد کرتے رہے تھے؟"

"آ..... نہیں بالکل نہیں' میرے ارد گرد کے لوگوں کو خاموش تحفوں کی عادت ہے شاید۔" زمر نے مسکرا کر گہری سانس لی۔

"برے وقتوں میں انہوں نے قرض دیا مجھے' احسان تھا ان کا۔"

"ان فیکٹ' مجھے یاد آرہا ہے' سعدی کے سوتیلے سوری چھوٹے ماموں' آپ کی امی تو کافی ویل آف سی تھیں' مجھے باقی آپ کا فیملی ٹری بالکل یاد نہیں یہ بھی ندرت بھابھی نے شاید کبھی ذکر کیا تھا۔"

"جی' اورنگ زیب کاردار..... میرے ماموں وہ ویل آف ہیں' میری امی نہیں۔ کچھ نہیں چھوڑا میرے لیے' سوائے نصیحتوں کے۔" پھر سے بے نیازی سے شانے اچکا کر ہنسا۔ زمر بھی ساتھ ہی ہنس دی۔ پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"اوکے فارس' اچھا لگا آپ سے مل کر۔ آپ کو پڑھائی یا یونیورسٹی میں کسی بھی قسم کی مدد چاہیے ہو تو آپ مجھے ہمیشہ اپروچ کر سکتے ہیں۔ اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔" وہ اب رخصت چاہ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی فارس نے عجلت میں پکارا۔

"کیا آپ ہاشم کی شادی میں آئیں گی؟" زمر جاتے جاتے واپس ہوئی' ناسمجھی سے ابرو اٹھائے۔ "سوری' کون ہاشم؟"

"اوہ کیا ندرت آپا نے نہیں بتایا؟ میرا کزن ہاشم' اس کی اگلے ہفتے شادی ہے' انہوں نے سعدی لوگوں کی پوری فیملی کو بلایا ہے' آپ سمیت۔"

زمر نے چند لمحے سوچا' پھر کندھے اچکا دیے۔

"میں بالکل بھی نہیں جانتی آپ کے کزن کو' لیکن اگر وہ بلائیں گے تو دیکھیں گے۔"

فارس نے سرہلا کر گویا جانے کی اجازت دے دی۔ وہ ایک الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ مڑ گئی۔

فارس وہاں کھڑا تب تک اسے دیکھتا رہا' جب تک وہ راہداری کے دوسرے سرے پہ گم نہ ہو گئی۔ پھر ایک دم چونکا اور خفیف سا ہو کر سر جھٹکا۔

"وہ خوب صورت تو نہیں تھی پھر بھی اچھی کیوں لگ رہی تھی؟ سعدی کی پھوپھو تھی' اس لیے شاید۔" وہ خود کو مطمئن کر کے غیر مطمئن کرتا' وہاں سے پلٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

خدا ہے محبت' محبت خدا ہے

مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں باتوں کا شور' ٹی وی کی آواز اور رات کے کھانے کی مہک ہر سو پھیلی تھی' لاؤنج کے تھری سیٹر صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی زمر' دوسرے سرے پہ موجود ندرت سے کہہ رہی تھی۔

"آپ مجھے بتا ہی دیتیں کہ آپ کا بھائی آرہا ہے' میں مائیگریشن اور دوسرے کاغذی معاملات میں اس کی مدد ہی کر دیتی۔ بہت مشکل ہوئی ہو گی اسے تو۔"

"بس اس کی اچانک پوسٹنگ ہوئی' ادھر آیا اور گھر کھولا' وہیں اپنے اورنگ زیب ماموں کی انیکسی میں رہتا ہے' وہ اس کی ماں کے حصے میں تھی نا۔"

"آپ ذکر ہی کر دیتیں اور تم تو ادھر آؤ ذرا' میرا سارا بائیو ڈیٹا اپنے ماموں کو دے دیا اور مجھے آگاہ بھی نہیں کیا۔ کتنی شرمندگی ہوتی مجھے اگر میں اس کو ڈانٹ دیتی۔" کمرے سے نکلتے سعدی کو خفگی سے پکارا۔ وہ سیب کھا رہا تھا' کھاتے کھاتے کندھے ذرا سے اچکائے اور مسکراتا ہوا سامنے کشن پر آبیٹھا۔

"سوری' میں بھول گیا۔"

"اور ہاں' اس نے کسی کزن کی شادی کا بھی ذکر کیا تھا۔" زمر نے یاد کرتے ہوئے ندرت کو دیکھا۔ انہوں نے سرہلایا۔ "ہاں ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔"

"کون ہاشم؟" سعدی نے سیب پہ دانت گاڑتے رک کر پوچھا۔

"فارس کے ماموں کا بڑا بیٹا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے میں نے بھی عرصہ پہلے دیکھا تھا۔ اصل میں زمر' فارس ادھر ہوتا جو نہیں تھا' تو اس سے جڑے بہت سے لوگوں سے بچوں کا تعارف نہیں ہے۔ خیر اب وہ آگیا ہے تو اس کی وجہ سے وہ ہمیں بھی بلائیں گے۔"

ندرت بات کرتے ہوئے مسلسل چھ سالہ سیم کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اس کو میز کی چیزیں اٹھانے سے روک رہی تھیں۔ اور وہ عادتاً" ہر شے اٹھا کر پھینکنا چاہتا تھا۔

"اس پہ نظر رکھو' میں ذرا روٹی اتار لوں۔ کھانا کھا کر جانا زمر!" سعدی اور اسے ایک ساتھ مخاطب کرتے وہ اٹھیں تو زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"اوہو۔ امی منتظر ہوں گی' دیر ہو جائے گی۔ ویسے پکا کیا ہے؟"

"مٹر قیمہ۔" ندرت بھی مسکرائیں اور سعدی بھی۔

"اب پڑ گئیں نا پھوپھو سوچ میں۔"

"سوچنے والی بات ہی نہیں ہے۔ مجھے جلدی جانا ہے تو یہاں کھا نہیں سکتی مگر پیک تو کروا سکتی ہوں۔"

ندرت مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں تو وہ سعدی کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اسکالرشپ کے لیے ناموں کا اعلان ہو گیا؟"

"اونہوں۔ مگر اسی ہفتے ہونا ہے۔" پھر وہ ذرا مایوس ہوا۔ "مجھے نہیں لگتا مجھے اسکالرشپ ملے گا۔ میں تو نارمل سا اسٹوڈنٹ ہوں' مجھ سے بہتر امیدوار ہوں گے وہاں۔"

"مگر مجھے یقین ہے کہ تمہیں اسکالرشپ مل جائے گا۔"

سعدی کا چہرہ امید سے چمکا۔ "اچھا' آپ کو کیسے یقین ہے؟"

"یہ یقین ہے' ریاضی کا سوال نہیں جو اس کی کوئی لاجک بھی ہو۔ بس ہے تو ہے۔" اس نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"چلیں سب نام لکھوائیں' ہم پارٹی کر رہے ہیں۔"

اندر سے تیرہ سالہ حنین بولتی ہوئی آئی۔ اس کے ماتھے پہ کٹے ہوئے بال گرے تھے' ناک پہ چشمہ تھا اور لبوں پہ شرمگیں مسکراہٹ' جو صرف زمر کو دیکھ کر آتی تھی۔ زمر بھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔ حنین نے ایک فہرست سامنے رکھی اور ہاتھ میں پین پکڑے' بہت سمجھ داری سے اعلان کیا۔

"سوموار کی شام ہم پارٹی کریں گے۔ میں دہی بھلے لاؤں گی اور سیم' تم برگرز لاؤ گے۔" تحکم سے سیم سے کہا۔ وہ جلدی جلدی سر اثبات میں ہلانے لگا۔ (سیم کی چیز ہمیشہ امی لاتی تھیں)

"اور پھوپھو' آپ؟" زمر کو دیکھ کر پوچھتے اس کی آنکھوں میں وہی شرمگیں مسکان پھر سے جھلملانے لگی۔

"میں لزانیہ لاؤں گی۔"

"اور امی آپ؟" حنین نے زور سے آواز دی۔ کچن سے آواز واپس آئی "میں فروٹ چاٹ لاؤں گی۔"

اب سب نے سوالیہ نظروں سے سعدی کو دیکھا تو وہ ایک گال کھجاتا ہوا بولا۔ "میں برتن لاؤں گا۔"

حنین کی بھنویں ناراضی سے بھنچیں فوراً" پھپھو کو پکارا۔ "پھپھو' بھائی کو کہیں کہ یہ سموسے لائیں گے۔"

"اتنا کچھ تو ہے' پہلے تم وہ تو کھاؤ' کٹو۔"

"کوئی بہانہ نہیں سعدی' تم سموسے لاؤ گے۔" زمر نے مسکراہٹ دبا کر اسے تنبیہہ کی' وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کر سر جھٹک کر رہ گیا۔ حنین کے ناراض تاثرات نارمل ہوئے' اس نے بڑے جوش سے سعدی کا نام لسٹ میں لکھ لیا۔ پھر باری باری سب سے سائن کروائے۔ تب ہی امی نے پکارا تو وہ پھپھو کا باکس لینے کچن میں بھاگی۔ زمر نے پانی مانگا تو سعدی بھی پیچھے ہی گیا۔

زمر نے پرس سے سن گلاسز نکالے اور آہستہ سے صوفے کے نیچے کارپٹ پہ رکھ دیے' پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ندرت ڈبا لے آئیں تو وہ سب اسے چھوڑنے دروازے تک آئے۔ حنین فوراً" واپس آ کر لاؤنج کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی۔ زمر اور سعدی کار کے پاس کھڑے تھے' زمر اندر بیٹھنے لگی' پھر کسی احساس کے تحت بیگ کھولا' ادھر ادھر دیکھا۔

حنین چونکی 'پھر فوراً" صوفے تک آئی چیزیں ادھر ادھر کیں 'اوپر نیچے دیکھا۔ گلاسز نیچے گرے پڑے تھے۔

"اوہ پھپھو پھر کچھ بھول گئیں۔" فاتحانہ خوشی سے کہتی 'وہ عینک اٹھا کر دروازے کی طرف بھاگی۔ زمر واپس آرہی تھی۔ ادھر اس نے دروازہ کھولا 'ادھر حنین نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ گلاسز والا ہاتھ بڑھایا۔

"میں شاید اپنے گلا.... اوہ..." زمر کا سوال مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ حنین کو دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے عینک پکڑی 'اور ہولے سے حنہ کا گال تھپتھپایا۔

"میری زندگی میں ہونے کے لیے شکریہ حنہ۔"

اب کے وہ گئی تو حنین واپس صوفے پہ آبیٹھی۔ اسے دوبارہ کھڑکی میں نہیں کھڑے ہونا تھا۔ کیونکہ زمر بھول صرف ایک دفعہ کرتی تھی۔ حنین امید صرف ایک دفعہ لگاتی تھی۔

اس نے میز سے لسٹ اٹھائی تو فوراً" سے مسکراہٹ اڑنچھو ہوئی۔ وہاں سعدی کے نام کے آگے لکھا سموسے کاٹ کر برتن لکھا تھا۔ اور بھائی خود غائب تھا۔ حنین نے غصے سے چلانے کے لیے منہ کھولا 'مگر پھر خود ہی ہنس پڑی اور برتن کو دوبارہ سموسے کرکے لاؤنج کے کونے میں رکھی کمپیوٹر ٹیبل پہ آگئی۔ ادھر اس نے کمپیوٹر آن کیا 'ادھر سیم ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھا۔ وہ گیم کھیلے گی تو وہ دیکھے گا 'یہی دستور تھا 'یہی معمول تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈائننگ ٹیبل پہ کریلے گوشت کے قریب مٹر قیمہ بھی ایک چھوٹے ڈونگے میں رکھا تھا اور فرحانہ بیگم اس میں سے چمچ سے سالن نکالتی کہہ رہی تھیں۔

"مرچیں ندرت ہمیشہ تیز ڈالتی ہے 'اب اگر تمہیں دینا ہی تھا تو وہ سالن دیتی جس میں مسالہ کم ہو 'مگر نہ جی۔" سربراہی کرسی پہ براجمان۔

بڑے ابا روٹی کا نوالہ توڑ رہے تھے 'اور دائیں ہاتھ بیٹھی زمر پانی کا گھونٹ بھر رہی تھی 'دونوں نے نہیں سنا۔

"اصل میں پتا ہوتا ہے نا اس کو کہ ہم دونوں بوڑھوں نے بھی کھانا ہے اور مرچیں ہمیں کتنا نقصان کریں گی۔" اب کی بار یوسف خان نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

"بوڑھوں کی فہرست آپ خود تک محدود رکھیے بیگم 'میں ابھی اس میں شامل نہیں ہوا ہوں۔"

زمر نے مسکراتے ہوئے منہ میں موجود لقمہ چبایا اور پھر ان کو متوجہ کیا۔

"پتا ہے 'آج کل میری کلاس میں کون آرہا ہے؟"

کہہ کر اس نے دوسرا لقمہ منہ میں رکھا اور لب بند کیے بہت نفاست سے اسے چباتی رہی اور وہ دونوں اس کو دیکھتے رہے۔ جب نگل چکی تو بولی۔

"فارس غازی.... ندرت بھابھی کا سوتیلا بھائی جو انٹیلی جینس میں ہوتا ہے۔"

فرحانہ حیران ہوئیں 'پھر مشکوک۔

"تمہاری کلاس میں وہ کیا کر رہا ہے؟"

"ہاں زمر 'اس نے مجھے بتایا تھا کہ ایل ایل بی کر رہا ہے 'اس سے اس کو ترقی کے چانسز زیادہ ملیں گے۔ یہ لڑکے بھی نا 'پڑھائی سے بھاگنے کے لیے فورسز میں جاتے ہیں اور پھر وہاں پڑھتے بھی ہیں اور بھاگتے بھی ہیں۔"

"کیا ندرت نے ذکر کیا تھا پہلے؟" ان کو نظر انداز کیے فرحانہ تیزی سے بولیں۔

"کیا ہوتا تو میں تبادلے میں اس کی مدد ہی کروا دیتی۔" وہ سلاد کی پلیٹ اٹھا کر کانٹے سے کچھ کھیرے اپنی پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

"اب تم زیادہ اچھی نہ بننا کہ اس کے سوتیلے بھائی کو فیور دینے لگ جاؤ۔"

زمر نے گلاس سے گھونٹ بھرا 'گیلے لب نیپکن سے تھپتھپائے اور سر اٹھا کر امی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"امی! ایک چیز ابھی سے کلیئر کر لیتے ہیں۔

یونیورسٹی مجھے ایوننگ کلاسز لینے کا ایک معقول معاوضہ دیتی ہے اور اس معاوضے کو حلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میں یونیورسٹی کے ساتھ کیے گئے اپنے معاہدے کو پورا کروں جس کے تحت میں ہر اسٹوڈنٹ کی غیر مشروط مدد کرنے کی پابند ہوں۔ اور اس لیے میں ذاتی تعصب کی بنا پہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتی ہوں اور نہ ہی ذاتی تعلق کی بنا پہ غیر ضروری فائدہ دے سکتی ہوں۔ پھر چاہے بھابھی کا بھائی ہو' یا سلیم درزی کا بیٹا' جو بھی میرے پاس مسئلہ لے کر آئے گا' مجھے اسے حل کرنا ہوگا۔"

بہت نرمی اور رسان سے اس نے کہا مگر عام حالات میں شگفتہ رہنے والی فرحانہ' ندرت کے ذکر پہ خفا سی ہو کر برتن اٹھانے لگیں۔

"ہاں ہاں' میں تو کہہ کر پھنس جاتی ہوں۔"

"پھنس تو آپ اچھا کھانا بنا کر بھی جاتی ہیں' کیونکہ ہم ٹیچرز شاید اگلے ماہ ون ڈش رکھیں تو اس میں بھی مجھے ایسا ہی کریلے گوشت بنا کر دیجیے گا' کیونکہ ماؤں کے ہاتھ کے کریلے کبھی کڑوے نہیں ہوتے۔"

"ہاں تو برا کھانا بنایا ہے میں نے کبھی؟" اب کے ناراضی مصنوعی تھی۔ وہ برتن لے کر کچن میں چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی یوسف صاحب فوراً" زمر کی طرف مڑے۔

"فارس کا ہر طرح سے خیال رکھنا' کوئی بھی ضرورت ہو تو اس کی مدد ضرور کرنا۔"

"جیسا کہ میں نے ابھی کہا' بلا ضرورت کوئی فائدہ دوں گی نہ بے وجہ کوئی نقصان۔" وہ کندھا اچکا کر ٹوتھ پک نکال رہی تھی۔

"ویسے آپ کا ذکر کر رہا تھا وہ۔" سرسری سا کہا۔ بڑے ابا چونکے' کچن کو دیکھا' پھر اس کو۔

"اچھے لوگوں کی اچھی عادتوں میں سے ایک دوسروں کو اچھے لفظوں میں یاد رکھنا بھی ہوتی ہے۔"

"آپ یہ کہنے کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں کہ آپ نے بھی اس کی کوئی مدد نہیں کی؟"

"تم سے کس نے کہا ہے؟"

"جب آخری دفعہ میں نے چیک کیا تھا تو میرے اوپر وحی تو اترتی نہیں تھی۔" وہ بہت اطمینان سے نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ "پھر کیا مدد کی تھی آپ نے ان کی؟"

"تم..." تلملا کر پھر سے کچن کو دیکھا۔ "تم میرے گھر کا ماحول خراب کرنے پہ تلی ہو۔"

"اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں یہی سوال تھوڑی دیر بعد گرما گرم چائے کے ساتھ دہرا دوں گی۔" اب وہ ہتھیلی پہ چہرہ ٹکائے' مسکرا کر ان کو دیکھ رہی تھی۔

"اتنا بھی نہیں کیا کچھ خاص' جتنا وہ یاد رکھتا ہے۔ وہ زیادہ پڑھ نہیں سکا تھا' ماں نے تھوڑا بہت روپیہ پیسا چھوڑا' اس سے چھوٹی عمر میں کاروبار کرنے کی کوشش کی تو سب ڈوب گیا۔ اوپر سے قرضہ بھی چڑھ گیا۔ اس کے ماموں کافی امیر آدمی ہیں مگر ان سے مانگتے اس کی ناک آڑے آتی تھی' اس لیے میں نے اس کی مدد کی تھی قرضہ اتارنے میں اور پھر ایجنسی میں نوکری کے لیے بھی تھوڑی بہت کوشش کی' حالانکہ وہ میرٹ پہ سلیکٹ ہوا مگر اس کو بھی میرے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ اب تو سارا قرضہ لوٹا بھی چکا ہے' پھر بھی بھولتا نہیں ہے۔"

"تو اچھی بات ہے نا۔ زندگی بن گئی اس کی' اس لیے یاد رکھتا ہے۔"

وہ کہنیاں میز پہ ٹکائے' اب پھر سے پانی پی رہی تھی۔ بڑے ابا نیپکن ہٹا کر اٹھے اور کونے میں لگے سنک کے اوپر کھڑے ہاتھ دھونے لگے۔ زمر گھونٹ گھونٹ پانی پیتی مسکرا کر اپنے ابا کو دیکھتی رہی' جو واقعی ابھی بوڑھوں اور معذوروں کی فہرست میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

دروازہ زور زور سے بجا۔ ایک ' دو ' تین۔ سعدی نے "آ رہا ہوں" کہتے راہداری پار کی۔ دوبارہ دستک ہوئی۔ بیل بھی بجی۔ اوہو اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے فارس کھڑا تھا۔

"یار ماموں! میں کھول ہی رہا تھا' آپ...." گڑبڑا کر وہ چپ ہوا۔ فارس نے آنکھ سے اشارہ کیا اور پیچھے مڑ کر کہا۔

"آیئے ماموں!" سعدی کے لب کھُل گئے۔ مطلب ' ماموں کے ماموں؟ وہ دیکھے بغیر اندر بھاگا۔ امی کچن میں شام کی چائے کو دم لگا رہی تھیں۔ وہ ان کے سر پہ جا پہنچا۔

"امی.... ماموں کے.... ماموں آئے ہیں۔ مطلب ' افوہ۔"

"کیا؟" پہلے تو امی کو سمجھ نہیں آیا اور جب آیا تو جلدی سے باہر آئیں۔ فارس راہداری سے ہوتا ہوا ان کو لا رہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس ' باریک تراشیدہ سفید ' سرمئی مونچھوں والے ' کافی بارعب ' مگر ہینڈسم آدمی تھے۔ آنکھوں میں ایک سخت سا تاثر تھا ' گردن میں سریا۔ امی کے سلام کا سر کے خم سے جواب دیا۔ تنے ابرو کے ساتھ کرّوفر سے بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھے۔

"بہت اچھا لگا کہ آپ آئے۔" امی اپنی ابتدائی بوکھلاہٹ پہ قابو پاتی ' کہتے ہوئے صوفے کے کشن برابر کر رہی تھیں۔ شکر کہ لاؤنج صاف پڑا تھا۔ پھر بھی نظر گھما کر دیکھا اور جب فارس پہ نگاہ ٹھہری تو ندرت نے "بتایا کیوں نہیں؟" والے انداز میں اسے گھورا ' مگر وہ ذرا سے شانے اچکا کر سنگل صوفے پہ جا بیٹھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے ' سعدی!" امی سامنے کھڑی ' تعارف کروانے لگیں۔ سعدی نے مسکرا کر سلام کیا ' انہوں نے بنا مسکرائے مگر شائستگی سے جواب دیا۔ وہ کشن لے کر کارپٹ پہ بیٹھ گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کمپیوٹر ٹیبل پہ بیٹھی حنین مسلسل کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ ندرت نے بظاہر مسکراتے ہوئے مگر گھور کر کہا۔

"حنہ ' سلام کرو۔" تو وہ ذرا سی مڑی ' سلام کیا اور واپس۔ اورنگزیب کاردار نے تو شاید سنا ہی نہیں۔ پر تکلف سے بیٹھے تھے۔ "آپ کو عزت بخشی ہے" والا انداز۔

راہداری کا دروازہ پھر بجا ' دھیما سا جیسے کسی نے انگلی کی پشت سے ناک کیا ہو۔ سعدی فوراً اٹھا تو کاردار صاحب بولے۔

"میرا بیٹا ہو گا ' کال سننے رک گیا تھا۔" سعدی راہداری میں آیا تو وہ ادھر کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس نے ٹائی اور ویسٹ بھی پہن رکھی تھی ' بس کوٹ نہیں تھا۔ ٹائی پن ' کف لنکس ' جوتے ' ہر شے اپنی قیمت آپ بتاتی تھی اور اس سے زیادہ بیش قیمت اس کی مسکراہٹ تھی۔

"میں ہاشم ہوں ' ہاشم کاردار۔ میرے ڈیڈ غالباً اندر ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اپنائیت سے بولا تھا۔ سعدی جلدی سے اس تک آیا۔

"جی ' وہ اندر ہیں۔ میں سعدی یوسف ہوں۔" اس نے بھی مسکرا کر بتایا ' اندر آنے کا راستہ دیا۔

ہاشم ندرت سے بھی اسی مسکراہٹ کے ساتھ ملا۔ پھر اپنے باپ کے ساتھ صوفے کے دوسرے سرے پہ جا بیٹھا۔ سعدی کو محسوس ہوا کہ وہ ہمیشہ اپنی گہری آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے مسکراتے رہنے کا عادی تھا۔ جو بھی تھا ' وہ اسے اچھا لگا تھا۔

"ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔ ولیمہ کا کارڈ مل گیا آپ کو؟" اسی سنجیدگی سے اورنگ زیب کاردار نے ندرت کو مخاطب کیا۔ وہ سامنے سنگل صوفے پہ ٹکی تھیں ' سر ہلانے لگیں۔

"جی ' جی ہم ضرور آئیں گے۔" (حالانکہ اس سے پہلے آنے کا ارادہ نہ تھا۔)

"ہاشم اور میں آفس سے نکلے تھے تو فارس مل گیا ' " ہاتھ سے ذرا سا اشارہ کیا اس کی طرف جو بے نیاز سا دوسرے سنگل صوفے پہ بیٹھا ' موبائل پہ کچھ کر رہا تھا "تو سوچا ' اس کے رشتے داروں کو ذاتی طور پر مدعو کر دیں۔ باقی آپ کے دوسرے رشتے دار....." نظر بھر کر

ہاشم کو دیکھا "وہ سب ہاشم سنبھال لے گا۔" ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب اورنگزیب کاردار کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھتے خاموش بیٹھے تھے۔۔ بہرحال' ان کی مہربانی تھی کہ وہ چلے آئے' ورنہ مزاج کے تو وہ اسی طرح سخت اور غصہ ور مشہور تھے۔ ندرت نے سوچا۔

خاموشی کا وقفہ ذرا بڑھا تو ہاشم نے دوستانہ انداز میں کارپٹ پہ کشن کے سہارے بیٹھے اٹھارہ سالہ سعدی کو مخاطب کیا۔

"کیا پڑھ رہے ہو تم؟"

"یونیورسٹی آف لیڈز میں کیمیکل انجینئرنگ کے لیے اپلائی کیا ہے' مگر ابھی اسکالرشپ کا حتمی فیصلہ نہیں آیا۔"

"تو کتنی امید ہے کہ انجینئر بن جاؤ گے؟"

سعدی ذرا جھینپ کر ہنسا۔ "میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"پھر بھی' گھر میں ایک بچہ ایسا ہوتا ہے جس کے بارے میں ماں باپ کو بچپن سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ سب سنبھال سکتا ہے (مسکرا کر باپ کو دیکھا اور ندرت کی طرف متوجہ ہوا) وہ جو ضرور کسی قابل بن جائے گا' تو آپ کے بچوں میں سے ایسا کون ہے؟"

پھر سعدی کو دیکھا۔

"کیا وہ تم ہو؟"

"ہم تینوں میں سے بھی ایک کا سب کو پتا ہے کہ اس نے انجینئر ضرور بننا ہے' باقیوں کا کوئی پتا نہیں اور وہ ایک میں نہیں ہوں بالکل بھی۔"

ہاشم نے شاید اس جواب کی توقع نہیں کی تھی' تبھی تعجب سے ابرو سوالیہ اٹھائی۔

"تو؟"

کمپیوٹر چیئر گھومی' ماتھے پہ کٹے بالوں والی لڑکی سامنے ہوئی' اور ہاشم کو دیکھتے ہوئے۔ سنجیدگی سے بولی "وہ میں ہوں' حنین ذوالفقار یوسف خان۔"

(عرف حنہ' عرف کٹو بیگم) سعدی نے اتنا آہستہ بڑبڑایا کہ اپنے سوا کسی کو آواز نہیں آئی۔

"ہوں۔۔۔ گڈ! ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ بے نیازی سے واپس گھوم گئی۔

"حنین تو انجینئر بن ہی جائے گی' یہ سارہ خالہ کی طرح پڑھائی میں بہت اچھی ہے۔"

"کیا ۔۔۔ فارس کی کوئی اور بہن بھی ہے؟" اورنگزیب کاردار نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر ہاتھ مسلسل چلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں' وہ وارث کی بیوی ہے۔ اصل میں سارہ میری فرسٹ کزن بھی ہے' تو بچے بچپن سے خالہ بولتے ہیں' بعد میں اس کی شادی میرے بھائی سے ہو گئی تو ان کی ممانی بھی بن گئی۔" ندرت نے تفصیل سے بتایا۔ مگر سعدی کو اس نامکمل تعارف پہ بے چینی ہوئی۔

"وہ یو کے گئی ہوئی ہیں پی ایچ ڈی کرنے اور وہ پراسیس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی پاکستانی ہیں۔" ہاشم نے مسکرا کر سر ہلایا' اورنگزیب پھر سے گھڑی کو دیکھنے لگے۔ سعدی کو لگا' کوئی متاثر نہیں ہوا۔ اس نے ہاشم سے پوچھا۔

"آپ نے کہاں سے پڑھا ہے؟"

"اسٹین فورڈ سے۔ میں لائیر ہوں۔"

سعدی کے لب "اوہ۔" میں سکڑے۔ "تو آپ وکیل ہیں۔ میری پھپھو بھی وکیل ہیں۔"

"انہوں نے کہاں سے پڑھا ہے؟" وہ اسی نرم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"یہیں پاکستان سے۔" سعدی کے لہجے میں فخر تھا۔

ندرت چائے کے لیے اٹھیں تو اورنگ زیب منع کرنے لگے ان کو جانے کی عجلت تھی۔ ان کا وقت بے حد قیمتی تھا۔ مگر ندرت بصد اصرار چلی ہی گئیں۔

"تم میرے ساتھ روف کی طرف آؤ گے؟" انہوں نے ہاشم کو مخاطب کیا۔

"جی' مگر میں وہاں سے جلدی اٹھ جاؤں گا' شیری نے کوئی نئی مووی لی تھی' ہمارا ساتھ دیکھنے کا پروگرام تھا۔" اورنگ زیب صاحب نے ہوں میں سر کو خم دیا۔

ایک دفعہ پھر گھڑی دیکھی۔ اس سے پہلے کہ وہ فارس سے کہتے کہ اپنی بہن کو فضول کی خاطرداری سے منع کرے۔

کمپیوٹر چیئر کے پہیے گھومے حنین سامنے ہوئی۔

"کون سی مووی دیکھنے جارہے ہیں آپ؟" ہاشم نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"ایک نئی امریکی مووی آئی ہے۔"

"آپ نام بتائیں، میں نے دیکھ رکھی ہوگی۔"

"یہ...." وہ متذبذب ہوا "ابھی کچھ عرصے پہلے ریلیز ہوئی ہے۔ بورن الٹی میٹم۔"

"اوہ.... بورن سیریز۔" حنین نے منہ بنایا "اس کا صرف پہلا پارٹ اچھا تھا، مگر یہ والا پارٹ کافی ڈریگ کیا گیا ہے، بورن آئی ڈینٹیٹی Identity Bourne والی بات نہیں ہے اس میں۔"

ہاشم نے مسکراتے ہوئے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم بورن سیریز کے ناولز کی بات نہیں کررہیں؟"

"آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں ناول پڑھ کر ظاہر کررہی ہوں کہ میں نے مووی بھی دیکھ رکھی ہے؟ شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ سیریز ان ناولز پہ صرف Losely Based ہے اور جب آپ یہ نیا پارٹ دیکھیں، اور اکثر جگھوں پہ کیمرہ بری طرح ہلتا ہوا محسوس ہو، اور لگے جیسے کیمرہ مین کو رعشہ لاحق ہے، تو جان لیجیے گا کہ آپ سے پہلے یہ فلم دیکھ لینے والی حنین یوسف سچ کہہ رہی تھی اور میں اس فلم کو مزید ڈسکس کرتی، لیکن مجھے اس طرح کی فلمیں زیادہ پسند نہیں۔ سو بات ختم!"

ہاشم نے صرف مسکرا کر سر ہلایا، مگر اورنگ زیب کاردار آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔

"تو تمہیں کس طرح کی فلمیں پسند ہیں؟" وہ ابھی بھی پرتکلف اور سرد آواز میں پوچھ رہے تھے مگر توجہ پوری اس کی طرف تھی۔ سعدی نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا، جیسے کٹو کو سننے کی تاب اس میں نہیں تھی

حنین نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"فلم کا اچھا ہونے کے لیے کسی خاص طرح کا ہونا ضروری نہیں ہوتا، پلاٹ اور کرداروں کو اچھا ہونا چاہیے اور کسی بھی کہانی کے اچھا ہونے کا مطلب حقیقت سے قریب ہونا نہیں کنوینسنگ ہونا ہے۔ مجھے ایسی امریکی فلمیں نہیں پسند جن میں ہیرو مار کھا کھا کر بھی نہیں مرتا، مگر ڈائی ہارڈ مجھے بہت پسند ہے۔ مجھے ہارر فلمیں بھی سخت ناپسند ہیں مگر "دی رنگ" بہت اچھی ہے۔ جادوئی فینٹسی تو مجھے زہر لگتی ہے، مگر ہیری پوٹر اور لارڈ آف دی رنگز کی کیا بات ہے۔ سائنس فکشن بھی بہت بور کرتی ہیں مجھے، مگر "آئی روبوٹ" میں بار بار دیکھ سکتی ہوں۔ سائیکو تھرلز سے تو مجھے چڑ ہے، مگر سائنس آف دی لیمب میری فیورٹ ہے۔ پیریڈ فلمیں بھی بعض اوقات بہت مصنوعی ہوجاتی ہیں مگر گلیڈی ایٹر، پیٹریاٹ اور بریوہارٹ میں میری جان ہے۔"

وہ تب خاموش ہوئی جب چائے آئی اور اورنگ زیب صاحب نے کپ پکڑ بھی لیا اور گھونٹ بھر بھی لیا۔ دیکھ ابھی تک وہ اسی کو رہے تھے۔

"تو پھر تمہیں آخر پسند کس طرح کی انگریزی فلمیں ہیں؟"

"کس نے کہا مجھے انگریزی فلمیں پسند ہیں؟ ہالی ووڈ کی ہر فلم اب ایک جیسی لگنے لگی ہے۔ میں تو ایرانی، کورین، چائنیز، تائیوانی اور ہسپانوی فلمیں دیکھتی ہوں زیادہ شوق سے، اور ہسپانوی بھی وہ جو اسپین کی نہیں بلکہ کولمبیا کی ہسپانوی زبان میں بنی فلمیں ہوں۔"

ہاشم نے باپ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اور ایک لائق اسٹوڈنٹ کو فلمیں دیکھنے کا فارغ وقت کیسے مل جاتا ہے؟"

"کس نے کہا کہ میں اپنا فارغ وقت صرف موویز پہ لگاتی ہوں؟ مجھے تو کمپیوٹر گیمز زیادہ پسند ہیں۔ میں نے اب تک کال آف ڈیوٹی میں پتا ہے کتنے...."

"حنین اگر تم ابھی کے ابھی خاموش ہو کر ہمیں

شکریے کا موقع دو تو میں وعدہ کرتا ہوں، کل تمہارے لیے چھ عدد سیخ کباب لاؤں گا۔" سعدی نے بس ہاتھ نہیں جوڑے، لہجہ ورنہ ایسا ہی تھا۔ حنین نے سنجیدگی سے ذرا مڑ کر اسے دیکھا۔

"چھ نہیں، بارہ اور ساتھ میں مایونیز والی ساس بھی۔" اور واپس گھوم گئی۔

"ہاں، ہاں ٹھیک ہے۔" سعدی نے جھلا کر گویا جان چھڑائی۔ اورنگزیب صاحب آدھی چائے پی چکے تھے۔ باکس آفس ختم ہوا تو باقی چائے کی امید بھی دم توڑ گئی۔ وہ اٹھ گئے۔

"فنکشن میں آنا اور اس بچی کو بھی ساتھ لانا۔" دروازے تک جاتے انہوں نے ندرت سے بس اتنا کہا۔ سعدی اور وہ انہیں چھوڑنے باہر تک آئے۔ فارس وہیں بیٹھا تھا۔

"جب تک تمہارا اسکالر شپ فائنل نہیں ہوتا، تم میرے گھر آجایا کرو، میری اسٹڈی تمہیں ضرور متاثر کرے گی اور تم وہاں بیٹھ کر بہت کچھ پڑھ بھی سکو گے۔" ہاشم نے کار کے ساتھ کھڑے سعدی کو جب یہ بات کہی تو اس نے اسے ازراہ مروت کی جانے والی پیشکش سمجھا، مگر آخری خدا حافظ سے پہلے جب ہاشم نے یہ دہرایا تو سعدی نے بھی مسکرا کر آنے کا وعدہ کر لیا۔ گو کہ اسے بالکل بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ کاردار ز کے گھر جائے گا۔

اسے غلط لگتا تھا۔

☆ ☆ ☆

زمر فون کان سے لگائے، لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شدید اضطراب رقم تھا۔ دوسری جانب گھنٹی جا رہی تھی۔

دفعتاً وہ رکی۔ "جی میں زمر بات کر رہی ہوں، جی بالکل..... میں نے طلبا کی فہرست معلوم کرنے کے لیے کال کی تھی جو اسکالر شپ کے لیے نامزد ہوئے ہیں۔"

ایک گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی بظاہر نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔

"آپ مجھے وہ پانچ نام پڑھ کر سنا سکتے ہیں؟ جی..... جی ہوں۔" وہ لب آپس میں پیوست کیے، ٹہلتی ہوئی سنتی گئی۔ چہرے پہ تناؤ بڑھتا گیا۔ ایک، دو، پانچ.....

"کیا یہی تمام نام ہیں؟ آر یو شیور؟" آہستہ آہستہ آنکھوں میں امید کی جوت بجھتی گئی۔

"اوکے..... مگر کیا آپ کاؤنٹر چیک کر سکتے ہیں؟ اس فہرست میں واقعی کسی سعدی یوسف کا نام نہیں ہے؟" ایک آخری امید..... وہی جس پہ سب کی دنیا قائم ہے۔ مگر جواب سن کر ساری دنیا ڈوبتی گئی۔

"اوکے۔" اسے اپنی آواز مدھم سی سنائی دی۔ آہستہ سے فون رکھا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔ کمرے سے فرحانہ کے دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔ لحاف کا بنڈل بنا کر اٹھائے، وہ اسٹور روم کی طرف جا رہی تھیں۔ اسے زرد، شل سا بیٹھے دیکھ کر رکیں۔

"کیا ہوا؟" وہ چونکی، پھر پھیکا سا مسکرائی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" اور یہی تو صدمہ تھا کہ کچھ نہیں ہوا۔

★ ★ ★

آج کمپیوٹر چیئر خالی تھی، کیونکہ حنین صوفے پہ بیٹھی تھی۔ گود میں پلیٹ تھی اور وہ ابھی تک کھا رہی تھی۔ ان کی "ون ڈش" پارٹی ختم ہو چکی تھی۔

زمر بڑے صوفے پہ بیٹھی، ٹشو سے نفاست سے لب تھپتھپا رہی تھی۔ سعدی، امی کے ساتھ برتن اٹھوا رہا تھا۔ سیم باقی ماندہ پیپسی پی رہا تھا۔

"ہاں، میں نے پتا کیا تھا۔" ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے زمر نے سعدی کے سوال کا جواب دیا اور پھر اس کی طرف دیکھ کر سکون سے بولی "ناموں کا اعلان ابھی نہیں ہوا۔ شاید دو، تین دن مزید لگیں۔"

"اوہ۔" سعدی کا جوش، امید، خوف، سب ٹھنڈا ہوا۔ وہ آخری پلیٹ ندرت کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں رکھ کر زمر کے ساتھ صوفے پہ آبیٹھا۔ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے، آگے کو جھک کر بیٹھے، وہ مایوس لگ رہا تھا۔

"سعدی! تمہیں اسکالر شپ مل جائے گا، بعض دفعہ لوگ میرٹ پہ اسکالر شپ نہیں بانٹتے، بلکہ

ناانصافی کر جاتے ہیں' اس کے باوجود تمہارے ساتھ نا انصافی نہیں ہوگی۔" اس نے سعدی کو کندھے کو تھپکا

وہ "ہوں۔" کہہ کر مسکرا دیا۔ مگر وہ بددل زیادہ تھا۔ تب ہی جب گھنٹی بجی تو اس نے کہا۔

"سیم' موئے الو! جاؤ جا کر دروازہ کھولو۔ کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو۔"

سیم نے فوراً" تعمیل کی۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے پیچھے فارس تھا۔ چوکھٹ پہ وہ ذرا دیر کو جھجکا۔ زمر بھی اسے دیکھ کر ذرا زیادہ سیدھی ہوئی۔

"سوری' میں غلط وقت پہ آ گیا۔ وہ جو چیزیں کہی تھیں آپا سے' وہی لینے آیا تھا۔" اور وہ بالکل بھی نادم نہیں نظر آ رہا تھا۔

"اٹس او کے ماموں' آئیں۔ ہم بس پارٹی ختم کر چکے تھے۔" سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہوں.... میں بھی بس نکلنے والی تھی اور آپ ٹھیک ہیں؟" زمر اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اسے دیکھ کر ذرا سا تکلفاً" مسکرائی۔ فارس نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا' اور میز کی حالت کو۔ پارٹی واقعی ختم ہو چکی تھی۔

(صبح آپا نے تو کہا تھا کہ زمر اور بچوں نے شام کو پارٹی کرنی ہے؟ میں لیٹ ہو گیا یا ان کے چھ جلدی بج گئے؟) اس نے سوچا' پھر سر جھٹکا۔ اسے کیا' وہ تو اپنی چیزیں اٹھانے آیا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے' اسے کل صبح لینی تھیں وہ چیزیں' لیکن اگر جلدی آ گیا تو کیا ہوا ہاں؟

"یا.... ایم فائن۔" اس نے کندھے اچکائے' پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز دی۔ "آپا' میرا بیگ دے دیں تو میں جاؤں۔"

"اوہ' تم ابھی آ گئے۔ میں سمجھی کل آؤ گے۔" ندرت ہاتھ صاف کرتی حیرت سے ادھر آئیں۔ "اچھا بیٹھو' میں لاتی ہوں۔"

زمر نے اپنی چیزیں سمیٹ لی تھیں۔ صرف کار کی چابیاں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھیں۔ اب اسے اٹھنا تھا' مگر حنین سامنے بیٹھی' بہت ہی دل جمعی سے پنجر سے بوٹی الگ کرتی کھا رہی تھی۔ زمر نے اسے دیکھا تو وہ ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ گھر کا سب سے پُراعتماد بچہ پھپھو کے دیکھنے پہ شرما جاتا تھا۔ مسکرا کر کھانے لگی۔ زمر بھی مسکرا دی اور فارس کو دیکھا' جو ابھی تک کھڑا تھا۔ سعدی نے سنگل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھ جائیں' یہ کاٹتا نہیں ہے۔"

مگر وہ نظرانداز کر کے آپا کی طرف بڑھ گیا جو اندر سے اس کا بیگ لا رہی تھیں۔

"کیا بس یہی بھجوایا ہے سلیم انکل نے؟" اس نے بیگ کو ہاتھوں میں لے کر ٹٹولا' جیسے وزن چیک کیا۔

"ہاں' ایک دفعہ دیکھ کر تسلی کر لو' سب کچھ پورا ہے۔" وہ بیٹھ گیا' بیگ کی زپ کھولی زمر بھی بے اختیار دیکھنے لگی۔ باقی سب کو شاید پتا تھا کہ اندر کیا ہے۔

فارس نے ہاتھ ڈال کر بندوق نکالی۔ لمبی نالی والی antique گن۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اندر موجود گولیاں چیک کیں' ہوں' سب پورا تھا۔

"یہ ہمارے ابو کے ایک دوست تھے' ان کو شکار کا بہت شوق ہے' فارس کو ان کی کوئی گن اچھی لگی تو انہوں نے اس کے لیے بھجوا دی' مگر اس کو ضد تھی کہ یہ خریدے گا' تحفہ نہیں لے گا۔ یوں کرتے کرتے ان کو باہر جانا پڑ گیا تو پے منٹ ملنے کے بعد میری طرف ڈراپ کروا دی۔" ندرت نے زمر کو دیکھتے ہوئے وضاحت دی۔ فارس نے زپ بند کر کے سر اٹھایا تو وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو گنز پسند ہیں؟" تعجب سے اس نے ابرو اٹھائی۔ فارس نے دو تین سیکنڈ اس کی آنکھوں میں دیکھا' پھر ابرو اچکا کر بولا۔

"بہت زیادہ۔ کیونکہ گنز انسانوں کو نہیں مارتیں۔ انسان انسانوں کو مارتے ہیں۔"

"آ.... میرا یہ مطلب نہیں تھا.... اور آپ کی پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے؟" اس نے بات بدلی۔ صوفے کے کنارے ٹکی' وہ بس جانے کی تیاری میں تھی۔

"ہوں۔ مگر...." اسے دیکھتے ہوئے فارس ٹھہرا۔ "آپ نے جو پچھلے ہفتے ہینڈ آؤٹ فوٹو کاپی کروا کر کلاس

میں دیا تھا، وہ مجھے نہیں ملا۔"
"اوہ.... مگر وہ تو آپ کے آنے کے بعد دیا گیا تھا۔"
"شاید ابھی کوئی میری اہمیت نہیں ہے وہاں۔"
اس نے شانے اچکا دیے۔ زمر فکر مند ہوئی۔
"پھر تو آپ کو وہ تینوں ٹاپکس سمجھ میں نہیں آئے ہوں گے۔"
"سب اوپر سے گزر گیا۔" ہاتھ سے سر کے اوپر اشارہ کیا۔ "اگر آپ کے پاس وقت ہو تو؟"
"جی، بالکل، میں کل، نہیں پرسوں۔" ٹھوڑی پہ انگلی رکھے اس نے سوچا۔ "ہاں پرسوں آپ میرے پاس آیئے گا کلاس سے پہلے میں تب تک آپ کے لیے وہ نوٹس دوبارہ کاپی کروا دوں گی۔"
"شیور تھینکس۔" اس نے بس اتنا کہا۔ حنین اب ہاتھ دھونے کچن میں جا چکی تھی۔
زمر جانے کے لیے اٹھ گئی مگر اٹھنے سے قبل اس نے چابیاں کشن کے پیچھے رکھیں اور ان کو دیکھے بنا کھڑی ہوئی۔ فارس نے بیگ کندھے پہ ڈالتے ہوئے کن اکھیوں سے یہ دیکھا تھا۔ اسے چھوڑنے باہر گیا۔ حنین واپس آئی تو وہ جا چکی تھی۔ وہ ایک دم کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی۔
فارس پتلیاں سکیڑ کر اب بغور حنین کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً" وہ چہکی، چہرے پہ سارے زمانے کی خوشی در آئی "پھپھو پھر بھول گئیں۔" اور جلدی سے صوفے تک آئی اور نیچے ہاتھ مارا۔ کشن پرے کیا" یہ رہا چابیوں کا گچھا۔ اس نے فاتحانہ انداز میں وہ اٹھایا اور راہداری کی طرف لپکی۔ فارس کو یہاں تک آوازیں آ رہی تھیں۔ زمر اور سعدی واپس آئے تھے۔
"پھپھو چابی بھول گئیں۔" سعدی نے پکارا۔
حنین ان کو چابی دے رہی تھی، زمر کچھ کہہ رہی تھی.... ہر دفعہ کا معمول.... سعدی ہر دفعہ حیران ہوتا، پھر کبھی ہنس دیتا۔ اب بھی ہنس دیا۔ وہ چلی گئی اور گھر خاموش ہو گیا، حالانکہ وہ تو اتنا بولتی بھی نہیں تھی، خاموشی ساتھ لاتی تھی، خاموشی چھوڑ جاتی تھی۔
حنین واپس آئی تو اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ بڑی فرصت سے اس نے پلیٹ اٹھائی، اور کچن میں چلی گئی۔
کچھ دیر بعد فارس جب ان کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا تو گاڑی میں بیٹھتے ہی بیگ پچھلی سیٹ پہ پھینکا، ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا، ادھر ادھر چیزیں پلٹیں۔ پھر وہ مل گیا۔
فوٹو کاپی شدہ نوٹس۔
وہ اسے اٹھائے باہر نکلا، سڑک کنارے ایک کوڑے کے بڑے سے ڈبے کے اوپر کھڑے ہو کر، دونوں ہاتھوں میں اسے پکڑتے اس کے چار ٹکڑے کیے اور اندر پھینک دیا۔ پھر دور آسمان کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔
"اب منہ سے نکل جائے کچھ تو بندہ کیا کرے؟"
شانے اچکا کر وہ واپس ہو لیا۔

☆ ☆ ☆

کاردارز کا قصر اپنی پوری آب و تاب سے اس سبزہ زار پہ کھڑا تھا، لان میں باوردی ملازموں کی آمد و رفت جاری تھی۔ سارے بقیہ ماندہ کام جلدی جلدی نمٹائے جا رہے تھے۔ شادی میں دن نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔
سعدی یوسف نے مین ڈور کے سامنے کھڑے ہو کر چند گہرے گہرے سانس لیے۔
"ایک آدمی ـــ مروت میں پیشکش کرے اور میں فوراً" سے پہنچ جاؤں کیا یہ اچھا لگتا ہے؟" ابھی جب وہ فارس سے ملا تھا تو اس نے پوچھا تھا۔
"اچھا لگتا ہو یا برا، میں نکل رہا ہوں اب تم ادھر بیٹھ کر ٹی وی دیکھو، دیواروں سے باتیں کرو یا ہاشم سے مل آؤ، تمہاری مرضی۔" وہ چابی اور والٹ اٹھاتے ہوئے بولا تو سعدی نے تندی سے اسے دیکھا۔
"ایسا سلوک کرتا ہے کوئی مہمان کے ساتھ؟"
"مہمان کون؟" فارس نے سر اٹھا کر واقعی تعجب سے پوچھا۔
"چھوڑیں یار...." وہ بددل ہوا۔ "اچھا آپ جائیں مگر.... وہ جو مجھے پہچانے ہی نہ تو؟"

"تو.... ہاشم کبھی کچھ بھولتا ہے؟" فارس نے سر جھٹکا۔ اس کے انداز پہ سعدی نے غور سے اسے دیکھا۔

"آپ کی اپنے کزن سے نہیں بنتی کیا؟ اس دن بھی آپ نے ان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"دیکھو یار...." فارس نے ہاتھ اٹھا کر دو ٹوک۔ کہنا شروع کیا۔ "وہ ہو گا اچھا آدمی 'میرا سارا ننھیال ہو گا اچھا 'مگر وہ میرے جیسے لوگ نہیں ہیں۔ ہم تم تو ڈرائیور ہوٹل پہ ماش کی دال کھا کر 'میٹھی چائے پی کر وہیں چارپائی پہ لمبے لیٹ جانے والے بندے ہیں۔ مگر یہ اور طرح کے لوگ ہیں۔ ممی ڈیڈی ٹائپ۔ میں ان سے کبھی گھل مل نہیں سکا نہ سکتا ہوں۔ اب تم جا رہے ہو یا تمہیں اندر لاک کر جاؤں؟"

اور وہ اب دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ بجایا بھی نہیں ۔ تھا 'مگر اندر سے جیسے اسے دیکھ لیا گیا تھا۔ دروازہ کھلا اور فلپائنی ملازمہ میری **اینجیو** مسکراتی ہوئی کھڑی تھی۔

"گڈ ایوننگ۔"

"**تھینکس**.... میں آ.... ہاشم گھر پہ ہیں؟" ماموں کے کزن کو کیا کہہ کر پکارنا چاہیے 'سمجھ میں نہیں آیا۔

"اور آپ کون؟"

"میں سعدی ہوں 'اصل میں انہوں نے کہا تھا کہ۔"

"سعدی یوسف خان 'فارس صاحب کے بھانجے؟ مسٹر کاردار نے آپ کے بارے میں اطلاع کر دی تھی' اگر وہ نہ ہوتے تو ان کے احکام کے مطابق میں آپ کو اسٹڈی میں لے جاتی 'لیکن چونکہ وہ ہیں 'اس لیے آپ ادھر آجائیے۔"

میری نے اتنی خوش خلقی سے مسکراتے ہوئے ادب سے اندر آنے کا اشارہ کیا کہ وہ واقعی حیران ہوا۔ بہرحال اس کا اعتماد بڑھا۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں گھما کر اونچے اور عالیشان لونگ روم کا جائزہ لیا 'اور پھر جو کہتا ہے کہ اسے خوب صورتی متوجہ نہیں کرتی 'وہ اس دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے اور متاثر تو وہ بھی ہوا۔ (کتنا بڑا اور پیارا گھر ہے) مگر اتنا کہ 'اللہ ان کو نصیب کرے۔ آمین اور بس۔

میری کے عقب میں قدم اٹھاتا وہ لاؤنج کے وسط میں آیا۔ ایک لمبے سے چیز لونگ کے کنارے پہ 'ٹانگ پہ ٹانگ جمائے 'مگ سے گھونٹ بھرتی وہ بیٹھی تھی جو یہاں کی مالکن لگتی تھی۔ سیدھے بھورے بال 'گوری 'نازک 'ہاشم کی سی سیاہ آنکھیں۔ دو انگلیوں سے لاکٹ میں پرویا پتھر چھیڑتی۔ آہٹ پہ سر اٹھایا 'مسکرائی اور سوالیہ نظروں سے میری کو دیکھا۔

"ہاشم صاحب کے مہمان ہیں یہ۔ بیٹھیے میں ان کو اطلاع کرتی ہوں۔" وہ سیڑھیوں کے لیے مڑی تو جواہرات نے مسکراتے ہوئے سعدی کو دیکھا۔ البتہ آنکھیں بالکل سرد تھیں۔

"میں فارس کا بھانجا ہوں 'سعدی یوسف۔" وہ ذرا سنجیدگی سے بولا۔ اپنے یہاں آنے کے فیصلے پہ پھر سے سوچا 'کہیں غلطی تو نہیں کی؟

"آئی سی!" جواہرات نے اثبات میں سر ہلایا۔ تاثرات نہیں بدلے۔

میری ابھی سیڑھیوں کے وسط میں تھی جب ہاشم کمرے سے نکلتا دکھائی دیا۔ عجلت میں کوٹ پہنتا' سعدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے وہ زینے اترنے لگا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم آئے ہو۔"

"آپ شاید جلدی میں ہیں 'ہاشم بھائی!" بس یہی منہ سے نکلا اور یہی طے ہو گیا۔

ہاشم اتر آیا تھا۔ مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

"میں واقعی جلدی میں ہوں اور مجھے واقعی بہت ضروری کام ہے 'مگر تمہیں میں اپنی اسٹڈی دکھانا چاہوں گا اور یہ میں اپنی خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔" پھر ماں کو دیکھا۔

"کیا تعارف ہو چکے؟" اپنے سوال کا جواب خود ہی سمجھ کر "آؤ" کہتا اسے اوپر لے آیا۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ پہنچ کر سعدی نے نگاہ موڑی۔

نیچے جواہرات ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے آنے پہ خوش ہے یا غصے میں ہے 'اس کے تاثرات یہ

بنانے سے قاصر تھے۔ وہ سر جھٹک کر ہاشم کے پیچھے ہو لیا۔

وہ وسیع اور طویل اسٹڈی تھی۔ کتابوں کے سلائیڈنگ ریکس' ان کے پیچھے مزید ریکس۔ شیلف' ٹیبلز' سعدی نے ستائش سے آگے پیچھے گردن گھمائی۔

"واؤ۔ آپ تو واقعی پڑھنے والے آدمی لگتے ہیں۔" ہاشم کا دوستانہ رویہ' اس کو مزید پُر اعتماد کر رہا تھا۔ اس کی بات پہ ہاشم ہنس دیا۔

"تم آج کی شام میری کتابوں کے نام کرو۔ مجھے ایک کال کرنی ہے' پھر نکلنے سے قبل میں خدا حافظ کرنے آؤں گا' مگر تم کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گے۔"

"نہیں' اٹس اوکے' میں...." وہ شرمندہ ہوا' مگر ہاشم مسکراتا ہوا پلٹ چکا تھا۔ ساتھ ہی وہ موبائل پہ نمبر بھی ڈائل کر رہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ بہت اعتماد سے ایک ہی وقت بہت سے محاذوں کو نمٹانے والا۔

نیچے جواہرات مگ کے آخری گھونٹ بھر رہی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے ہاشم کو اسٹڈی سے نکل کر اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو مگ رکھ کر کھڑی ہوئی۔ باریک ہیل سے چلتی وہ لاؤنج کے سرے پہ بنے اپنے کمرے تک آئی۔

اندر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے اورنگ زیب ٹائی کی ناٹ درست کر رہے تھے۔ ایک سوٹ میں ملبوس ملازم ان کے کوٹ کو کندھے سے ہلکا سا برش کر کے پیچھے ہو کر تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا تم مجھے میرے شوہر کے ساتھ تنہا چھوڑو گے؟" مسکرا کر کہتی جواہرات آئینے کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ ملازم سر ہلا کر "فوراً" سے باہر نکل گیا۔ کف لنکس اٹھاتے اورنگزیب نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

"کیا ہاشم تیار ہو گیا؟"

"پہلے وہ تمہارے بھانجے کے رشتے داروں کی خاطر مدارات تو کر لے۔ ویسے اس کام کے لیے کیا تم بہت نہیں تھے؟" مسکراہٹ ہنوز لبوں پہ تھی' مگر آنکھیں سلگ رہی تھیں۔

"فارس کے رشتے دار جب چاہیں ادھر آ سکتے ہیں۔ اس کو اس کی ماں کا جائز حصہ میں نے کبھی نہیں دیا تمہارے لیے' اب اور کیا چاہتی ہو؟"

"اور انیکسی؟"

"وہ اس کے حصے سے بہت کم ہے' تم جانتی ہو۔" تلخی سے کہتے وہ ٹائی پن لگا رہے تھے۔

"تمہارے بس میں ہوتا تو تم اسے اور بھی بہت کچھ دے دیتے مگر وہ خود ہی کچھ لینے میں انٹرسٹڈ نہیں۔"

"کتنا اچھا ہوا گر تم اپنی شکل مجھے کم سے کم دکھایا کرو۔" وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ماتھے پہ بل لیے بولے تھے۔ جواہرات کی مسکراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ بمشکل اس نے ضبط کیا۔

"میں جا رہی تھی مگر تم سے مخاطب ہونے کی تکلیف میں نے صرف اس لیے اٹھائی کہ اگر ہم تینوں جا رہے ہیں تو فارس کا رشتہ دار میرے گھر میں اکیلا کیوں ہے؟"

"کیا تمہارا دوسرا بیٹا اپنے کمرے میں اپنی ناکامی کا سوگ نہیں منا رہا؟"

وہ جو میز سے پرس اٹھانے آئی تھی' رکی' جھپٹ کر پرس اٹھایا اور گھوم کر اس کے سامنے آئی۔

"اسے ناکام مت کہو اورنگ زیب۔ وہ اگر پہلے نمبر پہ نہیں آتا تو دوسرے نمبر سے نیچے بھی نہیں جاتا۔ اگر وہ اسٹین فورڈ یا ہارورڈ نہیں جا سکا' تب بھی تین بہترین یونیورسٹیز اسے اپروو کر چکی ہیں' اور ایک دفعہ تم اس کا ڈی این اے ٹیسٹ کیوں نہیں کرا لیتے تاکہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے کہ وہ تمہارا ہی بیٹا ہے اور شاید پھر تم اس کی قدر کرنا شروع کر دو۔" شیرنی بپھر چکی تھی۔ اورنگزیب اب کالر درست کر رہے تھے۔

"وہ میرا بیٹا ہے' مجھے عزیز ہے' اس لیے جہاں اسے دیکھنا چاہتا ہوں' وہ وہاں نہیں ہے' اچھا ہونا صرف ہاشم جیسا ہونا نہیں ہوتا۔ وہ فارس کی بہن کے بچے.... وہ مجھے زیادہ قابل لگے تھے۔"

جواہرات شعلہ بار آنکھوں سے انہیں گھورتی رہی

'پھر تیزی سے پلٹ گئی۔ باہر آکر اس نے مؤدب کھڑی میری کو روکا۔

"فارس کے رشتے دار کو چائے وغیرہ بھجوا دینا پھر رات کا کھانا کھلائے بغیر مت جانے دینا' اور اس پہ نظر بھی رکھنا۔" گہری نظروں سے گھور کر کہا۔ میری نے سرہلایا۔

اوپر ہاشم اپنے کمرے سے نکل کر اسٹڈی میں جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

اندر سعدی ایک کرسی پہ بیٹھا' کسی کتاب کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ جب ہاشم اس کے قریب آیا تو بھی نہیں ہلا' بس پڑھتا رہا۔ ہاشم نے گردن ترچھی کر کے کتاب کا سرورق دیکھا۔

"یہ کہاں سے نکال لی تم نے؟ میں تو اسے بھول بھی چکا تھا۔"

سعدی چونکا' پھر اسے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا۔

"اوہ.... میرا خیال تھا آپ جا چکے ہیں۔ بلکہ آپ جائیے ہاشم بھائی' مجھے ورنہ لگے گا کہ میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔"

ہاشم نے جواب دیے بنا کتاب اس کے ہاتھ سے لی' الٹی پلٹی۔ پہلے صفحے پہ قلم سے لکھا تھا۔ "ہاشم کاردار کے نام۔ شاید کبھی ضرورت پڑے فقط' محمد اولیٰ۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"محمد اولیٰ اور محمد ثانی' یہ دو جڑواں بھائی تھے میرے ساتھ لاء اسکول میں۔ محمد اولیٰ نے مجھے یہ کتاب دی تھی' وہ خود کسی ٹراما سے گزرا تھا تو اس کو شاید اس کتاب نے ٹھیک ہونے میں مدد کی تھی۔ واٹ ایور مجھے تو یاد بھی نہیں ٹھیک سے۔" وہ اس کی پشت کو پڑھنے لگا۔ "یہ تیرہویں صدی کے کسی مسلمان عالم کی لکھی گئی کتاب ہے۔ میں نے تب پڑھی تھی اچھی تھی مگر اب بھول چکا ہوں۔ کیا تمہیں پسند آئی؟" اس نے چہرہ اٹھا کر سعدی کو دیکھا۔

"بہت زیادہ عجیب چارم ہے اس میں' جیسے میں شیخ کے زمانے میں واپس چلا گیا ہوں۔"

ہاشم نے کتاب میز پہ رکھی' جھک کر کھڑے ہوئے'

قلم نکال کر پہلے صفحے پہ محمد اولیٰ کے دستخط تلے لکھا۔

"For the reading pleasure of saadi yousuf"

نیچے اپنے سائن کیے' تاریخ ڈالی اور کتاب بند کر کے اسے تھمائی۔

"پہلی دفعہ میرے پاس سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔"

"ارے.... تھینک یو.... مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ شرمندہ ہوا۔

"ضرورت مجھے بھی نہیں تھی' مگر تم ذہین لڑکے ہو' اور میں ذہین لوگوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ میں صرف ذہین جمع محنتی لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں' اور تم وہ بھی ہو۔ کھانا کھا کر جانا۔" کندھا تھپک کر' بالکل کسی بڑے بھائی کی طرح' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا مڑ گیا اور تیز تیز باہر نکل گیا۔

"کیا بندہ ہے۔" سعدی نے ستائش سے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

میڈم رمشہ کے آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ میز کے دونوں سروں پہ چائے کے کپ دھرے تھے۔ میڈم کی طرف والا تو آدھا خالی تھا۔ مگر زمر کی چائے بالائی کی تہہ تلے چھپی' ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ تنی ہوئی گردن اور اس سے زیادہ تنے ہوئے نقوش کے ساتھ سامنے بیٹھی خاتون کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں' کھل کر کہیں زمر۔" انہوں نے بہت سکون سے کہا۔ زمر نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"میں کھل کر بات کرنے ہی آئی تھی' کیوں کہ مجھے لگتا ہے مسز رمشہ بلگرامی کہ آپ نے میرٹ پہ اسکالر شپ دینے کے بجائے' ان امیدواروں کو دیے ہیں جن کے تعلیمی اداروں یا خود انہوں نے آپ کو اس کام کے لیے کمیشن دیا ہے اور مجھے ایسے مت دیکھیں' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے اور میں زمر یوسف ہوں اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں آپ کے

ادارے کے خلاف ایک چارج شیٹ تیار کروں گی اور پچھلے دس سال کے **ریجیکٹ** ہوئے امیدواروں کو تلاش کرکے سامنے لاؤں گی جن کا حق بالکل سعدی کی طرح مارا گیا تھا' اور میں ان کا موازنہ ان بچوں سے کروں گی جن کو آپ نے اسکالرشپ دیے ہیں اور نہ صرف یہ موازنہ میڈیا پہ آئے گا' بلکہ آپ کے اثاثوں اور بینک بیلنس کی تمام تفصیل سمیت میں کورٹ میں جاؤں گی' جس کے نتیجے میں آپ کو اپنی جاب چھوڑنی پڑے گی' آپ کا گھر' بچے سب متاثر ہوں گے' اس لیے آپ ہر اس بچے کا نام لسٹ سے خارج کریں جس کو ناجائز اسکالرشپ دیا گیا ہے۔"

وہ خاموش ہو کر' پیچھے ہوئی تو میڈم رمشہ نے سر ہلایا' تحمل سے جیسے ایک گہری سانس خارج کی اور اسی اطمینان سے اسے دیکھا۔

"آپ نے کہہ لیا زمر؟"

"اور اب میں آپ کے کہنے کی منتظر ہوں۔" اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

میڈم رمشہ جھکیں' دراز سے ایک فائل نکالی' سیدھی ہو کر اس کے آگے رکھی اور بولیں۔ "اس کے پہلے صفحے پہ سعدی کا اکیڈمک ریکارڈ اور تمام کوائف ہیں اور اگلے صفحوں پہ ان پانچ بچوں کے' اسے ایک نظر دیکھ لیجئے' اس کے بعد آپ جس کا نام کہیں گی' میں نکال کر سعدی کا ڈال دوں گی۔"

زمر نے تندی سے ان کو دیکھتے فائل اٹھائی' کھولی' اور پہلا صفحہ سامنے کیا۔ سعدی کے کوائف پڑھتے گردن مزید اونچی ہوئی' آنکھوں میں فخر در آیا' ابرو اٹھا کر ان کو جتاتی نظروں سے دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا کر صفحہ پلٹا۔

تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ وہ پڑھتی گئی۔ صفحے الٹتی گئی۔ آہستہ آہستہ نقوش ڈھیلے ہوئے' کندھے ذرا ڈھلکے' بھنویں خفگی مگر پسپائی سے بھینچیں۔ فائل ختم کر کے وہ کتنی ہی دیر اس کو دیکھتی' لب کاٹتی رہی۔

"اب ان میں سے کس کا نام آپ نکلوانا چاہتی ہیں زمر؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔ زمر نے خاموشی سے ان کو دیکھا اور فائل آہستہ سے میز پہ ڈالی۔

"زمر! اپنے بچے ہم سب کو پیارے ہوتے ہیں' چاہے وہ پیارے نہ بھی ہوں۔ وہ ہم سب کو قابل لگتے ہیں' چاہے وہ قابل نہ بھی ہوں۔"

"آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ سعدی مستحق نہیں تھا؟"

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کچھ بچے سعدی سے زیادہ مستحق تھے۔"

زمر نے آنکھیں بند کر کے' کنپٹی مسلی۔ وہ بے حد تھکاوٹ کا شکار لگ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری مگر اس سے زیادہ قابل اور غریب بچے تھے وہ پانچ۔ میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ بھی یہی فیصلہ کرتیں۔"

زمر نے بند آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ ابھی کچھ دیر وہ آنکھیں نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ خواب ٹوٹ چکا تھا' نیند کھل چکی تھی' مگر وہ کچھ اور دیر اسی خواب میں رہنا چاہتی تھی۔

"کیا اس نے کسی اور اسکالرشپ پروگرام میں اپلائی نہیں کیا؟"

زمر نے آنکھیں کھولیں۔ سارے خواب ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ کر چکا ہے' وہاں بھی نہیں ملا۔"

"آئی ایم سوری!" وہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں اور زمر بھی ان کو دیکھتی کچھ سوچ رہی تھی' ذہن منتشر تھا' سوچیں بھٹک رہی تھیں' مگر وہ نقطہ سامنے تھا جس پہ اسے پہنچنا تھا۔ ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔

"مسز رمشہ! کیا آپ مجھے ایک فیور دیں گی؟"

☆ ☆ ☆

کتاب ہاتھ میں لیے وہ پڑھتے پڑھتے بالکونی میں جا بیٹھا تھا۔ باہر شام ابھی ہلکی نیلی تھی۔ دور تک پھیلا سبزہ زار اور وہاں سے نظر آتی فارس کی انیکسی۔

لائبریری کی بالکونی کے دائیں طرف ہاشم کی بالکونی

تھی اور اس کے مزید پرے ایک اور بالکونی۔ البتہ وہ ایک دوسرے سے جدا تھیں۔ کسی دوسری بالکونی تک جانے کے لیے آپ کو اندر سے ہی جانا پڑتا۔ سعدی اس سب سے بے خبر رہتا اگر اسے وہ آواز نہ آتی۔ ایسی آواز جیسے کوئی دم گھٹنے کی کیفیت میں کھانسنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا' پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ہاشم کی بالکونی سے پرے ایک دوسری بالکونی کے کمرے کو کھلتے دروازے پہ وہ بیٹھا تھا۔ گھٹنوں میں تقریباً" سر نیہوڑائے 'کھانستا' قے کرنے کی کوشش کرتا' وہ کم عمر نوجوان لگتا تھا۔ نہ وہ کمرے کے اندر تھا' نہ باہر نہ ہوش میں' نہ بے ہوش۔ درمیان میں تھا کہیں۔

کتاب پھینک کر وہ اندر بھاگا۔ لائبریری سے نکل کر ریلنگ کے اوپر آیا' بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر نیچے وہاں جواہرات کے صوفے پہ اسی کے انداز میں میری بیٹھی' مگ سے کافی پی رہی تھی۔ باقی سب سنسان پڑا تھا۔

"سنو اوپر آؤ جلدی۔" اس نے پکارا۔ میری گڑبڑا کر اٹھی' پھر سنبھل کر سیڑھیوں تک آئی۔ سعدی تب تک آگے جا کر ہاشم کے ساتھ والے کمرے کا ہینڈل گھمانے لگا تھا۔ وہ لاکڈ تھا۔

"کھانا تیار ہے' میں آپ کو بلانے ہی لگی تھی۔" وہ زینہ زینہ چڑھتی اوپر آئی۔

"اس کمرے میں کون ہے؟"

"آ..... یہ نوشیرواں ہیں مگر۔" وہ اسے دروازے سے زور آزمائی کرتے دیکھ کر رک گئی۔

"اسے کھولو..... وہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اب دروازے کو دھکا دے رہا تھا۔

میری کی حیرت پہ غصہ غالب آنے لگا۔ وہ تیزی سے اس کے سامنے آئی۔

"وہ آرام کر رہے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ اس دوران اگر کسی نے ان کو تنگ کیا تو وہ بہت برے پیش آئیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ ڈائننگ ہال۔"

"اگر وہ لڑکا مر گیا تو تمہارے مالک تمہاری جان لینے میں کتنے سیکنڈ لگائیں گے' ہاں؟" وہ اس کی طرف مڑ کر اتنے غصے سے بولا کہ میری چپ ہو گئی۔

"اوکے' میں چابی لاتی ہوں' یہ ایسے نہیں کھلے گا۔"

وہ اب کے ذرا تیز رفتاری سے نیچے گئی۔ اس کے واپس آنے تک سعدی مسلسل دروازے کو زور زور سے ٹھڈے مار رہا تھا۔ چابی ملی تو وہ پیچھے ہوا۔ دروازہ کھلا تو بالکونی کا منظر دوسرے زاویے سے سامنے آیا۔ چوکھٹ پہ قریباً" اوندھا گرا لڑکا' منہ سے نکلتا جھاگ' حلق سے آتی عجیب آوازیں..... سعدی تیزی سے اس کی طرف لپکا "ہا!" میری کا منہ کھل گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ سنو' ادھر دیکھو۔" وہ جلدی جلدی لڑکے کو سیدھا کرتا' اسے جگانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی' آنکھیں کھل بند رہی تھیں۔

"تم فکر مت کرو' تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے' ہم تمہیں ہاسپٹل لے جا رہے ہیں۔ تم سونا نہیں' جاگنے کی کوشش کرو۔"

اس کا چہرہ تھپتھپاتا وہ پریشانی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ نوشیرواں نے آدھ کھلی آنکھوں سے دھندلا سا منظر دیکھا۔ اس پہ جھکا لڑکا' چھوٹے گھنگھریالے بال..... پریشان آواز..... اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا گیا۔

"گاڑی تیار کرواؤ اور ملازموں کو ادھر بھیجو' اسے اٹھانا ہے۔ دیکھ کیا رہی ہو' جلدی کرو۔" وہ میری کو ہکا بکا کھڑے دیکھ کر چیخا تھا۔

"میں مسز کاردار....."

"ان کو بعد میں اطلاع کرنا' پہلے گاڑی نکلواؤ۔ جاؤ۔"

میری سٹپٹا کر باہر بھاگی۔ یہ سب اس کے لیے بہت اچانک اور غیر متوقع تھا۔

☆ ☆ ☆

لاؤنج میں ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا۔ بڑے

ابا عینک لگائے، صوفے پہ بیٹھے، اخبار پڑھ رہے تھے۔ زمر نے چائے کے دو کپ میز پہ رکھے اور خود سامنے جا بیٹھی۔ الائچی اور دار چینی کی مہک، انہوں نے عینک کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر کپوں کو دیکھا اور پھر اسے۔

"مہینے کا آخر چل رہا ہے اور تم خود کماتی ہو، اس لیے دو تین ہزار سے اوپر مانگنے کا سوچنا بھی مت۔" دوبارہ سے پڑھتے پڑھتے اطلاع دی۔

"میں کچھ اور مانگنے آئی ہوں۔" اپنا کپ لے کر اس نے ٹیک لگائی، پھر گھونٹ بھرتے ہوئے بڑے ابا کو دیکھنے لگی۔

"اور اس وقت آئی ہو جب تمہاری ماں گھر پہ نہیں ہے اس لیے اگر موضوع گفتگو ندرت کے رشتے دار کی شادی میں جانا ہے تو بھی صاف انکار ہے۔"

"آپ نے نئے ایئرپورٹ کے قریب جو عرصہ ہوا پلاٹ لے رکھا تھا میرے نام سے، اس کے کاغذات آپ کے پاس ہیں؟" جتنی سنجیدگی سے اس نے پوچھا، وہ اتنے ہی چونکے۔ عینک اتاری، اخبار رکھا اور اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیوں نہیں ہوں گے؟ وہ پلاٹ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ تمہارے اور زلفی کے نام جو تھوڑا بہت جوڑا تھا، اس میں سے زلفی نے اپنا حصہ اپنی نوکری کے دوران ہی لے لیا تھا، کاروبار میں بھی لگایا اس نے، مگر کاروبار میں تو پیشانی کا لکھا چلتا ہے، اس کا پیسہ کم ہوا، بڑھا نہیں۔ تمہارے حصے سے یہ پلاٹ میں نے ان وقتوں میں خریدا تھا اور اب وہ اچھا خاصا مہنگا ہو چکا ہے۔ اس کو بیچ کر میں تمہاری شادی کروں گا، اور بہت دھوم دھام سے کروں گا۔"

"مگر فی الحال تو... میری شادی کا کوئی سلسلہ نہیں چل رہا۔"

"مگر جلد چلے گا۔ کچھ تمہاری پڑھائی، کچھ اس کم عمری میں ٹوٹی منگنی کے باعث ہم زیادہ ہی پروٹیکٹو ہو گئے تھے، ورنہ تمہاری شادی میں کر بھی چکا ہوتا۔ اب بھی رشتے دیکھ رہا ہوں، مگر... زمر! تم بے وجہ ایسے ذکر نہیں چھیڑا کرتیں... تو؟" سوالیہ ابرو اٹھائی۔

زمر چند لمحے بالکل خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی۔ خاموشی، دنیا کا سب سے بڑا اقرار، سب سے بڑی سزا۔

"ابا... سعدی کو اسکالرشپ نہیں ملا۔"

وہ بالکل چپ ہو گئے۔ آنکھوں میں رنج و ملال ابھرا۔

"اناللہ... مگر شاید کسی اور جگہ سے۔"

"اب وقت نہیں ہے، وہ نہیں پڑھنے جا سکتا ماسوائے اس کے..." وہ رکی ایک وقفہ دیا، مگر ابا کی آنکھوں سے نگاہ نہیں ہٹائی۔ "کہ ہم اس کی فیس بھر دیں۔"

"مگر ہم اتنی مہنگی یونیورسٹی افورڈ نہیں۔" الفاظ لبوں میں ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دم شاکڈ سے اس کو دیکھنے لگے۔ "ایک منٹ... تم کہہ رہی ہو کہ..."

"میں بالکل یہی کہہ رہی ہوں۔ ہم وہ پلاٹ بیچ دیتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" شاک کی جگہ غصے نے لے لی۔ "وہ میری ساری زندگی کی کمائی ہے، وہ تمہارا حق ہے، تمہاری شادی، زیور، سب اس سے بنے گا، اور بقیہ رقم تمہارا بینک بیلنس ہوگی۔ وہ تمہارا فیوچر ہے۔"

"سعدی ہمارا فیوچر ہے۔"

"پانچ سال کی پڑھائی، ہر سال کی لاکھوں روپے کی فیس... نہیں زمر! میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"یعنی آپ کو سعدی سے بالکل محبت نہیں ہے؟"

"مجھے ایموشنل بلیک میل مت کرو، یہ حربے مجھ پہ اثر نہیں کرتے۔" وہ تلخی سے اس کی بات کاٹ کر بولے۔ "مجھے وہ بہت پیارا ہے، اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے، مگر مجھے حنین اور اسامہ بھی پیارے ہیں اور سب سے بڑھ کر، مجھے تم پیاری ہو۔ میں ندرت کے گھر کا آدھے سے زیادہ خرچا اٹھاتا ہوں، کل کو حنین بڑی ہوگی، اور پھر تمہاری شادی جس وجہ سے ایک دفعہ شادی ٹوٹی، وہ دوبارہ نہیں دہرا سکتا میں۔"

"میری فکر مت کریں۔"

"تمہارے کہنے سے میں فکر کرنا چھوڑ تو نہیں سکتا میں باقی سب کو نظر انداز کر کے سارا پیسہ سعدی پہ

خرچ نہیں کر سکتا۔"

"جب وہ پڑھ کر آئے گا تو اتنی اچھی جاب ملے گی اسے کہ چند سال میں سب بنالے گا۔ پھر میں بھی تو کماتی ہوں۔" وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

"لعنت ہے مجھ پہ اگر میں اپنی بیٹی کو پیسہ کمانے کے لیے ضائع کردوں۔"

"اور اگر یوں ضائع کردیا تو؟" وہ لمحے بھر کو چپ ہوئے، مگر دلائل ختم نہیں ہوئے تھے۔

"وہ پاکستان میں بھی تو پڑھ سکتا ہے۔" زمر بہت بے زار ہوئی۔

"ابا! یہ بات مت کیجیے گا دوبارہ، کسی لوکل یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف لیڈز سے پڑھنے میں کتنا فرق ہے ہم دونوں جانتے ہیں۔"

"وہ پیسہ ہماری سیکیورٹی ہے۔"

"سعدی ہماری سیکیورٹی ہے۔"

بڑے ابا نے جھنجلاہٹ سے اسے دیکھا، اب کے ان کی آنکھوں میں گہرا رنج تھا۔

"زمر! مت کرو اپنے ساتھ ایسا۔ وہ پیسہ تمہارا حق ہے۔ میں تمہاری خوشیوں کا راستہ خراب کرکے سعدی کا کیریئر نہیں بنا سکتا۔"

"دولت کسی شادی کی ضمانت ہوتی تو سب سے زیادہ خوش بادشاہوں کی بیٹیاں ہوتیں اور پتا ہے ابا سب سے زیادہ ناخوش شاہزادیاں ہی رہتی ہیں۔"

بڑے ابا نے تھک کر کپ اٹھایا۔ ان کی چائے ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ الائچی، دار چینی کی مہک سب زائل ہوچکا تھا۔

"میں نہیں چاہتا۔ تم کل کو اس بات پہ پچھتاؤ۔"

"کیا آپ بھی مجھ پہ خرچ کرکے پچھتائے ہیں۔"

وہ اداسی سے مسکرائی۔ انہوں نے نفی میں گردن کو جنبش دی۔

"کبھی بھی نہیں، مگر میرا دل نہیں مانتا اور سعدی بھی تو نہیں مانے گا۔"

"اسے کون بتائے گا؟ میں نے میم رمشہ سے بات کرلی ہے، وہ یہی سمجھے گا کہ وہ اسکالرشپ پہ جارہا ہے کیونکہ اگر اسے پتا چلا کہ پیسے آپ دے رہے ہیں تو وہ کبھی نہیں لے گا۔"

"میں نہیں دے رہا، تم دینا چاہ رہی ہو، مگر میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا بالکل بھی نہیں۔"

وہ پھر سے مزاحمت کرنے لگے تھے۔ زمر نے آخری گھونٹ پیا، کپ میز پہ رکھا، ہاتھ گویا جھاڑ کر کھڑی ہوئی۔

"ایسا ہے یور آنر کہ بات شروع کرنے سے پہلے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے پاس کاغذات ہیں یا نہیں تو جناب وہ کاغذات اب آپ کے سیف میں نہیں ہیں۔ وہ میرے پاس ہیں اور میں پراپرٹی ڈیلر سے پہلے ہی بات کرچکی ہوں اس لیے اگر آپ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں آپ پہ مقدمہ کرسکتی ہوں اور کم از کم میرے حلقۂ احباب میں تو کوئی اچھا وکیل میرے خلاف آپ کا کیس لڑے گا نہیں اور اگر کوئی مل بھی گیا آپ کو تو کم از کم اگلے سات سال تو میں آپ کو کورٹ کے چکر ضرور لگواؤں گی اس لیے فی الحال آپ کے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہے۔"

اور بہت ملال میں گھرے بڑے ابا ہولے سے ہنس دیے، مگر پھر ملال لوٹ آیا، وہ چائے کے برتن اٹھا کر واپس جارہی تھی۔ انہوں نے اسے پکارا۔

"اس سے اتنی محبت نہ کیا کرو، اللہ ورنہ بہت آزمائشیں ڈال دیتا ہے۔"

زمر گہری سانس لے کر پلٹی اور ان کو دیکھتے ہوئے رسان سے بولی۔

"عمر بن خطاب نے فرمایا تھا" محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔" یہ میرے بس میں نہیں ہے، ابا۔" وہ آزردگی سے مسکرا کر کہتی وہاں سے چلی گئی۔

وہ فکر مند اور پریشان بیٹھے رہ گئے۔ ان کو آج احساس ہورہا تھا کہ اس کی شادی میں غیر ضروری دیر کرکے انہوں نے غلطی کردی۔ ان کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

☆ ☆ ☆

اسپتال کی مرمریں راہداری میں ہیل سے بھاگتے

قدموں کی آواز پہ سعدی نے سر اٹھایا۔ جواہرات، اپنے شوہر کے آگے تیز تیز آرہی تھی۔ اپنے سارے میک اپ اور تیاری کے باوجود اس کا سفید پڑا پریشان چہرہ کسی سے چھپا نہیں تھا۔ سعدی کے پاس وہ رکی متوحش نظروں سے بند دروازے کو دیکھا اور پھر اسے۔

"شیرو کیسا ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے۔"

"ہاشم کہاں ہے؟" اورنگ زیب قریب آئے۔

سعدی نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ اندر ہیں، آپ کے چھوٹے بیٹے کو ہوش آگیا ہے اس کو فوڈ پوائزنگ ہوگئی تھی۔"

اورنگ زیب آگے بڑھ گئے، مگر جواہرات وہیں کھڑی مضطرب سلگتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا تھا شیرو کو؟"

سعدی نے ایک نظر اورنگ زیب پہ ڈالی جو کمرے کا دروازہ کھول رہے تھے۔

"میرے سوال نظرانداز نہیں کیے جاتے جو بھی نام ہے تمہارا۔" وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔ "میں اپنا اکیلا گھر تمہارے اوپر چھوڑ کر گئی تھی اگر میرے بیٹے کی اس حالت کے ذمہ دار تم ہو تو تم بھگتو گے۔"

"مسز کاردار! آپ کے اکیلے گھر کے ڈھائی درجن ملازمین اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کے بیٹے کی طبیعت خراب تھی اور میں اسے صرف اسپتال لانے کا قصوروار ہوں۔" وہ شام میں اسے ملنے والے لڑکے سے زیادہ سنجیدہ اور سمجھ دار لگ رہا تھا، مگر جواہرات کے تنے تاثرات ہنوز ویسے تھے۔

"کس قسم کی چیز سے فوڈ پوائزنگ ہوئی اسے؟" وہ مشتبہ، غصے بھری نظروں سے اسے دیکھتے پھر سے غرائی۔ "اس نے دوپہر کو وہی کھایا جو ہم سب نے کھایا تھا۔"

"اسے فوڈ پوائزنگ نہیں ہوئی۔"

جواہرات کی آنکھیں تحیّر سے پھیلیں۔ "کیا مطلب؟ تم نے ابھی کہا۔۔۔"

"میں نہیں چاہتا تھا کہ کاردار صاحب کو یہ بات اس سے پہلی دفعہ ملنے سے پہلے پتا چلے۔" جیب سے ایک پیکٹ نکال کر اس کے سامنے کیا۔ "یہ ڈرگز مجھے اس کے پاس سے ملی تھیں اور خالی سگریٹ بھی۔ آپ کے بیٹے نے منشیات کی اوور ڈوز لے لی تھی جس سے اس کی جان بھی جا سکتی تھی۔"

جواہرات کی حالت یوں ہوگئی جیسے سانپ نے ڈنک مار دیا ہو۔ سفید چہرے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس نے سعدی کے چہرے سے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ تک کا سفر کیا۔

"تم۔۔۔ تم یہ کہہ رہے ہو کہ میرا بیٹا۔۔۔ ایڈکٹ ہے؟"

"صرف میں نہیں، ڈاکٹر نے بھی یہی بتایا ہے۔ یقیناً وہ کچھ عرصے سے ڈرگز لے رہا تھا۔"

جواہرات نے بولنے کی کوشش کی، مگر سارے الفاظ حلق میں کانٹے بن کر اٹک گئے۔ اس کا اندر باہر زخمی ہوگیا آنکھوں میں نمی اتری، مگر وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میرا بیٹا۔۔۔ وہ چوبیس گھنٹے میرے سامنے رہتا ہے، مجھے کبھی کیوں نہیں لگا کہ وہ ڈرگز لیتا ہے؟"

"آج کل کے لڑکوں کو پتا ہوتا ہے کہ انہیں کتنی مقدار لینی ہے اور بہت مہارت سے وہ یہ فن سیکھ جاتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی خود کو نارمل کیسے ظاہر کرنا ہے اور پھر ساتھ بیٹھے شخص کو بھی علم نہیں ہو سکتا کہ یہ لڑکا منشیات کے زیر اثر بیٹھا ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر نے کہا ہے۔"

جواہرات نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ تنے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کندھے بھی ڈھلک چکے تھے۔

"مگر وہ زندہ ہے مسز کاردار! اور زندگی سے اہم کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ اس کو محبت سے سمجھائیے گا وہ پلٹ آئے گا۔ آپ نے سنا تو ہوگا کہ amor vincit omnia ۔۔۔ (محبت فاتح عالم)۔ مجھے گھر جانا ہے، چلتا ہوں۔" وہ کہہ کر مڑنے لگا

توجواہرات تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

"کیا تم... اس سے ملو گے نہیں؟"

"اس کی فیملی اس کے پاس ہے اور میری فیملی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

وہ ذرا سا مسکرا کر کہتا پلٹ گیا۔ جواہرات یک ٹک کھڑی اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے غائب ہو گیا تو وہ تیزی سے پرائیویٹ روم کے دروازے تک آئی۔

☼ ☼ ☼

شام کا آسمان ہلکا سرمئی تھا۔ سورج نے بادلوں کے نارنجی کناروں کو دہکا رکھا تھا اور لائبریری کی کھڑکی اس منظر کو واضح دکھا رہی تھی، اندر ایک کونے میں لمبی میز بچھی تھی۔ ایک سرے پہ تین لڑکیاں بیٹھی کتابوں میں مگن تھیں دوسرے سرے پہ دو متصل کرسیوں پہ وہ دونوں بیٹھے تھے۔ زمر سر جھکائے گردن ترچھی کیے کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی اور فارس قریب بیٹھا بور سا ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"چلیں، یہ ٹاپک تو ختم ہوا۔ سب کلیئر تھا نا؟" آخری لفظ لکھ کر صفحہ اس کے سامنے کرتے ادھر زمر نے سر اٹھایا، ادھر فارس نے فوراً" سنجیدہ (اور سیدھے) ہوتے بہت توجہ سے اس کاغذ کو پڑھا۔

"جی، بالکل۔"

"اوکے۔ اب آگے چلتے ہیں۔" وہ نوٹس کے صفحے پلٹ کر اگلے موضوع پہ آئی پھر قلم والے ہاتھ کو عادتاً" ہلاتی، روانی سے سمجھانے لگی۔ فارس نوٹس کو دیکھتا ذرا ذرا دیر بعد سر اثبات میں ہلا دیتا۔ براہ راست اس کے چہرے پہ صرف دو ایک بار نگاہ ڈال سکا پھر سر جھکا لیا۔

زمر کا فون بجا تو وہ رکی، نمبر دیکھا اور موبائل کان سے لگایا۔

"جی سر! میں نے ہی وہ شیٹ آپ کو بھجوائی تھی۔" وہ رک کر سننے لگی۔ "جی بالکل، میں نے تمام اسٹوڈنٹس کی حاضری درج کی ہے سوائے حبیبہ وقار کے۔ میں نے دانستہ طور پہ اس کا خانہ خالی چھوڑا ہے۔" وہ گھنگھریالی لٹ کو انگلی پہ رول کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے ترچھی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"سر! صاف بات ہے، امتحان میں بیٹھنے کے لیے ساٹھ فیصد حاضری ضروری ہے اور اس بچی کی حاضری چالیس فیصد ہے، مگر چونکہ وہ ڈاکٹر طاہر اکرم کی بھانجی ہے، اس لیے ڈاکٹر صاحب نے مجھے کال کر کے اس چالیس کو ساٹھ بنانے کا کہا ہے سو میں نے یہ خانہ خالی چھوڑ دیا ہے کیونکہ میرا قلم تو اس کو ساٹھ نہیں کرے گا۔ آگے آپ کی مرضی، آپ اس کو ساٹھ کریں یا نوے۔ میں بری الذمہ ہوں۔"

سادگی سے ساری بات کہہ کر وہ ان کی سننے لگی۔ پھر الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھا اور کتاب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"خیریت، میم؟"

زمر نے جھکے چہرے کے ساتھ ذرا مسکرا کر سر جھٹکا۔ "ہوں۔ یہ سب تو چلتا رہتا ہے۔ کوئی بھی نوکری پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔" وہ کتاب دوبارہ کھولنے لگی۔ فارس نے اب کے ذرا غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" زمر نے سوالیہ نظریں اٹھائیں تو وہ کندھے ذرا اچکا کر ٹھوڑی سے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے میں عادتاً" ذرا ذرا نوچتا بولا۔

"یونہی خیال آگیا۔ اس دن جو آپ نے کیا سعدی کے گھر... جان کر چابیاں بھولنا..."

زمر کے لیے یہ جملہ غیر متوقع تھا۔ وہ لمحہ بھر کو بالکل دھک سے رہ گئی، پھر چہرے پہ سرخی سمٹ آئی۔ سر جھٹک کر اس نے کچھ کہنا چاہا پھر خود ہی رک گئی۔ چند ثانیے خاموشی میں گزر گئے۔ اگر وہ جان چکا تھا تو یہ زمر کی عادت نہیں تھی کہ وہ انکار کرتی۔

"مجھے نہیں پتا، آپ کو سعدی کتنا عزیز ہے، مگر ہمارے لیے وہ خاندان کا پہلا بچہ تھا اور بچے برابر پیارے ہوتے ہیں، مگر جو توجہ پہلے کو ملتی ہے وہ دوسروں کے آنے تک ہم اس مقدار میں دینے سے

قاصر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسامہ چھوٹا ہے' مگر حنین۔۔۔۔ وہ میرے ہر وقت صرف "ہمارا سعدی' ہمارا سعدی" کرتے رہنے سے مجھ سے کافی Shy (شرمائی) رہنے لگی ہے۔ عرصہ پہلے میں واقعی کچھ بھول گئی تھی ایک دو دفعہ' لیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ ہر دفعہ کھڑکی میں میرا انتظار کرنے لگی ہے۔ وہ بہت ذہین ہے اور دنیا ذہین لوگوں کو تنہا کر دیتی ہے۔ اسے ہمیشہ مجھ سے امید ہوتی ہے کہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑوں گی' سو میں خود اسے ہر دفعہ یہ امید نئے سرے سے تھما آتی ہوں۔"

قدرے توقف سے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ہو سکتا ہے آپ کو یہ غلط لگے' مگر میرے نزدیک کسی عزیز شخص کو اپنے قریب رکھنے کے لیے کوئی بہانا کرنے میں کوئی برائی نہیں۔"

فارس نے بے اختیار ان تازہ فوٹو کاپی شدہ نوٹس کو دیکھا اور پھر زمر کو۔ "بالکل' میرے نزدیک بھی نہیں۔"

وہ اسی سنجیدگی سے ادھورا چھوڑا موضوع واپس کھولنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد فارس ذرا کھنکھارا۔

"بتانے کا شکریہ۔ حنین کو نہیں بتاؤں گا۔ سیریسلی۔"

زمر نے صرف ایک کڑی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے اس بات کی بالکل فکر نہیں' کیونکہ اتنا تو آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ میرا اعتبار توڑ کر آپ کبھی بھی بچ نہیں سکتے۔" پھر نوٹس اس کے سامنے رکھے اور سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑ لیا جہاں سے توڑا تھا۔

فارس اپنے چہرے پہ زمانے بھر کی بوریت سجائے خاموشی سے سنتا رہا۔

☼ ☼ ☼

مسز رمشہ کے آفس میں ایک دفعہ پھر چائے کے دو کپ میز کے مخالف کناروں پہ رکھے تھے۔ اس دفعہ سعدی کی طرف والا کپ آدھا خالی تھا اور مسز رمشہ کا ان چھوا۔ وہ ساری بات سعدی کو بتا کر اب بالکل خاموشی سے اس کا ردعمل دیکھ رہی تھیں۔

وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "آپ یہ کہہ رہی ہیں میم! کہ آپ نے میرے ڈاکومنٹس ایک پرائیویٹ اسپانسر کو بھجوائے ہیں اور انہوں نے مجھے اسپانسر کرنے کی ہامی بھر لی ہے؟ اور وہ ہر سال میری فیس جمع کرواتے رہیں گے؟" وہ واقعی بے یقین تھا۔

"فیس جمع اخراجات جتنی رقم ہم دے رہے تھے وہی رقم وہ دیں گے۔"

"آ۔۔۔ تھینک یو۔۔۔ مجھے نہیں پتا مجھے کیا کہنا چاہیے۔" وہ خوش تھا اور خوشی اتنی تھی کہ اس میں ٹھیک سے کوئی تاثر بھی نہیں دے پا رہا تھا۔ "مگر وہ ہیں کون؟"

میڈم نے خاموشی سے سامنے رکھے ڈیکور باسکٹ میں سے ایک کرسٹل بال نکالی اور اسے انگلیوں میں گھماتے ہوئے' نظریں سعدی کے چہرے سے ہٹائے بنا بولیں۔

"ہے کوئی جس کا دل بہت امیر ہے اور آپ پہ خرچ کرنے کو پیسہ بھی بہت ہے۔" پھر ذرا سنبھل کر گویا ہوئیں۔ "ایک چیریٹی بزنس مین ہیں' بہت سے اسٹوڈنٹس کو پرائیویٹ طور پر اسپانسر کرتے ہیں' آپ کے کوائف ان کو اچھے لگے اور سب سے اچھی یہ بات لگی کہ آپ نے ترجیحات میں اپنے خاندان کو پہلے نمبر پہ رکھا۔"

"جی مگر' کیا میں ان کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟ مطلب اگر میں ان سے ملنا چاہوں تو۔۔۔؟"

کرسٹل بال گھماتے ان کے ہاتھ رکے' وہ نفی میں سرہلاتی پیچھے ہو کر بیٹھیں۔

"بالکل بھی نہیں سعدی! میرے کچھ اصول ہیں' میں اسپانسر کی کوئی تفصیل آپ کو فراہم نہیں کر سکتی۔"

"اگر میں اصرار کروں تو بھی نہیں؟ میں صرف ان کا شکریہ۔۔۔"

"کچھ سوالوں کے جواب جاننا ضروری نہیں ہوتا' ان کو سوال ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ میں آپ کا شکریہ

پہنچادوں گی ان تک۔"

"اچھا..." وہ اداس ہوا۔ "کاش میں ان سے مل سکتا۔" پھر ذرا چونکا۔ "آپ میری زمر پھوپھو کو جانتی ہیں نا؟ آپ نے اُن کو بتایا یہ سب؟"

ذرا پرجوش ہو کر وہ آگے ہوا۔ میڈم نے جواب دینے سے پہلے بہت دیر تک اس کا تمتماتا چہرہ دیکھا۔

"کیا آپ چاہتے ہو کہ میں ان کو ابھی خبر کردوں؟"

"نہیں نہیں، پلیز آپ مت بتایئے گا، میں خود ان کو سرپرائز دوں گا۔ تھینک یو سو مچ۔ میں چلتا ہوں۔" جلدی جلدی اجازت مانگتا، شکریہ کرتا دوبارہ آنے کا کہتا وہ دروازے کی طرف لپکا۔

"سعدی! آپ کی پھوپھو آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ ان کے لیے کبھی کوئی قربانی دینی پڑے تو پیچھے مت ہٹنا۔" وہ جاتے جاتے مڑا۔

"جی، بالکل۔ اچھا آپ مت بتایئے گا، میں خود بتاؤں گا۔" اور وہ باہر تھا۔ میڈم نے سر جھٹک کر گہری سانس اندر اتاری اور سوچا محبت ایک بہت سادہ اور بہت پیچیدہ شے ہے۔

☆ ☆ ☆

حنین، سعدی کے ساتھ آئی تھی اور جتنی دیر وہ مسلسل جوش سے بولتا، دادی اور پھوپھو کو اپنے اسکالر شپ کی تفصیل بتاتا رہا، حنین اس کیک کے تین ٹکڑے کھا چکی تھی جو سعدی نے راستے سے لیا تھا۔

"یعنی کہ تمہاری ساری پڑھائی مفت؟ اور اخراجات بھی؟ واہ بھئی یہ تو کمال ہو گیا۔"

بڑی امی بہت خوش تھیں، بار بار سعدی کے سر اور کندھے پہ ہاتھ پھیر کر کہتیں پھر فوراً" اضافہ کرتیں۔

"ندرت سے امید نہیں تھی کہ بچوں کو پڑھا پائے گی، اصل میں تمہارا باپ بہت لائق تھا، تم اور حنہ اسی پہ گئے ہو۔"

(اور سعدی، حنہ کے لیے یہ باتیں بے اثر تھیں۔ بڑی امی کے پاس ایک پوری فہرست تھی کہ فلاں صدی میں، فلاں کے گھر ندرت نے مجھے یوں اور یوں کہا اور ندرت کے پاس بھی ایسی ہی ایک چارج شیٹ ہمہ وقت تیار رہتی تھی اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں سعدی کہا کرتا تھا۔

"ہر شخص کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ اللہ نے مرد کو دو کان اس لیے دیے تاکہ ایک سے سن کر دوسرے سے نکال دے اور عورتوں کو دو اس لیے دیے تاکہ دونوں سے سن کر منہ سے نکالیں۔"

اور زمر خاموشی سے مسکراتی، ٹیک لگا کر بیٹھی اسے سن رہی تھی جو تب سے بولے جا رہا تھا۔

"میم نے مجھے ان کا نام تک نہیں بتایا، میرا بہت دل تھا کہ میں ان سے ایک دفعہ مل کر ان کا شکریہ ہی ادا کر سکوں۔" وہ یاد کر کے پھر سے اداس ہوا۔ حنین نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے آگے ہو کر چوتھا ٹکڑا نکالا، پیچھے ہوئی اور پوری دل جمعی سے کھانے لگی۔

"زمر!" سعدی لحظہ بھر کو چونکا۔ "آپ تو میڈم کو جانتی ہیں نا، آپ ان سے پتا کروا دیں تاکہ مجھے اسپانسر کس نے کیا ہے؟"

زمر ہنوز مسکرا رہی تھی۔ مطمئن اور پرسکون۔ سعدی کی بات پہ چند لمحے کے وقفے سے وہ بولی۔

"ٹھیک ہے، میں پتا کروا دوں گی، اگر انہوں نے بتایا، تو میرے اتنے ذرائع ہیں کہ میں وہ نام ڈھونڈ لوں گی، لیکن..." وہ لحظہ بھر کو رکی۔ "سعدی! احسان کا بدلہ کیا احسان کے سوا بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، مگر تمہیں نہیں لگتا کہ اگر کوئی تم پہ پیسہ لگا رہا ہے اور بدلے میں صرف اس کی اتنی خواہش ہے کہ وہ بے شناخت رہے تو تمہیں اس خواہش کا احترام کرنا چاہیے؟"

سعدی کے لب "اوہ" میں سکڑے۔ حنین نے اب پانچواں ٹکڑا اٹھایا۔

"یہ تو... میں نے سوچا ہی نہیں۔"

"ہاں، زمر ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس آدمی کے پاس ہوگا فالتو کا پیسہ، یہ نہ ہو کہ تمہارے ایسے قدم سے ناراض ہو کر فیس دینے سے انکار کردے۔" بڑی امی

بہت سمجھ داری سے کھلے لگیں۔ زمر کی مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ سعدی نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ پھر یاد آنے پہ پوچھا۔

"ویسے، جب ہم داخل ہوئے تو وہ کھوکھر صاحب باہر نکل رہے تھے، یہ وہ پراپرٹی ڈیلر ہیں نا جن کے پاس آپ نے مجھے بھیجا تھا جب ہم گھر بدلنے کا سوچ رہے تھے۔"

زمر کی مسکراہٹ صرف لمحے بھر کو ہلکی ہوئی، پھر وہ دوبارہ مسکرا دی۔ بڑی امی نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں، ان کی جائیداد کا کیس میں ڈیل کر رہی تھی، اصل میں ان کی بہو کی اپنی ساس سے بالکل نہیں بنتی تب ہی بیٹا حصہ مانگ رہا ہے، میرا تو خیال ہے وہ بہو کافی سمجھ دار لڑکی ہے اور سارا قصور ساس کا ہی ہو گا، مگر....." کن اکھیوں سے ماں کو دیکھتے وہ سانس لینے کو رکی کہ بڑی امی کافی جوش میں آگے ہو کر کہنے لگیں۔

"کیوں؟ تمہیں کیا پتا، وہ ساس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے جب....."

"چھوڑیں نا، ہمیں کیا بڑی امی! آئیے، کیک کھاتے ہیں۔" سعدی جلدی جلدی کہتا میز کی طرف رخ موڑ کر بیٹھا تو.....

کیک نفاست سے کٹا آدھا بچا تھا اور دوسری طرف صوفے پہ حنین یوسف بالکل صاف ہاتھ منہ کے ساتھ، ہتھیلی پہ ٹھوڑی جمائے بیٹھی علامہ اقبال کی طرح خلا میں گھور رہی تھی۔ سعدی نے اسے گھورا اور زمر نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ سعدی کو نظرانداز کر کے زمر کو دیکھ کر شرمیلا سا مسکرائی۔

"میرا اندازہ تھا کہ آج تم لوگ آؤ گے، اس لیے میں نے بہاری کباب بھی منگوا لیے تھے، پہلے وہ کھاتے ہیں پھر کیک۔"

زمر کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حنین کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سعدی بس سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اس نامعلوم دل کے امیر شخص کی وجہ سے اتنا خوش تھا کہ گھر جا کر امی کو حنین کا بتانے کا ارادہ ترک دیا۔

اور چوکھٹ میں ذرا اوٹ میں کھڑے بڑے ابا نے تاسف اور فکرمندی سے زمر کے چہرے کو دیکھا، جو بہت طمانیت سے مسکراتی ہوئی کچن کی طرف جا رہی تھی وہاں کوئی پچھتاوا، کوئی ملال نہیں تھا۔ ملال تو ان کے دل میں بھی نہیں تھا، مگر ذہن میں پریشانی ضرور تھی۔

سعدی اب بڑی امی سے پوچھ رہا تھا کہ وہ اس کے ماموں کے کزن کی شادی میں آئیں گی یا نہیں؟ اور بڑے ابا گہری سانس لیتے اندر چلے آئے۔ ابھی انہیں سعدی کا سرپرائز پہلی دفعہ سن کر اس پہ پہلا تاثر دینا تھا۔

☆ ☆ ☆

کاردار خاندان کا قصر، موسم گرما میں بھی بہار کے پھولوں سے سجا تھا۔ ولیمہ کی دعوت کا تھیم "پھول" تھے اور وہ جگہ جگہ بکھیرے گئے تھے۔ لان میں مستطیل میزوں کے گرد صوفے تھے اور مہمان کہیں بیٹھے، کہیں چل پھر رہے تھے۔ ان سب میں مرکز نگاہ وہ جوڑا تھا جس کے اعزاز میں وہ سب جمع تھے۔ ہاشم کا سوٹ سیاہ تھا اور شہرین کا گاؤن موتی جیسا سفید۔ سر پہ باریک کامدار دوپٹا کندھوں کے پیچھے گرتا تھا اور وہ ہاشم کی کہنی کو تھامے ہنستی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ کافی دیر سے وہ دونوں آگے پیچھے مہمانوں میں گھوم رہے تھے۔ ان کو دیکھتی نگاہوں میں حسد، رقابت، خوشی، خلوص، غرض ہر طرح کے لوگوں کا ہر طرح کا جذبہ موجود تھا۔ صرف ایک شخص کی نگاہ مختلف تھی۔

سعدی اور حنین کی میز پہ موجود وارث بہت خاموش اور تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود فارس سے ذرا بڑا صاف رنگت اور گلاسز والا خوش شکل سا مرد تھا۔ اس کے انداز میں اس خاندان کے لیے قدرے ناپسندیدگی تھی اور وہ شاید صرف فارس کے مدعو کرنے پہ آیا تھا۔

"خالہ اور بچوں کے بغیر کیسی گزر رہی ہے، ماموں؟" ساتھ بیٹھے سعدی نے مخاطب کیا تو وارث

نے ہاشم سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔ سعدی اپنے اکلوتے سوٹ میں جو اس پہ ذرا کھلا تھا بڑا بڑا لگ رہا تھا۔

"بس اب تو صرف تین سال رہ گئے ہیں۔" وہ دھیما سا مسکرایا۔

"آپ ہماری پارٹی میں کیوں نہیں آئے؟" سامنے ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے بور سی بیٹھی حنین نے ناراضی سے پوچھا۔

"کیا اس کٹو بیگم کو کھانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا سعدی؟"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" انگریزی فلموں کے سارے بااعتماد اور ترنت جواب حنین کو یاد تھے۔

"میں مصروف تھا اور پھر جس پارٹی پہ تم لوگ اپنی پھپھو کو بلاتے ہو اس پہ میرا آنا نہیں بنتا۔ اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" حنین چپ ہو گئی پھر بور سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی 'تب ہی وہ اپنی دلہن کے ہمراہ ان کی میز تک آیا۔ وہ تینوں اس کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"بس۔۔۔۔ باقی سب کہاں ہیں؟" ہاشم نے شہرین سے تعارف کروا کر حیرت سے سعدی کو دیکھ کر پوچھا۔

"سیم کو بخار تھا تو امی اس کے پاس رک گئیں۔ بڑے ابا کی فیملی کو کہیں اور جانا تھا اور فارس ماموں۔۔۔۔" کہتے ہوئے سعدی نے لان کے داخلی چیک پوائنٹ کو دیکھا۔ "تو وہ دعوت کے شروع میں تھے' مگر پھر وہ ایوننگ کلاس کے لیے چلے گئے۔"

(جبکہ فارس نے بس سرسری سا پوچھا تھا' تمہارے دادا کی فیملی نہیں آئے گی؟ سعدی نے بتایا' نہیں' تو وہ بس دس منٹ رکا اور پھر اٹھ گیا۔ وارث بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہتا تھا' مگر سعدی اور حنین کی وجہ سے وہ پابند ہو کر رہ گیا تھا۔)

"اس دن کے لیے دوبارہ شکریہ۔" اس نے پھر سے سعدی کا کندھا تھپک کر کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا اور بات بدلنے کو ماموں کی طرف مڑا۔

"میں اس دن جو سارہ خالہ کے بارے میں بتا رہا تھا' وہ ان کی وائف ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ہاشم نے مسکرا کر سر ہلایا۔ شہرین پلٹ کر کسی اور سے باتیں کرنے میں محو تھی۔

"اور وارث! کیا کر رہے ہو آج کل؟"

جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے وارث نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"کچھ گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

ہاشم نے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ "میری مدد کی ضرورت ہو تو بتانا۔"

"ہوں۔۔۔۔ ضرور بتاؤں گا۔"

ہاشم مسکرا کر جانے کو مڑا' پھر حنہ کو دیکھ کر رکا۔

"میں نے اتنا shaky کیمرا ورک آج تک نہیں دیکھا۔" اس کی تعریف کر کے وہ پلٹ گیا تو حنین نے شانے جھٹکے۔

"پتا نہیں پہلی دفعہ میں کوئی میرا یقین کیوں نہیں کرتا۔"

"کیا شاندار بندے ہیں یہ ہاشم بھائی۔" واپس بیٹھتے ہوئے سعدی نے بہت فخر سے کہا تو وارث نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون ہے؟"

"جی یہ بہت اچھے وکیل ہیں۔"

"بہت اچھے دفاعی وکیل ہیں' وہ بھی کرمنلز کے اور کرمنل کے دفاعی شخص کو میں کرمنل سے الگ نہیں سمجھتا۔"

"ماموں!" سعدی بہت سنجیدگی سے اس کی طرف مڑا۔ "ہو سکتا ہے آپ ان کو پسند نہ کرتے ہوں اور شاید ان کی عزت بھی نہ کرتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ان کی کمپنی کرپشن میں بھی ملوث ہو مگر اس سب کے باوجود ہم ان کو کرمنل نہیں کہہ سکتے۔ میں ان کو جانتا ہوں' وہ بہت اچھے ہیں۔"

وارث چپ ہو گیا۔ اگر سعدی کو پتا چل جائے کہ وہ ہاشم کو اتنا نہیں جانتا تو۔۔۔۔؟

میری اینجیو مسکراتے ہوئے آئی اور سعدی کے کان کے قریب جھکی۔

"مسز کاردار آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ چونکا' پھر ان سب سے معذرت کرتا اٹھ آیا۔

باہر نیلی شام میں سیاہی گھلنے لگی تھی مگر اندر روشنیوں کا سورج جوبن پہ تھا۔ پھول ہی پھول' روشنی ہی روشنی۔ لاؤنج میں رک کر سعدی نے گردن اٹھائی۔ سیڑھیوں سے اوپر ہاشم کے کمرے کے سامنے ریلنگ پہ کہنی ٹکائے دوسرے ہاتھ میں نیکلس کا موتی گھماتی وہ کسی ملکہ کی شان سے کھڑی تھی۔ سرخ لمبا گاؤن' سرخ لپ اسٹک کے ساتھ آنکھوں میں گہرا کاجل اور گہرا اضطراب تھا۔

سعدی قدم قدم چڑھتا اوپر آیا۔ بالکل جواہرات کے مقابل۔

"آپ کا چھوٹا بیٹا کیسا ہے؟" سعدی نے کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔ جواہرات مضطرب سی' مسکرانے کی سعی کی' مگر آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

"وہ تیار ہے۔ کمرے میں ہے۔ بھائی کے لیے دعوت میں شامل ہو بھی جائے گا مگر... خوش نہیں ہو گا۔" مسکراتے ہوئے سر جھٹکنے کی سعی میں ضبط سے آنکھیں گلابی ہوتی گئیں۔ سعدی نے پتلیاں سکیڑ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"یعنی... کاردار صاحب کو علم ہو گیا؟" جواہرات نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اورنگ زیب نے اسے بہت جھڑکا ہے۔ وہ اپ سیٹ ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں مسز کاردار؟" وہ نرمی سے بولا۔

"ہر پریشانی میں ایک ہی خیال ہوتا ہے ہاشم سنبھال لے گا' مگر آج ہاشم کا بڑا دن خراب نہیں کر سکتی' ورنہ سنبھال تو وہ اب بھی لیتا۔" اس نے نرمی سے سعدی کی کہنی پہ ہاتھ رکھا۔ "کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟"

سعدی نے گردن موڑ کر شیرو کے کمرے کو دیکھا۔

"مجھے کوشش کرنے دیں۔" اس نے دروازے پر دستک دی۔ جواہرات ایک طرف ہٹ گئی۔ سعدی نے دروازہ دھکیلا۔

بیڈ کے کنارے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سوٹ' جوتے' ٹائی' سب تیار تھا' مگر خود بجھا بجھا سا تھا۔ سعدی کو دیکھ کر وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"میں' سعدی... فارس کا..."

"آئی نو... بھائی نے بتایا تھا۔ آؤ۔"

سعدی چند قدم اندر آیا' دروازہ واپس دھکیلا' تو وہ چوکھٹ سے تین انچ کے فاصلے پہ جا ٹھہرا۔ باہر کھڑی جواہرات کی مضطرب سماعتیں وہیں لگی تھیں۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ سامنے کھڑے کھڑے احتیاط سے پوچھنے لگا۔ شیرو نے سر جھٹکا۔

"بتایا تھا ممی نے کہ تم نے مجھے بچانے کی کوشش کی تھی' تھینکس۔ مگر کاردار صاحب کو علم ہو گیا۔"

"میں نے تمہیں بچانے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ وہ فکر مند تھے' میں نے ان کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہا تھا۔" جواہرات نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ شیرو بھی چونکا تھا۔

"وہ میرے لیے... کبھی پریشان نہیں ہو سکتے۔" پھر رکا۔ "کیا وہ واقعی پریشان تھے؟"

"بہت زیادہ... اس لیے تمہیں نیچے جا کر ان کو ان کے بیٹے کی شادی کی مبارک باد دینی چاہیے۔"

نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں خفگی در آئی۔ "کیا تمہیں لگتا ہے وہ مجھے معاف کر دیں گے؟" آواز بلند ہونے لگی۔ "میں ہارورڈ نہیں جا سکا۔ کولمبیا نہیں جا سکا' میں ان کے آفس میں دلچسپی بھی نہیں رکھتا' میں ڈرگز لینے لگ گیا تھا اور اس روز ڈرگز کے باعث میں نے خود کو اسپتال پہنچا دیا۔ ان کو اتنا مایوس کیا خود سے۔ اس سب کے بعد وہ مجھے کیا سمجھتے ہوں گے؟"

"صرف اپنا بیٹا۔"

وہ جو غصے سے بولے جا رہا تھا۔ جھٹکا کھا کر رکا۔ تنے تاثر ڈھیلے پڑے۔ یک ٹک سعدی کو دیکھے گیا۔

"اور معافی' شکریہ اور اظہار محبت' ان تین چیزوں

کی خون کے رشتوں میں بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف رویہ درست کرنا ہوتا ہے اور سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"اور... اور اگر انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا؟" وہ اندر سے ڈرا ہوا تھا۔

"میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں نوشیرواں!" سعدی نے سر جھکائے، جوتے سے لکڑی کا فرش مسلتے کہنا شروع کیا۔

"میں ایک لڑکے کو جانتا ہوں جس کا باپ اسکول ٹیچر تھا۔ تنخواہ کم تھی اور گزارہ مشکل سے ہوتا، مگر وہ لڑکا کبھی بھی اپنے باپ کے سامنے خواہشات کی فہرست نہیں رکھتا تھا۔ اسکول لے جانے کو پیسے بھی نہ مانگتا، مگر جب وہ تیرہ سال کا تھا تو اسکول فنکشن کے لیے اسے نئے جوتوں کی ضرورت پڑی بلکہ ضرورت نہیں، صرف خواہش تھی کیونکہ اس کے دوستوں نے نئے جوتوں کی نمائش کی تھی، وہ جن میں رنگ برنگی لائٹیں لگی ہوتی ہیں۔ اس روز اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے بھی وہی جوتے چاہئیں۔ باپ کچھ دیر کو چپ ہوا تو وہ سمجھا کہ باپ نہیں لے کر دے گا، وہ باپ سے ناراض ہو گیا، اس نے باپ سے بات کرنا بھی ترک کر دی۔ رات اس کے سرہانے اس کا باپ آیا اور کہا کہ وہ اسے کل جوتے لا دے گا، بالکل وہی جوتے، مگر وہ لڑکا ناراض رہا اور آنکھیں بند کر کے سوتا بن گیا۔

صبح اس کا باپ اسکول سے جلدی چھٹی لے کر جوتوں کی اس مہنگی دکان پہ گیا۔ جانے کہاں سے پیسے جوڑ کر اس نے وہ جوتے خریدے اور جب وہ سڑک عبور کر رہا تھا تو ایک بس نے اسے ٹکر مار دی۔" لمحے بھر کو نیچے دیکھتا سعدی خاموش ہوا۔

"جب لوگ اس کے باپ کی لاش کو گھر لائے تو ساتھ خون میں نہایا جوتوں کا ڈبا بھی تھا۔ جوتے آ گئے نوشیرواں! باپ چلا گیا۔ اگر تم اس لڑکے سے کہو کہ اس شرط پہ کہ اس کی زندگی پانچ منٹ بعد لے لی جائے گی، اس کا باپ اس کے سامنے آ جائے اور ان پانچ منٹ میں صرف اس کو ڈانٹے، اور وہ ساری ڈانٹ سن کر صرف معافی مانگ سکے تو اس لڑکے کو وہ پانچ منٹ کی زندگی بھی قبول ہو گی، کیونکہ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال میں اس نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ باپ کا کوئی replacemnet نہیں ہوتا۔"

نوشیرواں کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔ وہ ایک دم اٹھا اور باہر نکل گیا۔ جواہرات پیچھے ہوئی، مگر اسے دیکھے بغیر وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے لاؤنج میں اورنگ زیب کھڑے کسی ملازم کو ہدایات جاری کر رہے تھے۔ شیرواں ان کے قریب رکا، جھجکا، پھر ان کو کچھ کہتے ہوئے ان کے گلے لگا۔ شاید وہ ہاشم کی شادی کی مبارک باد دے رہا تھا۔

اورنگ زیب نے سن کر اسے خود سے الگ کیا۔ خفگی سے کچھ کہتے کوٹ کا بازو جھاڑا جیسے شکن نہ پڑ گئی ہو، مگر اب ان کے چہرے پہ وہ سختی نہ تھی اور شیرو کا چہرہ دمک رہا تھا۔ جواہرات نے آنکھیں بند کیں۔ ساری نمی اندر اتاری اور پھر پلٹ کر کمرے میں آئی۔

سعدی یونہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ آہٹ پہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ہلکا سا مسکرایا۔

"تھینکس!" وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"کیا واقعی... اورنگ زیب اس دن شیرو کے لیے پریشان ہوا تھا؟"

"اور کیسے پریشان ہوا جاتا ہے؟" اسے الٹا تعجب ہوا۔ جواہرات نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"شاید، میں بھی شیرو کی طرح کبھی کبھی اس کو سمجھ نہیں پاتی۔ وہ ایک سخت گیر باپ ہے، مگر... اسے صرف ہاشم سنبھال سکتا ہے۔ خیر... کبھی کبھی آ جایا کرو۔ تم سے بات کر کے اچھا لگتا ہے۔"

"میں لیڈز چلا جاؤں گا جلد، مجھے اسکالر شپ مل گیا ہے۔ کیمیکل انجینئرنگ۔"

"شیرو بھی... انجینئرنگ پڑھے گا۔"

"مگر وہ تو مانچسٹر جائے گا، ہاشم بھائی نے بتایا تھا۔"

جواہرات نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی اور ایک شیرو کے کمرے پہ۔

"نہیں، اس نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔"

(اچھا؟ سعدی کو حیرت ہوئی۔ ہاشم بھائی تو بالکل شیور تھے۔)

"کیا تم مجھے اپنی فیملی سے نہیں ملواؤ گے۔" وہ مسکرا کر خود کو کمپوز کرتی اس کے ساتھ باہر آئی۔ سعدی نے بھی مسکرا کر سر ہلایا۔

وہ دونوں ہمراہ چلتے جب سیڑھیوں کے وسط میں تھے تو جواہرات نے رک کر اسے دیکھا۔

"اگر اس لڑکے کے والد آج زندہ ہوتے تو اس پہ بہت فخر کرتے۔"

سعدی نے جواب نہیں دیا، بس اداسی سے مسکرا کر زینے اترنے لگا۔

☆ ☆ ☆
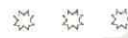
شام، مغرب میں ڈھل چکی تھی اور فارس لائبریری کے کونے والی میز پہ بیٹھا بور سا ہو کر بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ سامنے نوٹس اور کتابیں بھی منتظر سی پڑی تھیں۔

دفعتا" وہ آتی دکھائی دی۔ کندھے پہ بیگ، ہاتھوں میں کتابیں، بال جوڑے میں بندھے۔ تھکے تھکے انداز میں کرسی کھینچی، بیگ رکھا۔ فارس فورا" سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"مجھے نماز میں دیر ہو گئی۔" اس کو دیکھے بنا وہ بیٹھ کر کتاب کھول رہی تھی۔ فارس نے سر کو خم دیا، پھر لگا کوئی اور بھی سامنے کھڑا ہے، چونک کر چہرہ اٹھایا تو ساتھ والی کرسی کھینچ کر جمشید افضل بیٹھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ فارس ناگواری سے اسے روکتا کہ بھائی تم کدھر؟ زمر نے کہا۔

"جمشید کو بھی یہی ٹاپک سمجھانا تھا۔ بیٹھئے جمشید۔ یہ آج ہم کور کریں گے۔" کتاب کے صفحے پلٹتے اشارہ کرتی وہ بہت مصروف لگ رہی تھی۔ تھکی ہوئی بھی۔

عینک لگانے والا وہ دبلا پتلا **تھیٹا** اسٹوڈنٹ تابعداری سے سامنے بیٹھا۔ فارس نے تند نگاہوں سے اسے گھورا اور ضبط سے رخ پھیر لیا۔ وہ شدید بدمزا ہوا تھا۔ خود اسے بھی معلوم نہیں کہ کیوں۔

زمر اب بال پین ہاتھ میں پکڑے باری باری دونوں کو دیکھتی سمجھا رہی تھی۔ جمشید جلدی جلدی رجسٹر پہ نوٹس لینے میں مگن تھا اور فارس گاہے بگاہے ایک اکھڑی اکھڑی سی نظر اس پہ ڈال لیتا۔ "ہونہہ..... یہ بنیں گے وکیل۔ جج نے ایک پھونک مارنی ہے، اور اس نے اڑ جانا ہے۔"

دس منٹ بعد وہ لڑکا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ وہ کچھ پوچھ رہا تھا اور زمر دوبارہ اسے وہی بات سمجھا رہی تھی۔ فارس کی بے زاری بڑھنے لگی۔ تب ہی زمر کا فون بجا۔ کال ضروری تھی، وہ معذرت کرتی اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اس نے اب بہت فرصت سے پتلیاں سکیڑ کر اس **چشمش** کو دیکھا پھر اس کے سامنے میز انگلی سے بجائی۔ رجسٹر پہ لکھتے لڑکے نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ کتاب پکڑانا۔" تحکم سے میز کے دوسرے سرے پہ رکھی کتاب کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تابع داری سے سر ہلاتا جیسے ہی اٹھا، فارس نے اس کی کتابوں کے ساتھ رکھا اس کا موبائل اچک کر اپنی جیب میں رکھا۔ لڑکا واپس آیا، کتاب سامنے رکھی اور رجسٹر پھر سے کھول لیا۔ فارس نے ہتھیلی اس کے سامنے کی۔

"ذرا فون دینا اپنا۔ میرا کریڈٹ نہیں ہے۔ ایک کال کرنی ہے۔"

لڑکے نے مسکرا کر اپنی کتاب ہٹائی، پھر رجسٹر ہٹایا، پھر نوٹس ایک طرف کیے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ پریشان سا چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ پھر جیب تھپتھپائے۔

"نہیں دینا تو نہ دو۔" وہ بگڑے موڈ سے بولا۔

"نہیں، ابھی تو میرے پاس تھا۔ آپ بیل دیں گے ذرا؟"

"لو..... میرا کریڈٹ ہوتا تو تم سے کیوں مانگتا۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "ویسے آخری دفعہ کہاں استعمال کیا تھا فون؟"

"وہ.....ہاں.....ڈاکٹر عبدالباری کے آفس کے

بسامنے۔"

"وہ تو دو بلاکس دور ہے' راستے میں گرا ہو گا۔ اب تک تو کوئی لے اڑا ہو گا۔ یوں کرو' واپس جاؤ اور راستے کا ایک ایک پتھر اٹھا کر دیکھو۔ شاباش۔" ساتھ ہی اس کا شانہ تھپتھپایا۔ وہ سنگل پسلی ہل کر رہ گیا' پھر جلدی جلدی چیزیں سمیٹتا وہاں سے بھاگا۔

زمر جب آئی تو چیونگم چباتا فارس اکیلا وہاں بیٹھا تھا۔ اس نے تعجب سے خالی کرسی کو دیکھا۔

"یہ کہاں گیا؟"

"پتا نہیں۔ کچھ کھو بیٹھا تھا۔ اتنی جلدی میں بھاگا کہ موبائل بھی چھوڑ گیا۔" لاپروائی سے میز پہ رکھے موبائل کی طرف اشارہ کیا جس کو وہ آف کر چکا تھا۔ زمر ناگواری سے سر جھٹکتے واپس بیٹھی۔

"یہ نان سیریس اسٹوڈنٹس بھی نا۔"

"نہیں! آپ اصرار کرتی ہیں تو اس کا انتظار کر لیتے ہیں۔ آدھا پون گھنٹہ ہی لگے گا اسے۔" بہت ہی خیر خواہی سے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ درشتی سے کہتی کتاب کھولنے لگی۔ وہ سر ہلا کر بہت انہماک سے اسے سننے لگا۔ اب وہ بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس اونچے اور نفیس لاؤنج میں نہ پھول تھے' نہ اس دن کی رونق۔ ایک کنارے پہ قد آور کھڑکی کے ساتھ دو کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں۔ ان کے درمیان چھوٹی میز پڑی تھی۔ ایک کرسی پہ جواہرات ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' گردن ذرا ترچھی کر کے بائیں ہاتھ پر بیٹھے سعدی کو مسکرا کر سن رہی تھی' جو آگے کو ہو کر بیٹھا اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا تھا۔

"پھر ابو کے ایکسیڈنٹ کے بعد امی نے ٹیچنگ شروع کر دی۔ اب تو وہ ریٹائرڈ ہونے والی ہیں۔ صحت بہت اچھی نہیں ہے ان کی۔" وہ کافی دیر سے بولتا اب خاموش ہوا۔

جواہرات نے مسکرا کر ابرو اچکائے۔ "اچھا لگا

تمہیں سن کر۔ اس سے بھی زیادہ اچھا یہ کہ تم میری ایک کال پہ چلے آئے۔ آتے جاتے رہا کرو۔"

"اب اگلے سال چھٹیوں پہ ہی آؤں گا۔ ہاں کوشش کروں گا کہ کبھی شیرو سے مانچسٹر میں ملاقات ہوجائے۔"

"کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ بھی تمہاری ہی یونیورسٹی میں جارہا ہے۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"مگر..." وہ چپ ہوگیا۔

"میں جس سعدی یوسف کو جانتی ہوں۔ وہ کافی صاف گو ہے تو تم بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہیں کیا برا لگا ہے؟"

"آئی ایم سوری... مگر... آپ نے اسے اپنا فیصلہ بدلنے پہ کیوں مجبور کیا ہے؟"

"میں نے صرف خواہش کی اور وہ مان گیا۔"

"مگر... کیوں؟"

"تم درست سوچ رہے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے بیٹے کے ساتھ رہو۔"

سعدی نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "مسز کاردار! اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کا خیال رکھوں تو میں بے بی سٹر نہیں ہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کو ہر وقت **نصیحتیں** کرتا رہوں تو میں مبلغ بھی نہیں ہوں اور اگر یہ چاہتی ہیں آپ کہ میں اس کے پل پل کی خبر آپ کو دوں، تو میں جاسوس بھی نہیں ہوں۔"

"میں یہی سب چاہتی ہوں، مگر بے بی سٹر، مبلغ یا جاسوس کی حیثیت سے نہیں۔ ایک دوست بن کر۔"

"ہماری پہلے ہی اچھی دوستی ہوچکی ہے اور دوست بن کر میں یہ سب کر سکتا ہوں، لیکن جتنا میں آپ کے بیٹے کو سمجھا ہوں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"اگر اسے یہ علم ہوا کہ آپ نے میری وجہ سے... اونہوں... وہ بہت خفا ہوگا۔"

"سعدی! میرا بیٹا ڈرگز پہ تھا، باپ سے نالاں تھا، اب وہ وعدہ کرچکا ہے خود کو بدلنے کا، مگر کیا مجھے اس کا یقین کرلینا چاہیے یا اس کی فکر کرنی چاہیے؟ مجھے اس کی صحت کی فکر اس کی یونیورسٹی سے زیادہ ہے اور مجھے لگا کہ میں تم پہ بھروسا کرسکتی ہوں۔ کیا تم میرے اچھے دوست نہیں ہو۔"

سعدی نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔ مگر میں اس کی پشت پہ کبھی بھی کچھ ایسا نہیں کروں گا جس پہ وہ مجھ سے خفا ہو۔ خیر! آپ بتائیں، ہاشم بھائی کیسے ہیں؟ ان کے ہنی مون پہ جانے کے بعد آپ تو ان کو بہت مس کررہی ہوں گی۔"

جواہرات نے شانے اچکائے۔ "اس کی غیر موجودگی میں تو یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔"

"وہ اپنی بیوی کے ساتھ واپس آئیں گے تو پھر رونق ہوجائے گی۔"

"محبت اندھی ہوتی ہے، مگر امید ہے کہ شادی آنکھیں کھول دے گی۔ اسے جلد علم ہوجائے گا کہ اس لڑکی نے صرف اس کے اسٹیٹس کی وجہ سے اس سے شادی کی ہے۔"

سعدی کو اس بات کی امید نہیں تھی۔

"اگر... ایسا تھا تو آپ نے ان کو روکا کیوں نہیں؟"

"میں روکتی تو وہ نہ کرتا۔ زیادہ بہتر ہے کہ وہ تجربہ کرکے سیکھے۔" پھر ہاتھ اٹھا کر پانچ انگلیاں اسے دکھائیں۔ "پانچ سال بھی نہیں چلے گی اس کی یہ شادی۔ تم یہ بات کسی ڈائری میں لکھ کر رکھ لینا۔"

"اچھا۔ مجھے تو وہ اچھی لگ رہی تھی ان کے ساتھ۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"وہ اس لیے کہ تم اچھے ہو اور تمہیں ایک بات کہوں؟" چونکہ وہ اس کے بائیں طرف بیٹھا تھا تو جواہرات ترچھی ہوکر اس کی طرف مڑی۔ "سعدی کا مطلب ہوتا ہے خوش قسمت، اور بہت اچھے لوگ کبھی بھی خوش قسمت نہیں ہوتے۔"

"یہ منحصر ہے کہ آپ خوش قسمتی کسے کہتی ہیں۔ غم کا ملنا بدقسمتی نہیں ہے، خوشی کا ملنا خوش قسمتی نہیں ہے۔"

جواہرات نے مسکرا کر گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

وہ جب اوپر شیرو کے کمرے میں آیا تو وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔" اس نے اسکرین پہ نظریں مرکوز کیے اپنے پیچھے سے ایک کشن نکال کر سعدی کی طرف اچھالا۔ سعدی نے کشن اس کے قریب رکھا اور وہیں بیٹھ گیا۔

"تمہاری ممی نے بتایا کہ تم بھی لیڈز جارہے ہو۔"

"ہاں' انہوں نے بتایا تھا کہ تمہارا بھی وہیں داخلہ ہوا ہے۔" وہ بہت انہماک سے گیم کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دم بُرا سا منہ بنا کر کچھ کیز زور سے دبائیں اور پھر "اف" کر کے میز پہ مکا مارا۔ گیم اوور۔

"تم ابھی اس کے چالیس ویں راؤنڈ پہ ہو؟" سعدی نے تعجب سے اسکرین کو دیکھا۔ "میری بہن تو ایک سو دس راؤنڈز کر چکی ہے۔"

شیرو بے یقینی سے اس کی طرف مڑا۔ "میں مان ہی نہیں سکتا۔ سو سے اوپر پوری دنیا میں صرف تین لوگ گئے ہیں اور ان کا نام ہائی اسکورر کی فہرست میں ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" اسے جیسے سعدی کی اس بڑھک کو جلد سے جلد غلط ثابت کرنا تھا۔ فوراً" بٹن دباتا کچھ صفحے کھولتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک فہرست سامنے آئی۔ سعدی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

"یہ دیکھو! اس گیم میں آج تک صرف یہی لوگ۔۔۔" نوشیرواں بولتے بولتے ہکلا گیا۔

فہرست کا دوسرا نام جگمگاتے ہوئے اس کے سامنے تھا۔ حنین یوسف۔

"یہ میری بہن ہے۔" سعدی نے بنا کچھ جتائے اشارہ کیا۔ نوشیرواں بالکل پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس دس افراد کی فہرست کو دیکھ رہا تھا۔ باقی بہت سے لوگوں نے اپنے ناموں کی جگہ نک نیمز بھی رکھے ہوئے تھے' اگر حنین کا کوئی اور نک ہوتا تو وہ سعدی کو جھوٹا قرار دیتا۔ مگر۔۔۔

"خیر! پہلے پہ تو وہ پھر بھی نہیں ہے۔" شیرو نے بظاہر لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ سعدی کی نظریں فہرست کے سب سے اوپر والے نام تک اٹھ گئیں۔

اس نے ذرا آگے ہو کر پڑھا۔ وہ نک نیم تھا۔

" Ants Everafter "

"یہ کون ہے؟" بہت دفعہ حنین نے اسے یہ فہرست دکھائی تھی' پھر بھی اس نے نوٹ شاید اب کیا تھا۔ شیرو نے مذکورہ شخص کی پروفائل پہ کلک کیا۔

"کوئی امریکن لڑکی ہے۔ اس سے زیادہ معلومات نہیں اوپن کر رکھیں۔ کیا تم میرے ساتھ کھیلنا چاہو گے؟" وہ نئی گیم شروع کرنے لگا تھا۔

"نہیں۔" سعدی بور سا ہو کر پیچھے ہوا۔

"میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں نوشیرواں! کہ میں کوئی بھی گیم نہیں جیت سکتا۔ میرے پاس پھوپھو' حنین یا ہاشم بھائی جیسا دماغ نہیں ہے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز تھا۔ فارس غازی اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف فارس غازی کا بھانجا ہے، جو اپنے ماموں فارس غازی سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ سعدی یوسف کی والدہ نے کڑی مشقت کر کے بچوں کی پرورش کی ہے' حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی

یوسف کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ فارس غازی' سعدی یوسف کا ماموں ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کاردار کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ ہاشم سونیا کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کاردار کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ فارس غازی کے جیل جانے کے بعد اس کا پورشن مقفل ہے۔

سعدی یوسف کے لیے وہ دن خوشیوں سے بھرپور تھا جب اسے فارس غازی کے رہا ہونے کی خبر ملتی ہے۔

ہاشم نے یہ خبر سن کر عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے اس کا حساب دینا ہوگا۔ فارس غازی جیل سے نکلتا ہے تو سعدی یوسف ان کا منتظر ہوتا ہے۔ فارس اس سے قبرستان چلنے کو کہتا ہے۔ قبرستان جا کر فارس دو قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہے۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے سعدی کا موبائل لے لیتا ہے۔ قبرستان میں وہ کسی کو فون کر کے کوئی ہتھیار منگواتا ہے۔

ہاشم کاردار' زمر کو اپنی بیٹی سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دینے کے ساتھ سعدی کا کارڈ بھی زمر کو دے دیتا ہے۔

زمر کے والد کو اپنے پوتے سعدی یوسف سے بہت محبت ہے۔ وہ زمر سے کہتے ہیں' سعدی کی سالگرہ پروش کرنے ان کے گھر جائے۔ وہ پھول لے کر کارڈ دینے سعدی کے گھر جاتی ہے۔ زمر کو دیکھ کر سعدی کے ساتھ تمام گھر والے حیران ہو جاتے ہیں۔ زمر' سعدی کو سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دیتی ہے۔

زمر کے جانے کے بعد سعدی نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔ اسی وقت ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔ اس نے ہوٹل میں ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگایا تھا۔ وہ اس کے لیپ ٹاپ سے ڈیٹا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سعدی نے جب بیگ سے ٹیبلٹ نکالا تو اسے پریس کرنے کے بعد اسکرین پہ پیغام آیا کہ آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے 'کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟ سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اسکرین پہ دوسرا پیغام دیکھ کر سعدی کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا کہ "پاس ورڈ داخل کریں" سعدی کے پاس' پاس ورڈ نہیں تھا۔

سعدی یوسف' ہاشم کاردار کی سابقہ بیوی شہرین سے ایک شاپنگ مال میں مل کر کہتا ہے۔ مجھے آپ سے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ شہرین' سعدی سے کہتی ہے کہ "تم کیا کرنے جا رہے ہو؟" سعدی زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے کہ "ہاشم بھائی نے جو ہم سے چرایا تھا' میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔"

شہرین نوشیرواں کے پاس جا کر کہتی ہے کہ سونیا کو اس کی اور ہاشم کی ہنی مون کی پکچرز چاہئیں۔ یہ جھوٹ بول کر نہایت چالاکی سے شہرین نوشیرواں سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

حنین یوسف پر اس کی دوست کی وجہ سے کمرہ امتحان میں نقل کا الزام لگتا ہے ٹیچرز حنین سے کہتی ہیں کہ اس پر کیس بنے گا اور وہ تین سال تک پیپرز نہیں دے سکتی۔ وہ حنین کو آفس میں بٹھا کر چلی جاتی ہیں تو حنین کی نظر میز پہ سپرٹینڈنٹ کے پرس کے ساتھ رکھے موبائل پر پڑتی ہے۔ حنین موبائل اٹھا کر دھڑکتے دل سے ہاشم کا نمبر ملا کر اسے تمام صورت حال

سے آگاہ کرتی ہے۔ ہاشم کچھ دیر بعد ہی امتحانی مرکز میں پہنچ جاتا ہے اور کمال ہوشیاری سے حنین کو مشکل وقت سے نہ صرف نکلواتا ہے بلکہ حنین کو پیپر مکمل کرنے کے لیے ٹیچرز سے ایکسٹرا ٹائم بھی دلوا دیتا ہے۔

پیپر دینے کے بعد حنین ہاشم کا شکریہ ادا کرتی ہے اور ہاشم سے کہتی ہے۔ کہ سعدی بھائی کو اس معاملے کے بارے میں مت بتائیے گا۔ ہاشم حنین سے پارٹی میں آنے کا پوچھتا ہے۔ جس پر حنین کہتی ہے کہ پارٹی میں ہم سب آئیں گے۔

قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ روشنیاں، قہقہے، سیاہ اور سنہری امتزاج سے سجی سونیا کی سالگرہ کی تقریب کی رونق عروج پر تھی۔

حنین سنہری فراک میں جبکہ سعدی، اسیم اور زمر سیاہ سوٹ میں ملبوس تقریب میں شریک تھے۔ شہرین ان کی میز کے پاس آکر زمر کو ڈی اے کہہ کر پکارتی ہے اور سعدی سے رسمی سا حال احوال پوچھ کر کمال مہارت سے نیب پکڑا کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔ سعدی نیب کو کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر سوچتا ہے کہ آدھا کام ہو گیا مگر ابھی پاس ورڈ لینا باقی ہے۔

جواہرات دو، تین خواتین کے ساتھ سعدی اور زمر کی میز کی طرف آتی ہے۔ جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کرواتی ہے پھر سعدی یوسف کا تعارف بھی کروا کر سعدی سے کہتی ہے کہ وہ اپنا شجرہ نسب ان خواتین کو بتائے۔ نوشیرواں قدرے فاصلے پر کھڑا تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی سمجھ جاتا ہے کہ جواہرات اس وقت نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتار رہی ہے پھر سعدی اپنا شجرہ نسب ایسا بتاتا ہے کہ جس سے نوشیرواں کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور جواہرات کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اسی دوران جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کے سابقہ منگیتر حماد کا ذکر چھیڑ دیتی ہے، جس کی وجہ سے زمر ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔

شہرین بڑی ہوشیاری سے سعدی کو پاس ورڈ بتا دیتی ہے۔

دوسری جانب زمر کا گیسٹ روم میں فارس سے سامنا ہو جاتا ہے فارس کو دیکھ کر زمر غصے میں باہر کی طرف آجاتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے۔ جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی پکڑ میں آئے بغیر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم غصے میں خاور سے کہتا ہے کہ سعدی جیسے ہی ایگزٹ پر پہنچے، اسے روکو۔ جبکہ ملازمہ فیونا ہاشم کے کہنے پر جان بوجھ کر سعدی سے ٹکراتی ہے اور اس کے کوٹ میں نیکلس ڈال کر معذرت کرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔

جیسے ہی زمر، سعدی، حنین اور وسیم گھر جا رہے ہوتے ہیں تو خاور انہیں روک کر بتاتا ہے کہ مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہو گیا ہے، زمر غصے میں خاور سے کہتی ہے کہ یہ میری فیملی کے بچے ہیں، ان کی تلاشی لینے سے پہلے میری تلاشی لینا ہو گی۔ اس دوران ہاشم بھی وہاں آجاتا ہے اور پھر بگڑتی صورت حال دیکھ کر انہیں جانے دیتا ہے۔

ریسٹورنٹ کا بل دینے کے لیے سعدی حنین سے اپنے کوٹ سے والٹ نکالنے کو کہتا ہے، حنین کے ہاتھ میں والٹ کے بجائے نیکلس آجاتا ہے۔ زمر کی نگاہیں نیکلس کو دیکھ کر ٹھہر جاتی ہیں، زمر غصے میں سعدی کو کہتی ہے اسے گھر ڈراپ کر دے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شیرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔

دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

زمر سعدی کے ریسٹورنٹ جاتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ بڑے ابا نے اسے بتا دیا ہے کہ اسے گردہ کسی خاتون نے نہیں بلکہ اس نے دیا ہے۔ اسی دوران فارس وہاں آجاتا ہے جسے دیکھ کر زمر نفرت آمیز نگاہ فارس پر ڈال کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔

سعدی بہت دنوں بعد آفس جاتا ہے اور اپنی باس سارہ کو فیلڈ رپورٹ دے کر کہتا ہے کہ اس نے کام مکمل کر لیا ہے، اور فیلڈ پہ جانے کی تیاری بھی مکمل کر لی ہے۔

مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں سعدی کے دادا' پھپھو زمر' والدہ اور بہن بھائی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسی دوران حنین سعدی کے کمرے میں جاتی ہے تو وہاں سعدی کے کھلے لیپ ٹاپ کے اسکرین پہ چلتے نمبر زدیکھ کر حیران ہوتی ہے سعدی جلدی سے آکر لیپ ٹاپ میں اپنا ایک ہاتھ مار کر بند کردیتا ہے۔

ہاشم سعدی سے ملاقات کا کہتا ہے۔ وہ ہاشم کو ٹالنے کے لیے ہاں کہہ دیتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

حنین اپنے اور سیم کے مشترکہ کمرے میں آتی ہے جب الماری کھولتی ہے تو اس کی نظر سنہری مخملیں ڈبے پر پڑتی ہے تو اس کے اندر ایک لاکٹ رکھا تھا۔ اس کی زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا پتھر پرویا تھا جس کے اوپر سنہرے حروف میں "ایننس ایور آفٹر" کندہ تھا۔ یہ سعدی کی چین کا جڑواں تھا۔

سعدی زمر سے ایک رشتے دار کی شادی میں جانے کا پوچھتا ہے۔ جس میں زمر کا سابق منگیتر حماد بھی آئے گا۔ زمر سعدی سے کہتی ہے کہ اگر وقت ملا تو وہ شادی میں جائے گی یہ بات جب بڑے ابا کو پتا چلتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

سارہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ فارس آجاتا ہے۔ فارس سارہ سے پوچھتا ہے کہ کیا اس کے خیال میں اس نے ہی وارث کو قتل کیا تھا؟ سارہ جواب میں کہتی ہے کہ اسے یقین ہے کہ اسے پھنسایا گیا تھا۔

ہاشم کی سیکریٹری کال کرکے اسے بتاتی ہے، کہ آج سعدی اپنی مصروفیت کی بنا پر نہیں آرہا۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ سعدی کو جب تک کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملے گا' وہ اس سے ملاقات کو یونہی ٹالتا رہے گا۔

ہاشم سعدی کو فون کرتا ہے کہ کیا ہم اچھے وقتوں میں واپس جاسکتے ہیں! جب تم مجھے دل سے ہاشم بھائی کہتے تھے۔ ہاشم کی بات پہ سعدی "شاید نہیں" کہہ کر کال کاٹ دیتا ہے۔

دوسری طرف سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔ سعدی پریشان ہو کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ اس وقت سعدی اپنے ماضی کے اچھے وقتوں کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ وہ سب باتیں یاد آنے لگتی ہیں جب ہاشم کو دل سے بھائی کہتا تھا اور جواہرات کے دل میں اس نے کس طرح اپنی جگہ بنائی تھی اور نوشیرواں سے بھی اس کی اس وقت دوستی ہوگئی تھی۔ ماضی کے تمام واقعات ایک ایک کرکے سعدی کے سامنے کسی کہانی کے کرداروں کی طرح گھوم رہے تھے۔

— ۴ —
چوتھی قسط

انسان دوست

اگر تم حوصلہ مجتمع رکھ سکو جب ارد گرد
سب ہمت کھو رہے ہوں اور تم کو مورد الزام ٹھہرا
رہے ہوں
اگر تم خود پہ بھروسا کرسکو جب سب تم پر شک
کریں
مگر ان کو شک کی اجازت بھی دو
اگر تم انتظار کرسکو اور انتظار سے تھکو نہیں
یا تم سے جھوٹ بولا جائے مگر تم نہ بولو
یا تم سے نفرت کی جائے مگر تم نفرت کو راستہ نہ دو
اور پھر بھی نہ تم بہت اچھے لگو نہ بہت عقل مند
اگر تم خواب دیکھ سکو اور خوابوں کو اپنا آقا نہ بناؤ
اگر تم سوچ سکو مگر سوچوں کو اپنا مقصد نہ بناؤ
اگر تم "فتح" اور "تباہی" دونوں سے مل سکو
اور ان دونوں دھوکے بازوں سے ایک جیسا سلوک
کرسکو
اگر تم اپنے بارے بولا گیا سچ سننے کی ہمت کرسکو'
جسے نادانوں کو بہکانے کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کیا

جائے

یا جن چیزوں کو تم نے اپنی زندگی دے ڈالی ان کو ٹوٹا ہوا دیکھ سکو

اور پھر جھک کر ان کو گھسے پٹے اوزاروں سے دوبارہ تعمیر کر سکو

اگر تم ہجوم سے بات کرو اور اپنے اندر کی اچھائی بھی برقرار رکھو

یا بادشاہوں کے ساتھ چلو اور اپنا عام ہونے کا احساس بھی نہ کھو سکو

اگر نہ دشمن نہ دوست تم کو دکھ دے سکیں

اگر تم بے رحم منٹ کو بھر سکو، ساٹھ سیکنڈ جتنے فاصلے کی دوڑ سے

تب... ہاں تب

تمہاری ہو گی یہ زمین اور جو اس میں ہے

اور سب سے بڑھ کر

تب تم بنو گے ایک "انسان" میرے بچے!

(کپلنگ کی نظم "اگر")

☆ ☆ ☆

تم ناحق ٹکڑے چن چن کر دامن میں چھپائے بیٹھے ہو

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کیا آس لگائے بیٹھے ہو

گھر آکر سعدی نے سب سے پہلے حنین کے کمرے میں جھانکا، پھر یاد آیا، وہ اس وقت ٹیوشن اکیڈمی گئی ہوتی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آکر پیکنگ کرتا رہا۔ جب مغرب کے قریب لاؤنج سے باتوں اور ٹی وی کی آوازیں بلند ہوئیں تو وہ باہر آیا۔ حنین بیگ صوفے پہ رکھ کر (یعنی کہ پھینک کر) کچن میں گھس گئی تھی۔ وہ چوکھٹ پہ جا کھڑا ہوا۔

"ایک بری خبر ہے۔" مسکراہٹ دبائے بات کا آغاز کیا۔ وہ فریج سے کھانا نکالنے میں مصروف تھی، مصروف ہی رہی۔

"میں نے آج نوشیرواں کے گھر تمہاری گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست دیکھی۔ معذرت کے ساتھ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اب آپ پہلے نمبر پہ نہیں ہیں۔"

"ڈنر خراب نہ کرو بھائی! مجھے پتا ہے، میں ہی ٹاپ پہ ہوں۔" وہ خفگی سے اسے دیکھ کر پلیٹ لیے لاؤنج میں چلی آئی۔ کمپیوٹر چیئر کھینچی، بٹن دبایا، ساتھ ہی لقمہ توڑا۔

"آخری دفعہ کب چیک کیا تم نے؟" وہ بھی ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"پرسوں۔ آپ کو پتا ہے میں دو دن ٹیسٹ کی تیاری میں رہی۔ اس لیے کھول نہیں سکی تو آپ مجھے بنا رہے ہیں۔" ایک ہاتھ سے کھاتے، دوسرے سے ماؤس چلاتے، وہ ای میل کھول رہی تھی۔ پھر لبوں پہ مسکراہٹ آئی، انگلی سے عینک پیچھے کی۔

"کاردار صاحب کی ای میل آئی ہے۔" سعدی نے بھی آگے ہو کر پڑھا۔ حنین نے ان کو چار پانچ روز قبل موویز کی ایک فہرست بھیجی تھی جو ان کو دیکھنی چاہئیں جس کے جواب میں انہوں نے "تھینکس" لکھ کر بھیجا تھا۔ ساتھ ایک اسمائل بھی تھی۔

حنین مسکرا کر اپنی گیم والی سائٹ کھولنے لگی۔ پھر سب سے پہلے فہرست سامنے لائی۔ اپنا نام ڈھونڈا، مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ پلیٹ رکھ کے آگے ہوئی۔ وہ دوسرے نمبر پہ تھی اور پہلے پہ کوئی اور تھا۔

"یہ کون ہے؟ اور اس نے کب؟" وہ حیران اور ذرا غصے میں اس کی پروفائل کھول کر دیکھنے لگی۔ مونث، اور تعلق امریکہ سے اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

"آنٹس ایور آفٹر Ants ever after اس کا کیا مطلب ہوا؟"

بمشکل مسکراہٹ روکے سعدی نے شانے اچکا دیے۔ حنین اب نچلا لب دبائے بے چینی سے ادھر ادھر صفحے کھول رہی تھی۔ وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ بہنوں کو تنگ کرنے سے زیادہ لطف بھی ہوتا ہے، کسی چیز میں بھلا؟

"آخر اس نے جیلی والا راؤنڈ کیسے پار کیا؟ اور ایک

دم سے ٹاپ پہ کیسے آگئی؟"

سعدی اسے تنگ کر چکا تھا' سو مسکرا کر کچن میں امی کے پاس چلا گیا۔ وہ اب بھی ویسے ہی لب کاٹ رہی تھی۔ پھر کچھ دیر سوچتی رہی اور اس کو پیغام بھیجا۔ کھانا وانا سب بھول گیا تھا۔

"ہائے!"

"ہیلو۔" اگلے ہی منٹ جواب آیا۔ حنین کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے' اسکرین کو دیکھتی ٹائپ کر رہی تھی۔

"آپ نے جیلی والا راؤنڈ کیسے پار کیا؟"

ذرا توقف سے جواب چمکا۔ "نارملی ہم بات کا آغاز حال احوال پوچھنے سے کرتے ہیں۔"

"میں نارمل نہیں ہوں' میں حنین ہوں۔ اب بتاؤ' تم نے وہ راؤنڈ کیسے پار کیا؟"

"محنت کی' باربار کوشش اور ہو گیا۔ تو تم حنین ہو پاکستان سے؟"

"ہاں اور تم کون ہو امریکہ سے؟" وہ ابھی بھی متعصب انداز میں خفگی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں پہلے مسکراتا ہوا نشان ابھرا اور پھر پیغام۔

"میں علیشا ہوں (Alicia) ورجینیا سے اور میرے آباواجداد فرانسیسی ہیں۔"

(فرنچ امریکن؟) حنین نے مشکوک نظروں سے اسکرین کو گھورا۔ "میں کیسے یقین کرلوں کہ تم وہی ہو جو تم کہہ رہی ہو؟"

"اوکے' میں کیمرہ آن کر دیتی ہوں۔ مجھے اس ہائی اسکورر سے بات کرکے اچھا لگے گا جس کا ریکارڈ میں نے توڑا ہے۔"

اور اس نے کیمرہ چیٹ آن بھی کر دی۔ حنین کے لیے اتنی جلدی یہ غیر متوقع تھا پھر بھی اس نے کانوں پہ ہیڈ فون چڑھا لیے' اپنا کیمرہ مگر آن نہیں کیا۔ (ورنہ امی نے کچن سے جوتا پھینکنا تھا) کانوں میں خوب صورت سی آواز گونجی۔ "کیا تم مجھے دیکھ سکتی ہو؟"

اسکرین پہ چوکھٹا بنا تھا جس میں ایک چھوٹا سا بیڈ روم نظر آرہا تھا۔ علیشا کی پشت پہ دیوار یہ شیشہ تھا جو کمپیوٹر ٹیبل کا عکس دکھاتا تھا۔ وہ واقعی امریکی لڑکی تھی۔ سترہ' اٹھارہ برس کی' بال سیاہ تھے' شولڈر کٹ' بہت گوری' بڑی بڑی آنکھیں کسی ہلکے رنگ کی اور بہت پیاری مسکراہٹ۔ اسکرین پہ اس نے ہاتھ ہلایا' وہ بھی اتنا مسکرا کر کہ حنین کے ناراض اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ذرا پرجوش سی ہو کر آگے ہوئی' بات کرنے لگی۔

"تو تم فرنچ امریکن ہو۔"

"ہاں' مگر میں خود کو امریکن کہلوانا زیادہ پسند کرتی ہوں۔" وہ پھر ہنسی۔ اسے ہنسنے کی عادت تھی۔

"لیکن تم اپنے نام سے کیوں نہیں آتیں اور تمہارے اس نک نیم کا کیا مطلب ہوا؟"

"اوہ' وہ...." اس نے لاپروائی سے شانے اچکاتے ہوئے جھک کر دراز سے کچھ نکالا۔

"وہ تو ایک عبارت ہے جو میری کی چین پہ لکھی ہوئی ہے۔" ساتھ ہی سیاہ پتھر والی کی چین لہرائی اور وہیں میز پہ رکھ دی۔ "مجھے خود بھی اس کا مفہوم نہیں پتا۔"

"اچھا وہ جیلی والا راؤنڈ۔" حنین کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"ایک دو ٹپس بتا سکتی ہوں میں۔" علیشا دائیں ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے آگے ہو کر بیٹھی بولنے لگی۔ حنین بہت غور سے سن رہی تھی۔ جب سعدی وہاں سے گزر کر کمرے میں جانے لگا۔ اسکرین دیکھ کر رستے میں رکا' اشارے سے پوچھا کہ کون ہے؟ حنین نے مائیک پہ ہاتھ رکھ کر بتایا "میری نئی دوست" اور فوراً دوبارہ وہیں متوجہ ہو گئی۔

وہ ابرو اچکا کر کمرے کی طرف چلا گیا....

فون کی گھنٹی بجی تو سعدی چونکا' اور ادھر ادھر اجنبی نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ سات سال گزر چکے تھے اور سب کچھ بدل چکا تھا۔

تکان سے سر جھٹک کر اس نے فون اٹھایا جو ابھی تک ہاشم کی کال کے بعد سے گرم تھا۔

"جی میں آپ کو بھیجتا ہوں۔" آفس میں سے کسی کی کال تھی وہ سر ہلا کر کہتا لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھ رہا تھا جہاں اس نے غلط کمانڈ دے کر اپنے ڈیٹا کو کرپٹ کر دیا تھا۔ اب دوبارہ سے ہاشم کی فائلز وہ کیسے لے گا؟ اف!

اس نے فون رکھ کر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ ذہن خالی خالی سا تھا۔

☆ ☆ ☆

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام

چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

بینکوئٹ ہال میں اندھیری شام اس پل خوب روشن تھی۔ موسیقی قہقہے رنگ اسٹیج پہ دولہا دلہن کے ساتھ رش لگا تھا تصویریں اتروائی جا رہی تھیں۔ گروپ فوٹو ہیپی اینڈنگز۔ فیری ٹیلز۔

دوسری جانب کھانا کھل چکا تھا۔ بوفے اسٹینڈ کی طرف جانے والوں میں حنین اور سیم بھی تھے۔ حنین ہلکی گلابی لمبی فراک اور چوڑی دار میں پائجامے میں ملبوس تھی اور سیم کا کرتا شلوار تھا۔ وہ قد میں حنہ کے کان تک آتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ چلتے وہ ذرا آگے نکلنے لگا تو بہن نے کہنی سے پکڑ کر قریب کیا۔ اور تفتیشی انداز میں گھورا۔

"موٹے آلو..... ایک منٹ۔ شادی میں کھانے کے تین اصول یاد ہیں نا؟"

"بالکل!" وہ مڑا اور اس کو دیکھتے ہوئے انگلیوں پہ گنوانے لگا۔ "پہلا اصول وہ چیزیں نہیں کھانی جو صرف معدہ بھرتی ہیں جیسے چاول روٹی اور سلاد۔ دوسرا جو عام طور پہ کھاتے رہتے ہیں جیسے مرغی اور بیف ان پہ زیادہ قیمتی گوشت کو ترجیح دینی ہے جیسے مٹن اور براؤنز تیسرا اور آخری اصول یہ سب اپنا آخری کھانا سمجھ کر کھانا ہے۔"

"درست!" اس نے رعب سے سر کو خم دیا اور پھر دونوں ساتھ ساتھ آگے آئے پلیٹیں اٹھائیں تنقیدی نگاہ سے دور تک بوفے ڈشز کا جائزہ لیا۔ پھر باربی کیو کو دیکھ کر حنین کی آنکھیں چمکیں۔ دونوں پر اعتماد چال چلتے اس طرف آئے۔

زمر بھی وہیں کھڑی تھی نفاست سے پلیٹ میں ذرا سا کھانا ڈالتی۔ آج بھی سیاہ رنگ پہنا تھا۔ گھنگھریالے بال بھی ویسے ہی آدھے بندھے تھے۔ حنین اسے نظر انداز کر کے اپنی پلیٹ بھرنے لگی۔

زمر نے سر اٹھایا تو وہ ساتھ کھڑی تھی۔ وہ لوگ اکٹھے ہی آئے تھے اور تب سے دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ زمر ذرا سا مڑی اور میز پہ رکھے مایونیز کے بھرے پیالوں میں سے ایک اٹھا کر حنین کی طرف بڑھایا۔

حنین نے یوں ظاہر کیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ کھانا ڈال کر اس میز کی طرف آئی ایک اور پیالہ اٹھایا اور دوسری طرف مڑ گئی۔ زمر کی مسکراہٹ پھیکی پڑی پیالہ ہاتھ میں رہ گیا۔

"پھپھو! یہ میں لے لوں۔" سیم نے جلدی سے اس کو شرمندگی سے بچایا زمر مسکرا دی۔

حنین نے سن لیا تھا' مگر سنجیدگی سے پلیٹ میں گریوی ڈالتی رہی۔ چمچ رکھا تو ایک مہندی والے ہاتھ نے اسے اٹھالیا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں اٹھیں۔

وہ کرن تھی۔ کام دار لباس' زیور' میک اپ' ذرا بھری بھری سی' ہنستی مسکراتی۔ ساتھ میں اس کی کوئی کزن بھی تھی۔ وہ اس سے بات کرتے ہوئے کھانا ڈال رہی تھی۔ حنین کی نگاہ مزید پیچھے گئی۔ قریب ہی ایک میز پہ اس کی ساس تھیں' نوکرانی تھی' دو جڑواں بچے تھے جن کو ہر کوئی رک کر' جھک جھک کر پیار کر رہا تھا۔

حنین نے بے اختیار مڑکر زمر کو دیکھا۔ وہ دیکھ چکی تھی' اور اب سنجیدگی سے رخ موڑ گئی تھی۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے کسی کے پاس وہ دیکھنا جو آپ سے چھینا گیا ہو۔ حنین پیچھے مڑی کہ پھپھو کے ہاتھ سے مایونیز کا پیالہ تھام لے مگر وہ اب سیم کے پاس تھا۔ اب دیر ہو چکی تھی۔

"حماد!" اس نے نام کی پکار پڑتی سنی تو ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اپنی ماں کی میز پہ جھک کر کسی سے مل رہا تھا۔ گلاسز لگائے ہوئے' اچھی شکل کا تھا مگر اس وقت وہ اسے زہر لگ رہا تھا۔ ذرا دبے دبے غصے سے وہ کھانا نکال کر زمر کے برابر آکھڑی ہوئی۔ امی' اور بھائی دور کسی ٹیبل پہ تھے' مگر وہ تینوں یہیں کھڑے رہے۔

"یہ کرلی بالوں والی پراسیکیوٹر تھی نا' حماد بھائی کی ایکس فیانسی؟" کرن کی کزن نے اونچی سی سرگوشی کی۔ ان دونوں کی طرف ان کی پشت تھی' مگر آواز کا راستہ کون روک سکا ہے بھلا۔

کرن نے ترچھے ہو کر دیکھا اور پھر شانے اچکا کر کھانا نکالتے ہوئے بولی۔

"تھی نہیں' وہ اب بھی پراسیکیوٹر ہے۔ کیریر ویمن یو نو۔"

"تو اس کی شادی نہیں ہوئی؟ سچ گردے ضائع گئے تھے نا؟"

"گردے کا کیا ہے؟ وہ تو مل گیا تھا۔ کوئی فرنچ عورت کسی آوارہ بھٹکتی روح کی طرح اچانک سے آئی اور گردہ دے گئی۔ سو فلمی ہے نا!"

حنین کا رنگ سفید پڑا' پلیٹ پہ جمے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوئی۔

"گردے کا بہانہ ہے۔ جو عورتیں کیریئر کے پیچھے پڑ جاتی ہیں' پھر ان کے گھر کہاں بستے ہیں۔ اسی لیے ہمارے دین میں بھی گھر اور خاندان کی کتنی اہمیت ہے۔"

بے نیازی سے لٹ پیچھے کرتے کرن کی آواز اتنی "دھیمی" تھی کہ آس پاس کے چند ایک لوگ تو سن ہی چکے تھے۔ حنین نے کن اکھیوں سے زمر کو دیکھا۔ وہ کانٹے میں مچھلی کا ٹکڑا پھنساتی سنجیدہ' سپاٹ نظر آرہی تھی۔

"کیا کہہ سکتے ہیں' دہشت گردی اتنی بڑھ گئی ہے۔"

"یار! انسان کو خود سمجھ ہوتی ہے ساری۔ اب کس نے کہا ہے کہ عورتیں قتل کے کیسز میں پڑیں؟ اسی لیے ہمارے دین میں....." یہاں سب کا اپنا اللہ اور اپنا دین تھا۔

"ہیلو کرن!" کسی نے کرن کو مخاطب کیا تو اس کی مسلسل چلتی زبان رکی۔

زمر اب کسی دوسرے اسٹینڈ کی طرف جارہی تھی یہ آواز پہ لمحے بھر کو رکی' پھر چلتی گئی اور حنین کی تو ساری دنیا ہی اس آواز پہ رک جاتی تھی۔ وہ جو ذرا ترچھی ہوئی تھی' پوری پیچھے مڑ گئی۔

اور مڑی تو کرن بھی تھی' بہت خوشگوار حیرت سے۔

"ارے ہاشم! آپ!" وہ ایک ہاتھ میں کانٹا اور ایک میں پلیٹ لیے مسکراتا ہوا کھڑا تھا۔ بنا ٹائی کے شرٹ' اوپر گرے کوٹ۔ مسکراتے ہوئے کرن کے رسمی کلمات کا جواب دیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ آئے۔ کیا آپ کی ممی بھی آئی ہیں؟" اس نے ہاشم کے عقب میں دور مجمع میں تلاشنا چاہا۔ وہ ان کی کمپنی کے ایک عہدے دار کی بیٹی تھی' اور وہ لوگ اس کے باس تھے۔ چند لمحے پہلے کی

رعونت، تمکنت، سب غائب ہو گیا۔ خوش اخلاقی عود کر آئی۔

"کیسی ہو تم؟ اور یہ تمہاری آنکھوں کے نیچے اتنے حلقے کیوں پڑ گئے ہیں؟" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا، مگر لہجہ اتنا ٹھنڈا تھا کہ کرن کے ہاتھ نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو چھوا۔

"اپنی صحت کا خیال رکھا کرو کرن! کیونکہ اگر کسی کا ٹریک ریکارڈ ہو خرابی صحت کی بنا پہ کسی عورت کو چھوڑ دینے کا تو میں سوچتا ہوں، اگر موجودہ عورت کی کبھی ٹانگ، بازو کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تو اس کا کیا ہو گا؟ ہیلو حنین!"

وہ کہہ کر حنین کو مخاطب کرتا آگے بڑھ آیا۔ کرن بالکل ہکا بکا سی کھڑی تھی، مگر حنین اب اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ اس کے لب مسکرانے لگے تھے، تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ سر کے خم سے جواب دیتی وہ وہاں سے ذرا دور ہٹی، ایسے کہ ہاشم بھی ساتھ ہی چلتا آیا۔ کرن پرے رہ گئی۔

زمر دور ٹیبل پہ سیم، سعدی اور ندرت کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

"یہ کرنے کی۔" کہتے ہوئے حنین نے دور زمر کو دیکھا "کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے زمر کے لیے نہیں کیا اور تمہیں یہ معلوم ہے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں شانے ذرا اچکا کر پلیٹ میں چاول ڈال رہا تھا۔

"آپ بس اتنا سالیں گے؟" اس نے پہلے ہاشم کی پلیٹ کو دیکھا، پھر اپنی۔

"اس میں بھی بہت کیلوریز ہیں۔ جس کا مطلب ہے ایکسٹرا ورک آؤٹ میں بوڑھا ہو رہا ہوں، سمجھا کرو۔"

حنین ہنس کر سر جھٹکتی کباب اٹھانے لگی۔ ہاشم نے کانٹے میں پھنسا ٹکڑا منہ میں رکھتے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرے حلقہ احباب میں کوئی دوسری حنین نہیں ہے، میں نے جھوٹ بولا تھا۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "یعنی آپ نے واقعی مجھے نہیں پہچانا تھا؟"

"ہاں، کیونکہ جس حنین کو میں جانتا تھا، وہ اتنی گھبرائی ہوئی، پریشان سی نہیں ہوتی تھی، تمہیں کیا ہو گیا ہے کچھ عرصے سے؟"

وہ بالکل ٹھہر گئی۔ کیا وہ واقعی اتنا بدل گئی تھی کہ ہاشم تک نے محسوس کر لیا؟

"میں تو ویسی ہی ہوں اور آپ سے تو اب تقریبات میں ہی ملاقات ہوتی ہے۔ (ایفل ٹاور) آپ کو کیا پتا میں کیسی ہوں؟"

وہ سنبھل کر مسکرا دی مگر ہاشم نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

"اور تم چاہتی ہو کہ میں اس وضاحت پہ یقین کر لوں۔ اوکے، کر لیا۔"

حنین ذرا سر جھکا کر کھانے لگی، دفعتاً "کسی احساس کے تحت اس نے چہرہ گھما کر دیکھا۔ دور، جواہرات کے ساتھ نوشیرواں کھڑا تھا اور وہ ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ بگڑے تاثر، بھنچی بھنوؤں کے ساتھ۔ وہ سیدھی ہوئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" ہاشم نے گویا اسے تسلی دی، وہ اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ اس نے ابرو اچکا دیے۔

"آپ کا بھائی ابھی بھی مجھے اسی طرح دیکھ رہا ہے۔ اس دن آپ کے گھر بھی اس نے مجھے دیکھتے ہوئے بھائی اور ماموں سے کچھ کہا تھا۔ وہ ابھی تک مجھ سے عداوت رکھتا ہے۔"

"آئی ایم سوری، میں اس کی طرف سے معذرت کرتا ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا اور پھر شیرو کو گھور کر تنبیہا" دیکھا، وہ دوسری جانب دیکھنے لگا۔ حنین اثبات میں سر ہلا کر ڈش سے کباب نکالنے لگی۔ اس کا چہرہ اب ذرا سنجیدہ اور بجھا بجھا سا تھا۔ ہاشم معذرت کر کے آگے بڑھنے لگا، پھر ایک دم رک کر اسے دیکھا۔ کچھ کلک ہوا تھا اچانک سے۔

وہ ٹھہر گیا۔ لمحے بھر کو ساری دنیا ٹھہر گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی تکلیف ابھری۔ بمشکل وہ چہرے پہ مسکراہٹ لایا، سر اثبات میں ہلایا۔

"آئی ایم سوری، حنین! آئی رئیلی ایم! میں پہلے یہ

نہیں کہہ سکا، تم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے ذاتی بہت...... آئی ایم سوری!"

حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں درد تھا، تکان تھی۔ اس کے ذہن کے پردے پہ ایک بھولا بسرا لمحہ ابھرا۔ تب بھی اس کی آنکھوں میں ایسا ہی درد تھا۔ حنین نے سر جھٹکا۔ وہ لمحے بھر میں شادی کی تقریب میں واپس آئی مگر اب ہاشم جا چکا تھا۔

وہ اپنی میز تک خالی الذہنی کے عالم میں واپس آئی، زمر کھا چکی تھی، ٹشو سے لب تھپتھپاتی وہ سعدی سے آہستہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ حنین نے بے دھیانی سے سنا۔

"کیا تم نے وہ اسے واپس کر دیا؟"

"کر دوں گا جلد ہی!" سعدی نے مختصراً کہا۔ حنہ چونکی۔ بھائی نے کب نیکلس واپس کرنا ہے آخر؟ مگر پھر اس کے ذہن کی رو بھٹک گئی۔ ہاشم کی معذرت..... ڈیڑھ سال بعد اس نے وہ شکوہ دور کر دیا جو حنین کو اس سے تھا ہی نہیں۔

"سیم! کپڑوں پہ مت گراؤ۔" ندرت کی توجہ ادھر نہیں تھی، وہ حسب معمول سیم کو لتاڑ رہی تھیں۔ وہ بھی آگے سے حنین اور سعدی کا بھائی تھا۔

"امی! داغ تو اچھے ہوتے ہیں۔"

حنین واپس آ چکی تھی مکمل طور پہ۔ تنک کر اسے دیکھا۔

"یہ خود بھی ہمارے خاندان پہ کسی داغ سے کم نہیں ہے۔"

"مت تنگ کرو اسے۔" ندرت نے دبا دبا سا گھورا وہ فوراً چمک کر بولی۔

"یہ شروع کرتا ہے ہمیشہ، تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔"

"مگر تھپڑ ایک ہی سے پڑتا ہے اور گھر جا کر پڑتا ہے۔"

اس دھمکی پہ وہ بڑبڑا کر سر جھکائے کھانا کھانے لگی۔

سعدی اٹھ کر گیا تو ندرت نے زمر کے قریب ہو کر کہا "یہ جو سامنے نیلے کپڑوں والی جا رہی ہے نا، یہ حمیرا آپا کی بیٹی رانیہ ہے، انجینئرنگ مکمل کی ہے اسی سال، مجھے یہ سعدی کے لیے پسند ہے۔"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا اور کافی دلچسپی سے۔

"یہ تو بہت پیاری ہے۔ پھر کب مانگ رہی ہیں آپ رشتہ؟" اس کے چہرے پہ جو کرن کی باتوں سے ڈسٹرب سا تاثر چھایا تھا، وہ زائل ہو کر مسرت میں بدلنے لگا۔

حنین نے ایک اچٹتی نگاہ اس دراز قد لڑکی پہ ڈالی جو لمبے سے فراک میں ادھر ادھر گھوم رہی تھی، اور چونکہ اس کے لیے یہ خبر نئی نہیں تھی، اس لیے سر جھٹک کر کھانے لگی۔

"ابھی بڑے ابا سے مشورہ کرنا ہے پھر ہی کوئی بات شروع ہو گی۔" یہ کہتے ہوئے بھی بلکہ صرف سوچتے ہوئے بھی ندرت کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

"اور امی! اگر انہوں نے انکار کر دیا؟" سیم نے اپنے تئیں بہت بڑوں والا سوال پوچھا تھا اور ندرت کا ہاتھ بس جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

"کیوں انکار کریں گے وہ ہمارے سعدی کو؟ کوئی وجہ بنتی ہے کیا؟" زمر نے مسکراہٹ دبائے اس سے پوچھا۔ وہ جواباً "مسکرا کر رہ گیا مگر......

حنین کا چمچ لبوں تک لے جاتا ہاتھ رکا، سر اٹھایا، سنجیدگی سے زمر کو دیکھا اور پھر دیکھتی رہی یہاں تک کہ زمر نے بھی اس کو دیکھا، ندرت سویٹ ڈش لینے اٹھ گئیں، تب حنین بولی۔

"بغیر وجہ کے بھی انکار ہو جاتے ہیں پھپھو! کسی اچھے بھلے آدمی کو بھی اپنے زعم میں جنگلی، جاہل، غصہ ور کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔"

زمر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا "سوری؟" اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"میں تو آپ کی میموری ری فریش کر رہی تھی۔ کیوں؟ کیا آپ نے یہی کہہ کر فارس ماموں کے رشتے کو انکار نہیں کیا تھا؟" اور سر جھکا کر درمیان میں رکا چمچ منہ میں ڈال لیا، پھر رخ پھیر کر سویٹ ڈش کے لیے

اٹھ گئی۔

اور زمر... وہ جہاں تھی' وہیں رہ گئی۔ ساکت' جامد سانس تک بند ہو گیا۔ جیسے اندھیرے میں سیڑھیاں اترتے آخری زینے کے بعد یہ سمجھ کر پاؤں اتارا جائے کہ ابھی ایک زینہ اور باقی ہے اور وہ لمحے بھر کو پاؤں کا ہوا میں معلق ہو کر زمین کو لگنا... وہ لمحے بھر کا شاک... وہ دل کی بے ترتیب دھڑکن... وہ وقت کی رفتار کو تھما دیتی ہے... بالکل خاموش... رکا ہوا وقت۔

☆ ☆ ☆

موجودہ دن سے پانچ سال قبل

کچھ زخم صدیوں بعد بھی تازہ رہتے ہیں فراز
وقت کے پاس بھی ہر مرض کی دوا نہیں ہوتی

حنین کے کمرے میں فل پنکھا چل رہا تھا۔ کارپٹ پہ جائے نماز بچھائے زمر تشہد میں بیٹھی تھی۔ نظریں ہاتھوں پہ مرکوز چہرے کے گرد دوپٹہ' لب ملتے ہوئے۔ پھر اس نے دائیں بائیں سلام پھیرا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ تب ہی نگاہ الماری سے کچھ نکالتی حنین پہ پڑی۔ زمر مسکرائی' اور وہ جو کسی بات پہ جھنجلائی کھڑی تھی' پھیکا سا مسکرا دی اور پھر سے چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔

زمر ہاتھوں میں دیکھتی' زیر لب دعا مانگتی رہی۔ پھر چہرے پہ ہاتھ پھیر کر اٹھی تو حنین پلنگ کے کنارے پہ بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بجھا بجھا سا' دماغ کہیں اور اٹکا ہوا لگ رہا تھا۔ کوئی پریشانی تھی شاید' مگر کون پوچھے اور کون بتائے؟ ان کا رشتہ اتنا پر تکلف تھا کہ دو سال سے سعدی کی غیر موجودگی نے بھی ان کو ایک دوسرے کے قریب نہیں کیا تھا۔ بس مسکراہٹ سے مسکراہٹ تک کا رشتہ۔

''کیا میں اسے یہیں رہنے دوں حنہ؟'' اس نے جائے نماز اٹھانے سے قبل پوچھا۔

حنین نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ابھی امی دو چار صلواتیں مزید سنائیں گی تب وہ وضو کرنے جائے گی' زمر کو معلوم تھا حنین چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے بیٹھی رہی

''پھپھو! آپ تو ساری نمازیں پڑھتی ہیں نا؟ میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' وہ الجھن بھرے انداز میں اس طرح پوچھنے لگی جیسے ریاضی' سائنس یا معاشرتی علوم کے سوال ڈسکس کرنے ہمیشہ اس کے پاس آتی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کبھی کچھ نہیں ڈسکس کرتی تھی۔

''پوچھو!'' وہ نرمی سے کہتی واپس جائے نماز پہ بیٹھ گئی۔

''کیا آپ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے؟''

''ہاں ہے!'' زمر کے لیے جواب آسان تھا۔

''کیسے؟ میرا مطلب ہے' آپ اس محبت کی تعریف کیسے کریں گی؟''

زمر چند لمحے پر سوچ نگاہوں سے اس کا کم عمر چہرہ تکتی رہی' پھر ذرا سے شانے اچکائے۔

''میرا نہیں خیال کہ میں اس محبت کو ڈیفائن کر سکتی ہوں۔''

''اوکے' میری ایک کرسچن دوست نے پوچھا تھا' اسی لیے میں پوچھ رہی تھی۔'' وہ سر ہلا کر اٹھ گئی۔

زمر نے گردن موڑ کر اسے باتھ روم جاتے دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال اور باقی بال ہیئر بینڈ میں جکڑے کندھوں سے نیچے گرتے تھے۔ چہرے پہ پھیلی الجھن وہ الجھن اب بھی وہیں تھی۔ کوئی مسئلہ تھا۔ مگر خیر اس نے گھڑی دیکھی۔ اب اسے گھر جانا تھا' ورنہ امی خفا ہوں گی۔

جب حنین نماز پڑھ کر باہر آئی تو زمر جا چکی تھی۔ چونکہ حنین سامنے نہیں تھی اس لیے وہ آج کچھ نہیں بھولی' نہ حنہ کو یاد رہا۔ وہ بس بے زاری سے کمپیوٹر کے سامنے آ بیٹھی اور اسے آن کیا۔ ڈیسک ٹاپ کی گھڑی اس نے علیشا کی ریاست کے مقامی وقت کے مطابق سیٹ کر رکھی تھی۔ وہاں صبح ہو چکی تھی اور علیشا آن لائن تھی۔

چوکھٹے میں علیشا صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ دو سال پہلے کی نسبت اب ذرا بڑی لگتی تھی' یہی کوئی بیس

برس کی۔ دوسرے چوکھٹے میں حنین تھی 'اداس اور خفا خفا سی۔ اس کے گھر والوں کو **علیشا** کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ سارا وقت بھی حنین کا کیمرہ آن رہتا تو کسی کو مسئلہ نہ ہوتا۔

"تم اداس لگ رہی ہو!" **علیشا** اس کا چہرہ دیکھتے ہی بوجھ گئی۔ حنین نے گردن دائیں بائیں ہلائی مگر آنکھوں میں وہی اداسی چھائی رہی۔

"میں فورم پہ تمہارے سوال کا جواب پوسٹ کرنے لگی تھی۔" ساتھ ہی وہ کیز دبائے جارہی تھی۔ **علیشا** نے چیک کیا۔ پھر اس کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

"حنین! مجھے لگتا ہے تم نے غلط جواب لکھ دیا ہے۔ میرا سوال تھا 'کیا آپ کو خدا سے محبت ہے؟ تم نے جواب میں پتا نہیں لکھ دیا ہے۔"

"یہ سچ ہے۔ مجھے واقعی پتا نہیں ہے۔"

"مگر..." **علیشا** چپ ہو گئی۔ حنین اب مٹھی پہ ٹھوڑی گرائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مگر تم اور میں 'ہم زیادہ تر دین کی باتیں کرتے ہیں ' ایک دوسرے کو اپنے اپنے دین کے بارے میں بتاتے ہیں 'اور تم بھی میری طرح اپنی کتاب بہت پڑھتی ہو پھر!"

"بہت نہیں 'میں ہفتے میں ایک 'دو دفعہ ہی پڑھ پاتی ہوں۔ جب بھائی تھا تو ہم روز پڑھتے تھے مگر مجھے اب وقت نہیں ملتا۔" **حنہ** نے شانے اچکائے۔

"دیکھو **علیشا** 'میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں وہ ناولز اور ڈرامے جن میں ہیرو یا ہیروئن بہت ہی گناہگار ہوتے ہیں اور پھر کسی بڑے واقعے کے بعد وہ بالکل مذہبی ہو کر اللہ کی محبت میں سب گناہ چھوڑ دیتے ہیں 'میں ایسی کہانیوں کی بہت قدر کرتی ہوں مگر میں خود کو ان سے ریلیٹ نہیں کر سکی کبھی۔ میں اس کا شکر ادا کرتی ہوں 'احترام بھی کرتی ہوں 'دعا بھی مانگتی ہوں۔ اسے معبود تسلیم کرتی ہوں۔ میں امی 'اپنے بھائیوں ابو اور (مڑ کر دیکھا ' زمر جا چکی تھی کب کی) اور کچھ دوسرے رشتے داروں سے بہت محبت کرتی ہوں 'اسی لیے میں کہہ سکتی ہوں۔"

ذرا توقف کر کے وہ چہرہ ہتھیلی سے ہٹا کر 'پیچھے ٹیک لگاتے ہوئے صاف گوئی سے کہنے لگی۔

"تمہاری ساری تقریر ایک طرف... ابھی تم کس بات پہ پریشان ہو؟ میں صرف اتنا کہوں گی کہ جو بھی مسئلہ ہے 'اس کو حل کرنے کی کوشش کرو۔"

"ہاں 'ایک اسکول کا مسئلہ ہے 'خود ہی حل ہو جائے گا۔" وہ تلخ ہوئی **علیشا** نے لب بھینچ کر نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں فکر مندی تھی۔

"مسئلے خود حل نہیں ہوتے 'کرنے پڑتے ہیں اور اس کے دو طریقے ہیں یا تو خود میں ہمت تلاش کرو 'یا زیادہ ہمت والے کو تلاش کرو۔" اور پھر وہ عادتاً ہنسی۔ یہ اس کا انداز تھا۔

(زیادہ ہمت والا؟) حنین نے مڑ کر دروازے کو دیکھا پھر نفی میں سر جھٹک کر سیدھی ہوئی۔

"کیا تم نے ----- پریزن بریک کا یہ سیزن ختم کر لیا؟" ساتھ ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ "حنین نے بےزاری سے دور پڑے فون کو بجتے دیکھا۔ امی اور سیم 'زمر کے جاتے ہی سونے چلے گئے تھے۔ اسے ہی اٹھنا پڑے گا۔

"نہیں 'میں ابھی چھٹی قسط پہ ہوں۔ یار! اس سیزن میں سارہ ہی نہیں ہے۔ مزا نہیں آرہا۔ ویسے مجھے مائیکل سے زیادہ لنکن پسند ہے۔ اچھا میں چلتی ہوں 'اس وقت میری ایک رشتے دار آنٹی کا فون ہوتا ہے عموماً" اور وہ لمبی بات کرتی ہیں۔"

وہ الوداعی کلمات کہتی سائن آف کرنے لگی۔ پھر بھاگ کر مسلسل بجتا فون اٹھایا۔ سی ایل آئی پہ نمبر ان جانا تھا 'مگر پھر بھی کہیں دیکھ رکھا تھا۔

"ہیلو؟ جی حنین بات کر رہی ہوں۔ اوہ... جی 'جی شیور ابھی؟ ابھی نہیں مگر شام میں ماموں آئیں گے ہماری طرف 'تو میں ان کے ساتھ آجاؤں گی۔ شیور

اورنگ زیب انکل۔" مسکرا کر اس نے فون رکھا۔
چہرے پہ آئی ساری کلفت' بےزاری زائل ہو گئی وہ
امی کو بتانے بھاگی۔ اورنگ زیب صاحب کو کام تھا اور
انہوں نے اسے بلایا تھا۔ واہ۔

☆ ☆ ☆

اب احتیاط کی کوئی صورت نہیں رہی
قاتل سے رسم و راہ سوا کر چکے ہیں ہم

لیڈز میں سرمئی صبح اپنے اندر نمی سموئے اتر رہی
تھی۔ سارہ کے کچن کی کھڑکی سے بادلوں ڈھکا آسمان
صاف نظر آتا تھا۔ وہ چولہے سے ساس پین اتار کر'
گرم دودھ کپ میں انڈیل رہی تھی۔ پیچھے کرسی پہ
ذکیہ بیگم بیٹھی پھل کاٹ کر سعدی کے سامنے رکھتی
جارہی تھیں۔ وہ جب سے آیا تھا خاموش بیٹھا تھا۔
"کتنے دنوں بعد آئے ہو' اتنا نہیں ہوتا کہ چکر
لگالو۔ وہ بھی میرے وارث کو شکایت کرنے پہ کہ
ندرت آپا سے کہیں سعدی کی خبر لیں تم آئے ہو۔ پی
ایچ ڈی میں کر رہی ہوں یا تم؟"
اپنے ازلی سادہ انداز میں ابرو سکیڑے بولتی ہوئی وہ
ادھر آئی' ٹرے میز پہ رکھی۔ باری باری ہر مگ میں چمچ
ہلایا۔ پھر سب کے سامنے مگ رکھے۔ ذکیہ بیگم نے
مگ اٹھاتے ہوئے بغور سعدی کو دیکھا۔
"آج سعدی نے آتے ساتھ ہی بچیوں کا نہیں
پوچھا۔"
وہ چونک کر سنبھلا' ذرا سا مسکرایا۔ "نہیں تو میں
بس۔"
"وہی تو امی! یہ آج بہت بجھا بجھا لگ رہا ہے۔ کوئی
مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔" اپنا کپ لے کر سامنے بیٹھتی'
وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔
"اصل میں ..... میرا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا ایک
دوست ہے' اس کا مسئلہ ذرا پیچیدہ ہوتا جارہا ہے۔"
"او کے؟" سارہ نے توجہ سے سنتے ہوئے کپ
لبوں سے لگایا۔
"اس لڑکے کی ممی کافی ..... کافی پوزیسو ہیں اور
کیئرنگ بھی۔ وہ ادھر آیا بھی اس لیے کہ اس کی ممی
اس کو میرے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں' تاکہ میں اس کا
خیال رکھوں' اور اس پہ نظر بھی رکھوں۔ وہ ڈرگز پہ چلا
گیا تھا پہلے۔"
"اوہ..... تو کیا اس نے ڈرگز چھوڑ دیں؟" ذکیہ بیگم
نے ذرا فکرمندی سے پوچھا۔ سعدی کے چہرے پہ بے
بسی در آئی۔
"یہی تو مسئلہ ہے۔ میرے اور اس کے
سبجیکٹس الگ ہیں' ڈیپارٹمنٹ الگ ہیں' کبھی
کبھی ملاقات ہوتی ہے' اس کی ممی کی ہر میل کے
جواب میں' میں سب اچھا ہے کی رپورٹ دیتا تھا مگر
ابھی کچھ دیسی لڑکوں سے مجھے پتا چلا ہے کہ وہ پھر سے
ڈرگز پہ چلا گیا ہے۔ شاید کوئی لڑکی چھوڑ گئی ہے اسے۔
ایک تو اسے بھی ہر دوسرے مہینے سچی محبت ہو جاتی
ہے۔" آخر میں وہ جل کر بولا۔ ذکیہ اور سارہ ہنس
دیں۔
"اس نے اس دن گاڑی کہیں ماری ہے' جرمانہ بھی
ہوا' مطلب چالان' شکر ہے' وہ اس وقت ڈرگز پہ نہیں
تھا ورنہ معاملہ بگڑ جاتا۔ اس کی ممی کو نہیں معلوم یہ
بات۔ اب میں کیا کروں؟ دوست کی شکایت لگاؤں یا
اس کے عیب چھپاؤں۔"
"دیکھو سعدی!" سارہ کپ رکھ کر سنجیدگی سے اس
کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ایک ماں ہونے کی حیثیت
سے میرا حق ہے کہ مجھے اپنے بچے کے ہر کام کی
رپورٹ ملے۔ اگر تم اس کے سچے دوست ہو تو اس کی
ماں کو ضرور بتاؤ تاکہ وہ اس کی اصلاح کر سکے۔ اگر اس
کی جگہ سیم یہ کرتا تو تم یہی چاہتے کہ تمہاری امی کو خبر
دی جائے۔ ہے نا؟"
"اوہ!" سعدی کے لب سکڑے' پھر اس نے اثبات
میں سر ہلایا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔

"سارہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے' اس کی ماں کو بتاؤ
تاکہ دو جوتے لگائے وہ اس کو۔" ذکیہ بیگم کی ساری ممتا
جاگ اٹھی تھی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"تھینک یو! آپ دونوں کا۔" پھر کپ اٹھاتے ہوئے موضوع بدلا۔ "وارث ماموں ٹھیک ہیں؟ صرف ایک سال رہ گیا ہے نا آپ کے پروگرام کا؟"

"صرف؟ پورا ایک سال پڑا ہے۔" سارہ گھونٹ بھرتے ہوئے اداسی سے مسکرائی "اور پھر ہم بالآخر ایک فیملی ہوں گے' اور فیملی کی طرح رہیں گے۔ بہت خوار کردیا ہے ان پڑھائیوں نے۔"

"واقعی!" ذکیہ بیگم بھی سارہ کو دیکھتے ہوئے مغموم سی مسکرادیں۔ صرف ایک سال.... پورا ایک سال.... رہ گیا تھا۔

سعدی مسکرا کر گھونٹ بھرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

ہمیں نے روک لیا پنجہ جنوں ورنہ
ہمیں اسیر یہ کوتاہ کمند کیا کرتے

لاؤنج کی قد آدم کھڑکی کے ساتھ جواہرات کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی اور ہاتھ میں جکڑے موبائل پہ سعدی کی تازہ ای میل کھلی تھی۔ موبائل اتنی دیر سے یوں پکڑ رکھا تھا کہ اسکرین پسینے سے نم ہو گئی تھی۔

میری اینجیو قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی' مودب سا پکارا۔

"مسز کاردار' آپ کی تمام پیکنگ مکمل ہو گئی ہے' رات کے لیے لیڈز کی فلائیٹ بھی بک کروادی ہے اور مسز شہرین نے کہا ہے کہ وہ بھی چلیں گی۔"

جواہرات نے ابرو سے "ہوں" کا اشارہ کیا تو وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ تب ہی اورنگ زیب سیڑھیاں اترتے دکھائی دیے۔ جواہرات آہٹ پہ بھی بدستور باہر دیکھتی رہی' یہاں تک کہ وہ پیچھے ایک صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھ گئے۔

"اچانک ہی تم نے انگلینڈ کا پروگرام بنالیا؟"

"میں شیرو کو مس کر رہی تھی اور اس بہانے شہرین اور سونیا کا بھی دل بہل جائے گا۔ ہاشم کے پاس تو اتنا وقت نہیں ہوتا۔"

"یعنی کہ تم نے اسے ایک مکمل فیملی ٹرپ کی شکل دے دی ہے۔ ویری گڈ اور میرے ڈاکومنٹس؟" وہ بہت ضبط سے اسے دیکھ کر بولے۔ جواہرات نے مڑے بنا ذرا سے کندھے اچکائے۔

"کیا میں دو دن سے کئی دفعہ بتا نہیں چکی کہ میرا لیپ ٹاپ خراب ہو گیا ہے' اس لیے وہ فی الوقت ری کور نہیں ہو سکتے' نہ ان کا ڈرافٹ تیار ہو سکتا ہے۔"

"اور چونکہ اب تم باہر جا رہی ہو تو ایک مہینے کے لیے یہ کام ملتوی ہو گیا' تب تک میری سماعت کی تاریخ بھی گزر جائے گی اور اس کا سب سے زیادہ فائدہ تو تمہیں ہی ہو گا۔"

اس طنزیہ لہجے پہ بھی جواہرات سکون سے کھڑی باہر دیکھتی رہی۔ دفعتاً" خاور اندر آیا۔ سوٹ میں ملبوس' تراشیدہ مونچھوں والا وہ چونتیس پینتیس برس کا آدمی تھا۔

"جی سر؟"

"آئیے خاور صاحب! اور ذرا وضاحت کیجئے کہ آپ جیسا ایکسپرٹ میری بیوی کا ایک لیپ ٹاپ کیوں نہیں ٹھیک کر سکا؟"

خاور نے ذرا کی ذرا جواہرات کو دیکھا اور پھر اورنگ زیب کو' دونا خداؤں کا ہونا بھی عذاب تھا۔

"سر! میں نے کوشش کی مگر مسئلہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر آپ کہیں تو کسی پروفیشنل کے پاس لے جاؤں؟ یا آفس سے کسی کو بلا کر....؟"

جواہرات تیزی سے اس کی طرف مڑی۔

"میرے لیپ ٹاپ میں ہماری کمپنی کے کتنے خفیہ ڈاکومنٹس ہیں' معلوم ہے تمہیں؟ میں کیسے اسے کسی دوسرے کے حوالے کر سکتی ہوں؟"

"میری بیوی کو یہی خوش فہمی ہے کہ میں کسی اور کو لیپ ٹاپ نہیں دے سکتا' جبکہ میں دے سکتا ہوں۔ میری!" انہوں نے خشمگیں نگاہ دونوں پہ ڈال کر میری

کو آواز دی۔ جواہرات نے مضطرب سی ہو کر خاور کو دیکھا اور خاور نے ذرا پریشانی سے اورنگ زیب کو۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ اورنگ زیب یہ نہیں کرے گا مگر۔

"مگر سر۔۔۔!" اورنگ زیب نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرایا۔ میری سامنے آئی تو انہوں نے اسے صرف اشارہ کیا' وہ پہلے سے مطلع کر دی گئی تھی' سو سر کو خم دیتی باہر نکل گئی۔

جواہرات گویا سلگ کر واپس باہر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پہ شدید اضطراب پھیلا تھا۔ یہ آدمی ناقابل برداشت تھا۔ شدید ناقابل برداشت۔

☆ ☆ ☆

دلبری ٹھہرا زبان خلق کھلوانے کا نام
اب نہیں لیتے پری رو زلف بکھرانے کا نام

انیکسی کے اندر چھوٹا سا لونگ روم تھا جس میں ٹی وی چل رہا تھا اور سامنے بیٹھی حنین چینل بدل رہی تھی۔ اس نے ماتھے والے بال چھوڑ کر باقی پونی میں باندھ رکھے تھے اور ذرا بے چین سی لگ رہی تھی۔ ندرت اور فارس خاموش سے بیٹھے تھے۔

"تم نے اورنگ زیب انکل کی طرف نہیں جانا؟ انہوں نے بلایا جو تھا۔" ندرت نے اسے پکارا۔

"ان کی نوکرانی نے ہمیں آتے دیکھ لیا تھا' جب بلانا ہو گا خود بلالیں گے۔"

"اچھا' اٹھ کر ہمارے لیے چائے تو بنا دو۔ کوئی کام نہیں کرتیں تم۔"

"امی! آپ سیدھے سیدھے کہہ دیں کہ حنہ تم باہر چلی جاؤ' ہمیں بات کرنی ہے' تو میں چلی جاؤں نں۔" وہ ریموٹ رکھ کر برا سا منہ بناتی اٹھ گئی۔ فارس خاموشی سے دیکھتا رہا۔

"اب کہاں جا رہی ہو؟" ندرت نے پھر پکارا۔

"وارث ماموں کے پاس۔ وہ کال سننے باہر گئے تھے وہیں رہ گئے۔" وہ داخلی دروازے سے باہر نکل آئی اور دروازہ ذرا سا کھلا چھوڑ دیا۔ پھر باہر اس کے ساتھ کھڑے ہو کر' کان لگا کر سننے لگی۔ آنکھوں میں شرارت اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

"جی' کیا بات کرنی تھی آپ کو؟" فارس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"ایسا ہے فارس کہ سلیم بھائی نے اپنی بیٹی زرتاشہ کے لیے اشاروں کنایوں میں بات کی ہے' اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بات شروع کروں؟" وہ اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گئیں اور بڑی آس سے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔

"کیا زرتاشہ ہی ہے خاندان میں واحد لڑکی؟" اس نے ناک سے مکھی اڑائی اور بے زاری سے ادھر ادھر دیکھا۔

"اچھا تم بتاؤ' جہاں کہو گے' میں رشتہ لے کر چلی جاؤں گی۔"

حنین چہرہ دروازے پہ جھکائے' لب شرارت سے دبائے' سن رہی تھی۔

فارس چند لمحے کو ندرت کو دیکھتا رہا۔

"آپ کی نند۔۔۔ اس کا بھی تو ابھی کہیں رشتہ نہیں ہوا۔" بہت ہی کوئی سرسری انداز میں کہا۔ ندرت چونکیں' پھر آنکھوں میں خوش گواری ابھری۔

"ہاں' اس کا بھی۔۔۔" پھر رک گئیں' آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ فارس نے غور سے ان کے تاثرات دیکھے۔

"میں اس کے قابل نہیں یا وہ میرے؟"

"نہیں' اصل میں میری ساس۔۔۔ وہ اتنی آسانی سے نہیں مانیں گی۔"

"نہیں مانتیں تو نہ مانیں۔ ایک دفعہ بات کر لیجئے گا بس۔" اس کے تاثرات ذرا سخت ہو گئے۔ ندرت نے جلدی سے بات سنبھالی۔

"نہیں' میں پوری کوشش کروں گی' وہ بہت اچھی لڑکی ہے' اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ اس کا ایک اور رشتہ بھی آیا ہوا ہے آج کل' میں پھر اسی ہفتے جا کر بات کرتی ہوں۔"

اور باہر' دل پہ ہاتھ رکھے کھڑی حنین' حیران' خوش' ایکسائٹمنٹ' غرض ہر جذبے سے گزر رہی تھی۔ تب

ہی کسی نے اس کو کان سے پکڑ کر دوسری طرف کھینچا۔ وہ گڑبڑا کر گھومی۔ وارث سامنے کھڑا تھا۔

"ماموں۔۔۔ میں آپ کی طرف ہی آرہی تھی۔"

"مگر میں نے سوچا کہ۔۔۔ کن سوئیاں لینے میں بھی ہرج نہیں ہے۔" اس نے حنین کا فقرہ مکمل کیا۔ وہ ابھی تک کان رگڑ رہی تھی' جھنجلا کر اسے دیکھا۔

"آپ کدھر رہ گئے تھے؟ گرمی میں اتنی دیر سے کھڑے ہیں؟"

"وہ گاڑی ہٹا کر اپنی سامنے کر رہا تھا۔" اس نے فارس کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ حنین کا کان رگڑتا ہاتھ رکا' آنکھوں میں کچھ چمکا۔ اس نے وارث کے ہاتھ سے چابی جھپٹی اور گاڑی کی طرف بھاگی۔ جلدی سے دروازہ کھولا' فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی اور ڈیش بورڈ کے خانے کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔ وارث ذرا حیران سا اس طرف آیا۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"جب ماموں' ہمیں پک کرنے آئے تھے تو۔۔۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے کچھ اس میں ڈالا تھا۔ مل گیا۔ بلکہ مل گئی۔" سیاہ مخملیں ڈبی ہاتھ میں لیے حنین نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور پرجوش سے ہو کر ڈبی کھولی۔

"اوہ گاڈ' کنو' واپس رکھو فوراً"۔ یہ فارس کی پرسنل چیزیں ہیں۔"

"دیکھنے تو دیں۔" وارث نے ہاتھ بڑھا کر ڈبی لینی چاہی مگر اس نے ہاتھ دور کر لیا۔ ڈبی کھل چکی تھی اور وہ جو ٹاپس یا انگوٹھی کی توقع کر رہی تھی' خود بھی ٹھہر سی گئی۔

سیاہ مخمل پہ ہیرے کی ننھی سی لونگ تھی' بالکل مونگ کی دال کے دانے جتنی۔

"واپس رکھو اسے۔" دروازے کے ساتھ کھڑے وارث نے اب سختی سے کہا تو اس نے ڈبی بند کر کے احتیاط سے واپس رکھ دی' پھر خود بھی باہر نکل آئی۔ چہرے پہ مسکراہٹ تھی' آنکھوں میں چمک۔

"یہ نوز پن (ناک کی لونگ) تھی۔"

"فارس نے لی ہوگی کسی کے لیے۔ اب مت چھیڑنا اسے۔"

"آہا۔۔۔ مجھے پتا ہے کس کے لیے۔ میری پھپھو ناک کی لونگ پہنتی ہیں۔"

وارث کی آنکھوں میں ناگواری ابھری' بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔

"عقل کدھر ہے تمہاری؟ دوبارہ یہ بات مت کرنا۔"

"کیوں؟ میں نے کیا کہا ہے؟"

"میری بات سنو غور سے۔" وہ سنجیدگی سے اس کے سامنے کھڑا کہنے لگا۔ "مجھے بھی پتا ہے کہ تمہاری پھپھو ناک میں لونگ پہنتی ہیں' اور مجھے یہ بھی پتا ہے تم اندر سے کیا سن کر آرہی ہو فارس نے پہلا مشورہ مجھ سے کیا تھا۔ یہ باتیں حنین! ہمارے خاندانوں میں پسند نہیں کی جاتیں۔ ڈیڑھ دو سال پہلے تک وہ اس کا اسٹوڈنٹ بھی رہا ہے' اگر اس نے تب یہ بات نہیں کی تو اس لیے کہ خاندان میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا کوئی۔۔۔ افیئر رہا ہے۔ اب یہ والی بات۔۔۔" سختی سے ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کسی کے سامنے نہیں دہرانی تم نے۔ ندرت آپا کے سامنے بھی نہیں۔"

"اچھا۔" حنین نے منہ بنا کر گردن پھیر لی۔ سارے ایڈونچر کا ان احتیاط پسند ماموں نے بیڑا غرق کر دیا تھا۔ تب ہی میری اینجیو اس طرف آتی دکھائی دی۔ حنین بے اختیار سیدھی ہوئی۔

"کاردار صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

حنین سر ہلا کر جانے لگی تو وارث گاڑی لاک کر کے آگے آیا۔ "ٹھہرو! اکیلی مت جاؤ' میں ساتھ آرہا ہوں۔" اس کے چہرے پہ کافی سختی سمٹ آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری
تنہا پس ' زنداں ' کبھی رسوا سر بازار
ہاشم کے کمرے کی کھڑکی کا رخ انیکسی کی طرف تھا'

اس لیے وہاں سے یہ منظر صاف نظر آتا تھا۔ ہاشم ایک سرسری نظر ان پر ڈال کر پلٹا۔ سامنے بیڈ پہ کھلا بیگ رکھا تھا اور شہرین الماری سے ہینگرز نکال نکال کر ڈھیر کر رہی تھی۔ وہ بھنچے ہوئے ابرو کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

"کچھ عرصے سے تمہارے انگلینڈ کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے؟"

ہینگر سے شرٹ اتارتے شہرین کے ہاتھ تھمے' پھر اسے کھینچ کر اتارا' تین تہیں لگائیں' بیگ میں رکھا' اور سنہرے بال کان کے پیچھے اڑستی سیدھی ہوئی۔

"مسز کاردار نے پیشکش کی تھی اور وہاں میری خالہ بھی رہتی ہیں۔ اچھا ہے اس بہانے ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ تمہارے پاس وقت ہوتا تو ہم ایک فیملی کی طرح جاتے۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم شاید میرے بغیر وہاں زیادہ خوش رہتی ہو۔" وہ تلخی سے کہتا آنکھیں سکیڑ کر اسے کپڑے تہہ کرتے دیکھ رہا تھا۔

"تم جھگڑے کے موڈ میں ہو؟" اس نے بے زاری سے کہتے ہوئے ڈریسر سے ایک ڈبا اٹھایا اور اس میں چیزیں بھرنے لگی۔

"جھگڑے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہاں جا کر بھی تم نے میری بیٹی ملازموں پہ چھوڑ دینی ہے۔ اس کا بخار پچھلے ہفتے ٹھیک ہوا ہے مگر شیری! تمہارے پاس نہ ادھر اس کے لیے وقت ہوتا ہے' نہ ادھر ہو گا۔"

"تم وقت نکالنا شروع کرو' میں پیروی کروں گی۔" وہ لپ اسٹکس اٹھا اٹھا کر ڈبے میں ڈال رہی تھی۔ ہاشم تلخی سے سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

راہداری کے دوسرے سرے پہ ایک کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ وہ نرسری تھی اور ادھر کاٹ کے ساتھ ایک ملازمہ کھڑی نظر آ رہی تھی۔ ہاشم کی آنکھوں میں افسوس ابھرا' پلٹ کر ایک ملامتی نظر اپنے کمرے پہ ڈالی اور سیڑھیاں اترنے لگا۔

بیچ سیڑھیوں کے وہ رک گیا۔ ابرو بھنچ گئے۔ پھر تیزی سے آخری زینے تک آیا۔

"تمہارا بھائی ملا تھا مجھے پچھلے سال' کہہ رہا تھا جب بھی کمپیوٹر خراب ہوتا ہے' وہ تمہیں کال کرتا ہے۔" اورنگ زیب صوفے پہ براجمان کہہ رہے تھے۔ سامنے والے صوفے کے کنارے حنین ٹکی تھی اور بار بار کبھی ساتھ کھڑے وارث کو دیکھتی' کبھی کھڑکی کے ساتھ موجود خود کو سلگتی نظروں سے گھورتی جواہرات کو۔

"بھائی کمپیوٹرز میں اچھا نہیں ہے۔ اس لیے۔" وہ ذرا تذبذب سے بولی' پھر دوبارہ جواہرات کو دیکھا۔ جواہرات اب سینے پہ بازو لپیٹے' تندہی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ عام حالات میں پر اعتماد رہنے والی حنین گڑبڑا رہی تھی۔ ہاشم بمشکل ضبط کر کے وہیں کھڑا رہا۔

"یہ لیپ ٹاپ...." اورنگ زیب نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ "چل نہیں رہا۔ ویسے تو میں کسی کو بھی بلا لیتا مگر.... تمہارا امتحان بھی آج لے لیتے ہیں۔"

حنین نے ایک نظر وارث کو دیکھا۔ جس پہ اورنگ زیب نے دوسری نظر بھی نہیں ڈالی تھی' اور پھر لیپ ٹاپ اٹھا کر گود میں رکھا۔ اسے کھولا۔ آن کیا۔ اب وہ جواہرات کو دانستہ طور پہ نہ دیکھنے کی سعی کر رہی تھی۔

اسکرین پہ کچھ حروف لکھے آ رہے تھے۔ حنین نے چند کیز دبائیں۔ پھر نگاہ اٹھائی تو آخری سیڑھی پہ کھڑا ہاشم بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بالکل سانس روکے۔ مضطرب۔

کاردارز کے چہروں کی تاب لانا مشکل تھا' وہ سر جھکا کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔ چند بٹن مزید دبائے۔ سسٹم چلنے لگا۔

"غالباً" یہ آن ہو گیا ہے۔ تو پھر حنین! کیا مسئلہ تھا اس میں؟" اورنگ زیب نے ایک استہزائیہ مسکراہٹ سے بیوی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ حنین نے چہرہ اٹھایا۔ ہاشم سے نظر ملی۔ ہاشم نے ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ "اونہوں' کچھ منفی مت بتانا۔"

اس نے اورنگ زیب کو دیکھا۔ وہ منتظر تھے۔ وہ کسی فیملی وار کے درمیان پھنس گئی تھی۔ نارمل حالات میں اسے.... ایک منٹ' وہ نارمل نہیں تھی۔ وہ

حنین تھی۔ اس نے تن کر گردن سیدھی کی، لیپ ٹاپ کا رخ ان کی طرف پھیر کر اسے میز پہ واپس رکھا اور بالکل سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"اس میں کوئی بھی مسئلہ بھی نہیں تھا۔ اسٹارٹ اپ کا مسئلہ بھی خود ساختہ تھا، شاید آپ نے یا کسی اور نے۔" معصومیت سے مسز کاردار کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کوئی شرارت کی تھی اس کے ساتھ۔" گردن اورنگ زیب کی طرف موڑلی، مسکرائی۔ وہ بھی سر کو خم دے کر ہلکا سا مسکرائے۔ ہاشم نے "اف" کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ "یہ بچے بھی نا۔"

"میں اس فیور کو یاد رکھوں گا۔" اورنگ زیب نے بلند آواز میں کہا تھا۔ حنین اور وارث جانے کے لیے مڑے۔

"کیا کھانا کھا کر نہیں جاؤ گی؟" جواہرات ذرا مسکرا کر سرد آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں، ہم جلدی میں ہیں۔" وارث نے اسے اشارہ کیا۔

"بہت عرصے سے تم نے مجھے موویز کی فہرست نہیں بھیجی؟" اورنگ زیب نے اسی سخت اور بارعب لہجے میں پوچھا تھا، شاید ان کا سب سے نرم انداز یہی تھا حنین نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔

"میں اب موویز نہیں دیکھتی۔ وہ دو تین گھنٹے میں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر دل کرتا ہے، بالکل اس جیسی مووی اور بھی دیکھی جائے، مگر ویسی مووی نہیں ملتی۔ سو میں اب امریکی ٹی وی شوز دیکھتی ہوں۔ لمبے لمبے سیزن.... بار بار کی انجوائے منٹ۔"

یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے کہی، پھر خدا حافظ کہہ کر وہ نکل آئے۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وارث نے ایک خاموش مگر گہری نظر ہاشم پہ ضرور ڈالی تھی۔

"میں تمہیں ایک نصیحت کروں گا۔ کاردارز سے فاصلہ رکھنا۔ یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ سبزہ زار عبور کر رہے تھے جب اس نے کہا۔ حنین نے الٹا تعجب سے اسے دیکھا۔

"میں تو دو سال سے ان کے گھر بھی نہیں آئی، کاردار صاحب کو بھی آخری میل سال پہلے کی تھی شاید۔ یہی بھجواتے ہیں ہر ماہ باسکٹ۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ ان کا بزنس کیا ہے۔"

"باسکٹ؟" اس سوال پہ حنین دل کھول کر ہنسی۔

"ہاشم بھائی کی بیٹی چھ مئی کو پیدا ہوئی تھی، سو ہر ماہ کی چھ تاریخ کو چاکلیٹس اور برانڈڈ سوئیٹس سے بھری باسکٹ سب رشتے داروں کے گھر آتی ہے کہ بھئی اب سونیا اتنے ماہ کی ہو گئی، اب اتنے کی۔ جب تک وہ دو سال کی نہیں ہو جائے گی، یہ ہوتا رہے گا۔ امیروں کے چونچلے۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے دور ہوتے جا رہے تھے۔

ہاشم نے کھڑکی سے ان کو جاتے دیکھا، آنکھوں میں گہری سوچ تھی، مگر پھر باپ کی آواز نے چونکایا۔

"ہاشم! مجھے ڈرافٹ نکال کر دو تاکہ میں پیپرز بنواؤں اور یہ کام تمہاری ناقابل اعتبار ماں کے جانے سے پہلے ہو جانا چاہیے۔"

ہاشم کے ابرو تن گئے، خاور کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ چلا گیا تو وہ سامنے آیا صوفے پہ براجمان باپ کے بالکل سامنے۔

"میری ماں کو ملازموں کے سامنے بے عزت مت کیا کریں۔"

وہ کھڑے ہوئے، ایک خشمگیں نگاہ اس پہ ڈالی اور دوسری جواہرات پہ، جس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے، آنکھوں میں مسرت چمکی۔

"جو کہا ہے، وہ کرو، مجھے مت سمجھایا کرو۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کا دروازہ بند ہوتے ہی جواہرات تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"کیا تم نے دیکھا، وہ ہمیشہ کس ہتک سے ملازموں کے سامنے۔"

"ممی! میرے ساتھ میرے باپ کے خلاف بات مت کیا کیجئے۔" جواہرات رک گئی، نگاہیں یک ٹک ہاشم کے چہرے پہ ٹھہر گئیں۔ وہ غصے میں لگ رہا تھا۔

"آئندہ آپ ان سے غلط بیانی نہیں کریں گی۔

زمین نہیں پہنچنی تو مجھے بتائیں' ہاشم ہر مسئلہ سنبھال سکتا ہے۔ خود غلط قسم کے اقدام مت کیا کریں۔"
جواہرات نے اس کو دیکھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔ ہاشم ایک طرف سے گزر کر باہر نکل گیا۔
برآمدے کے اونچے ستونوں کے ساتھ خاور چوکس مودب کھڑا تھا۔ وہ برہمی سے کہتا اس کے سامنے آیا۔
"تم میری ماں کے لیے کام نہیں کرتے' میرے باپ کے لیے بھی کام نہیں کرتے۔ تم میرے لیے کام کرتے ہو۔ آئندہ ان دونوں کا کوئی بھی ایسا حکم مت ماننا' جو ان کے درمیان کسی جھگڑے کا سبب بنے۔ کیا میں دہراؤں یا تم سمجھ گئے ہو؟" خاور نے سر جھکا لیا۔
"سوری سر! مسز کاردار نے مجھے دھمکی۔۔۔ اوکے میں احتیاط کروں گا۔"
ہاشم نے گہری سانس لے کر گردن موڑی۔ یہاں سے انیکسی نہیں نظر آتی تھی' وہ پچھلی طرف تھی' مگر اسے کچھ ان دیکھا نظر آیا تھا۔
"یہ آدمی۔۔۔ فارس کا بھائی وارث غازی' اس پہ نظر رکھو خاور! فون ٹیپ کرو' آفس بگ کرو۔ جو بھی کرو میں نے سنا ہے یہ پیٹرولیم در آمدات کی ڈیلنگز کی رپورٹ تیار کر رہا ہے۔ بظاہر کوئی خطرے کی بات نہیں ہے' مگر جس طرح یہ مجھے دیکھ رہا تھا۔۔۔ ابھی سمجھ گئے ہو نا؟" اس کا کندھا تھپتھپا کر پوچھا۔ خاور نے اثبات میں گردن ہلائی۔
"گڈ!" ہاشم واپس مڑ گیا اور کاردار قصر پہ اترتی نیلی شام آہستہ آہستہ سیاہی میں بدلتی رہی۔

☆ ☆ ☆

فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری تحقیر ہوتی ہے
میں مسجود ملائک ہوں' مجھے انسان رہنے دو

ذوالفقار یوسف کے گھر کا لاؤنج آج زیادہ ہی پر رونق لگ رہا تھا۔ زمر رات ان کے پاس ٹھہرنے کو آئی تھی۔ ندرت خوشی خوشی اسٹور سے صاف تولیے اور لحاف وغیرہ نکال رہی تھیں۔ حنین البتہ قدرے مضمحل سی زمر کے سامنے والے صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ زمر نے بہت دفعہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھا مگر پھر خاموش رہی۔
حنین کا چہرہ اسکول سے آتے ساتھ ہی ایسا تھا۔ جس بات کو وہ اتنے دنوں سے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی' وہ آج زیادہ بھیانک طریقے سے سامنے آ گئی تھی۔ اس کی اس بدتمیز' مغرور اور نالائق کلاس فیلو سبرینہ جاوید کی والدہ یاسمین جاوید جو اسکول کی وائس پرنسپل بھی تھیں' نے اسے آج اپنے آفس میں بلایا تھا۔
"آپ نے ناائنتھ میں بورڈ ٹاپ کیا تھا حنین! کیونکہ آپ کے نوٹس بہت اچھے ہوتے ہیں۔"
"جی۔۔۔ میم!" اس نے محتاط نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ کرسی پہ بہت تمکنت اور رعب سے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔
"اور سبرینہ کافی دن سے آپ سے نوٹس مانگ رہی ہے' نہ نوٹس آپ نے دیے نہ ہی اس کی پریکٹیکل نوٹ بک بنا کر دی۔"
"میم! وہ نوٹس میں لیکچر کے دوران لیتی ہوں۔ انگریزی کے خط' مضمون وغیرہ میں جن کتابوں سے تیار کرتی ہوں وہ میرے بھائی اور پھپھو کی پرانی کتابیں ہیں۔ وہ میں کیسے کسی کو دے سکتی ہوں؟ اور میں اس کو کیوں نوٹ بک بنا کر دوں؟"
"آپ کو پتا ہے ناائنتھ کا بورڈ ٹاپ تب میٹر کرے گا جب آپ دسویں میں بھی ٹاپ کریں۔ ملا کر رزلٹ آئے گا نا؟ سو آپ سبرینہ کی مدد کیا کریں' اگر نہیں کریں گی تو اس بات کو ذہن میں رکھیے گا کہ وائس پرنسپل چاہے تو آپ کا داخلہ بھی نہ بھیجے' چاہے تو ایسے کمنٹس لکھ کر اسکول سے خارج کر دے کہ اگلے تین سال تک کوئی اسکول ایڈمیشن دینے کا اہل نہ رہے۔ منڈے تک سبرینہ کی نوٹ بک تیار ہونی چاہیے۔ آپ جا سکتی ہیں۔"
اور وہ بے بسی' غصہ' یہاں تک کہ ڈر' ہر جذبے میں گھری واپس آئی اور تب سے ایسے ہی تھی۔
"امی۔۔۔ میرے براؤن جوتے نہیں مل رہے

لنڈے والے۔" سیم کو پھپھو کی موجودگی میں تازہ تازہ خریدے جوتوں کو دکھانے کی جلدی تھی' اس لیے کافی دیر سے آوازیں لگا رہا تھا۔ حنین چونکی' پھر اٹھ کر اندر گئی جہاں وہ الماری کھولے کھڑا تھا اور اسے زور کی چٹکی کاٹی۔

"کتنی دفعہ امی نے بتایا ہے' لنڈا نہیں کہتے' ایل شاپ کہتے ہیں۔"

"اچھا!" اور پھر سے حلق پھاڑ کر چلایا۔ "امی' امی! میرے ایل شاپ والے جوتے نہیں مل رہے' جو لنڈے سے لیے تھے۔"

"اف!" وہ کراہ کر باہر نکل آئی۔ زمر بمشکل مسکراہٹ روک کر بیٹھی تھی۔ حنین پھیکا سا مسکرائی۔

"باہر ہوا ہے اوپر ٹیرس پہ بیٹھتے ہیں۔" زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سیم جوتے ڈھونڈ کر فوراً" باہر آیا اور آنکھیں پھیلائے تعجب سے اسے دیکھا۔

"پھپھو! اس وقت باہر نہیں جائیے گا۔ ہمارے لان کا درخت ٹیرس تک جاتا ہے۔ اس پہ جن ہوتے ہیں۔"

زمر نے گہری سانس لی۔ جنات.... جن کے بارے میں سنانے کو ہر شخص کے پاس ایک کہانی ضرور ہوتی ہے۔

"اور پتا ہے پھپھو! میرے دوست کے گھر کے قریب ایک قبرستان ہے جہاں ۔" سیم پرجوش سا سنانے لگا۔ وہ اس عمر میں داخل ہو گیا تھا جب بچے اسکول سے آکر "میری ٹیچر اور میرا دوست" کے اقوال زریں سارا وقت سناتے ہیں۔ زمر نے نرمی سے اس کے ماتھے سے بال ہٹائے۔

"میں تمہیں اس سے بہتر کہانی سناتی ہوں۔ مگر پہلے اوپر چلو۔" سیم کی پریشانی نظرانداز کر کے وہ اوپر آ گئے۔ حنین بھی بجھی بجھی سی ان کے ساتھ تھی۔

اوپر والا پورشن کسی دوسری فیملی نے کرائے پہ لے رکھا تھا۔ البتہ ٹیرس کی طرف بیرونی لوہے کا زینہ جاتا تھا اور وہاں یہ لوگ بھی بیٹھ جایا کرتے تھے کبھی کبھار۔ باغیچے کا درخت ٹیرس کے ایک حصے پہ گھنا سا سایہ کرتا تھا۔ وہ درخت سے دور' وسط میں بچھی کرسیوں پہ جا بیٹھے۔

"تو اسامہ یوسف خان جنات سے ڈرتا ہے؟" سیم کو بازو کے حلقے میں لے کر اپنے ساتھ بٹھائے' وہ کن اکھیوں سے سامنے بیٹھی حنین کو دیکھتے ہوئے بولی۔ سیم نے تذبذب سے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ.... ڈراؤنے ہوتے ہیں نا۔"

"اور یہ تو تمہیں پتا ہے کہ انسان فرشتوں اور جنوں سے زیادہ اشرف ہے۔ یعنی کہ زیادہ نوبل ہے۔"

"مجھے پتا ہے۔" اس نے دینیات میں پڑھ رکھا تھا۔ اشرف المخلوقات۔

"تو انسان زیادہ نوبل اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ ہم وہ بھی کر سکتے ہیں جو جن نہیں کر سکتے۔"

"جن غائب ہو سکتے ہیں پھپھو!"

"ہاں اور ہمیں چھپنے کے لیے غائب ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ آرام سے پریشانی اور اندر کا خوف دوسروں سے چھپا کر خود کو نارمل ظاہر کر لیتے ہیں۔" زمر نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ حنین چونکی تھی۔

"مگر وہ اڑ بھی سکتے ہیں۔" سیم کو جنوں کی تحقیر پسند نہیں آرہی تھی۔

"اور ہمیں اوپر جانے کے لیے پیروں کی ضرورت نہیں۔ ہمارا کردار ہمیں بلند کرتا ہے۔ ہم زیادہ مضبوط ہیں کیونکہ ہم اپنی فیملی کا مشکل اور پریشانی میں ہاتھ تھامتے ہیں۔"

"مگر...." سیم ذرا کی ذرا درخت کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا مگر زمر اسے سمجھا بھی نہیں رہی تھی۔

"میں تمہارے دوست سے زیادہ اچھی جنوں کی کہانی سناتی ہوں تمہیں۔" وہ سیم کو مخاطب کر کے اس کے بال سہلاتی کہہ رہی تھی۔ حنین بھی ذرا آگے ہو کر غور سے سننے لگی۔

"صدیوں سے جن آسمانوں کا سفر کرتے' فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے۔ پھر ایک دن اچانک انہوں نے آسمانوں کو ٹٹولا تو اسے سخت پایا۔ وہ کان لگانے گئے

تو ان پہ شعلے برسنے لگے۔ وہ اس وقت نہیں جانتے تھے کہ ان کے رب نے انسان کے ساتھ نیکی کا ارادہ کیا ہے یا برائی کا۔ تو وہ زمین میں پھیل گئے تاکہ خبر لیں کہ کیا غیر معمولی واقعہ پیش آ رہا ہے جو آسمان پہ اتنے پہرے لگ گئے ہیں۔"

کہتے ہوئے اس نے آسمان کو دیکھا۔ وہ تاریک تھا۔ چاند کے بغیر، صرف تاروں سے ڈھکا۔ پراسرار، خاموش اور گہرا۔

"پھیلتے پھیلتے ان میں سے کچھ وادی **نخلہ** پہ جا پہنچے۔ وہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو قرآن اتر رہا تھا۔ نماز کا قرآن جب انہوں نے سنا تو ان کے دل بدل گئے۔ وہ فوراً" اپنی قوم، اپنے خاندانوں کی طرف پلٹے اور ان کو بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہنمائی دیتا ہے۔ تو سیم یوسف...... تمہارے دوست کا دوست جو بھی کہے، مجھے تو قرآن میں جنات کا ذکر بہت پیار سے بیان کیا ملا ہے۔ مجھے تو وہ بہت نوبل لگے۔ انہوں نے سچائی جان لی تو اسے چھپایا نہیں۔ اپنے لوگوں میں واپس جا کر ان تک حق پہنچایا۔ یہ تو انسانوں کی اچھائی ہے نا۔ سچ کے لیے اسٹینڈ لینا۔ کیا اب بھی تم جنوں سے ڈرتے ہو؟"

سیم جو بالکل مسحور ہو کر سن رہا تھا، استفسار پہ چونکا ذرا سے شانے گرائے۔

"نن..... نہیں تو۔"

"جنوں سے نہ ڈرا کرو سیم! ایٹم بم نہ انہوں نے بنائے تھے، نہ برسائے تھے۔ انسان زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

حنین یک ٹک، مبہوت سی سن رہی تھی۔ زمر اب سیم کو نیچے سے کچھ لانے کے لیے بھیج رہی تھی۔ جب وہ چلا گیا تو اس نے زمر کو اپنی طرف رخ کرتے دیکھا۔

"اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم ڈرنا چھوڑ دو حنہ! انسان کو انسان بننے کے لیے بہادر بننا ہوتا ہے۔" نرمی سے مسکرا کر کہا۔ تاریک رات، گھنا درخت، ٹیرس کی تنہائی، حنین کے اندیشے، خوف سب اس کی آنکھوں کی نرمی میں زائل ہوتا گیا۔ زمر نہیں پوچھے گی، یہ تو طے تھا۔ وہ صرف سوال کا اعتماد دے کر فیصلہ دوسرے پہ چھوڑ دے گی۔

حنین اٹھی اور سیم کی جگہ پہ اس کے قریب آ بیٹھی۔ اب سر جھکا کر انگلیاں مروڑتے ہوئے بات کا آغاز کرنا چاہا، مگر الفاظ حلق میں پھنس گئے۔ زمر نے غور سے اس کا جھکا چہرہ دیکھا۔

"میں ایک بہت پر اعتماد لڑکی کو جانتی ہوں، جو ہر بات کا ترنت جواب دے کر سب کو ہنسا دیتی ہے۔ آج کیا وہ گھر پہ نہیں ہے۔ میں جب سے آئی ہوں، مجھے نظر نہیں آئی؟"

حنین ہلکا سا ہنس دی۔ سر اٹھایا۔ ہنسی سمٹی۔ آنکھوں میں اضطراب ابھرا۔

"**علیشا** کہتی ہے، میری امریکن دوست کہ مسئلوں کے دو حل ہوتے ہیں، یا خود میں ہمت تلاش کرو یا زیادہ ہمت والے کو۔"

"اور.....؟"

"میری کلاس فیلو مبرینہ....." پہلا قدم مشکل ہوتا ہے، پھر اگلے قدم تو خود بخود اٹھنے لگ جاتے ہیں۔ جیسے برسوں کی عادت ہو۔ ساری بات سن کر زمر نے سنجیدگی سے کہا۔

"پہلی بات، تمہیں اسکول میں bully کیا جا رہا ہے، بلکہ یہ ہراس منٹ ہے اور یہ جرم ہے۔ حنہ! کبھی بھی زندگی میں ظلم کے اوپر خاموش نہیں رہنا، اوکے؟"

حنین نے فوراً" اثبات میں گردن ہلائی۔

"دوسری بات، یہ مسئلہ تو میں دو دن میں حل کر سکتی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسا پلان ہے جس کے بعد وہ ٹیچر دوبارہ تمہیں دھمکانے کی جرات نہیں کر سکیں گی۔"

"واقعی؟" حنین کی آنکھوں میں حیرت، خوشی، غرض ہر مثبت جذبہ چمکنے لگا۔

"ہاں، تم دیکھتی جاؤ۔ میں کیا کرتی ہوں۔"

حنین کا چہرہ گویا دمکنے لگا۔ الفاظ دنیا بناتے ہیں۔ الفاظ دنیا بکھیرتے ہیں۔ صرف الفاظ نے ہی اسے اتنا

مطمئن کر دیا تھا۔ وہ پرسکون سی ہو کر بیٹھ گئی 'پھر جلدی سے سیدھی ہوئی۔

"اوہ۔ امی نے ٹرائفل بنا کر رکھا تھا فریج میں۔ آئیں نیچے چلتے ہیں 'ورنہ موٹا آلو سب کھا جائے گا۔"

زمر ہلکا سا ہنس دی مگر وہ نیچے نہیں گئی۔ اس نے حنہ کے جانے کا انتظار کیا۔ ساتھ ہی چہرے کا پرسکون تاثر غائب ہوا۔ اس کی جگہ مضطرب سوچ نے لے لی۔ اس نے موبائل نکالا 'فون بک اوپر نیچے کی۔ ایک نمبر پہ رکی۔

اس نے چوتھی گھنٹی پہ اٹھا لیا تھا۔

"فارس! میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

وہ جم سے آرہا تھا' سانس ابھی تک پھولا ہوا تھا۔

نہیں میم! بتایئے۔"

"میری ایک فرینڈ کا کیس ہے .... مقابل ایک اسکول کی وائس پرنسپل ہیں۔" تاریک رات میں سرگوشی نما آواز میں وہ کہہ رہی تھی۔ "اور وہ خاتون ہاتھ نہیں آرہیں' تو ان کو ڈیل کرنے کا کوئی پلان ہے آپ کے پاس؟"

زمر نے گہری سانس لی۔ نیچے سے حنین اور اسامہ کے پھر کسی بات پہ لڑنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ سماعت کی حد سے دور تھے۔

"نہیں 'لیکن اگر میں یہ اس فرینڈ کو ابھی کہہ دیتی تو وہ کبھی دوبارہ اپنا مسئلہ لے کر میرے پاس نہیں آئے گی۔ سچ بتاؤں تو مجھے نہیں پتا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"او کے آپ ان خاتون کا کوئی نمبر' پتا وغیرہ دے دیں ان کی بیک گراؤنڈ فائل تیار کر کے آپ کو بھجوا دوں گا۔ کچھ تو مل جائے گا ان کے خلاف استعمال کرنے کو۔"

"تھینک یو سو مچ فارس! بس یہ ہمارے درمیان رہے۔"

"ٹھیک اور کوئی مسئلہ؟" وہ ذرا رکا۔ مگر زمر نے دوبارہ سے شکریہ کر کے فون رکھ دیا۔ اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

بے چارے پرانے اسٹوڈنٹس کتنی عزت کرتے ہیں۔ کاش میڈم یاسمین بھی عزت کروانا جانتی ہوتیں۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

کبھی کبھی آرزو کے صحرا میں آکے رکتے ہیں قافلے سے

صبح حنین حسب عادت بھاگم بھاگ اسکول کے لیے تیار ہوئی تھی۔ زمر اور سیم بالکل تیار اس کے انتظار میں دروازے پہ کھڑے تھے۔ ادھر وہ آئی 'ادھر گھنٹی بجی۔ زمر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ ایک نوجوان باہر کھڑا تھا۔ سوٹ میں ملبوس۔ سن گلاسز لگائے ہاتھ میں لمبا سا ڈبا۔

"حنین یوسف؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی ایک طرف ہوئی۔ حنین باہر آئی۔

"کاردار صاحب نے بھجوایا ہے۔" وہ ان کا کوئی ملازم تھا۔ پیکٹ حوالے کر کے مودب سا پلٹ گیا۔ باہر اس کی کار کھڑی تھی۔

حنین قدرے حیران 'قدرے الجھی ہوئی ڈبا لے کر اندر آئی۔ گول میز پہ اسے رکھا۔ سب ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ اس نے ذرا تذبذب سے ڈھکن ہٹایا اور پھر .... وہ سانس لینا بھول گئی۔

نیا نکور لیپ ٹاپ' آئی پیڈ' آئی فون' آئی پوڈ۔ ہر جدید آلہ الگ الگ ڈبے میں تھا۔ اور ان کے اوپر ایک نوٹ۔

"میں کسی کا احسان نہیں بھولتا۔ اورنگ زیب۔"

زمر نے نوٹ پڑھا۔ ندرت نے آہستہ سے اسے بتایا کہ وہ کون ہیں۔ (فارس کا وہ کزن ہاشم جس کا سعدی اکثر ذکر کرتا ہے؟ اوکے!) وہ حنین کے تاثرات دیکھنے لگی۔ جو اب شاک سے نکل کر خوشی خوشی سب کھولنے لگی۔ ندرت البتہ چپ ہو گئیں۔

"اتنے مہنگے تحفے۔ یہ ہمیں نہیں رکھنے چاہئیں۔"

زمر سیم کو لے کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ان کی اتنی ذاتی سی گفتگو میں مخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ نکلتے ہوئے اس نے حنین کی آواز سنی۔

"امی یار! کیا ہے؟ میں نے ان کا لیپ ٹاپ ٹھیک

کیا' وہ شکریہ کرنا چاہ رہے ہیں' ایسے کیسے واپس۔۔۔" وہ باہر آگئی۔

جب حنہ کار میں آکر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو اپنی امی کا موبائل کان سے لگائے بات کر رہی تھی۔ زمر کو معلوم تھا کس کی کال ہو گی۔

"اس کی آدھی رات ہو گی حنہ!" اس نے مسکرا کر کہتے کار اسٹارٹ کی مگر وہ سنے بغیر پر جوش سی تفصیلات بتا رہی تھی۔

"لیپ ٹاپ سلور کلر کا ہے اور آئی پوڈ۔"

"میری بات سنو حنہ! تم یہ سب واپس کر دو۔" وہ نیند سے اٹھ چکا تھا اور اب مکمل الرٹ تھا۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔ زمر نے ڈرائیو کرتے ایک نظر اس پہ ڈالی۔

"یہ سب میں تمہیں لے دوں گا۔"

"اور اگر تب میں آپ کو واپس کر دوں تو آپ کو کیا لگے گا بھائی! انہوں نے کوئی غریب رشتے دار سمجھ کر' ترس کھا کر نہیں دیا۔ میں نے ان کا کام کیا تھا' انہوں نے شکریہ ادا کیا ہے۔ اگر میں تحفوں کی لالچی ہوتی تو جب وہ کبھی کبھار پوچھتے ہیں کہ فلاں ملک جا رہا ہوں تمہیں کچھ چاہیے تو ہر دفعہ یہ کہہ کر انکار نہ کرتی کہ سوری انکل! میں بغیر وجہ کے تحفہ نہیں لیتی۔"

"اوہ اچھا۔" وہ واقعی سمجھ گیا۔ "او کے تم رکھ لو۔ اب مجھے سونے دو۔"

حنین نے فون رکھ دیا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ پھر قدرے الجھتے ہوئے زمر کو دیکھا۔

"اگر آپ کو کوئی ایسے تحفہ دے تو آپ رکھ لیں گی؟"

وہ اپنے عمل کی صفائی چاہ رہی تھی۔ زمر کو جیسے کچھ یاد آگیا۔ اس نے گیئر سے پچھلا خانہ کھولا اور کچھ نکال کر اس کی گود میں رکھا۔ سیاہ مخملیں ڈبی اور ایک تہہ شدہ کاغذ۔ حنین یوسف سن رہ گئی۔

"کل صبح مجھے یہ کسی نے کوریر کیا تھا۔ پڑھو۔"

حنین کا چہرہ فق ہوا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے زمر کی شکل دیکھی۔ وہ پر سکون ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل سے کاغذ اٹھایا۔ جیولری تک ٹھیک تھا۔ ماموں سے لو لیٹر کی توقع نہیں تھی۔ کاغذ کی تہیں کھولیں۔

"پہلے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کلاس میں کبھی۔ یہ آپ پہ اس سے زیادہ سوٹ کرے گی جو آپ پہنتی ہیں۔"

(اسے لو لیٹر کہتے ہیں؟ اس سے اچھا لو لیٹر تو لنکن بروز لکھ لیتا) ماموں کی لکھائی وہ صاف پہچان گئی۔ خوف زائل ہوا' الجھن سے سر اٹھایا۔

"کیا آپ یہ نوز پن رکھیں گی؟"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تم نے تو ابھی اسے کھولا ہی نہیں۔"

حنین کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"اس میں۔۔۔ لکھا ہے کہ یہ آپ پہ سوٹ نہیں کرتا۔" ناک کو انگلی سے چھوا۔ "اگر کسی کا اتنا سینس ہے تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ نوز پن زیادہ اچھی لگے گی۔ اب دیکھیں میرا گیس ٹھیک نکلتا ہے یا۔۔۔" کہتے ساتھ ڈبی کھولی۔ ہیرے کی لونگ سامنے تھی۔ حنین نے فاتحانہ دیکھا کہہ کر شانے اچکائے۔

"کیا آپ کو معلوم ہے یہ کس نے بھیجا ہے؟" ذرا احتیاط سے پوچھا۔

"اتنے بیجز پڑھائے ہیں' سینکڑوں اسٹوڈنٹس گزرے۔ مگر بہت کم لڑکیوں کو میرے گھر کا پتا معلوم ہے۔ انہی میں سے کوئی ہو گی۔"

"ہو گی؟" حنین کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"تو۔۔۔ اب آپ کیا کریں گی؟"

"اس کوریر کمپنی جا کر واپسی کا پتا لینے کی کوشش کروں گی' آخر انہوں نے بھی کیسے ڈائمنڈ جیولری کوریر ہونے دی۔ پھر اس کو واپس کروں گی' کیونکہ میں اسٹوڈنٹس سے تحفے نہیں لیتی۔ یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے۔"

"تو پھر میں بھی کاردار صاحب کو یہ سب واپس کر دیتی ہوں۔ میرے بھی کچھ اصول ہونے چاہئیں۔ بات ختم۔" حنین نے ذرا خفگی سے کاغذ ڈبی میں رکھا۔ ڈبی واپس رکھی اور باہر دیکھنے لگی۔

زمر نے گہری سانس لی۔ حنین اور اپنے درمیان تازہ تازہ تکلف کی خلیج میں آنے والی کمی کو ایک اصول کے پیچھے..... ؟ اونہوں۔ اصولوں میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ اپنوں کے لیے سب ہو سکتا ہے۔

"اوکے' میں اسے رکھ لیتی ہوں۔" حنین محض سر ہلا کر باہر دیکھتی رہی۔ زمر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"تم کیوں مسکرا رہی ہو؟"

اس نے گڑبڑا کر جبڑا سیدھا کیا اور گردن دائیں بائیں گھمائی۔ "نہیں تو۔" اور مزید رخ پھیر لیا۔

اسکول میں وہ دونوں ایک ستون کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھیں۔ نگاہیں گیٹ پہ مرکوز تھیں۔ "ہمیں صرف ان کا ایڈریس چاہیے' یا کوئی دوسری کانٹیکٹ انفارمیشن۔"

"وہ رہی سبرینہ۔" اس نے اندر آتی لڑکی کی طرف اشارہ کیا' پھر بے چینی سے زمر کو دیکھا۔

"مگر آپ اس کا نمبر پتا کیسے حاصل کریں گی؟ اس کے لیے تو آپ کو ریکارڈ روم میں جانا ہو گا' یا اسکول کے ڈیٹا بیس سسٹم..... کہاں جا رہی ہیں آپ؟"

وہ جو ستون کی اوٹ سے نکل کر جانے لگی تھی' حنین کے ہڑبڑانے پہ رک کر اسے دیکھا' ہلکا سا مسکرائی۔

"سبرینہ سے اس کا پتا لینے۔" اور ہکا بکا کھڑی حنین کو چھوڑ کر ذرا آگے آئی۔ تب تک سبرینہ برآمدے تک آ چکی تھی۔ حنین فوراً" گھوم گئی۔ سماعت وہیں لگی تھی۔

زمر سبرینہ کے پاس سے گزرنے لگی' پھر اس کا چہرہ دیکھ کر رکی اور خوشگوار حیرت سے اسے پکارا۔

"ارے سبرینہ..... میڈم یاسمین کی بیٹی ہو نا آپ؟ کیسی ہو؟ میڈم کیسی ہیں؟"

سبرینہ رکی' ذرا الجھا الجھا سا مسکرائی۔

"جی میں سبرینہ..... آپ۔"

"ڈونٹ ٹیل می! تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ بچپن میں تم کتنی ہیلدی تھیں' مگر اب زیادہ پیاری ہو گئی ہو۔ امی کدھر ہیں؟ ابھی جاب کر رہی ہیں؟"

"آ..... جی' امی وائس پرنسپل۔"

"کتنی آؤٹ آف ٹچ ہو گئی ہوں۔ میں بھی دبئی چلی گئی تھی نا' ابھی بھتیجی کے ایڈمیشن کے لیے آئی تھی۔ ایسا کرو مجھے اپنا نمبر دے دو۔" کندھے پہ ٹنگے پرس سے جلدی جلدی نوٹ بک اور قلم نکال کر اسے تھمایا۔ "لینڈ لائن بھی دینا اور ایڈریس بھی دے سکو۔ میں میڈم سے ملنے آؤں گی کسی دن۔" سبرینہ کو سوچنے کا زیادہ وقت نہیں ملا۔ وہ کاغذ پہ الفاظ گھسیٹنے لگی۔

جب وہ دور چلی گئی تو زمر ستون تک واپس آئی۔ کاغذ حنین کے سامنے لہراتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی متحیر کھڑی تھی۔

"تم نے ابھی میری یہ والی سائیڈ دیکھی نہیں تھی حنہ!"

"واقعی زبردست پرفارمنس تھی۔" پھر وہ حیران پریشان اسمبلی کے لیے بھاگی' مگر ٹھہر کر مڑی۔ "یہ....." ناک پہ انگلی رکھی۔ "آپ پہ واقعی اتنی سوٹ نہیں کرتی۔" اور بھاگ گئی۔

زمر نے کار میں واپس بیٹھتے ہوئے لمحے بھر کو آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ سونے کی بالی جیسی نتھ کیا واقعی اس پہ سوٹ نہیں کرتی؟ اونہوں..... اس کو مایوسی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

شام کی ٹھنڈی ہوا میں درختوں کے پتے سرسراتے ہوئے موسیقی بکھیر رہے تھے۔ سعدی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس خوب صورت گھر کے سامنے رکا' جنگلے کا چھوٹا سا گیٹ دھکیل کر کھولا اور سبزہ زار پہ آگے چلتا آیا۔

کھلا سا لان' اس طرف پورچ' وہاں سے دیوار خم دار مڑتی۔ وہ موڑ مڑ کر داخلی حصے کی طرف آیا تو ایک دم ٹھٹک کر رکا۔

ہاشم کی بیوی' شہرین وہاں کھڑی تھی۔ سعدی کی

طرف پشت' داخلی دروازے پہ نگاہ رکھے' وہ جھنجلائی ہوئی موبائل پہ بات کر رہی تھی۔

"ہاشم کو پہلے ہی مجھ پہ شک ہے اور اب تو اس کی ماں بھی ادھر ہے۔ میں روز روز تم سے ملنے نہیں آسکتی کزن، ہو تو کزن بن کر رہو' میں۔"

بس چند سیکنڈ ہی تھے' سعدی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مڑے یا آگے چلتا جائے اور تب ہی شہرین کسی احساس کے تحت پلٹی۔ فر فر چلتی زبان رکی' چہرہ فق ہوا۔ ایک دم کان سے لگا ہاتھ فون سمیت پہلو میں گرا دیا۔

"السلام علیکم۔" وہ سر جھکا کر سرسری سلام کرتا دروازے کی طرف بڑھا۔

"وعلیکم.... میں بہن سے بات کر رہی تھی۔" وہ مضطرب سی بولی۔ وہ ان جانا بن کر سوری کہتا رکا' شہرین چپ ہو گئی۔

"مسز جواہرات اندر ہیں؟"

"ہاں۔" جلدی سے آگے آئی' دروازہ کھولا اور حلق کے بل چلائی۔ "میری.... میری۔"

میری اینجیو دوڑتی آئی۔ شہرین نے اشارہ کیا۔ وہ فوراً" سعدی کو اندر لے گئی۔ شہرین ڈور اسٹیپ پہ کھڑی اب بے چین سی اس کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ فام ہاؤس کیپر نکلتے دکھائی دی تو اس نے اسے روکا۔

"سنو! یہ لڑکا کون ہے؟"

"یہ سعدی ہے۔ نوشیرواں کا دوست۔"

اوہ۔ فارس کا بھانجا۔ ہاشم ذکر کرتا تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر ادھر چکر کاٹا۔ جواہرات اسٹڈی میں ہیں۔ وہ اسٹڈی میں تھی لاؤنج کے بجائے۔ یعنی اس لڑکے کو اسی نے بلوایا تھا۔ اوہ نو اگر اس نے کچھ بک دیا تو؟

وہ فکر مندی سے اسٹڈی کے دروازے تک آئی' لکڑی کا ساؤنڈ پروف دروازہ بند تھا۔ وہ دونوں اندر تھے۔ اب؟

پھر ایک خیال ذہن میں لپکا۔ وہ گھر سے باہر آئی۔ عمارت کے اطراف سے گھوم کر اسٹڈی کی کھڑکی کے ساتھ رکی۔ لبوں پہ مسکراہٹ ابھری' اندازہ درست تھا۔ جواہرات کھڑکی کھول کر بیٹھنے کی عادی تھی اور اس وقت بھی وہ کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سعدی اس کے مقابل کرسی پہ تھا۔ دونوں کے درمیان میز تھی جس پہ تازہ پھولوں کا گلدستہ تھا۔ جواہرات انگریزی طرز کے لباس میں ملبوس کہنی کرسی کے ہتھے پہ ٹکائے' دو انگلیوں سے لاکٹ کا ہیرا چھیڑتی' مسکرا کر اس کو سن رہی تھی۔

شہرین دیوار کے ساتھ لگی قریب سرک آئی۔ کان گفتگو پہ لگے تھے۔ اپنا نام سننے کے خوف میں۔

"ہمارے ڈپارٹمنٹس الگ ہیں' میں اس کا زیادہ دھیان نہیں رکھ پاتا' مگر پچھلے دنوں کچھ دوستوں سے یہ سب پتا لگا تو میں نے سوچا۔" ساتھ ہی شانے اچکا دیے۔

"میں آگئی ہوں۔ سب سنبھال لوں گی۔" جواہرات نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ "میں صرف تمہارے منہ سے سب سننا چاہتی تھی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس نے گھر میں بھی ڈرگز رکھی ہوں گی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ شاید کمرے میں ہوں۔ میں یہاں کم ہی آتا ہوں۔ مگر.... آپ اسے پیار سے سمجھائیے گا۔" وہ فکر مند بھی تھا۔ جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"کہتے ہیں' خدا نے آسمانوں سے چار کتابیں اتاریں' اور پھر پانچواں ڈنڈا اتارا۔ جو ان سے نہیں مانتا وہ اس سے مانے گا۔"

"پھر بھی.... اچھا میں شیرو سے مل لوں۔" وہ اجازت چاہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے اسی تمکنت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اس کا خیال رکھتے ہو۔"

شہرین قدرے حیران سی وہاں سے ہٹی۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر سنائی دیے مگر اپنا ذکر نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی سوچتی رہی' پھر اندر واپس آگئی۔

اب شیرو کے کمرے سے آوازیں آرہی تھیں۔

دروازہ آدھا کھلا تھا۔ قریب ایک شوکیس دیوار سے لگا تھا۔ وہ وہیں کھڑے ہو کر ایک میگزین بظاہر الٹ پلٹ کرنے لگی۔

وہ اندر کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔ بار بار گھڑی دیکھتا' دونوں ابھی یونیورسٹی کی باتیں کر رہے تھے۔ نوشیرواں گھر کے کپڑوں میں ہمیشہ کی طرح بے نیاز سا لگ رہا تھا۔

"کیا تم ممی سے ملے؟" ازلی لاپروائی سے کہتے شیرو نے روم فریج سے سافٹ ڈرنک کے دو کین نکالے' ایک اس کی طرف اچھالا اور دوسرے میں خود دانت گاڑھ دیے۔ سعدی نے کیچ کر کے سائیڈ پہ رکھ دیا۔ اسے جلد واپس جانا تھا۔

"ہاں' انہوں نے ہی بلایا ہے۔ پچھلی دفعہ ان کے آنے پہ میں ملنے نہیں آسکا تھا تو ان کا شکوہ بنتا ہے۔" اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

"ممی بھی نا' بڑی پوزیسیو ہیں۔" شیرو نے گردن پیچھے پھینک کر گھونٹ بھرا' پھر سیدھا ہوا۔ "لونا۔"

"اونہوں میں چلتا ہوں۔" سعدی کی نظر کمپیوٹر اسکرین پہ پڑی۔ "اوہ شیرو! تم اور حنین اس گیم کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟"

"ہفتے بعد لگائی ہے' سارا دن پڑھ پڑھ کر دماغ خالی ہو جاتا ہے۔"

سعدی نے مڑ کر دروازے کو دیکھا۔ یہاں سے آدھا لاؤنج نظر آتا تھا۔ شہرین نہیں دکھائی دیتی تھی۔

"یہ تمہاری بھابھی تھیں نا' بلونڈ بالوں والی؟"

باہر کھڑی شہرین کے اعصاب تن گئے۔ بھنویں بھنچ گئیں۔

"لو۔۔۔ کوئی بلونڈ نہیں ہے وہ۔ بال ڈائی کرواتی ہے۔ ہر تیسرے مہینے یہاں سے پانچ سو پونڈ کا ہیئر ڈو کروا کر جاتی ہے۔" وہ پھر سے ہنسا۔

"کس طرح کی ہیں تمہاری بھابھی؟" سرسری سا پوچھا۔

"صبح سویرے اتنا میک اپ کر کے کمرے سے نکلتی ہے۔ پھر سارا شہر گھومتی ہے' بھائی کا پیسہ بے تحاشا جھونکتی ہے' سونیا کا خیال بھی نہیں رکھتی' بھائی سے اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ تمہیں کیسی لگی؟" گردن پیچھے کر کے گھونٹ بھر کے وہ کہہ رہا تھا۔

"ہوں اچھی ہیں۔" وہ جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ تب تک شہرین اپنے کمرے میں غائب ہو چکی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ بستر کے کنارے آ بیٹھی۔ چہرہ احساس ہتک سے سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں اضطراب' پریشانی' غصہ سب تھا۔ وہ بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹتی رہی۔

پھر کافی دیر بعد باہر نکلی تو گھر میں خوب شور مچا تھا۔

"میں نے تم پہ اعتبار کیا مگر تم اس قابل نہیں تھے۔ بالکل اپنے باپ پہ گئے ہو۔ وہی مزاج' وہی غصہ' وہی عادتیں۔ ایک وہ فارس کم تھا تمہارے باپ کی کاپی' اسے گنز کا شوق ہے اور تمہیں۔۔۔ تمہیں اس کا۔"

شہرین حیران مگر محتاط سی قدم قدم چلتی شیرو کے کمرے کے دروازے تک آئی۔ وہ پورا کھلا تھا۔ اندر شیرو شاکڈ' شرمندہ' بوکھلایا سا کھڑا تھا اور بار بار ماں کو روک رہا تھا جو بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ایک ایک دراز کھول کر چیزیں باہر پھینک رہی تھی۔

شہرین نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے اور ذرا سکون سے دیکھنے لگی۔

"ممی پلیز' میں۔۔۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے' ابھی پولیس کو فون کروں اور کہوں کہ اس ڈرگ ڈیلر کو آ کر لے جائیں میرے گھر سے۔ یہ میرا گھر ہے' سنا تم نے؟ یہ میرا گھر ہے۔" وہ چلاتی ہوئی وارڈروب سے کپڑے نکال نکال کر فرش پہ ڈال رہی تھی۔ دو سفید سرمئی بوٹیوں والے پیکٹ بھی باہر آ گرے۔ شیرو نے سر جھکا دیا۔

"میرے بغیر تم کیا ہو؟ میرے بغیر تمہارا باپ کیا تھا؟ یہ اس کی ساری جائیداد۔۔۔ یہ میری عطا کی ہوئی ہے۔ یہ سب میرا باپ چھوڑ کر مرا تھا' تمہارا باپ لے کر پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور تم۔۔۔" کسی دراز کی پشت پہ بازو لمبا کر کے ہاتھ ڈالا اور دو پیکٹ باہر نکال کر زور سے شیرو کے پیر پہ پھینکے۔ "تمہیں آج میں اس گھر سے باہر نکال دوں تو تم کہاں جاؤ گے؟ سڑکوں پہ سوؤ گے اور وہیں بھیک

مانلو گے اور اگر تمہارے باپ کو یہ سب بتا دیا تو وہ تمہارا حال کیا کرے گا معلوم ہے؟"

کمرا سارا بکھر چکا تھا۔ شیرو جز بز سا کھڑا تھا۔ غصہ، پشیمانی، بے بسی، سب جذبات مل گئے۔ ممی کو ایک دم کیسے...؟

"یہ، یہ اوقات ہے تمہاری؟" جواہرات نے جھک کر سفید پیکٹ اٹھایا اور زور سے شیرو کو دے مارا۔ وہ اس کے سینے سے لگ کر پیروں میں جا گرا "یہ فیوچر ہے تمہارا؟" وہ جھکی، میز سے اپنا موبائل اٹھایا، چہرے کے سامنے لائی۔ کیمرے کے کلک کلک پہ نوشیرواں نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔ وہ تصویریں اتار چکی تھی۔

"ممی... آپ کیا..."

"ممی مت کہنا مجھے۔" شیرنی غرائی۔ "اگلے آدھے گھنٹے میں بغیر کسی ملازم کی مدد کے تمہارے کمرے کی ایک ایک چیز درست جگہ پہ نہ گئی اور یہ ساری ڈرگز تم نے آتش دان میں نہ جھونکیں تو میں یہ تصویریں تمہارے باپ اور بھائی کو ای میل کر رہی ہوں۔ آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس سنا تم نے؟" وہ ہیل والی سینڈل سے گری چیزوں کو ٹھوکر مار کر، شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی دروازے کی طرف بڑھی۔ شہرین فوراً پیچھے ہو گئی۔ اور نوشیرواں چکرا کر رہ گیا۔

"کیا آدھا گھنٹہ؟ میں اتنی جلدی...؟"

جواہرات ایڑیوں پہ واپس گھومی۔ "اب تمہارے پاس بیس منٹ ہیں۔" "ایک لفظ مزید منہ سے نکالو اور یہ دس منٹ میں بدل جائیں گے۔" سختی سے گھور کر وہ باہر نکلی اور ٹھاہ سے دروازہ بند کیا۔

نوشیرواں نے سر دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ پھر بے اختیار چہرہ اٹھا کر گھڑی دیکھی۔ او نو۔ جلدی سے وہ زمین پہ گری چیزیں اٹھانے لگا۔

مگر ممی کو کیسے شک ہوا؟ اتنے اچانک؟

☆ ☆ ☆

یوں بہار آئی ہے امسال کہ گلشن میں صبا
پوچھتی ہے گزر اس بار کروں یا نہ کروں

بڑے ابا کے لونگ روم میں خاموشی کا وقفہ بس چند لمحے کو آیا تھا۔ ندرت اپنا مدعا بیان کر کے قدرے بے بسی سے باری باری ساس، سسر کو دیکھنے لگیں۔ بڑے ابا چپ سے ہو گئے۔ پہلے فرحانہ بیگم کی طرف دیکھا جو اگلے ہی پل قطعیت سے نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔

"یہ ناممکن ہے۔ ہماری طرف سے انکار سمجھو ندرت!"

"فرحانہ!" بڑے ابا نے تنبیہی انداز میں ان کو دیکھا مگر کچھ معاملات میں ان کا زور اپنے شوہر پہ بہت چلتا تھا اور یہ انہی میں سے ایک تھا۔

"نہیں بھئی، یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم تمہارے بھائی کو نہیں جانتے ایسے کیسے کسی کو اپنی بیٹی دے دیں۔" وہ اپنی ناگواری ضبط کر رہی تھیں۔

"مگر بڑے ابا اس کو جانتے ہیں اور آپ وارث سے پوچھ سکتی ہیں۔ وہ..."

"لو... وہ بھی تو تمہارا ہی بھائی ہے۔ طرف داری ہی کرے گا۔"

"ہم سوچ کر بتائیں گے ندرت!" وہ ذرا بلند آواز میں بولے تو فرحانہ خاموش ہوئیں۔ ندرت پھیکا سا مسکرائیں۔ قدرے بددلی سے ساس کی بڑبڑاہٹ دیکھی اور اپنا پرس وغیرہ سمیٹنے لگیں۔ وہ مایوس تھیں اور بڑی امی طیش میں۔ ان کے جانے کی دیر تھی کہ وہ بڑے ابا پہ برس پڑیں۔

"ندرت کی ہمت کیسے ہوئی اپنے بھائی کا رشتہ زمر کے لیے مانگنے۔"

"جیسے ہماری ہمت ہوئی تھی آپ کی بیٹی کے بھائی کا رشتہ ندرت کے لیے مانگنے کی۔" وہ بھی بڑے ابا تھے، تحمل اور سکون سے جواب دیا۔ وہ مزید تلملا گئیں۔

"تب مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ ایسی نکلے گی۔ بچوں کو بھی اپنی طرح بنا دیا ہے، زبان دراز۔"

"وہ یتیم بچے ہیں فرحانہ! یتیموں کو نڈر بنانا چاہیے وہ بدتمیز نہیں ہیں۔"

"بہرحال! ہم ندرت کے بھائی کی طرف رشتہ نہیں دیں گے۔ وہ فضیلہ کے بیٹے میں آخر کیا برائی ہے۔

ادھر ہاں کر دیتے ہیں، کب سے وہ جواب مانگ رہے ہیں۔"

"فضیلہ بھی تو ندرت کی رشتے دار ہے، اس کا بیٹا فارس سے اچھا نہیں ہے۔"

"رہنے بھی دیں، فضیلہ میری امی کی طرف سے بھی رشتے دار لگتی ہے، ہاں۔" وہ مزید بگڑ گئیں۔

"آپ زمر سے پوچھ لیجئے فرحانہ! دونوں رشتے بتا دیجئے۔ جو اس کا فیصلہ ہو۔" خلاف معمول بڑی امی اس تجویز پہ خاموش ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے، آپ کچھ مت کہیے گا، میں خود زمر سے بات کرلوں گی۔ اگر اس نے فارس کے لیے انکار کر دیا تو پھر آپ حماد کے لیے انکار نہیں کریں گے۔"

بڑے ابا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ البتہ وہ متفکر اور متذبذب تھے۔ کیوں، ان کی خود بھی نہیں سمجھ میں آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جو فرق صبح پر چمکے گا تارا ہم بھی دیکھیں گے

وہ شام بہت سہانی اتر رہی تھی۔ اس کالونی میں درختوں کی ٹھنڈی چھایا تھی۔ زمر نے وسط کالونی میں کار روکی اور گردن موڑ کر حنین کو دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے تم میرے ساتھ آنا چاہتی ہو؟"

آج زمر کے دو دن کا وقت تمام ہوا تھا اور وہ تیار تھی۔

"پازیٹو!" وہ گردن اکڑا کر بولی۔ ماتھے پہ کٹے بال چھوڑ کر باقی فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور عینک کے پیچھے جھانکتی آنکھوں میں بلا کا اعتماد تھا اور مسکراہٹ بھی۔

"یہ لونگ اچھی لگ رہی ہے آپ پہ۔" ساتھ ہی اس نے جلدی سے جبڑا سیدھا کرلیا۔

زمر نے "تھینکس" کہہ کر ڈیش بورڈ سے پھولا خاکی لفافہ اٹھایا۔ کار بند کی اور باہر نکل آئی۔

گھنٹی بجا کر دونوں منتظر سی گیٹ پہ کھڑی تھیں۔ زمر حنین سے دراز قد تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں بندھے اور سنجیدہ سے چہرے پہ وہ لونگ واقعی اچھی لگ رہی تھی۔ پر سکون، ٹھنڈے تاثرات، حنین البتہ پر جوش تھی۔

خراماں خراماں چلتے وہ صاحب گیٹ تک آئے۔

"جی؟"

"میں ڈسٹرکٹ کورٹ سے آئی ہوں زمر یوسف۔ مسز یاسمین سے ملنا ہے۔"

انہوں نے باہر جھانکا۔ "کس سلسلے میں؟"

"اگر آپ اگلے تیس سیکنڈ میں مجھے عزت سے اندر نہ لے کر گئے تو میں یہ کورٹ آرڈر (خاکی لفافہ لہرایا) واپس جج کے پاس لے جاؤں گی اور کہوں گی کہ آپ نے کورٹ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ کل آپ کو جسٹس صدیقی کے پاس حاضر ہونا پڑے گا، توہین عدالت کے زمرے میں اور...... آپ دروازہ کھول رہے ہیں یا میں جاؤں؟"

صاحب کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ البتہ دروازہ انہوں نے پھر بھی قدرے تذبذب سے کھولا۔ اندر بیٹھک نما ڈرائنگ روم میں بیرونی دروازے سے لے آئے۔ انہوں نے پائیدان پہ جوتے اتارے تھے۔ اندر نرم قالین تھا۔ زمر نے پائیدان کو دیکھا اور پھر اپنے جوتوں سمیت چلتی اندر آئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر سنگل صوفے پہ بیٹھی۔ حنین بھی آنے لگی، پھر نگاہ ڈرائنگ روم کی دیوار پہ اعلا اکیڈمک شیلڈز پہ پڑی اس نے رک کر پائیدان پہ جوتے اتارے اور زمر کے قریب دوسرے صوفے پہ آ ٹکی۔

"میرے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔ مسز یاسمین کو بلائیے۔" زمر نے گھڑی دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں صاحب کو مخاطب کیا۔ وہ فوراً "اندر چلے گئے۔ مسز یاسمین جلد ہی ان کے ہمراہ آئیں۔ زمر کو دیکھ کر کچھ الجھی ہوئی استقبالیہ مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا اور بیٹھتے بیٹھتے حنین پہ نظر پڑی جو ان کی آمد پہ کھڑی ہو گئی تھی تو چونکیں۔ دوبارہ زمر کو دیکھا۔

"یہ میری بھتیجی ہے۔" وہ سرد آنکھوں کے ساتھ ان کو دیکھتے ہوئے بولی۔ میڈم نے اب کے ذرا سنجیدگی سے حنین کو گھور کر دیکھا جو اب گھٹنے ملا کر بیٹھی تھی،

البتہ گردن ویسے ہی تنی ہوئی تھی۔
"آپ کس سلسلے میں...؟"
مگر زمر نے ان کو سوال پورا نہیں کرنے دیا۔ وہ صاحب واپس جارہے تھے' اس نے ان کو پکارا۔
"آپ کدھر جارہے ہیں محمود الرحمٰن جاوید صاحب! ساری بات آپ کے سامنے ہی ہوگی۔" وہ متذبذب سے واپس آبیٹھے۔ بیوی کو دیکھا۔ وہ مشتبہ نظروں سے زمر کو دیکھ رہی تھیں۔
"پاکستان پینل کوڈ پڑھا ہے' کبھی آپ نے؟"
"جی؟"
"extortion ایک جرم ہے۔ آرٹیکل 384' تین سال قید یا پھر جرمانہ یا دونوں۔ بلیک میل کرنا بھی جرم ہے۔ آرٹیکل 387' سات سال قید یا جرمانہ یا دونوں۔ اس وقت آپ یہ دونوں کررہی ہیں اور بالکل بھی مجھے درمیان میں مت ٹوکیے گا کیوں کہ میری بھتیجی کے ساتھ یہ دونوں جرائم کرنے پہ آپ پہ سزا واجب ہوئی ہے۔ آپ اس کو فورس کررہی ہیں کہ یہ آپ کی بیٹی کے لیے نوٹس بنائے ورنہ آپ اسے اسکول سے نکال دیں گی... اوہ شاید آپ نے اپنے شوہر کو نہیں بتایا۔" محمود الرحمٰن صاحب اچنبھے سے باری باری دونوں کو دیکھتے۔
"یہ سراسر جھوٹ ہے۔ آپ میرے ہی گھر میں آکر مجھ پہ ہی الزام کیسے لگا سکتی ہیں؟"
زمر نے خالی لفافہ اٹھایا۔ کاغذ نکالے' شڑپ سے سامنے رکھے۔
"محمود صاحب! آپ نے جی الیون میں ایک پلاٹ پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔" مسز یاسمین جو ضبط طیش میں ابھی بہت کچھ بولنے کا ارادہ رکھتی تھیں' ایک دم سناٹے میں رہ گئیں۔ محمود صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔
"آپ کے خلاف فیصلہ آیا تھا اور آپ نے فیصلے پہ اسٹے آرڈر لے لیا تھا اور یہ جو دوسرے کاغذات ہیں' یہ میں کل عدالت میں جمع کرواؤں گی جس کے بعد آپ کا اسٹے آرڈر کینسل ہوجائے گا۔ آگے جو ہوگا وہ آپ جانتے ہیں۔"
"یہ بچی جھوٹ بول رہی ہے' میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" وہ پھر سے عالم طیش میں آکر بولنے لگیں۔ محمود صاحب یکے بعد دیگرے کاغذات کو دیکھ رہے تھے اور رنگت اڑتی جارہی تھی۔
"کیا ثبوت ہے اس کے پاس کہ میں نے ایسا کہا ہے؟"
اپنے ہاتھوں کو دیکھتی حنین نے سر اٹھایا اور آئی فون کی سیاہ اسکرین ان کے سامنے کی۔
"میم... اس دن کی ہماری اسٹاف روم کی گفتگو میں نے اس میں ریکارڈ کرلی تھی۔" بڑے ادب سے گزارش کی۔ میم کو ایک دم سانپ سونگھ گیا۔ بالکل چپ ہوگئیں۔
"آپ بالکل بھی نہیں چاہیں گی کہ ہم یہ گفتگو پرنسپل صاحبہ کو سنوائیں۔ رائٹ؟" زمر نے سادگی سے سوال کیا۔ وہ دونوں خاموش تھے۔
"چائے تو نہیں پلوائیں گے آپ؟" اگلا سوال مزید سادگی سے پوچھا۔
"دیکھیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ..." اگلے پانچ منٹ وہ ان کو ہاتھ اٹھا کر سمجھاتے رہے۔ معذرت' یقین دہانی۔ مسز یاسمین بالکل خاموش بیٹھی رہیں۔
گاڑی میں بیٹھ کر' دروازہ بند کرکے زمر نے سوچتی نظروں سے حنین کو دیکھا جو سیٹ بیلٹ باندھ رہی تھی۔
"یہ فون تو تمہیں کاردار صاحب نے میم سے آخری گفتگو کے بعد نہیں دیا تھا؟"
حنین نے شرارت سے لب دبائے نظریں اٹھائیں۔
"پھپھو! میری بھی ایک سائیڈ ایسی ہے جسے آپ نہیں جانتیں۔"
وہ ہنس کر کار اسٹارٹ کرنے لگی۔
"ویسے آپ میری پرنسپل سے بھی تو بات کرسکتی تھیں' ہے نا؟" اسے ابھی خیال آیا۔

"میں نے مسئلہ حل کرنے کا وعدہ کیا تھا' مسز یاسمین کو تمہارا دشمن بنانے کا نہیں۔"

حنین کے لب "اوہ" میں گول ہوئے' پھر مسکرا دی۔ "تھینکس۔"

"تمہارے فارس ماموں کا آج شام تمہاری طرف آنا ہوگا؟ وہ عموماً" ویک اینڈز پہ آتے ہیں نا۔ مجھے ان سے کچھ بات کرنی تھی' اسی لیے سوچا' ملاقات ہو جائے تو اچھا ہے۔" حنین نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ وہ پرسکون سی ڈرائیو کر رہی تھی۔

"وہ... شام میں آئیں گے' کہا تو تھا۔ آپ تھوڑا سا گھر چل کر ویٹ کرلیں گی نا۔"

"شیور!"

حنین سامنے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ انگلیاں بھی مروڑتی رہی۔ پھر ذرا کی ذرا زمر کو دیکھا۔

"یہاں روک دیں' پودینہ لے لوں میں۔"

"پودینہ کیوں؟" وہ مارکیٹ کے قریب کار لے گئی۔

"جب چٹنی بناؤں گی تو امی کو لازمی پکوڑے بنانے پڑیں گے۔ سمجھا کریں نا۔"

وہ سبزی کی دکان کی طرف آئی اور ذرا اوٹ میں کھڑی ہوئی کہ دور پارکنگ میں موجود زمر اس کو نہ دیکھ پائے۔ جلدی سے موبائل پہ (جس میں امی کی سم تھی) کال ملائی۔

"ماموں!" آپ اسی وقت ہمارے گھر آسکتے ہیں؟"

"نہیں۔" وہ مصروف تھا۔

حنین نے فون کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

"امی پکوڑے بنا رہی ہیں۔"

"میں ڈائٹنگ پہ ہوں۔"

"اُفوہ! پھپھو آئی ہوئی ہیں' ان کو کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ آپ نے نہیں آنا تو نہ آئیں' میں کہہ دیتی ہوں کہ وہ آپ سے فون پہ ہی بات کرلیں۔" وہ جل کر بولی۔ امید تھی کہ اب وہ فوراً" ہامی بھرلے گا مگر...

"شیور۔ ان کے پاس میرا نمبر ہے۔ اب میں کام کرلوں؟"

"نہیں نہیں... ایک منٹ... رکیں۔" وہ گھبرا کر بولی۔ "میں نے پھپھو سے کہا ہے کہ ان کا پیغام دے چکی ہوں اور آپ نے ہامی بھرلی ہے' اب مجھے جھوٹا ثابت کرنا ہے تو مرضی ہے۔ بائے۔" جلدی سے فون بند کردیا اور سبزی والے کو پیسے نکال کردینے لگی۔

☆ ☆ ☆

ہاں جرم وفا دیکھیے کس کس پہ ہے ثابت
وہ سارے خطا کار سردار کھڑے ہیں

شہرین نے دروازہ کھٹکھٹایا پھر دھکیل دیا۔

شیرو کاؤچ پہ آڑا ترچھا لیٹا تھا۔ نگاہیں پھیر کر بگڑے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا جو چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ باب کٹ سنہرے بال چونچ کی طرح دونوں اطراف میں آگے کو آتے۔ آنکھوں میں ہمدردی تھی۔

"مجھے افسوس ہے' جو تمہارے ساتھ ہوا۔"

"بہت شکریہ۔" اس نے تلخی سے کہہ کر چہرہ پھیر لیا' پھر چونک کر واپس دیکھا۔ "بھائی کو تو نہیں پتا؟"

"میں بالکل بھی ان لوگوں میں سے نہیں ہوں' جو کسی کی پشت پہ اس کی شکایت لگاتے ہیں۔ مسز کاردار نے بتا دیا ہو تو وہ الگ بات ہے۔ ویسے..." وہ انگلیاں بالوں میں اوپر سے نیچے لاتے ہوئے سوچ کر کہنے لگی۔ "ان کو ایک دم سے کیسے پتا چل گیا کہ ڈرگز تمہارے کمرے میں ہی ہوں گی۔"

"تو... ممی کے لیے چہرے پڑھنا کیا مشکل ہے۔"

"تمہارا چہرہ تو آتے ساتھ ہی پڑھ چکی تھیں کئی دفعہ۔ میں تو یہ سوچ کر حیران ہوں کہ وہ ٹھیک بیٹھی تھیں اسٹڈی میں' پھر اچانک..." ذرا وقفہ دیا۔ "تمہارے دوست کے جاتے ہی ان کو کیا ہو گیا۔"

نوشیرواں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "سعدی کے جاتے ہی؟"

"ہاں' وہی تمہارا دوست۔ کافی دیر بیٹھا رہا ممی کے ساتھ۔ اچھی گپ شپ ہے اس کی تمہاری ممی سے۔ وہاں بھی اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ ممی کا تو آنے کا پروگرام بھی نہیں تھا' یہ تو ہم شام کی چائے پی رہے

تھے، جب ممی کو کوئی میسج آیا، شاید اسی کا تھا تو انہوں نے فوراً" آنے کا پلان بنا لیا۔ شاید کوئی ضروری بات ہو گی جس سے ممی کو مطلع کرنا ضروری ہو گا۔" بہت سمجھنے والے انداز میں سرہلاتی وہ واپس پلٹی، پھر ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں سکیڑ کر کافی ہمدردی سے۔ "شیرو! تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں اپنے جیسوں سے دوستی کرنی چاہیے۔ کہاں تم، کہاں وہ!" اور باہر چلی گئی۔

نوشیرواں الجھا الجھا سا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم اٹھا۔

شہرین نے کچن سے جھانک کر دیکھا، وہ ممی کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ پرسکون سا مسکرا دی۔ شیرو کے دوست کا داخلہ تو اس گھر میں بند ہوا کہ ہوا۔

نوشیرواں اندر آیا۔ جواہرات باتھ روم میں تھی، موبائل بیڈ سائیڈ پہ پڑا تھا۔ اس نے احتیاط سے باتھ روم کے دروازے کو دیکھتے موبائل اٹھایا اور پیغامات کھولے۔ سعدی کے نام سے اکا دکا پیغام تھے۔ وہ سر جھٹکتا فون رکھنے لگا پھر کسی خیال کے تحت رکا۔

باتھ روم کا دروازہ اب بھی بند تھا۔ وہ فون ہاتھ میں لیے چمکتی اسکرین پہ چند بٹن اور دبانے لگا۔ جی میل کھولی۔ جواہرات کی میلز سامنے تھیں۔ ذرا سا صفحہ اوپر کیا اور یہ رہا سعدی کی میلز کا تھریڈ۔ اوپر نیچے تمام گفتگو۔ گویا مکالمہ تھا۔

"شیرو کیا کر رہا ہے آج کل، ڈرگز تو نہیں لے رہا؟ کس سے دوستی ہے، ڈرگز تو نہیں لے رہا؟ پڑھائی کیسی جا رہی ہے اس کی، ڈرگز تو نہیں لے رہا؟"

جواہرات کے طویل سوال اور سعدی کے مختصر جواب۔ مگر جواب بہرحال جواب ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے پرانے پیغام کھلتے گئے، اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے پہ آ گیا۔ لب بھینچ گئے۔

وہ تولیے سے بال تھپتھپاتی باہر نکلی تو ٹھٹک کر رک گئی۔ شیرو کا لال بھبھوکا چہرہ موبائل کی لائٹ میں دہک رہا تھا۔ وہ تولیہ پھینک کر قریب آئی، نرمی سے اسے پکارا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

اس نے شعلہ بار نگاہیں اٹھائیں، اسکرین سامنے لہرائی۔ جواہرات نے اسکرین کو نہیں دیکھا، وہ بے چینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"وہ میری جاسوسی کرتا تھا آپ کے لیے؟"

"شیرو! تم دوبارہ ڈرگز نہیں لو گے، تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔" اس نے شیرو کا بازو تھاما۔

"نہیں لوں گا، نہیں لوں گا، کتنی دفعہ بتاؤں؟ مگر اسے میں نہیں چھوڑوں گا۔" موبائل بیڈ پہ پھینکا اور بازو غصے سے چھڑاتا باہر نکل گیا۔

جواہرات نے فوراً" فون اٹھایا اور سعدی کا نمبر نکالا۔ کال بٹن پہ ہاتھ رکھا، پھر رک گئی۔ وہ ڈرگز نہیں لے گا، یہ تسلی تھی تو دوستوں کے آپس کے معاملے میں اسے پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اونہوں۔

شانے ذرا اچکا کر اس نے فون پرے ڈال دیا اور تولیہ اٹھا لیا۔

☆ ☆ ☆

اب نہ وہ میں ہوں، نہ تو ہے، نہ وہ ماضی ہے فراز
جیسے دو سائے تمنا کے سرابوں میں ملیں

گرما گرم پکوڑے کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ زمر اپنے مخصوص صوفے پہ بیٹھی تھی، سیم اس کے پیروں کے قریب کارپٹ پہ بلاکس جوڑ توڑ رہا تھا۔ حنین کافی پرجوش سی برتن لگا رہی تھی، زمر کو دیکھتی تو شرما کر مسکرا دیتی۔ وہ بھی مسکرا دیتی۔

فارس ابھی ابھی آیا تھا اور سوائے سلام کے کچھ نہیں بولا تھا۔ سلام میں بھی وقفہ دیا کہ زمر کی لونگ دیکھ کر وہ ذرا سا رکا تھا، پھر ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگا۔ آفس سے آیا تھا، کوٹ ٹائی سب ہٹ تھا۔

"یہ... اچھی لگ رہی ہے۔" ندرت کچن سے ادھر آئیں تو صوفے سے کچھ اٹھاتے ہوئے زمر کی بدلی ہوئی لونگ دیکھی۔ حنین نے ذرا بلند آواز میں تبصرہ کرتے پلیٹیں لگائیں۔

"یہ پھپھو کو ان "کی" کسی پرانی اسٹوڈنٹ نے

گفٹ کی ہے۔ ساتھ میں ایک نوٹ بھی تھا' میں نے بھی پڑھا وہ نوٹ۔ ویسے... پھپھو! آپ نے اس کی لکھائی نہیں پہچانی؟ ماموں لیں نا۔" ساتھ ہی ماموں کو پلیٹ پکڑائی۔ اس نے بنا کسی تاثر کے سنجیدگی سے پلیٹ لے کر سائیڈ پہ رکھ دی۔ پکوڑے ابھی کڑاہی میں تھے۔

"نہیں' اتنا پیپر ورک ہوتا ہے' پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔" زمر سادگی سے ندرت کو قدرے آہستہ آواز میں بتا رہی تھی۔ ندرت دوبارہ کچن میں آئیں تو حنین ساتھ چلی آئی اور کچن کا لاؤنج میں کھلتا دروازہ بند کر دیا۔ کڑاہی میں پکوڑا ڈالتی ندرت نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"دروازہ کیوں بند کیا؟"

(تاکہ ہیرو ہیروئن سے اپنے پروپوزل پہ تبادلہ خیال کر لے اور آپ درمیان میں انٹری نہ دیں۔)

"دھواں لاؤنج میں جا رہا تھا۔" ایگزاسٹ چلا کر آستین موڑتی وہ چٹنی بنانے کھڑی ہو گئی۔

"آج تم اس موئے کمپیوٹر اور علیشا کو چھوڑ کر کچن میں گھسی ہو' حیرت ہے۔" امی کی شکایت کو نظر انداز کر کے وہ سر جھکائے مسکراتے ہوئے چٹنی کوٹنے لگی۔

لاؤنج میں ٹی وی کا شور تھا یا سیم کی خود سے کی جانے والی باتیں۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی فارس!" قدرے تذبذب سے اس نے آغاز کیا۔ ریموٹ رکھ کر رخ اس کی طرف کیا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کس سلسلے میں؟"

"ایک کیس کے سلسلے میں۔"

وہ ذرا چونکا۔ اس نے سمجھا تھا شاید... اونہوں۔ یہ کوئی اور معاملہ تھا۔

"آپ کو تو پتا ہے' بعض دفعہ ایک وکیل استغاثہ میں ہوتا ہے اور جج ایسا فیصلہ سنا دیتا ہے جو دوسرے فریق کے لیے خوش گوار نہیں ہوتا۔" رک رک کر الفاظ ادا کیے۔ فارس نے سر ہلا کر ساری بات ڈی کوڈ کی۔

"یعنی آپ کی وجہ سے کسی کو سزا ہو جاتی ہے۔ ہوں' پھر؟"

وہ ذرا دیر کو چپ ہوئی۔ "میرے ایک کیس کا فیصلہ اسی طرح ہوا تھا۔ مجرم کا بھائی اس سے خوش نہیں تھا اور وہ اس کا اظہار بھی کر چکا ہے۔"

"یعنی اس نے آپ کو دھمکیاں وغیرہ دی ہیں۔ ہوں' آگے؟"

"آ... جی... آپ جانتے ہیں' ہمارے خاندان میں..."

"آپ معاملہ گھر تک نہیں لے جانا چاہتیں' باہر ہی باہر حل کرنا چاہتی ہیں۔" اس دفعہ فقرہ ہی نہیں پورا ہونے دیا۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میں چاہتی ہوں کہ یہ معاملہ میں..." وہ رک گئی۔ بات پلیٹ کر کرنے کا فائدہ نہ تھا۔ وہ شخص اسکول کی ٹیچر نہیں تھا جسے وہ پر اعتماد دھونس سے پیچھا چھڑا سکتی تھی۔

"اگر میں آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں اس کی شکایت درج کرواؤں' تو اس شخص کی ہراسمنٹ روکنے کا طریقہ کار کیا ہو گا؟"

"کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ پیچھے ہو کر بیٹھا' کان کی لو رگڑتے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ "میں ڈائریکٹر سے بات کر لوں گا' ہماری وین اسے پک کر لے گی' دو چار ہاتھ لگیں گے تو دماغ درست ہو جائے گا اس کا۔"

زمر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ فوراً" نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں پلیز میں تشدد پہ یقین نہیں رکھتی۔ یہ مسئلہ بات چیت سے حل ہو سکتا ہے' سب کے اندر اچھائی کا عنصر ہوتا ہے' ہمیں صرف اسے باہر لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"آپ دو گھنٹے کے لیے اسے میرے لڑکوں کے حوالے کر دیں' ساری اندر کی اچھائی باہر آ جائے گی۔" پھر اس کے تاثرات دیکھ کر ٹھہر گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ

اسے یہ ذکر ہی بھول جانے کا کہہ دیتی' وہ قدرے نرمی سے بولا۔

"ٹھیک ہے' بات کر لیتے ہیں پھر۔ میں مل لوں گا اس سے' مرد کا بات کرنا اور ہوتا ہے۔"

"او کے!" اس نے سرہلایا ذرا تسلی ہوئی۔ "وہ آدمی آج کل کورٹ آتا ہے روز' اپیل کے چکر میں۔ اگر آپ صبح آجائیں تو میں دکھادوں گی۔"

"شیور۔" قدرے ٹھہر کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "کوئی اور مسئلہ؟"

"نہیں' بس یہی تھا۔ تھینکس۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ فارس نے گھڑی دیکھی اور آواز دی۔

"حنین! لارہی ہو یا میں جاؤں۔"

"نہیں لارہی' آپ جائیں۔" وہ ڈش اٹھا کر آتی ہوئی بڑے موڈ میں بولی۔ آج وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔

☆ ☆ ☆

خالی ہاتھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
کس طرح لوگ لکیروں سے نکل جاتے ہیں

پکوڑے ختم ہوگئے۔ زمر چلی گئی۔ امی نماز پڑھنے کمرے میں گئیں تو فارس ان کے پاس چلا گیا۔ اب حنین تھی اور آن لائن ہوئی **علیشا**۔

"میرا مسئلہ حل ہوگیا۔" اس نے چہکتے ہوئے اطلاع دی۔ **علیشا** عادتاً ہنسی۔

"ہمت کی یا زیادہ ہمت والا ڈھونڈا؟"

"زیادہ ہمت والی کو ڈھونڈ کر کچھ ہمت کرلی۔" پھر خیال آنے پہ سیل فون اٹھا کر دکھایا۔

"یہ دیکھو۔۔۔ مجھے گفٹ ملا۔"

"واؤ۔ برانڈ نیو؟" وہ بھی پرجوش سی آگے ہو کر دیکھنے لگی۔

"ہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔ ایک امیر سے انکل ہیں ہمارے احباب میں۔" وہ کالر جھاڑ کر بولی۔

"واقعی اور وہ کون ہیں؟"

"میرے انکل کے انکل۔ یہ پیچیدہ رشتے داریاں تم نہیں سمجھوگی۔ اچھا مجھے ایک بات بتاؤ' تم نے اس جیولز والی گیم میں۔۔۔" لینڈ لائن فون کی گھنٹی پہ وہ بدمزا ہوئی۔ آگے بڑھ کر نمبر دیکھا۔ بڑے ابا کے گھر سے تھا۔ دوسری گھنٹی پہ فون خاموش ہوگیا۔ امی نے اندر سے اٹھالیا ہوگا۔ وہ مطمئن سی ہو کر بات کرنے لگی' پھر ایک دم رکی۔ جلدی سے **علیشا** کو بائے کہا اور آہستہ سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

حسب توقع بڑی امی ہی تھیں۔ وہ چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سننے لگی۔

"میں نے تو پہلے ہی بتادیا تھا' زمر نہیں مانے گی۔ اس نے تو صاف انکار کردیا ہے۔"

"مگر۔۔۔ میں خود بات کر کے دیکھوں' شاید۔۔۔" ندرت کو اب بھی آس تھی۔

"بھئی۔ جب اس نے انکار کردیا تو کیا گنجائش رہ گئی۔ دیکھو برا نہ ماننا' مگر وہ اسے جانتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مزاج کا بہت سخت اور غصے والا ہے وائلڈ سا۔ اس کے ساتھ کیسے گزارہ کرے گی وہ؟"

حنین نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ بارہ بج گئے تھے اور سنڈریلا کی سواری جس پہ وہ اڑتی جارہی تھی' بدصورت کدو میں بدل کر زمین بوس ہوئی تھی۔ وہ بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھی رہی۔

ندرت کو عموماً" ایکسٹینشن سے دوسرا فون اٹھائے جانے کا پتا چل جاتا تھا کہ آواز ہلکی ہوجاتی' مگر آج نہیں چل سکا۔ انہوں نے بے بسی سے سامنے بیٹھے فارس کو دیکھا جو بغور ان کے تاثرات پڑھ رہا تھا اور ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا۔

"انکار کردیا؟"

"میں زمر سے خود بات کروں گی' وہ اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتی' وہ۔۔۔"

"کس طرح کی بات؟ کہہ دیں' میں برا نہیں مانوں گا۔"

"یہی' غصہ اور مزاج کی سختی' مگر تم اس بات کو انا کا مسئلہ نہ بنانا' مجھے ایک دفعہ مزید۔۔۔"

"نہیں' کوئی ضرورت نہیں۔ انکار ہوگیا' بات

ختم۔"

"فارس! صرف ایک دفعہ مجھے..." وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپا' بندہ عزت سے رشتہ مانگتا ہے اور عزت سے نہ ملے تو قصہ تمام۔ میں دس سال کا تھا جب میرا باپ فوت ہوا تھا۔ عمر گزر چکی ہے رشتہ داروں کی سیاستیں دیکھتے دیکھتے۔ یہ سوتیلے کا لفظ تب آکر ختم ہوا' جب ہم نے ایک دوسرے کو سمجھنا شروع کیا' شاید دس بارہ سال پہلے' ورنہ اس سے قبل وارث ہو' آپ ہوں یا آپ لوگوں کے رشتے دار' میں سب کے لیے دوسری بیوی سے ہونے والا سوتیلا بیٹا ہی تھا اور آپ میں سے کوئی مجھے پسند نہیں کرتا تھا۔ میں یہ سب آپ کا دل دکھانے کو نہیں کہہ رہا' ان باتوں کی اب کوئی اہمیت نہیں۔ بس اتنا بتانا ہے کہ میں آپ کے رشتے داروں میں اگر شادی کرتا تو عزت سے کرتا' ورنہ نہیں اس لیے اب دوبارہ ان سے بات مت کیجیے گا۔"

ندرت نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ اس کو سمجھ سکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ستم گر تم سے امید کرم ہوگی' جنہیں ہوگی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

اے سی کی ہوا نے آفس میں خنک سا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ زمر نے بات کا آغاز کرنے سے پہلے تمام فائلز اوپر تلے کر کے ایک طرف رکھیں' پھر کرسی پہ پیچھے ہو کر بیٹھی اور گہری سانس لے کر میز کی دوسری جانب موجود اس ہینڈسم آدمی کو دیکھا جو ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا تھا' گردن ذرا جھکائے' ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتا' جیل لگے بال پیچھے کو سیٹ کیے۔ تنے ابرو۔ سعدی نے جو اس کا ذکر کر کے تاثر دیا تھا' وہ کسی بہت خوش اخلاق اور عاجز آدمی کا تھا۔ یہ آدمی اس سے مختلف لگا تھا زمر کو۔

"تو آپ سعدی کی پھپھو ہیں؟" بنا جذبات' سرد سپاٹ سا پوچھا۔ ابھی تک ٹائپ کر رہا تھا۔

"جی کاردار صاحب۔" اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ "اس لحاظ سے میں یہ سمجھتی ہوں کہ آپ کچھ پروفیشنل کرٹسی کا مظاہرہ کریں گے۔"

"آپ کے کلائنٹ نے میرے ڈرائیور کو لوٹنے کی کوشش کی' پھر اسے گولی مار دی..."

"گولی چل گئی!" اس نے ضبط سے تصحیح کی۔

"اور پھر اس نے پولیس کے سامنے اعتراف بھی کر لیا۔"

"جی' جب اس نے خود پولیس کو بلایا تاکہ وہ زخمی ڈرائیور کو اسپتال لے جاسکیں' تب اس نے اعتراف کر لیا۔"

"آپ ایک چور اور قاتل کی حمایت کر رہی ہیں؟" ہنوز گردن جھکائے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔

"میں اپنے کلائنٹ کی حمایت کر رہی ہوں۔" ذرا دیر کو رکی۔ "کیا ہم اس معاملے کو سیٹل کر سکتے ہیں؟"

"ایک دفعہ غور سے مجھے دیکھیں اور بتائیں کیا مجھے آپ کی دیت چاہیے ہوگی؟"

زمر نے سر سے پاؤں تک اس کو دیکھا۔ ہزاروں روپے کا ہیر کٹ' ڈھائی تین لاکھ کا سوٹ' اتنے ہی مالیت کے جوتے' اوہ اور یہ گھڑی۔

"پروفیشنل کرٹسی' کاردار صاحب!" اس نے یاد دلایا۔ ہاشم نے موبائل رکھا اور نظر اٹھا کر بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"بی بی! میں آپ کو ایک فیور دوں گا آپ اپنے کلائنٹ کو کٹہرے میں لے آئیں۔"

"کبھی بھی نہیں۔"

"آپ اس کو کٹہرے میں لا کر جج کے سامنے testify کرنے دیں مجھے اس کی دیت نہیں چاہیے' مجھے اس کی شرمندگی چاہیے۔ آپ ایسا کر دیں' میں کم سے کم سزا کا مطالبہ کروں گا۔"

وہ چند لمحے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتی رہی' وہ سنجیدہ تھا۔

"کتنے سال؟" ہاشم کے سنائے گئے سال اسے قبول تھے۔

"اوکے!" اس نے ہامی بھرلی۔ وہ اٹھا' کوٹ کا بٹن بند کیا' ہلکا سا مسکرایا' سر کو خم دیا اور باہر نکل گیا۔

اس نے موبائل چیک کیا۔ فارس کی کوئی کال' کوئی پیغام نہ تھا۔ وہ قدرے متذبذب سی بیٹھی رہی۔ پھر اسے فون کیا۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ صبح آئیں گے - میں انتظار کررہی تھی۔"

وہ ایک لمحے کو بالکل خاموش ہوگیا۔ "میں آرہا تھا۔" زمر کو تسلی ہوئی۔ اس آدمی کو ابھی آدھا گھنٹہ پہلے اس نے کاریڈور کے دوسرے سرے پہ واقع ایڈووکیٹ مشہود کے چیمبرز میں گم ہوتے دیکھا تھا۔ روز ہی وہ آتا' ہر دفعہ اسے گزرتے گزرتے کوئی سخت بات کہہ جاتا' کوئی معنی خیز اشارہ۔ اف' وہ تنگ آگئی تھی۔

باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا تو اسی وقت فارس نے اسے کھولنے کو ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں رہ گیا' پھر اس نے پیچھے کرلیا۔ ایک پرسوچ نظر زمر پہ ڈالی۔ اس کے چہرے پہ اسے آتے دیکھ کر اطمینان آیا تھا' لونگ مزید دمکنے لگی۔

"رانا صاحب میرا انتظار کررہے ہوں گے مجھے دیر ہوجائے گی' آپ خود اس سے بات کرلیں گے نا؟" وہ تسلی کرنا چاہ رہی تھی۔ وکلا کے چیمبرز کے آگے یہ راہداری تھی' بالکونی نما' جس کے دوسری طرف سے نیچے موجود مارکیٹ' گاڑیوں کا شور' نانبائی کا ٹھیلا' سب نظر آتا تھا۔ وہ دونوں وہیں کھڑے تھے۔

"ہوں۔ کدھر ہے وہ؟" جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے فارس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ آج وہ جینز پہ راؤنڈ نیک والی شرٹ میں ملبوس تھا جس کی آستین کلائی سے بالشت بھر پیچھے تک آتی تھی۔ وہ اپنے کزن سے بہت مختلف تھا۔

"یہ ارشد فیاض مونچھوں والا۔" زمر نے ابرو سے اشارہ کیا۔ وہ شخص اب چیمبر سے نکل رہا تھا' فارس نے چند لمحے غور سے اسے دیکھا' پھر بہت سکون سے زمر کی طرف گھوما۔

"آپ جائیں۔ میں نرمی سے سمجھادوں گا' وہ صبح آکر آپ سے معافی مانگے گا۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت اتری' پھر فکر مندی۔ "مگر... فارس آپ اسے...."

"ڈونٹ وری' میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔" ہاتھ جیبوں سے نکال کر اٹھا دیے۔ وہ ذرا مسکرا کر سرہلاتی آگے بڑھ گئی۔ فارس وہیں کھڑا رہا' جب تک کہ وہ چلی نہ گئی۔ پھر وہ ارشد نامی اس شخص کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ دو پلازوں کے درمیان رش سے بھری جگہ میں آگے بڑھتا جارہا تھا۔ فارس فاصلہ رکھ کر اس کے عقب میں تھا۔ جب سڑک قریب آنے لگی تو وہ اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے' منہ میں کچھ چباتا' تیز چلنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔

"کیا حال ہیں ارشد صاحب! گھر میں سب ٹھیک ہے؟"

ارشد نے چونک کر گردن موڑی۔ وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"کون؟"

"مجھے پہچان جاؤ گے۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ آؤ' اس طرف۔" سڑک کنارے کھڑی وین کی طرف اشارہ کیا۔ ارشد نے بگڑے تیور سے اسے دیکھا۔

"او کون ہو تم؟"

"آرام سے بھائی صاحب۔ اس طرف آئیے' آپ سے کچھ حساب کتاب کرنا ہے۔" وہ وین کے قریب تھے۔ ارشد نے وہیں سے گزر کر آگے جانا تھا اور وہ ابھی کچھ سخت کہنے کو منہ کھول ہی رہا تھا کہ وین کا دروازہ سلائیڈ ہو کر کھلا' دو نوجوان باہر نکلے' ایک نے قریب آکر اس کے کندھے پر بڑے جوش سے "السلام علیکم" کہتے ہاتھ رکھا۔ سرنج ہاتھ میں ہی تھی۔ سوئی اندر گئی۔ ارشد جو اس افتاد پہ غصے میں اگلے کو ہٹانے لگا تھا' بالکل ساکت ہوگیا' دونوں نے بازوؤں سے پکڑ کر اس بے جان ہوتے وجود کو وین میں ڈالا۔ دروازہ بند کیا سب کچھ اتنی پھرتی سے ہوا کہ آس پاس کسی نے نوٹس نہیں لیا۔

فارس گھوم کر فرنٹ سیٹ پہ آبیٹھا اور جھک کر ایک خانہ کھولا۔

"غازی، چلیں؟" ڈرائیور نوجوان نے پوچھا۔

"ہوں!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے دیکھا۔ وہ اس خانے سے دستانے نکال رہا تھا۔

"یہ کیوں؟"

فارس نے چیونگم چباتے پتلا سا وہ دستانہ ہاتھ پہ چڑھایا اور پیچھے کو کھینچا۔

"زبان کا پکا ہوں۔ وعدہ کیا تھا، اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" اب وہ دوسرا دستانہ پہن رہا تھا، ڈرائیور نوجوان نے ہنس کر سر جھٹکا اور اسٹیئرنگ گھمانے لگا۔

قریباً" چار گھنٹے بعد ایک نسبتاً" سنسان سڑک پہ وہی وین رکی، دروازہ سلائیڈ ہو کر کھلا، ارشد کو نیچے اتارا گیا۔ اس کے چہرے پہ کسی چوٹ کا نشان نہ تھا البتہ وہ سفید، نقاہت زدہ سا تھا۔

فارس نے اترے بغیر، ذرا جھک کر اس کا کالر پکڑا، اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

"تمہارا چہرہ اس لیے چھوڑا ہے تاکہ جس کو تم اذیت دے رہے تھے، اسے علم نہ ہو سکے۔ صبح جا کر تم اس سے معافی مانگو گے، اور دوبارہ اس کو شکل مت دکھانا اپنی۔ اور ہاں، اگر ہمارے ڈرائنگ روم کی سیر کا سفرنامہ اسے بتایا یا دوبارہ اس کو ہراس کرنے کی کوشش کی، تو طالبان کا ٹھپہ لگا دوں گا تمہارے اوپر، امریکی اگلی فلائٹ سے لے جائیں گے، اور ساری عمر تمہارا خاندان تمہاری شکل کو ترسے گا۔ بات آئی ہے کھوپڑی میں یا نہیں۔" کالر کو جھٹکے سے چھوڑا۔

ارشد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر گہرے سانس لیے، سر بار بار اثبات میں ہلایا۔ ابھی وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ فارس نے ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی، پیچھے ہوا، دروازہ زور سے بند کیا اور وین زن سے آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

کوئی آج تک نہ سمجھ سکا یہ اصول گلشن زیست کا
وہی پھول نذر خزاں ہوا جسے اعتبار بہار تھا

آج بھی دروازہ میری نے کھولا، وہ مسکرائی بھی، مگر پھر بھی، نوشیرواں کے گھر میں عجیب فضا چھائی تھی، یا شاید سعدی کو ایسے محسوس ہو رہا تھا۔ بہرحال اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا، اور اندر آیا۔ مسز کاردار کا پوچھا۔ وہ گھر پہ نہیں تھیں۔ چلو اچھا ہے، اس کا کل ایگزام تھا، شیرو نے جس بھی کام کے لیے بلایا ہے وہ نپٹا کر وہ جلدی سے واپس پہنچنے کی کرے گا۔

شیرو کے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ شہرین شاہانہ انداز میں لونگ روم میں صوفے پہ آتش دان کے قریب بیٹھی تھی۔ سنہری لٹ انگلی پہ لپیٹتی، وہ مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ فضا میں گھات لگائے جانے کا احساس بڑھ گیا۔

سعدی نے دروازہ کھولا۔ نوشیرواں کرسی پر بیٹھا تھا سر اٹھا کر دیکھا۔ آنکھیں گلابی تھیں۔ ڈرگز سے نہیں غصے سے۔

"خیریت؟ تم نے اتنی جلدی میں بلایا؟" سعدی نے سرسری سا پوچھا۔ وہ کھڑا ہوا۔ کڑے تیوروں سے اسے گھورتا سامنے آیا۔

"کب سے جاسوسی کر رہے ہو میری؟" سعدی نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔

"اگر تمہارا اشارہ میرے......"

"بکواس مت کرو۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا کہ تمہاری سنوں۔"

"ہاں، تم نے مجھے اس لیے بلایا ہے تاکہ مجھے بے عزت کر کے گھر سے نکال سکو!"

"تم ہوتے کون ہو میری ماں کے لیے میری جاسوسی کرنے والے؟ تم ہو کون جو ان کو میرے ڈرگز لینے کے بارے میں بتاتے ہو؟" غصے سے اس کے چہرے کے نقش بگڑ گئے۔

"میں تمہارا دوست ہوتا ہوں۔"

"تم نے مجھے میری ماں کی نظروں سے گرانا چاہا، تم نے......"

"اگر گرانا ہوتا تو میں ان کو تمہارے چالان کے

بارے میں بھی بتاتا جو گاڑی غلط ڈرائیو کرنے پہ ہوا تھا۔ میں ان کو تمہارے اس لڑکی کے منگیتر سے مار کھانے کا بھی بتاتا جس کو تم مسلسل کالز کر رہے تھے۔ اور بھی بہت کچھ بتا سکتا تھا' مگر میں نے تمہارا بھلا چاہا۔"

"اوہ شٹ اپ۔" وہ غصے سے چلایا۔ "تم مت چاہو میرا بھلا۔ جو تمہارا احسان تھا میرے اوپر' آج وہ بھی ختم ہوا۔ آئندہ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کروں گا۔"

"میں جا رہا ہوں نوشیرواں' کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ہم ایک دوسرے کو ایسی باتیں کہہ دیں جن پہ ہمیں پچھتانا پڑے۔" وہ مزید بے عزت نہیں ہو سکتا تھا' شیرو کو چیختا چلاتا چھوڑ کر دروازہ بند کرتا باہر نکلا' پھر ٹھٹک کر رکا۔

شہرین اسی تمکنت سے بیٹھی اس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم اس دن میرے برادر ان لاء سے پوچھ رہے تھے کہ میں کیسی عورت ہوں۔ اب پتا چل گیا' میں کیسی عورت ہوں؟" ہاتھ بالوں میں اوپر سے نیچے لے جاتے معصومیت سے پوچھا۔

سعدی تلخی سے مسکرایا' نفی میں گردن ہلائی' سامنے آیا' اور اس کے مقابل پڑی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے' رکا۔

"میں نے یہ سوال اس لیے نہیں پوچھا تھا کہ میں نے آپ کو پورچ میں ایسی باتیں کرتے سنا تھا جن کے کھلنے کا آپ کو ڈر تھا' میں نے یہ سوال اس لیے پوچھا تھا کیونکہ میں نے آپ کو اسٹڈی کی کھڑکی کے باہر کھڑے ہو کر اپنی اور مسز کاردار کی وہ باتیں سنتے دیکھا تھا جن کے کھلنے کا مجھے کوئی ڈر نہیں تھا۔" چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔ شہرین کی مسکراہٹ غائب ہوئی گردن میں ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی دکھائی دی۔

"دوستی میری نزدیک ایک ہی چیز ہے۔ وفاداری اور صرف غیر مشروط وفاداری' مسز ہاشم کاردار! وہ دوبارہ ڈر گزر لے گا' میں دوبارہ اس کی ماں کو بتاؤں گا' کیونکہ میری آپ کے خاندان میں آمدورفت کی وجہ صرف شیرو سے دوستی نہیں ہے یقیناً" اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کیسا دوست ہوں!" وہ کہہ کر مڑ گیا۔ شہرین تلملا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

"ایڈیٹ۔"

☆ ☆ ☆

ہاشم ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے' دوسرے میں موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتا راہداری میں چلتا جا رہا تھا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ' بپھری ہوئی سی تیز تیز پیچھے آئی۔ دائیں طرف سے نکل کر' گھوم کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ رکا۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟" زمر دبا دبا سا غرائی تھی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا کیا میں نے؟" اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کم سے کم سزا کا مطالبہ کریں گے' اور ابھی آپ نے سزائے موت کا مطالبہ کر دیا؟"

"میں نے وعدہ کیا تھا؟ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ کوئی کاغذ' کوئی دستخط؟" زمر کے اندر جوار بھاٹا پکنے لگا۔ بمشکل ضبط کر کے نفرت سے اس کو دیکھا۔

"آپ نے مجھے زبان دی تھی۔"

"نہیں' میں نے آپ کو سبق دیا تھا۔ کہ کبھی استغاثہ کے ساتھ بغیر تحریری کاغذ کے ڈیل نہیں کیا کرتے۔" وہ پرسکون تھا' دوبارہ سے فون پہ ٹائپ کرنے لگا۔

"میں۔ میں آپ کے کہنے پہ...... میں اس کو کٹہرے میں لے آئی اور آپ نے کیا کیا میرے ساتھ؟ آپ کو اندازہ ہے یہ کیس رانا صاحب کے لیے کتنا اہم تھا؟ ان کی ریپوٹیشن کا سوال تھا۔"

"اور شاید آپ کی ملازمت کا بھی۔ اس بے وقوفی کے بعد آپ یقیناً" ان کے چیمبر میں دوبارہ داخل ہونے کی ہمت نہیں کریں گی۔ اگر جاب recommendation کا خط چاہیے ہو تو میں

لکھنے کو تیار ہوں۔" وہ محظوظ ہوا تھا۔
زمر نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔
"میں سمجھی تھی' آپ سعدی کے رشتہ دار ہیں۔ تو..."
"میں جب صبح سات بجے گھر سے نکلتا ہوں تو ساری رشتے داریاں پیچھے چھوڑ کر آتا ہوں۔ بزنس از بزنس۔ اس کا فون بجنے لگا۔ وہ کان سے لگاتا' ہیلو کہتا' آگے بڑھ گیا۔ زمر وہیں کھڑی رہ گئی۔ ہاشم نے دور جاتے ہوئے' فون کان سے ہٹا کر' مڑ کر اسے دیکھا' اور ذرا بلند آواز دی۔
"اگلی دفعہ میرے ساتھ ڈیل کرتے وقت اپنا دماغ حاضر رکھیے گا۔" اور پلٹ گیا۔ وہ بے بسی بھرے غصے میں کھولتی مخالف سمت میں آگے بڑھ گئی۔ وہ کسی کے سامنے نہیں رویا کرتی تھی' سوائے سعدی کے۔ البتہ اس وقت دل کر رہا تھا کہ بھری کچہری میں زمین پہ بیٹھ کر رونا شروع کر دے۔
فارس ادھر آیا تو وہ باہر سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ بظاہر لگتا وہ کسی کی منتظر ہے' مگر اس کا چہرہ... زرد' یاسیت بھرا سا تھا۔ وہ آخری سیڑھی کے سامنے کھڑا' گردن ترچھی کر کے اسے دیکھنے لگا۔
"میں گزر رہا تھا تو... آپ ٹھیک ہیں؟"
زمر نے نگاہیں اٹھائیں' پھر دھوپ کے باعث پلکیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ آس پاس ابھی بھی خاصا رش تھا۔
"کیا وہ صبح آیا تھا؟" ذرا احتیاط سے پوچھا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دی۔
"جی' آپ نے اسے کیسے سمجھایا' وہ بہت دھیما ہو گیا تھا۔ معافی بھی مانگی' اور یہ بھی کہا کہ واپس دبئی جا رہا ہے' دوبارہ ہراساں نہیں کرے گا۔" وہ ابھی تک اس کایا پلٹ پہ حیران تھی۔
"اور بھی کچھ کہا؟" وہ غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس سب کا شکریہ فارس!" پھیکی مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی۔

بجھا بجھا سا چہرہ جھک گیا۔
"کوئی اور مسئلہ ہے؟"
"میری جاب چلی گئی۔ چھوڑنی تو ویسے بھی تھی' کہیں اور اپلائی کر رکھا تھا' مگر اس طرح چھوڑنے کا نہیں سوچا تھا۔" نہ اس نے ہاشم کا ذکر کیا' نہ فارس نے وجہ پوچھی۔ دونوں کو یہی مناسب لگا۔
"کیا آپ کی امی نے آپ سے میرا ذکر کیا تھا پچھلے ہفتے؟" ذرا ٹھہر کر بولا۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا پھر ناسمجھی سے نفی میں گردن ہلائی۔
"نہیں... کیوں؟" اور فارس بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔
"یونہی۔ آپ کے ابو سے ملنا تھا تو۔ میرا خیال ہے وہ مجھے پسند نہیں کرتیں' خیر جانے دیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔" فارس نے اس بات کو جانے دیا' اور زمر نے اسے۔ وہ مڑ گیا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے' دور ہوتا گیا۔ وہ نیچے سر جھکائے' خالی خالی نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

ایک نگاہ بہ فیلی' ایک بول پتھر سا
آدمی نہیں مرتا' صرف خون بہنے سے

کھانے کی میز پہ روٹی کا ڈبہ' ڈونگے' سلاد' سب حسب معمول سجا تھا' اور وہ لقمہ توڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"میں یقین نہیں کر سکتی ابا کہ سعدی جس آدمی کی اتنی تعریفیں کرتا تھا' وہ اتنی چھوٹی حرکت کر سکتا ہے۔" لقمہ چبا کر گلاس لبوں سے لگایا' پھر باری باری دونوں کو دیکھا۔ "میں نے سعدی کو بھی فون کر کے کہہ دیا' دوبارہ اپنے ہاشم بھائی کا ذکر بھی مت کرنا میرے سامنے۔"
"اس نے کیا کہا آگے سے؟" بڑے ابا سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔
"وہ تو خود حیران تھا مگر اسے لگا کہ یہ کوئی غلط فہمی ہے' میں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا' اس کا دل کیوں

خراب کروں اپنے ہاشم بھائی کے لیے۔"
فرحانہ نے گہری سانس لے کر سلاد کی پلیٹ اٹھائی۔
"فارس کا کزن جو ہوا۔"
بڑے ابا نے ایک ملامتی نظر ان پہ ڈالی' اور ایسی ہی دوسری نظر زمر پہ اور سر جھٹک کر کھانے لگے۔ زمر نوالہ سالن میں ڈبو رہی تھی' نفی میں سرہلانے لگی۔
"نہیں امی' فارس تو بہت اچھا ہے۔ بہت ڈیسنٹ اور مینرڈ۔ ہمیشہ ٹودی پوائنٹ بات کرنے کا' کبھی آپ کو نقصان پہنچانے والی حرکت نہیں کرے گا۔"
بڑے ابا کا نوالہ حلق میں اٹک گیا۔ چونک کر زمر کو دیکھا' پھر فرحانہ کو۔ ان کی رنگت ذرا پھیکی پڑی' فوراً" ڈبہ کھول کر روٹیاں گننے لگیں۔
"یہ پوری ہو جائیں گی' یا مزید بنا دوں؟"
"یو نو واٹ ابا۔" زمر کا ہاشم پہ غصہ کم ہو چکا تھا' اور اسے فارس اور اس کا فرق واضح نظر آرہا تھا۔ "صرف اس لیے کہ میں فارس کی ٹیچر رہی ہوں' اس نے پچھلے ایک ڈیڑھ ہفتے میں مجھے دو تین فیورز اکٹھے دیے' اور ایک دفعہ بھی نہیں بتایا۔ یہ سعدی لوگ اکثر کہتے ہیں' ہمارے ماموں' بہت غصے والے ہیں' مگر میرا خیال ہے وہ بہت سوبر ہے۔ اور ہاشم۔۔۔ اف۔" جھرجھری لے کر سر جھٹکتے اس نے اگلا نوالہ توڑا۔
بڑے ابا کا کھانا حرام ہو چکا تھا۔ وہ نیپکن سے ہاتھ رگڑ کر صاف کرنے لگے۔ زمر نے کھانا ختم کیا اور پلیٹیں اکٹھی کر کے کچن میں لے گئی تو فرحانہ بھی ساتھ ہی آگئیں۔ اس نے فریج کھولا تو مٹھائی کا ٹوکرا اندر رکھا تھا۔
"یہ کہاں سے آیا امی؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب جامن اٹھایا اور منہ سے توڑا۔
"حماد کے گھر سے۔ وہ لوگ آج آئے تھے۔ ہم نے ان کو ہاں کر دی ہے۔ بتایا تھا نا۔" وہ سالن ڈبوں میں ڈالتی فریج میں رکھ رہی تھیں۔
"ہوں۔ اچھی ہے۔" گلاب جامن اندر تک گھل گئی۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر' ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ' اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
فرحانہ باقی برتن اٹھانے واپس آئیں تو بڑے ابا ہنوز سربراہی کرسی پہ بیٹھے تھے۔ نظر اٹھا کر دیکھا۔ افسوس' ملامت' وہ بہت ہرٹ ہوئے تھے۔
"آپ نے زمر سے نہیں پوچھا تھا؟" وہ آہستہ سے بولے۔
"پوچھ بھی لیتی اور وہ مان جاتی تب بھی میں ندرت کے بھائی کو اپنی بیٹی کا رشتہ نہ دیتی یوسف صاحب۔ کبھی بھی نہیں۔ ندرت یہ چاہتی ہے کہ میں جھک کر رہوں تو ایسا نہیں ہو گا۔" تیز لہجے میں کہتیں' برتن اٹھا کر بخ کرنے لگیں۔
"آپ نے زمر سے نہیں پوچھا تھا؟" وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرحانہ نے فکر مندی سے انہیں جاتے دیکھا۔ وہ زمر کی طرف نہیں گئے تھے' اپنے کمرے میں گئے تھے۔ ان کو یک گونہ اطمینان ہوا۔ شکر' یہ معاملہ تو ختم ہوا۔ جیسے بھی سہی۔

☼ ☼ ☼

رو پڑا ہوں تو کوئی بات ہی ایسی ہو گی
میں کہ واقف تھا ترے ہجر کے آداب سے بھی
وارث نے لاؤنج میں قدم رکھا' دوپہر کا اندھیرا چھایا تھا۔ پنکھا بند۔ صوفے پہ اکڑوں بیٹھی حنین' جو ناراضی سے خلا میں گھور رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "گرمی میں کیوں بیٹھی ہو؟" احتیاط سے پکارتا قریب آیا' گردن ٹیڑھی کر کے اس کے تاثرات دیکھے۔ اس نے خفگی سے آنکھیں اٹھائیں۔
"بجلی نہیں ہے۔ ایک سے دو جاتی ہے' پھر شام کو چار سے پانچ جائے گی۔" وارث ہنس پڑا۔
"پاکستان کا کوئی دماغ ایسا نہیں ہے جس میں بجلی کی آمدورفت کا حساب نہ ہو۔" حنین نہیں ہنسی' اسی طرح سامنے دیکھتی رہی۔ وہ مقابل صوفے پہ بیٹھا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
"کیا ہوا ہے؟"
"ابھی پھپھو آئی تھیں' ٹیلر سے امی کے کچھ

کپڑے پیک کیے تھے' وہی دینے۔ میں نے بھی آج ان کو کوئی موڈ نہیں دیا۔ سوچتی تو ہوں گی کہ یہ ناراض ہے' ان کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی' شاید حیران تھیں۔ واٹ ایور۔"

اور وہ حیران نہیں تھی' بس ذرا پھیکی پڑ گئی تھی۔ آج "بھول" کر جانے والی چابیاں حنین اٹھا تو لائی' مسکرائی بھی' مگر وہ پچھلے دنوں کی بے تکلفی والا شگاف بھر چکا تھا۔ فاصلہ پھر سے آگیا تھا۔

"اور تم نے یہ کیوں کیا؟"

"آپ کو نہیں معلوم؟ انہوں نے ماموں کے رشتے سے انکار کر دیا۔"

"تو؟"

"تو؟" حنین نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "آپ کو افسوس نہیں ہوا؟"

"میرے افسوس سے کیا ہوتا ہے؟ یہ ہر انسان کا حق ہے۔ انہوں نے کچھ سوچ کر فیصلہ کیا ہوگا۔"

"آپ جو بھی کہیں' میں ان سے بالکل' بالکل بھی اب محبت نہیں کرتی۔ نہ کبھی کروں گی۔" وہ بے بسی بھرے طیش سے وارث کو دیکھ کر بولی۔ وہ لبوں پہ مٹھی رکھے' خاموشی سے سنتا گیا۔

"مجھے ابو سے بھی محبت نہیں ہے۔ مجھے ان پر غصہ ہے۔ وہ ہمیں اس وقت چھوڑ کر چلے گئے جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ ان کو چاہیے تھا' وہ سڑک پہ احتیاط سے چلیں۔ ان کو ہمارا سوچنا چاہیے تھا۔" وہ سر جھکا کر کہہ رہی تھی اور اس کی آواز میں نمی تھی۔ "میں پھپھو کو جب بھی دیکھتی تھی مجھے ان میں ابو نظر آتے تھے۔ مجھے لگتا تھا ہم کبھی دوست نہیں بن سکتے۔ میں اور پھپھو۔ کبھی بھی نہیں۔ اگر ہم قریب آئے تو وہ مجھ سے چھن جائیں گی' مگر پچھلے کچھ دنوں میں مجھے لگنے لگا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ پھر ایسا ہی ہوگیا۔ اب میرا کوئی بھی فرینڈ نہیں ہے۔ میں دوبارہ کبھی ان کے پاس کوئی بھی مسئلہ لے کر نہیں جاؤں گی۔" سر جھکائے اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

"فارس کے رشتے کو انکار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تم سے کم محبت کرنے لگی ہیں۔"

"آپ جو بھی کہیں۔ ہم کبھی دوست نہیں بن سکتے۔"

"اچھا۔ کہیں باہر چل کر کچھ کھاتے ہیں۔" وہ چابی اٹھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے نہیں کھانا کچھ۔" غصے سے سر جھٹکا۔ ہنوز ناراض تھی۔ شاید ساری دنیا سے۔

"چلو۔ خیر میں تو چاہ رہا تھا کہ اس بولان ریسٹورنٹ میں جا کر مٹن کڑاہی بنواتے ہیں (حنین نے جھٹکے سے گیلا چہرہ اٹھایا) ساتھ میں تندور والی روٹی' سلاد۔ مگر۔۔۔ خیر' چھوڑو' تم نے تو کچھ نہیں کھانا۔"

"مٹن کڑاہی کچھ میں نہیں آتی' اچھا!" جلدی جلدی چہرہ رگڑتی' وہ پیروں میں چپل گھسیٹتی اٹھ کر اندر بھاگی۔ ساتھ ہی آوازیں بھی دے رہی تھی۔

"امی۔۔۔ امی۔۔۔ ماموں کہہ رہے ہیں' ہم کھانے پہ باہر۔۔۔"

وہ مسکرا کر کار اسٹارٹ کرنے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

یہ سانپوں کی بستی ہے ذرا دیکھ کر چل وصی
یہاں کا ہر شخص بڑے پیار سے ڈستا ہے

ایرپورٹ سے گھر تک' سارا راستہ دونوں مسز کاردار خاموش رہی تھیں۔ جب کار کاردار قصر کے سامنے رکی' تو جواہرات نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"تم باہر جاؤ۔"

شہرین جو اترنے کی تیاری میں تھی' چونک کر اسے دیکھا۔ سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائے۔ ڈرائیور اتر گیا تو جواہرات نے مسکرا کر گردن اس کی طرف موڑی۔

"اگلی دفعہ نوشیرواں کو مجھ پہ شک کروانے یا میرے کانٹیکٹس کے خلاف بھرنے سے پہلے ایک سو ایک دفعہ سوچنا۔ کیونکہ یہ آخری موقع ہے جب میں نے نظر انداز کیا ہے' وہ بھی صرف اس لیے کہ تم دو ایک سال سے زیادہ اس گھر میں ٹکتی مجھے نظر نہیں آرہی

ہو۔ سو یہ مختصر وقت میں تمہارے لیے ناخوشگوار نہیں بناؤں گی' نہ تم میرے لیے بنانا۔ میں چاہتی تو ہاشم کو بتا دیتی کہ تم اپنی خالہ کے گھر اتنا کیوں جاتی ہو' مگر میں اپنے بیٹے کی مختصر سی شادی شدہ زندگی خراب نہیں کرنا چاہتی' اس لیے نہیں بتاؤں گی کہ تمہاری خالہ کے بیٹے کے ذکر پہ تمہارا رنگ کس طرح سفید پڑتا ہے' جیسے ابھی پڑ رہا ہے۔ کلیئر۔"

مسکرا کر ٹھنڈے برف لہجے میں کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑی۔ شہرین نے تھوک نگلا' پھر گردن تان کر کہنے کی کوشش کی۔

"ہاشم جانتا ہے' وہ میرا دوست تھا۔"

"بالکل' ہاشم یہی جانتا ہے کہ وہ تمہارا دوست ... تھا۔ شہری!" مسکرا کر کہتی وہ باہر نکل گئی۔ شہرین نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ (بوٹوکس کی ماری بڑھیا) اور خود بھی مسکراہٹ چہرے پہ لاتی باہر آ گئی۔

☆ ☆ ☆

بے اعتبار شخص تھا وہ وار کر گیا
لیکن میرے شعور کو بیدار کر گیا

کچہری میں معمول کی چہل پہل تھی۔ ہاشم نے موبائل پہ بات کرتے ہوئے اس آفس کا دروازہ کھولا' اور اندر آیا۔ آس پاس کی میزوں کو نظر انداز کرتا' آخری ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔

"ہاں تم مجھے کام ختم کر کے اطلاع کر دو۔ دو گھنٹے تک لازمی۔" موبائل بند کر کے کرسی کھینچی' سامنے دیکھا۔ اور..... رک گیا۔

وہ کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھی' مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں بندھے تھے' صرف ایک لٹ گال کو چھو رہی تھی۔ ہاشم کی نظریں بے اختیار میز پہ رکھی نیم پلیٹ پہ جھکیں۔

"میں تعارف خود ہی کروا دیتی ہوں۔ پبلک ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف خان۔ دو ہفتے پہلے میری تقرری ہوئی ہے۔ اور شاید ایک ماہ قبل آپ سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ بھولے تو نہیں ہوں گے

آپ مجھے۔"

ہاشم بے اختیار ہنس دیا' ہنستے ہنستے نفی میں سرہلایا۔ اور بہت محظوظ ہونے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"یعنی میری وجہ سے آپ کو نئی جاب مل گئی۔ گڈ!"

"تو پھر کس کیس کے سلسلے میں آپ آئے ہیں کاردار صاحب؟" وہ مسکرا کر کہتی' ہاتھ ملا کر میز پہ رکھے' آگے ہوئی۔

"میرا خیال ہے' مستقبل میں ہمیں بہت سے کیسز یہیں بیٹھ کر طے کرنے ہوں گے۔ اس لیے..... کیوں نہ پہلے آپ مجھے اچھی سی چائے پلوائیں۔ بغیر شوگر کے۔" وہ ابھی تک لطف اندوز ہو رہا تھا۔ زمر سرد سا مسکرائی۔

"شیور۔ میرے ڈیسک پہ چائے کا سامان ہر وقت موجود ہوتا ہے' آپ کو اب یہاں خود چائے بنانے کی عادت ڈالنی ہوگی' مگر آئندہ کے لیے' کیونکہ پہلی چائے میں آپ کے لیے بنا دوں گی۔ بغیر شوگر کے۔" کہہ کر وہ اٹھی' اور کیتلی اٹھالی۔ ہاشم کہنی کرسی کے ہتھے پہ رکھے' گردن اٹھا کر اسے چائے بناتے دیکھتا رہا۔

"اب کیس پہ بات کر لیتے ہیں کاردار صاحب۔" کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے زمر نے چینی دان سے دو چمچ نکالے' اس کو دکھا کر چائے میں انڈیلے اور چمچ پرچ پہ رکھ دیا' پھر کرسی پہ آکر بیٹھی اور بولی۔ "یقین کیجئے' میرا دماغ آج بالکل حاضر ہے۔"

ہاشم پھر سے ہنس دیا۔ دل ہی دل میں تلملاتے ہوئے۔

پانچ سال بعد بھی وہ اسی طرح بوفے ٹیبلز کے ساتھ کھڑا ہنس کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اور بے خیالی میں اس کو دیکھتی زمر ذرا چونکی۔ اردگرد شادی کا فنکشن جو ماضی کی دھول میں دھندلا ہو گیا تھا' اب واضح ہونے لگا۔

اس نے ایک ہاتھ سے کنپٹی مسلی' اور کرب سے آنکھیں بند کیں۔ حنین میٹھا لینے جا چکی تھی' مگر جو کڑوا وہ کہہ کر گئی تھی' اس کا اثر اب بھی باقی تھا۔ یہ رشتہ کب مانگا گیا' کب انکار ہوا' اسے یہ نہیں معلوم تھا' مگر ایک بات صاف نظر آنے لگی تھی۔

وہ جو چار سال سے یہ سوچتی رہی کہ فارس نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا' تو اس کا جواب مل گیا تھا۔ اس نے انتقام لیا تھا۔ ٹھکرائے جانے کا انتقام۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' دل میں..... یہی کہا تھا نا اس نے۔ اسے سب یاد تھا۔ انتقام تھا تو انتقام سہی۔ (میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر' صرف ایک گولی)

ایک نہج پہ پہنچ کر اس نے موبائل پہ کال ملا کر اسے کان سے لگایا۔

"بصیرت صاحب' سوری میں آپ کو غلط وقت پہ تنگ کر رہی ہوں۔ مجھے ایک کیس فائل چاہیے۔ جی..... پبلک ریکارڈز کے علاوہ بھی جو کچھ آپ کے پاس ہو اس کیس سے متعلق' جی سارا باکس بھجوا دیجیے۔ میں اپنے ملازم کو بھیجتی ہوں آپ کی طرف۔"

وہ پوچھ رہے تھے کہ اسے کون سا کیس چاہیے۔ زمر نے گہری سانس لی' دور کھڑے کرن اور حماد کو اپنے جڑواں بچوں اور دلہا دلہن کے ساتھ مسکرا کر فوٹو اترواتے دیکھا اور بولی تو آواز یخ ٹھنڈی تھی۔

"سرکار بنام فارس غازی"

اس نے فون بند کیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ چہرہ اب سپاٹ تھا اور ذہن قدرے مجتمع تھا۔

دور' حنین سوئیٹ ڈش ٹیبل پہ پلیٹ میں کچھ نکال رہی تھی۔ کن اکھیوں سے وہ قریب کھڑے ہاشم کو کسی سے بات کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نکالتی رہی' یہاں تک کہ ہاشم کا مخاطب مڑ گیا تو وہ اس تک آئی۔ وہ اسے دیکھ کے بس ہلکا سا مسکرایا۔

"مجھے..... آپ سے یہ کہنا تھا کہ....." اپنے پیالے میں چمچ ہلاتے' اور چمچ کو دیکھتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ "کہ مجھے بھی بہت افسوس ہے۔ آپ کے فادر کی ڈیتھ کا۔ مجھے ان کے جنازے پہ آنا چاہیے تھا' مگر میں نہیں آسکی۔ آئی ایم سوری ہاشم بھائی۔" نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے سر کے خم سے تعزیت وصول کی۔

"اٹس او کے مگر تمہیں آنا چاہیے تھا۔ حنین! سعدی تو آیا تھا۔ اس وقت نہ سہی بعد میں آنا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے بعد تم لوگوں نے ہماری طرف۔۔۔ آنا چھوڑ دیا بالکل۔" آخری الفاظ ادا کرتے ہاشم کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ گردن میں ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی، آنکھوں میں چونک جانے کا احساس۔ حنین اگر متوجہ ہوتی تو محسوس کر لیتی۔

"آئی ایم سوری!" وہ سر جھکائے کہہ کر مڑ گئی۔ واپس میٹھے کی جگہ پہ آئی تو سعدی وہاں کھڑا تھا۔ آہستہ سے بولا۔ "ہاشم بھائی کیا کہہ رہے تھے؟"

اس نے اداس آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "میں ان سے معذرت کر رہی تھی کہ میں ان کے والد کی وفات پہ نہیں آسکی۔ مجھے آنا چاہیے تھا۔ اور اس سے پہلے انہوں نے بھی معذرت کی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں افسوس ہے۔"

سعدی نے پیالے میں سوفلے کا چمچ الٹتے ہوئے تلخی سے سر جھٹکا۔

"کتنا آسان ہے حنین، ڈیڑھ سال بعد ایک شادی کی تقریب میں آکر کہہ دینا کہ مجھے افسوس ہے۔ ہونہہ۔" حنین نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

"انہیں افسوس ہے۔ واقعی ہے۔"

"اگلی دفعہ جب وہ تمہیں کہیں کہ ان کو افسوس ہے، تو ان سے کہنا، افسوس کافی نہیں ہوتا۔" وہ سنجیدگی سے کہتا پلٹ گیا۔ وہ اب زمر کی ٹیبل کی طرف جا رہا تھا۔ حنین دل مسوس کر وہیں کھڑی رہ گئی۔ کیا وہ ساری زندگی اسی نقطے پر کھڑی رہے گی؟ کیا وہ بھی پھپھو کی طرح کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گی؟

اس کا ذہن پل بھر کو اپنے اردگرد سے ہٹتا گیا۔ دل و دماغ پر کوئی دھند سی چھا رہی تھی۔ سیاہ رات میں سنہری دھند۔۔۔ اس کا ذہن اس دھند میں ڈوبتا گیا۔۔۔ ڈوبتا گیا۔

❊ ❊ ❊

موجودہ دن سے چار سال پہلے
(وارث غازی قتل سے تین دن قبل)

ذوالفقار یوسف کے گھر کے چھوٹے سے کچن میں شرارت بھری خاموشی چھائی تھی۔ کاؤنٹر پہ دو ڈشنز رکھی تھیں۔ اک خالی۔ ایک میں تازہ بیک شدہ کیک جس کی لیرز کاٹ کر اندر کریم بھری گئی تھی۔ اب اس کیک کو دوسری، صاف ڈش میں ڈالنا تھا۔ سعدی نے نچلا لب دبائے مسکراتے ہوئے حنین کو دیکھا جو آستین چڑھا کر کیک کے قریب ہاتھ لے جاتی، پھر واپس کھینچ لیتی۔

"میں ڈال دوں، حنہ؟"

"خبردار۔ یہ نرم ہے، ٹوٹ جائے گا اور اسے ہاتھ بھی مت لگائیے گا۔" وہ غصے سے بولی۔

"انگلی لگاؤں۔" سعدی نے انگلی اس طرف بڑھائی۔ حنہ نے زور سے اس کی انگلی پہ ہاتھ مار کر پیچھے ہٹایا۔

"میں چھت سے نیچے پھینک دوں گی آپ کو۔ پھپھو کی شادی میں پلستر چڑھا ہو گا۔" آج کل حنین کی ہر بات میں دو ہفتے بعد ہونے والی پھپھو کی شادی کا تذکرہ ضرور ہوتا تھا۔

"اول فول نہ بولا کرو۔ ہر وقت۔" ندرت نے اسے گھورتے ہوئے کفگیر دکھایا۔ سعدی دل کھول کر ہنسا۔

"یار حنہ، امی کو ابھی تک ہمارے خلاف کفگیر، جوتے اور ہینگر کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں ملا؟"

ندرت نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیں اور چولہے کی طرف مڑ گئیں۔ حنہ کا کیک ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا اور وہ ڈرتے ڈرتے ہاتھ اس کی طرف بڑھا رہی تھی، تب ہی فون کی گھنٹی بجی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پانچویں قسط ٥

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز تھا۔ فارس غازی اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف فارس غازی کا بھانجا ہے جو اپنے ماموں فارس غازی سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں، ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ سعدی یوسف کی والدہ نے کڑی مشقت کرکے بچوں کی پرورش کی ہے، حنین اور اسامہ، سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر، سعدی

مکمل ناول

یوسف کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ فارس غازی، سعدی یوسف کا ماموں ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے، جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کاردار کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ ہاشم سونیا کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

فارس غازی، ہاشم کاردار کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں، جس میں اس کا بھی حصہ ہے، رہائش پذیر تھا۔ فارس غازی کے جیل جانے کے بعد اس کا پورشن مقفل ہے۔

سعدی یوسف کے لیے وہ دن خوشیوں سے بھرپور تھا جب اسے فارس غازی کے رہا ہونے کی خبر ملتی ہے۔

ہاشم نے یہ خبر سن کر عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے اس کا حساب دینا ہوگا۔ فارس غازی جیل سے نکلتا ہے تو سعدی یوسف ان کا منتظر ہوتا ہے۔ فارس اس سے قبرستان چلنے کو کہتا ہے۔ قبرستان جا کر فارس دو قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہے۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے سعدی کا موبائل لے لیتا ہے۔ قبرستان میں وہ کسی کو فون کر کے کوئی ہتھیار منگواتا ہے۔

ہاشم کاردار، زمر کو اپنی بیٹی سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دینے کے ساتھ سعدی کا کارڈ بھی زمر کو دے دیتا ہے۔

زمر کے والد کو اپنے پوتے سعدی یوسف سے بہت محبت ہے۔ وہ زمر سے کہتے ہیں، سعدی کی سالگرہ پر وش کرنے ان کے گھر جائے۔ وہ پھول لے کر کارڈ دینے سعدی کے گھر جاتی ہے۔ زمر کو دیکھ کر سعدی کے ساتھ تمام گھر والے حیران ہو جاتے ہیں۔ زمر، سعدی کو سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دیتی ہے۔

زمر کے جانے کے بعد سعدی نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔ اسی وقت ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔ اس نے ہوٹل میں ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگایا تھا۔ وہ اس کے لیپ ٹاپ سے ڈیٹا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سعدی نے جب بیگ سے ٹیبلٹ نکالا تو اسے پریس کرنے کے بعد اسکرین پہ پیغام آیا کہ آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟ سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اسکرین پہ دوسرا پیغام دیکھ کر سعدی کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا کہ "پاس ورڈ داخل کریں" سعدی کے پاس پاس ورڈ نہیں تھا۔

سعدی یوسف، ہاشم کاردار کی سابقہ بیوی شہرین سے ایک شاپنگ مال میں مل کر کہتا ہے۔ مجھے آپ سے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ شہرین، سعدی سے کہتی ہے کہ "تم کیا کرنے جا رہے ہو؟" سعدی زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے کہ "ہاشم بھائی نے جو ہم سے چرایا تھا، میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔"

شہرین نوشیرواں کے پاس جا کر کہتی ہے کہ سونیا کو اس کی اور ہاشم کی ہنی مون کی پکچرز چاہئیں۔ یہ جھوٹ بول کر نہایت چالاکی سے شہرین نوشیرواں سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

حنین یوسف پر اس کی دوست کی وجہ سے کمرہ امتحان میں نقل کا الزام لگتا ہے۔ ٹیچرز حنین سے کہتی ہیں کہ اس پر کیس بنے گا اور وہ تین سال تک پیپرز نہیں دے سکتی۔ وہ حنین کو آفس میں بٹھا کر چلی جاتی ہیں تو حنین کی نظر میز پہ سپرنٹنڈنٹ کے پرس کے ساتھ رکھے موبائل پر پڑتی ہے۔ حنین موبائل اٹھا کر دھڑکتے دل سے ہاشم کا نمبر ملا کر اسے تمام صورت حال

سے آگاہ کرتی ہے۔ ہاشم کچھ دیر بعد ہی امتحانی مرکز میں پہنچ جاتا ہے اور کمال ہوشیاری سے حنین کو مشکل وقت سے نہ صرف نکلواتا ہے بلکہ حنین کو پیپر مکمل کرنے کے لیے ٹیچرز سے ایکسٹرا ٹائم بھی دلوا دیتا ہے۔

پیپر دینے کے بعد حنین ہاشم کا شکریہ ادا کرتی ہے اور ہاشم سے کہتی ہے۔ کہ سعدی بھائی کو اس معاملے کے بارے میں مت بتائیے گا۔ ہاشم حنین سے پارٹی میں آنے کا پوچھتا ہے۔ جس پر حنین کہتی ہے کہ پارٹی میں ہم سب آئیں گے۔

قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ روشنیاں، قہقہے، سیاہ اور سنہری امتزاج سے سجی سونیا کی سالگرہ کی تقریب کی رونق عروج پر تھی۔

حنین سنہری فراک میں جبکہ سعدی، سیم اور زمر سیاہ سوٹ میں ملبوس تقریب میں شریک تھے۔ شہرین ان کی میز کے پاس آ کر زمر کو ڈی اے کہہ کر پکارتی ہے اور سعدی سے رسمی سا حال احوال پوچھ کر کمال مہارت سے ٹیب پکڑا کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔ سعدی ٹیب کو کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر سوچتا ہے کہ آدھا کام ہو گیا مگر ابھی پاس ورڈ لینا باقی ہے۔

جواہرات دو، تین خواتین کے ساتھ سعدی اور زمر کی میز کی طرف آتی ہے۔ جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کراتی ہے پھر سعدی یوسف کا تعارف بھی کروا کر سعدی سے کہتی ہے کہ وہ اپنا شجرہ نسب ان خواتین کو بتائے۔ نوشیرواں قدرے فاصلے پر کھڑا تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی سمجھ جاتا ہے کہ جواہرات اس وقت نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتار رہی ہے پھر سعدی اپنا شجرہ نسب ایسا بتاتا ہے کہ جس سے نوشیرواں کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور جواہرات کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اسی دوران جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کے سابقہ منگیتر حماد کا ذکر چھیڑ دیتی ہے، جس کی وجہ سے زمر ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔

شہرین بڑی ہوشیاری سے سعدی کو پاس ورڈ بتا دیتی ہے۔

دوسری جانب زمر کا گیسٹ روم میں فارس سے سامنا ہو جاتا ہے فارس کو دیکھ کر زمر غصے میں باہر کی طرف آ جاتی ہے۔ پاس ورڈ ملنے کے سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکیورٹی آفیسر خاور، ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی پکڑ میں آئے بغیر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم غصے میں خاور سے کہتا ہے کہ سعدی جیسے ہی ایگزٹ پر پہنچے، اسے روکو۔ جبکہ ملازمہ فیونا ہاشم کے کہنے پر جان بوجھ کر سعدی سے ٹکراتی ہے اور اس کے کوٹ میں نیکلس ڈال کر معذرت کرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔

جیسے ہی زمر، سعدی، حنین اور سیم گھر جا رہے ہوتے ہیں تو خاور انہیں روک کر بتاتا ہے کہ مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہو گیا ہے، زمر غصے میں خاور سے کہتی ہے کہ یہ میری فیملی کے بچے ہیں، ان کی تلاشی لینے سے پہلے میری تلاشی لینا ہو گی۔ اس دوران ہاشم بھی وہاں آ جاتا ہے اور پھر بگڑتی صورت حال دیکھ کر انہیں جانے دیتا ہے۔

ریسٹورنٹ کا بل دینے کے لیے سعدی حنین سے اپنے کوٹ سے والٹ نکالنے کو کہتا ہے، حنین کے ہاتھ میں والٹ کے بجائے نیکلس آ جاتا ہے۔ زمر کی نگاہیں نیکلس کو دیکھ کر ٹھہر جاتی ہیں، زمر غصے میں سعدی کو کہتی ہے اسے گھر ڈراپ کر دے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔

دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

زمر سعدی کے ریسٹورنٹ جاتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ بڑے ابا نے اسے بتا دیا ہے کہ اسے گردہ کسی خاتون نے نہیں بلکہ اس نے دیا ہے۔ اسی دوران فارس وہاں آ جاتا ہے جسے دیکھ کر زمر نفرت آمیز نگاہ فارس پر ڈال کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔

سعدی بہت دنوں بعد آفس جاتا ہے اور اپنی باس سارہ کو فیلڈ رپورٹ دے کر کہتا ہے کہ اس نے کام مکمل کر لیا ہے، اور

فیلڈ پہ جانے کی تیاری بھی مکمل کرلی ہے۔

مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں سعدی کے دادا، پھپھو زمر، والدہ اور بہن بھائی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسی دوران حنین سعدی کے کمرے میں جاتی ہے تو وہاں سعدی کے کھلے لیپ ٹاپ کے اسکرین پہ چلتے نمبرز دیکھ کر حیران ہوتی ہے سعدی جلدی سے آکر لیپ ٹاپ پر اپنا ایک ہاتھ مار کر بند کردیتا ہے۔

ہاشم سعدی سے ملاقات کا کہتا ہے۔ وہ ہاشم کو ٹالنے کے لیے ہاں کہہ دیتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈر گز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

حنین اپنے اور سیم کے مشترکہ کمرے میں آتی ہے جب الماری کھولتی ہے تو اس کی نظر سنہری مخملیں ڈبے پر پڑتی ہے تو اس کے اندر ایک لاکٹ رکھا تھا۔ اس کی زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا پتھر پرویا تھا جس کے اوپر سنہرے حروف میں "اینٹس ایور آفٹر" کندہ تھا۔ یہ سعدی کی چین کا جڑواں تھا۔

سارہ آفس جانے کے لیے تیار ہورہی تھی کہ فارس آجاتا ہے۔ فارس سارہ سے پوچھتا ہے کہ کیا اس کے خیال میں اس نے ہی وارث کو قتل کیا تھا؟ سارہ جواب میں کہتی ہے کہ اسے یقین ہے کہ اسے پھنسایا گیا تھا۔

ہاشم کی سیکریٹری کال کرکے اسے بتاتی ہے کہ آج سعدی اپنی مصروفیت کی بنا پر نہیں آرہا۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ سعدی کو جب تک کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملے گا، وہ اس سے ملاقات کو یونہی ٹالتا رہے گا۔

ہاشم سعدی کو فون کرتا ہے کہ کیا ہم اچھے وقتوں میں واپس جاسکتے ہیں! جب تم مجھے دل سے ہاشم بھائی کہتے تھے۔ ہاشم کی بات پہ سعدی "شاید نہیں" کہہ کر کال کاٹ دیتا ہے۔

دوسری طرف سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہوجاتی ہیں۔ سعدی پریشان ہوکر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ اس وقت سعدی اپنے ماضی کے اچھے وقتوں کی یادوں میں کھوجاتا ہے۔ وہ سب باتیں یاد آنے لگتی ہیں جب ہاشم کو دل سے بھائی کہتا تھا اور جواہرات کے دل میں اس نے کس طرح اپنی جگہ بنائی تھی اور نوشیرواں سے بھی اس کی اس وقت دوستی ہوگئی تھی۔ ماضی کے تمام واقعات ایک ایک کرکے سعدی کے سامنے کسی کہانی کے کرداروں کی طرح گھوم رہے تھے۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے، حنین حیران ہوکر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنٹس ایور آفٹر" (Ants ever after) لکھا ہوتا ہے وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہوجاتی ہے۔

سعدی نے ہاشم کے کمپیوٹر سے جو فائلز لی تھیں، وہ انہیں آپریٹ نہیں کرپاتا، وہ ڈیٹا تباہ ہوجاتا ہے۔

ایک رشتے دار کی شادی کی تقریب میں زمر اور سعدی کی فیملی کے ساتھ زمر کے سابق منگیتر حماد اور اس کی بیوی کرن بھی آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کرن زمر کو دیکھ کر اپنی کزن سے زمر کے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہے جسے سن کر زمر کو بہت دکھ ہوتا ہے۔

اسی دوران سعدی کی والدہ ندرت زمر کو سعدی کے لیے لڑکی دکھاتی ہیں۔ زمر کو وہ لڑکی اچھی لگتی ہے۔

سیم ندرت سے کہتا ہے کہ اگر لڑکی والوں نے رشتہ دینے سے انکار کردیا تو؟

اس پر زمر کہتی ہے کہ کیوں انکار کریں گے؟ کوئی وجہ بنتی ہے کیا؟ اس بات پر حنین بے ساختہ کہتی ہے۔

"بغیر وجہ کے بھی انکار ہوجاتے ہیں جیسے آپ نے فارس ماموں کے رشتے سے انکار کیا تھا۔" یہ سن کر زمر بالکل ساکت خاموش رہ جاتی ہے۔

درحقیقت زمر کو فارس کے رشتے کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا کہ کب رشتہ مانگا گیا تھا؟ کب انکار ہوا؟

زمر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے فارس نے اس سے ٹھکرائے جانے کا انتقام لیا تھا۔

زمر بصیرت صاحب کو فون کرکے کہتی ہے کہ اسے ایک کیس فائل چاہیے۔

"سرکار بنام فارس غازی"

"بیماری میں اور صحت میں"

اے گلاب

تم بیمار ہو

نادیدہ کیڑا جو رات میں اڑتا ہے

برستے طوفان میں

اس نے ڈھونڈ لیا ہے تمہارا بستر

سرخ لطف کا

اور اس کے گہرے خفیہ عشق نے

برباد کردی ہے

تمہاری زندگی

(ولیم بلیک کی نظم "بیمار گلاب")

(وارث غازی قتل سے تین دن پہلے)

ذوالفقار یوسف کے گھر کے چھوٹے سے کچن میں شرارت بھری خاموشی چھائی تھی۔ کاؤنٹر پہ دو ڈشز رکھی تھیں۔ اک خالی، ایک میں تازہ بیک شدہ کیک جن کی تہیں کاٹ کر اندر کریم بھری گئی تھی۔ اب اس کیک کو دوسری صاف ڈش میں رکھنا تھا۔

سعدی نے نچلا لب دبائے مسکراتے ہوئے حنین کو دیکھا جو آستینیں چڑھائے کیک کے قریب ہاتھ لے جاتی، پھر واپس کھینچ لیتی۔

"میں ڈال دوں حنہ؟"

"خبردار! یہ نرم ہے۔ ٹوٹ جائے گا۔ اسے ہاتھ بھی مت لگائیے گا۔" وہ غصے سے بولی۔

"انگلی لگاؤں؟" سعدی نے انگلی اس طرف بڑھائی۔ حسنین نے زور سے اس کی انگلی پہ ہاتھ مار کر پیچھے ہٹایا۔

"میں چھت سے نیچے پھینک دوں گی آپ کو۔ پھپھو کی شادی میں پلستر چڑھا ہوگا۔" آج کل حنین کی ہر بات میں دو ہفتے بعد ہونے والی پھپھو کی شادی کا تذکرہ ضرور ہوتا تھا۔

"اول فول نہ بولا کرو ہر وقت۔" ندرت نے اسے گھورتے ہوئے کفگیر دکھایا۔ سعدی دل کھول کر ہنسا۔

"یار حنہ! امی کو ابھی تک ہمارے خلاف کفگیر، جوتے اور ہینگر کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں ملا؟"

ندرت نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیں اور چولہے کی طرف مڑ گئیں۔ حنہ کا کیک ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا اور وہ ڈرتے ڈرتے ہاتھ اس طرف بڑھا رہی تھی تب ہی فون کی گھنٹی بجی۔

ندرت نے "سعدی" کو پکارا اور سعدی نے حنین کو دیکھا، پھر نظروں سے اس کا دروازے سے فاصلہ ناپا۔ "تم قریب ہو تم اٹھاؤ۔"

اور یہ تو ان کا اصول تھا کہ جو قریب ہوگا، وہی کام کرے گا، حنین اونہہ کرکے لاؤنج میں گئی۔ جلد ہی واپس بھی آگئی۔ دوبارہ آستینیں چڑھالیں۔

"زرتاشہ آنٹی کا فون تھا۔" خود سے دس گیارہ سال بڑی زرتاشہ کو آنٹی کہنا عجیب لگتا تھا مگر پانچ ماہ سے کہہ کہہ کر وہ عادی ہوگئی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" اس نے ندرت کا سوال نظر انداز کیا۔ وہ چمٹے اٹھا کر احتیاط سے کیک تلے لائی۔ اسے اٹھایا اور آہستہ سے دوسری ڈش میں بچھایا۔ پھر "شکر" کہتی سیدھی ہوئی۔ سعدی ہنوز مسکرا رہا تھا۔

"وہ پوچھ رہی تھیں کہ ہم پرسوں سونیا کی سالگرہ میں آرہے ہیں یا نہیں؟"

"یہ سونیا کی سالگرہ سال میں کتنی دفعہ ہوتی ہے؟" سعدی کو حیرت ہوئی۔ "میری سالگرہ سے چھ دن بعد ہوتی ہے اس کی اور میری دو ماہ پہلے گزر چکی۔"

"مگر دو ماہ پہلے ہاشم بھائی باہر گئے ہوئے تھے، وہ اب ممالی پھر واپس آکر یہاں کا فنکشن کرنے کا وقت اب ملا ہے۔ یہ بھی زرتاشہ آنٹی نے بتایا ہے۔ ہاں مگر میں نہیں جاؤں گی۔"

ندرت نے ہانڈی میں میں چمچ ہلاتے ہوئے تعجب سے پلٹ کر اسے دیکھا جو اپنے کیک پر کافی بے ڈھنگے انداز میں کریم پھیلا رہی تھی۔ (کب سیکھے گی یہ لڑکی سلیقہ؟)

"کیوں؟"

"کیا فائدہ امیروں کی دعوت میں جانے کا اگر وہ کیمرہ، موبائل ہی اندر نہ لے جانے دیں۔ بندہ پکچرز ہی بنالیتا ہے۔"

"یہ کوئی وجہ نہیں۔ تم نے جب یہی بات پچھلی دفعہ ہاشم بھائی سے کہی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ تم لے آیا کرو کیمرہ، تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ اور پھر تمہیں پارٹی کی تصویریں بھی ای میل کروادی تھیں۔"

"بس بھائی کو موقع چاہیے ان ہاشم بھائی کے دفاع کا۔ بالکل بھی نہیں پسند مجھے مصنوعی مسکراہٹوں والے ہاشم بھائی اور ان کی ممی۔ انکل اچھے ہیں' اور وہ بم پھٹے بالوں والا نوشیرواں بھی بہتر ہے۔"

پھر چونک کر سعدی کو دیکھا' ذرا قریب کھسک آئی اور سرگوشی کی۔ "آپ کی اس سے صلح ہوئی؟"

"صلح؟ بات تک نہیں ہوتی۔ جب سے ڈر گزوالی بات اس کی ممی کو بتائی تھی تب سے مجھے بس غصے سے گھور کر نکل جاتا ہے۔"

"کیا اب بھی ڈر گز لیتا ہے؟" حنین کو تجسس ہوا۔

سعدی نے اسے گھورا۔ "نہیں لیتا میرے خیال سے مگر یہ بات دہرانا نہیں آگے پیچھے۔"

"اب رکھ بھی دو اس کیک کو فریج میں۔ کھانا بننے والا ہے' پہلے وہ تو کھاؤ۔" امی نے ڈانٹ کر کہا۔ وہ کریم لگاتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔

"امی! میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ انسان کو خوب مزے سے ہر چیز کھالی چاہیے' اور جو منع کرے۔" نظر اٹھا کر ندرت کو گھورا۔ "اسے بھی کھا جانا چاہیے تھا۔"

ندرت کچھ کرارا سناتیں' مگر ڈور بیل بجی۔ اب کے سعدی قریب تھا۔

"جاؤ سعدی! پھپھو ہوں گی۔" وہ مسکرا کر دروازے کی طرف جانے لگا' پھر رکا' مسکراہٹ غائب ہوئی' چہرے پہ خفگی آئی' بھنویں بھینچ لیں' اور سنجیدگی سے جا کر دروازہ کھولا مگر یوں کہ ہینڈل پکڑے رکھا اور راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

باہر زمر تھی۔ نکھری نکھری سی' سعدی کو دیکھ کر مسکرائی۔ وہ مشکوک نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

"کون ہے سعدی؟" کوئی آواز نہ آنے پہ ندرت نے پکارا۔

"ایک خاتون ہیں۔ بال گھنگھریالے' آنکھیں بھوری' عمر انتیس سال' اور چہرے پہ خوشامدی مسکراہٹ۔" پھر ذرا وقفہ دے کر زمر کو مخاطب کیا۔ "جی فرمایئے؟"

وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے بولی۔ "لارڈ وولڈیموورٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

سعدی ناراضی سے پیچھے ہوا' اور دروازہ بند کردیا۔ ندرت نے کچن سے نکلتے ہوئے یہ منظر دیکھ لیا' ہکا بکا رہ گئیں۔ "پھپھو کو اندر بلاؤ۔"

"رہنے دیں امی! یہ خاتون باہر کھڑی زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔" منہ دروازے کے قریب کر کے اونچی آواز میں کہا۔ زمر نے مسکراتے ہوئے انگلی سے دروازہ بجایا۔ اس نے دوبارہ دروازہ کھولا' اسی سنجیدگی سے پوچھا "جی؟"

"پروفیسر اسنیپ ٹھیک ہے؟"

سعدی برا سا منہ بنا کر پھر سے دروازہ بند کرنے لگا' زمر نے جلدی سے اپنا پاؤں چوکھٹ پہ اڑا دیا۔ اور مصالحانہ انداز میں بولی۔ "اچھا چلو' تم رون ویسلے کا کردار لے لو۔ اب خوش؟"

ساتھ ہی ہاتھ میں موجود کاغذوں کا پلندہ لہرایا۔ سعدی مشتبہ نظروں سے اسے گھورتا رہا' پھر راستہ چھوڑ دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی' کاغذ کے پلندے سے اس کا شانہ تھپکا' اور گول میز تک آئی۔

حنین تب ہی باہر آئی۔ زمر کو دیکھ کر مسکرائی' سلام کیا۔ وہ بھی جواباً" مسکرائی۔ فارس کے رشتے کے انکار کو ایک سال بیت چکا تھا' اور حنین کی سرد مہری ختم تو نہیں' مگر کم ضرور ہو گئی تھی۔

"آؤ بیٹھو۔ کیسی ہو تم؟" ندرت ہاتھ پونچھتی ادھر آئیں' ساتھ ہی سعدی کو لتاڑا۔ "یہ کیا طریقہ ہے' پھپھو کو اندر کیوں نہیں آنے دے رہے تھے؟"

"یہ اس وقت بالکل بھی میری پھپھو نہیں ہیں۔" وہ جل کر بولا۔ "یہ صرف پراسیکیوٹر ہیں جو ہیری پوٹر کو سزا دلوانا چاہتی ہیں۔"

(ایک تو یہ موا ہیری پوٹر بھی نا...) ندرت نے

سوالیہ ان سب کو دیکھا۔ زمر مطمئن سی مسکراتی ہوئی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

"میرے پرانے کالج میں ایک موک ٹرائل ہے سرکار بنام ہیری پوٹر۔ مجھے پہلے بطور جج مدعو کیا گیا تھا مگر دفاع کے پاس ایک پرانا ٹیچر تھا' اور میری پراسیکیوشن کے اسٹوڈنٹس سے بنتی بہت ہے' سو میں نے جج کے بجائے استغاثہ بننا بہتر سمجھا۔ اب اس کو دو دن سے کہہ رہی ہوں' کوئی کردار بن کر گواہی دینے کے لیے آجائے' مگر نہیں۔"

"موک ٹرائل؟" ندرت نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"موک ٹرائل جس میں کسی فیری ٹیل' جنگی واقعہ' یا کسی بھی حقیقی یا فرضی کیس کو لے کر کارروائی کی جائے' اور فیصلہ سنایا جائے۔ مقصد عموماً" طلبا کو سکھانا ہوتا ہے۔" زمر نے وضاحت کی۔

"سرکار بنام ہیری پوٹر؟ حنین کو دلچسپی ہوئی مگر جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "ہیری پہ الزام کس چیز کا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں۔" سعدی جو دو دن سے اس "غیر انسانی" کیس پہ تپا ہوا تھا' بولنے لگا۔ "یاد ہے فورتھ بک میں' ٹورنامنٹ کے اختتام پہ ہیری کے ساتھ مقابلے باز لڑکے سیڈرک کو وولڈیموورٹ نے مار دیا تھا۔؟"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر جب ہیری سیڈرک کی لاش اور ٹورنامنٹ کے کپ کے ساتھ واپس آیا تو پولیس نے اسے گرفتار کرلیا اور اس پہ الزام لگایا کہ اس نے ہی سیڈرک کو قتل کیا ہے۔" اور پھپھو استغاثہ میں ہیں۔ اور ہیری کو قاتل ثابت کروا کر ہی دم لیں گی۔"

زمر نے شانے اچکائے۔ "فیصلہ کرنا جج کا کام ہے۔ میں تو صرف دلائل دوں گی۔ آخر ہیری اپنے حریف کی لاش کے ساتھ ملا تھا۔"

"مگر آپ کو رون کی گواہی کی ضرورت کیوں ہے؟" سعدی الجھا۔ "رون تو ہیری کا دوست ہے' وہ تو اس کے حق میں گواہی دے گا۔"

"ہاں' ٹھیک ہے' دے دے حق میں گواہی۔" وہ اب اسے وہ کاغذ نکال کر دے رہی تھی جن میں رون سے متعلق نوٹس تھے۔ چونکہ یہ نان اسکرپٹڈ ٹرائل تھا' اس لیے مشکل تھا۔ زمر عدالت میں کوئی بھی سوال کرسکتی تھی۔ وہ ذرا متوجہ ہو کر سننے لگا۔

حنین خاموشی سے اٹھ آئی۔ امی کی ہانڈی دم پہ تھی اور وہ سعدی کے کمرے میں اس کی چیزیں جوڑ رہی تھیں۔ وہ ہفتہ پہلے آیا تھا' ڈیڑھ ماہ کے لیے۔ ملنے ملانے میں ہی یہ دن گزر گئے زمر کی شادی سر پہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کوئی چھ ماہ قبل آیا تھا' بھاگم بھاگ چار دن کے لیے۔ بڑی امی کی وفات پہ۔ سب نے منع کیا کہ "مت آؤ' ایگزامز قریب ہیں۔" مگر وہ آگیا اور چلا بھی گیا۔

حنین امی کو مصروف دیکھ کر پلٹنے لگی' پھر سعدی کی اسٹڈی ٹیبل پر دھرا خالی مگ دیکھ کر سوچا' اگر اسے کچن میں جا کر رکھ دے تو امی پہ احسان عظیم ہوجائے گا۔ ویری گڈ۔ وہ قریب آئی' مگر مگ اٹھانے سے پہلے سعدی کے بیگ سے نکلی کتابوں تک رک گئی جو امی میز پہ ڈھیر کر رہی تھیں۔ ان میں ایک کتاب کا نام منفرد سا تھا۔ اس نے وہ اٹھائی' صفحے الٹ پلٹ کیے۔ ہاشم کے دستخط' نیچے محمد اولی کے۔ بھائی کو غالباً" ہاشم بھائی نے تحفے میں دی تھی۔

حنین کرسی پہ بیٹھی' اور مزید صفحے پلٹے۔ تیرہویں صدی کے کسی عالم کی لکھی گئی عربی کتاب کا انگریزی ترجمہ۔ اس نے دیباچہ پلٹا' کوئی ناول ہو۔ مگر نہیں' وہ نان فکشن تھا۔ وہ نہیں پڑھنا چاہتی تھی' مگر پھر بھی پڑھنے لگی۔

کتاب کے صفحے کورے تھے' اور ان پہ جگمگاتے الفاظ سیاہ ہیروں جیسے۔ اور قلم سے لکھے الفاظ اگر اللہ چاہے تو صدیوں تک امر ہوجاتے ہیں۔ کتاب اور اس کے درمیان موجود سات سو سال کا فاصلہ ان الفاظ کی طاقت کو روکنے کے لیے ایسا تھا جیسے نور کے چشمے کی راہ میں رکھا کوئی لکڑی کا ٹکڑا' جیسے سنہرا پانی محسوس تک

"یہ کوئی وجہ نہیں۔ تم نے جب یہی بات پچھلی دفعہ ہاشم بھائی سے کہی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ تم لے آیا کرو کیمرہ، تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ اور پھر تمہیں پارٹی کی تصویریں بھی ای میل کروا دی تھیں۔"

"بس بھائی کو موقع چاہیے ان ہاشم بھائی کے دفاع کا۔ بالکل بھی نہیں پسند مجھے مصنوعی مسکراہٹوں والے ہاشم بھائی اور ان کی ممی۔ انکل اچھے ہیں' اور وہ بم پھٹے بالوں والا نوشیرواں بھی بہتر ہے۔"

پھر چونک کر سعدی کو دیکھا' ذرا قریب کھسک آئی اور سرگوشی کی۔ "آپ کی اس سے صلح ہوئی؟"

"صلح؟ بات تک نہیں ہوتی۔ جب سے ڈرگز والی بات اس کی ممی کو بتائی تھی' تب سے مجھے بس غصے سے گھور کر نکل جاتا ہے۔"

"کیا اب بھی ڈرگز لیتا ہے؟" حنین کو تجسس ہوا۔

سعدی نے اسے گھورا۔ "نہیں لیتا میرے خیال سے مگر یہ بات دہرانا نہیں آگے پیچھے۔"

"اب رکھ بھی دو اس کیک کو فریج میں۔ کھانا بننے والا ہے' پہلے وہ تو کھاؤ۔" امی نے ڈانٹ کر کہا۔ وہ کریم لگاتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔

"امی! میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ انسان کو خوب مزے سے ہر چیز کھانی چاہیے' اور جو منع کرے۔" نظر اٹھا کر ندرت کو گھورا۔ "اسے بھی کھا جانا چاہیے تھا۔"

ندرت کچھ کرارا سناتیں' مگر ڈور بیل بجی۔ اب کے سعدی قریب تھا۔

"جاؤ سعدی! پھپھو ہوں گی۔" وہ مسکرا کر دروازے کی طرف جانے لگا' پھر رکا' مسکراہٹ غائب ہوئی' چہرے پہ خفگی آئی' بھنویں بھینچ لیں' اور سنجیدگی سے جا کر دروازہ کھولا مگر یوں کہ ہینڈل پکڑے رکھا اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

باہر زمر تھی۔ نکھری نکھری سی' سعدی کو دیکھ کر مسکرائی۔ وہ مشکوک نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

"کون ہے سعدی؟" کوئی آواز نہ آنے پہ ندرت نے پکارا۔

"ایک خاتون ہیں۔ بال گھنگھریالے' آنکھیں بھوری' عمر انتیس سال' اور چہرے پہ خوشامدی مسکراہٹ۔" پھر ذرا وقفہ دے کر زمر کو مخاطب کیا۔

"جی فرمایئے؟"

وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے بولی۔ "لارڈ وولڈیمورٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

سعدی ناراضی سے پیچھے ہوا' اور دروازہ بند کر دیا۔ ندرت نے کچن سے نکلتے ہوئے یہ منظر دیکھ لیا' ہکابکا رہ گئیں۔ "پھپھو کو اندر بلاؤ۔"

"رہنے دیں امی! یہ خاتون باہر کھڑی زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔" منہ دروازے کے قریب کر کے اونچی آواز میں کہا۔ زمر نے مسکراتے ہوئے انگلی سے دروازہ بجایا۔ اس نے دوبارہ دروازہ کھولا' اسی سنجیدگی سے پوچھا "جی؟"

"پروفیسر اسنیپ ٹھیک ہے؟"

سعدی برا سا منہ بنا کر پھر سے دروازہ بند کرنے لگا' زمر نے جلدی سے اپنا پاؤں چوکھٹ پہ اڑا دیا۔ اور مصالحانہ انداز میں بولی۔ "اچھا چلو' تم رون ویسلے کا کردار لے لو۔ اب خوش؟"

ساتھ ہی ہاتھ میں موجود کاغذوں کا پلندہ لہرایا۔ سعدی مشتبہ نظروں سے اسے گھورتا رہا' پھر راستہ چھوڑ دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی' کاغذ کے پلندے سے اس کا شانہ تھپکا' اور گول میز تک آئی۔

حنین تب ہی باہر آئی۔ زمر کو دیکھ کر مسکرائی' سلام کیا۔ وہ بھی جواباً" مسکرائی۔ فارس کے رشتے کے انکار کو ایک سال بیت چکا تھا' اور حنین کی سرد مہری ختم تو نہیں' مگر کم ضرور ہو گئی تھی۔

"آؤ بیٹھو۔ کیسی ہو تم؟" ندرت ہاتھ پونچھتی ادھر آئیں' ساتھ ہی سعدی کو لتاڑا۔ "یہ کیا طریقہ ہے' پھپھو کو اندر کیوں نہیں آنے دے رہے تھے؟"

"یہ اس وقت بالکل بھی میری پھپھو نہیں ہیں۔" وہ جل کر بولا۔ "یہ صرف پراسیکیوٹر ہیں جو ہیری پوٹر کو سزا دلوانا چاہتی ہیں۔"

(ایک تو یہ موا ہیری پوٹر بھی نا....) ندرت نے

سوالیہ ان سب کو دیکھا۔ زمر مطمئن سی مسکراتی ہوئی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

"میرے پرانے کالج میں ایک موک ٹرائل ہے سرکار بنام ہیری پوٹر۔ مجھے پہلے بطور جج مدعو کیا گیا تھا' مگر دفاع کے پاس ایک پرانا ٹیچر تھا' اور میری پراسیکیوشن کے اسٹوڈنٹس سے بنتی بہت ہے' سو میں نے جج کے بجائے استغاثہ بننا بہتر سمجھا۔ اب اس کو دو دن سے کہہ رہی ہوں' کوئی کردار بن کر گواہی دینے کے لیے آجائے' مگر نہیں۔"

"موک ٹرائل؟" ندرت نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"موک ٹرائل جس میں کسی فیری ٹیل' جنگی واقعہ یا کسی بھی حقیقی یا فرضی کیس کو لے کر کارروائی کی جائے' اور فیصلہ سنایا جائے۔ مقصد عموماً" طلبا کو سکھانا ہوتا ہے۔" زمر نے وضاحت کی۔

"سرکار بنام ہیری پوٹر؟ حنین کو دلچسپی ہوئی مگر جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "ہیری پہ الزام کس چیز کا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں۔" سعدی جو دو دن سے اس "غیر انسانی" کیس پہ تپا ہوا تھا' بولنے لگا۔ "یاد ہے فورتھ بک میں' ٹورنامنٹ کے اختتام پہ ہیری کے ساتھ مقابلے باز لڑکے سیڈرک کو وولڈیمورٹ نے مار دیا تھا؟"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر جب ہیری سیڈرک کی لاش اور ٹورنامنٹ کے کپ کے ساتھ واپس آیا تو پولیس نے اسے گرفتار کر لیا اور اس پہ الزام لگایا کہ اس نے ہی سیڈرک کو قتل کیا ہے۔" "اور پھپھو استغاثہ میں ہیں۔ اور ہیری کو قاتل ثابت کروا کر ہی دم لیں گی۔"

زمر نے شانے اچکائے۔ "فیصلہ کرنا جج کا کام ہے۔ میں تو صرف دلائل دوں گی۔ آخر ہیری اپنے حریف کی لاش کے ساتھ ملا تھا۔"

"مگر آپ کو رون کی گواہی کی ضرورت کیوں ہے؟" سعدی الجھا۔ "رون تو ہیری کا دوست ہے' وہ تو اس کے حق میں گواہی دے گا۔"

"ہاں' ٹھیک ہے' دے دے حق میں گواہی۔" وہ اب اسے وہ کاغذ نکال کر دے رہی تھی جن میں رون سے متعلق نوٹس تھے۔ چونکہ یہ نان اسکرپٹڈ ٹرائل تھا' اس لیے مشکل تھا۔ زمر عدالت میں کوئی بھی سوال کر سکتی تھی۔ وہ ذرا متوجہ ہو کر سننے لگا۔

حنین خاموشی سے اٹھ آئی۔ امی کی ہانڈی دم پہ تھی اور وہ سعدی کے کمرے میں اس کی چیزیں جوڑ رہی تھیں۔ وہ ہفتہ پہلے آیا تھا' ڈیڑھ ماہ کے لیے۔ ملنے ملانے میں ہی یہ دن گزر گئے' زمر کی شادی سر پہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کوئی چھ ماہ قبل آیا تھا' بھاگم بھاگ چار دن کے لیے۔ بڑی امی کی وفات پہ۔ سب نے منع کیا کہ "مت آؤ' ایگزامز قریب ہیں۔" مگر وہ آگیا اور چلا بھی گیا۔

حنین امی کو مصروف دیکھ کر پلٹنے لگی' پھر سعدی کی اسٹڈی ٹیبل پر دھرا خالی مگ دیکھ کر سوچا' اگر اسے کچن میں جا کر رکھ دے تو امی پہ احسان عظیم ہو جائے گا۔ ویری گڈ۔ وہ قریب آئی' مگر مگ اٹھانے سے پہلے سعدی کے بیگ سے نکلی کتابوں تک رک گئی جو امی میز پہ ڈھیر کر رہی تھیں۔ ان میں ایک کتاب کا نام منفرد سا تھا۔ اس نے وہ اٹھائی' صفحے الٹ پلٹ کیے۔ ہاشم کے دستخط' نیچے محمد اولی کے۔ بھائی کو غالباً" ہاشم بھائی نے تحفے میں دی تھی۔

حنین کرسی پہ بیٹھی' اور مزید صفحے پلٹے۔ تیرہویں صدی کے کسی عالم کی لکھی گئی عربی کتاب کا انگریزی ترجمہ۔ اس نے دیباچہ پلٹا' کوئی ناول ہو۔ مگر نہیں' وہ نان فکشن تھا۔ وہ نہیں پڑھنا چاہتی تھی' مگر پھر بھی پڑھنے لگی۔

کتاب کے صفحے کورے تھے' اور ان پہ جگمگاتے الفاظ سیاہ ہیروں جیسے۔ اور قلم سے لکھے الفاظ اگر اللہ چاہے تو صدیوں تک امر ہو جاتے ہیں۔ کتاب اور اس کے درمیان موجود سات سو سال کا فاصلہ ان الفاظ کی طاقت کو روکنے کے لیے ایسا تھا جیسے نور کے چشمے کی راہ میں رکھا کوئی لکڑی کا ٹکڑا' جیسے سنہرا پانی محسوس تک

کیسے بنا بہتا چلا جائے۔

سات صدیوں کا فاصلہ عبور کرنے کے لیے ایک دروازہ تھا' اور حنین اس دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اکیسویں صدی کی حنین' ٹراؤزر اور لمبی قمیص میں ملبوس' آنکھوں پہ چشمہ' بال فرنچ چوٹی میں۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اسے کتاب میں داخل ہونے کے لیے یہ دروازہ کھولنا تھا۔ سو اس نے کھول دیا۔ پٹ وا ہوگئے۔ اندر روشنی تھی۔ تیز روشنی۔ حنین نے اندر قدم رکھے۔ دروازہ پیچھے بند ہوگیا۔

وہ ایک کچے راستے پہ کھڑی تھی۔ یہ تیرہویں صدی عیسوی تھی۔ ہر شے زرد' اور پھیکے رنگ کی تھی۔ دمشق کا بازار اور ارد گرد سر ڈھانپے گزرتے لوگ۔

وہ احتیاط سے قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی۔ لوگ گزرتے رہے۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایڈونچر اچھا تھا۔ وہ چلتی رہی۔

پھر وہ رکی۔ ایک مسجد نما عمارت کے سامنے مجمع لگا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی۔ پنجے اٹھا کر گردن اونچی کر کے کسی کے کندھے کے اوپر سے جھانکا۔

زمین پہ ایک آدمی اکڑوں بیٹھا تھا۔ مریل اتنا گویا ہڈیوں کا پنجر ہو۔ سرخ متورم آنکھیں' ان میں چھپا کرب۔ وہ خراب حالت میں تھا۔ حالانکہ نہ اس کا لباس بوسیدہ تھا' نہ کوئی زخم کا نشان تھا' مگر مایوسی اور اذیت نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ آنکھ میں کوئی ٹھہرا آنسو تھا' جو نہ وہ پیتا' نہ گراتا۔ اسے کیا ہوا تھا؟

مجمع یکایک چھٹنے لگا۔ وہ بھی پیچھے ہٹ گئی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ لوگ عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بھی پیچھے ہولی۔ عمارت کی کچی چار دیواری کے پار دیکھا۔ کچھ لوگ اندر سے کسی کو اپنے ہمراہ لا رہے تھے۔ نفیس' نرم خو دکھتے شیخ معلم' وہ لوگ اب شیخ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ وہ سب اس شخص کو دیکھ رہے تھے' جو ان سے بے گانہ تھا۔ یکسر بے گانہ۔

کسی صدا لگانے والے نے صدا لگائی۔

"کیا فرماتے ہیں آئمہ دین ایسے شخص کے بارے میں' جس کا دین اور دنیا اس مہلک مرض نے تباہ کر دیا ہو؟ کیا ہے اس مرض کی کوئی دوا' اے شیخ (استاد)؟"

امام شیخ نے گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور بولے تو حنین کو ان کی آواز صاف سنائی دی' جیسے دل میں اتر گئی ہو۔

"اللہ نے اتاری ہے ہر مرض کی دوا' جو اسے جانتا ہے' وہ اسے جانتا ہے' جو اسے نہیں جانتا' وہ اسے نہیں جانتا۔"

"مگر اسے ہوا کیا ہے؟" حنین کے لبوں سے پھسلا۔ پھر زبان دانتوں تلے دبائی۔ بھلا سات صدیاں پہلے گزرے شیخ اسے کیسے سمجھ سکتے تھے؟ نہ اس کے سوال' نہ اس کے جواب' مگر شیخ نے دیکھ لیا تھا' اسے بھی' اور اس کی آنکھوں میں رقم سوال کو بھی۔ وہ مسکرا کر بولے۔

"اسے مرض عشق ہے۔"

"مرض عشق؟" اس نے تعجب سے دہرایا۔ "عشق مرض ہے؟"

"بلکہ جان لیوا مرض ہے!"

"تو۔۔۔" اس نے گردن موڑ کر اس اکڑوں بیٹھے شخص کو دیکھا اور پھر شیخ کو۔ "تو کیا مرض عشق کی بھی کوئی دوا ہے؟"

"یہ مگ رکھ کر آؤ کچن میں!" دروازے کی دوسری جانب امی آواز دے رہی تھیں' حنین نے شیخ کو دیکھا' وہ اس کے ٹھہرنے کے منتظر تھے' مگر وہ نہیں ٹھہری۔ دوڑ کر پیچھے گئی۔ سنہری دھوپ۔۔۔ سے بھرے دروازے کو دھکیلا اور واپس۔

اس نے کتاب بند کی' پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ بھائی کی کرسی پہ بیٹھی تھی اور ندرت سر پر کھڑی ڈانٹ رہی تھیں۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہی پرانی عادت۔ جو پڑھتی اس کو تصور کرنے لگ جاتی اور اس زمانے میں پہنچ جاتی۔ صرف ایک پیراگراف نے اتنا اثر کیا' پوری کتاب تو پاگل کر دے گی۔ ہٹاؤ بھئی' نہیں پڑھنی ایسی کتابیں۔ وہ اٹھی کتاب شیلف میں رکھ دی' عنوان قدرے مزید واضح ہوا۔

"ایک مکمل جواب اس شخص کے لیے' جس نے

سوال کیا تھا' شفا دینے والی دوا کے بارے میں!"

"اچھا امی! سن لیا ہے۔" وہ ان کی بار بار کی ڈانٹ پہ چڑ کر کہتی مگ اٹھائے باہر نکل آئی۔ گول میز کے گرد پھپھو' بھتیجا ابھی تک الجھ رہے تھے۔ آگے آئی۔ زمر نے اسے دیکھا تو کوئی خیال آیا۔

"تمہاری امریکن دوست نے بھی آنا تھا شادی پہ۔ کب آئے گی وہ؟"

"پرسوں۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "اسے پاکستان گھومنے کا بہت شوق ہے۔ وہ آئے گی تو ہم سب اسکردو جائیں گے۔" اور مسکرا کر برتن لگانے لگی۔

(امی پہ دوسرا احسان)

☼ ☼ ☼

جنگ ہاری نہ تھی ابھی کہ فراز
کر گئے دوست درمیان سے گریز

آفس میں عجیب تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ فاطمی صاحب فائل سامنے رکھے تعجب سے ایک کے بعد ایک صفحہ پلٹ رہے تھے۔ ستائش سے نظر اٹھا کر سامنے بیٹھے وارث کو دیکھا۔

"امیزنگ ورک۔ میں نے تمہیں اس کیس کا آئی او بنا کر بہت اچھا کیا۔"

وارث ہلکا سا مسکرایا' سر کو خم دیا۔ "تھینکس سر!" قدرے توقف سے اضافہ کیا۔ "یہ فائلز کرپشن چارجز کے ثبوت اور شواہد کی ہے اور کرپشن کیس کھڑا کرنے کے لیے کافی ہے۔ مگر یہ فائل۔" اس نے الگ رکھی سیاہ کور والی فائل کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ وہ چیزیں جو ہاشم کاردار کے خلاف مجھے ملی ہیں۔ یہ ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں' ہم ان کو ایک دوسری ایجنسی میں بھیج سکتے ہیں۔"

"ہاں' میں ایسا ہی کروں گا۔ گڈ جاب' غازی!" انہوں نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھی' اور اس کو دیکھا۔ وارث سر کو خم دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہمیں اریسٹ وارنٹ نکلوا لینے چاہئیں۔"

"شیور۔ میں جلد از جلد یہ کام کروں گا۔"

یہ اختتامیہ جملہ تھا۔ وارث سر ہلا کر دروازے کی طرف آیا۔ پھر باہر جانے سے قبل ایک سوچتی نظر اس نے اپنے باس پہ ڈالی۔ ایک واہمہ۔ مگر سر جھٹک کر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی فاطمی صاحب اٹھے' دروازہ لاک کیا۔ موبائل نکالا۔ کال ملائی اور فون کان سے لگائے' اس سیاہ فائل کے صفحے پلٹنے لگے۔

ہاشم اپنے آفس میں' میز پہ فائلز پھیلائے' الجھا بیٹھا تھا۔ موبائل کسی فائل تلے رکھا تھا۔ وائبریشن کی زوں زوں پہ اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارا' موبائل نکالا' اور ہیلو کہا۔ قدرے اکتاہٹ سے۔ کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا' اور وہ ویسٹ میں ملبوس تھا۔

"کیا حال ہیں کاردار صاحب؟"

"گڈ۔ آپ سنائیے۔" موبائل کان اور کندھے کے درمیان لگائے' وہ فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

"اللہ کا کرم۔" وقفہ "سنا ہے اورنگ زیب کاردار صاحب ہائی الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں؟ اگلے الیکشن کی ریہرسل۔"

"جی' ان کے دوستوں نے ان کو سیاست میں دھکیل دیا ہے۔ خیر' گڈ فار ہم۔" وہ فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے' شیلف تک گیا اور وہاں رکھی فائلوں کو باری باری نکال کر چیک کرنے لگا۔

"اور کوئی نئی بات؟"

"میرا بیٹا مجھ سے ذرا خفا ہے۔ اس کے لیے کار امپورٹ کروائی تھی۔ وہ کراچی پورٹ پہ کھڑی ہے' ابھی تک۔ میں مصروف تھا' میرا ایک اے ڈی ایک کرپشن کیس پہ کام۔"

"میں بالکل سمجھ گیا' فاطمی صاحب!" جھک کر ایک ڈبہ دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور چلتا ہوا میز تک آیا۔ ذرا سا مسکرایا بھی۔ "ایک اچھے شہری ہونے کا ثبوت دیجئے' کسٹم ڈیوٹی ادا کیجئے' اور کار کلیئر کروالیں' کیونکہ ہم کام کرتے ہیں آئل کا۔ اور تیل اور پانی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ تیل میں کوئی جاندار شے تیر نہیں سکتی' جو گرتا ہے' وہ ڈوب جاتا ہے۔ آپ کے اے ڈی نے جو اسکینڈل بنانا ہے' بنا لے' کیونکہ یہ امریکہ نہیں ہے'

یہاں لوگوں کا اخلاقیات کا معیار امریکیوں جتنا بلند نہیں ہے۔ یہاں کوئی الیشو کوئی کرپشن چارج کسی سیاستدان کا کیریر خراب نہیں کرسکتا۔"

"میں بالکل سمجھتا ہوں یہ سب' اس لیے میں نے آپ کو فون کیا پہلے۔ آپ چاہیں تو میں کل ہی اپنے لڑکے سے استعفیٰ مانگ کر کیس بند کرسکتا ہوں۔"

"اسے جاری رکھنے دیں' شوق پورا کرلے۔ میرے باپ کے ہاتھ صاف ہیں۔"

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر فاطمی صاحب نے سیاہ فائل کی جلد پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سرسری سا کہا۔

"آپ پچھلے مہینے کی دو' تیرہ' اور بائیس تاریخ کو پشاور میں ہونے والی میٹنگز میں شامل تھے' ہاشم!"

ہاشم کا ڈبہ [illegible]تا ہاتھ رکا' بے یقینی سے اس نے سر اٹھایا۔ رنگت پھیکی پڑی۔

"آپ نے درست کہا' ہاشم! کرپشن الیشوز' ڈرگز' یہ پاکستان میں کسی کو تباہ نہیں کرسکتی' مگر ایک چیز کرسکتی ہے۔ علاقہ غیر کے دہشت گردوں کے لیے منی لانڈرنگ کرنا جس کے بدلے وہ آپ کو اپنے علاقوں میں کاروبار کرنے دیتے ہیں۔ اگر آپ ایک دفعہ ملٹری کی ہٹ بکس میں آگئے' تو کوئی بھی چیز آپ کو نہیں بچاسکے گی۔"

وہ خاموش' بالکل ساکت کھڑا تھا۔ گردن میں بار بار ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی دکھائی دیتی۔ پھر اس نے تیزی سے جھک کر قلم نکالا' نوٹ پیڈ سامنے کیا۔

"کون سی گاڑی ہے' ماڈل اور میک؟ اور کس کے نام ہے؟" وہ تیزی سے قلم کاغذ پہ گھسیٹتا تفصیلات لکھتا گیا۔ دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

فون بند کرکے' ڈبہ وہیں چھوڑے' کوٹ کھینچ کر اتارتا' وہ باہر بھاگا' سیکریٹری گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ تیز تیز کاریڈور میں چلتا لفٹ کی طرف جارہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل پہ کال مل رہا تھا۔

"خاور! فوراً گھر پہنچو۔ ابھی۔"

✡ ✡ ✡

خواب تو روشنی ہیں' نوا ہیں' ہوائیں
جو کالے پہاڑوں سے رکتے نہیں

کمرہ عدالت میں کارروائی روانی سے جاری تھی۔ معزز جج صاحبان توجہ اور خاموشی سے براجمان کٹہرے میں کھڑے گواہ (لارڈ وولڈیمورٹ) کا بیان سن رہے تھے' جس سے استغاثہ کی جانب سے زمر جرح کررہی تھی۔ وہ سرکار بنام ہیری پوٹر کا عینی شاہد تھا۔ اور پیچھے حاضرین کی نشستوں میں روش کے بائیں جانب بیٹھے لوگوں میں سے ایک سعدی بھی تھا جو خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

"تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس وقت مقتول لڑکا قتل ہوا' تب آپ قبرستان میں موجود تھے؟" زمر قلم ہاتھوں میں گھماتی آہستہ آہستہ کٹہرے کے سامنے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔

"جی۔" وولڈیمورٹ نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ایک اسٹوڈنٹ تھا' جو موقع کی مناسبت سے سیاہ چغے میں ملبوس تھا۔

"اور جس وقت ملزم ہیری مقتول کے ساتھ ادھر آیا' آپ قبرستان میں کیا کررہے تھے؟"

"میں جی اپنے والد صاحب کی قبر پہ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔" وہ بڑی ہی مسکینیت سے کہہ رہا تھا۔ سعدی نے کلس کر پہلو بدلا۔ قریب بیٹھی لڑکیوں کا ایک گروپ بمشکل ہنسی روکنے کی کوشش کررہا تھا۔

"آپ تو جانتی ہیں۔" معصوم لارڈ کہہ رہا تھا۔ "کہ ماشاء اللہ یہ ہیری بچپن سے ہی ماہر عملیات تھا۔ سال بھر کی عمر میں اس نے مجھے تعویز کرکے آدھا مار ڈالا' میں تو تب سے جنگلوں میں دربدر بھٹکتا' وحشی کی زندگی گزار رہا تھا۔"

"آبجیکشن' یور آنر!" دفاع کا وکیل کھڑا ہو کر چلایا۔ جج نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"غیر متعلقہ۔" اس نے وجہ بتائی۔

"منظور۔" جج نے گواہ کو تنبیہہ کی "غیر متعلقہ باتیں مت کریں۔"

زمر نے سر ہلا کر سنجیدگی سے سوال کیا۔ "تو پھر عدالت کو بتائیے کہ اس رات کیا ہوا؟"

"ہاں جی' اس رات میں نے اسے اپنے حریف کھلاڑی کے ساتھ قبرستان میں آتے دیکھا تو میں نے پیار سے کہا کہ بیٹا' اس وقت تمہیں بستر میں ہونا چاہیے۔ مگر اس نے کہا کہ انکل' ہمارے معاملے سے دور رہو' اور پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ' اپنے حریف کو قتل کردیا۔ میں تو تب سے ہی حالت سوگ میں ہوں۔"

اور سعدی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس وولڈیمورٹ کا حشر کردے۔ سب کو پتا تھا کہ وہ ہی اصل قاتل ہے' مگر یہ اہل قانون تو قانون سے زیادہ اندھے تھے۔

اسے بھی کٹہرے میں بلالیا گیا۔ زمر نے سوالات کا آغاز اس سے کیا۔ "کیا یہ درست ہے کہ آپ ملزم ہیری کے بہترین دوستوں میں سے ہیں؟"

"جی' یہ بات اتنی ہی درست ہے' جتنی یہ کہ ہیری بے گناہ ہے۔" وہ سامنے کھڑی زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ زمر نے سادگی سے اسے واپس دیکھا۔

"یعنی کہ آپ وقوعہ کے وقت موجود تھے؟"

"آ۔ نہیں۔" وہ گڑبڑایا۔ "مگر ہیری نے مجھے خود بتایا کہ وولڈیمورٹ نے یہ قتل کیا ہے۔"

"آپ یہ اس بنیاد پہ کہہ رہے ہیں جو ملزم نے آپ کو "بتایا" ہے؟"

"مجھے معلوم ہے' وہ سچ کہہ رہا تھا۔"

"یعنی کہ آپ کو معلوم ہوجاتا ہے کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت میں کیا سوچ رہی ہوں؟" وہ سنجیدہ تھی۔ سعدی بالکل چپ ہوگیا۔

"اپنے جوابات میں رائے کا عنصر شامل کرنے سے گریز کیجیے۔" جج نے تنبیہہ کی۔

زمر دائیں سے بائیں چلتی ہوئی کٹہرے کے سامنے آئی۔ سنجیدگی سے سعدی کو دیکھا۔

"کیا آپ کسی چوچانگ نامی لڑکی کو جانتے ہیں؟"

"جی۔ وہ مقتول لڑکے کی گرل فرینڈ تھی اور۔" وہ بے اختیار چپ ہوا۔

"اور ملزم اسی لڑکی کو پسند کرتا تھا' اسی بنا پہ وہ مقتول سے رقابت بھی رکھتا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟"

"آپ اس بات کو غلط رخ۔"

"ہاں یا نہیں' مسٹر رون!" وہ نرم سی سختی سے بولی۔ اس نے چاروناچار کہا۔

"جی ہاں۔"

"اور کیا یہ بھی درست ہے کہ مقتول اور ملزم ایک ہی ٹورنامنٹ جیتنے کے لیے کوشاں تھے' جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان معمولی سا حریفانہ جذبہ بھی تھا؟"

"جی مگر وہ اتنا کم تھا کہ اس کی بنا پہ ہیری اسے قتل نہیں کرسکتا تھا۔"

"اور کیا یہ بھی درست ہے کہ جس دن ہیری کا نام مقابلے کے لیے منتخب ہوا تھا' اس رات آپ اس سے ناراض ہوئے تھے' اور جیلس بھی؟ کیونکہ ہیری کی وجہ سے آپ کی شخصیت ہمیشہ دب جاتی تھی۔"

سعدی کا منہ بے یقینی سے کھلا رہ گیا۔ یہ سب واقعات زمر نے دہرائے تھے رات کو' مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ یوں سوال کرے گی۔

"جی میں صرف جیلس ہوگیا تھا مگر بعد میں ہم ٹھیک ہوگئے اور مجھے اس ذرا سی خفگی کے لیے بھی افسوس ہے۔"

"اور اسی افسوس اور احساس جرم کے باعث آپ بار بار ہیری کی حمایت کررہے ہیں۔"

"نہیں تو۔ میں۔"

"آپ ہیری کی حمایت نہیں کررہے؟"

"میں۔ اس وجہ سے نہیں کررہا۔" مگر وہ سنے بنا جج کی طرف رخ کیے کھڑی ہوئی' سر کو خم دے کر کہا۔

"اتنا کافی ہے' یور آنر!" اور واپس پراسیکیوشن کی میز کے پیچھے جاکر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی۔

"میں یقین نہیں کرپارہا' ججز کے پینل نے ہیری کو مجرم قرار دے دیا۔ حد ہے۔"

فیصلہ آنے کے بعد کورٹ روم سے نکلتے ہوئے وہ خفگی سے زمر سے بولا تھا۔ زمر مسکراتی ہوئی اس کے

ساتھ چلتی جارہی تھی۔ راہداری میں ادھر ادھر گزرتے اسٹوڈنٹس کے سلام کا سر کے خم سے جواب دیتی۔ مطمئن' پرسکون سی۔

"ثبوت اس کے خلاف جاتے تھے اور اس کا دفاع کمزور تھا۔"

"سب کو پتا تھا کہ ہیری بے گناہ ہے' زمر!" گھنگھریالے بالوں والا لڑکا ہنوز خفا تھا۔

"جج فیصلے جذبات پہ نہیں کرتا' ثبوت پہ کرتا ہے۔"

"اور آپ نے کیا کیا؟ پہلے مجھ سے وہ باتیں کہلوائیں جو ہیری کے خلاف جاتی تھیں' پھر جب دیکھا کہ میری حمایت کا جج پہ اثر ہوجائے شاید' تو میری کریڈیبلٹی مشکوک کردی۔ ہیری سے جیلسی والی بات کرکے۔ میرا تو دل ہی ٹوٹ گیا۔"

زمر نے چلتے چلتے مسکرا کر آنکھیں گھما کر اسے دیکھا۔

"تم انگلینڈ جاکر تھوڑے اسمارٹ نہیں ہوگئے؟" مگر وہ خفا خفا سا چلتا رہا تو زمر نے کاغذات کا رول بنا کر اس کے کندھے پہ دھپ مارا۔ وہ ناراضی سے پلٹا۔

"موک ٹرائل ختم ہوچکا۔ حقیقی زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔"

سعدی مسکرادیا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ (دفع کرو ہیری کو' جادوگر کی اولاد نہ ہو تو!)

"آپ کی چھٹی منظور ہوگئی؟"

"ہاں؟" وہ گہری' مطمئن سانس لے کر بولی۔ وہ راہداری سے نکل کر لان تک آچکے تھے۔ اتنے سال کی پڑھائی اور جاب کے بعد یہ چھ ماہ کی چھٹی' یوں لگتا ہے جیسے صدیوں کی تھکن اتارے گی۔ کوئی تو صبح میں بھی جاگوں آفس جانے کی ٹینشن کے بغیر!

"ہوں۔ اور ہاشم بھائی کی بیٹی کی پارٹی میں آرہی ہیں؟" وہ گاڑی تک آتے ہوئے یاد آنے پہ پوچھ بیٹھا۔

"میں بالکل نہ آتی مگر اس دن ابا کورٹ آئے کام سے اور ہاشم مل گیا۔ اس نے خود دعوت دے دی۔ ابا بھرم رکھ لیں گے مگر ان کو بھی وہ میری طرح کوئی خاص پسند نہیں آیا۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بتارہی تھی۔ سعدی "گڈ" کہہ کر بیٹھ گیا۔ ہاشم بھائی کو وہ پسند نہیں کرتی تھی' اس لیے وہ اس ذکر سے کتراجاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن
زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

راہدری میں سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آرہا تھا۔ اندر وہ کھڑا جلدی جلدی ٹائی پہن رہا تھا۔ ابھی مکمل تیار نہیں ہوا تھا اور پارٹی شروع ہونے میں کم وقت رہ گیا تھا۔ آگے چلتے جاؤ تو گول میز آتی۔ اندر مڑ جاؤ تو لاؤنج میں اونچی آواز سے ٹی وی چل رہا تھا۔ ایک صوفے پہ فارس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' گرے کوٹ اور گول گلے کی سفید شرٹ میں ملبوس بیٹھا' بار بار گھڑی دیکھتا' اور کبھی سامنے صوفے پہ بیٹھی ندرت کو جو جیولری پہننے کے ساتھ ساتھ سیم اور سعدی دونوں کو زور سے ڈانٹ کر جلدی نکلنے کا کہہ رہی تھیں پھر توپوں کا رخ سامنے بیٹھی' خفا خفا سی' گھر کے کپڑوں میں ملبوس حنین کی طرف ہوا۔

"کب تیار ہوگی تم؟ ماموں کب سے لینے آئے بیٹھے ہیں۔"

وہ سر جھٹک کر بڑبڑا کر رہ گئی۔ "نہیں جانا مجھے کسی پارٹی وارٹی میں۔ بس اتنا کہا تھا کہ مجھے آج شام علیشا سے ملوانے کوئی اس کے ہوٹل لے جائے' مگر نہیں۔"

ندرت نے اسے نظرانداز کیا اور لینڈ لائن فون اٹھا کر ریسور کان سے لگایا' سیٹ گھٹنے پہ رکھا' نمبر ڈائل کرتے آواز لگائی۔

"سعدی! جلدی کرو' پھپھو لوگ پہنچ گئے ہوں گے۔"

فارس نے چونک کر ندرت کو دیکھا۔ "وہ لوگ بھی مدعو ہیں؟" سرسری سا پوچھا۔

(حنین نے کن اکھیوں سے فارس کا سپاٹ تاثر چہرہ دیکھا۔) "ہوں۔" ندرت اب ہمسائی خاتون سے فون پہ بات کرنے لگی تھیں۔ میٹھے' نرم لہجے میں۔

"السلام علیکم بھابھی۔ جی' میں ٹھیک۔ آپ نے صبح کڑھی بھیجی تھی' میں شکریہ ہی نہیں ادا کرسکی۔ جی۔ آپ نے اتنا تکلف کیا۔ ایک منٹ۔" ریسور کے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھا' غصے سے حنین کو دیکھ کر چلائیں۔ "آہستہ کرو ٹی وی کی آواز۔ آگ لگے اس ٹی وی کو۔ میں کیا کہہ رہی ہوں حنین؟ میں ایک دفعہ اٹھ گئی نا' جوتے لگا لگا کر حشر لگا دینا ہے میں نے۔"

حنین نے تلخی سے ریموٹ اٹھا کر زور سے بٹن دبایا۔ آواز بند۔ سارے اداکار گونگے ہوگئے۔ ندرت واپس نرمی سے فون پہ بات کرنے لگیں۔ وہ ان بھولی ماؤں میں سے تھیں جن کو پورا یقین تھا کہ ریسیور کے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھ دینے سے آواز دوسری طرف بالکل نہیں جاتی۔

فارس نے آنکھیں سیکڑ کر حنہ کو دیکھا۔ "تمہارا موڈ کیسے بہتر ہوگا؟ اٹالین کھانے سے؟"

"اگر اب میں نے اٹالین کھانے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میرا نام حنین نہیں۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"پھر؟"

"علیشا سے ملنا ہے۔ میری دوست' مگر سب مصروف ہیں۔"

ندرت نے بات کرتے کرتے جھک کر جوتا اتارنا چاہا مگر سینڈل کے اسٹریپ بند تھے۔ اب کون کھولے' وہ بھی اس ڈھیٹ اولاد کے لیے۔ واپس کڑھی نامہ سنانے لگیں۔

فارس نے موبائل نکالا' کال ملائی۔

"وارث! تم اور سارہ آرہے ہو نا؟ اوکے' آپا کی طرف آکر ان سب کو لے جاؤ۔ میں حنین کو اس کی دوست کی طرف لے کر جارہا ہوں۔" موبائل بند کیا اور ہکابکا بیٹھی حنین کو دیکھ کر ابرو اٹھائی۔

"دس منٹ میں تیار ہوکر آؤ' ورنہ میں جارہا ہوں۔"

ندرت "نہیں' ہیں" کرتی رہ گئیں' اور وہ کرنٹ کھا کر اٹھی۔ بے یقینی سے فارس کو دیکھا۔

"مگر آپ پارٹی میں کیوں نہیں جارہے؟"

"کیونکہ میں تمہارے ساتھ جارہا ہوں۔"

وہ فوراً" بھاگی' پھر الٹے قدموں واپس آئی' فارس کے کان کے قریب جھک کر معصومیت سے پوچھا۔

"کیا جو ابھی اٹالین کے بارے میں ارادہ ظاہر کیا تھا۔ وہ واپس لے سکتی ہوں؟"

فارس نے صرف گھورا' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر سوری' سوری کہتی اندر بھاگ گئی۔

جلدی جلدی تیار ہوئی۔ عینک اتار کر کانٹیکٹ لینز لگائے۔ (اف آنکھ میں ڈالے نہیں جاتے تھے۔ باربار پھڑک کر باہر نکل آتے۔ بمشکل ڈالے کہ عادت نہ تھی۔ پھپھو کی شادی کے لیے خریدے تھے۔) ماتھے پہ کٹے بال چھوڑ کر باقی کے اطراف میں پن لگا کر کھلے رہنے دیے۔ نیا پرس اٹھایا جو تین ماہ قبل انگلینڈ سے مستقل واپسی پہ سارہ لائی تھی' باہر آئی۔ وارث اور سائرہ آچکے تھے۔

وارث کی گاڑی کے قریب فارس اور وہ کھڑے باتیں کررہے تھے۔ فارس فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

"تم استعفیٰ نہیں دوگے بھلے آج پہلی دفعہ ہی مانگا ہے' مگر مت دینا۔" ساتھ ہی حنہ کی طرف چابی اچھالی۔ اس نے کیچ کی۔ فارس کی گاڑی تک آئی۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر شیشہ کھول دیا۔ ان دونوں کی باتوں کی آواز پہنچنے لگی۔

"میں جس کیس کا آئی او ہوں' اس سے متعلقہ لوگوں کے تعلقات ہیں فاطمی سے' الیاس فاطمی میرا باس۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھے بیچ آیا ہے۔" وارث کے چہرے پہ بظاہر سکون تھا' مگر وہ اضطراب چھپا رہا تھا۔

"تم کس کیس کے آئی او ہو؟"

"ظاہر ہے' یہ میں نہیں بتا سکتا' یہ کلاسیفائیڈ انفارمیشن ہے۔"

"اوکے۔ مگر۔" ندرت' سعدی' سیم باہر آرہے

تھے۔ فارس نے رک کر پریشانی سے وارث کو دیکھا۔
"تم بس ابھی کچھ مت کرنا۔ ہم کل اس بارے میں بات کریں گے۔ ابھی مجھے نکلنا ہے۔ مگر تم استعفیٰ نہیں دو گے۔ ٹھیک ہے نا وارث؟" اس کو تنبیہہ کرتا۔ وہ بار بار دہراتا واپس گاڑی کی طرف آیا۔
وارث سرہلا کر پھیکا سا مسکرایا اور گاڑی کی طرف مڑ گیا۔ فارس اندر بیٹھا' چابی گھمائی' کار ریورس کی' حنین نے دیکھا' اس کا الجھا ہوا چہرہ بے حد فکر مند تھا۔ ایک لمحے کو اس نے ذہن میں دہرایا۔
"الیاس فاطمی۔۔۔ الیاس فاطمی۔" پھر علیشا سے ملنے کا خیال ذہن پہ چھا گیا۔ لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے۔
وہ مگن سی ونڈ اسکرین دیکھنے لگی۔ سڑک کو کاٹتی سفید دھاریاں وقفے وقفے سے گاڑی تلے آکر غائب ہو جاتیں۔ اس نے گنا' تین' تین' تین' ایک' ٹوٹل دس اور پھر سے گنتی شروع۔

☼ ☼ ☼

بنے ہیں اہل ہوس' مدعی بھی' منصف بھی
کسے وکیل کریں' کس سے منصفی چاہیں

سونیا کی دوسری سالگرہ کی دعوت قصر کاردار کے لان کے بجائے لونگ روم اور ملحقہ ڈائننگ روم' ڈرائنگ' سن روم وغیرہ میں منعقد کی گئی تھی۔ سارے دروازے سلائیڈنگ تھے۔ دیواروں میں گھسا دیے گئے۔ گھر کا گراؤنڈ فلور کھلا سا کمرہ بن گیا۔ مہمان ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔
شہرین داخلی دروازے پہ مسکرا مسکرا کر مہمانوں کو ریسیو کر رہی تھی۔ فرشی جامنی میکسی میں ملبوس' اپنا اضطراب چھپانے کی کوشش کرتی' ادھر ادھر ہاشم کو تلاش کرتی' پھر مصروف ہو جاتی۔
سیڑھیوں کے اوپر کمروں کے آگے بنی ریلنگ کے ساتھ سیاہ گاؤن میں ملبوس جواہرات کھڑی تھی۔ سرد' گہری مسکراہٹ کے ساتھ' ایک خاتون سے بات کر رہی تھی۔ بال سمیٹ کر بائیں کندھے پہ ڈالے تھے۔
دفعتاً" ہاشم پیچھے سے چلتا آیا۔ کوٹ کا بٹن کھلا تھا۔ لب بھینچے ہوئے اور آنکھوں میں سختی تھی۔ اس نے
"مجھے اپنی ماں چاہیے کچھ دیر کے لیے۔" کہہ کر جواہرات کی کہنی تھامی اور اپنے ہمراہ آگے لے گیا۔ وہ قدرے حیران' قدرے چونکتی ساتھ کھنچی چلی آئی۔
"ہاشم۔۔۔ یہ۔۔۔"
"شش۔۔۔" وہ اسے اسٹڈی میں لایا۔ خاور پہلے سے موجود تھا۔ جواہرات نے تشویش سے اس کے مقابل کھڑے اسے دیکھا۔
"تم ٹھیک ہو ہاشم؟"
"ابھی؟ بالکل نہیں۔" بالوں میں ہاتھ پھیر کر' گہرے سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا۔ تکان سے ماں کو دیکھا۔
"ہم کس کے لیے منی لانڈرنگ کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔"
جواہرات کا سانس رک گیا۔ "تمہارا باپ جانتا ہے؟"
"اگر وہ جانتے ہوتے تو کیا میں یہاں آپ کو زندہ کھڑا نظر آتا؟" وہ تلخی سے اسے دیکھ کر بولا۔ جواہرات کا سانس بحال ہوا۔
"نیب والے۔۔۔ وہ ہماری کمپنیز کی تفتیش کر رہے تھے۔ مگر ان کو ہماری دہشت گردوں کے گروپ کے لیے کی گئی منی لانڈرنگ کی معلومات مل گئیں۔ کیس کے سربراہ نے کہا ہے کہ انویسٹی گیشن آفیسر سے استعفیٰ لے لے گا' مگر معلوم ہے' وہ کون ہے؟"
"کون؟" وہ یک ٹک اسے دیکھتے بولی۔
"فارس کا سوتیلا بھائی وارث' آگے آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ ڈیڈ تک میری اور آپ کی ان سرگرمیوں کو پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"
جواہرات نڈھال سی ہو کر کرسی پہ گر گئی۔ ماتھوں میں گرا لیا۔
"مسئلہ یہ ہے میم کہ وارث کا باس وہ کیس فائلز ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔" خاور نے کہنا

شروع کیا۔ "وہ خود پہ کوئی آنچ آنے نہیں دے گا۔ ہمیں وارث کو خود چیک کرنا ہو گا۔"
جواہرات نے سر اٹھا کر گلابی پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔
"تو تم نے اسی لیے اپنے باپ سے فارس کے بھائی کو فون کروایا' تاکہ وہ پارٹی میں ضرور آئے؟ اور ابھی ابھی میں نے دیکھا' وہ آیا بھی کھڑا ہے نیچے۔"
"ہم تین دن سے اس کو فالو کر رہے تھے میم! وہ ہاسٹل میں رہ رہا ہے' بیوی اپنی ماں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کا لیپ ٹاپ' فائلز' سب ہاسٹل کے کمرے میں ہوتا ہے۔ وہ ادھر ہے اور میں اس کے ہاسٹل جا رہا ہوں' ہمیں چیک کرنا ہے کہ اس کے پاس کیا کیا ہے اور اس نے کس کس کو دکھایا ہے وہ سب۔"
"اور تم مجھے یہ سب اب بتا رہے ہو؟" وہ پھٹ پڑی' غصے سے دونوں کو دیکھا۔
"کیونکہ کل آپ انگلینڈ سے واپس آئی ہیں اور آپ ابھی مجھے نظر آئی ہیں۔"
جواہرات بپھر کر ہاشم کے سامنے کھڑی ہوئی اور غرائی۔ "تم نے کہا تھا' کچھ نہیں ہو گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم سب سنبھال لو گے' تو پھر یہ سب کیا ہے؟"
"میں کوئی عادی مجرم نہیں ہوں۔ دو سال بھی نہیں ہوئے مجھے یہ کام کرتے ہوئے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اتنی جلدی نظروں میں آجاؤں گا۔"
مگر جواہرات نفی میں سر ہلاتی' اس کو سنے بغیر مضطرب سی بولے جا رہی تھی۔
"ہاشم۔۔۔ ہاشم۔۔۔ اس سب کو ختم کرو۔ اس کا منہ بند کرو' کچھ بھی کرو' مگر جلدی۔" ایک سخت نظر ان دونوں پہ ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔ ہاشم فوراً" خاور کی طرف پلٹا۔
"اس کو بالکل بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس کے ہاسٹل گئے ہو۔ اس کے جانے سے پہلے آجانا' کیونکہ اگر اسے کچھ علم ہوا تو وہ انتقام میں آکر ایسی جنگ شروع کرے گا جو میں نہیں چاہتا۔"
"یس سر!" خاور اس کے ساتھ باہر نکلا۔ دونوں سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ تک آئے۔ ہاشم نے نیچے دیکھا۔ داخلی حصے پہ شہرین سارہ سے مل رہی تھی۔ ساتھ میں دو بچیاں بھی تھیں۔ آٹھ سال کی جڑواں' کشمیری سیب جیسے گالوں والی' شرما شرما کر ماں کے پیچھے چھپتی۔ ہاشم نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ آہستہ سے بولا۔
"وارث کو ہرٹ مت کرنا خاور! اس کے بچے چھوٹے ہیں۔"
خاور اثبات میں سر ہلا کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ داخلی دروازے تک پہنچا تو وارث اندر آرہا تھا۔ اس نے خاور کو روکا۔ وہ رکا' سانس بھی گویا رک گیا۔
"میں سیل فون ساتھ لا سکتا ہوں' مجھے ضروری کال کی فکر ہے۔" موبائل کی طرف اشارہ کیا۔ نپا تلا انداز' غور سے خاور کا چہرہ دیکھتا آیا تھا' مگر کھنچا کھنچا سا تھا۔
"شیور سر!" خاور سر کو خم دے کر آگے بڑھ گیا۔
ہاشم گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرتا' مسکراتا ہوا نیچے آیا۔ وارث کو نظر انداز کیا۔ وہ تب تک چھپتا تھا جب تک مقابل شک میں ہو۔ جب حقیقت کھل جائے' وہ چھپا نہیں کرتا تھا۔ اعتراف کر لیتا۔ اسی لیے وارث سے کوئی بات نہیں کی۔ سارہ کی طرف آیا۔ وہ زمر کے ساتھ کھڑی تھی۔ ازلی سادہ انداز میں کہتی۔
"ڈیڑھ ہفتہ رہ گیا ہے فنکشنز شروع ہونے میں۔ آپ کیسا محسوس کر رہی ہو؟"
"بالکل بلینک۔" زمر نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔ وہ میرون لمبی قمیص پہ پھول دار دوپٹہ کندھے پہ ڈالے کھڑی تھی۔ گھنگھریالے بال کھلے تھے۔ ہاشم نے پشت سے اس کے بال دیکھے اور گھوم کر سامنے آیا۔
"ہیلو سارہ۔۔۔ اور ہیلو ڈی اے۔"
زمر ذرا سا مڑی' مسکرائی' فرصت سے اسے دیکھا۔
"تھینک یو ہاشم! بہت عرصے سے آپ نے مجھ سے کوئی فیور نہیں مانگا۔"
"بہت عرصے سے میرے کسی عزیز کو کرمنل

Litigation کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔" زمر نے سر جھٹک کر جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگایا۔ وہ سارہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کب آئیں انگلینڈ سے؟"

"مجھے تین ماہ ہوئے ہیں ہاشم بھائی! گھر وغیرہ لینے کے چکر میں سارا وقت گزر گیا۔ جاب ابھی اسی ماہ سے شروع کی ہے۔" وہ خوش گواری سے بتانے لگی۔

"تو گھر میں کب شفٹ ہونا ہے؟"

"بس اگلے ہفتے۔" وہ خوش تھی۔ "اب ہم ایک فیملی ہوں گے۔"

ہاشم نے مسکرا کر بچیوں کو دیکھا۔ ایک کا گال نرمی سے چھوا۔ "ان کے نام؟"

"امل اور نور۔" سارہ نے اپنے پیچھے چھپتی نور کو سامنے کرنا چاہا، مگر وہ راضی نہ تھی۔ ہاشم مسکرا کر رہ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد جواہرات کو ادھر لے آیا۔

"زمر! یہ میری ممی ہیں اور یہ ہماری پبلک ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر' زمر یوسف۔" جواہرات مسکرا کر گال سے گال ملا کر اس سے ملی' پھر علیحدہ ہو کر بھرپور اندر تک اترتی نظر ڈالی۔

"سعدی کی آنٹی۔۔۔ ہوں۔"

پھر وہ جواہرات کو ذرا فاصلے پہ کھڑے بڑے ابا سے ملوانے لے آیا وارث ساتھ ہی کھڑا تھا۔ ہاشم بدستور اسے نظرانداز کرتا رہا۔ وہ اپنی عادت سے برخلاف نہیں جاسکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

جائز تھی یا نہیں' تیرے حق میں تھی مگر
کرتا تھا جو کبھی وہ وکالت تمام شد

لفٹ ہوٹل کے مطلوبہ فلور پہ رکی' دروازے کھلے' پرجوش سی حنین اور منہ میں کچھ چباتا بے تاثر سا فارس باہر نکلے۔ آگے کمروں کی راہداری تھی۔ دونوں طرف دروازے' خوابیدہ زرد بتیاں روشن تھیں۔ حنین نے بڑے پیار سے ساتھ چلتے فارس کو دیکھا۔

"تھینک یو ماموں! آپ مجھے میری بیسٹ فرینڈ سے ملوانے لائے۔"

"اٹس اوکے تو کیا کرتی ہے تمہاری فرینڈ؟"

حنین چلتے چلتے رکی۔ قدرے چونک کر فارس کو دیکھا۔ "سوری؟"

"مطلب پڑھتی ہے یا جاب وغیرہ؟" وہ بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔ علیشا کے کمرے کا دروازہ چند قدم دور تھا۔

"پڑھائی تو چھوڑ دی۔ کالج نہیں جاسکی۔ ٹیوشن فیس افورڈ نہیں کرسکتی تھی۔ اب پتا نہیں کیا کرتی ہے۔"

"اور اس کے پیرنٹس کیا کرتے ہیں؟"

"مجھے نہیں پتا' مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ اب کے الجھی تھی۔

"تم نے راستے میں کہا' تم اسے تین سال سے جانتی ہو' مگر تمہیں اس کی بنیادی معلومات ہی نہیں معلوم۔"

"میں نے کبھی پوچھی نہیں۔" وہ دوبارہ چلنے لگے' مگر اب کے فارس مضطرب سا تھا اور حنین الجھی ہوئی تھی۔ روم کے باہر آکر فارس نے کچھ سوچ کر اسے دیکھا۔

"میں اندر آنا چاہوں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہیں درست جگہ لایا ہوں یا نہیں۔"

"شیور!" حنین نے قدرے ناخوشی سے کہتے ہوئے دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھلا اور کھلتا چلا گیا۔ سیاہ شولڈر کٹ بالوں اور سرمئی سبز آنکھوں والی گوری سی علیشا سامنے ہوئی۔ مسکراہٹ لبوں پہ پھوٹتی تھی۔ سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھی۔ جس کے بازو کہنی تک تھے۔ کھلے سے۔ قدرے شرارت' قدرے شرماہٹ سے وہ حنین سے گلے ملی۔ الگ ہوئی۔ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ حنین لب دبائے مسکرا رہی تھی۔

"تم بالکل اپنی ویڈیو جیسی ہو۔" پھر اس نے فارس کو ہیلو کہا اور اندر آنے کی دعوت دی۔

"یہ میرے انکل۔" حنین نے تعارف کروایا۔ پھر اندر آئے۔ فارس عجیب نظروں سے علیشا کو دیکھتا' پھر ادھر ادھر دیکھتا صوفے پہ آبیٹھا۔

حنین گرم جوشی سے بیٹھی اور باتیں کرنے لگی۔ ابھی راہداری کی گفتگو بھول گئی۔ فارس خاموشی سے بیٹھا ان دونوں کو تیز تیز انگریزی میں بولتے اور ہنستے دیکھنے لگا۔ رات کی مناسبت سے کمرے کی ساری زرد بتیاں روشن تھیں۔ علیشا نے اس دوران اٹھ کر روم سروس کال کی' آرڈر دیا۔ واپس آکر بیٹھی تو شائستگی سے فارس سے پوچھا۔

"اور آپ کیا کرتے ہیں؟"

"گورنمنٹ سیکٹر میں جاب۔" وہ بغور اس کو دیکھتا بولا۔ "اور آپ کی جاب کیا ہے۔"

علیشا ذرا ٹھٹکی' حنین کو دیکھا۔ پھر فارس کو اور بولی۔ "میں نیشنل جیوگرافک کے لیے کام کرتی ہوں۔ ہم ایک ڈاکومنٹری بنانے ادھر آئے ہیں۔"

"اور نیشنل جیوگرافک نے آپ کو نوکری دے دی۔ حالانکہ آپ کبھی کالج نہیں گئیں؟"

علیشا نے چونک کر حنین کو دیکھا۔ جس نے بےچینی سے پہلو بدلا تھا۔ پھر فارس کو۔ مسکراہٹ مدھم ہوئی۔

"اگر میں افورڈ کرسکتی تو ضرور کالج جاتی' مگر اس جاب کے لیے ڈگری سے زیادہ میری قابلیت اہم تھی۔"

"اور کیا ڈاکومنٹری بنا رہے ہیں آپ لوگ۔"

"ہم اس شہر کے تاریخی مقامات کو کور کریں گے۔" وہ گردن اونچی کرکے مسکرا کر بولی۔ فارس نے ابرو اٹھا کر اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"اسلام آباد کے تاریخی مقامات کو؟"

"جی۔"

"دیٹس گریٹ' کیونکہ مجھے اپنی زندگی کے تینتیس سالوں میں اسلام آباد میں کوئی تاریخی مقام ملا ہی نہیں۔ کیا آپ کو نیٹ جیوالوں نے نہیں بتایا کہ یہ شہر 60ء کی دہائی میں بنایا گیا ایک مصنوعی شہر ہے؟"

علیشا نے تھوک نگلا۔ "میرا مطلب تھا' تاریخی اہمیت کی حامل عمارتیں' جیسے سپریم کورٹ' پارلیمنٹ' پرائم منسٹر ہاؤس وغیرہ۔"

"تو آپ کون سا کیمرہ استعمال کرتی ہیں؟ ہمیں اچھا لگے گا اگر آپ ہمیں اپنے کیمرے دکھائیں۔" فارس نے ادھر ادھر دیکھا' جیسے کچھ تلاشا ہو۔

حنین بالکل چپ سی ہو کر بیٹھی' باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتی سمجھ نہیں پارہی تھی کہ گفتگو کس سمت جارہی ہے۔

"میں۔۔۔ دراصل کیمرہ ورک نہیں کرتی۔" علیشا کی مسکراہٹ بالکل غائب تھی۔ وہ ذرا رکی اور پھر روانی سے بولتی گئی۔ "میں کمپیوٹرز میں اچھی ہوں۔ مجھے مختلف کمپنیاں اپنی ویب سائٹس کی سیکوریٹی چیک کرنے کے لیے ہائر کرتی ہیں۔ یہ ایک فری لانس جاب ہے۔"

"یہ فقرے مجھے آپ کا پہلا سچ معلوم ہوئے ہیں۔" فارس کے کہنے پر اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں یہ سب گھڑ رہی تھی؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جو آپ گھڑ رہی تھیں۔ اس میں بہت جھول ہیں۔"

حنین پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ علیشا اور فارس نے بے اختیار اسے دیکھا۔ "بیٹھو پلیز۔"

"نہیں۔۔۔ ہمیں پارٹی پر جانا ہے۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے' چلیں ماموں!" اور پھر وہ علیشا کے اصرار پہ بھی نہیں رکی۔ علیشا نے ایک گفٹ پیک اس کے ساتھ کردیا۔ اس نے کھولا بھی نہیں' لب بھینچے' تندی سے ابرو سکیڑے راہداری میں چلتی گئی۔

"وہ اچھی لڑکی ہے۔ مگر وہ بہت کچھ چھپا رہی ہے اور یہ نیٹ جیو والی کہانی بالکل۔۔۔" فارس سنجیدگی سے ساتھ چلتا کہہ رہا تھا کہ وہ طیش سے اس کی طرف گھومی۔

"تھینک یو سو مچ ماموں! میری بیسٹ فرینڈ کے ساتھ وہ کرنے کا جس کا آپ کو حق نہ تھا۔" احساس

توہین سے اس کا چہرہ سرخ دہکنے لگا۔

"میں نے صرف چند سوال کیے تھے۔ مجھے حق ہے کہ میں تمہاری انٹرنیٹ فرینڈ کو چیک کر سکوں۔"

"کیا ایسے کیا جاتا ہے مہمانوں کے ساتھ؟ وہ کتنا ہرٹ ہوئی ہوگی۔ اس سے بہتر تھا کہ آپ مجھے لاتے ہی نہ۔"

"وہ جھوٹ بول رہی تھی اور میں اس کا جھوٹ پکڑ رہا تھا۔"

"کیا میں نے کبھی آپ کی باتیں پکڑ کر پھپھو کو بتایا کہ وہ نوزپن آپ نے ان کو بھیجی تھی؟"

شدت جذبات میں جو اس کے منہ میں آیا بولتی چلی گئی اور احساس ہونے پہ ایک دم چپ ہوئی۔ سانس تک رک گیا۔ فارس نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تعجب' بے یقینی' حتیٰ کہ صدمہ بھی تھا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا جو اب بظاہر خود کو سنبھالے کھڑی' اندر سے ڈر رہی تھی۔

"تم کون ہو حنین؟"

☼ ☼ ☼

ہاں تلخی ایام ابھی اور بڑھے گی
ہاں اہل ستم مشق ستم کرتے رہیں گے

ہلکا ہلکا میوزک پس منظر میں بج رہا تھا۔ ہاشم گلاس پکڑے مسکراتا ہوا لونگ روم کے اس کونے میں آیا جہاں زرتاشہ کھڑی تھی۔ فون پہ بار بار نمبر ملا کر مایوسی سے بند کرتی' سیاہ ساڑھی میں ملبوس' سیاہ بال بالکل شہرزن کے انداز میں کٹے۔ فون بند کرتے ہوئے گردن اٹھائی تو ہاشم کو سامنے کھڑا دیکھا' وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ اس کی آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں اور رنگت سنہری۔

"پریشان ہو؟"

زرتاشہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "فارس معلوم نہیں کدھر رہ گئے۔" پھر قریب کھڑے سعدی کو پکارا۔ "سعدی!"

وہ جو ہنستے ہوئے زمر سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پلٹا اور تابعداری سے چلتا ادھر تک آیا۔ "جی!"

"فارس؟"

"اوہ ہاں۔۔۔ وہ حنہ کو اس کی فرینڈ کی طرف لے گئے ہیں۔ امی نے منع بھی کیا۔ مگر۔۔۔" تب ہی کسی نے سعدی کو پکارا۔ وہ مسکرا کر ہاشم بھائی کو دیکھتا واپس چلا گیا۔

"حنہ؟ اوہ۔۔۔ وہ سعدی کی چھوٹی چالاک بہن۔" ہاشم کو یاد آیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے زرتاشہ کے چہرے پہ چھاتا دبا دبا غصہ دیکھا۔

"یعنی فارس ایک دفعہ پھر کسی اہم موقع سے غائب ہے؟"

"گھر سے پارٹی کے لیے تیار ہو کر نکلے تھے' پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ وہ ہر تقریب پر تو یوں نہیں کرتے۔"

"ہاں' وہ صرف اس تقریب پہ یوں کرتا ہے جہاں یہ ہوتی ہے۔" دھیمے سے کہتے ہاشم نے ابرو سے اشارہ کیا۔ زرتاشہ نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ سعدی اور زمر' جواہرات کے ساتھ کھڑے تھے۔ زرتاشہ نے الجھ کر واپس ہاشم کو دیکھا۔

"یہ تو سعدی کی پھپھو ہے۔"

"اور فارس کی پرانی ٹیچر بھی۔ کیا تم ہی نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ زمر کے والد نے جو تمہاری شادی کی دعوت کی تھی' اس سے بھی فارس تھوڑی دیر بعد غائب ہو گیا تھا۔ اور جب میں نے تم سب کو' زمر سمیت انوائیٹ کرنا چاہا تھا تو اس نے مجھ سے خود کہا کہ مجھے زمر کو نہیں بلوانا چاہیے' صرف گھر کے لوگ کافی ہیں۔"

"تو؟"

"اوہ! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ فارس نے زمر کا رشتہ مانگا تھا مگر کسی وجہ سے انکار ہو گیا۔ سعدی نے ایک دفعہ ممی کو بتایا تھا۔" ہاشم ذرا سے شانے اچکائے۔ زرتاشہ حق دق سنتی رہی۔

"میں نے تو کبھی یہ نہیں سنا۔"

"تمہاری شادی کو ہوئے بھی کتنے دن ہیں؟ صرف پانچ ماہ!"

زرتاشہ نے گردن پوری موڑ کر زمر کو دیکھا۔ زمر اب سارہ سے بات کر رہی تھی۔ نیم رخ دکھائی دیتا۔ گھنگریالی لٹ گال پہ گرتی۔ دمکتا چہرہ مسکراہٹ سے بھرپور۔ ہیرے کی لونگ اسی طرف تھی۔ زرتاشہ نے تندی اور غصے سے واپس رخ پھیرا۔

"او کے۔ مجھے تمہیں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ مجھے یقین ہے ان دونوں کے درمیان اب کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک پرانی بات تھی۔" ذرا وقفہ دے کر گلاس لبوں سے لگایا پھر بولا۔ "یہ ساڑھی اچھی ہے' کیا اسی ڈیزائنر کی ہے جہاں شیری تمہیں لے کر گئی تھی؟"

زرتاشہ کی آنکھوں میں اداسی چھائی۔ گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

"فارس نے کہا' وہ افورڈ نہیں کر سکتے تو میں نے وہ آرڈر کینسل کروا دیا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ بے منٹ شیری کے بل میں ہو جاتی۔ تم نے مجھے بتایا ہوتا۔"

"فارس کو اچھا نہ لگتا۔ رہنے دیں ہاشم بھائی۔" وہ اداسی سے رخ موڑ گئی۔

اورنگ زیب کاردار گزرتے ہوئے سعدی کے پاس کے' (زمر کو دیکھا تک نہیں) صرف تنے ابرو سے اس سے سوال کیا۔ "تمہاری بہن نہیں آئی؟" چہرے پہ تنی' اور سرد مہری تھی۔ سعدی فوراً" سے وجہ بتانے لگا۔ وہ "ہوں" کر کے آگے بڑھ گئے۔ سعدی واپس آیا تو زمر سارہ سے بات کر رہی تھی۔ وہ بور سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا' تب ہی داخلی دروازے سے جگہ چھوڑ کر آتی شہرین پہ نظر پڑی۔ اس نے بھی ایک تیز سخت نظر سعدی پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔ نوشیرواں انگلینڈ ہی تھا' اگر وہ ہوتا تو شاید سعدی پارٹی میں نہ آتا۔

لاؤنج کے کونے میں خاموش کھڑے' سب کو باریک بینی سے دیکھتے وارث کا موبائل بجا۔ اس نے فون نکالا' اور پیغام دیکھا۔ سسٹم آن کا الرٹ آ رہا تھا۔

وارث اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔ اس کا کمپیوٹر اس کے کمرے میں تھا' اور اس کو پیغام بھیج کرتا رہا تھا کہ کوئی اسے آن کر رہا ہے۔ تو کیا کوئی اس کے کمرے میں تھا؟

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ سارہ کے قریب آیا' ہلکی سی سرگوشی کی۔

"میں ایک کال کرنے لان میں جا رہا ہوں' زیادہ دیر ہو جائے تو کہہ دینا کہ میں کہیں آگے پیچھے ہوں۔ اگر جلدی نہ آؤں تو فارس تمہیں گھر لے جائے گا۔"

وہ حیران سی مڑی سمجھ کر اچھا کہا' اور وارث دھیمی رفتار سے چلتا نکل آیا۔ باہر آ کر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ دل میں عجیب سے خیالات آ رہے تھے۔

ڈائننگ ہال کے کونے میں کھڑے بظاہر کسی سے مسکرا کر بات کرتے ہاشم کو علم تک نہیں ہو سکا کہ وہ کب وہاں سے نکلا ہے۔ یہ رپورٹ اسے خاور دیا کرتا تھا' اور خاور نہیں تھا۔ نہ اس کی کوئی کال آئی تھی۔ ہاشم کا بمشکل چھپایا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

جینے کے فسانے رہنے دو' اب ان میں الجھ کر کیا لیں گے؟

ہوٹل کے ریسٹورنٹ ایریا میں زرد روشنیوں نے سحر انگیز سا فسوں طاری کر رکھا تھا۔ حنین اور فارس آمنے سامنے بیٹھے تھے' یوں کہ حنین کا سر جھکا تھا۔ وہ گھر نہیں گئے' یہیں آ گئے تھے۔ اب اپنی زبان کی پھسلن پہ حنین شرمندہ تھی۔

"تمہیں کیسے پتا چلی نوزین والی بات؟" فارس نے سنجیدگی مگر نرمی سے پوچھا۔ حنین نے خفا خفا سا چہرہ اٹھایا۔

"آپ کی گاڑی میں دیکھی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ وہ پھپھو کو "دیوں" بھیجیں گے۔"

"میں نے "دیوں" نہیں بھیجی تھی۔" فارس کے ماتھے پہ عادتاً" بل پڑے۔ "صاف بات کرتا ہوں۔ اس وقت مجھے لگا' میری ان سے شادی ہو جائے گی' اور وہ میری لکھائی پہچان جائیں گی۔ نام اس لیے نہیں لکھا کہ کوئی اور دیکھ کر غلط نہ سمجھ لے۔"

"پھر آپ نے زرتاشہ آنٹی سے شادی کیوں کر لی!"

"کیونکہ تمہاری پھپھو سے رشتے کو انکار ہو گیا تھا۔ بات ختم۔ آپا کہہ رہی تھیں' زرتاشہ سے کر لو' میں نے کر لی۔ میں اس شادی سے خوش ہوں۔"

"مگر میں خوش نہیں ہوں۔" وہ سر جھکائے' کولڈ ڈرنک میں اسٹرا گھماتی روٹھی روٹھی سی بولی۔ "مجھے غصہ ہے پھپھو پہ کہ انہوں نے انکار کیوں کیا؟"

"ان کی والدہ نے انکار کیا تھا۔ ان کو تو معلوم بھی نہیں ہو گا۔"

"میں نہیں مانتی!"

"واٹ ایور حنہ۔ میں یہ صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو' میرا ان سے کوئی افیئر نہیں تھا۔ اب ان کی شادی ہو رہی ہے۔ کوئی بھی بات ہمارے منہ سے ایسی نہیں نکلنی چاہیے جو ان کو ہرٹ کرے۔"

"او کے۔" حنین نے سر مزید جھکا لیا۔ فارس چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"ان کو کہنا' یہ لونگ اب ان پہ سوٹ نہیں کرتی' اس کو اتار کر کوئی اور پہن لیں۔"

"میں نے کہا تھا' آپ کی شادی کے اگلے دن ہی کہا تھا' مگر وہ کہتی ہیں' مجھے اس کی عادت ہو گئی ہے اور میں تبدیلیوں کے ساتھ بہت دیر سے ایڈجسٹ کرتی ہوں سو اسی کو پہنے رکھوں گی۔"

فارس نے سر ہلایا' پیچھے ہو کر بیٹھا' جوس کا گلاس لبوں سے لگایا اور مسکرایا۔ "تم سے تو ڈرنا چاہیے حنین۔"

ہلکا سا مسکرا کر حنین نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اسی لیے آپ علیشا کی فکر نہ کریں۔ وہ کوئی جھوٹ نہیں بول رہی۔ اب ہم چلتے ہیں۔ پارٹی پہ بھی جانا چاہیے۔" وہ اٹھ گئی تو فارس والٹ نکالتا کھڑا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ آئیں تو سرِ مقتل' تماشا ہم بھی دیکھیں گے

یہ شب کی آخری ساعت گراں کیسی بھی ہو ہمدم

وارث غازی کے ہاسٹل کمرے میں اندھیرا تھا۔ خاور ہاتھوں پہ دستانے چڑھائے' کرسی پہ بیٹھا' غور سے اسکرین کو دیکھتا' لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے ڈاکومنٹس کھلتے جا رہے تھے۔ ڈاکومنٹس encrypted تھے' ان کے تالے توڑنے میں وقت لگتا تھا' اور ابھی تو بہت سا کام رہتا تھا۔ بار بار محتاط نظروں سے دروازے کو بھی دیکھتا۔ وہ اندر سے بند کر چکا تھا۔

یکایک باہر جوتوں کی آواز آئی۔ خاور پھرتی سے اٹھا' لیپ ٹاپ آف کیا۔ جو کاپی کر رہا تھا' اس کی فلیش کھینچ لی۔ کھڑکی کی طرف آیا' پھر واپس مڑا۔ اونہوں۔ کھڑکی نہیں۔ وہ قد آدم الماری میں آ کھڑا ہوا' پٹ بند کر دیے' تیار' چوکنا۔ ادھر کوئی الماری کھولتا' ادھر وہ اس پر حملہ کرتا۔

چابی گھمانے کی آواز اسے سنائی دی' پھر دروازہ کھلا۔ ڈیم اٹ۔ یہ وارث ہو گا۔ ہاشم صاحب نے اسے کیوں نہیں بتایا کہ وہ پارٹی سے نکل چکا ہے۔ اسے کوفت ہوئی۔

پٹ کی ذرا سی درز کھولے رکھی تھی۔ وارث اندر آیا' کوٹ صوفے پہ پھینکا' جلدی سے کھڑکی چیک کی' وہ اندر سے بند تھی۔ پھر لیپ ٹاپ کی طرف آیا' اس کی اسکرین اٹھائی۔ وہ بند تھا۔ وارث نے اس پہ ہاتھ رکھا۔ گرم تھا۔ یعنی کہ کوئی ادھر تھا۔

اس نے لیپ ٹاپ آن کیا' اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ساتھ ہی موبائل نکالا کال ملا کر کان سے لگایا۔ خاور نے دروازے کو پکڑے پکڑے آگے ہو کر درز سے جھانکا۔ وارث کی اس کی طرف پشت تھی' وہ اتنا قریب تھا کہ خاور اس کے سانس کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ اپنا سانس اس نے منہ پہ دوسرا ہاتھ رکھ کر گویا دبا رکھا تھا۔

"سر! میں جانتا ہوں' آپ نے مجھے ہاشم کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔" وارث غصے سے فون پہ کہہ رہا تھا۔ "اس لیے اب آپ چاہیں تو مجھے معطل کر دیں' مگر وہ تمام ثبوت اور ریکارڈز ایک دوسری ایجنسی کو بھیج رہا ہوں'

اب ہم دونوں یہ جاننے والے واحد بندے نہیں رہیں گے۔ اب ہاشم اور اس کی ماں کے خلاف انسداد دہشت گردی ایکٹ تلے تفتیش ہونے سے آپ نہیں روک سکتے۔ کیا آپ نے سنا جو میں نے کہا' سر!

اور غصے سے فون بند کر کے میز پہ ڈالا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ غم' غصہ' بے بسی' اس کے وجود سے چھلکتی تھی۔ اب آریا پار' بس اب وہ جو کرے گا' ساری دنیا دیکھے گی۔

وہ ایک فیصلہ کر کے اب ای میل کھول رہا تھا۔ نئی ای میل کا آپشن کلک کیا۔ فارس کا ایڈریس ڈالا۔ لب بھینچے' سوچتے ہوئے وہ ڈاکومنٹس کھولنے لگا اسے کیا کیا بھیجنا تھا؟

خاور کی آنکھیں فکرمندی سے سکڑیں۔ اس نے فارس کے نام کے پہلے حروف پڑھ لیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اس سب کا کیا مطلب ہے۔ بس ایک لمحہ لگایا اس نے فیصلہ کرنے میں' اور آندھی طوفان کی طرح پٹ دھکیلے۔ وارث چونک کر پلٹنے لگا مگر اس سے پہلے ہی خاور نے پستول اس کے سر کی پشت پہ دے مارا۔ وہ اندھے منہ کمپیوٹر ٹیبل پہ جا گرا' اور پیچھے لڑھک گیا۔ لمحے بھر کو سارے میں سکوت چھا گیا۔

خاور جھکا' اور اسے سیدھا کیا۔ اس کی بند آنکھیں کھلیں' وہ کراہا بھی تھا' خاور کو بھی دیکھا۔ آنکھوں میں شدید طیش چھلکنے لگا۔ اس نے خاور کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی۔

"تمہیں ہاشم نے بھیجا ہے نا۔" مگر خاور نے سختی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر موڑے' اسے اوندھے منہ گرایا' کمر پہ گھٹنے سے دباؤ دے کر گرائے رکھا' اور ہاتھ پیچھے کر کے پکڑے۔ بمشکل قابو کیے' جیب سے رسی نکالی جو وہ کسی بھی ایسے موقعے کے لیے ساتھ لایا تھا' ہاتھ باندھے۔ وارث کی آنکھیں سر میں اٹھتے درد کی ٹیسوں کی شدت سے بند ہوئے جا رہی تھیں' مگر وہ خود کو ہوش میں رکھنے اور مزاحمت کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ٹانگ موڑ کر خاور کو دھکیلنا چاہا' مگر خاور اس سے زیادہ مضبوط اور ٹرینڈ تھا۔ اس نے سختی سے اسے پیچھے دبائے رکھا اور اس کی ایڑیاں ایک ساتھ باندھ دیں۔ پھر کھڑا ہوا' کپڑے جھاڑے' بوٹ وارث کی کمر پہ رکھ کر اسے کروٹ لینے سے روکے' اس نے موبائل نکالا۔

ہاشم ابھی تک مسکرا کر وہیں کھڑا کسی سے بات کر رہا تھا جب موبائل بجا اس نے خاور کا نام دیکھا' مسکراہٹ سمٹی۔ وہ معذرت کرتا' تیزی سے اوپر آیا۔ کمرے میں آکر دروازہ بند کیا' اور موبائل کان سے لگایا۔

"ہاں بولو!"

"آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا کہ وہ وہاں سے نکل چکا ہے۔"

"وہ یہاں سے نکل چکا ہے؟" ہاشم نے بے یقینی سے دہرایا۔

"وہ میرے سر پہ آگیا' مجھے اس کو زیر کرنا پڑا۔ وہ فارس کو سارے ڈاکومنٹس ای میل کر رہا تھا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ اس نے تمہیں دیکھ لیا؟" ہاشم دبا دبا سا غرایا۔ چہرہ سفید پڑا تھا۔

"آپ نے یہ فائلز نہیں دیکھی ہیں۔ اس کے پاس سب ثبوت ہیں۔ گواہ ہیں' ریکارڈز ہیں۔ آپ کے سائن شدہ کاغذات اور اگر میں اس کو نہ روکتا تو وہ یہ سب فارس کو بھیج دیتا۔"

"لعنت ہے تمہارے اوپر خاور! ایک کام تم ڈھنگ سے نہیں کر سکے۔" ہاشم کمرے میں چکراتا' غصے سے کہہ رہا تھا۔

وارث نے نقاہت سے گردن موڑی' حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"ہاشم سے کہو' وہ حساب دے گا۔"

خاور نے کوفت اور غصے میں زور سے اس کی پسلی پہ بوٹ کی ٹھوکر ماری۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"اب بتائیے' میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس کا قصہ ختم ہو جائے تو کوئی ثبوت باقی نہیں رہے گا۔"

"نہیں' ہرگز نہیں۔" وہ بے چینی سے بولا' چہرے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ پیشانی پہ ہاتھ رکھے وہ بیڈ کے کنارے

بیٹھتا گیا۔ ارد گرد گویا دھماکے ہو رہے تھے۔

"سر؟ جلدی بتائیں کیا کروں۔"

"ٹھہرو۔ مجھے چند لمحے دو۔ چند لمحے خاور۔" اڑی رنگت اور ویران آنکھوں سے کہتے ہوئے ہاشم نے موبائل کان سے لگائے' دروازہ کھولا۔ ریلنگ کے اوپر کھڑے ہو کر دیکھا۔

لاؤنج کے وسط میں سارہ کی بیٹیاں کھڑی تھیں۔ سارہ زمین پہ جھک کر ان میں سے ایک کے جوتے کا اسٹریپ بند کر رہی تھی' ساتھ ہی نرم خفگی سے اس کو کچھ کہہ رہی تھی۔ یقیناً کوئی ایسی بات جو بچپن میں اس کی ماں اس سے کہا کرتی تھی۔ "کھلے تسمے کے جوتوں سے نہیں بھاگو' تسمہ جوتے تلے آیا تو اوندھے منہ گرو گے۔"

وہ یک ٹک' کمزور' نقاہت زدہ سا ان دو معصوم بچیوں کو دیکھتا رہا' گردن خود بخود نفی میں ہلی۔ کیا وہ ایسا کر سکتا تھا؟ کیا اس کے پاس یہ سب کرنے کی وجہ ان کی معصومیت سے بھی عظیم تھی۔؟

اس کی نگاہیں ان سے گزر کر فاصلے پہ کھڑے اورنگ زیب کاردار پہ گئیں اور پھر ان ہی پہ ٹھہر گئیں۔ وہ ایک سیاست دان دوست کے ساتھ کھڑے ہنس کر کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ خوش تھے یا سیاست کی ریہرسل کر رہے تھے۔ نیا کیریر' نیا جواء۔ کیا وہ اس موقع پہ ان کا کوئی اسکینڈل شائع ہونا افورڈ کر سکتا تھا؟ کوئی افیئر ہوتا' کوئی ناجائز اولاد' تو بھی چل جاتا۔ مگر قبائلی علاقوں کے دہشت گردوں سے تعلقات؟ کبھی بھی نہیں۔

ہاشم واپس کمرے میں آیا۔ فون ابھی تک کان سے لگا تھا۔ خاور منتظر تھا۔ ہاشم نے خود کو کہتے سنا۔

"خاور! اسے خودکشی لگنا چاہیے۔" اور موبائل بیڈ پہ پھینک دیا۔ کوٹ بھی اتار کر ساتھ ہی ڈالا۔

خاور نے حکم سن کر آنکھیں بند کیں' پھر چند گہرے سانس لیے۔ آنکھیں کھولیں۔ بوٹ وارث کی کمر سے ہٹایا۔ جھک کر اسے اٹھایا۔ وہ نیم جاں سا بمشکل کھڑا ہو پایا۔ آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں اور وہ ان کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم کیا چاہتے۔" خاور نے جیب سے رومال نکال کر اس کے منہ میں ٹھونسا۔ میز قریب کی۔ اور وارث کو اس پہ بٹھایا۔ پھر گردن اٹھا کر پنکھے کو دیکھا۔

☼ ☼ ☼

اپنے کمرے میں چلتے ہاشم کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ باتھ روم تک آیا۔ چوکھٹ کو ہاتھ سے تھام لیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ کرب' درد' دم گھٹنے کی کیفیت وہ چند لمحے یونہی کھڑا رہا۔

☼ ☼ ☼

خاور نے بستر کی چادریں اکٹھی کیں۔ گرہیں لگائیں۔ پنکھے کے گرد پھندا سا لٹکایا۔ وارث اس دوران بمشکل میز پہ بیٹھا تھا' یوں کہ گردن بائیں طرف بار بار لڑھکتی اور وہ بار بار اس کو سیدھا کرتا۔ سر کی چوٹ اس زاویے سے لگائی گئی تھی کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ خاور نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اوپر کھینچا' مگر وہ اپنا پورا زور لگانے لگا' خاور نچلے ہونٹوں کو دانتوں سے دبائے' مزید قوت سے کھینچنے لگا۔ وارث کا سر اوپر ہوا' آنکھوں کے سامنے پھندا لہرایا۔ اس نے بے یقینی سے خاور کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں خوف نہیں تھا۔ صرف بے یقینی تھی۔ اور شاید دکھ بھی۔ اور صدمہ بھی۔

☼ ☼ ☼

ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ باتھ روم کا دروازہ دھکیلا۔ اندر قدم رکھے۔ گرماش بڑھی تو خودکار بتیاں خود بخود جل اٹھیں۔ پورا باتھ روم روشن ہو گیا۔

واش بیسن کی جگہ کھلی تھی۔ دو سنک لگے تھے۔ اوپر دیوار گیر شیشہ۔ وہ چوکھٹ چھوڑ کر سلیب تک آیا' دونوں ہاتھوں سے اسے تھاما' اور تھامے تھامے جھک گیا جیسے کوئی الٹی کرتے وقت جھکتا ہے۔

☼ ☼ ☼

خاور نے اسے کھڑا کر لیا تھا۔ اس کی گردن کے گرد

پھندا کستے ہوئے کافی دقت ہوئی کہ وہ مزاحمت کر رہا تھا' خود کو چھڑانے کی کوشش۔ ایک آخری کوشش۔ آخری امید' اوہ۔ زندگی کتنی عزیز ہوتی ہے۔ مگر پھندا کس گیا۔ پکا' زور کا۔ خاو نیچے اترا' ایک طویل اور ٹھنڈی سانس اندر اتاری جو ہڈیوں تک میں گھس گئی' اور پھر۔ زور سے میز کو ٹھوکر ماری۔

☆ ☆ ☆

ہاشم نے آنکھیں اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ وہ سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ وہ جھکا' نل تلے ہاتھ لے گیا۔ پانی کی دھار ابلی۔ ہاتھوں کے کٹورے میں جھیل جمع کی' اسے منہ پہ پھینکا۔ آنکھیں بند کیں۔ بوندیں چہرے سے لڑھکتی' گردن پہ ٹپکنے لگیں۔ شرٹ' کف' سب گیلے ہو گئے۔

خاور ٹھوکر مار کر پیچھے ہٹا۔ وارث نے سر ادھر ادھر مارتے' خود کو چھڑانے کی کوشش کی' چند ایک جھٹکے اور۔ سانس حلق میں آ پہنچا۔ زندگی کی ڈوری ٹوٹ گئی۔ پنکھے کے پھندے سے جھولتی لاش ساکت ہو گئی۔

خاور نے اس کے ہاتھ کھولے' جلدی جلدی پیر بھی علیحدہ کیے۔ رسی کو پلاسٹک بیگ میں احتیاط سے ڈالا۔ منہ میں ٹھونسا کپڑا نکال کر اس بیگ میں ڈالا' اسے سیل کیا۔ اور اس کے کاغذات' لیپ ٹاپ وغیرہ سمیٹنے لگا۔

☆ ☆ ☆

ہاشم سیدھا ہوا تو لیے سے چہرہ تھپتھپایا' بال دوبارہ برش کیے' اور کوٹ ٹھیک کرتا باہر نکل آیا۔ البتہ اس کے چہرے کا رنگ سفید تھا' پٹیوں میں لپٹی بے جان ممی جیسا سفید اور پژمردہ آنکھیں گلابی تھیں۔ سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آیا۔ سارہ اور بچیوں کے قریب سے گزر گیا' نگاہ ملائے بغیر۔

خاور کی واپسی تک پارٹی جاری تھی خاور پہنچ گیا' اور اسے ترچھی نظروں سے دیکھ کر سر اثبات میں ہلایا۔ ہاشم نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ خاور کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ جڑ رہا تھا۔

فارس اور حنین وہاں پہنچ گئے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ حنین آکر سعدی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

"حنین تمہاری دوست سے ملاقات ہو گئی؟" حنین نے ایک خفا خفا سی نظر دور زرتاشہ سے کچھ کہتے فارس پہ ڈالی اور "جی" کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ زمر خاموش ہو گئی' وہ اس کھنچے کھنچے رویے کی عادی تھی' پھر بھی۔

زرتاشہ تندی سے فارس کو دیکھ رہی تھی۔

"عین پارٹی والے دن ہی حنین کو کہیں جانا تھا اور آپ کو ہی لے جانا تھا؟" وہ دبے دبے غصے سے فارس کو دیکھ کر بولی۔

"یہ پارٹیز تو ہر ہفتے ہوتی ہیں۔" اس نے حسب عادت شانے اچکائے۔ ادھر ادھر دیکھا' حنین ذرا دور تھی' زمر ساتھ تھی' اس نے نگاہیں پھیر لیں۔

"اور آپ صرف ان ہی پارٹیز کو کیوں اٹینڈ نہیں کرتے جن میں پراسیکیوٹر صاحبہ ہوتی ہیں۔"

فارس نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا کر پھر بے اختیار حنین کی طرف (کہیں حنہ نے اس سے بھی تو کچھ نہیں کہہ دیا؟) پھر ذرا غصے نے زرتاشہ کو۔ "کیا مطلب ہے اس فضول بات کا؟"

"آپ نے اس کا رشتہ مانگا تھا' نہیں ملا' پھر بھی آپ کے دل میں کیا ہے جو آپ اس سے اعراض برتتے ہیں؟" فارس کے ابرو ناگواری سے سکڑے۔

"میں نے اس کا رشتہ؟ یہ کس نے کہا تم سے ہاں"

"آپ نے نہیں بتایا تو کیا۔ کوئی اور نہیں بتا سکتا؟"

"تم سے کس نے کہا ہے؟" وہ سختی اور طیش سے دبا دبا سا غرایا۔ زرتاشہ ذرا دھیمی ہوئی۔ شوہر کے موڈ کے اتار چڑھاؤ۔ اف

"ہاشم بھائی نے بس اتنا۔۔۔"

فارس نے بغیر پلٹا' اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر گیا' ڈائننگ ہال کی چوکھٹ عبور کر کے دائیں بائیں دیکھا' غصے سے کنپٹی کی رگ ابھر آئی تھی۔

دائیں طرف ہاشم پشت کیے کھڑا کسی خاتون سے بات کر رہا تھا۔ فارس تیزی سے اوپر آیا۔ قریب آکر اس کو مخاطب کیا "خاتون دو منٹ دیں' مجھے بات کرنی ہے۔"

ساتھ ہی سخت نظر ہاشم پہ ڈالی' خاتون تو فوراً ہٹ گئی' مگر ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا ہوا؟"

"تمہیں لگتا ہے مجھے پتا نہیں چلے گا کہ تم کیا کرتے پھرتے ہو میرے پیٹھ پیچھے؟" ہاشم کے حلق میں کچھ اٹکا' ویران نگاہوں سے فارس کو دیکھا' گلاس پکڑے ہاتھ پہ نمی ابھری۔ اسے کیسے پتا چلا؟

"میں واقعی نہیں سمجھا۔"

"میرے بارے میں میری بیوی سے بکواس مت کیا کرو ہاشم!" وہ جتنے غصے سے بولا ہاشم کے تنے اعصاب اتنی تیزی سے ڈھیلے ہوئے' رکا سانس بحال ہوا۔ (اوہ تو یہ بات ہے)

"میں اب تک نظر انداز کرتا آیا ہوں جو ہر وقت تم اسے میری اور اپنی مالی حیثیت کا فرق جتاتے رہتے ہو۔ کبھی میری کسی بات کو نشانہ تنقید بناتا کبھی کسی کو مگر اب مزید یہ نہیں ہو گا تمہارے لیے یہ صرف ایک مشغلہ ہے' مگر اس سے میرا گھر ڈسٹرب ہو رہا ہے آئندہ۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "آئندہ میری بیوی سے دور رہنا ورنہ میں بہت برا پیش آؤں گا۔"

کہہ کر وہ مڑ گیا۔ ہاشم خلاف معمول خاموشی مگر سکون سے اسے جاتے دیکھتا رہا' پھر واپس پلٹ گیا۔ اندر کا سارا اضطراب چھپائے۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو یا کرامات کرو ہو

اگلی فجر ابھی تاریک تھی جب جواہرات کی آنکھ کھلی وہ سیدھی اٹھ بیٹھی گردن موڑ کر دیکھا۔ اورنگ زیب کروٹ لیے سو رہے تھے دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس نے تلخی سے سر جھٹکا' جھک کر سلیپر پہنے اور کھڑکی تک گئی۔ باہر سیاہی تھی' روشنی سے ذرا پہلے کا اندھیرا عجیب گھٹن تھی فضا میں جیسے کوئی تعفن زدہ لاش کسی نے بیچ چوراہے پہ رکھی ہو اور اس کی بو نتھنوں میں گھس رہی ہو جواہرات کی خوب صورت آنکھوں میں ناگواری ابھری' گاؤن پہنا اور ڈوری کو گرہ لگاتی باہر نکل آئی۔

لاؤنج تاریک تھا۔ بتیاں آٹومیٹک تھیں۔ وہ جس جگہ داخل ہوتی وہاں بتی جل اٹھتی اس نے لاؤنج میں قدم رکھے بتیاں جلتی گئیں۔ وہ ڈائننگ ہال تک آئی۔ آگے نکل گئی۔ بتیاں ساتھ ساتھ بجھتی گئیں' اگلی جلتی گئیں ڈائننگ ہال سے پرے ایک اور راہداری تھی اس کے آگے ایک کمرے کا دروازہ بند تھا نیچے درز سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ کنٹرول روم تھا' جواہرات لیجنے سے رکی' آہستہ سے قریب آئی' ساؤنڈ پروف دروازوں سے سننا ناممکن تھا۔ اس نے ہینڈل پکڑ کر گھمایا۔ دروازہ کھلتا گیا۔ ہاشم مضطرب سا ٹہلتا غصے سے کچھ کہہ رہا تھا اور خاور سامنے کھڑا سر جھکائے سن رہا تھا۔

"میں نے کیا بکواس کی تھی؟ اس کو خودکشی لگنا۔" ماں کو دیکھ کر وہ رکا مگر تاثرات نہیں بدلے۔ قریب آیا کہنی سے پکڑ کر حیران پریشان جواہرات کو اندر کیا۔ دروازہ بند کر کے لاک کیا' کرسی کھینچ کر کہا' بیٹھیں۔

وہ نہیں بیٹھی سنگینی محسوس کر کے بے چینی سے اس کا چہرہ تکنے لگی "ہاشم! کچھ غلط ہے' ہے نا؟"

"ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں تھا۔ وارث واحد شخص تھا جس کے پاس ہمارے خلاف ثبوت تھے میں نے خاور کو اوکے کر دیا' خاور نے اسے مار دیا ہے' اور یہ رہے سارے ڈاکومنٹس' اس کی فائلز' اس کا لیپ ٹاپ۔" اشارہ کیا ان پرزوں کی طرف۔

جواہرات بے دم سی ہو کر کرسی پر گر گئی۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا خاور تفصیلات بتاتا رہا' آخر میں اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ گلابی پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔

"کیا اس کی جان لینا ضروری تھا؟ کیا اب ہم قاتل بھی ہو گئے ہیں؟"

"اپنے خاندان کی حفاظت کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں میں۔ بہر حال اب یہ سوچنا ہے کہ آگے

کیا کرنا ہے۔"

"کیا مطلب؟ اس نے خودکشی کرلی' بات ختم۔ ثبوت ہمارے پاس ہیں۔" اس کی حیرانی پر ہاشم نے گھور کر خاور کو دیکھا اس نے سر جھکالیا۔

"خودکشی کب لگے گی وہ۔ اس نے اس کے ہاتھ باندھے۔ اس کے سر پر چوٹ لگائی کمر پہ جو مارا تھا۔ مزاحمت ۔ کے سارے رائی جیسے نشان پوسٹ مارٹم رپورٹ میں پہاڑ بن کر نظر آئیں گے۔ تفتیشی افسر پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر اور کتنوں کا منہ بند کرنا پڑے گا۔ یہ خودکشی نہیں لگے گی۔" جواہرات اٹھ کھڑی ہوئی۔ بے چینی سے پھرتی رہی پھر چونک کر ہاشم کو دیکھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ یہ قتل بھی ہوسکتا ہے ڈاکو آئے سامان لوٹا اور بندے کو مار دیا۔" اس نے چیزوں کی طرف اشارہ کیا جو خاور ساتھ لایا تھا۔

"آسان نہیں ہوگا۔ فارس کبھی بھی اتنے پہ نہیں بیٹھے گا۔" ہاشم بے چینی سے نفی میں سر ہلا رہا تھا' سب خراب ہوتا نظر آرہا تھا۔

"ہاشم! ڈونٹ وری' تم قتل کے وقت پارٹی میں تھے تمہارے پاس alibi (الی بائی) ہے۔" جواہرات اپنی بات پہ خود ہی چونکی۔ ہاشم نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔ خاور نے بھی بے اختیار سر اٹھایا۔

"الی بائی!" ہاشم کسی سوچ میں بھٹک گیا۔ (یعنی کسی شخص کا جرم کے وقت کسی دوسری جگہ پر موجودگی کی شہادت ہونا۔

"مگر۔" جواہرات تیزی سے اس کے قریب آئی اس کی آنکھیں امید سے چمکنے لگیں۔ "فارس پارٹی میں نہیں تھا۔ وہ خاور کی واپسی کے ہی بعد آیا۔ اس دوران وہ جاکر قتل کرسکتا ہے اور واپس آسکتا ہے خاور کے یہاں ہونے کے گواہ ہم دونوں ہوں گے اور ہاشم کی گواہی تو سارے مہمان دیں گے۔"

"فارس۔" وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ "فارس پارٹی میں نہیں تھا' فارس سوتیلا بھائی ہے' فارس قاتل ہوسکتا ہے۔"

"ہمیں یہ سب فارس پہ پلانٹ کرنا ہے۔" جواہرات نے آگے آکر دائیں بائیں ترتیب سے لگی چیزوں کو دیکھا رسیاں' پلاسٹک بیگ میں تھیں "اس پہ وارث کا ڈی این اے ہوگا' یہ سب اگر پولیس کو فارس کے گھر سے ملے تو اسے اپنی پڑجائے گی' وہ کیس کے پیچھے ہی نہیں پڑے گا۔"

ہاشم تذبذب سے سنتا رہا جو اسے اس کی ماں چمکتی آنکھوں کے ساتھ بتا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کہیں نہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا سراغ
نہ دست وناخن قاتل نہ آستین پہ داغ

فجر قضا ہوچکی تھی۔ صبح طلوع ہونے لگی۔ فارس چابی انگلی میں گھماتا ہوا ہاسٹل کی عمارت کے احاطے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ منہ میں گم چباتے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ آج اتوار کی صبح تھی' خاموشی چھائی تھی۔ وہ چلتا گیا چلتا گیا پھر برآمدے میں رکا۔ وارث کے کمرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا ایک دفعہ' دو دفعہ' سہ بار۔

پھر موبائل نکالا۔ کال ملائی فون آف تھا اس نے پھر ملایا۔ ساتھ والے کمرے سے ایک آفیسر نکل رہا تھا۔ فارس نے اسے روکا۔ وارث کا پوچھا۔ وہ فارس کو جانتا تھا۔

"ہاں' وہ اندر ہوگا۔ رات کو آگیا تھا پھر باہر نہیں نکلا۔" فارس نے اب کے ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹایا وہ نوجوان بھی ساتھ ہی کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے وہ کھڑے رہے۔

"وارث۔ وارث۔ دروازہ کھولو۔" وہ قدرے فکرمندی سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ آہستہ آہستہ دو چار مزید لوگ اکٹھے ہوگئے۔ فارس نے سارہ کو کال کی۔

"سارہ! وارث کہاں ہے؟" اسے اپنی آواز گھبرائی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

"میری بات نہیں ہوئی رات سے۔ ابھی اٹھی ہوں' کال کرنے لگی تھی۔ آج ہم نے۔" فارس نے

بات سنے بغیر فون جیب میں ڈالا اور زور زور سے دروازہ کو ٹھوکریں مارنے لگا۔ وہ اندر سے مقفل تھا۔ دو آدمی آگے بڑھے زور سے دروازے کو ٹھوکریں ماریں۔ لوگ ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ تماشا سا لگ گیا۔

تیسرے منٹ میں دروازے کا لاک ٹوٹا اور وہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔ پوری قوت سے فارس اندر گرتے گرتے بچا پھر سیدھا ہوا گردن اٹھائی تب اسے لگا وہ کبھی اپنے پیروں پہ کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

پنکھے کے ساتھ وارث کی لاش جھول رہی تھی۔ اس نے چیخ و پکار سنی مگر کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بھاگ کر سب سے پہلے وارث کے پیر پکڑ کر ذرا اٹھائے۔ گردن کی رسی ڈھیلی ہوئی مگر وہ محسوس کر سکتا تھا۔ یہ ٹانگیں بہت سرد تھیں۔ بے جان۔ فارس پیچھے ہٹا ہاتھوں کو پھیلائے سب کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

"کوئی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے' سب پیچھے۔"

اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا اور وہ اندر داخل ہونے سے سب کو روک رہا تھا سارہ کا فون ابھی بھی ہولڈ تھا۔ اسے بہت سے لوگوں کو خبر دینی تھی کیسے' وہ نہیں جانتا تھا۔

بس جانتا تھا تو ایک ہی بات۔۔ اسے اپنے جسم سے جان سی نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

سب ختم ہو گیا تھا۔

کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے
جو ٹوٹ گیا' سو چھوٹ گیا

تین دن بعد۔

سارہ کی والدہ کے گھر میں سوگواری چھائی ہوئی تھی۔ وارث کے جنازے کو آج تیسرا دن گزر چکا تھا مگر وہاں پھیلی نادیدہ کافوری مہک اور میت کے گھر کی ویرانی برقرار تھی۔ سعدی اندر داخل ہوا تو باہر برآمدے کی ایک کرسی پہ پیر اوپر رکھے حنین بیٹھی تھی گال ہتھیلی پہ جمائے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سعدی کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ قریب آیا۔

وہ ہنوز سامنے دیکھتی رہی۔ آنسو گرتے رہے۔

"بھائی! وہ ماموں تھے فورگرانٹڈ پیار کرتے تھے خیال رکھتے تھے سب فورگر تھا۔ ہمارا حق۔ اچھے لگتے تھے۔ عزت کرتی تھی میں ان کی' ٹھیک ہے' بات ختم۔ مگر۔ تین دن سے میں خود حیران ہوں' میں دکھی سے زیادہ حیران ہوں مجھے آج پتا چلا ہے کہ میں تو ماموں سے بہت محبت کرتی تھی مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں ان کو اتنا مس کروں گی میرا دل ایسے دکھے گا مجھے تو کبھی پتا ہی نہیں تھا بھائی۔ مجھے اٹھتے بیٹھتے ماموں کی شکل دکھائی دیتی ہے' سوتے وقت آخری خیال۔ جاگتے وقت پہلا خیال۔ وارث ماموں۔ بس۔" اس نے بھیگی اجنبی نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ "بس ایک دن چاہیے صرف ایک دفعہ مجھے ماموں سے دوبارہ ملنا ہے اور ان کو بتانا ہے کہ میں ان سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ صرف ایک گھنٹے کے لیے۔ بھائی کیا ہم صرف ایک گھنٹے کے لیے بھی اپنی زندگیوں کو ریورس نہیں کر سکتے۔"

وہ خاموشی سے دیکھتا رہا پھر اٹھ گیا۔ دل ایسے اجڑا تھا کہ لگتا تھا آگے کچھ باقی ہی نہیں رہا دنیا میں۔

وہ اندر آیا۔ کچن میں ندرت کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ ذکیہ بیگم دور بیٹھی آنسو پونچھتی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ سعدی آکر ماں کے ساتھ کھڑا ہوا کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ندرت نے سر اٹھا کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ارد گرد بھری رشتے دار خواتین کو یکسر نظر انداز کیے اس سے پوچھا۔

"سعدی! لوگ اس ترتیب سے کیوں نہیں مرتے جس سے وہ پیدا ہوتے ہیں یہ چھوٹے پہلے کیوں مر جاتے ہیں؟ کیسے واپس لاؤں میں اسے؟"

سعدی کا دل بھر آیا۔ اس نے ماں کے کندھے سے ہاتھ اٹھایا اور مڑ گیا۔

اندر ایک کمرے میں بیڈ پہ سارہ بیٹھی تھی۔ اس کی سعدی کی طرف پشت تھی۔ اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ چوکھٹ پہ رک گیا پھر دیکھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل کے ساتھ وارث کی بیٹیاں کھڑی تھیں۔ اہل چپکے چپکے کہہ رہی

تھی۔

"میرے بابا چلے گئے' اب میں اپنے بابا کو کیسے بلاؤں گی؟ اب مجھے ناشتا کون کرائے گا؟"

نور فرش پہ چوکڑی مار کر کہنیاں گھٹنوں پہ جمائے گالوں پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ ذرا سا سوچا پھر آنکھیں جھپکیں' ہاتھ گال سے ہٹائے سر اٹھا کر بہن کو دیکھا اور چہک کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم بابا کو فون کرلیں گے' وہ ہمارا فون ہمیشہ اٹھاتے ہیں۔" اہل نے اداسی سے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ سمجھتی تھی اور جو سمجھتی تھی وہ چھوٹی بہن کو نہیں سمجھا سکتی تھی۔

نور اٹھی اور سارہ کا موبائل اٹھا کر جلدی جلدی بابا کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

"آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔ برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کریں۔"

"کتنی دیر بعد کروں دوبارہ' سعدی بھائی؟" اس نے چوکھٹ پہ کھڑے سعدی کو پکارا' سارہ سب سن رہی تھی۔ اس کے نام پہ گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ سر جھکا کر آگے آیا۔

سارہ کے سامنے زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھا۔ سارہ نے بھیگی' ویران آنکھوں نے اسے دیکھا۔ اس کی ناک اور گال لال ہو رہے تھے۔

"میرا دل چاہتا ہے سعدی! میں اپنی تمام ڈگریوں کو کہیں پھینک آؤں۔ اتنے سال جن کے لیے میں نے ضائع کر دیے! وہ سال میں وارث کے ساتھ بھی گزار سکتی تھی۔ کیا ہم زندگی کو ریوائنڈ نہیں کر سکتے؟ صرف ایک دن کے لیے۔ ایک سال کے لیے۔ تھوڑا سا زیادہ وقت۔ تھوڑی سی زیادہ مہلت سعدی۔" آنکھیں بند کیں ٹپ ٹپ آنسو چہرے پہ لڑھکتے گئے۔

"خالہ!" اس نے جھکا سر اٹھایا۔ "ہم ضرور ان کے قاتلوں کو ڈھونڈیں گے اور ان کو سزا دلوائیں گے۔" اس کے دل کی یاسیت اور اجڑا پن بڑھ گیا تھا۔

"کیا اس سے وارث واپس آجائے گا؟" پھر سارہ نے خود ہی نفی میں سر ہلایا۔ سعدی لاجواب ہو گیا۔

اس سوال کا جواب اس کے پاس تب نہیں تھا۔ یہ جواب اسے کئی سال بعد ملا تھا۔

☼ ☼ ☼

کون گواہی دے گا اٹھ کر جھوٹوں کی اس بستی میں
سچ کی قیمت دے سکنے کا تم میں یارا ہو تو کہو

بالکونی میں جواہرات اور ہاشم کھڑے تھے۔ دونوں مضطرب مگر بظاہر سکون سے دور انیکسی کی طرف دیکھ رہے تھے جس کے برآمدے میں پولیس کے چند اہلکاروں کے ساتھ فارس کھڑا کوئی بیان دے رہا تھا۔ وہ مسلسل بھنویں سکیڑے کچھ کہے جا رہا تھا اور آفیسر سن رہا تھا۔

"تمہیں وہ چیزیں اس کی گاڑی کے بجائے گھر میں پلانٹ کروانی چاہیے تھیں۔" جواہرات ناگواری سے سامنے دیکھتی بولی۔ ہاشم نے ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں بھول جاتی ہیں کہ اس کا گھر ہماری چار دیواری کے اندر آتا ہے کیا سوچے گا کہ جب کوئی باہر سے اندر سیکورٹی سے گزرے بغیر آ نہیں سکتا تو اس کے گھر تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ گاڑی تو پورے شہر میں گھومتی ہے۔"

مگر جواہرات کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا۔

"کیا اب پولیس اسے گرفتار کرلے گی؟"

"نہیں' لیکن اگر اس نے "خودکشی نہیں قتل' قتل" کی رٹ نہ چھوڑی تو کرنا پڑے گا۔"

جواہرات تعجب سے اس کی طرف گھومی۔ "تو یہ سب کیا ہے؟ یہ تلاشی وغیرہ؟"

"صرف ایک وارننگ۔" ہاشم ہلکا سا مسکرایا پھیکی مسکراہٹ۔

جواہرات قدرے مضطرب سی واپس ادھر دیکھنے لگی جہاں فارس برآمدے میں کھڑا تھا۔ یہاں تک آواز نہیں آتی تھی۔ وہ صرف اس کی حرکات و سکنات سے اندازہ کر رہی تھی۔

"جھوٹ بول رہی ہے وہ سائیکاٹرسٹ۔" فارس بمشکل ضبط کرکے غرایا تھا۔ پولیس آفیسر خاموشی سے

سنتا گیا۔ "وارث نہ کبھی اس کے پاس گیا تھا نہ وہ کبھی اینٹی ڈپریشن دوائیں لیتا تھا یہ سب بکواس ہے یہ ایک قتل ہے اور آپ کو اس کی تفتیش کرنا ہوگی۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق۔"

"میں نہیں مانتا اس رپورٹ کو۔ وہ میرا بھائی تھا' میں نے اسے غسل دیا ہے۔ اس کے جسم پہ تشدد کے نشان تھے۔"

"اور اس کی وضاحت کیسے کریں گے آپ؟" اس نے شفاف پلاسٹک بیگ میں رکھا موبائل اور رسی دکھائی۔ "ہم نے موبائل کے جی پی ایس کو آپ کی گاڑی تک ٹریس کیا اور یہ رسی۔۔۔ یہ سب چیزیں آپ کی گاڑی سے ملی ہیں۔" اس نے زور دے کر دہرایا۔ فارس کے لب بھنچ گئے۔

"تو؟ وہ اس رات ادھر ہی تھا' ہو سکتا ہے وہ اپنا موبائل میری گاڑی میں بھول گیا ہو یا کسی نے اس کو مجھ پہ پلانٹ کیا ہو۔"

"تو پھر کیا ہی اچھا ہو غازی صاحب! کہ یہ ایک خودکشی ہی ہو کیونکہ اگر یہ قتل نکلا تو یہ۔" پیکٹ لہرایا "آپ کے پاس سے برآمد ہوا ہے۔" فارس نے سمجھتے ہوئے اسے گھورتے اثبات میں سر ہلایا۔

"بالکل یعنی کہ میں اس کیس کو فالو نہ کروں ورنہ یہ میرے اوپر ڈال دیا جائے گا تو پھر جائیں' وہ کریں جو کرنا ہے کیونکہ میں تو اس کیس کو نہیں چھوڑوں گا۔"

باہر جانے کا راستہ بازو سے دکھایا۔ وہ خاموشی سے چلے گئے۔ فارس سوچتا کھڑا رہا۔ اس کا غم اب "غصے" کے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

سعدی سارہ کے کمرے سے باہر آیا تو کچن میں گھنگھریالے بالوں کی جھلک دکھائی دی۔ زمر وہاں کھڑی تھی۔ اس وقت ندرت کو دوا دے رہی تھی۔ وہ روز آجاتی پھر ان کے ساتھ رہتی۔ سعدی کو دیکھ کر نرمی سے تسلی دینے کے انداز میں مسکرائی اور پھر باہر آگئی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ برآمدے میں آئے وہاں اب حنین نہیں تھی۔ زمر اس کی جگہ پہ بیٹھ گئی' سعدی ساتھ کھڑا ہو گیا۔

مایوس' شکستہ' پریشان۔

"ہم یعنی فارس ماموں اور میں پراسیکیوٹر آفس گئے تھے مگر وہاں کوئی بھی اس کیس کو شروع کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں پوسٹ مارٹم رپورٹ اور سائیکاٹرسٹ کی رپورٹ کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔"

زمر نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"سعدی! کیا یہ واقعی خودکشی تھی؟"

"زمر! یہ کیسی خودکشی تھی جس میں ماموں کے ہاتھ پہ رسی باندھنے کے نشان تھے' یہ قتل تھا۔ ان کی فائلز غائب ہیں۔ لیپ ٹاپ' فون غائب ہے۔"

"اوکے' میں پراسیکیوٹر بصیرت سے بات کرتی ہوں وہ یقیناً' یہ کیس۔۔۔؟"

"وہ کیوں زمر؟" وہ چڑ گیا' خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ کیوں نہیں؟"

زمر ایک دم رک گئی' اچنبھے سے سر نفی میں ہلایا۔

"میں' میں تو چھٹی پر ہوں۔"

"چھٹی والے دن ہی میرے ماموں قتل ہوئے تھے۔"

"مگر۔ سعدی۔ دیکھو بیٹا۔" وہ ذرا رسان سے کہتی آگے ہوئی۔ "مجھے بہت افسوس ہے' وارث بھائی بہت اچھے انسان تھے۔ بہت وضع دار اور رکھ رکھاؤ والے۔ جس دن سے یہ ہوا ہے ہم سب اپ سیٹ ہیں مگر میں نے اتنے سال بعد اب بریک لی ہے۔ سعدی! میرے پاس روز اتنے قتل کیسز آتے ہیں' میں بہت سوں کو بھگتا چکی ہوں' یہ کوئی بھی دوسرا پراسیکیوٹر لے سکتا ہے۔ میرا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

"ہمیں آپ پہ اعتبار ہے' باقیوں پہ نہیں۔" وہ ضد کر رہا تھا۔

"مگر میں ایک ہفتے میں کیا کر لوں گی؟ پھر شادی کے وقت تو مجھے لازمی چھٹی پہ جانا ہوگا اور۔۔۔" وہ سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

"آپ۔ آپ شادی کیسے کر سکتی ہیں؟"

زمر ایک دم سے رک کر اسے دیکھنے لگی۔ "کیا مطلب؟"

"ہمارا ماموں قتل ہو گیا اور آپ کو اپنی شادی کی پڑی ہے؟"

زمر اٹھ کھڑی ہوئی' سعدی کے بالکل مقابل' وہ اب بھی نا سمجھی سے اسے دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سعدی۔۔۔ میری شادی کل نہیں ہے۔ ابھی آٹھ تو دن ہیں اور یہ تو پہلے سے طے تھا۔ کارڈ بٹ چکے ہیں اب اس ٹریجڈی کے بعد کوئی کوئی دھوم دھام نہیں ہوگی۔ شادی سادگی سے ہی ہوگی مگر حماد کی فیملی میں کتنے لوگ باہر سے چھٹی لے کر آئے ہیں۔ سب تیار ہے اب کینسل تو نہیں ہوگا نا بیٹا! جو ہونا ہے وہ ہونا ہے۔"

"اور ہماری فیملی' زمر؟ ہم کتنے ٹوٹ گئے ہیں ہمارے اس غم میں آپ ہمیں یوں چھوڑ کر شادی کرنے جا رہی ہیں۔" وہ بے یقین تھا اور زمر ابھی تک سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیوں نہیں سمجھ رہا۔

"سعدی امی نہیں رہیں' ابا میری شادی کے بارے میں بہت وہمی ہو گئے ہیں۔ میں 29 سال کی ہوں میری ایک تیار شادی کینسل ہو گئی تھی' امی کی ڈیتھ کی وجہ سے پہلے ہم نے یہ شادی چھ ماہ آگے کی۔ اب دوبارہ تو آگے نہیں ہوگی نا۔"

"آپ اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہیں؟" وہ صدمے میں تھا۔

زمر متحیر رہ گئی بنا پلک جھپکے اس نے سعدی کو دیکھا "خود غرض؟" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

"میں خود غرض ہوں سعدی؟"

"کیا آپ ہمارے لیے اس شادی کو آگے نہیں کر سکتیں؟"

مگر وہ ابھی تک یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ خود غرض۔ خود غرض۔ خود غرض پھر لب بھینچ لیے۔

"ہمیں کسی سے صرف اتنی قربانی مانگنی چاہیے جتنی وہ دے سکے۔"

"مجھے نہیں پتا۔" اسے غصہ آنے لگا۔ "ہمارے خاندان میں ایک قتل ہوا ہے اور آپ پراسیکیوٹر ہیں۔ کیا آپ ہمارے لیے اتنا سا بھی نہیں کر سکتیں؟ ہمارے غموں کا کیا زمر؟"

اور میری خوشیوں کا کیا؟ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی کہہ نہ سکی۔ وہ غصے میں آگے بڑھ گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھا اور پھر پرس لے کر باہر نکل آئی۔

گھر آئی تو بڑے ابا قمیص کے کف بند کرتے آئینے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کہیں جا رہے تھے ساری دوپہر وہ بھی سارہ کی طرف تھے شاید آرام کر کے ادھر ہی جا رہے تھے۔ امی کے جانے کے بعد ذرا کمزور ہو گئے تھے مگر مضبوط رہنے کی اداکاری اچھی کر لیتے اسے دیکھ کر مسکرائے مڑے وہ نہیں مسکرائی نہ مڑی۔ ان کو دیکھتی رہی۔ ان کی مسکراہٹ غائب ہوئی غور سے اس کو دیکھا۔

"تو پھر تم کتنی دیر کی تمہید باندھو گی؟" معلوم تھا وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔

"آپ فضیلہ آنٹی سے کہہ دیں کہ شادی دو ایک ماہ آگے کر دیں۔"

بڑے ابا کے ابرو سکڑے مزید غور سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

"سعدی کے ماموں فوت ہوئے ہیں جوان موت ہے۔ کتنی خود غرضی کی بات لگے گی اگر میں۔۔۔" الفاظ بھرا گئے۔ مگر اسے رونا نہیں تھا۔

"خود غرضی؟" وہ اسے دیکھتے آگے آئے۔ بالکل سامنے "اور کدھر سے آرہی ہیں یہ باتیں؟" دروازے کو دیکھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ "تم فوتگی کے گھر سے آرہی ہو مطلب سعدی نے کہا ہے یہ سب؟"

"اوہ! اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں خود کہہ رہی ہوں۔ شادی آگے جا سکتی ہے موت کی وجہ سے شادی آگے کرنی چاہیے۔ نہیں کی تو خود غرض ہوں گی۔"

"اتنا تیز ردعمل' زمر یعنی واقعی اسی نے کہا ہے تو پھر بالکل خاموش ہو کر میری بات سنو۔" ذرا سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ "اگلی دفعہ جب سعدی کہے کہ شادی آگے کی جاسکتی ہے تو کہنا جب تمہاری دادی فوت ہوئیں تب میری تیار شادی چھ ماہ آگے کردی تھی' اگر وہ کہے کسی رشتہ دار کی موت پہ کی جاسکتی ہے تو کہنا۔ تمہاری دادی کی وفات کے صرف ایک ماہ بعد فارس نے شادی کی اور ہم نے کچھ نہیں کہا اور اگر وہ کہے کہ تم خود غرض ہو تو اسے بتانا کہ اس کی فیس کون دے رہا ہے۔"

"ابا!" اس نے تڑپ کر غصے سے ان کو دیکھا۔

"وہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ میں یہ کیس لے لوں۔"

"یہ تمہاری مرضی ہے مگر میں شادی آگے نہیں کروں گا۔ ندرت سے بھی بات کرچکا ہوں' اس کو کوئی اعتراض نہیں۔ تمہاری شادی پہلے بھی سعدی کی وجہ سے نہیں ہوسکی تھی اور۔۔۔"

"وہ بچہ تھا' اس سے غلطی ہوئی تھی۔"

"وہ اب بھی بچہ ہے۔ اب بھی غلطی کررہا ہے۔" پھر ذرا دھیمے ہوئے "وہ اپنی طرف سے خلوص نیت سے ہی کہہ رہا ہے مگر وہ بچہ ہے۔ اس کو ان باریکیوں کی سمجھ نہیں۔ یہ موضوع ختم ہوا۔" وہ کالر ٹھیک کرتے باہر نکل گئے۔

زمر ان کو دیکھتی رہ گئی۔ ٹی وی پہ کوئی عورت کسی ڈرامے میں کہہ رہی تھی۔

"سچ کہتے تھے لوگ' بھانجوں' بھتیجوں کو پیار دو یا قربانی' وہ اپنی اولاد نہیں ہوتے۔" اس نے کوفت سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔ موبائل پہ کال ملائی پھر بولی تو لہجہ سرد تھا۔

"سعدی! صبح مجھے آفس میں ملو۔ ہاں اپنے فارس ماموں یا جس کے ساتھ بھی آؤ مستغیث جو بھی ہے تب تک میں کیس کی پیش رفت پڑھ لوں گی۔" اور فون بند کردیا چہرے پہ البتہ ناخوشی تھی۔

زمر خوش نہیں تھی۔ بالکل بھی نہیں۔

مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا

یہ خون خاک نشیناں تھا رزق خاک ہوا

آفس میں وہ میز کے اس طرف کنٹرول چیئر پہ تھی سامنے تین کرسیوں پہ وہ تینوں تھے۔ بے چین سا آگے کو ہو کر بیٹھا اکیس سالہ کم عمر سعدی' اس کے بائیں طرف ٹانگ پہ ٹانگ رکھے سوٹ میں ملبوس' موبائل پہ ٹائپ کرتا ہاشم۔ تیسری کرسی پہ جینز اور گول گلے کی شرٹ میں ملبوس پیچھے ہو کر بیٹھا فارس۔ ہاشم چونکہ ان سے مسلسل تعاون کررہا تھا اور وہ ایک پریکٹس کرنے والا وکیل تھا' اس لیے اور خود اس کی پیش کش پہ اس کو ساتھ لائے تھے گو کہ وہ اور فارس آپس میں بات نہیں کررہے تھے۔

"یہ وہ تصاویر ہیں کندھوں پہ نشان' کمر پہ جوتا یا کسی وزنی چیز سے مارنے کے' سر پہ چوٹ' ہاتھ پاؤں پہ رسی باندھنے کے نشان۔"

فارس ایک ایک چیز پہ انگلی لگا کر تصاویر اسے دکھا رہا تھا۔ زمر خاموشی سے ٹیک لگائے بیٹھی اسے سن رہی تھی۔ گھنگریالے بال جوڑے میں بندھے تھے ونگ چمک رہی تھی۔

"اس کا باس اس پہ استعفیٰ کے لیے دباؤ ڈال رہا تھا۔۔۔ فاطمی۔" ہاشم نے بنا چونکے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

"میں نے اسے استعفیٰ دینے سے منع کیا تھا مگر وہ پریشان تھا۔ آپ کو اس کے باس سے تفتیش کرنی ہوگی۔ اس کا لیپ ٹاپ' فائلز سب غائب ہیں۔ وہ یقیناً "جس کیس پہ تفتیش کررہا تھا' اس میں ملوث لوگوں نے اسے مروایا ہے۔" فارس کہہ رہا تھا پورے وثوق سے۔

زمر آگے ہوئی۔ سر اثبات میں ہلایا۔ ایک فائل نکال کر اس کے سامنے رکھی' کھولی۔ انگلی سے صفحہ پہ ایک جگہ دستک دی۔

"دو رسیاں' ایک موبائل فون' ایک کپڑا جو داخل تفتیش ہیں' ثبوت نمبر بارہ' تیرہ' چودہ اور پندرہ۔۔۔ جو کیس کا ریکارڈ ہے' یہ آپ کی گاڑی سے برآمد ہوا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"فارس! اس کیس کو شروع کرنے سے پہلے میں اس بات کا تعین کرنا چاہتی ہوں کہ میں استغاثہ ہوں یا دفاع۔ اس لیے فی الحال ایک اٹارنی کی حیثیت سے میں ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ آپ کا جواب اٹارنی کلائنٹ پریولیج کے تحت محفوظ رہے گا۔"

(اٹارنی کلائنٹ پریولیج یعنی موکل بتائی گئی کوئی بات چاہے وہ اعتراف جرم ہی ہو' وکیل کسی کو حتیٰ کہ پولیس کو بھی نہیں بتا سکتا' پریولیج توڑنے کی صورت میں وکیل کا لائسنس منسوخ ہوجائے گا اور وہ ساری زندگی وکالت پریکٹس نہیں کرسکے گا)

"اوکے!" فارس نے اچنبھے سے اسے دیکھ کر سر ہلایا۔ ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ وہ جانتا تھا گفتگو کدھر جارہی ہے۔ اس نے سعدی کا کندھا تھپکا۔ "ہم باہر چلے جاتے ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فارس نے زمر کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ سعدی نے ناسمجھی سے سب کو دیکھا۔ زمر آگے ہوئی۔ سنجیدگی سے فارس کو دیکھا۔

"کیا آپ نے اپنے بھائی وارث غازی کا قتل کیا ہے؟ یا کیا کسی بھی طرح آپ اس قتل میں ملوث ہیں؟"

سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔ فارس کے جبڑے بھنچ گئے ہاشم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ (انٹرسٹنگ)

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" وہ رکا۔ اسے واقعی صدمہ ہوا تھا۔ "آپ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کو مار سکتا ہوں؟"

"فارس! آپ قانون بھی جانتے ہیں اور تفتیش کا طریقہ کار بھی۔ آپ نے بھی بہت سی تفتیش اس طرح شروع کی ہوں گی اور آپ خاموش ہیں۔" اس نے جذباتی ہو کر کچھ کہتے سعدی کو سختی سے ہاتھ اٹھا کر خاموش کرایا مگر وہ چپ ہونے پہ آمادہ نہیں تھا۔

"پھپھو! آپ یہ کیا۔۔۔"

"میں اس وقت آپ کی پھپھو نہیں ہوں سعدی' میں پراسیکوٹر ہوں' میں بالکل بھی مداخلت برداشت نہیں کروں گی اگر آپ نے دوبارہ ٹوکا تو میں آپ کو باہر جانے کا کہہ سکتی ہوں۔" وہ خاموش ہو کر پیچھے ہوگیا البتہ بار بار فارس کو دیکھتا تھا۔ وہ فارس کی طرف متوجہ ہوئی۔ سنجیدہ' سپاٹ۔

"تو پھر یہ آپ کی کار سے کیوں برآمد ہوئے؟"

"کسی نے مجھے سیٹ اپ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"اوکے۔" زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سو میں اس بات کو سچ سمجھوں کہ آپ اس قتل میں ملوث نہیں ہیں۔"

"وہ میرا بھائی تھا میڈم پراسیکوٹر! میں اپنے بھائی کو قتل کیوں کروں گا؟"

"کیا بس یہی ڈیفنس (دفاع) ہے آپ کا؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولی جیسے مایوس ہوئی ہو۔

فارس خاموش رہا۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ زمر اس کی طرف ہے۔ خلاف نہیں۔ وہ دھیما پڑا۔

"نہیں' میرے پاس alibi (ایلی بائی) ہے۔ میں اس وقت حنین اپنی بھانجی کو اس کی دوست کی طرف لے کر گیا تھا ایک ہوٹل میں۔ یقیناً "ہوٹل کے سی سی ٹی وی کیمرہ میں میرے آنے اور جانے وغیرہ کا وقت ریکارڈ ہوگا۔ اور میں اس لڑکی کو گواہ کے طور پہ بھی پیش کرسکتا ہوں۔"

"اب یہ ہے بہتر ڈیفنس!" زمر نے سر ہلاتے ہوئے نوٹس لیے پھر اسے دیکھا۔ "آپ کو مجھے اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہوگا۔ میں یقین دہانی کے بعد ہی کیس plead کروں گی۔"

"اوکے۔ کل تک اسے ادھر لے آؤں گا یا آپ کو ادھر لے جاؤں گا۔ ڈن؟"

"شیور!" زمر نے چند اور نوٹس لیے پھر سر اٹھا کر سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "پولیس نے آپ کو گرفتار نہیں کیا' گاڑی سے یہ سب ملنے کے باوجود بھی۔" ان چیزوں کی تصاویر کی طرف اشارہ کیا۔

"کیونکہ میرا خیال ہے' یہ وارننگ تھی کہ میں اسے خود کشی سمجھ کر بند کردوں ورنہ وہ اسے میرے اوپر ڈال دیں گے۔"

"ہوں' اب ہم کس سمت بڑھ رہے ہیں۔" تب ہی ہاشم کھنکھارا۔

"آئی ایم شیور' فارس بے گناہ ہے۔" ساتھ ہی فارس کے تاثرات دیکھے۔ وہ ذرا نرم ہوئے۔ سر کے اثبات سے ہاشم کی بات کی تائید کی اور اٹھ گیا۔

"ہر چیز کے لیے شکریہ میڈم پراسیکیوٹر!" اور فارس باہر نکل گیا۔ سعدی قدرے بے چین' قدرے الجھا ہوا تھا' زمر سے بات کرنے کے لیے لب کھولے مگر پھر رعب کھایا گیا' وہ بغیر کچھ کہے باہر چلا گیا۔

ہاشم سب سے آخر میں اٹھا۔ مسکرا کر زمر کو دیکھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے' کیا فارس بے گناہ ہے؟"

وہ سامنے پھیلے صفحے سمیٹتے ہوئے ذرا شانے اچکا کر بولی۔ "میری رائے میٹر نہیں کرتی۔"

"کم آن' اب تو ہم دوست ہیں۔"

"نہیں۔ ہم بالکل بھی دوست نہیں ہیں۔" زمر نے سنجیدگی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "بہرحال میرا خیال ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔"

ہاشم کے گلے میں پھندا سا لگا۔ بہرحال وہ مسکراتا رہا۔ "اور کس بات سے آپ کو یہ لگا؟"

"قتل کیس میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ قاتل' مقتول اور وجہ قتل۔ اس تکون میں قاتل کی جگہ فارس فٹ نہیں آتا۔ کیونکہ اس کے پاس اپنے بھائی کو مارنے کے لیے کوئی وجہ' کوئی مقصد نہیں ہے۔ وہ کیوں مارے گا وارث غازی کو؟"

"ہوں۔" سر اثبات میں ہلاتے' ہاشم مڑ گیا۔ مڑتے ساتھ ہی چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی' اور اس کی جگہ سختی نے لے لی۔ خود پہ سو دفعہ لعنت بھیج کر وہ باہر نکلا۔

"آخر اتنی اہم بات وہ کیسے مس کر گیا؟"

فارس اور سعدی باہر کھڑے تھے۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا' ان تک آیا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

"ڈی اے کو تمہاری بات پہ یقین ہے فارس۔ اب تمہیں اس کو اپنے الی بائی سے ملوانا ہے بس۔" ذرا رک کر سوال کیا۔ "تمہاری بھانجی کی دوست کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟" وہ ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"وہ امریکن ہے۔ گوری۔ ہوٹل میں رہ رہی ہے۔ کل ملوادوں گا میڈم سے اس کو۔" وہ ناخوش لگ رہا تھا۔

"کیا نام ہے اس کا؟"

"علیشا۔" سعدی نے جواب دیا۔ وہ اب اداس اور مضمحل — سا فارس کے پیچھے جا رہا تھا۔ اس ساری کارروائی سے قطعاً "ناخوش نہیں لگ رہا تھا۔

ہاشم لب بھینچے' بے تاثر نگاہوں سے اسے جاتے دیکھے گیا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کر غائب ہوئی۔ اس نے ہلکا سا سر جھٹکا' گویا کہ نظر انداز کرنے کی کوشش کی' مگر۔ ذہن میں کچھ کھٹک گیا تھا۔ "علیشا۔ امریکن۔"

"ہے' سعدی!" اس نے اسے پکارا۔ دور جاتا سعدی پلٹا۔ دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"فارس سے کہو' مجھے اپنی الی بائی کا نام' ہوٹل کا پتا وغیرہ ٹیکسٹ کرے' میں اس کریڈیبلٹی چیک کرلیتا ہوں' کورٹ میں ہر زاویے سے اسے جج کیا جائے گا۔"

"اوکے!" سعدی مڑ گیا فارس دور جا رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چلا گیا۔

ہاشم وہیں کھڑا ان کو دیکھتا رہا۔ پھر موبائل نکالا' کال ملائی۔

"خاور۔ کچھ دیر میں ایک عورت کا نام اور ہوٹل کا پتا ٹیکسٹ کرتا ہوں۔" "مجھے اس کے بارے میں اتنی معلومات چاہئیں جتنی اس کی سگی ماں کو بھی نہ ہوں۔" کر خنگی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

چار سال بعد۔

حماد اور سعدی کے مشترکہ رشتہ دار کی شادی کے فنکشن میں کھڑا ہاشم بنا کسی کر خنگی کے' مسکرا کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کے مخاطب نے قہقہہ لگایا تو ماضی میں کھوئی حنین چونکی' ارد گرد دیکھا۔ وہ رنگوں اور روشنیوں سے سجے فنکشن میں کھڑی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے پیالے کا ٹھنڈا میٹھا گرم ہو گیا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی واپس اپنی میز تک آئی۔ سست روی سے بیٹھی۔ زمر اب وہاں نہیں تھی۔ حنین نے ذرا کی ذرا گردن موڑی۔ وہ قدرے فاصلے پہ جواہرات کے ساتھ کھڑی تھی۔ حنین کی "رشتے کو انکار کرنے والی بات۔" پہ ابھی تک اسی کے وہی تاثرات تھے۔ شاکڈ' سوچ میں ڈوبی ہوئی۔ حنین نے ہونہہ کر کے رخ موڑ لیا اور سوفلے کھانے لگی۔

"کیا تم یہ سوچ رہی ہو کہ یہاں آکر تم نے غلطی کی؟" جواہرات نے مسکرا کر' نزاکت سے اپنے بال انگلی سے ہٹائے اور ساتھ کھڑی زمر کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ خود بین گلے والے لمبے آف وائٹ گاؤن میں ملبوس تھی اور ہمیشہ کی طرح جوان اور ترو تازہ لگ رہی تھی' زمر نے دور دلہا دلہن کو دیکھتے شانے اچکائے۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

"آئی ایم سوری' اس دن سونیا کی سالگرہ پہ بھی میں نے ایسی ہی بات کر کے تمہیں دکھی کر دیا تھا۔" جواہرات نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ زمر پھیکا سا مسکرائی' بولی کچھ نہیں۔

"میں دانستہ طور پر تمہیں احساس دلانے کو ایسی باتیں کر جاتی ہوں۔ تم خود دیکھو اپنے آپ کو۔ اس شخص کے پیچھے تم خود کو ضائع کر رہی ہو۔ ڈپریشن ایک مرض ہے اور تم اس سے صحت یاب نہیں ہو سکیں۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ زمر پھر سے سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات رقم تھے۔

"تم کبھی آگے نہیں بڑھ سکو گی اگر تم فارس سے انتقام نہ لو۔ وہ اس سب کا ذمہ دار ہے اور وہ آزاد گھوم رہا ہے۔"

"میں نے چار سال انتظار کیا کہ شاید کورٹ اس کو سزا دے' مگر۔ مگر وہ کل بھی سب کی نظر میں بے گناہ تھا' آج بھی وہ بے گناہ ہے۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"تو پھر اب کیا کرو گی؟ خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ گی؟" وہ احتیاط سے زمر کے تاثرات دیکھتی ضربیں لگا رہی تھی۔

"اونہوں۔ اب میں اپنا انتقام خود لوں گی۔" وہ سرد اور سپاٹ سی ہنوز دولہا دلہن کو دیکھ رہی تھی۔ جواہرات کی آنکھیں چمکیں' ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔

"تم کچھ پلان کر چکی ہو۔ میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں اگر تم چاہو تو۔ آخر فارس نے بے وجہ تم پہ اتنا ظلم۔"

"وجہ تھی اس کے پاس۔" زمر نے رخ پھیر کر جواہرات کو دیکھا۔ "اس کا رشتہ میرے پیرنٹس نے ٹھکرایا تھا' وہ یہی سمجھا کہ میں نے ٹھکرایا ہے سو اس نے مجھے ایسا بنا دیا کہ میں ہمیشہ کے لیے ٹھکرا دی جاؤں۔

جواہرات نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "آئی ایم سوری۔"

"میں نے اس کی تمام کیس فائلز پراسیکیوٹر بصیرت سے مانگ لی ہیں۔"

جواہرات کے حلق میں کچھ اٹکا۔ بظاہر مسکرا کر اس نے حیرت سے کہا۔ "مگر۔ تم قانون سے مایوس ہو' پھر اس کیس کو ری اوپن کرنے کا فائدہ؟"

"ری اوپن نہیں کرنا' صرف پڑھنا ہے اور دیکھنا ہے کہ اس میں کوئی چنگاری باقی ہے یا نہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ میرے دل کی طرح یہ کیس بھی مردہ ہو چکا ہے۔ یوں میری حجت تمام ہو جائے گی۔"

"اوہ۔ تم خود کو مطمئن کرنا چاہتی ہو کہ انصاف کا راستہ چھوڑ کر انتقام کا رستہ تم نے قانون سے مکمل مایوسی کے بعد اپنایا؟" جواہرات کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ دلچسپی بڑھ گئی۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ارد گرد کے لوگوں سے

بے نیاز وہ دونوں مدھم آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"تو۔ اس کے بعد تم کیا کرو گی؟"

"مسز کاروار' جب یہ سب ہوا تھا' اور میں نے فارس کو اپنا ملزم نامزد کیا تھا' تب کسی نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ اگر کورٹ اس کو سزا دے دیتا' تب بھی سعدی' ابا' حنین' سب کو یہ ظلم لگتا۔ لوئی کبھی نہیں مانے گا کہ فارس نے یہ سب میرے ساتھ کیا۔ اس نے مجھے اس جرم کی سزا دی جو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔"

"اور اب تم کیا کرو گی؟"

زمر نے گال پہ آئی گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹی' ذرا مسکرا کر جواہرات کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "میں اس کو ایک ایسے جرم کی سزا دوں گی جو اس نے نہیں کیا ہو گا۔ اور میں اس کو اس سب میں اس طرح پھنساؤں گی کہ سعدی' بڑے ابا' سب اسے مجرم مانیں گے۔"

"مگر۔ زمر۔ کسی کو سیٹ اپ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ تمہیں اس کے لیے فارس کے پل پل کی رپورٹ چاہیے ہو گی۔ اس کے بینک اکاؤنٹس' کریڈٹ کارڈز' کانٹیکٹس' کمپیوٹرز' ہر شے تک رسائی چاہیے ہو گی اور سب سے بڑھ کر آخر میں تمہیں خود اس سے نکلنے کا محفوظ راستہ چاہیے ہو گا تاکہ کوئی تم پہ شک نہ کر سکے۔ یہ سب تم کیسے کرو گی؟"

جواہرات ذرا الجھی تھی۔ زمر کی مسکراہٹ میں مزید تلخی آ گئی۔

"ہے ایک طریقہ' مگر اس پہ خود کو راضی کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے۔"

جواہرات نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیسا طریقہ؟"

وہ جواب میں اتنا آہستہ بولی کہ جواہرات کو بمشکل سنائی دیا۔

"In Sickness and in health
Till Death do us apart"

(بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے حتیٰ کہ موت ہمیں جدا کر دے)

جواہرات بالکل سن رہ گئی۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

"تم۔ ایسا نہیں کر سکتیں۔"

"میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ اسے مجھ سے شادی کرنا تھی' جو نہیں ہوئی اور اس نے میرے ساتھ جو کیا وہ پوری دنیا نے دیکھا۔ بس کچھ دن لگیں گے' پھر میں خود کو راضی کر لوں گی اس شادی پہ' اور اس کے بعد جو میں اس کے ساتھ کروں گی' وہ بھی پوری دنیا دیکھے گی۔"

"تم اپنی زندگی کے ساتھ اتنا بڑا جوا کیسے کھیل سکتی ہو؟"

"میری زندگی تھوڑی سی رہ گئی ہے مسز کاروار۔ چار سال تک تو یہ گردے چل گئے' مگر اب شاید ہی مزید چار سال چلیں۔ اس تھوڑی بہت زندگی میں مجھے بس ایک کام کرنا ہے۔ سعدی اور ابا کو دکھانا ہے کہ میں سچ بول رہی تھی' اور فارس کو اس کے کیے کی سزا دلوانی ہے۔ بس۔"

جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ "اوہ اور تم یہ سب اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو مجھے نہیں بتا رہیں۔ تمہیں میری مدد چاہیے' ہے نا۔"

زمر ہلکا سا مسکرائی۔

"میں آپ کے ساتھ اپنے دل کا بوجھ کیوں ہلکا کروں گی' آف کورس مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

مکمل ناول

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز تھا۔ فارس غازی اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف غازی کا بھانجا ہے جو اپنے ماموں فارس غازی سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ سعدی یوسف کی والدہ نے کڑی مشقت کر کے بچوں کی پرورش کی ہے' حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر سعدی یوسف کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ فارس غازی' سعدی یوسف کا ماموں ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کاردار کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ ہاشم سونیا کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کاردار کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے'

رہائش پذیر تھا۔ فارس غازی کے جیل جانے کے بعد اس کا پورشن مقفل ہے۔

سعدی یوسف کے لیے وہ دن خوشیوں سے بھرپور تھا جب اسے فارس غازی کے رہا ہونے کی خبر ملتی ہے۔

ہاشم نے یہ خبر سن کر عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے اس کا حساب دینا ہوگا۔ فارس غازی جیل سے نکلتا ہے تو سعدی یوسف ان کا منتظر ہوتا ہے۔ فارس اس سے قبرستان چلنے کو کہتا ہے۔ قبرستان جاکر فارس دو قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہے۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے سعدی کا موبائل لے لیتا ہے۔ قبرستان میں وہ کسی کو فون کرکے کوئی ہتھیار منگواتا ہے۔

ہاشم کاردار، زمر کو اپنی بیٹی سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دینے کے ساتھ سعدی کا کارڈ بھی زمر کو دے دیتا ہے۔

زمر کے والد کو اپنے پوتے سعدی یوسف سے بہت محبت ہے۔ وہ زمر سے کہتے ہیں، سعدی کو لکڑیہ پرورش کرنے ان کے گھر جائے۔ وہ پھول لے کر کارڈ دینے سعدی کے گھر جاتی ہے۔ زمر کو دیکھ کر سعدی کے ساتھ تمام گھر والے حیران ہو جاتے ہیں۔ زمر، سعدی کو سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دیتی ہے۔

زمر کے جانے کے بعد سعدی نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔ اسی وقت ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔ اس نے ہوٹل میں ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگایا تھا۔ وہ اس کے لیپ ٹاپ سے ڈیٹا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سعدی نے جب بیگ سے ٹیبلٹ نکالا تو اسے پریس کرنے کے بعد اسکرین پہ پیغام آیا کہ آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے "کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟" سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اسکرین پہ دوسرا پیغام دیکھ کر سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا کہ "پاس ورڈ داخل کریں" سعدی کے پاس پاس ورڈ نہیں تھا۔

سعدی یوسف، ہاشم کاردار کی سابقہ بیوی شہرین سے ایک شاپنگ مال میں مل کر کہتا ہے۔ مجھے آپ سے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ شہرین، سعدی سے کہتی ہے کہ "تم کیا کرنے جا رہے ہو؟" سعدی زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے کہ "ہاشم بھائی نے جو ہم سے چرایا تھا میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔"

شہرین نوشیرواں کے پاس جاکر کہتی ہے کہ سونیا کو اس کی اور ہاشم کی ہنی مون کی پکچرز چاہئیں۔ یہ جھوٹ بول کر نہایت چالاکی سے شہرین نوشیرواں سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

حنین یوسف پر اس کی دوست کی وجہ سے کمرہ امتحان میں نقل کا الزام لگتا ہے ٹیچرز حنین سے کہتی ہیں کہ اس پر کیس بنے گا اور وہ تین سال تک پیپرز نہیں دے سکتی۔ وہ حنین کو آفس میں بٹھا کر چلی جاتی ہیں تو حنین کی نظر میز پہ سپرنٹنڈنٹ کے پرس کے ساتھ رکھے موبائل پر پڑتی ہے۔ حنین موبائل اٹھا کر دھڑکتے دل سے ہاشم کا نمبر ملا کر اسے تمام صورت حال سے آگاہ کرتی ہے۔ ہاشم کچھ دیر بعد ہی امتحانی مرکز میں پہنچ جاتا ہے اور کمال ہوشیاری سے حنین کو مشکل وقت سے نہ صرف نکلواتا ہے بلکہ حنین کو پیپر مکمل کرنے کے لیے ٹیچرز سے ایکسٹرا ٹائم بھی دلواتا ہے۔

پیپر دینے کے بعد حنین ہاشم کا شکریہ ادا کرتی ہے اور ہاشم سے کہتی ہے۔ کہ سعدی بھائی کو اس معاملے کے بارے میں مت بتائیے گا۔ ہاشم حنین سے پارٹی میں آنے کا پوچھتا ہے۔ جس پر حنین کہتی ہے کہ پارٹی میں ہم سب آئیں گے۔

قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ روشنیاں، قہقہے، سیاہ اور سنہری امتزاج سے سجی سونیا کی سالگرہ کی تقریب کی رونق عروج پر تھی۔

حنین سنہری فراک میں جبکہ سعدی، اسیم اور زمر سیاہ سوٹ میں ملبوس تقریب میں شریک تھے۔ شہرین ان کی میز کے پاس آکر زمر کو ڈی اے کہہ کر پکارتی ہے اور سعدی سے رسمی سا حال احوال پوچھ کر کمال مہارت سے فیب پکڑا کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔ سعدی فیب کو کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر سوچتا ہے کہ آدھا کام ہو گیا مگر ابھی پاس ورڈ لینا باقی ہے۔

جواہرات دو، تین خواتین کے ساتھ سعدی اور زمر کی میز کی طرف آتی ہے۔ جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کرواتی ہے پھر سعدی یوسف کا تعارف بھی کروا کر سعدی سے کہتی ہے کہ وہ اپنا شجرہ نسب ان خواتین کو بتائے۔ نوشیرواں

تھوڑے فاصلے پر کھڑا تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی سمجھ جاتا ہے کہ جواہرات اس وقت نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتار رہی ہے پھر سعدی اپنا شجرہ نسب ایسا بتاتا ہے کہ جس سے نوشیرواں کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور جواہرات کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اسی دوران جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کے سابقہ منگیتر حماد کا ذکر چھیڑ دیتی ہے، جس کی وجہ سے زمر دو سربر ہو جاتی ہے۔

شہرین بڑی ہوشیاری سے سعدی کو پاس ورڈ بتا دیتی ہے۔

دوسری جانب زمر کا گیسٹ روم میں فارس سے سامنا ہو جاتا ہے فارس کو دیکھ کر زمر غصے میں باہر کی طرف جاتی ہے۔ پاس ورڈ ملنے کے سعدی ہاشم کے کمرے میں جاکر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے۔ جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی پکڑ میں آئے بغیر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم غصے میں خاور سے کہتا ہے کہ سعدی جیسے ہی ایگزٹ پر پہنچے، اسے روکو۔ جبکہ ملازمہ فیونا ہاشم کے کہنے پہ جان بوجھ کر سعدی سے ٹکراتی ہے اور اس کے کوٹ میں نیکلس ڈال کر معذرت کرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔

جیسے ہی زمر، سعدی، حنین اور اسیم گھر جا رہے ہوتے ہیں تو خاور انہیں روک کر بتاتا ہے کہ مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہو گیا ہے، زمر غصے میں خاور سے کہتی ہے کہ یہ میری فیملی کے بچے ہیں، ان کی تلاشی لینے سے پہلے میری تلاشی لینا ہوگی۔ اس دوران ہاشم بھی وہاں آجاتا ہے اور پھر بگڑتی صورت حال دیکھ کر انہیں جانے دیتا ہے۔

ریسٹورنٹ کا بل دینے کے لیے سعدی حنین سے اپنے کوٹ سے والٹ نکالنے کو کہتا ہے، حنین کے ہاتھ میں والٹ کے بجائے نیکلس آجاتا ہے۔ زمر کی نگاہیں نیکلس کو دیکھ کر ٹھہر جاتی ہیں، زمر غصے میں سعدی کو کہتی ہے اسے گھر ڈراپ کردے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شیرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔

دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

زمر سعدی کے ریسٹورنٹ جاتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ بڑے ابا نے اسے بتا دیا ہے کہ اسے گردہ کسی خاتون نے نہیں بلکہ اس نے دیا ہے۔ اسی دوران فارس وہاں آجاتا ہے جسے دیکھ کر زمر نفرت آمیز نگاہ فارس پر ڈال کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔

سعدی بہت دنوں بعد آفس جاتا ہے اور اپنی باس سارہ کو فیلڈ رپورٹ دے کر کہتا ہے کہ اس نے کام مکمل کرلیا ہے، اور اللہ پہ جانے کی تیاری بھی مکمل کرلی ہے۔

مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں سعدی کے دادا، پھپھو زمر، والدہ اور بہن بھائی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسی دوران حنین سعدی کے کمرے میں جاتی ہے تو وہاں سعدی کے کھلے لیپ ٹاپ کے اسکرین پہ چلتے نمبرز دیکھ کر حیران ہوتی ہے سعدی جلدی سے آکر لیپ ٹاپ میں اپنا ایک ہاتھ مار کر بند کر دیتا ہے۔

ہاشم سعدی سے ملاقات کا کہتا ہے۔ وہ ہاشم کو ٹالنے کے لیے ہاں کہہ دیتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

حنین اپنے اور اسیم کے مشترکہ کمرے میں آتی ہے جب الماری کھولتی ہے تو اس کی نظر سنہری مخملیں ڈبے پر پڑتی ہے تو اس کے اندر ایک لاکٹ رکھا تھا۔ اس کی زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا پتھر پرویا تھا جس کے اوپر سنہرے حروف میں "فینس ایور آفٹر" کندہ تھا۔ یہ سعدی کی چین کا جڑواں تھا۔

سعدی زمر سے ایک رشتے دار کی شادی میں جانے کا پوچھتا ہے۔ جس میں زمر کا سابق منگیتر حماد بھی آئے گا۔ زمر سعدی

سے کہتی ہے کہ اگر وقت ملا تو وہ شادی میں جائے گی یہ بات جب بڑے ابا کو پتا چلتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

سارہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ فارس آجاتا ہے۔ فارس سارہ سے پوچھتا ہے کہ کیا اس کے خیال میں اس نے ہی وارث کو قتل کیا تھا؟ سارہ جواب میں کہتی ہے کہ اسے یقین ہے کہ اسے پھنسایا گیا تھا۔

ہاشم کی سیکریٹری کال کرکے اسے بتاتی ہے کہ آج سعدی اپنی مصروفیت کی بنا پر نہیں آرہا۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ سعدی کو جب تک کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملے گا' وہ اس سے ملاقات کو یونہی ٹالتا رہے گا۔

ہاشم سعدی کو فون کرتا ہے کہ کیا ہم اچھے وقتوں میں واپس جاسکتے ہیں؟ جب تم مجھے دل سے ہاشم بھائی کہتے تھے۔ ہاشم کی بات پہ سعدی "شاید نہیں" کہہ کر کال کاٹ دیتا ہے۔

دوسری طرف سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔ سعدی پریشان ہو کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ اس وقت سعدی اپنے ماضی کے اچھے وقتوں کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ وہ سب باتیں یاد آنے لگتی ہیں جب ہاشم کو دل سے بھائی کہتا تھا اور جواہرات کے دل میں اس نے کس طرح اپنی جگہ بنائی تھی اور نوشیرواں سے بھی اس کی اس وقت دوستی ہوگئی تھی۔ ماضی کے تمام واقعات ایک ایک کرکے سعدی کے سامنے کسی کہانی کے کرداروں کی طرح گھوم رہے تھے۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے مبر "آنٹس ایور آفٹر" (Ants ever after) لکھا ہوتا ہے وہ علیشا ہے در جینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

سعدی نے ہاشم کے کمپیوٹر سے جو فائلز لی تھیں' وہ انہیں اپ سیٹ نہیں کرپاتا' وہ ڈیٹا تباہ ہو جاتا ہے۔

ایک رشتے دار کی شادی کی تقریب میں زمر اور سعدی کی فیملی کے ساتھ زمر کے سابق منگیتر حماد اور اس کی بیوی کرن بھی آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کرن زمر کو دیکھ کر اپنی کزن سے زمر کے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہے جسے سن کر زمر کو بہت دکھ ہوتا ہے۔

اسی دوران سعدی کی والدہ ندرت زمر کو سعدی کے لیے لڑکی دکھاتی ہیں۔ زمر کو وہ لڑکی اچھی لگتی ہے۔

سیم ندرت سے کہتا ہے کہ اگر لڑکی والوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو؟

اس پر زمر کہتی ہے کہ کیوں انکار کریں گے کوئی وجہ بنتی ہے کیا؟ اس بات پر حنین بے ساختہ کہتی ہے۔

"بغیر وجہ کے بھی انکار ہو جاتے ہیں جیسے آپ نے فارس ماموں کے رشتے سے انکار کیا تھا۔" یہ سن کر زمر بالکل ساکت کاموش رہ جاتی ہے۔

درحقیقت زمر کو فارس کے رشتے کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا کہ کب رشتہ مانگا گیا تھا؟ کب انکار ہوا؟

زمر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے فارس نے اس سے ٹھکرائے جانے کا انتقام تھا۔

زمر بصیرت صاحب کو فون کرکے کہتی ہے کہ اسے ایک کیس فائل چاہیے۔

"سرکار بنام فارس غازی۔"

چھٹی قسط

پانی سے گاڑھا

اور دنیا کے پہلے قاتل کو سزا
سنائی تھی خود "منصف اعلیٰ" نے
کیا وہ موت تھی؟
نہیں!

بلکہ وہ "زندگی" تھی....
اور کہہ دیا تھا خدا نے کہ....
اے قابیل!
تم پھوگے زمین میں
مفرور' بدنصیب' نشان زدہ ہو کر

اور تمہاری پیشانی کے نشان سے پہچان لے گا
تمہیں ہر ملنے والا
اور یہ بھی فرمایا کہ
(کوئی قتل نہ کرے قابیل کو' کیونکہ)
جو کوئی قتل کرے گا قابیل کو
میں اسے خود سزا دوں گا
سات گنا زیادہ....

("ہنری لانگ فیلو" کی تحریر "ٹیبل ٹاک" سے ماخوذ)

جواہرات بالکل سُن سی ہوئی زمر کو دیکھ رہی تھی۔ گو کہ وہ یہی چاہتی تھی کہ زمر فارس سے انتقام لے' مگر پھر بھی اتنا تیزی سے ہوتا سب کچھ' اسے مضطرب کر رہا تھا۔ اس نے بظاہر مسکرا کر سامنے دیکھا' جہاں شادی کا فنکشن اور روشنیاں نظر آرہی تھیں' اور حماد اور کرن بھی۔

"آف کورس! میں تمہاری مدد کروں گی' لیکن یہ انتقام فارس سے ہے یا خود اپنے آپ سے؟"

"اگر پہلا پورا ہو جائے تو دوسرا بھی قبول ہے مجھے۔" زمر بھی سپاٹ نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم اس کا مقدمہ ری اوپن نہیں کرسکتیں؟ اگر عدالت اس کو سزا دے تو زیادہ بہتر...."

"آپ میری مدد کریں گی یا میں کسی اور کے پاس جاؤں؟ آپ کو یاد ہوگا' آپ نے میرے پاس آکر مجھے پیش کش کی تھی کہ اگر کبھی میرا ارادہ بدلا تو آپ میرے انتقام میں میری مدد کریں گی۔" اس نے سرد' سپاٹ سے انداز میں اسے دیکھا تو جواہرات فوراً" مسکرائی۔ آگے بڑھ کر نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"شیور' میں اپنی بات پہ قائم ہوں۔ یہ سب قدرتی طریقے سے ہوگا' وہ بہت جلد تمہارے گھر تمہارا رشتہ لینے آئے گا' بس تم اس امر کو یقینی بنانا کہ تمہارے والد انکار نہ کریں۔"

"تھینکس۔" زمر کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔ جواہرات خاموشی سے سامنے دیکھنے لگی۔ وہ ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی۔

فنکشن اب اپنے اختتام کی جانب رواں دواں تھا۔ سعدی' حنین کے ساتھ خاموشی سے بیٹھا گاہے بگاہے' دور کھڑی' ہلکی آواز میں باتیں کرتی زمر اور جواہرات پہ نظر ڈال لیتا۔ جواہرات نے اسے خود کو دیکھتا پایا تو نزاکت سے مسکرائی۔ سعدی جبراً" مسکرایا اور رخ پھیرا تو حنین پہ نظر پڑی' وہ گردن ذرا موڑ کر دور ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں ناپسندیدگی ابھری۔ چہرہ حنین کے قریب کیا۔

"آئندہ ان سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' نہ ہی ان کی کسی بات کا اعتبار کرنا۔" حنین نے چونک کر اسے دیکھا' قدرے دل گرفتی سے۔ "وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے تھے' ان کو واقعی افسوس ہے۔" قدرے رکی۔ "ان کو علیشا کے لیے واقعی افسوس ہے...."

"جانے بھی دو حنین!" وہ بے زار سا پیچھے ہوا' پھر وہاں سے اٹھ آیا۔ ہال کے کونے میں کھلتے دروازے پہ وہ رکا' وہ مردوں کے لیے مختص ریسٹ رومز تھے۔ اندر شیشے سے ڈھکی دیوار اور سامنے لگے بیسن کی قطار' اس کے آگے باتھ رومز تھے۔

سعدی ایک بیسن کے سامنے آکھڑا ہوا' نل کھولا' چہرے پہ چھینٹے مارے' نل بند کیا۔ ساتھ رکھے ٹشو اٹھائے' ہاتھ صاف کیے' چہرہ اٹھایا تو ٹھٹک کر رکا۔

آئینے میں اپنے عقب میں ہاشم کھڑا نظر آرہا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے' فنل کوٹ کا بٹن بند' نرمی سے (بغیر مسکراہٹ کے) اسے دیکھتا۔

"تم میرے آفس نہیں آئے' میری سیکریٹری نے دوبارہ تمہیں فون کیا مگر تم نے نہیں اٹھایا۔"

"میں مصروف تھا۔" وہ سر جھکائے' ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ہاشم سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

سے کہتی ہے کہ اگر وقت ملا تو وہ شادی میں جائے کی یہ بات جب بڑے ابا کو پتا چلتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔
سارہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ فارس آجاتا ہے۔ فارس سارہ سے پوچھتا ہے کہ کیا اس کے خیال میں اس نے ہی وارث کو قتل کیا تھا؟ سارہ جواب میں کہتی ہے کہ اسے یقین ہے کہ اسے پھنسایا گیا تھا۔
ہاشم کی سیکریٹری کال کرکے اسے بتاتی ہے کہ آج سعدی اپنی مصروفیت کی بنا پر نہیں آرہا۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ سعدی کو جب تک کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملے گا' وہ اس سے ملاقات کو یونہی ٹالتا رہے گا۔
ہاشم سعدی کو فون کرتا ہے کہ کیا ہم اچھے وقتوں میں واپس جاسکتے ہیں؟ جب تم مجھے دل سے ہاشم بھائی کہتے تھے۔ ہاشم کی بات پہ سعدی "شاید نہیں" کہہ کر کال کاٹ دیتا ہے۔
دوسری طرف سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔ سعدی پریشان ہو کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ اس وقت سعدی اپنے ماضی کے اچھے وقتوں کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ وہ سب باتیں یاد آنے لگتی ہیں جب ہاشم کو دل سے بھائی کہتا تھا اور جواہرات کے دل میں اس نے کس طرح اپنی جگہ بنائی تھی اور نوشیرواں سے بھی اس کی اس وقت دوستی ہو گئی تھی۔ ماضی کے تمام واقعات ایک ایک کرکے سعدی کے سامنے کسی کہانی کے کرداروں کی طرح گھوم رہے تھے۔
سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنٹس ایور آفٹر" (Ants ever after) لکھا ہوتا ہے وہ علیشا ہے وہ جیتیا ہے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔
سعدی نے ہاشم کے کمپیوٹر سے جو فائلز لی تھیں' وہ انہیں اوپن نہیں کرپاتا' وہ ڈیٹا تباہ ہو جاتا ہے۔
ایک رشتے دار کی شادی کی تقریب میں زمر اور سعدی کی فیملی کے ساتھ زمر کے سابق منگیتر حماد اور اس کی بیوی کرن بھی آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کرن زمر کو دیکھ کر اپنی کزن سے زمر کے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہے جسے سن کر زمر کو بہت دکھ ہوتا ہے۔
اسی دوران سعدی کی والدہ ندرت زمر کو سعدی کے لیے لڑکی دکھاتی ہیں۔ زمر کو وہ لڑکی اچھی لگتی ہے۔
سیم ندرت سے کہتا ہے کہ اگر لڑکی والوں نے رشتہ دینے سے انکار کردیا تو؟
اس پر زمر کہتی ہے کہ کیوں انکار کریں گے کوئی وجہ بنتی ہے کیا؟ اس بات پر حنین بے ساختہ کہتی ہے۔
"بغیر وجہ کے بھی انکار ہو جاتے ہیں جیسے آپ نے فارس ماموں کے رشتے سے انکار کیا تھا۔" یہ سن کر زمر بالکل ساکت کا موش رہ جاتی ہے۔

درحقیقت زمر کو فارس کے رشتے کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا کہ کب رشتہ مانگا گیا تھا؟ کب انکار ہوا؟
زمر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے فارس نے اس سے ٹھکرائے جانے کا انتقام تھا۔
زمر بصیرت صاحب کو فون کرکے کہتی ہے کہ اسے ایک کیس فائل چاہیے۔
"سرکار بنام فارس غازی۔"

چھٹی قسط

پانی سے گاڑھا

اور دنیا کے پہلے قاتل کو سزا
سنائی تھی خود منصف اعلیٰ نے
کیا وہ موت تھی؟
نہیں!
بلکہ وہ "زندگی" تھی....
اور کہہ دیا تھا خدا نے کہ....
اے قابیل!
تم پھرو گے زمین میں
مفرور' بدنصیب' نشان زدہ ہو کر

اور تمہاری پیشانی کے نشان سے پہچان لے گا
تمہیں ہر ملنے والا
اور یہ بھی فرمایا کہ
(کوئی قتل نہ کرے قابیل کو' کیونکہ)
جو کوئی قتل کرے گا قابیل کو
میں اسے خود سزا دوں گا
سات گنا زیادہ....
("ہنر یلانگ فیلو" کی تحریر "ٹیبل ٹاک" سے ماخوذ)

جواہرات بالکل سُن سی ہوئی زمر کو دیکھ رہی تھی۔ گو کہ وہ یہی چاہتی تھی کہ زمر فارس سے انتقام لے' مگر پھر بھی اتنا تیزی سے ہوتا سب کچھ اسے مضطرب کر رہا تھا۔ اس نے بظاہر مسکرا کر سامنے دیکھا' جہاں شادی کا فنکشن اور روشنیاں نظر آرہی تھیں' اور حماد اور کرن بھی۔
"آف کورس! میں تمہاری مدد کروں گی' لیکن یہ انتقام فارس سے ہے یا خود اپنے آپ سے؟"
"اگر پہلا پورا ہو جائے تو دوسرا بھی قبول ہے مجھے۔" زمر بھی سپاٹ نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔
"کیا تم اس کا مقدمہ ری اوپن نہیں کر سکتیں؟ اگر عدالت اس کو سزا دے تو زیادہ بہتر۔"
"آپ میری مدد کریں گی یا میں کسی اور کے پاس جاؤں؟ آپ کو یاد ہو گا' آپ نے میرے پاس آکر مجھے پیش کش کی تھی کہ اگر کبھی میرا ارادہ بدلا تو آپ میرے انتقام میں میری مدد کریں گی۔" اس نے سرد' سپاٹ سے انداز میں اسے دیکھا تو جواہرات فوراً" مسکرائی۔ آگے بڑھ کر نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔
"شیور' میں اپنی بات پہ قائم ہوں۔ یہ سب قدرتی طریقے سے ہو گا' وہ بہت جلد تمہارے گھر تمہارا رشتہ لینے آئے گا' بس تم اس امر کو یقینی بنانا کہ تمہارے والد انکار نہ کریں۔"

"تھینکس۔" زمر کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔ جواہرات خاموشی سے سامنے دیکھنے لگی۔ وہ ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی۔
فنکشن اب اپنے اختتام کی جانب رواں دواں تھا۔ سعدی' حنین کے ساتھ خاموشی سے بیٹھا لگا ہے بگا ہے' دور کھڑی' ہلکی آواز میں باتیں کرتی زمر اور جواہرات پہ نظر ڈال لیتا۔ جواہرات نے اسے خود کو دیکھتا پایا تو نزاکت سے مسکرائی۔ سعدی جبراً" مسکرایا اور رخ پھیرا تو حنین پہ نظر پڑی' وہ گردن ذرا موڑ کر دور ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں ناپسندیدگی ابھری۔ چہرہ حنین کے قریب کیا۔
"آئندہ ان سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' نہ ہی ان کی کسی بات کا اعتبار کرنا۔" حنین نے چونک کر اسے دیکھا' قدرے دل گرفتی سے۔ "وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے تھے' ان کو واقعی افسوس ہے۔" قدرے رکی۔ "ان کو علیشا کے لیے واقعی افسوس ہے۔"
"جانے بھی دو حنین!" وہ بے زار سا پیچھے ہوا' پھر وہاں سے اٹھ آیا۔ ہال کے کونے میں کھلتے دروازے پہ وہ رکا' وہ مردوں کے لیے مختص ریسٹ رومز تھے۔ اندر شیشے سے ڈھکی دیوار اور سامنے لگے بیسن کی قطار' اس کے آگے باتھ رومز تھے۔
سعدی ایک بیسن کے سامنے آکھڑا ہوا' نل کھولا' چہرے پہ چھینٹے مارے' نل بند کیا۔ ساتھ رکھے ٹشو اٹھائے' ہاتھ صاف کیے' چہرہ اٹھایا تو ٹھٹک کر رکا۔

آئینے میں اپنے عقب میں ہاشم کھڑا نظر آرہا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے' فٹڈ کوٹ کا بٹن بند' نرمی سے (بغیر مسکراہٹ کے) اسے دیکھتا۔
"تم میرے آفس نہیں آئے' میری سیکرٹری نے دوبارہ تمہیں فون کیا مگر تم نے نہیں اٹھایا۔"
"میں مصروف تھا۔" وہ سر جھکائے' ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ہاشم سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"کیا اس ہفتے آؤ گے؟"

"جی، آؤں گا۔ مجھے اور آپ کو بات کرنے کی واقعی ضرورت ہے۔" ٹشو ٹوکری میں پھینک کر سعدی سنجیدگی سے کہتے ہوئے مڑا۔

"تمہارے پاس کچھ ہے سعدی جو میرا ہے، تمہیں چاہیے کہ تم مجھے وہ پرامن طریقے سے لوٹا دو۔"

"وہ نہیں تو کیا کریں گے آپ؟" سعدی قدم قدم چلتا اس کے سامنے آیا، اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

ہاشم یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ سات سال پہلے جس معصوم لڑکے سے وہ ملا تھا، وہ یہ نہیں تھا۔ ہاشم کے ماتھے پہ بل آئے۔

"میں کچھ بھی نہیں کروں گا بچے! سوائے ایک نصیحت کے۔ جس شخص کے خاندان کے دو لوگ قتل ہو چکے ہوں، اس کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ کہیں اگلا نمبر اسی کا نہ ہو۔" سعدی کے چہرے پہ عجیب سا دکھ ابھرا، بھنویں سکیڑ کر اس نے قدرے تعجب سے ہاشم کو دیکھا۔

"کیا آپ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے رہے ہیں؟ کیا آپ میری جان لے سکتے ہیں؟"

ہاشم نے جیب سے ہاتھ نکال کر عادتاً سعدی کا شانہ تھپتھپانے کو آگے بڑھایا، مگر جیسے ہی اس کا ہاتھ سعدی کے کندھے کو چھوا، وہ کرنٹ کھا کر ایک قدم پیچھے ہوا، دونوں ہاتھ اٹھا دیے، اور بہت ضبط سے ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

"اپنے ان ہاتھوں سے مجھے مت چھوئیے گا۔"

ہاشم کا ہاتھ ہوا معلق میں رہ گیا پھر اس نے سخت تاثرات کے ساتھ سر کو خم دیا، ہاتھ واپس نیچے کر لیا اور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سعدی تیزی سے باہر نکل گیا۔

ہاشم نے ایک نظر اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا۔ وہ سپید تھا، پتلی انگلیاں، باقاعدگی سے مینی کیورڈ شدہ۔ اس نے ہلکا سا سر جھٹکا۔ دل میں گہرا کرب اترا۔ کیا وہ دونوں واقعی واپس نہیں جا سکتے تھے؟ اچھے وقتوں میں واپس؟

وہ باہر آیا تو نوشیرواں بے زار سا کھڑا، دور کرسی پہ بیٹھی حنین اور سعدی کو گھور رہا تھا۔ جیسے بس نہ چلتا ہو دونوں بہن بھائی کو گولی مار دے۔

"کیا بکواس کی تھی میں نے؟ اس کی بہن کا پیچھا چھوڑ دو!" اس نے آ کر سختی سے کہا تو شیرو نے گڑبڑا کر بھائی کو دیکھا، پھر لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"مجھے کیا! ہونہہ!" ہاشم نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تم ابھی تک اس شہرین ٹراما سے نہیں نکلے شیرو! بہت ہو گیا۔"

"اس کی وجہ سے میں شہرین کو کبھی نہیں پا سکوں گا! پچھلے ایک ہفتے سے یہی سوچ سوچ کر میرا دماغ کھول رہا ہے۔ اور آپ کہتے ہیں بہت ہو گیا۔"

"اوہ پلیز!" ہاشم نے بے زار سا ہو کر سر جھٹکا۔ "ہمارے پاس اس سے بڑے مسائل ہیں۔"

"اور کیا مسئلہ ہے؟ آپ نے کہا تھا، وہ آپ کے ڈاکیومنٹس نہیں کھول سکے گا۔ پھر؟" نوشیرواں حیران ہوا۔

"مگر وہ جانتا ہے کہ میرے ہاتھ پہ کس کس کا خون ہے۔" کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں کے ابرو تعجب سے تنے۔

"وہ وارث غازی کی فائلز وغیرہ کے پیچھے تھا، فارس کو باہر لانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اسے یہ کیسے پتا چل سکتا ہے کہ آپ کسی قتل میں ملوث۔۔۔"

"اسے معلوم ہے شیرو! اور فی الحال یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مگر ہاں، تم اس کو نہیں چھیڑو گے۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ تم کچھ نہیں کرو گے۔" برہمی سے اس کو تنبیہہ کی۔ نوشیرواں نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ "او کے" اور پھر سے ان ہی نظروں سے دور بیٹھے سعدی کو دیکھنے لگا۔

وہ لوگ اب گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ فنکشن ڈھلتے چاند کی طرح دم توڑ رہا تھا۔ آگے اندھیری رات تھی۔

☆ ☆ ☆

کب سے ہیں ایک حرف پہ نظریں جمی ہوئی
وہ پڑھ رہا ہوں جو نہیں لکھا کتاب میں

زمر شادی کی تقریب سے لوٹی تو اس کی ہدایت کے مطابق صداقت پراسیکیوٹر بصیرت سے کیس فائلز لے آیا تھا۔ وہ ایک بڑا سا بکس تھا جو اس کے کمرے کے فرش پہ رکھا تھا۔ وہ ابا کو سلام اور شب بخیر ایک ہی سانس میں کہہ کر آئی، دروازہ مقفل کیا، پرس پرے پھینکا، پھر الماری کھولی۔ نچلے خانے سے ایک چھوٹا ڈبا نکالا جس میں سے اخبار کے تراشے اس صبح نکل کر باہر جا گرے تھے جب فارس بری ہوا تھا۔ وہ صبح جب سب کچھ بدل گیا تھا۔ ڈبا اس نے بڑے باکس کے قریب اوندھا کر دیا۔ کاغذ، تراشے، نوٹس کا ڈھیر لگ گیا۔ پھر اس نے باکس کو بھی الٹا دیا۔ جھک کر جوتوں کے اسٹریپ کھول کر انہیں پرے اچھالا۔ گھنگھریالے بالوں کا گول مول جوڑا بنا کر وہ نیچے بیٹھ گئی۔ جلدی جلدی ان چیزوں کو الٹ پلٹ کرتی وہ کچھ تلاش کر رہی تھی۔ ابرو بھنچے ہوئے، لب سختی سے پیوست، آنکھوں میں غصہ۔ پھر ڈھیر تلے سے اس نے ایک تصویر نکالی، پھر دوبارہ ہاتھ مارا۔

"یہ رہی دوسری تصویر۔" ضبط بھری سانس لی، تصاویر لے کر اٹھی۔ ننگے پاؤں چلتی دیوار تک گئی جہاں اونچا اور چوڑا سا کرین بورڈ آویزاں تھا۔

زمر نے ایک پن اتاری اور پہلی تصویر وہاں سامنے لگائی۔ پھر دوسری بھی، قدرے پیچھے ہٹ کر تندی سے ان کو دیکھا۔

زرتاشہ غازی اور وارث غازی۔

یہ اس کا بورڈ تھا اور ابھی اسے یہ بھرنا تھا۔

وہ واپس پلٹ آئی۔ نیچے ڈھیر لگی چیزوں کو اٹھا کر اسٹڈی ٹیبل پہ رکھا۔ ترتیب سے، سلیقے سے۔ اندر اشتعال کچھ کم ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔ مگر پہلے حجت تمام کرنی تھی۔ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا تھا کہ ہاں واقعی ہر راستہ بند ہونے کے بعد میں نے یہ قدم اٹھایا۔ انصاف کے دروازے بند ہوئے تو میں انتقام کی طرف آئی۔

وہ سپاٹ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی۔ کاغذات کا پلندہ سامنے رکھا۔ ٹیبل لیمپ آن کیا۔ پہلے صفحے کی پیشانی پر درج تھا۔

"سرکار بنام فارس غازی"

زمر کی نگاہیں لفظ لفظ عبور کرتی گئیں۔ کھڑکی کے باہر رات گہری تھی اور ہر گزرتا پل اس کو مزید اندھیرا کرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تاریکی کی انتہا کو پہنچ گئی اتنی سیاہ، اتنی سیاہ کہ جیسے ساری روشنیاں دم توڑ گئی ہوں۔

اور پھر پو پھٹ گئی۔ صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی۔ روشنی کو جیسے کوئی روزن مل گیا۔ وہ پھیلتی گئی، قطرہ قطرہ، کرن کرن اور پھر روشنی بھی خوب تیز ہو کر پرانی ہو گئی۔

سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس سعدی نے جب زمر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو سورج سوا نیزے پہ تھا۔ اتوار کی سست صبح آج بھی سست تھی۔ اس کو پچھلے اتوار کی صبح یاد آئی، جب زمر اس کے ریسٹورنٹ آئی تھی اور اس سے گردے کے بارے میں سوال کیا تھا۔ وہ اداسی سے مسکرایا، پھر سر جھٹکا۔ دروازہ دوبارہ بجایا، کوئی جواب نہیں۔

سعدی نے آہستہ سے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر کا منظر واضح ہوا۔ فرش پر بے شمار کاغذ بکھرے ہوئے تھے، تصاویر، فوٹو اسٹیٹ۔ وہ آہستگی سے چلتا اندر آیا۔ تعجب سے سر اٹھا کر دیوار کو دیکھا۔

بورڈ بھرا ہوا تھا۔ اوپر وارث اور زرتاشہ کی تصاویر اور ان کے آگے پیچھے، اوپر نیچے بے شمار تراشے کاغذات اور sticky notes چسپاں تھے۔ سرکار بنام فارس غازی سے متعلقہ شہادتیں، ثبوت، نامکمل جوابات، ناکافی گواہیاں۔ سب وہاں "مختصراً" سجا تھا۔

سعدی نے گردن موڑ کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی فائلز بکھری تھیں اور ایک کھلی فائل پہ سر رکھے وہ سو رہی تھی۔ آنکھیں بند، ناک کی لونگ چمکتی

ہوئی' اور ڈھیلا جوڑا کھل کر بکھر چکا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا' پھر قریب آیا۔ میز کے کنارے ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"پھپھو!" سعدی نے نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ "آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ میں آپ کا سر دبا دوں؟"

"ہوں" کہہ کر سر اٹھانے لگی تو وہ سیدھا ہو گیا۔ بند آنکھوں سے چہرے سے بال ہٹاتی سیدھی ہو بیٹھی۔ لٹیں کان کے پیچھے اڑسیں۔ آنکھوں کو پوروں سے مسلا۔ پھر چہرہ موڑ کر گلابی خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی۔

"تم کب آئے؟"

"ابھی۔ مجھے رات کو لگا تھا آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ کچھ پریشان لگ رہی تھیں۔" ذہن کے پردے پہ جواہرات سے بات کرتی زمر ابھری۔ پھر ایک فکر مند نگاہ بکھرے کاغذوں پہ ڈالی۔

"آپ کیا کر رہی ہیں زمر؟"

"اوہ یہ!" اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "یہ پراسیکیوٹر بصیرت نے بھجوائے ہیں۔" وہ کسل مندی سے اٹھی اور چیزیں سست روی سے سمیٹنے لگی۔

"ڈیڑھ سال پہلے میں بھی یہی کر رہا تھا۔ مگر آپ کو یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" خلاف توقع زمر نے سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔ سعدی اک دم چپ سا ہو کر اسی کو دیکھنے لگا۔

"واقعی یہ کیس مردہ ہے۔ کوئی بھی چیز یہ ثابت نہیں کرتی کہ فارس گلٹی ہے۔" وہ اب فائل میں صفحے ترتیب سے لگا رہی تھی۔

"سوائے آپ کی گواہی کے۔ مطلب..." وہ احتیاط سے ایک ایک لفظ کہہ رہا تھا۔ "مطلب جو آپ نے کورٹ میں کہا... یعنی کہ... فائرنگ سے پہلے فارس غازی کے نمبر سے فارس غازی کی آواز میں آپ کو کال کی گئی تھی۔"

"اور تم نے..." زمر نے پر سکون ٹھنڈی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "اپنے وکیل کے ذریعے کورٹ میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ کال جعلی تھی کوئی سافٹ ویئر یوز کر کے فارس سے مشابہہ آواز بنائی گئی تھی۔"

"جی۔ کیونکہ وہ جعلی تھی اور اسی لیے جج نے ماموں کو رہا کر دیا۔"

"یو نو سعدی' تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" زمر نے سمجھنے والے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ "ہو سکتا ہے مجھے واقعی سیٹ اپ کیا گیا ہو۔ وہ سب جھوٹ ہو۔ میری غلط گواہی کی وجہ سے فارس (نام لینا بھی اذیت ناک تھا) نے چار سال جیل میں کاٹے۔ یہ کیس مکمل طور پہ پڑھنے کے بعد غیر جانب داری سے' مجھے واقعی لگ رہا ہے کہ میں ہی غلط ہوں۔ مجھے نہیں پتا۔ مگر میرا نہیں خیال کہ اب میرے پاس کوئی وجہ باقی رہ گئی ہے تمہارے ماموں کو مورد الزام ٹھہرانے کی۔ اس لیے کہ میرا دل پوری طرح صاف نہیں ہوا' مگر میں اپنے الزامات سے پیچھے ہٹتی ہوں۔" سنجیدگی سے کہتی وہ اب فائنٹ کمرے کی چیزیں اپنی جگہ پہ واپس لا رہی تھی۔ "اگر میں غلط ہوں اور تم سب ٹھیک ہو' اور شاید ایسا ہی ہو' تو میں ہار مانتی ہوں۔"

"میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ ہار مانیں۔" اس کو دکھ ہوا تھا۔

"گڈ! پھر تم مجھے ایک بات بتاؤ۔ فارس نے جو مجھے کال کی تھی' جو تمہارے بقول جعلی آواز تھی... واٹ ایور... اس کی ریکارڈنگ تمہیں کہاں سے ملی؟"

"ریکارڈنگ!" سعدی کے حلق میں کچھ پھنسا۔

"ڈیڑھ سال پہلے تمہارے وکیل نے وہ ریکارڈنگ عدالت میں پیش کی تھی اور تمہارے ایکسپرٹ گواہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ اس آواز کا وائس پرنٹ فارس کی آواز کے وائس پرنٹ سے مختلف ہے۔ اور اس ریکارڈنگ کا سورس تم لوگوں نے کبھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے' وہ تمہیں کہاں سے ملی؟" اس کی سنجیدہ بھوری آنکھیں سعدی پہ جمی تھیں۔

سعدی نے اس کو دیکھتے ہوئے لب کھولے' پھر بند کیے۔ ذرا سا سوچا' پھر ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

"میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں اس بنیاد پہ کہ میرا جواب مجھے مرتکب جرم ظاہر کر سکتا ہے۔"

"قانون شہادت آرٹیکل 15 کے تحت تمہیں یہ استثنیٰ حاصل نہیں ہے کیوں کہ ایسے جواب پہ تمہارے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے۔"

"چونکہ ہم کورٹ میں نہیں ہیں اس لیے میں جواب نہ دینے کا حق رکھتا ہوں۔"

"اوکے۔" زمر گہری سانس لے کر مسکرائی' سر کو خم دیا اور باہر آ کر صداقت کو چائے کے لیے آواز دی۔ سعدی الجھا ہوا کھڑا رہا۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کیا آپ فارس غازی کو بے گناہ کہہ رہی ہیں؟"

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ میں دوبارہ اس پہ الزام نہیں لگاؤں گی۔" وہ مطمئن سی کہتی راہداری میں چلتی گئی۔

سعدی نے نظریں موڑ کر بورڈ کو دیکھا جو مختلف کاغذات سے بھرا تھا۔ زمر نے کیس پڑھا' شہادتیں' ثبوت' وہ سب دیکھا جس سے وہ ہمیشہ منہ پھیر کر چلی جاتی تھی اور اسے یقین آ گیا کہ فارس بے گناہ ہے۔ سیدھی سی بات تھی۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے۔ مگر پزل کا کون سا ٹکڑا غائب تھا؟ سادہ بات میں چھپی کون سی پیچیدگی اسے الجھا رہی تھی۔

سعدی نے کئی سال اس لمحے کا انتظار کیا تھا جب پھپھو تسلیم کر لیں کہ فارس بے گناہ تھا۔

وہ لمحہ آیا اور گزر گیا' مگر وہ مطمئن کیوں نہیں تھا؟ کیا اس لیے کہ وہ کئی سال پہلے والا معصوم سعدی نہیں تھا؟ اور آج کے سعدی کا دماغ اسے بتا رہا تھا کہ زمر اتنی آسانی سے مڑنے والی شئی نہیں تھی۔ پھر...؟

وہ خود سے الجھتا باہر آ گیا۔ ابھی اسے ایک جگہ اور بھی جانا تھا۔

ہر اک قدم اجل تھا ہر اک گام زندگی
ہم گھوم پھر کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں

کاردار قصر پہ وہ اتوار معمول کی چستی اور گہما گہمی کے ساتھ طلوع ہوئی تھی۔ سعدی نے اونچی چار دیواری پہ ہارن دیا۔ اسے دیکھ کر گارڈز نے دروازہ کھول دیا۔ کار مخصوص چیک پوائنٹس سے گزر کر آگے آئی ڈھلان عبور کی اور وہ رہا سامنے اونچا محل اور اس کے عقب میں' نشیب میں چھوٹی سی انیکسی۔

وہ کار اس روش پہ آگے لے گیا جو اونچے نیچے سبزے کے درمیان سے گزر کر انیکسی تک جاتی تھی۔ دفعتاً اس نے رفتار آہستہ کر دی۔ ہاشم کی عقبی بالکونی کا منظر سامنے آیا' وہ نیچے سبزے پہ کھڑا تھا۔ ٹراؤزر اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ میں ہنستے ہوئے جھک کر اپنے پالتو لیبرڈار کتے کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ ساتھ بے اختیار ہنستی پرجوش سی سونیا کھڑی تھی۔ وہ دونوں مدھم آواز میں باتیں کرتے ہنستے جا رہے تھے۔

گاڑی کی آواز پہ ہاشم نے سر اٹھایا' ایک نظر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سعدی کو دیکھا' دوسری کار کے رخ پہ ڈالی۔ (مطلب وہ انیکسی جا رہا تھا)۔ پھر مسکرا کر سیدھا ہوا۔ ہلکا سا ہاتھ ہلایا۔

سعدی نے جواب میں بنا مسکرائے دایاں ہاتھ اٹھایا' پیشانی کے قریب لے جا کر سر کو خم دیا' خاموش سلام (ادب پہلا قرینہ ہے دشمنی کے قرینوں میں) اور کار آگے لے گیا۔ ہاشم سرد سی مسکراہٹ سے اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر سونیا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسے کچھ کہہ رہی تھی۔

سعدی نے کار انیکسی کے قریب کھڑی کی۔ پیچھے دیکھے بغیر برآمدے میں آیا۔ بیل دبائی' بجلی نہیں تھی تبھی گھنٹی نہیں بجی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔ اس نے انتظار نہیں کیا۔ چابی اس کے پاس تھی۔ فارس نے جیل کے زمانے سے اسے دے رکھی تھی۔

اندر آیا تو گھر خاموش کھڑا تھا' وہ قدرے حیران سا ایک کمرے سے دوسرے تک گیا۔ باہر فارس کی کار تو کھڑی تھی۔۔۔ پھر؟

"ادھر ہوں نیچے۔" فارس کی آواز آئی تو وہ چونکا۔ پھر گہری سانس لے کر بیسمنٹ کو جاتی سیڑھیوں تک آیا۔ نیچے پورے گھر کے رقبے جتنا بڑا سا کمرہ تھا۔ جس میں بڑے بڑے ستون تھے۔ ارد گرد کاٹھ کباڑ' پرانا فریزر' گاڑی کا سامان وغیرہ رکھا تھا۔ ایک دیوار پر خالی ریکس تھے۔ یہاں کسی زمانے میں فارس کی پستولوں اور بندوقوں کی کلیکشن ہوتی تھی۔ جب پولیس نے اسے گرفتار کیا تو سب لے گئی۔ کچھ بھی واپس نہیں کیا۔

سعدی زینے اتر تہہ خانے کے فرش تک آیا۔ اندر سفید بلب جل رہے تھے۔ پھر بھی روشنی کم لگتی تھی۔ فارس دیوار سے لگی میز کے آگے کھڑا تھا۔ سعدی کی طرف پشت تھی۔ سر جھکا کر منہ میں کچھ چباتا کچھ کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ مگر سعدی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ میز کے پیچھے موجود دیوار کو دیکھتا قدم قدم آگے آیا۔

وہاں کوئی بورڈ وغیرہ نہ تھا۔ دیوار پہ ہی تصاویر' کاغذات' کٹنگز وغیرہ چسپاں تھیں۔ اوپر نیچے' دائیں بائیں' یہ زمر کی دیوار سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔ سعدی کے ابرو فکر مندی سے اکٹھے ہوئے۔ ذرا خفگی سے رخ پھیر کر اسے دیکھا۔

"تو آپ دو ہفتے سے یہ کر رہے تھے؟"

"کوئی اعتراض؟" وہ پیالے میں رکھی سونف کے دانے اٹھا کر منہ میں رکھتا مزے سے بولا۔ ابھی تک سعدی کو نہیں دیکھا تھا۔

"مگر آپ کر کیا رہے ہیں؟" وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا' آنکھیں سکیڑ کر اس کا داہنا رخ دیکھا۔ چھوٹے کٹے بال اور سنجیدگی سے سکڑی سنہری زرد آنکھیں' جواب دیوار پہ جمی تھیں۔

"جو ساری زندگی کیا ہے۔ تفتیش۔" وہ سرخ مارکر لے کر دیوار تک گیا۔ ایک کٹنگ چسپاں کی' اور مارکر سے اوپر سوالیہ نشان بنایا۔ پھر واپس مڑ کر سعدی کو سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

"تم کیسے آئے؟"

مگر وہ اب گردن موڑ کر میز کے کنارے پہ رکھے بیگ کو دیکھ رہا تھا۔ جس میں اس کی تازہ تازہ منگوائی گئی گنز تھیں اور گولیاں۔ اور یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے سعدی کو غصہ آنے لگا۔ وہ اس کی بے گناہی کے ثبوت دیتا تھک گیا' اور ادھر آ کر کوئی یہ سب دیکھ لے تو۔۔۔؟

"کیا یہ آپ کے نام پہ لائسنس شدہ ہیں؟" ناپسندیدگی سے گنز کو دیکھ کر اس نے مشکوک نظروں سے فارس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں۔ اگر گرفتار کرنا ہے تو کرلو۔" تلخی سے کہتا وہ میز تک واپس آیا' اور کاغذات اٹھا کر دوسری طرف رکھنے لگا۔ سعدی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ڈیڑھ سال پہلے میں یہی کر رہا تھا۔ مگر یہ تفتیش آپ کو کہیں نہیں لے کر جائے گی۔ اس کے آگے بند گلی ہے۔"

"تو پھر تم مجھے سکھا دو کہ تفتیش کیسے کرتے ہیں' میں ساری کلاسز اٹینڈ کروں گا۔" ناک سے مکھی اڑاتا وہ اثر لیے بنا بولا۔ سعدی اف کر کے رہ گیا۔ پھر گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

"اگر آپ کو پتا چل بھی گیا کہ یہ سب کس نے کیا ہے' تو آپ نے یہ اسلحہ اس لیے لیا ہے نا کہ اس کو جا کر گولی مار دیں۔"

"تم خون کے بدلے خون پہ یقین نہیں رکھتے؟"

"بالکل رکھتا ہوں مگر انتقام لینے کے بھی طریقے ہوتے ہیں۔ آپ اس کو مار دیں گے کل کو اس کے خاندان والے کسی اور کو مار دیں گے اور یہ سائیکل آف ریونج (انتقام کا چکر) کبھی نہیں ختم ہوگا۔" اس نے فکر مندی سے سمجھاتے ہوئے آہستہ سے فارس کی کہنی تھامی۔

"ماموں! ہم ان کو سزا ضرور دلوائیں گے مگر قانونی طریقے سے۔ اس طرح نہیں۔"

فارس تیکھی آنکھیں کر کے اسے دیکھتا رہا۔

"اور اس "ان" میں کون کون شامل ہے' وضاحت کرو گے؟"

سعدی نے کہنی چھوڑی' پیچھے ہوا' تھوک نگلا۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ "مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟"

"یہی تو پوچھ رہا ہوں جو تمہیں پتا ہے' وہ کیسے پتا ہے؟"

سعدی نے ٹھہر ٹھہر کر' نظر ملائے بنا' دیوار کو دیکھتے ہوئے جوابا" کہا۔

"میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں اس بنیاد پہ کہ میرا جواب مجھے مرتکب جرم ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اوہ کم آن' تمہیں یہ استثنیٰ۔۔۔"

"قانون شہادت آرٹیکل 15 کے تحت حاصل نہیں ہے' وغیرہ وغیرہ مجھے پتا ہے۔" وہ مسکرایا۔ فارس نے واقعی ابرو اٹھا کر تعجب سے اسے دیکھا۔ سعدی نے کندھے اچکائے۔ "زمر پھپھو کا بھتیجا ہوں آخر! اتنا قانون تو مجھے بھی آتا ہے۔"

فارس کے تاثرات قدرے پتھرا گئے' وہ سنجیدہ سا واپس مڑ گیا۔ سعدی کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ "کیا ہوا؟"

"جو تمہاری پھپھو نے میرے ساتھ کیا' وہ میں نہیں بھولا' اس لیے بہتر ہے ہم اس طرف نہ جائیں۔ چائے پیو گے؟"

سعدی کا دل بری طرح دکھا' مگر اس نے لب کھول کر بند کر لیے۔ پھر سر ہلایا۔ "جی پیوں گا۔" اور کرسی کھینچنے لگا۔

"اوپر کچن میں سارا سامان رکھا ہے' بنا لو۔ دو کپ۔ میرے میں چینی نہ ہو۔"

وہ جو بیٹھنے لگا تھا' رکا' ناراضی سے اسے دیکھا اور "بہت اچھا" کہہ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ فارس بدستور گردن جھکائے کاغذات کھنگال رہا تھا۔

انیکسی کا کچن لاؤنج سے ملحقہ تھا۔ بالکل اوپن۔ اس نے سامان ڈھونڈا۔ چولہا جلایا۔ پانی میں پتی گویا بھونکی۔ پھر کھڑکی کو دیکھا۔ اس پہ کوئی پردہ وغیرہ نہ تھا' کھڑکیوں کے شیشے پہ گفٹ پیپر لگا کر بھونڈی سی بچت کی گئی تھی' اور یہ تو سب کو پتا تھا کہ زرتاشہ ایک انتہائی پھوہڑ لڑکی تھی۔

سعدی نے کھڑکی کھولی تو سامنے اونچے قصر کا عقبی حصہ نمایاں ہوا۔ ہاشم بال کتے کی طرف اچھالتا' وہ اسے منہ میں کیچ کر کے سونیا کی طرف بھاگتا۔ سونیا ہنس ہنس کے دوہری ہو رہی تھی۔

سعدی کے چہرے پہ زخمی سا تاثر آیا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ زور سے ٹھک۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا' ہاشم کی فائلز وہ لے کر بھی بے بسی سے بیٹھا تھا۔ اسے جلد از جلد ثبوت اکٹھے کر کے ہاشم کے پاس جانا تھا ——————— تاکہ زمر اور فارس کی آپس کی غلط فہمی دور ہو جائے۔۔۔ ذہن میں آگے کالائحہ عمل ترتیب دیتا' وہ چائے بنا کر نیچے لایا تو فارس اپنی بھری دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ نچلا لب دانت سے دبائے' آنکھیں سکیڑ کر' کچھ سوچتا۔

"یہ آدمی!" اس نے الیاس فاطمی کی تصویر پہ انگلی سے دستک دی۔ "یہ وارث کا باس تھا' اور اس نے وارث سے استعفیٰ مانگا تھا۔ ہر بند گلی کا سرا اس شخص تک جاتا ہے۔ یہ یقینا" کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔" اس نے تائیدی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔ اس نے شانے اچکائے' اور کپ فارس کی طرف بڑھا دیا۔

فارس نے گھونٹ بھرا' پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔

"اس میں چینی ہے۔"

"اوہ میں بھول گیا۔ سوری۔" سعدی نے معصومیت سے معذرت کی' کرسی پہ بیٹھا اور اپنے کپ سے گھونٹ گھونٹ بھرنے لگا۔ فارس نے اسے گھور کر سر جھٹکا' پھر دوبارہ دیوار کو دیکھنے لگا۔ وہاں چسپاں تصویریں بلیک اینڈ وائٹ تھیں۔ پھر یکایک ان میں رنگ بھرنے لگے۔ کوئی قوس قزح چھائی اور زرد موسم میں بہار اتر آئی۔

فارس بالکل خاموش سا ان تصویروں کو دیکھتا گیا' یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے لگیں' گویا چار سال پہلے کے مناظر ابھی ان کے آس پاس پیش آ رہے ہوں۔۔۔

☼ ☼ ☼

شہر ہوا میں جلتے رہنا اندیشوں کی چوکھٹ پر
رات گئے تک الجھے رہنا بے مفہوم خیالوں میں
چار سال قبل (وارث غازی قتل کے سات دن بعد)

قصر کاردار کے لونگ روم کی اونچی کھڑکیوں سے دھوپ چھن کر آرہی تھی۔ اورنگ زیب کاردار، بگڑے تاثر اور خفا آنکھوں کے ساتھ فون پہ بات کر کے ہٹے، اور موبائل پھینکنے کے انداز میں صوفے پہ اچھالا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی، ضبط کرتے ہوئے صوفے کے آگے دو تین چکروں میں ٹہلے۔ دفعتاً" ہیل کی ٹک ٹک آتی سنائی دی۔ اورنگ زیب نے پلٹ کر خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

راہداری سے جواہرات چلتی آرہی تھی۔ بند گلے کا سفید لمبا گاؤن پہنے، دبلی پتلی اسمارٹ، جوان اور خوب صورت سی۔ یقیناً" ابھی کہیں سے لوٹی تھی۔ کہنی پہ اٹکا پرس مسکراتے ہوئے میز پہ رکھا، اور قریب آئی۔

"گڈ ایوننگ!" گاؤن کے گلے پہ لگے بٹن کو دو انگلیوں سے چھیڑتی، وہ میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اورنگزیب کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ فارس کے بھائی کے قتل کا کیا چکر ہے؟ پولیس میرے گھر کیوں آرہی ہے؟" وہ سخت نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"تمہارا مطلب ہے "تمہارے" بھانجے کے سوتیلے بھائی کا کیا چکر ہے، اور یہ کہ پولیس تمہارے گھر کی انیکسی میں کیوں آرہی ہے؟ اوہ سوری، وہ تو تم کئی سال پہلے اپنے بھانجے کو دے چکے ہو۔"

"جواہرات!" وہ بظاہر طیش سے غرائے مگر اس جارحیت میں مدافعانہ سی جھلک تھی۔

"بے فکر رہو، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس کے بھائی کی خودکشی کو قتل قرار دے رہے ہیں، اور اس کا الزام فارس پہ لگا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے کہ فارس قتل کے وقت پارٹی میں نہیں تھا۔۔۔" وہ نرمی سے کہتی آگے آئی، کارنر میں نصب ایکوریم تک آکر گردن جھکا کر اس میں جھانکا "لو، ٹھیک ہے وارث کا موبائل فارس کی کار سے ملا ہے۔۔۔" دو انگلیوں سے ایکوریم کا شیشہ بجایا، مچھلیوں میں ہلچل سی مچی، جواہرات مسکرائی۔ "اور ہاں، وہ رسی جس سے وارث کے ہاتھ پیر باندھے گئے، وہ بھی اس کے پاس سے ملی ہے اور وہ تھا بھی فارس کا سوتیلا بھائی مگر۔۔۔" سیدھی ہوئی، اسٹینڈ میں رکھے جار سے خوراک کی مٹھی بھری اور پانی کے اوپر کھول دی۔ سارے دانے پانی میں گر گئے۔

"مگر اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تمہارے بھانجے کو گنز جمع کرنے کا شوق ہے، استعمال کرنے کا تھوڑی ہے۔ یقیناً" یہ ایک خودکشی ہوگی، ناکہ قتل۔" وہ دانہ ڈال کر، ہاتھ ٹشو سے صاف کرتی، چمکتی آنکھوں سے مسکراتی ان کے سامنے آئی۔ "ہے نا؟" اور غصے سے کھولتے اورنگ زیب اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتے، وہ ان کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

تیز تیز چلتی وہ راہداری میں آگے آئی تو مسکراہٹ اضطراب میں تبدیل ہوگئی۔ کنٹرول روم کے دروازے کو کھولا تو اندر موجود خاور اور ہاشم دونوں چونکے۔ وہ دروازہ بند کرکے ہاشم کے سامنے آکھڑی ہوئی اور سلگتی نظروں سے اسے گھورا۔

"تمہارے باپ کی کیھیں ڈسٹرب ہو رہی ہے اس سب سے، اور وہ خوش نہیں ہے۔"

"دیکھ چکا ہوں۔" ہاشم نے بےزاری سے دیوار پہ نصب اسکرینز میں سے ایک کی جانب اشارہ کیا، جہاں لاؤنج کے سی سی ٹی وی کیمرہ کی فوٹیج چل رہی تھی۔ بنا آواز کے ویڈیو۔ باقی اسکرینز پہ دوسرے مناظر تھے۔ (لاؤنج کے علاوہ گیٹ، لان، بیرونی برآمدہ جیسے چند مقامات پہ ہی یہ کیمرے نصب تھے۔)

"میں نہیں چاہتی کہ وہ فارس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ اس لیے جو کرنا ہے جلدی کرو۔"

"ہاشم سنبھال لے گا، آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔" وہ مضطرب سا یہ کہہ کر آگے آیا، اور خاور کی کرسی کے ساتھ جھک کر لیپ ٹاپ کو دیکھنے لگا، جس پہ خاور ٹھک ٹھک کام کیے جارہا تھا۔

"آج تم سعدی اور فارس کے ساتھ پراسیکیوٹر کے پاس گئے تھے، کیا کہا اس نے؟"

"اسے فارس کی بے گناہی کا یقین ہے، کیونکہ فارس کے پاس قتل کی وجہ نہیں ہے۔"

"تو تمہیں ہاشم، اسے قتل کروانے سے پہلے وجہ ڈھونڈ کر فارس پہ یہ سب پلانٹ کرنا چاہیے تھا۔" جواہرات غرائی تھی۔ وہ طیش سے اس کی طرف مڑا۔

"میں کارپوریٹ لایر ہوں، کرائے کا قاتل نہیں اور میں نے کچھ بھی پلاننگ سے نہیں کیا تھا، آپ کو معلوم ہے یہ ایک غلطی تھی اور مجھے اس کو فکس کرنا ہے۔" رک کر اس نے غصے سے ماں کو دیکھتے ہوئے ایک دو سانسیں لیں۔ "اور یہ سب اتنے آرام سے فکس نہیں ہوگا۔ صرف فارس نہیں، خاور بھی قتل کے وقت پارٹی میں نہیں تھا۔" اسی پل دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھلا۔ ہاشم اور جواہرات کرنٹ کھا کر اس طرف گھومے۔ خاور بھی بے اختیار کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ آئی ایم سوری، میں۔۔۔ انکل نے بلایا تھا تو۔۔۔" وہ زرتاشہ تھی، چوکھٹ پہ رک کر واپس جانے لگی تھی۔ "آپ لوگ بزی ہیں، اٹس اوکے۔ میں بعد میں آجاؤں گی۔" قدرے تذبذب سے معذرت کرتے ہوئے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ باری باری سب کے چہرے دیکھے جو سفید پڑ گئے تھے۔

"نہیں۔۔۔ ہم بس۔۔۔ بات کر رہے تھے۔" ہاشم نے تھوک نگلا تھا، چہرے پہ زبردستی مسکراہٹ لاتا آگے آیا، مگر اڑی رنگت اور آنکھوں میں آتی پریشانی دبا نہیں پا رہا تھا۔

"سوری، میں ایسے ہی آگئی۔" وہ ذرا شرمندہ، ذرا سوچتی، الجھتی نگاہوں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آپس میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ اسے آتے اسکرینز کی فوٹیج میں نہیں دیکھا۔ اف!

"کوئی بات نہیں، ہم ایک ہی خاندان ہیں۔" جواہرات پھیکا سا مسکرائی، اپنی جگہ سے وہ ایک انچ بھی نہیں ہل پا رہی تھی۔ کہیں اس نے کچھ سن تو نہیں لیا۔

"انکل فارس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وارث بھائی کے کیس کی پیش رفت وغیرہ۔ میں یہی آپ سے پوچھنے آئی تھی۔ مجھے تو کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں ہے۔" کہتے کہتے اس نے ترچھی نظر خاور پہ ڈالی جو بالکل دم سادھے کھڑا تھا۔

ساؤنڈ پروف دروازے کو کھولتے وقت آخری فقرہ کان میں پڑا تھا۔

"صرف فارس نہیں، خاور بھی اس وقت پارٹی میں نہیں تھا۔"

"آہم۔۔۔" ہاشم کھنکار کر گلا صاف کرتا باہر آیا، زرتاشہ بھی چوکھٹ سے ہٹ کر راہداری میں آکھڑی ہوئی۔ ہاشم نے بات شروع کرنے سے قبل ذرا احتیاط سے اسے دیکھا۔ وہ چوبیس پچیس برس کی خوش شکل، سیاہ آنکھوں اور اسٹیپ میں کٹے بالوں والی لڑکی تھی۔ اس وقت ابرو ذرا الجھن سے سکوڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہم سب کو پتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ اس کی گاڑی سے کچھ ملنے سے کچھ ثابت نہیں ہو جاتا زرتاشہ۔" وہ کافی سنبھل کر، اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "رہی بات پراسیکیوٹر کی تو وہ خواہ مخواہ فارس پہ شک کر رہی ہے اور اس کو بار بار سوال جواب کے لیے اپنے پاس بلا رہی ہے۔ پراسیکیوٹر زمر یو تو! سعدی کی پھپھو۔ ابھی دوپہر کو بھی فارس وہیں تھا۔" زرتاشہ کی الجھن مدھم ہوئی، اس کی جگہ ناگواری سی ابھری۔

"وہ فارس پہ شک کر رہی ہیں؟"

"اس نے فارس کو کہا ہے کہ وہ اسے اپنی alibi لڑکی سے ملوائے، اس کو فارس کی بے گناہی کا ثبوت چاہیے۔ اب معلوم نہیں کتنے دن وہ بے چارہ اس کے آفس کے چکر لگاتا رہے گا۔ مگر زمر کو کون سمجھائے؟"

"تو جب تک اس کو یقین نہیں آئے گا، وہ فارس کو اپنے پاس بلواتی رہے گی؟" وہ تیزی سے اسے دیکھتی

بولی۔

"اوہ کم آن۔" ہاشم نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ "روز کے چند گھنٹے اس کے ساتھ گزار لینے سے ان کے درمیان کوئی پرانی بات پھر سے نہیں شروع ہو جائے گی' بھروسا کرو اپنے شوہر پہ۔"

اور ہاشم کے لیے الفاظ تاش کے پتے تھے۔ آگے پیچھے' الٹ پلٹ کر کے ان کو ترتیب دیا' مرضی کے سامنے لایا' مرضی کے چھپا گیا' اور مرضی کا مطلب نکال لیا۔ زرتاشہ لب بھینچے' ضبط سے واپس مڑ گئی۔ وہ فوراً" اس کے پیچھے آیا۔

"سنو' تمہیں بھی فارس پہ شک ہے؟ بے شک وہ پارٹی میں اس وقت نہیں تھا مگر..." وہ دونوں ساتھ ساتھ راہداری میں چل رہے تھے جب ہاشم نے بچتے پھرتے سجائے' مگر وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

"صرف فارس کیوں؟ خاور بھی تو پارٹی میں نہیں تھا۔ پھر پولیس صرف فارس کے پیچھے کیوں آرہی ہے؟" اس نے جو سنا تھا' اگل دیا۔

مگر ہاشم تیار تھا اور بظاہر حیرت سے سر اثبات میں ہلایا۔

"واقعی' عجیب بات ہے' میں بھی ابھی ممی سے یہی کہہ رہا تھا کہ خاور بھی اس وقت نہیں تھا اور بھی کچھ لوگ نہیں تھے' مگر..."

"اور کون؟" اس نے اسی تیزی سے بات کاٹی۔

"یہی' ہمارے کچھ دوست' مگر میری پارٹی کوئی ایسا پیمانہ تو نہیں ہے کہ جو اس میں نہیں ہوگا' وہی قاتل ہے لہٰذا اسی پہ شک کیا جائے... یو نو واٹ' یہ فارس پہ شک' پراسیکیوٹر کی اس سے تفتیش' یہ سب جان بوجھ کے کیا جا رہا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ الجھتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ہاشم کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

وہ واپس آیا تو دم سادھے کھڑی جواہرات تب تک نہیں بولی جب تک اس نے دروازہ بند کر کے لاک نہ کر دیا۔ پھر گہری سانس لے کر ان دونوں کی طرف گھوما۔

"اس نے کوئی نقصان پہنچانے والی بات نہیں سنی۔"

"میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں ہاشم!" جواہرات چیخ پڑی۔ "اس سب کو ختم کرو۔ فارس پہ سب الزام ثابت کرواؤ' اسے جیل بھجواؤ تاکہ میں سکون کی نیند سو سکوں۔"

"جانتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا خاور کے لیپ ٹاپ تک آیا' اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "کہاں تک پہنچا کام؟"

"ہو گیا ہے' سر۔" وہ تابع داری سے اسکرین پہ اسے کچھ دکھانے لگا۔ جواہرات سامنے کھڑی تھی' فکر مند' الجھی ہوئی سی ان کو دیکھنے لگی۔

"تم لوگ کیا پلان کر رہے ہو؟"

باہر لان میں زرتاشہ سینے پہ بازو لپیٹے' سر جھکائے' کسی عجیب کشمکش میں چلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً" آوازوں پہ وہ رکی۔ گردن گھما کر دیکھا۔

لان کے کنارے مصنوعی آبشار تھی۔ وہ اس وقت بند تھی' اور اس کے اسٹیپ پہ شہرین بیٹھی تھی۔ ٹائٹس کے ساتھ سرخ کفتان نما شرٹ پہنے' وہ چیونگم چباتی' سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ زرتاشہ نے لمحے بھر کو سوچا کہ اس کی شرٹ' گردن کی مالا' کلائی کا کڑا' اور اوہ! یہ لانگ شوز... یہ کس کس برانڈ کے ہوں گے؟ مگر پھر... اس نے سر جھٹکا اور اس طرف آئی۔

"شہرین..." شہرین نے چونک کر سر اٹھایا' پھر آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھتے' چہرے پہ سامنے کو آئے سنہری بال پیچھے ہٹائے۔

"ہیلو زرتاشہ۔" وہ کروفر سے مسکرائی۔

"کیا تم مجھے سونی کی برتھ ڈے پارٹی کی ویڈیو دے سکتی ہو؟ مجھے اپنی کزنز کو تمہاری ساڑھی دکھانی ہے۔ ایکسٹرا کاپی ہو گی نا تمہارے پاس؟"

"شیور۔ خاور نے بہت سی سی ڈیز مجھے دی تھیں' میں میری اینجیو کے ہاتھ بھجوا دیتی ہوں۔" تفاخرانہ شانے اچکائے۔ زرتاشہ نرمی سے تھینکس کر کے

آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

چلنے ہی کو ہے اک سموم ابھی
رقص فرما ہے روح بربادی

"تم ایک تیر سے کتنے شکار کرنا چاہ رہے ہو ہاشم؟ اگر کچھ غلط ہو گیا تو؟"

"پھر سے سن لیں پلان' کچھ غلط نہیں ہوگا۔ ہم زمر پہ فائرنگ کریں گے' گن فارس کی استعمال ہوگی' ہوٹل کے جس کمرے سے گولی چلے گی وہ بھی اسی کے نام پہ ہوگا۔ گن پہ فارس کے فنگر پرنٹس بھی ملیں گے۔"

"اور اگر وہ مر گئی تو؟" جواہرات کو ہول اٹھ رہے تھے۔

"اس کو نہیں مارنا ہم نے ممی۔ وہ بظاہر فارس سے تفتیش کر رہی ہے' اس پہ شک کر رہی ہے' ایسے میں زمر کو یہ حملہ ایک مجرم کو خود کو چھپانے کا حربہ لگے گا۔ وہ یہی سمجھے گی کہ گرفتاری کے خوف سے فارس نے یہ سب کیا ہے۔"

"اور اگر اس نے اسے فارس کے خلاف سازش سمجھا تو؟"

"اونہوں..." ہاشم پہلی دفعہ کھل کر مسکرایا اور خاور کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرایا۔ جواہرات نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"کیا میں کچھ مس کر رہی ہوں؟"

"زمر کبھی بھی نہیں سمجھے گی کہ یہ فارس کے خلاف سازش ہے۔ وہ فارس کو ہی قصوروار سمجھے گی کیونکہ یہ بات اسے فارس خود کہے گا۔"

"او کے' اور فارس اسے یہ بات کیوں کہے گا؟" جواہرات اب ذرا اکتانے لگی تھی۔

"وہ اس طرح ممی کہ ہم فارس کی طرف سے زمر کو یہی بات کہلوائیں گے۔"

"ہرگز نہیں ہاشم۔" جواہرات نے کوفت سے سر جھٹکا۔

"زمر کو آج بھی فارس کی بے گناہی کا یقین ہے' کل بھی ہوگا۔"

"ہم اس کو فارس کی طرف سے کال کریں گے۔" کہتے ہوئے ہاشم نے خاور کی طرف اشارہ کیا۔ خاور نے لیپ ٹاپ اسکرین جواہرات کے سامنے کی۔ وہ مشتبہ نظروں سے اسے دیکھتی قریب آئی۔

"کیا تم دونوں وضاحت کرنا پسند کرو گے؟" خاور نے سر کو اثبات میں ہلایا اور اسکرین کو دیکھتے ہوئے مودب انداز میں سمجھانے لگا۔

"میں نے اس سافٹ ویئر میں فارس کی تمام ریکارڈنگز ڈال دی ہیں جو میرے پاس ہیں۔ ہم پچھلے ایک ہفتے سے اس کا فون ٹیپ کر رہے تھے۔ اب دیکھیے۔" وہ چند بٹن دبا کر مزید صفحے کھولنے لگا۔ جواہرات بدستور مشکوک سی اسے دیکھے گئی۔

"میں جو بھی ٹائپ کروں گا' وہ فارس کی آواز میں ابھر کر سامنے آئے گا۔ ہم فارس کے فون سے پراسیکیوٹر کو کال کریں گے۔ اور ہمارا کہا ہوا اسکرپٹ اس کی آواز میں پڑھا جائے گا۔ وہ یہی سمجھے گی کہ یہ فارس ہے اور اس پہ حملہ کرنے سے پہلے اس کے سامنے اعتراف جرم کر کے اپنے ضمیر کی آخری چبھن نکال رہا ہے اور اس کو ختم کر کے آخری ثبوت بھی مٹانا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ زندہ بچ جائے گی' اس لیے وہ اسی کال کو فارس کے خلاف استعمال کرے گی۔"

"آف کورس' زمر کے پاس یہ ریکارڈنگ نہیں ہو گی۔ لیکن اس کو فارس کے یہ الفاظ ساری زندگی یاد رہیں گے۔ اس بنیاد پر وہ اسے جیل بھی بھجوائے گی اور وہ اس کے خلاف سب سے بڑی گواہ ہو گی۔ ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سب سے بڑے دشمن بن جائیں گے۔"

جواہرات قدرے الجھے سے دونوں کے چہرے دیکھنے لگی' لب دانت سے کاٹتے ہوئے وہ کافی متفکر نظر آرہی تھی۔

"ہاشم! اگر کچھ غلط ہو گیا۔ اگر زمر ہماری چال میں

نہ آئی "اگر اس نے اس سب کو ایک سوچا سمجھا پلان سمجھا تو؟"

"تو پھر ہماری قسمت کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا مگر میں اپنے خاندان کے لیے اچھی امید رکھنا چاہتا ہوں۔" وہ شانے اچکا کر سپاٹ سا نظر آنے لگا۔

جواہرات نے بدقت مسکرا کر سر ہلایا مگر وہ ابھی بھی خوش نہیں تھی۔ آنکھوں میں شدید اضطراب تھا' پھر یکایک کسی خیال کے تحت اس نے چونک کر ہاشم کو دیکھا۔

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی' اگر فارس نے واقعی وارث کا قتل کیا ہے' اور وہ زمر کے سامنے اپنی کال میں اعتراف جرم بھی کرلے گا' تو بھی وجہ قتل کیا ہوگی؟ کم از کم اس سارے پلان میں مجھے وجہ قتل نظر نہیں آرہی۔"

ہاشم کے تاثرات قدرے سخت ہوگئے۔ اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ اور ان میں ایک عجیب سا جذبہ ہلکورے لینے لگا۔ اس نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا' جہاں سے ابھی ابھی زرتاشہ واپس گئی تھی اور پھر دوبارہ ماں کی طرف رخ پھیرا۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز میں زخمی پن سا تھا۔

"وجہ قتل سامنے ہے اور میں اس کو اس سب میں فٹ کرلوں گا۔ بھروسا رکھیے۔ ہاشم ہر چیز سنبھال سکتا ہے۔" جواہرات بس اس کو دیکھ کر رہ گئی' اس نے سوچا کہ وہ ہاشم سے پوچھے کہ وہ وجہ قتل کیا بتا رہا ہے؟ لیکن پھر اس سے پوچھا نہیں گیا۔ دل پر پڑے بوجھ بڑھتے جارہے تھے۔ وہ بے دلی سے اٹھ کر وہاں سے آگئی۔

باہر آئی تو اورنگ زیب لاؤنج میں بیٹھے تھے' ان کے سامنے جواہرات نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ ویسے ہی سجالی۔ اور بڑی تمکنت سے آکر بڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھی' بازو صوفے کے ہتھے پر جمایا اور مسکرا کر انہیں دیکھنے لگی۔

ان کے تنے تاثرات مزید تن گئے۔ قدرے مدافعانہ سی جارحیت سے وہ اس کو دیکھ کر بولے۔

"ہاشم سے کہو' جلد از جلد یہ معاملہ ختم کرے۔ میں اس وقت اس طرح کا کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کرسکتا۔" جواہرات نے مسکرا کر اثبات میں خم دیا۔ کم از کم اس معاملے میں وہ دونوں متفق تھے۔

☼ ☼ ☼
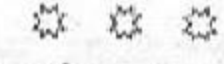
رستے دیار دل کے بھی کتنے عجیب تھے
سب راہرو تھے' کوئی یہاں رہنما نہ تھا

انیکسی کے باہر شام گہری ہو رہی تھی۔ بالائی منزل کے ماسٹر بیڈ روم میں بیڈ کے کنارے بیٹھی زرتاشہ کے چہرے پہ سوچوں کا جال تھا۔ وہ ہتھیلی پہ تھوڑی گرائے انگلی پہ سامنے کی لٹ لپیٹتی' دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ کبھی کبھار وہ گردن موڑ کر اس طرف دیکھتی' اور پھر دوبارہ سے خلا میں دیکھنے لگتی۔ اس کا ذہن منقسم تھا۔ ہاشم سے کی گئی باتیں' زمر کا ذکر' فارس کی غیر موجودگی' سب کچھ اسے بہت الجھا رہا تھا۔ اگر خاور کا پارٹی میں موجود نہ ہونا اتنا اہم نہیں تھا تو پھر ہاشم نے بطور خاص اس بات کا ذکر کیوں کیا۔ پھر اس کو آتے دیکھ کر ان کے چہرے اتنے فق کیوں ہوگئے تھے؟ زرتاشہ کے پاس بہت سے سوال تھے' جواب ایک کا بھی نہیں تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ وہ بے زاری سے اٹھی اور گھوم کر سائڈ ٹیبل تک آئی۔ فارس کا موبائل بج رہا تھا' اوپر لکھا آرہا تھا "میڈم زمر"۔ زرتاشہ کے لب بھنچ گئے' آنکھوں میں عجیب سی ناگواری ابھری' چند لمحے وہ فون کو دیکھتی رہی' پھر جھپٹ کر اٹھایا۔ زور سے بٹن پریس کرکے کان سے لگایا۔

"جی فرمائیے؟"

"میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف بات کررہی ہوں۔" زمر کہتے ہوئے ذرا جھجکی۔ "مجھے فارس سے بات کرنی ہے۔"

"میں فارس کی بیوی بول رہی ہوں' آپ کو فارس سے کیا بات کرنی ہے؟" زرتاشہ کا لہجہ خشک اور سرد

تھا۔ زمر لمحے بھر کے لیے چپ ہو گئی۔

"کیسی ہیں آپ زرتاشہ؟"

"فی الحال تک تو ٹھیک ہوں۔ لیکن جس طرح آپ میرے شوہر کے ساتھ بی ہیو کر رہی ہیں' مجھے نہیں لگتا کہ اگلی دفعہ ہم اتنی ہی خوشگواری سے بات کر سکیں گے۔" لائن پر چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی' پھر زمر کی آواز ابھری تو اس میں گہرا تعجب تھا۔

"سوری۔ میں آپ کی بات سمجھی نہیں؟"

"حالانکہ آپ کو سمجھنا چاہیے تھا کہ میرا شوہر بے گناہ ہے۔ پھر بھی جس طرح آپ اس کیس کو پرسیو کر رہی ہیں' جس طرح آپ میرے شوہر کو بار بار مجرم ثابت کرنے پہ تلی ہیں' اس سب سے مجھے یہی لگتا ہے کہ آپ اس سے کوئی پرانا بدلہ اتار رہی ہیں۔ آخر میرے شوہر نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟" وہ بمشکل غصہ ضبط کرکے کہے جا رہی تھی۔ اتنے دنوں کا اندر ابلتا لاوا کسی نہ کسی طرح پھٹنا ہی تھا۔ دوسری جانب زمر اچنبھے اور حیرت سے فون کو دیکھ کر رہ گئی' پھر اس کے تاثرات بھی سخت ہو گئے" آواز سپاٹ ہو گئی۔

"میں بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہی آپ کس طرف اشارہ کر رہی ہیں' میں صرف اور صرف فارس اور سعدی کی مدد کرنا چاہ رہی تھی' بہرحال جب فارس مجھ سے بات کرنے کے لیے فارغ ہو جائیں تو انہیں بتا دیجیے گا کہ انہوں نے کل مجھے اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے۔ اور ہاں ان سے کہیے گا کہ اگلی کال وہ ہی مجھے کریں گے' کیونکہ میرے پاس فی الحال کرنے کو اور بہت سے کام پڑے ہیں" کھٹ سے فون بند ہو گیا۔

زرتاشہ طیش سے فون کو دیکھ کر رہ گئی' پھر زور سے واپس پھینکا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تو وہ چونک کر مڑی' فارس باہر نکل رہا تھا' تولیے سے گیلے بال رگڑتا' اس کی آنکھوں اور چہرے پہ شدید اضطراب سا تھا۔ یقیناً" اس نے یہ گفتگو نہیں سنی تھی' وہ قریب آیا تو زرتاشہ نے بمشکل چہرے کے تاثرات نارمل کیے' ہلکا سا مسکرائی۔

"میڈم پراسیکیوٹر کا فون آیا تھا۔ وہ چاہتی ہیں کہ آپ انہیں کال بیک کر لیں۔" فارس نے ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ آنکھیں سکیڑ کر اس کے تاثرات پہ غور کیا۔

"اور کیا کہہ رہی تھیں؟"

"کچھ خاص نہیں" وہ گھوم کر بیڈ کے دوسری طرف چلی گئی۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے بیٹھی' اور برش اٹھا کر بالوں میں اوپر سے نیچے پھیرنے لگی۔ البتہ چہرے پہ ہلکی سی گھبراہٹ تھی' دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ فارس جیسے آدمی کو دھوکا دینا کم از کم زرتاشہ کے لیے اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ رخ پھیر کر بیٹھی آئینے میں اس کو دیکھتی رہی۔ فارس اب فون پہ نمبر ملا کر اسے کان سے لگا رہا تھا۔ پھر پلٹ کر وہ کمرے سے ملحقہ بالکونی میں جا کھڑا ہوا۔ زرتاشہ کی سماعتیں وہیں لگی تھیں۔ بالوں میں ہیئر برش پھیرتا ہاتھ رک گیا۔

"جی السلام علیکم! میڈم کیسی ہیں آپ؟ آپ کا فون آیا تھا۔" اسے فارس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہیئر برش رکھ کے دبے قدموں اٹھی اور چوکھٹ میں جا کھڑی ہوئی' فارس کی اس کی طرف پشت تھی۔ سامنے لان نظر آتا تھا اور اس کے پار ہاشم کے کمرے کی بالکونی' ہاشم کا کمرہ ہمیشہ ہی اونچائی پہ ہوتا تھا اور ان کا کمرہ نشیب میں' یہ فرق زرتاشہ کو آج پہلے سے زیادہ محسوس ہوا تھا۔

"جی شیور میم! میں کل آپ کو اس سے ملوا دوں گا۔ ٹائم اور جگہ میں آپ کو ٹیکسٹ کر دیتا ہوں۔"

"اوکے۔" فارس شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ مگر دوسری جانب سے غالباً" خشک لہجے میں کی گئی بات کاٹ دی گئی تھی' تب ہی وہ خاموش ہو گیا اور پھر فون بند کر دیا جب وہ پلٹا تو زرتاشہ کو وہیں کھڑا پایا۔

"کیا کہہ رہی تھیں؟" اس نے بظاہر انجان سی بن کر پوچھا' دل البتہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ فارس فون بند کرتا آگے آیا' ذرا سے کندھے اچکائے' خود بھی کچھ الجھا ہوا سا تھا۔

"کل مجھے انہیں اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے۔ اس کا بتا رہا تھا۔" پھر خاموش ہو گیا' جیسے اسے بھی زمر کے خشک جواب پہ پہلے سے زیادہ حیرت ہوئی تھی' یا پھر شاید اسے برا لگا تھا۔ کیا واقعی زمر اس کو مجرم سمجھ رہی تھی؟

"کیا آپ کو یہ لگتا ہے کہ ڈی اے آپ کو مجرم سمجھتی ہے؟" زرتاشہ ذرا سی ذرا احتیاط سے اس کا چہرہ دیکھتی قریب آئی' وہ جو بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا تھا چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا' چہرے کے تاثرات ذرا نرم پڑے۔ آخر وہ اس کی بیوی تھی اس کی سوچ پڑھ سکتی تھی' اس نے مبہم سا اثبات میں سر ہلایا "شاید۔"

زرتاشہ کو ذرا تقویت ملی۔ گردن اٹھا کر پہلے سے زیادہ اعتماد سے وہ قریب آئی' اس کے کندھے پہ نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"زمر جو بھی کہے میں جانتی ہوں' آپ نے کچھ نہیں کیا اور میں جانتی ہوں کہ آپ مجرم نہیں ہیں۔ یقیناً" کوئی اس میں آپ کو پھنسا رہا ہے۔" فارس کے تاثرات کی نرمی بڑھتی گئی' اس نے ہلکا سا مسکرا کر سر کو خم دیا' ایسی مسکراہٹ جس میں سوگواریت بھی تھی اور زخمی پن بھی۔

"تھینک یو زرتاشہ! تمہاری سپورٹ میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔" وہ بھی جواباً" مسکرا دی' البتہ وہ پہلے سے زیادہ مضطرب تھی' اس کو کیا چیز تنگ کر رہی تھی؟ ہاشم کا ایک بے معنی' بے سبب سا جملہ؟ کیا بس یہی زرتاشہ کو تنگ کر رہا تھا؟

اس نے سر جھٹکنا چاہا مگر سوچوں کو جھٹکنا اتنا آسان نہ تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں میری اینجیو کے ہاتھ بھجوائی گئی ویڈیو سی ڈی رکھی تھی' چونکہ شہرین نے بھجوائی تھی اس لیے خاور کو پتا نہیں چل سکا' اور نہ ہی ہاشم کو۔ اس نے سوچا کہ وہ کل اسے دیکھے گی۔ ہاں کل!

☼ ☼ ☼

لمحوں سے اب معاملہ کیا ہو
دل پہ اب کچھ گزر رہا بھی نہیں

جس وقت زمر نے فارس کا فون بند کیا وہ گھر میں داخل ہو رہی تھی اس کے چہرے پہ عجیب سی بے زاری اور قدرے ناگواری تھی۔ موبائل پرس میں رکھتے ہوئے وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی' جیسے وہ اس سارے کھڑاگ سے تنگ آ رہی تھی' مگر سعدی.... صرف سعدی کے لیے اسے یہ سب کچھ عرصہ مزید برداشت کرنا تھا۔ پتا نہیں شادی کے بعد کیا ہو گا؟ اف ....!!

مین ڈور کھول کر وہ راہداری میں آئی پھر ڈرائنگ روم کے قریب سے گزرتی وہ ٹھہری' جالی دار پردے کے پار مہمانوں کی باتیں اور چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ ذرا اوٹ میں ہو کر اس نے دیکھا' یہاں سے صرف سامنے صوفے پہ بیٹھا حماد دکھائی دے رہا تھا۔ خوش شکل سا نوجوان' جس کی آنکھوں پہ گلاسز تھے مگر اس وقت وہ قدرے غیر مطمئن سی صورت حال میں بیٹھا ہوا تھا۔ باقی اس کی والدہ کا چہرہ تو یہاں سے دکھائی نہیں دے رہا تھا' مگر ان کی آواز وہ بہرحال سن سکتی تھی۔ وہ بڑے ابا سے کہہ رہی تھیں۔

"ہمیں بخوبی احساس ہے کہ آپ کے خاندان کی بہت قریبی وفات ہوئی ہے' لیکن آپ بھی خیال کیجیے کہ ہمارے کارڈز بٹ چکے ہیں' ہمارے سارے مہمان آ چکے ہیں' کتنے ہی لوگوں نے باہر سے آنا تھا' وہ چھٹی لے کر آئے ہیں' وہ اس سے زیادہ ٹھہر بھی نہیں سکتے' ایسے میں ہم بھی مجبور ہیں۔"

"میں بالکل سمجھ سکتا ہوں آپ کی ساری بات' میں آپ کو شادی آگے کرنے کا بھی نہیں کہہ رہا' شادی اسی دن ہو گی جو کارڈز پہ لکھا ہے' میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ ہم اس شادی کو قدرے سادگی سے بھی کر سکتے ہیں۔ بجائے بے حد دھوم دھام کے۔"

"ہمارا ایک ہی ایک بیٹا ہے' کیا ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہم اپنے تمام ارمان اس پہ پورے کر سکیں؟ آپ جانتے ہیں کہ وہ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے اس میں سب کی خوشی شامل ہے۔"

"وہ سب ٹھیک ہے' آپ ولیمہ پر اپنے تمام ارمان

پورے کر لیجیے گا۔ لیکن صرف اپنی طرف کے فنکشنز ہم سادگی سے سرانجام دینا چاہتے ہیں' یہ ڈیتھ ہمارے خاندان کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا تھی۔ میں نہیں چاہتا ہمارے کسی بھی عمل سے میری بہو اور پوتے اپ سیٹ ہوں۔" بڑے ابا بہت متانت اور بارعب لہجے میں ان کو اپنا مدعا سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ کوئی لاحاصل سی بحث تھی جو زمر کو مزید بے زار کر رہی تھی۔

دفعتاً" بے حد تکلف میں بیٹھے حماد کی نظر اس پہ پڑی تو وہ بدقت مسکرایا۔ زمر بھی اتنی ہی دقت سے مسکرائی' سر کو خم دیا اور پلٹ کر اندر چلی گئی۔ حماد سے بس اس کا اتنا ہی تعلق تھا۔ بظاہر رہی پسندیدگی کی بات تو اپنے جیسی بہت سی لڑکیوں کی طرح منگنی' نکاح' شادی جیسے لائسنس کے بعد اس کو پسندیدگی کا اختیار تو مل ہی چکا تھا۔ اچھا تھا وہ' اس کو پسند بھی تھا اور شادی کے حوالے سے امیدیں بھی بہت تھیں۔ لیکن وارث غازی قتل --- یہ ایک واقعہ ہر چیز بدل رہا تھا۔ کمرے میں آکر اس نے موبائل کھولا' فارس کی ابھی ابھی اٹینڈ کی ہوئی کال کا ریکارڈ دیکھا۔ زرتاشہ کی باتیں ذہن میں دوبارہ سے گونجیں' چہرے پہ آئی ہوئی تلخی مزید بڑھ گئی۔ بے دلی سے اس نے فون پرے رکھ دیا۔ تبھی وہ دوبارہ سے بجا۔ زمر نے کال اٹھائی' یہ آفس سے تھی۔

"اچھا... ہوں... ٹھیک ہے میں سمجھ گئی' مجھے معلوم ہے کہ وارث غازی کا باس اس طرح اپنی کلاسیفائڈ فائلز نہیں دے گا۔ کل پیشی کی تیاری کرو۔ ہم کورٹ سے آرڈر لیں گے ان کی فائلز کو کھلوانے کے لیے' آخر ہم نے ان کو بھی تو شامل تفتیش رکھنا ہے' اگر فارس غازی ٹھیک کہہ رہا ہے کہ اس مرڈر کا تعلق اس کیس سے ہے جس کی تفتیش مقتول کر رہا تھا تو ہمیں کورٹ سے آرڈر لازمی لینا ہے۔ سمجھ گئے؟ اوکے!" فون بند کرکے زمر نے پہلے سے زیادہ بے دلی سے اسے بیڈ پہ پھینکا' اور کنپٹی دونوں انگلیوں سے مسلتی' سر ہاتھوں میں گرا کر وہیں بیٹھی رہی۔

☼ ☼ ☼
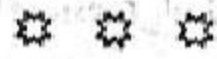
اور بات کہ بازی اسی کے ہاتھ رہی
وگرنہ فرق تو لے دیے کے ایک چال کا تھا

وہ صبح پہلے سے زیادہ تعفن زدہ تھی۔ حبس' گھٹن اور فضا میں چھائی عجیب سی سڑاند۔ ایسے جیسے دور کہیں زیر زمین کوئی چیز جل رہی ہو' بھن رہی ہو۔ کوئی نادیدہ شے۔

آفس سے نکلتے ہوئے زمر نے کار کی طرف جاتے ہوئے موبائل دیکھا' فارس نے صبح اسے ہوٹل کا نام ایس ایم ایس کر دیا تھا' ساتھ ہی کال کرکے تاکید بھی کر دی تھی' یہ وہ جگہ تھی جہاں اسے فارس کی ایلی بائی سے ملنا تھا۔ وقت قریب تھا' دوبارہ سے ہوٹل کا نام ذہن نشین کرنے کے لیے اس نے میسج کھولا ہی تھا کہ موبائل بجا۔ فارس کا نمبر آرہا تھا' اس نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

"میں فارس نکلنے ہی والی..."

"چینج آف پلان... ہوٹل نہیں اس کے سامنے ریسٹورنٹ ہے وہاں آجائیے زمر! میں تفصیلات ایس ایم ایس کر رہا ہوں۔" اور فون بند۔ زمر کے ابرو تعجب میں بھنچے' وہ فارس ہی تھا' مگر اس کا انداز کچھ عجیب سا تھا' مختلف سا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے کبھی اس طرح دوٹوک بات نہیں کی تھی' مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ زمر کی بات سنے بغیر فون کاٹ دیا ہو۔ اسے کچھ ناگوار گزرا۔ شاید کل اس کے خشک اور مختصر انداز گفتگو کی وجہ سے اس نے اس طرح بات کی ہو۔ خیر' سر جھٹک کر اس نے کار اسٹارٹ کی اور مرر میں اپنا چہرہ دیکھا۔ بھوری آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور ناک کی لونگ چمک رہی تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں بندھے تھے۔ وہ ہر روز کی طرح آج بھی ماندہ نظر آرہی تھی۔

ہاشم اپنے آفس میں پاور چیئر پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ کوٹ کرسی کی پشت پہ پھیلا تھا۔ کف موڑ رکھے تھے۔ بالکل تھکے تھکے' خون سے نچڑے چہرے کے ساتھ وہ میز پہ کھلے لیپ ٹاپ کو دیکھ رہا تھا۔ خاور سے رابطہ مسلسل جڑا تھا۔ وہ فارس اور زمر کی کال سن سکتا تھا۔ آنکھوں میں البتہ ناخوشی تھی' جب کال ختم ہوئی تو وہ آگے کو جھکا اور مائیک میں بولا۔

"یہ فارس کا لہجہ بالکل نہیں تھا۔ وہ پہچان جائے گی۔"

"سر! یہ قریب ترین ہے۔ اس سے زیادہ مشابہت ممکن نہیں' ہم آواز کاپی کر سکتے ہیں' لہجہ نہیں۔ آپ جانتے ہیں ہر آواز کا ایک مختلف وائس پرنٹ ہوتا ہے۔ اسی لیے میں ان ریکارڈنگز کو دوٹوک رکھ رہا ہوں' تاکہ وہ لہجے پہ غور نہ کر سکے۔" وہ اپنے کام کا ماہر تھا' مگر ہاشم بے حد چڑچڑا ہو رہا تھا۔

"اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے شوٹ کروں گا خاور!" وہ سخت بدمزہ اور مضطرب ہو کر مٹھی بھینچتا واپس پیچھا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا کرب تھا' غصہ تھا' گلٹ تھا۔ ہاشم کے پاس اس وقت ہر چیز تھی' سوائے سکون کے۔

ہوٹل کے کمرے میں خاور کھڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پردہ ہٹا تھا۔ گن اسٹینڈ پر کھڑی تھی۔ اس نے باریک دستانے پہن رکھے تھے' جن کی انگلیوں کے پوروں کی جگہ پہ باریک پلاسٹک چپکا تھا۔ اس پلاسٹک پہ فارس کے فنگر پرنٹس تھے۔ وہ جہاں جہاں ہاتھ لگاتا' وہاں فارس کے نشان لگتے جاتے جو بعد میں پولیس تلاش کر لے گی۔ بہت احتیاط سے وہ گن کو اسٹینڈ سے فکس کر رہا تھا۔ اتنی احتیاط سے کہ اس پہ موجود فارس کے اصلی فنگر پرنٹس خراب نہ ہوں۔ (یہ گن اس نے فارس کے گھر کی بیسمنٹ سے اٹھائی تھی۔) گن سیٹ کرکے اس نے نال میں سے دیکھا' نشانہ باندھا۔ دور نیچے بنے ریسٹورنٹ کی شیشے کی دیوار سامنے تھی۔ وہاں پہ کارنر میں ایک ٹیبل دیکھا' ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی۔ وہ مڑا' لیپ ٹاپ پہ چند کیز دبائیں' کال جانے لگی۔

زرتاشہ انیکسی کے برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی اداسی سے سامنے کھڑے بلند و بالا محل کے عقب کو دیکھ رہی تھی' وہیں پہ ہاشم کی بالکونی تھی اور نیچے شہرین اپنی دو سالہ بیٹی سونیا کی انگلی پکڑے اس سے باتیں کرتی' کسی بات پہ ہلکا سا ہنستی گھاس پہ چل رہی تھی۔ شہرین نے ٹائٹس پہ ڈھیلی سی ڈیزائنر شرٹ پہن رکھی تھی' جس کے ایک کندھے سے آستین نیچے تک لٹکتی تھی۔ گردن میں پتھروں کی لمبی سی مالا تھی۔ سب برانڈڈ تھا اور وہ جانتی تھی کہ سب کتنا قیمتی ہوگا۔ فارس کی تین مہینے کی تنخواہ سے بھی کئی گنا زیادہ قیمتی۔ مگر نہیں' وہ چاہتا تو بہت کچھ افورڈ کر سکتا تھا' اگر وہ بلیک میں خریدی گئی سات آٹھ لاکھ کی گن خرید سکتا ہے' تو اس کو پارٹی کے لیے دو لاکھ کی ساڑھی بھی دلا سکتا تھا' مگر نہیں..."

زرتاشہ یاسیت سے دیکھتی رہی' دفعتاً" دور کھڑی شہرین نے اسے دیکھا۔ سورج کی روشنی کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر آنکھیں سکیڑ کر دیکھا' پھر ہاتھ ہلایا' مسکرا کر تفاخر سے' تمسخر سے۔ زرتاشہ پھیکا سا مسکرائی' اور ہاتھ ہلایا۔ شہرین آگے بڑھ گئی۔ وہ اونچائی پہ تھی' یہاں سے ڈھلان آجاتی' زرتاشہ اوپر دیکھتی رہی' وہ اوپر دیکھنے کی عادی تھی۔

پھر وہ بے دلی سے اٹھی' سامنے رکھا لیپ ٹاپ اور ویڈیو سی ڈی اٹھا کر اندر لے آئی۔ ساری ویڈیو وہ دیکھ چکی تھی۔ خاور جو عموماً" ہاشم کے آگے پیچھے' کہیں نہ کہیں نظر آجاتا تھا' ادھر درمیان میں ایک لمبے دورانیے کو غائب تھا۔ مگر غائب تو فارس بھی تھا۔ اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ خاور کو زیادہ دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ جس منظر میں زمر ہوتی' کم از کم اس میں وہ کسی اور کو نہ دیکھتی۔

تب ہی موبائل بجا۔ اس نے دیکھا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔ برے دل سے اٹھایا۔

"جی؟"

"میں ایک ریسٹورنٹ کا ایڈریس ایس ایم ایس کر رہا ہوں' جہاں پر اس وقت آپ کے شوہر ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر صاحبہ کے ساتھ لنچ کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود آکر دیکھ لیں۔"

غیر شناسا آواز میں کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ وہ "نہیں ہیں" کرتی رہ گئی، پہلے تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا اور پھر سمجھ آنے پر وہ تیزی سے اٹھی۔ چہرے پہ شدید قسم کا طیش غصہ اور الجھن سی بکھر گئی۔ فارس نے اس سے ملنا ہی تھا۔ یہ تو وہ جانتی تھی، لیکن کسی ریسٹورنٹ میں لنچ یہ دو الفاظ اس کو بری طرح کھب گئے تھے۔ اور وہ زرتاشہ تھی، اسے حقیقت جاننی تھی۔ اس کو اپنے دل میں موجود شک کے کیڑے کو نکالنے کے لیے کچھ تو کرنا تھا۔

اس نے موبائل اٹھایا اور فارس کو کال ملائی۔ ایک گھنٹی بجی پھر دوسری، اس نے فون اٹھا لیا۔

"ہاں زرتاشہ بولو؟"

"آپ کدھر ہیں؟" قدرے ہچکچاہٹ سے اس نے پوچھا۔ ساتھ میں اسے خود پر افسوس ہونے لگا، وہ کیسے کسی اجنبی کی کال پہ اعتبار کر سکتی تھی؟

"میں کام سے آیا ہوا ہوں باہر، کوئی کام ہے؟"

"نہیں، بس میں آپ کا پتا کرنا چاہ رہی تھی۔ آج آپ نے پراسیکیوٹر سے ملوانا تھا اس لڑکی کو، وہ سب ہو گیا خیر سے؟"

"ہاں مگر میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اور حنین، علیشا کے کمرے میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہوٹل میں یعنی کہ...؟" اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ فارس نے "بائے" کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ ایک دم کلس کر رہ گئی، پھر موبائل رکھ کر ایک نئے ارادے سے اٹھی۔

ہوٹل کے کمرے میں خاور تیار بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں گھڑی کی سوئیوں پہ تھیں، اپنے ٹارگٹ کے انتظار میں وہ لمحے گن رہا تھا۔ لیپ ٹاپ پہ ہاشم سے رابطہ فی الحال خاموش تھا۔ یہ نہیں تھا کہ ہاشم دوسری جانب موجود نہیں تھا، ہاشم بس چپ تھا۔ بالکل چپ۔ وہ دونوں منتظر تھے کسی کی زندگی کی تحریر لکھنے کے لیے

خاور کے ہوٹل کے کمرے سے ملحقہ کمرے میں علیشا قدرے مضطرب سی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے سامنے خاموش بیٹھی حنین اور مقابل مضطرب سے ٹہلتے فارس کو دیکھتی۔ اس کے اپنے چہرے پہ بھی تفکر چھایا تھا۔

"میں عدالت نہیں جاؤں گی، میں خود کو کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔" اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ فارس نے رک کر جیسے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

"کم از کم ابھی کے لیے تمہیں پراسیکیوٹر کے سامنے میری ایلی بائی مضبوط کرنی ہے کیونکہ یہ سچ ہے، میں قتل کے وقت ادھر ہی تھا۔"

"لیکن میں عدالت نہیں جاؤں گی۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔"

مگر علیشا بے چین ہو رہی تھی۔

"حنین بھی تو تھی اس رات ہمارے ساتھ۔ کیا صرف حنین گواہی نہیں دے سکتی؟" اسے کوئی چیز بہت زیادہ پریشان کر رہی تھی۔

"میں سولہ سال کی لڑکی ہوں، ان کی رشتے دار ہوں میں کریڈیبل (قابل اعتماد) گواہ نہیں ہوں۔" حنین نے پہلی دفعہ گفتگو میں مداخلت کی، اور وہ بھی کافی اعتماد سے۔ فارس اور علیشا دونوں نے اسے دیکھا۔ حنین نے شانے اچکائے۔

"ایلی بک بیل، دی گڈ وائف، بوسٹن لیگل وغیرہ دیکھ کر اتنا تو پتا چل ہی جاتا ہے۔"

"وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کہوں گی کیا؟ مجھے سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا ہے، کہیں میں تو کسی مسئلے میں نہیں پڑوں گی؟" علیشا اب بھی ہچکچا رہی تھی۔ "کیونکہ اگر میں کسی مسئلے میں پڑی تو میں آپ کو ابھی سے بتا رہی ہوں میں اس سب سے نکل جاؤں گی۔"

"کم از کم آج کے لیے تم اس سب سے کہیں نہیں نکل رہیں۔" فارس نے کافی سختی سے اس کا چہرہ دیکھ کر کہا۔ جہاں ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا۔ پھر گہری سانس لی، سامنے صوفے پہ آ کر بیٹھا اور سمجھانے والے مگر دوٹوک انداز میں بولا۔

"یہ تیت جیو والی کہانی پراسیکیوٹر کو مت سنانا، تم بس ایک ٹورسٹ کے طور پر یہاں آئی ہو اپنی دوست سے ملنے، بات ختم۔ سمجھ آئی؟"

علیشا کے چہرے پر ندامت سی پھیل گئی، مگر اس نے سر ہلا دیا۔ "اوکے۔"

فارس بے چینی سے اٹھ کر آگے پیچھے ٹہلنے لگا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ حنین نے اس کی کیفیت دیکھ کر کہا۔

"آپ پھپھو... کو کال کر لیں۔" فارس نے سر ہلا کر فون نکالا، کال ملا کر کان سے لگایا۔ گھنٹی جانے لگی۔

ملحقہ کمرے میں موجود خاور کے لیپ ٹاپ پہ سگنل آنے لگا۔ فارس کے نمبر سے کال جا رہی تھی۔ اس نے چند کیز دبائیں، کال کا رستہ کاٹا اور فارس کو فون بند ہونے کا پیغام ملنے لگا۔ اس نے سر جھٹک کر موبائل جیب میں ڈال لیا۔

"یقیناً وہ آ رہی ہوں گی۔" حنین نے خاموشی سے سر کو خم دیا، وہ اس کارروائی میں فارس کا ساتھ ضرور دے رہی تھی، البتہ وہ خوش نہیں تھی۔ اسے زمر کا فارس کے اوپر شک کرنا، علیشا کا اس سارے معاملے میں گھسیٹے جانا، سعدی کی بے چینی، ہر چیز ناخوش کر رہی تھی۔ کتنا ہی اچھا ہوتا اگر زمر صرف اس کی بات کا اعتبار کر لیتی، مگر اس نے صاف بے رخی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کیس میں کسی کی رشتہ دار نہیں ہے۔ حنین نے یہ سب یاد کر کے ناگواری سے سر جھٹکا۔ آنکھیں ابھی تک سرخ، متورم تھیں، پہلے وارث ماموں کا غم، اور اس کے بعد شروع ہونے والا یہ عجیب سا پولیس، کچہری، قانون کا چکر...

✲ ✲ ✲

مرحلے اور بھی تھے جاں سے گزرنے کے لیے\
کربلا کس نے پس کرب و بلا بھیجی ہے

زمر نے کار ریسٹورنٹ کے باہر روکی، موبائل اور پرس اٹھا کر باہر نکلی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ دروازے کے قریب میز پر ریزروڈ لکھا، یہاں سے بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کا گلاس ڈور کھول کر اندر آئی۔ ویٹر سے اس میز کے متعلق پوچھا، یہ معلوم ہونے پر کہ وہ اسی کے نام ریزروڈ ہے، وہ وہاں بیٹھ گئی۔ پھر گھڑی دیکھی، وہاں ابھی تک کوئی نہیں تھا۔ اس نے کافی آرڈر کی۔ اور پھر انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے انتظار کرنے لگی۔

کیا وہ واقعی ٹھیک کر رہی تھی؟ کیا واقعی اسے فارس کے ایلی بائی سے ملنے یہاں تک آنا چاہیے تھا؟ اصولاً تو فارس کو چاہیے تھا کہ وہ اس لڑکی کو اس سے ملوانے لے کر آتا۔ لیکن کوئی بات نہیں، وہ اپنی حجت تمام کر لے۔ وہ سعدی کو دکھا دے کہ وہ واقعی اس کے ماموں کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ لیکن کیا یہ سب دکھانے کا کوئی فائدہ ہو گا؟ کیا واقعی اس کے اوپر سے خود غرضی کا لیبل اترے گا؟

ان تمام سوچوں سے سر جھٹک کر زمر نے اپنی توجہ ویٹر کی طرف مبذول کی، جو اب کافی لا کر سامنے رکھ رہا تھا۔ جب تک اس نے کپ اٹھایا، سامنے سے کوئی آتا دکھائی دیا۔ زمر نے چونک کر ادھر دیکھا۔ وہ زرتاشہ تھی سیاہ لباس پہ سرمئی دوپٹہ گردن میں لپیٹے وہ خاموش نظروں سے دیکھتی قریب آئی، کرسی کھینچی، سامنے بیٹھی، کہنیاں میز پہ رکھیں، ہتھیلی پہ تھوڑی ٹکائی، کافی کینہ توز نظروں سے زمر کو دیکھنے لگی۔ زمر قدرے غیر مطمئن انداز میں کرسی کے کنارے پہ آگے ہوئی، سر کے خم سے سلام کیا اور پوچھا۔

"فارس کہاں ہے؟"

زرتاشہ نے ہلکے سے شانے اچکائے اور زمر کو بدستور بنا پلک جھپکے دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ کیا آپ نے ابھی ان کے ساتھ لنچ نہیں کیا؟"

"لنچ؟ میں تو کافی دیر سے ان کا انتظار کر رہی ہوں، انہوں نے مجھے یہاں بلایا تھا، مجھے کسی سے ملوانا تھا۔"

"لیکن مجھے تو یہاں کوئی نظر نہیں آ رہا۔" آخر کس سے ملوانا تھا ان کو؟"

"اپنی ایلی بائی سے، قتل کے وقت وہ جس کے ساتھ تھے۔" زمر کو اب کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔ مگر نہ وہ اپنے

محسوسات سمجھ پارہی تھی نہ زرتاشہ کا رویہ، جو عجیب نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے لیے کچھ آرڈر کروں؟" زمر نے کہتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا۔ وہ قریب آیا تو زرتاشہ نے اس پر سے نگاہ ہٹائے بغیر مکس جوس کا آرڈر دیا۔ وہ سر ہلا کر چلا گیا۔ زمر نے دوبارہ گھڑی دیکھی اور پھر موبائل کو۔ آخر فارس کہاں رہ گیا؟ اور آخر اس نے اپنی بیوی کو یہاں پہ کیوں بلا لیا؟ اس کے دل میں تو کوئی گلٹ نہیں تھا، وہ تو اس کا پرانا اسٹوڈنٹ تھا اور کچھ بھی نہیں۔ اور ہاں وہ سعدی کا ماموں بھی تھا۔ مگر پھر بھی زرتاشہ کا انداز کچھ عجیب سا تھا، جیسے وہ کوئی "دوسری" عورت ہو۔

دوسری جانب زرتاشہ مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اندر ہی اندر کوئی لاوا سا پک رہا تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ فون زمر نے ہی اسے کروایا تھا۔ فارس پہ شک، اور باقی سب، وہ صرف فارس کی توجہ کے لیے اس کا گھر خراب کرنے کے لیے کر رہی تھی۔ اسے سامنے بیٹھی، گھنگھریالے بالوں والی، کافی کا مگ گھونٹ گھونٹ پیتی لڑکی بہت بری لگی۔

"آپ کی اور فارس کی منگنی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی، یہ سچ ہے نا؟" زرتاشہ نے اچانک سے سوال کیا تھا۔ زمر کو حیرت اور شاک کا ایک جھٹکا لگا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ کپ میز پہ آواز کے ساتھ رکھا۔

"زرتاشہ؟" اندر ایک ابال سا اٹھا، حیرت اور پھر غصہ۔ بمشکل وہ ضبط کر پائی۔ "آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ایسا کچھ نہیں تھا۔"

"آپ انکار کیوں کر رہی ہیں؟ فارس نے خود اس بات کی تصدیق کی تھی کہ وہ آپ سے شادی کرنا چاہتے تھے، لیکن کسی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔" ابرو اچکا کر وہ بولی۔ اس کے انداز میں جیلسی تھی، معصوم سی جیلسی۔

زمر بالکل سن رہ گئی۔ اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا، اس نے سنا تھا کہ کچھ مرد بیویوں پہ دھاک بٹھانے کو کہتے ہیں کہ خاندان کی فلاں اور فلاں لڑکی مجھ پہ مرتی تھی، یہ اور وہ۔ مگر فارس سے اس قسم کی بات کی توقع نہ تھی، اس کا دل مزید برا ہوا۔

"یہ انتہائی احمقانہ بات ہے۔ ابھی فارس آنے ہی والا ہو گا، آپ میرے سامنے یہ بات ان سے پوچھ لیجیے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری شادی تیار ہے۔ ایسے وقت میں اس قسم کی بات آپ کو کرنا اور مجھے سننا زیب نہیں دیتا۔"

وہ شدید برہمی سے بولتی رخ موڑ کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔ وہ دو عورتیں غلط وقت اور غلط موقع پہ غلط موضوع چھیڑ بیٹھی تھیں۔ زرتاشہ نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"جو آپ کہیں۔"

وقت گزرتا جا رہا تھا اور فارس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ زمر نے کوئی دسویں دفعہ گھڑی دیکھی، پھر سرد لہجے میں زرتاشہ کو دیکھے بنا بولی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ فارس وقت اور وعدے کا اتنا کچا ہے۔ اس وقت اس کو یہاں پر ہونا چاہیے تھا، مجھے اور بھی بہت سارے کام کرنے ہیں۔"

"میں نہیں جانتی وہ کدھر ہیں۔" زرتاشہ اب کے ذرا مدافعانہ انداز میں بولی۔ "مجھے تو ان ایگزیکٹ پتا بھی نہیں تھا کہ وہ ادھر آ رہے ہیں۔ میں تو یہاں شاپنگ کرنے آئی تھی، آپ کو دیکھا تو ادھر آ گئی۔"

وہ لمحے بھر کو رکی۔ اب اسے خیال آ رہا تھا کہ اگر فارس ادھر آ گیا اور اسے یہاں دیکھا تو پھر کس طرح وضاحت کر پائے گی؟ کیا پتا زمر نے یہ سب اس کو فارس کی نظروں سے گرانے کے لیے کیا ہو۔ لہجے کو ذرا دھیما کر کے اس نے بات جاری رکھی۔

"کل انہوں نے ذکر کیا تھا کہ انہیں آج آپ سے ملنا ہے، اسی لیے میرا خیال تھا کہ وہ یہیں آنے والے ہوں گے۔" زمر نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ وہ اسی طرح نظر انداز کیے دوسری جانب دیکھتی رہی۔ اس کی فضول اور احمقانہ باتوں پہ ابھی تک اسے غصہ آ رہا تھا۔ اگر وہ کوئی مذاق تھا تو بہت برا مذاق تھا۔

اور تبھی فون کی گھنٹی بجی۔ فارس کا نمبر آ رہا تھا۔

زمر نے کال اٹھائی اور خشک لہجے میں بولی۔

"آپ کدھر ہیں فارس؟ میں آپ کا کتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔" چند لمحے خاموشی چھائی رہی، پھر آواز ابھری۔

"زمر آئی ایم سوری۔"

ہاشم نے لیپ ٹاپ پہ ابھرتے الفاظ سنے اور تھکے تھکے انداز میں سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا۔

"جی؟ آپ نہیں آ رہے۔" زمر نے کہا مگر یوں لگتا تھا وہ نہیں سن رہا۔ وہ کہہ رہا تھا جو اسے کہنا تھا۔ کچھ عجیب تھا اس کے انداز میں، رک رک کر بولتا، بے تاثر سا انداز۔ مشینی آٹومیٹک۔

"میں تمہارے قریب ہی ہوں زمر! لیکن میں یہاں پہ آ نہیں سکتا، یہ میری مجبوری ہے۔ مجھے تمہیں اپنی ایلی بائی سے ملوانا تھا کیونکہ صرف تم ہی ہو، جسے میرے قاتل ہونے پہ شک ہے، مگر میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے۔" زمر دھک سے رہ گئی، اس نے بے اختیار فون کو گھورا اور پھر دوبارہ کان سے لگایا۔

"فارس مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" (اسے کب شک تھا فارس پہ؟ وہ سوال جواب تو تفتیش کا حصہ تھے، وہ کیا برا مان گیا تھا؟)

ہاشم میز کا سہارا لیے کرسی سے اٹھا اور پھر اسی کرسی کے قدموں میں اکڑوں، بے دم سا بیٹھ گیا۔ میز کی اوٹ میں چھپ کر۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ مگر فارس زمر کی بات سننے کے لیے بھی نہیں رکا۔ وہ کہے جا رہا تھا۔

"اور چونکہ میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ وارث غازی کا قاتل میں ہی ہوں، اور میں اسے واقعی نہیں مارنا چاہتا تھا، لیکن مجھے ایسا کرنا پڑا کیونکہ وہ میری بیوی کے ساتھ مل کر مجھے دھوکا دے رہا تھا۔" زمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا، اس نے بے یقینی سے سامنے بیٹھی زرتاشہ کو دیکھا جس کا جوس آ گیا تھا، اور وہ اسٹرا اس میں گھماتی کچھ مکس کر رہی تھی، مگن سی۔ فارس کی بات پر اس سے ذرا ذرا جلن کا شکار، مگر پھر بھی اس کے چہرے پہ ایک معصومیت تھی، بچکانہ سا انداز۔

"فارس آپ... آپ کہاں ہیں؟" اسے لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔

ہاشم اسی طرح، بند آنکھوں کو انگلیوں سے مسلتا، سر گھٹنوں میں دیے بیٹھا رہا۔ کرب سا کرب تھا۔

"آئی ایم سو سوری زمر! مگر میں وہاں ہوں جہاں مجھے ہونا چاہیے۔ مجھے اپنی بیوی اور اپنے بھائی دونوں کو ختم کرنا تھا، ایسا کیے بغیر مجھے کبھی بھی سکون نہیں آئے گا اور ہر چیز ٹھیک جا رہی تھی۔ میں سارا شک وارث کے متعلقہ کیس پہ ڈالنے میں کامیاب ہو رہا تھا مگر مجھے ایسا لگا کہ تمہیں مجھ پہ شک ہے، تو میں نے سوچا کہ میں شک کی تصدیق کر لوں۔ میں تمہیں بتا دوں کہ میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے۔ تم اس کیس کی پراسیکیوٹر ہو، سوائے تمہارے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وارث غازی قتل کیس میں سب سے زیادہ بھاگ دوڑ میں کر رہا ہوں تو میں بے گناہ ہوں، سوائے تمہارے کوئی بھی مجھ پہ شک نہیں کر رہا۔ اب ایسی صورت میں جبکہ تم وارث غازی کی متعلقہ فائلز نکلوانے کے لیے کورٹ سے آرڈر لینے جا رہی ہو، اگر کوئی تمہیں گولی مار دے تو سب کا شک اس متعلقہ کیس تک جائے گا، جس کی وارث تفتیش کر رہا تھا۔ فارس غازی پہ کبھی کوئی شک نہیں کرے گا اور رہی زرتاشہ تو تم اصل ٹارگٹ سمجھی جاؤ گی، اور وہ صرف کولیٹرل ڈیمیج۔"

"فارس آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ فارس کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟" زمر نے گھبرا کر بمشکل کہنا چاہا، اس کے اردگرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔

ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ اسے میز کا اندرونی خلا نظر آ رہا تھا۔ اندھیرا، گھٹن۔ اس نے پھر سے آنکھیں بند کر دیں، سر مزید اندر کر لیا۔ اوپر رکھے لیپ ٹاپ سے آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔

"زمر میں تمہیں کال کر کے صرف ایک بار معذرت کرنا چاہتا ہوں، میں بالکل بھی ایسا نہیں کرنا چاہتا، مگر میں مجبور ہوں مجھے معاف کر دینا، لیکن تمہیں

بالکل تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' صرف ایک گولی' دل میں۔ اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

زمر کرنٹ کھا کر کھڑی ہوئی' فون کان سے لگائے اس نے بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ زرتاشہ بھی سر اٹھا کر اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی تھی' ریسٹورنٹ تقریباً" ویران تھا۔ اس کے پار اونچی بلڈنگز تھیں' ہوٹلز تھے۔ یہیں سامنے والے ہوٹل میں تو فارس نے اسے بلایا تھا' پھر اچانک سے چینج آف پلان.... اچانک سے سب کچھ.... وہ بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اور فارس کہے جا رہا تھا۔

"میں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں یہ میری تم سے آخری گفتگو ہے' اور اس آخری گفتگو میں' میں تمہیں اپنی حقیقت بتانا چاہتا تھا۔ زرتاشہ اور تمہارے مرنے کے بعد میں جانتا ہوں مجھے سکون نہیں ملے گا۔ لیکن کم از کم میں اس قانونی کارروائی سے بچ جاؤں گا۔ آئی ایم سوری زمر!"

"فارس تم کدھر ہو؟ پلیز مجھے بتاؤ؟ میں تمہاری مدد کروں گی جس طرح بھی ہوا میں تمہاری مدد کروں گی۔" زمر بے چینی سے جلدی جلدی کہے جا رہی تھی۔ حالات کی نزاکت بھانپ کر اسے جو بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ "میں تمہارا کیس لڑوں گی' تم نے جو بھی کیا اس سب کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی۔ میں کورٹ میں تمہارے ساتھ کھڑی ہوں گی' تم جو بھی مجھے کہہ رہے ہو یہ سب اٹارنی کلائنٹ پریویلج کے تحت محفوظ رہے گا' میں تمہاری اٹارنی ہوں فارس! میری بات سنو!

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ اسی طرح کی باتیں کیے جا رہا تھا' بالکل کسی روبوٹ کی طرح۔ جیسے اسے زمر کی کسی بات میں دلچسپی نہ ہو۔

"اپنی جگہ سے ہلنا مت' میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں۔ تم بدحواس ہو رہی ہو' مگر بالکل بھی مت ہلنا ورنہ تمہیں تکلیف ہوگی۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' دل میں۔ باقی میری بے وفا بیوی کے لیے ہیں۔" خاور نے barrett M95 کی نال میں سے ایک آنکھ بند کیے جھانکا۔ نشانہ سیٹ کیا۔

"فارس پلیز ایسا مت کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گی میں تمہارا کیس لڑوں گی۔ پلیز' میری بات سنو۔" اسے لگا وہ منت کر رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں شاید آنسو آئے تھے۔ زرتاشہ بالکل حق دق سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے ڈی اے؟" اس نے پوچھا مگر زمر کو کچھ ہوش نہیں تھا' وہ اسی طرح کھڑی فون کان سے لگائے فارس کی منت کر رہی تھی۔

"پلیز فارس! میرے ساتھ اس طرح مت کرو' تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم ایک اچھے انسان ہو' تمہارے اندر اچھائی ہے۔ ہر شخص کے اندر ہوتی ہے' ہمیں صرف اس کو باہر لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہیں یاد ہے یہ میں نے تم سے کہا تھا۔ پلیز میں تمہاری ٹیچر رہی ہوں' میری شادی ہونے والی ہے۔" اس نے کبھی زندگی میں کسی کی اتنی منت نہیں کی تھی۔ ایسے کسی کے سامنے نہیں گڑگڑائی تھی۔ مگر وہ اس کی سن ہی نہیں رہا تھا۔

"آئی ایم سو سوری زمر! مگر مجھے ایسا کرنا ہے۔ یہ سب بتانے کے بعد میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ آئی ایم سو سوری....." اور وہ اس کے ساتھ بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر اب کے زمر اس کو نہیں سن رہی تھی' وہ اسی طرح بھیگتی آنکھوں کے ساتھ مسلسل اسے کہے جا رہی تھی۔

"فارس! میں تمہاری ٹیچر رہی ہوں' میں سعدی کی پھپھو ہوں۔ میری شادی ہونے والی ہے' پلیز میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح مت کرو۔" زرتاشہ ہکا بکا سی اٹھ کھڑی ہوئی' اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زمر فارس سے یہ سب کیوں کہہ رہی ہے۔

"فارس! تم ایسا کچھ نہیں کرو گے' پلیز میری بات سنو' تم یاد کرو میں تمہاری ٹیچر ہوں' میں نے تمہیں پڑھایا ہے۔ میں سعدی کی پھپھو ہوں تم میرے ساتھ

ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔ تم میرے پاس آؤ' ادھر آؤ' میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔ ہم اس بارے میں بات کریں گے۔ جو بھی بات تمہیں کرنی ہے' ہم کریں گے' میں تمہارا کیس لڑوں گی' میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گی فارس! تم صرف میری بات سنو۔"

لیکن اب فارس کی طرف سے خاموشی چھا گئی تھی' وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہا تھا۔ سانس لینے کی آواز تک نہ تھی۔

خاور نے انگلی ٹریگر پہ رکھے' کان سے لگے ہینڈز فری میں کہا "سر' آر یو شیور' آپ اگلے الفاظ سننا چاہتے ہیں؟"

میز کی اوٹ میں' زمین پہ بیٹھے ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک ایک لفظ۔" اس کی سختی سے بھینچی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ "کیا تم اس کو دیکھ سکتے ہو خاور؟"

"یس سر! ابھی بیس سیکنڈ ہیں۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں ہیں' ڈی اے گھبرا گئی ہے' مگر وہ ایک بہادر عورت ہے' وہ بھاگے گی نہیں۔ وہ آخری سانس تک فارس کو کنوینس کرنے کی کوشش کرے گی۔"

"اس کے چہرے پہ اس وقت کیا ہے خاور؟" وہ شدت سے کنپٹی مسل رہا تھا۔ سر میں عجیب درد اٹھنے لگا تھا۔

"نہ خوف' نہ پریشانی۔ صرف شاک اور بے یقینی!"

نیچے ریسٹورنٹ میں زمر کے سامنے کھڑی زرتاشہ کو اب فکر ہونے لگی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ آپ فارس سے کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ کدھر ہے؟" مگر زمر کو اس وقت کچھ ہوش نہیں تھا۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ وہ فوراً "زرتاشہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے بھاگ جائے" مگر دل کو ابھی بھی یقین تھا کہ فارس ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے آخری کوشش کرنی چاہی۔

"فارس پلیز تم کچھ ایسا مت کرنا جس پہ تم پچھتاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں' میں تمہارا کیس بھی لڑوں گی اور میں تمہیں سپورٹ بھی کروں گی۔ پلیز فارس! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ فارس پلیز میری شادی ہونے والی ہے' میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ اپنی بیوی کے ساتھ ایسے مت کرو۔ فارس۔۔۔ فارس؟"

خاور نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک' دو' تین' چار۔۔۔ ٹاک ٹاک کر۔۔۔

اور زمر نے محسوس کیا کہ فون اس کے ہاتھ سے گر گیا ہے' وہ فرش پہ جا لگا' مگر آواز نہیں آئی۔ زمر کو اس وقت کسی بھی چیز کی آواز نہیں آئی۔

بس یوں لگا کمر کو کچھ چیر کر نکلا ہے۔ ایک دو تین۔۔۔ کوئی برچھی تھی' بس پہ آگ لگی تھی' کوئی عجیب سا احساس' درد' بے پناہ درد۔ اس نے جھک کر میز کے کنارے کو دونوں ہاتھوں سے تھامنا چاہا۔ مگر توازن برقرار نہیں رکھ پا رہی تھی۔ زرتاشہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ زمر نے دیکھا وہ کھڑی تھی' زمر کو اب وہ اونچائی پہ لگ رہی تھی' کیونکہ وہ خود گرتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا' اس نے زرتاشہ کو گرتے دیکھا۔ وہ اوندھے منہ زمین پہ جا گری' اسے ماربل کا فرش اپنے گال سے ٹکراتا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹھنڈا فرش' سخت سے سخت دل جیسا ٹھنڈا۔ اس کے علاوہ زندگی میں ہر احساس ختم ہو چکا تھا۔ ہاں شاید کوئی اس کے آس پاس تھا' کچھ سرخ سرخ سا تھا' کوئی سرخ سی شے تھی جو اس کی کمر سے نکل کر اس کے اردگرد بکھر رہی تھی۔ سفید ماربل کے فرش پہ اس کے ہاتھوں پہ' اس کے چہرے کے قریب وہ بہتی جا رہی تھی۔ وہ پانی نہیں تھا' وہ پانی سے گاڑھا تھا۔

ہاشم کے آفس میں اب خاموشی چھائی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں' بمشکل سے اٹھا' تھکا تھکا سا کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ بند کیا اور سست روی سے انٹرکام اٹھا کر بولا۔

"حلیمہ! ایک کپ کافی لاؤ اور پھر جب تک میں باہر نہ نکلوں کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ میں کچھ وقت تنہا رہنا چاہتا ہوں۔" پھر آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت

سے ٹکا دیا۔

سوگ کی ایک سہ پہر' زمر یوسف کے نام! زرتاشہ غازی کے نام!

"تمہیں کسی جنت میں رہنے کا شوق تھا زرتاشہ! تمہاری یہ خواہش بھی فارس کی جگہ میں نے پوری کی!"

☆ ☆ ☆

وقت کے کتنے ہی دھاروں سے گزرنا ہے ابھی
زندگی ہے تو کئی رنگ سے مرنا ہے ابھی

ہر شے اندھیر تھی' پلکوں پہ بہت بوجھ تھا۔ بمشکل اس نے اس بار کو آنکھوں سے ہٹانا چاہا۔ سفید روشنیوں والی چھت تھی' اردگرد لوگ تھے۔ اپنے اوپر سفید چادر تھی' کیا یہ زندگی کا اختتام تھا' یا پھر ایک نئی زندگی کا آغاز تھا؟

بازوؤں میں سوئیاں تھیں' اور اس سے زیادہ چبھتا ہوا احساس دل میں تھا۔ زمر نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکیں' کچھ دھندلے دھندلے سے وجود اپنے سرہانے کھڑے نظر آئے۔ ایک گھنگھریالے بالوں والا لڑکا تھا' ایک عورت تھی فربہی مائل' وہ رو رہی تھی اس کو جاگتے دیکھ کر روتے ہوئے وہ مسکرائی۔ زمر نے مسکرانا چاہا' کچھ کہنا چاہا۔ مگر لبوں سے بس یہی الفاظ نکلے۔ "فارس کہاں ہے؟"

گھنگھریالے بالوں والے لڑکے نے سر جھکا دیا' اس کی آنکھیں بھی شاید گلابی تھیں جیسے وہ رویا ہو' ابھی نہیں بہت پہلے رویا ہو۔ اب اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے' وہ نرمی سے اس کے اوپر جھکا اس کے ماتھے سے بال ہلکے سے ہٹائے اور آہستہ سے بولا۔

"زمر! کیا آپ مجھے دیکھ سکتی ہیں؟" اور وہ اس کو دیکھ رہی تھی بنا پلک جھپکے۔ اس نے ہلکی سی آواز میں صرف اتنا پوچھا۔ "فارس کہاں ہے؟" کسی نے جواب نہیں دیا۔ شاید آگے پیچھے کوئی اور لوگ بھی تھے۔ ہاں اس کی بائیں طرف ایک لڑکی بھی کھڑی تھی' ماتھے پہ کٹے بال' اور گلاسز والی۔ لیکن زمر اس کو نہیں دیکھ رہی تھی' گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے ہوتے ہوئے وہ اس لڑکی کو کم ہی دیکھا کرتی تھی۔ وہ دوبارہ اس کے اوپر جھکا۔

"آپ ٹھیک ہو جائیں گی' بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ کیا آپ کو کہیں تکلیف ہو رہی ہے؟ کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

اس نے ہلکا سا پوچھا' اتنا ہلکا کہ لڑکے کو سننے کے لیے کان اس کے چہرے کے قریب لے جانا پڑا۔

"فارس کہاں۔۔۔ ہے؟"

پھر اندھیرا سا دوبارہ چھانے لگا' ساری دنیا کا نور چلا گیا۔ سیاہی پہ سیاہی کے پردے تھے۔ اس کا دماغ پانی پہ بہتے پر کی طرح ہلکا اور کہیں دور اڑتا گیا۔

دوبارہ آنکھ کھولی تو چہرے بدل چکے تھے' اب صرف لڑکا کھڑا تھا۔ بائیں طرف شاید کوئی اور بھی تھا' مگر بائیں طرف والوں کو وہ کم دیکھا کرتی تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ کھڑے لڑکے پہ نگاہیں مرکوز کیے لب ہلائے' تو وہ پھر سے جھکا۔ اب اس کا لباس بدلا ہوا تھا' شاید وہ کوئی اور دن تھا۔

"آپ کیسی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

اس کے لب ہلکے سے پھڑپھڑائے "فارس کہاں ہے؟" لڑکے کے چہرے پہ کرب سا بکھرا' اس نے سر جھکا کر اٹھایا۔

"ان کی وائف۔۔۔" وہ رکا۔ زمر یک ٹک اسے دیکھتی رہی' اسے لگا اسے اس سوال کا جواب معلوم ہے۔

"ان کی وائف کو بھی گولی لگی تھی' وہ نہیں رہیں۔" وہ بمشکل بول پایا۔ شاید اس کے گلے میں کوئی چیز اٹکی تھی' پانی یا کچھ ایسا جو پانی سے بھی گاڑھا تھا۔

"زرتاشہ مر گئی؟" اس کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا' یک ٹک وہ سعدی کو دیکھتی رہی۔ سعدی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ایسی خبر اس کو اس موقع پہ دینا نہیں چاہتا تھا' مگر وہ پھپھو سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتا تھا۔

"فارس کہاں ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔ مگر

اندھیرے بڑھتے گئے' عجیب سے اندھیرے تھے' وہ نہ کچھ سننے دیتے نہ کچھ بولنے دیتے' پلکیں بھی اٹھانے نہیں دیتے۔ وہ دوبارہ اسی کھائی میں ڈوبتی چلی گئی۔ پھر آنکھ کھلی' تو منظر بدلا ہوا تھا۔ اب کہ اس کا چہرہ بائیں طرف تھا۔ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا نجانے کہاں تھا۔ بائیں جانب لڑکی کھڑی تھی' گلا سز والی خاموش' مگر روئی روئی آنکھوں والی۔ وہ اس کو پہچانتی تھی' جانتی تھی یا نہیں یہ اس کو ابھی نہیں معلوم تھا' اس نے انہی ویران آنکھوں سے اس کو دیکھا اور لبوں پہ صرف ایک ہی سوال تھا۔ "فارس کہاں ہے؟"

"وہ آئے تھے آپ کو دیکھنے صبح' علیشا بھی آئی تھی' ہم اس دن آپ کا انتظار کرتے رہے' ہمیں نہیں پتا تھا یہ سب ہو جائے گا۔" وہ بولی تو اس کی آواز مدھم تھی' اس میں ہمدردی تھی شاید کہیں پیار بھی تھا۔ زمر بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ لڑکی قریب جھکی۔

"پھپھو آپ..." وہ رکی' ہچکچائی۔ "آپ ٹھیک ہیں؟ میں ڈاکٹر کو بلا لاؤں؟"

"فارس کہاں ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔ اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے رہا تھا۔

"ابھی شاید وہ گھر پہ ہی ہوں' وہ بہت اپ سیٹ ہیں بہت زیادہ ٹوٹ گئے ہیں۔" اور زمر یک ٹک اسے دیکھتی رہی' اسے سب یاد تھا' اندھیری کھائیوں میں یادداشت کی روشنی ہر شے از سر نو زندہ کر لائی تھی۔ اسے ایک ایک چیز یاد تھی' دل میں اٹھتا درد پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ اور پھر اس نے ہلکی سی نگاہ جھکائی' اسے اپنے اوپر سفید چادر پڑی دکھائی دے رہی تھی اس نے نگاہ پھر سے حنین کے چہرے پہ کی۔

"مجھے کیا ہوا ہے؟" حنین خاموش رہی' اس نے نظر اٹھا کر سامنے کسی کو دیکھا' جیسے کوئی سگنل مانگا ہو۔ شاید جواب نفی میں تھا' تبھی وہ دوبارہ زمر کو دیکھنے لگی۔

"میرے گردے ضائع ہو گئے ہیں' ہے نا؟" شاید اس نے خود ہی کچھ سنا تھا' شاید نیم بے ہوشی میں اس نے کچھ سنا تھا۔

"آپ کے گردے..." وہ رکی "وہ متاثر ہوئے ہیں۔" اس سے زیادہ مہذب الفاظ اس کو نہیں ملے تھے۔ زمر کے چہرے پہ حیرت نہیں آئی' دکھ بھی نہیں ابھرا۔ شاید وہ اپنی حالت بے ہوشی میں ایسا کچھ سن چکی تھی' شاید وہ کئی دفعہ سن چکی تھی' یقیناً" وہ جانتی تھی' وہ صرف تصدیق چاہ رہی تھی۔ اب کہ اس نے ہلکی سی گردن سیدھی کی' ہاں اتنا اسے یاد تھا کہ دوبارہ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے گردن سیدھی کی تھی' اب نہ وہ دائیں تھی نہ بائیں' درمیان میں تھی معلق۔

سیاہ تارکول جیسی چادر اب کے سرکی تو وہ پلکیں بہتر طور پہ جھپک پا رہی تھی۔ قریبی مائل خاتون اس کے سرہانے اب کھڑی تھیں' اس نے ہلکا سا ہاتھ اٹھانا چاہا تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا' بہت محبت سے اس سے پوچھ رہی تھیں کہ وہ کیسی ہے؟ کیا کھانا پسند کرے گی؟ کیا اسے کہیں تکلیف ہے؟ کیا وہ ڈاکٹر کو بلائیں؟ کیا وہ اسے پانی دیں؟ وہ بس ان کو دیکھے گئی اور جب بولی تو سرگوشی میں۔

"فارس کہاں ہے؟" ندرت کی آنکھوں میں اچنبھا سا ابھرا' زمر کا اس سے ایسا کوئی تعلق تھا تو نہیں جو وہ بار بار پوچھتی' شاید زرتاشہ کی وجہ سے...

بہر حال زبردستی مسکراتے ہوئے قریب آئیں۔

"وہ گھر پہ ہے' شام کو آئے گا ادھر تمہیں دیکھنے۔ وہ بھی بہت پریشان ہے اس سب سے' بلکہ پریشانی تو ایک بہت چھوٹا لفظ ہے۔" زمر یک ٹک ان کو دیکھتی رہی۔ ہر بات ہر لفظ اسے یاد تھا اور پھر ایک دم سے وہ چونکی۔ بدقت تمام اس نے گردن ادھر ادھر گھمائی۔ اس نے ان چند دنوں میں... پتا نہیں کتنے دن تھے وہ سب کے چہرے دیکھے تھے' گھنگھریالے بالوں والا لڑکا' عینک والی لڑکی' وہ قریبی مائل خاتون۔ صرف ایک چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ بے حد خوف اور وحشت سے اس نے رخ ندرت کی طرف پھیرا۔

"ابا" ابا کدھر ہیں؟" ندرت کی آنکھوں سے آنسو ابلنے کو بے تاب ہو گئے۔ اسے لگا کہ وہ کوئی اور خبر سننے جا رہی ہے' کوئی ایسی خبر جس کو سننے کے بعد اس کا دل

بھی کام کرنا چھوڑ دے گا۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنا چاہا' مگر نہیں اٹھ سکی۔ جسم میں درد تھا شدید درد' بے حد کرب سے اس نے دوبارہ پوچھا۔

"بتائیے ابا کہاں ہیں؟ جب تک آپ مجھے سچ نہیں بتائیں گی' میرا دل انکار رہے گا۔" مگر ندرت خاموش تھیں' انہوں نے سر جھکا لیا پھر چہرہ موڑا شاید آنسو پونچھنے کی کوشش کی۔

"کیا ابا بھی مر گئے؟" اس کے لبوں سے نکلا' ندرت نے تڑپ کے رخ اس کی طرف پھیرا' آنسوؤں کو ابلنے دیا' مگر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں" وہ رکیں "وہ اب ٹھیک ہیں۔" پھر چپ ہو گئیں۔

"اب... اب سے کیا مطلب؟ انہیں کیا ہوا تھا؟" وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ اٹھنا بھی چاہتی تھی مگر اٹھ نہیں سکتی تھی' اس کے چہرے پہ تڑپ تھی۔ ایسا لگتا تھا بس وہ کسی طرح سب کچھ چھوڑ کر اس کمرے سے بھاگ جائے' اس اسپتال کے کمرے سے بھاگ جائے۔ مگر وہ جیسے مفلوج سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"کدھر ہیں ابا؟" الفاظ بمشکل حلق سے نکل رہے تھے۔

"ان کو فالج کا اٹیک ہوا تھا' مگر اب وہ ٹھیک ہیں۔ وہ گھر پہ ہیں' ہم انہیں اسپتال نہیں لا سکتے' اب وہ ٹھیک ہیں زمر! تم پریشان مت ہو۔" ندرت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کو تسلی دی۔ وہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی' بالکل خاموشی سے' جیسے ساری دنیا ختم ہو گئی ہو۔ اوپر اٹھنے کی کوشش ختم کر دی' اور سر نڈھال طریقے سے تکیے پہ گرا دیا۔

"میرے ابا مفلوج ہو گئے؟ میرے حادثے کی وجہ سے؟ میرے ابا مفلوج ہو گئے؟" اس نے ندرت سے سوال نہیں کیا تھا۔ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو دیکھتے خود کو بتایا۔

ندرت کے پاس جواب تھا بھی نہیں۔ زمر کی گردن اب سیدھی تھی' ایک دفعہ پھر وہ نہ دائیں تھی نہ بائیں۔ چند گہری سانسیں لیں' آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ اب چیزیں بہتر نظر آ رہی تھیں۔ ندرت نے آہستہ سے اس کے قریب ہو کر کہا۔

"پولیس والے کب سے چکر لگاتے رہے ہیں' باہر بھی موجود ہیں۔ انہیں تمہارا بیان لینا ہے۔" زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ تیار تھی۔

"ان کو اندر بھیجیں' ایک بیان ہے جو مجھے دینا ہے۔" اس کی آواز اب بھی درد سے بھرپور اور ہلکی تھی' مگر اس کی نوعیت مختلف تھی۔ سخت' منتقم' آگ سے بھرپور۔

☼ ☼ ☼

جو تخت و تاج کے مالک ہیں کیا وہ معتبر بھی ہیں
شر انگیزی میں ڈوبی حکمرانی کا تماشا کر

آفس کاریڈور بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ علیشا فون کان سے لگائے سبک رفتاری سے چلتے ہوئے بولتی جا رہی تھی۔

"ہاں حنین! تم بالکل بھی فکر مت کرو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' خدا بہتر کرے گا۔ میں آج ہی آؤں گی تمہاری آنٹی سے ملنے۔ اب وہ کیسی ہیں؟" کاریڈور کا موڑ مڑتے ہوئے اس نے فکر مندی سے پوچھا۔ پھر دوسری طرف ملنے والا جواب سن کر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے لفٹ کی طرف آئی۔

"تم بالکل پریشان مت ہونا' میں ضرور آؤں گی۔ خدا نے چاہا تو وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ کیا ان کی کڈنیز مکمل طور پر فیل ہو چکی ہیں؟" لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے اس کے چہرے پہ سوگواریت اتری۔

"آئی ایم سو سوری حنین۔ چلو او کے شام کو ملتے ہیں۔" موبائل بند کیا اور سامنے دیکھا۔ لفٹ کے دروازے کھل چکے تھے۔ وہ اندر آئی مطلوبہ فلور پہ انگلی رکھی اور گہری سانس لے کر گردن اکڑا کر خود کو جیسے کسی معرکے کے لیے تیار کیا۔ دروازے بند ہوئے لفٹ اوپر کی طرف بڑھنے لگی۔ ہر گزرتی منزل علیشا کا اعتماد ڈگمگا رہی تھی' اسے لگا اس کا چہرہ سفید پڑ رہا ہے۔ اس نے رخ پھیر کر لفٹ کی دھاتی دیوار میں اپنا

عکس دیکھا، پھر سیاہ سلکی بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سرمئی آنکھوں کو سکیڑ کر تنقیدی نظروں سے دیکھا کہ کہیں وہ گھبرائی ہوئی تو نہیں لگ رہی، مگر نہیں۔ بظاہر وہ پر اعتماد لگ رہی تھی۔ سرخ شرٹ، سفید پینٹس اور لمبی ہیل کی سینڈل میں ملبوس، کہنی پہ پرس ٹکائے وہ اندر سے جتنی ڈری سہمی تھی اتنی لگ نہیں رہی تھی۔

مطلوبہ فلور آن پہنچا تھا۔ دروازے کھلے۔ وہ اسی اعتماد سے چلتی ہوئی راہداری میں آگے بڑھتی گئی۔ کتنے ہی آفسز کراس کیے، کتنے لوگوں کے سامنے سے گزری، بغیر نظر ملائے۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کس آفس میں جانا ہے۔ سب سے بڑا آفس سب سے آخر میں تھا، علیشا اس کے قریب بس لحظے بھر کو ٹھہری، باہر موجود سیکریٹری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اس نے پکارا، علیشا ذرا سا مسکرائی۔

"اورنگ زیب کاروار نے مجھے بلایا ہے، میری ان سے اپائنٹمنٹ ہے۔"

اس کی بات پر سیکریٹری قدرے اچنبھے سے اپنے نوٹس کھنگالنے لگی۔ علیشا نے گردن پھیر کر بند دروازے کو دیکھا، یہاں سے وہ اندر کا منظر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اندر آفس میں کنٹرول چیئر پر اورنگ زیب کاروار اپنی مخصوص تمکنت کے ساتھ بیٹھے تنے ابرو کے ساتھ اس نوجوان کو سن رہے تھے جو سامنے کھڑا ایک پریزنٹیشن دکھا رہا تھا۔ وہ پی کیپ پہنے لاپروا سے حلیے والا نوجوان ان کا امیج کنسلٹنٹ بھی تھا اور کیمپین منیجر بھی۔ وہ کافی متانت اور اپنی عمر سے زیادہ سمجھداری سے بولتا ایک ایک چیز سمجھا رہا تھا۔ جبکہ میز کے مقابل کرسی پہ بیٹھا، لیپ ٹاپ پہ کام کرتا ہاشم بہت ہی بے زاری سے سن کر نظر انداز کیے جا رہا تھا۔

"سر! بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آپ کے بھانجے پہ اپنے بھائی کے قتل کا آنے والا الزام آپ کے خلاف جائے گا لیکن ..." کیمپین منیجر نے پین اٹھا کر ڈرامائی انداز میں وقفہ دیا۔ ہاشم نے نگاہ پھیر کر مزید بے زاری سے اسے دیکھا۔ ہونہہ کر کے سر جھٹکا۔ اور دوبارہ سے لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کرنے لگا۔ ایک تو اس کنسلٹنٹ سے اسے چڑ تھی، وہ لڑکا وہ باتیں بتانے کے پیسے لیتا تھا جو وہ اپنے باپ کو مفت میں بھی بتا سکتا تھا۔

"لیکن سر! ہم اس موقعے کو اپنے مفاد میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔" اورنگ زیب کاروار کے خفا چہرے پہ شکنیں ابھریں۔

"اور وہ کیسے؟"

"آپ جانتے ہیں کہ اس وقت آپ ضمنی انتخابات کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ایسے میں کچھ کی پلیئرز اپنے مطلوبہ امیدواروں کے بجائے آپ کو اٹھتے دیکھ کر آپ کے خلاف استعمال ہونے والا کوئی موقع ضائع نہیں کریں گے، اس لیے بجائے اس بات پر مدافعانہ انداز اختیار کرنے کے ہم اس کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں، جیسے ..." جوش میں کہتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلیٹ کو اورنگ زیب صاحب کے پاس آیا اور ان کو کچھ دکھانے لگا۔ "یہ وہ بیان ہے جو آپ پریس کے سامنے دیں گے۔ جس سے ایسا لگے گا کہ آپ گو کہ اپنے بھانجے کے اس عمل سے خفا ہیں، لیکن اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کیے بغیر اس معاملے کو قانون پر چھوڑ رہے ہیں۔ آپ علی الاعلان یہ کہیں گے کہ بے شک ملزم میرا سگا بھانجا ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کو قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیے ... اور آپ اپنا کوئی بھی ناجائز اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کو وہاں سے نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایسی صورت میں آپ کو ایک انصاف پسند شخص کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔"

اورنگ زیب نے بگڑ کر اس کو دیکھا۔ "یعنی کہ میں فارس کو اس معاملے سے نکالنے کی کوئی کوشش نہ کروں؟" کیمپین منیجر احمر شفیع مسکرایا اور چٹکی بجائی۔

"یہی تو ساری گیم ہے سر! آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ اس اسکینڈل پہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ لیکن آپ کے مخالفین کسی بھی صورت آپ کو اس اسکینڈل کو کور کرنے نہیں دیں گے، تو پھر کیا ہی اچھا ہو ہم بھی اسے کور کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ ہم انہی کا داؤ انہیں پہ کھیل جائیں۔ دیکھیں ..." وہ اب اپنی اس اسٹریٹجی کی مزید مین میخ سمجھانے لگا، اورنگ زیب بظاہر برے موڈ کے ساتھ لیکن توجہ سے سن رہے تھے۔ ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دوبارہ بے حد بے زاری اور تلخی سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر کی بورڈ پہ ٹائپ کرنے لگا۔ اس کو جس خبر کا انتظار تھا، زمر کے بیان کا، وہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ پانچ دن ہو چکے تھے زمر کو گولی لگے، فارس آزاد گھوم رہا تھا، بیوی کی موت کا سوگ منا رہا تھا، اور فی الحال کوئی بھی نہیں تھا جو یہ کہہ سکے کہ یہ قتل فارس نے کیا ہے۔ گو کہ ہوٹل کے کمرے سے مخبری کے بعد گن برآمد کر لی گئی تھی، مگر فارنزک رپورٹ کو اس نے ابھی روک رکھا تھا۔ فارنزک اور فنگر پرنٹ رپورٹ زمر کے بیان کے بعد آنی چاہیے۔ یہ پلان تھا، مگر زمر ... اگر زمر مر گئی ... اف ... اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ایک لاش کا مزید بوجھ اپنے کندھوں پر ... نہیں!

وہ سر جھٹک کر اپنی ای میل کھولنے لگا۔ خاور نے دو روز پہلے اس کو فارس کی اُلٹی بالی لڑکی کی تفصیلات بھیج دی تھیں۔ اس کے واہمے درست تھے۔ وہ علیشا ہی تھی۔ مگر اس نے ہاشم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی سے ملنے ادھر آئی تھی، ہاشم کو معلوم تھا، اسی لیے اس نے بھی علیشا کو نہیں چھیڑا۔ وہ خود چل کر اس کے آفس آئے گی۔ کب؟ وہ منتظر تھا۔ باہر کھڑی علیشا نے سیکریٹری کو نفی میں سر ہلاتے دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ کی کوئی اپائنٹمنٹ ریکارڈ نہیں ہے، کیا آپ پھر سے اپائنٹمنٹ لینا چاہیں گی؟" مگر علیشا نے بغیر مڑے اور تیزی سے دروازے کی طرف آئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اسے روک پاتا، اس نے دروازہ کھول لیا۔

سب سے پہلے ہاشم نے چونک کر دیکھا تھا اور پھر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ بالکل سپاٹ، سرد سا۔ اورنگ زیب نے ہاتھ میں پکڑے ٹیب پہ احمر شفیع کی پریزنٹیشن دیکھتے جیسے سر اٹھایا تو وہ بھی ایک دم بالکل ٹھہر سے گئے۔

وہ دروازے میں کھڑی تھی اور سیکریٹری پیچھے سے آ کر اسے روکتے ہوئے سخت سست سنا رہی تھی۔ اورنگ زیب صاحب کے ساتھ جھکے کنسلٹنٹ لڑکے نے باری باری ان دونوں باپ بیٹے کے تاثرات دیکھے اور پھر سیدھا ہوا۔ سیکریٹری کو اشارہ کیا، وہ خاموش ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ علیشا دو قدم مزید اندر آئی، وہ مسلسل اورنگ زیب کاروار کو دیکھ رہی تھی، بنا پلک جھپکے، سپاٹ چہرے کے ساتھ، جیسے تاثرات چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہاشم ایک دم مڑا، سختی سے احمر کو دیکھا۔ "باہر جاؤ، فوراً۔"

کنسلٹنٹ لڑکا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا سمجھانے لگا۔

"سر! اگر تو یہ کوئی اسکینڈل ہے تو میرا خیال ہے میرا یہاں موجود ہونا سب سے ضروری ہے۔ کیونکہ میں ہی آگے پیش آنے والی صورت حال کا تجزیہ کر سکتا ہوں اور میں ہی آپ کو بہتر طریقے سے گائیڈ کر سکتا ہوں کہ آپ کو اس سچویشن کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے؟ کیونکہ میں نے ..."

ہاشم گھوم کر اس طرف آیا، باپ کے ہاتھ سے ٹیب لے کر کنسلٹنٹ کو دے مارنے کے انداز میں تھمایا، اسے کہنی سے پکڑا، کھینچ کر دروازے تک لے کے گیا اور ہکا بکا سے احمر کو باہر نکال، گویا دفعان کر کے دروازہ بند کیا۔ پھر واپس مڑ کر علیشا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سخت شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا۔

"کیا چاہیے؟ کس لیے آئی ہو؟"

اورنگ زیب بھی اب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے اور تیکھی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ علیشا نے نظروں کا رخ ہاشم کی طرف پھیرا۔ پھر خود کو بااعتماد ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"پیسے چاہئیں۔" ہاشم نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ گھوم کر آگے آیا اور باپ کی کرسی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں ایک سمت تھے اور ان کے مقابل

علیشا میز کے دوسری جانب کھڑی تھی۔ اپنے پرس کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑے خود کو مضبوط رکھتے ہوئے۔

"میں بہت پیسے دے چکا ہوں، تم ماں بیٹی کو۔ اب کیا چاہیے؟" اورنگ زیب بولے تو انداز میں حقارت تھی۔

"جس پیسے کی بات آپ کر رہے ہیں میں آپ کو یاد دلاتی چلوں، وہ میری ماں کے اس علاج پر خرچ ہوئے تھے۔ جو ان کو آپ کی مار پیٹ کی وجہ سے کروانا پڑا۔" وہ جذبات کو قابو میں رکھے، ضبط سے ایک ایک حرف ادا کر رہی تھی۔ "آپ کو شاید بھول گیا ہے کہ میری ماں کو چھوڑتے وقت آپ نے اسے بری طرح مارا پیٹا تھا جس کے باعث وہ کئی ہفتے ہسپتال میں رہی تھیں، ان کی بیک بون متاثر ہوئی تھی۔ اور ان کے میڈیکل بلز پے کرتے کرتے ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں چھ سال پہلے تھے۔"

اورنگ زیب نے استہزائیہ انداز میں ناک سے مکھی اڑائی۔ "تم میرے خلاف کہیں پہ کچھ ثابت نہیں کر سکتیں۔"

علیشا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ تو بالکل درست بات ہے۔ کیونکہ جب میں نے آپ پر سو کرنا چاہا تھا، تو آپ کے ماہر وکیل بیٹے نے۔۔۔" ایک زخمی نظر ہاشم پہ ڈالی اور پھر اورنگ زیب کو دیکھنے لگی۔

"عدالت میں جیوری کے سامنے یہ ثابت کر دیا تھا کہ نا صرف میری ماں سیڑھیوں سے اپنی غلطی کی وجہ سے گری تھی، بلکہ وہ دماغی توازن سے محروم عورت ہے۔ شاید اس میں سارا کمال آپ کے بیٹے کا بھی نہیں ہے، کیونکہ جس لا فرم نے میرا کیس Pro Bono لیا تھا، اگر وہ میرے وکیل کے طور پہ ایک ناتجربہ کار فرسٹ ایئر ایسوسی ایٹ کو نہ مقرر کرتے تو شاید ہم عدالت میں اتنی بری طرح سے بے عزت نہ ہوتے۔ چاہے یہ ملک ہو یا میرا ملک، قانون وہاں بھی آپ کا تھا، یہاں بھی آپ کا ہے، اس لیے میں لمبی بات نہیں کروں گی۔"

کہتے ہوئے وہ رکی، اندر سے دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو دوبارہ بہادر ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ وہ دونوں باپ بیٹا تندہی سے اس کو گھور رہے تھے۔ وہ قدم آگے آئی، میز کے سامنے پڑی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھا، اور سچی کر دار کر پھر سے بولنے لگی۔

"میں ہارورڈ جانا چاہتی ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ میں سارے ٹیسٹ کلیئر کر لوں گی۔ اگر مجھے صرف اتنی امید ہو کہ میری ٹیوشن فیس پے کر دی جائے گی اور چونکہ آپ میرے والد ہیں اور ناجائز ہی سہی مگر میں آپ کی بیٹی ہوں، اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ مجھے سپورٹ کریں، میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ مجھے کوئی جذباتی اٹیچمنٹ ہے آپ سے، نہ کوئی امید، صرف پیسے چاہئیں، آپ کے پاکستانی روپوں میں چند ملین کی بات ہے۔ آپ کے لیے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف چند ملین۔" اس نے رک کر موہوم سی امید سے دونوں باپ بیٹا کو دیکھا، پھر ایک کاغذ سامنے رکھا جس پہ اس کی تعلیم پہ اگلے چند سالوں میں خرچ آنے والی رقم کی تفصیل لکھی تھی۔

ان کے تاثرات ایک جیسے رہے۔ سخت، سرد۔

"اور تم یہ سب کہنے اس وقت آئی ہو جب میرا باپ الیکشن میں حصہ لے رہا ہے۔ تمہارا خیال تھا کہ ایک اسکینڈل کے خوف سے ہم تمہیں پیسے دے دیں گے اور تم ہنسی خوشی رہو گی؟" ہاشم نے یہ کہتے ہوئے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ "تمہاری جیسی بہت سی لڑکیاں گزری ہیں جنہوں نے آکر عزت دار لوگوں پہ الزام لگائے، مگر یو نو واٹ علیشا، وہ لڑکیاں وہ عورتیں وہ کہیں بھی نہیں ہیں، آج کسی کو وہ یاد بھی نہیں ہیں لیکن وہ مرد جن پہ انہوں نے الزام لگائے، چاہے سچے چاہے جھوٹے، وہ مرد آج بھی خبروں میں ہیں۔ وہ آج بھی طاقت میں ہیں، آج بھی حکومت کر رہے ہیں۔ تمہارا کوئی مستقبل نہیں ہے علیشا، تم جہاں سے آئی ہو وہاں چلی جاؤ۔ کیونکہ اگر اس سے زیادہ تم نے ڈسٹرب کرو گی تو میں تمہارے ساتھ بہت برا پیش آؤں

گا اور تم یہ بات جانتی ہو۔" اس کی مسکراہٹ اب سنگین نتائج کی دھمکی میں بدل چکی تھی۔ علیشا کی آنکھوں میں سرخ سی نمی ابھرنے لگی، اس کے لب کپکپائے۔

"میں آپ کی بہن ہوں۔"

"تم میرے لیے ایک ایسا مسئلہ ہو جس کو میں کبھی حل نہیں کرنا چاہوں گا۔ تم اور تمہاری ماں میرے باپ کے پیسے پہ happily everafter رہنا چاہتے ہو جبکہ ایسا نہیں ہو گا!"

"میں وہ بات ساری زندگی یاد رکھوں گی "ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں" ۔۔۔ کیس جیتنے اور مجھے خیرات کی طرح ماں کے علاج کی رقم دینے کے بعد آپ نے یہ مجھے کہا تھا، میں چیونٹی ہی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ چیونٹیاں کیا ہوتی ہیں مگر شاید آپ خود بھی نہیں جانتے ہاشم!" تیکھی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ ہاشم پہلی بار استہزائیہ مسکرایا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں اس بات سے بے خبر تھا کہ تم یہاں پر ہو تو تم غلط ہو۔" یہ کہتے ہوئے ہاشم آگے آیا۔ اپنے لیپ ٹاپ پہ جھکا چند بٹن دبائے اور اسکرین اس کی طرف کی۔ یہ خاور کی ای میل تھی جس میں اس نے علیشا کے ٹکٹ کی کاپی اور اس کے ہوٹل میں ٹھہرنے کے دوران دیے گئے تمام کاغذات کی کاپی اور چند ایک دوسری معلومات کے ساتھ دو روز پہلے بھیجی تھی۔ علیشا نے پہلے اسکرین کو دیکھا پھر چونک کر ہاشم کو۔

"میں تمہارے یہاں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ کیونکہ تم یہاں پر کسی نیٹ جیوڈاکومینٹری کے لیے نہیں آئی تھیں جیسا کہ تم نے میرے کزن اور میری بھانجی کو بتایا تھا۔ میں جانتا تھا تم یہاں پر ہمارے لیے آئی ہو، پیسے مانگنے یا بلیک میل کرنے، یا دھمکی دینے کیونکہ تم خود کو ہمارے خاندان کا حصہ سمجھتی ہو، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے میں تمہارا یہاں انتظار کیوں کر رہا تھا؟" وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کر کے سیدھا ہوا۔ دوبارہ اس کے سامنے آیا، قد میں

اس سے کافی لمبا تھا، گردن جھکا کر سفید پڑتی علیشا کو تندہی سے گھورتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

"اس لیے نہیں کہ مجھے تمہیں انکار کرنا تھا یا کوئی دھمکی دینی تھی۔ صرف ایک سوال تھا۔ تم نے میرے خاندان کو ٹارگٹ کیوں کیا؟ میں قطعاً "نہیں" مان سکتا کہ تم بالکل اتفاق سے میرے کزن کی ایلی بائی ہو۔ تم بالکل اتفاق سے اس کی بھانجی کی دوست ہو۔ میں علیشا "اتفاقات" پہ یقین رکھنے والا آدمی بالکل نہیں ہوں۔ اس لیے تم ابھی مجھے بالکل سچ سچ بتاؤ گی کہ تم نے میری بھانجی کو دوست کیسے بنایا؟" یہ سب علیشا کی توقع سے زیادہ تھا، وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے خشک لبوں پہ زبان پھیری، ایک قدم پیچھے ہٹی۔ مدد طلب نظروں سے پاور سیٹ پہ بیٹھے اورنگ زیب کار دار کو دیکھا جو حقارت اور رعونت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر قدرے ہراساں نظروں سے ہاشم کو۔ اس کا سارا اعتماد زائل ہو رہا تھا۔ اسے یاد تھا چند برس پہلے جب ہاشم اس کے گھر آیا تھا، چیک منہ پہ مارنے کسی خیرات کی طرح اور تب اس نے اسے کہا تھا۔

"تم Happily Ever After رہنا چاہتی ہو، ایسا نہیں ہو گا، تم Ants Ever After ہو (ہمیشہ چیونٹیاں ہی) تم اور تمہاری ماں ایسے ہی رہو گے۔" اور اس نے یہ بات لکھ کے رکھ لی تھی، اپنے کمرے میں ڈائریز پہ، الماری کے اندرونی دروازوں پہ، فوٹو البمز میں لگی تصویروں کے پیچھے، اپنے کی چین پہ۔ علیشا نے یہ بات ہر جگہ پہ لکھ کے رکھ لی تھی۔ سوائے اپنے دل کے۔ اور آج یہ الفاظ اس کے سیدھے دل پہ آ کے لگے تھے۔

"حنین میری دوست ہے، اس سے زیادہ میں کسی چیز کی وضاحت نہیں دینا چاہتی۔" ہاشم چند لمحے کے لیے بالکل خاموش ہو گیا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں مستقبل میں کبھی تمہاری کوئی امید پوری کروں، تو ہو سکتا ہے تمہارے سچ بتانے سے میں واقعی تمہاری کوئی امید پوری کر

عکس دیکھا' پھر سیاہ سلکی بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سرمئی آنکھوں کو سکیڑ کر تنقیدی نظروں سے دیکھا کہ کہیں وہ گھبرائی ہوئی تو نہیں لگ رہی' مگر نہیں۔ بظاہر وہ پر اعتماد لگ رہی تھی۔ سرخ شرٹ' سفید پینٹس' اور لمبی ہیل کی سینڈل میں ملبوس' کہنی پہ پرس ٹکائے وہ اندر سے جتنی ڈری سہمی تھی اتنی لگ نہیں رہی تھی۔

مطلوبہ فلور آن پہنچا تھا۔ دروازے کھلے۔ وہ اسی اعتماد سے چلتی ہوئی راہداری میں آگے بڑھتی گئی۔ کتنے ہی آفسز کراس کیے' کتنے لوگوں کے سامنے سے گزری' بغیر نظر ملائے۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کس آفس میں جانا ہے۔ سب سے بڑا آفس سب سے آخر میں تھا' علیشا اس کے قریب بس لحظہ بھر کو ٹھہری' باہر موجود سیکریٹری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اس نے پکارا' علیشا ذرا سا مسکرائی۔

"اورنگ زیب کاردار نے مجھے بلایا ہے' میری ان سے اپائنٹمنٹ ہے۔"

اس کی بات پر سیکریٹری قدرے اچنبھے سے اپنے نوٹس کھنگالنے لگی۔ علیشا نے گردن پھیر کر بند دروازے کو دیکھا' یہاں سے وہ اندر کا منظر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اندر آفس میں کنٹرول چیئر پر اورنگ زیب کاردار اپنی مخصوص تمکنت کے ساتھ بیٹھے تنے ابرو کے ساتھ اس نوجوان کو سن رہے تھے جو سامنے کھڑا ایک پریزنٹیشن دکھا رہا تھا۔ وہ پی کیپ پہنے لاپروا سے حلیے والا نوجوان ان کا امیج کنسلٹنٹ بھی تھا اور کیمپین منیجر بھی۔ وہ کافی متانت اور اپنی عمر سے زیادہ سمجھداری سے بولتا ایک ایک چیز سمجھا رہا تھا۔ جسے میز کے مقابل کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ پہ کام کرتا ہاشم بہت ہی بے زاری سے سن کر نظر انداز کیے جا رہا تھا۔

"سر! بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آپ کے بھانجے پہ اپنے بھائی کے قتل کا آنے والا الزام آپ کے خلاف جائے گا لیکن..." کیمپین منیجر نے پین اٹھا کر ڈرامائی انداز میں وقفہ دیا۔ ہاشم نے نگاہ پھیر کر مزید بے زاری سے اسے دیکھا۔ ہونہہ کر کے سر جھٹکا۔ اور دوبارہ سے لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کرنے لگا' ایک تو اس کنسلٹنٹ سے اسے چڑ تھی' وہ لڑکا وہ باتیں بتانے کے پیسے لیتا تھا جو وہ اپنے باپ کو مفت میں بھی بتا سکتا تھا۔

"لیکن سر! ہم اس موقعے کو اپنے مفاد میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔" اورنگ زیب کاردار کے خفا چہرے پہ شکنیں ابھریں۔

"اور وہ کیسے؟"

"آپ جانتے ہیں کہ اس وقت آپ ضمنی انتخابات کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ایسے میں کچھ کی پلیئرز اپنے مطلوبہ امیدواروں کے بجائے آپ کو اٹھتے دیکھ کر آپ کے خلاف استعمال ہونے والا کوئی موقع ضائع نہیں کریں گے' اس لیے بجائے اس بات پر مدافعانہ انداز اختیار کرنے کے ہم اس کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں' جیسے..." جوش میں کہتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلیٹ کو اورنگ زیب صاحب کے پاس آیا اور ان کو کچھ دکھانے لگا۔ "یہ وہ بیان ہے جو آپ پریس کے سامنے دیں گے۔ جس سے ایسا لگے گا کہ آپ گو کہ اپنے بھانجے کے اس عمل سے خفا ہیں' لیکن اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کیے بغیر اس معاملے کو قانون پر چھوڑ رہے ہیں۔ آپ علی الاعلان یہ کہیں گے کہ بے شک ملزم میرا سگا بھانجا ہی کیوں نہ ہو' اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کو قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیے... اور آپ اپنا کوئی بھی ناجائز اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کو وہاں سے نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایسی صورت میں آپ کو ایک انصاف پسند شخص کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔"

اورنگ زیب نے بگڑ کر اس کو دیکھا۔ "یعنی کہ میں فارس کو اس معاملے سے نکالنے کی کوئی کوشش نہ کروں؟" کیمپین منیجر احمر شفیع مسکرایا اور چٹکی بجائی۔

"یہی تو ساری گیم ہے سر! آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ اس اسکینڈل پہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ لیکن آپ کے مخالفین کسی بھی صورت آپ کو اس

اسکینڈل کو کور کرنے نہیں دیں گے' تو پھر کیا ہی اچھا ہو ہم بھی اسے کور کرنے کی کوشش نہ کریں' بلکہ ہم انہی کا داؤ انہیں پہ کھیل جائیں۔ دیکھیں..." وہ اب اپنی اس اسٹریٹجی کی مزید مین میخ سمجھانے لگا' اورنگ زیب بظاہر برے موڈ کے ساتھ لیکن توجہ سے سن رہے تھے۔ ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دوبارہ بے حد بے زاری اور تلخی سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر کی بورڈ پہ ٹائپ کرنے لگا۔ اس کو جس خبر کا انتظار تھا' زمر کے بیان کا' وہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ پانچ دن ہو چکے تھے زمر کو گولی لگے' فارس آزاد گھوم رہا تھا' بیوی کی موت کا سوگ منا رہا تھا' اور فی الحال کوئی بھی نہیں تھا جو یہ کہہ سکے کہ یہ قتل فارس نے کیا ہے۔ گو کہ ہوٹل کے کمرے سے مخبری کے بعد گن برآمد کر لی گئی تھی' مگر فارنزک رپورٹ کو اس نے ابھی روک رکھا تھا۔ فارنزک اور فنگر پرنٹ رپورٹ زمر کے بیان کے بعد آنی چاہیے۔ یہ پلان تھا' مگر زمر... اگر زمر مر گئی... اف... اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ایک لاش کا مزید بوجھ اپنے کندھوں پر... نہیں!

وہ سر جھٹک کر اپنی ای میل کھولنے لگا۔ خاور نے دو روز پہلے اس کو فارس کی ایلی بائی لڑکی کی تفصیلات بھیج دی تھیں۔ اس کے واہمے درست تھے۔ وہ علیشا ہی تھی۔ مگر اس نے ہاشم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی سے ملنے ادھر آئی تھی' ہاشم کو معلوم تھا' اسی لیے اس نے بھی علیشا کو نہیں چھیڑا۔ وہ خود چل کر اس کے آفس آئے گی۔ کب؟ وہ منتظر تھا۔ باہر کھڑی علیشا نے سیکریٹری کو نفی میں سر ہلاتے دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ کی کوئی اپائنٹمنٹ ریکارڈ نہیں ہے' کیا آپ مجھ سے اپائنٹمنٹ لینا چاہیں گی؟" مگر علیشا نے بغیر مڑے اور تیزی سے دروازے کی طرف آئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اسے روک پاتا' اس نے دروازہ کھول لیا۔

سب سے پہلے ہاشم نے چونک کر دیکھا تھا اور پھر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ بالکل سپاٹ' سرد سا۔ اورنگ زیب نے ہاتھ میں پکڑے ٹیب پہ احمر شفیع کی پریزنٹیشن دیکھتے جیسے سر اٹھایا تو وہ بھی ایک دم بالکل ٹھہر سے گئے۔

وہ دروازے میں کھڑی تھی اور سیکریٹری پیچھے سے آ کر اسے روکتے ہوئے سخت سست سنا رہی تھی۔ اورنگ زیب صاحب کے ساتھ جھکے کنسلٹنٹ لڑکے نے باری باری ان دونوں باپ بیٹے کے تاثرات دیکھے اور پھر سیدھا ہوا۔ سیکریٹری کو اشارہ کیا' وہ خاموش ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ علیشا دو قدم مزید اندر آئی' وہ مسلسل اورنگ زیب کاردار کو دیکھ رہی تھی' بنا پلک جھپکے' سپاٹ چہرے کے ساتھ' جیسے تاثرات چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہاشم ایک دم مڑا' سختی سے احمر کو دیکھا۔ "باہر جاؤ' فوراً!"

کنسلٹنٹ لڑکا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا سمجھانے لگا۔

"سر! اگر تو یہ کوئی اسکینڈل ہے تو میرا خیال ہے میرا یہاں موجود ہونا سب سے ضروری ہے۔ کیونکہ میں ہی آگے پیش آنے والی صورت حال کا تجزیہ کر سکتا ہوں اور میں ہی آپ کو بہتر طریقے سے گائیڈ کر سکتا ہوں کہ آپ کو اس سچویشن کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے؟ کیونکہ میں نے..."

ہاشم گھوم کر اس طرف آیا' باپ کے ہاتھ سے ٹیب لے کر کنسلٹنٹ کو دے مارنے کے انداز میں تھمایا' اسے کہنی سے پکڑا' کھینچ کر دروازے تک لے کے گیا اور دھکا دے کر احمر کو باہر نکال' گویا دفعان کر کے دروازہ بند کیا۔ پھر واپس مڑ کر علیشا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سخت شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا۔

"کیا چاہیے؟ کس لیے آئی ہو؟"

اورنگ زیب بھی اب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے اور تیکھی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ علیشا نے نظروں کا رخ ہاشم کی طرف پھیرا۔ پھر خود کو بااعتماد ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"پیسے چاہئیں۔" ہاشم نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ گھوم کر آگے آیا اور باپ کی کرسی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں ایک سمت تھے اور ان کے مقابل

سکوں۔" وہ اب کہ بولا تو لہجے میں ذرا نرمی تھی' اورنگ زیب نے ناگواری سے ہاشم کو دیکھا' مگر بولے کچھ نہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ ہاشم یہ سب اس سے کچھ کہلوانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ علیشا کو حوصلہ ہوا۔

"شاید آپ بھول گئے میں کمپیوٹرز میں اچھی ہوں' میں نے آپ کے والد (اس نے "آپ کے" پہ زور دیا) کا ای میل اکاؤنٹ ہیک کر رکھا تھا اور میں دیکھتی تھی کہ وہ کس طرح ایک چھوٹی لڑکی کو ای میلز بھی کرتے تھے اس کی میلز کا جواب بھی دیتے تھے اور اس کو سراہتے بھی تھے۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آخر اپنے خون کو چھوڑ کر کسی اور کی بیٹی سے اتنا پیار کوئی کیسے رکھ سکتا ہے؟"

"اور اب تم اس کسی اور کی بیٹی کو نقصان پہنچانا چاہتی ہو؟ رائٹ؟"

ہاشم کے چہرے کی سختی لوٹ آئی' وہ ایک قدم مزید آگے بڑھا اور علیشا دو قدم پیچھے ہٹی۔ وہ اب خوف زدہ نظر آرہی تھی' جیسے اسے لگ رہا ہو' ہاشم ابھی اس پہ جھپٹ پڑے گا۔

"تم نے اسے کیسے ٹریپ کیا' بالکل سچ سچ بتانا' ورنہ مجھے سچ نکلوانے کے بہت سے طریقے آتے ہیں۔" علیشا کی گردن خود بخود نفی میں ہلی۔ حلق سوکھ چکا تھا۔ لمحے بھر کی نرمی نے اسے دھوکا دیا تھا۔

"میں نے اسے ٹریپ نہیں کیا۔ میں وہ گیم کھیلنے لگی جو وہ کھیلتی تھی۔ مجھے معلوم تھا وہ مجھے کانٹیکٹ کرے گی اور پھر ہم دوست بن گئے۔" پھر اس کے چہرے پہ بے چینی ابھری۔ "ہم واقعی دوست ہیں' پلیز اس کو کچھ مت کہنا۔ پلیز۔"

وہ کمزور پڑ گئی۔ وہ جانتی تھی وہ اس طاقتور اور رعب دار باپ بیٹے سے سامنے کمزور پڑ جائے گی اور بالکل ایسا ہوا تھا۔ ایسا ہی ہونا تھا۔

"میں اس کو بہت پسند کرتی ہوں وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ پلیز میری اور اس کی دوستی کو کسی اور نظر سے مت دیکھو۔" ہاشم نے گہری سانس لی۔ اثبات میں سر ہلایا' اپنی سابقہ کرسی کھینچی' بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ رکھی۔ اور گردن اٹھا کر تمکنت اور رعونت سے علیشا کو دیکھا۔

"اب تمہیں جو کرنا ہے کرلو' کیونکہ تمہیں میرے پاس سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملے گی۔ اپنے ملک واپس جاؤ' محنت مزدوری کرو اور پھر جس اسکول میں جانا ہے جاؤ۔ اور نہیں تو کہیں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کردو۔ کوئی نہ کوئی تم پہ ترس کھا کے کچھ دے دے گا۔ لیکن وہ شخص کم از کم میرا باپ نہیں ہوگا۔" اس کے بعد سختی سے انگلی اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "آؤٹ۔" علیشا کی آنکھوں میں ابھرتی نمی بڑھنے لگی۔ اس نے تڑپ کر اپنے باپ کو دیکھا۔

"خداوند تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس کا یہاں آنا' اس کا یہاں ٹھہرنا' ان کے پاس آکے منت کرنا سب بے کار لگ رہا تھا۔

اس کے نکلتے ہی ہاشم کے تاثرات بدلے۔ وہ تیزی سے اٹھا' اورنگ زیب کے چہرے پہ بھی اب قدرے تفکر تھا۔

"ہاشم!" انہوں نے پکارا مگر اس سے پہلے ہی وہ ان کی طرف گھوما' میز پہ ہاتھ رکھے ان کے سامنے جھکا۔ اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر چبا چبا کر بولا۔ "میں ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی آپ کا پھیلایا کچرا صاف کرلوں گا' کیونکہ ہاشم ہے ہی اس کام کے لیے۔ ہاشم ہر چیز سنبھال سکتا ہے' یہ بھی سنبھال لے گا۔ لیکن میری بات یاد رکھیے گا۔ اگر میری ماں کو اس بارے میں کچھ بھی پتا چلا' یا وہ ہرٹ ہوئیں تو میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔"

پھر سیدھا ہوا۔ اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور انہیں گھور کر دیکھتا مڑ کر باہر نکل گیا۔ اورنگ زیب غصے سے منہ میں کچھ بڑبڑا کر سر جھٹک کر رہ گئے۔ ابھی فارس کا مسئلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک اور مسئلہ آن پہنچا تھا۔ برے وقت کی ایک غلطی۔ اف!

☼ ☼ ☼
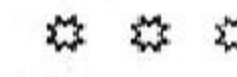
شیشہ گردوں نے اس کی بصیرت بھی چھین لی
آنکھیں تھیں اس کے پاس مگر دیکھتا نہ تھا

اسپتال کا ویٹنگ روم یخ ٹھنڈا تھا' حنین گھٹنے ملا کر سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔ علیشا ساتھ کھڑی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے تسلی دینے والے فکر مند انداز میں کہہ رہی تھی۔

"آئی ایم سو سوری' جو بھی تمہاری آنٹی کے ساتھ ہوا' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کے زخم اتنے گہرے ہوں گے۔ مجھے بتاؤ کیا میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں؟" وہ بے حد پرملال نظر آرہی تھی۔ چہرے پہ چند گھنٹے پہلے کی ہاشم کے ساتھ کی گئی ملاقات کا اثر اور شکستگی ابھی تک برقرار تھی۔ اور وہ حنین کے لیے فکر مند بھی تھی۔

حنین نے سوگواریت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چہرہ اٹھایا' عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں بے حد دکھ تھا۔

"میرا نہیں خیال ہم پھپھو کے لیے اب کچھ کر سکتے ہیں' میں ان کے لیے پہلے بھی کچھ نہیں کرسکی تھی۔ اب مجھے ہر اس رویے پر شرمندگی ہے جو میں نے ان کے ساتھ رکھا۔"

علیشا اس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھی' پرس اپنے قدموں کے قریب رکھا۔ اور پھر سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی۔

"تم پرانی باتوں کو بھول جاؤ' دلوں کے سارے میل دھو ڈالو۔ جن رشتوں کی مشترک شے "خون" ہوتی ہے' وہ ایک دوسرے کی طرف پلٹ کے ضرور آتے ہیں۔" حنین بے دلی سے اس کی ساری باتیں سنتی گئی۔ کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ اس کی پریشان نگاہیں بار بار کوریڈور کی طرف اٹھتی تھیں' جس کے پار کمرے میں زمر تھی۔ اس نے بیان دینے کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی اور ابھی پولیس آگئی تھی۔ تب سے سعدی اور پولیس آفیسرز باہر نہیں نکلے تھے۔

"تمہاری امی کدھر ہیں؟ میں ان سے افسوس ہی کر لیتی۔" علیشا رکی' پھر وضاحت دینے والے انداز میں بولی۔

"آئی ایم سوری میں پچھلے کچھ دن بہت مصروف رہی۔ اپنی ڈاکومینٹری کے سلسلے میں۔" کہتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ قدرے پھیکا پڑا' مگر حنین نے نوٹ نہیں کیا۔ علیشا نے شکر ادا کیا' اپنی دوستی کو کسی بھی قیمت پہ وہ داؤ پہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

"وہ میرے دادا کے پاس ہیں۔ ان کو گھر شفٹ کردیا گیا ہے' وہ بہت بیمار ہیں۔ پھپھو کے حادثے نے ان پہ بہت برا اثر ڈالا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ پیش آنے والے تمام حالات بتانے لگی۔ علیشا سنتی گئی۔ ان سے ہٹ کر کوریڈور کے اس پار کمرے میں' زمر بستر پہ لیٹی تھی۔ چادر گردن تک ڈالے سرہانے کی طرف سے بیڈ اوپر کو اٹھا تھا اور وہ تکیوں سے ٹیک لگائے سپاٹ چہرے اور خشک ویران آنکھوں کے ساتھ اپنے سینے پہ رکھے باہم ملے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ سعدی اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ بالکل ساتھ۔ دو پولیس والے سامنے موجود تھے' بیان قلم بند کیا جارہا تھا۔

"پھر فارس غازی نے مجھے کال کرکے جگہ کی تبدیلی کا بتایا' اس کے کہنے پہ میں اس ریسٹورنٹ گئی جہاں پہ اس نے مجھے بلایا تھا۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا' اسے حیرت ہوئی یہ بات فارس یا حنین نے اسے نہیں بتائی تھی۔

"ریسٹورنٹ میں جانے کے بعد کیا ہوا؟" اے ایس پی سرمد شاہ پوچھ رہا تھا۔ زمر نے جواب دینے کے لیے نگاہیں اٹھائیں' پہلے اس کو دیکھا پھر گردن پھیر کے سعدی کو اور ایک ہاتھ سعدی کی طرف بڑھایا' سعدی اس کا ہاتھ پکڑتے قریب ہوا۔ جیسے کوئی مورل سپورٹ تھی جس کی اس کو ضرورت تھی۔ اب کہ اس نے زیادہ اعتماد سے پولیس آفیسر کو دیکھا اور بولی تو آواز ٹھنڈی تھی۔

"فارس نے مجھے کال کی اور اس نے مجھے کہا کہ اسی نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اور یہ کہ اس کے پاس کوئی ایلی بائی نہیں تھا۔۔۔" سعدی نے کرنٹ کھا کر اپنا ہاتھ

اس کے ہاتھ سے نکالا۔ بے حد بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جو فارس کے کہے تمام الفاظ من و عن دوہرا رہی تھی۔

"زمر؟" اس نے استعجاب سے پکارا۔ زمر رکی' اپنے خالی رہ جانے والے ہاتھ کو دیکھا اور پھر سعدی کو۔ یہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ آفیسر پوچھ رہا تھا کہ پھر کیا ہوا؟ اور زمر سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل گنگ تھا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ماموں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

"سعدی میں ادھر تھی' فارس نے مجھے کال کیا' اس نے یہ سب مجھے کہا' یہ سب جو میں نے ابھی لکھوایا ہے۔ اور پھر اس نے کہا کہ وہ مجھے صرف ایک گولی مارے گا' وہ بھی دل میں۔ لیکن اس نے مجھے تین گولیاں ماریں۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے اور مجھے بھی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا اس نے شوٹ کیا۔ آپ اس کے گھر جائیں اس کی گنز تلاش کریں' اس کے پاس گنز کی ایک بہت بڑی کلیکشن ہے۔ مجھے یقین ہے انہی میں سے کوئی گن اس نے ہمارے اوپر استعمال کی ہوگی۔ میں تو یہ سمجھ نہیں پارہی کہ وہ ابھی تک آزاد کیوں گھوم رہا ہے؟ سعدی تم میری بات سن رہے ہو؟" آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کا اعتماد کم ہو رہا تھا۔ سعدی بے حد بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹا۔

"زمر! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔" پھر تیزی سے وہ آفیسرز کی طرف مڑا۔

"آپ پلیز اس کو بند کردیں۔ مجھے اپنی پھپھو سے بات کرنی ہے۔ یہ بیان اس کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے' پلیز آپ ابھی باہر جائیں۔" وہ ان کو باہر بھیجنا چاہتا تھا۔ زمر کے چہرے کا رنگ بدلا' لب بھینچ گئے۔ اس نے قدرے غصے سے سعدی کو دیکھا۔

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی' میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اس نے کہا' اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا ہے' اس نے کہا وہ اپنی بیوی کو اور مجھے قتل کرنے جارہا ہے۔ اور اس نے ہم پہ گولی چلائی۔ یہ گولی ہم پہ فارس نے چلائی۔ میں اس بات کی گواہ ہوں۔"

"زمر پلیز خاموش ہوجائیں۔ کچھ بھی مت کہیں۔ یہ سب کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہے' پلیز خاموش ہو جائیں۔" وہ بے حد الارمڈ سا ہو کر اس کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اس کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح پولیس والوں کو وہاں سے نکالے۔

"سعدی! میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہی ہوں' میرا دماغی توازن بھی بالکل برقرار ہے۔ میں کسی بھی Duress میں آکر یہ بیان نہیں دے رہی' میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف ہوں' میری ایک کریڈیبلٹی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ سب فارس نے کیا ہے' اسی نے اپنے بھائی کو مارا' اسی نے ہمیں بھی مارنا چاہا۔ آپ اس کو بلالیں' آپ اس کو میرے سامنے لاکر یہ سب پوچھ سکتے ہیں۔"

"زمر! پلیز خاموش ہوجائیں۔" وہ تڑپ کر اس کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن زمر نے دیکھا سعدی کا ہاتھ اب اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اس نے اپنا خالی ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ چہرے کے تاثرات مزید سرد ہو گئے۔ اے ایس پی سرمد آگے بڑھا۔ سعدی کے کندھے پر ہاتھ رکھا' اور تنبیہی انداز میں اس کو دیکھا۔

"آپ باہر چلے جائیں اور اگر آپ نے کال کرکے فارس غازی کو متنبہ کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کو قانون کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے جرم میں گرفتار کر سکتا ہوں' اور مجھے امید ہے آپ کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس کا نقصان صرف اور صرف آپ کے ماموں کا ہوگا۔" دوسرے آفیسر نے دروازہ کھولا' وہ سعدی کو باہر جانے کو کہہ رہے تھے۔ وہ پھر بھی اس کو دیکھتی رہی بظاہر سپاٹ' سرد نظروں سے' لیکن ان میں جیسے بے چینی تھی' امید تھی۔ وہ ابھی آئے گا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہے گا' میری پھپھو سچ کہہ رہی ہیں' میری پھپھو جھوٹ نہیں بول سکتیں' مگر وہ بے یقین حق دق سا لڑکا مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے میرے ماموں ایسا نہیں کر سکتے'

میں سچ کہہ رہا ہوں میری بات سنیں' آپ پلیز یہ بیان روک دیں۔" مگر آفیسر نے اس کی اگلی بات نہیں سنی تھی' اس نے بہت عزت اور احترام سے اس کی کہنی کو تھامے اس کو باہر کا رستہ دکھایا' اور دروازہ بند کردیا۔

زمر نے آنکھیں بند کیں' چند گہرے سانس اندر اتارے۔ اور پھر کھولیں تو وہ پہلے سے زیادہ خود کو سمیٹ چکی تھی۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ وہی سب جو اس کے نزدیک سچ تھا اور یہ سب کہتے ہوئے اس کی نظروں کے سامنے اسپتال کے بستر پہ لیٹا اپنا وجود تھا' نہ ہی ارد گرد لگی نالیاں تھیں' مشینز اور فضا میں رچی بسی اسپرٹ کی عجیب سی بو... ناکارہ گردے... ڈائیلیسز والی زندگی... کچھ بھی نہ تھا... صرف فالج زدہ بڑے ابا تھے... صرف وہی۔

بے حد مضمحل اور پریشان سا سعدی باہر آیا۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے وہ ویٹنگ روم کے سامنے رکا' پھر تیزی سے اندر آیا۔ حنہ اور علیشا وہاں بیٹھی باتیں کررہی تھیں۔

"حنین" اس کے انداز پہ حنین بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی' متفکر نگاہوں سے اس کا چہرہ کھوجا۔ "کیا ہوا بھائی؟"

"جب تم اور ماموں اور..." ایک نگاہ ساتھ کھڑی فارنر لڑکی پہ ڈالی' پھر حنین کو دیکھا۔

"اور تمہاری فرینڈ' زمر کا انتظار کررہے تھے ہوٹل میں کیا تب ماموں نے ان کو کوئی کال کی تھی؟" حنین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب کیسی کال؟"

"حنین! جب تم سب لوگ ساتھ تھے تو کیا ماموں نے زمر کو کسی ریسٹورنٹ میں بلایا تھا؟ انہوں نے انہیں کوئی کال کی تھی؟ جس میں انہوں نے کہا کہ وہ..." وہ رکا۔ یہ الفاظ تو وہ خود بھی ادا نہیں کرپا رہا تھا۔ بمشکل ہمت مجتمع کرکے بولا۔

"انہوں نے کہا کہ وہ' وہی وارث ماموں کے قاتل ہیں اور وہ زمر کو بھی مارنا چاہتے ہیں اور زرتاشہ آنٹی کو بھی۔" حنین کے چہرے پہ پہلے حیرت ابھری اور پھر شدید شاک۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" پھر اس نے علیشا کو دیکھا۔ "علیشا... ہم سب ساتھ تھے ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے ایک دو دفعہ کال کی تھی مگر پھپھو کا فون بند جارہا تھا۔" علیشا نے بھی اتنی ہی الجھن سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی لیکن ہم لوگ کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ وہیں پہ رہے۔ میرے ہوٹل کے کمرے میں اور ہم باتیں کرتے رہے تھے یا زیادہ وقت خاموش رہے تھے۔ پھر فون آیا کہ زرتاشہ کو گولی لگی ہے' جو حنین کے انکل کی بیوی تھی۔ اس پر یہ دونوں اکٹھے وہاں سے نکل گئے۔" سعدی اس کی طرف مڑا۔ اس نے ٹھہر کر اس سے پوچھا۔

"کیا جب تم لوگ ساتھ تھے' تم تینوں تو کسی ایک لمحے کے لیے بھی فارس ماموں تم لوگوں سے الگ ہوئے تھے؟" حنین اور علیشا دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں' ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا بھائی۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کیں' کنپٹی دونوں ہاتھوں سے مسلی۔ وہ بہت پریشان ہوگیا تھا۔

"زمر کہہ رہی ہیں کہ ماموں نے انہیں کال کیا اور ماموں نے انہیں کہا کہ وہ ان کو شوٹ کرنے لگے ہیں اور یہ کہ ماموں نے ان کے سامنے اعتراف جرم کیا۔" حنین کے چہرے کا شاک ایک دم ناگواری اور غصے میں ڈھلا۔ وہ تیزی سے آگے آئی۔

"کیا مطلب ماموں نے یہ سب کہا؟ پھپھو جھوٹ بول رہی ہیں' ماموں ہمارے ساتھ تھے انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ کیا مذاق ہے؟" وہ طیش سے بپھر رہی تھی۔ زمر اس قسم کی حرکت کیوں کر' کر سکتی تھی؟ سعدی نے نفی میں گردن ہلائی' اور تھکا تھکا سا کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا' کیا ہو رہا ہے؟ مگر زمر کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ ماموں پہ الزام لگا رہی ہیں' ماموں تو خود اتنے ٹوٹ گئے ہیں۔ انہوں نے تو ایسا سوچا بھی

نہیں تھا کہ یہ سب ہوگا۔ ماموں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ ہے نا حنین؟" اس نے تائید کے لیے سر اٹھا کر حنین کو دیکھا۔ وہ اس کی طرح پریشان نہیں تھی' وہ غصے میں تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا پھپھو ماموں سے کون سا بدلہ اتار رہی ہیں؟ یہ ایک دہشت گردی کی کارروائی تھی وہ اس میں ماموں کو کیوں گھسیٹ رہی ہیں؟ انہیں ایسا کرنا بالکل زیب نہیں دیتا۔ مجھے کبھی ان سے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔" وہ غصے سے واپس بیٹھی' اب چہرے پہ کچھ دیر پہلے کی چھائی زمر کے لیے ہمدردی ختم ہو چکی تھی وہاں صرف اور صرف ملال بھری بے بسی تھی۔ علیشا ان دونوں کے سامنے کھڑی فکر مندی سے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس مسئلے میں پھنستی جارہی ہے۔

"بھائی! آپ ماموں کو کال کریں' ان سے پوچھیں کہ پھپھو کیا کہہ رہی ہیں۔" سعدی نے تھکی تھکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتا جو فارس غازی کو مزید مشتبہ بنائے۔ اس بیان کے بعد پولیس ان سے ضرور پوچھ گچھ کرے گی۔ شاید ان کو گرفتار بھی کر لے۔ مجھے واقعی نہیں پتا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں انہیں کال کرنے جارہی ہوں۔ انہیں پتا ہونا چاہیے کہ پھپھو ان پہ کیا الزام لگا رہی ہیں' اور وہ بھی پولیس کے سامنے۔ او گاڈ!" حنین کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوئی جیسے واقعی کال کرنے جارہی ہو۔ سعدی نے اسے روکا۔

"نہیں' اس وقت چیزوں کو خراب کرنے کی نہیں ان کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔" حنین نے سوالیہ نظروں سے بھائی کا چہرہ تکا۔

"پھر ہم کیا کریں؟ کس کو بتائیں؟ کس سے مدد مانگیں؟"

سعدی نے موبائل نکالا' فون بک کھولی' نمبر ڈائل کیا۔ اور فون کان سے لگاتے ہوئے حنین سے بولا۔

"تھینک گاڈ' ہمارے رشتے داروں میں کوئی ایک شخص تو ایسا ہے' جس کے بارے میں' میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہر مسئلہ سنبھال سکتا ہے۔" دوسری طرف گھنٹی جارہی تھی۔

حنین نے بھنویں سکیڑ کر اچنبھے سے سوچا اور پھر تاثرات ڈھیلے پڑے۔

"اوہ ہاشم بھائی' آپ ہاشم بھائی کو بلا رہے ہیں۔ اوکے!" وہ غیر آرام دہ سی ہو کر کرسی کے کنارے بیٹھ گئی۔ البتہ وہ ابھی بھی بے چین تھی اور ناخوش بھی۔ سامنے کھڑی علیشا کے چہرے پہ ایک رنگ آرہا تھا اور دوسرا جارہا تھا۔ اس ساری گفتگو میں ہاشم کا نام سب سے واضح تھا۔ ہاشم پھر ہاشم' ادھر بھی ہاشم۔

اس نے کھنکھار کے ان دونوں کو متوجہ کیا۔

"میرا خیال ہے' مجھے چلنا چاہیے۔ میری ممی کی کال آنے والی ہے' وہ ہوٹل میں مجھے اس وقت نہ پا کر پریشان ہو جائیں گی۔ میں رات کو پھر آؤں گی' تم پریشان مت ہونا۔" قریب ہو کے حنین کا کندھا تھام کر وہ کہہ رہی تھی۔ سعدی نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اس فارنر لڑکی کو دیکھا جو ان کے لیے بے حد فکر مند لگ رہی تھی۔ اور پھر دوسری طرف جاتی گھنٹی سننے لگا۔

"جی ہاشم بھائی!" رابطہ ملتے ہی وہ بچوں کی سی بے ساختگی سے بولا۔

"پلیز آپ ادھر آجائیں' جی ادھر ہی اسپتال میں' مجھے نہیں پتا یہاں کیا ہو رہا ہے لیکن پھپھو کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کو تفصیل یہاں آنے پہ بتاؤں گا' لیکن وہ ابھی پولیس کو اپنا بیان دے رہی ہیں۔ اور جو وہ بیان دے رہی ہیں' وہ ہمارے خاندان کے لیے بہت تباہ کن ہو سکتا ہے۔" اور دوسری طرف کار ڈرائیو کرتے ہوئے' کانوں میں ہینڈز فری لگائے ہاشم نے تھک کر آنکھیں بند کیں۔ اور پھر گہری سانس لے کر کھولیں۔ بالآخر وہ بیان آہی گیا تھا جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔

"میں آرہا ہوں سعدی! تم بالکل فکر مت کرو' میں سب سنبھال لوں گا۔ ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔" ہلکی سی مسکراہٹ سے اس نے ہینڈز فری کانوں سے اتارے اور ایکسیلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔۔۔۔

☼ ☼ ☼

پولیس آفیسرز زمر کے کمرے سے نکل رہے تھے' جب کوریڈور کی دیوار کے ساتھ لگے مایوس اور فکر مند سے کھڑے سعدی نے کوئی آہٹ سی محسوس کر کے گردن موڑی۔ ریسپشن کی طرف سے ہاشم چلتا ہوا آرہا تھا' بلیک سوٹ میں ملبوس' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتا' دوسرے ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ تیز قدم اٹھاتا قریب آیا۔ تحکم اور رعونت سے ان آفیسرز کو دیکھا وہ فوراً" سیدھے ہوئے تھے' اے ایس پی نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ ہاشم نے محض سر کے خم سے جواب دیا۔ اور ان کو نظر انداز کر کے سعدی کی طرف آیا۔

"مجھے مختصراً" بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟" اور اسے تو جیسے ہاشم بھائی کے آنے سے بہت تقویت مل گئی تھی' وہ پریشانی سے تیز تیز بولتا اس کو ساری صورت حال سمجھانے لگا۔ ہاشم کے لیے کچھ بھی نیا نہیں تھا' مگر بظاہر پوری توجہ سے سن کر اس نے سر ہلایا' اور اسے وہیں رکنے کا کہہ کر کمرے کی طرف بڑھا۔

"مجھے زمر سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" اندر موجود ڈاکٹر کو اس نے بس ایک فقرے سے باہر بھیجا' دروازہ بند کیا اور بیڈ کے سامنے آیا۔ قدرے ٹیک لگا کے لیٹی زمر نے آنکھ اٹھا کر ہاشم کو دیکھا اور بے زاری سے منہ پھیر لیا۔

"آپ جس لیے بھی آئے ہیں' کتنا ہی اچھا ہو واپس چلے جائیں کیونکہ میں اس وقت کم از کم آپ سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے فارس کے خلاف بیان دیا ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ زمر نے واپس منہ اس کی طرف کیا اور بگڑے تاثرات سے بولی۔

"آپ کو میرے بیان پہ جو بھی اعتراض کرنا ہے' جو بھی واویلا کرنا ہے۔ آپ کورٹ میں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ میں اپنی کسی بات سے اک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی۔" ہاشم کے چہرے پہ ملال ابھرا اور بے یقینی بھی۔ وہ قریب آیا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے کتنا ناقابل اعتبار سمجھتی ہیں' شوق سے سمجھیے مگر آپ کے بارے میں' میں ایک بات جانتا ہوں کہ آپ جھوٹ نہیں بولتیں' اور بلاوجہ کسی کے بارے میں اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتیں۔" وہ جو بے زاری سے اس کو دیکھ رہی تھی' قدرے چونکی' چہرے کے تاثرات ذرا نرم ہوئے۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟" آواز میں البتہ وہی بے اعتنائی اور خشکی تھی' جیسے وہ جلد از جلد ہاشم کی کمپنی سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔

"میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں کہ کیا واقعی وہی ہوا تھا جو آپ نے پولیس سے کہا؟ کیا واقعی آپ نے فارس کو اعتراف جرم کرتے سنا؟" کافی توجہ اور دھیان سے اس کو دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ جیسے اس کا کہا گیا ایک ایک لفظ اس کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہو۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں نے سب سچ کہا ہے۔ ایک ایک حرف۔" ہاشم نے سمجھنے والے انداز میں "اوکے" کہتے ہوئے کالر سے نادیدہ گرد جھاڑی' کوٹ کا بٹن بند کیا اور۔

"تو پھر آپ مجھے ہمیشہ اپنی حمایت میں پائیں گی۔" کہہ کر مڑ گیا۔

زمر اس کو باہر جاتے دیکھتی رہی۔ اب بھی اس کی نگاہوں میں بے زاری تھی مگر اس کی شدت کم تھی۔

اس نے دروازہ کھولا تو باہر کھڑا سعدی نظر آیا' زمر کی نگاہوں میں امید سی جاگی۔ اس نے ذرا گردن اٹھا کے دیکھا مگر سعدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً" ہاشم کی طرف پر امید سا بڑھا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ درمیان کا رستہ رک گیا۔ زمر نے سر بے دلی سے تکیے پہ ڈال دیا۔ آنکھ کے کنارے پہ ہلکی سی نمی ابھی

تھی، مگر اس نے جلدی سے انگلی کی نوک سے اسے صاف کرلیا۔ وہ بیٹھ کے رونے والوں میں سے کبھی بھی نہیں تھی۔ تو پھر آج کیوں؟ اونہہ۔

"کیا آپ نے زمر سے بات کی؟" باہر وہ بے قراری سے ہاشم سے پوچھنے لگا۔ ہاشم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کا کندھا تھپکا۔

"تم فکر نہ کرو ہم پولیس اسٹیشن چلتے ہیں، وہ فارس کو اریسٹ کرکے وہیں لائیں گے۔" سعدی کو جھٹکا لگا تھا۔

"کیا وہ ماموں کو اریسٹ کریں گے؟"

"وہ ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر ہے، اور وہ کہہ رہی ہے کہ اس کے اوپر فارس غازی نامی شخص نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ وہ اس کو ضرور اریسٹ کریں گے، اس لیے تم فارس کے لیے معاملات بگاڑنے کے بجائے ٹھنڈے طریقے سے چیزوں کو حل کرنے کی کوشش کرو۔ آؤ۔" ہاشم باہر کی طرف بڑھا تو متذبذب سا کھڑا سعدی فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ حنین بھی اب کوریڈور کے سرے پہ آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ حنین تک رکا۔

"تم امی کو فون کرلینا، اور ان سے کہنا وہ تمہارے پاس آجائیں۔" حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ قدرے مشتبہ نظروں سے سامنے جاتے ہاشم کو دیکھا جواب سعدی کے انتظار میں رک گیا تھا۔ نگاہیں ملیں، ہاشم نے "کیسے ہو بیٹا؟" کہہ کر گویا حال احوال کا فرض نبھایا اور جواب کا انتظار کیے بغیر سعدی کو چلنے کا اشارہ کرتا مڑا اور پھر حنین کے سامنے وہ دونوں تیز تیز باہر نکل گئے۔

حنین لب کاٹتی، وہاں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر زمر کے روم کے دروازے تک آئی، دستک دینے کو ہاتھ بڑھایا مگر ہاتھ نے دروازے کو نہیں چھوا، اس نے ہاتھ گرا دیا۔ کسی بھی چیز کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا۔ کم از کم اس کی زمر سے اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ ایک بے فائدہ گفتگو اس کے ساتھ کرسکے، وہ برے دل کے ساتھ واپس پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

افکار پہ پہرا ہے قانون یہ ٹھہرا ہے
جو صاحب عزت ہے وہ شہر بدر ہوگا

پولیس اسٹیشن کے اس کمرے میں ایک خالی میز بچھی تھی اور اس کے گرد تین کرسیاں، سعدی بے چینی سے کرسی کے کنارے ٹکا میز پہ کہنیاں رکھے سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا تھا۔ اکیس سالہ کم عمر چہرے پہ بے پناہ فکرمندی تھی۔ ساتھ والی کرسی پہ ہاشم ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا موبائل پہ بٹنز دبائے جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ نظر اٹھا کے سعدی کو بھی دیکھ لیتا۔ کبھی کبھی کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی آمیز انداز میں تھپک دیتا۔

"میں سب سنبھال لوں گا، بے فکر رہو۔"

سعدی نے بدقت مسکرانے کی کوشش کی۔ مگر اس وقت کسی بھی چیز کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کتنی دیر سے فارس غازی سے ملاقات کے لیے بیٹھے تھے مگر کوئی اسے لا ہی نہیں رہا تھا۔

باہر پچھلی سہ پہر رات میں ڈھل چکی تھی۔ سعدی اٹھ کر کمرے میں ادرگرد مضطرب سا چکر کاٹنے لگا۔ یہ خیال کہ فارس ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے حوالات میں بند ہے اور اس سے پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری ہے اس کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ ہاشم ہنوز موبائل پر بٹنز دبائے جا رہا تھا۔

دفعتاً" دروازہ کھلا، ہاشم نے کافی پرسکون انداز میں اور سعدی نے بے حد بے تابی سے اس طرف دیکھا۔ دو اہلکار فارس غازی کو لیے آرہے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ سیاہ جینز پہ راؤنڈ نیک والی گرے شرٹ میں ملبوس جس کی آستینیں کلائی تک آتی تھیں، فارس انتہائی غصے بھری بے بسی کی کیفیت میں تھا۔ ابرو بھینچے تھے اور ہلکی سنہری آنکھوں میں شدید سختی تھی۔

ہاشم موبائل رکھ کر فوراً" اٹھا، ایک کڑی نگاہ اہلکار پہ ڈالی۔

"ہتھکڑی کھولو۔" اس کا انداز اتنا سخت تھا کہ بنا

چوں کہ فارس کی ہتھکڑی کھول دی گئی۔ فارس نے ہاتھ جھٹکے' کرسی کھینچی اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھا' اس کے ماتھے پہ ابھی تک بل تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟"

ہاشم مصنوعی ہمدردی سے پوچھتے ہوئے کھڑا رہا جب کہ سعدی جلدی سے آکر اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا۔ فارس نے ایک تیکھی نظر ہاشم پہ ڈالی اور استہزائیہ سر جھٹکا جیسے کہہ رہا ہو کہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی تمہیں ہی ہوئی ہوگی۔ ہاشم اس کی سرد مہری محسوس کرکے دروازے کی طرف بڑھا۔

"میں اے ایس پی سے مل کر آتا ہوں' تم بات کر لو۔" سعدی کو اشارہ کرکے وہ باہر نکل گیا۔ اب کے فارس نے ان ہی تاثرات سے اسے دیکھا۔

"کیا واقعی تمہاری پھپھو نے مجھ پہ یہ الزام لگایا ہے؟"

اس کی آنکھوں میں شدید غصہ تھا۔ سعدی نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں خود سمجھ نہیں پا رہا' یہ کیا ہوا ہے! کیا آپ نے انہیں کال کی تھی؟ کیا جب آپ نے ان کو ریسٹورنٹ میں بلایا تھا....."

"میں نے انہیں کسی ریسٹورنٹ میں نہیں بلایا تھا' ہوٹل میں بلایا تھا' حنین تھی' اس کی وہ دوست تھی' میں نے انہیں کوئی کال نہیں کی تھی' میں سمجھ نہیں پا رہا' میڈم میرے بارے میں ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں' یہ سب جھوٹ ہے' بکواس ہے!" اس نے طیش سے کہتے ہوئے میز پہ مکا مارا۔

سعدی پیچھے کو ہوا' لب کاٹتے ہوئے سوچنے لگا' اب کچھ کچھ صورت حال سمجھ میں آرہی تھی۔

"مگر انہوں نے کہا' آپ نے انہیں کال کرکے کہا ہے کہ آپ نے ہی وارث غازی کا قتل کیا ہے اور یہ بھی کہ....." سعدی رکا' اسے وہ تمام تکلیف دہ الفاظ یاد تھے جو زمر نے اس کے سامنے آفیسر کو بتائے تھے۔

"اور یہ کہ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر' اور اس طرح کی بہت ساری باتیں۔"

وہ واقعی دہرا نہیں پا رہا تھا' اسے شرمندگی ہو رہی تھی' آخر زمر اس قسم کی بات کیسے کرسکتی تھیں۔

"میں میڈم سے ایسی بات کیوں کروں گا؟ میرے پاس دو گواہ ہیں حنین اور علیشا' ہم سارا وقت ایک ساتھ رہے' میں نے کسی سے ایسی کوئی بات نہیں کی اور میں اس کو کیسے گولی مار سکتا ہوں؟ میرے پاس تو اس وقت کوئی گن بھی نہیں تھی۔"

"مگر جو گولی پھپھو کو ماری گئی تھی وہ علیشا کے کمرے کے ساتھ والے کمرے کی کھڑکی سے ماری گئی اور جب پولیس نے وہاں پہ چھاپا مارا تو وہاں موجود گن آپ کی تھی' اس پر آپ کے فنگر پرنٹس تھے' یہ وہی امریکن گن تھی جو آپ نے بلیک میں پشاور سے خریدی تھی۔ اور آپ کے نشان لگے گلاس اور کٹلری بھی وہاں سے قبضے میں لی گئی ہے۔ فنگر پرنٹس کے رزلٹ آگئے ہیں' وہ کمرہ بھی آپ کے نام بک تھا اور ہوٹل کے اس فلور کے سی سی ٹی وی کیمرز بھی خراب تھے' سو آپ علیشا کے کمرے میں گئے یا دوسرے کمرے میں' کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس پہ مستزاد' زمر کا یہ بیان' میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا' آخر ہو کیا رہا ہے فارس ماموں؟"

وہ ہاشم کی بتائی گئی معلومات جو عین زمر کے بیان کے بعد منظر عام پہ لائی گئی تھیں' دہراتا گیا۔ آخر میں اس کی بے بسی جھنجلاہٹ جیسے برہمی میں بدلنے لگی۔ ہاشم واپس آگیا تھا اور اب خاموشی سے کرسی پہ بیٹھا تھا۔

فارس نے اب کے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں' میں بکواس کر رہا ہوں' ہاں!"

"میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں... کیا آپ نے پھپھو کو کال کی تھی؟"

"میں نے کسی کو کوئی کال نہیں کی۔ میں میڈم سے ایسی بات کیسے کرسکتا ہوں کہ میں انہیں گولی مارنے والا ہوں! اربش! گولی مارنے سے پہلے کون بتاتا ہے؟"

اس نے اشتعال سے سر جھٹکا' جیسے بس نہ چل رہا ہو اس میز کو اٹھا کر سعدی کے اوپر دے مارے۔

سعدی اک دم رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اجنبی عجیب نظروں سے۔

"میڈم کون؟"

"تمہاری پھپھو اور کون!" فارس اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

"آپ زمر کو میڈم کہتے ہیں رائٹ؟" اس کے ذہن میں جیسے الارم بج رہا تھا۔ قدرے پرجوش سا ہو کر وہ آگے کو ہوا۔

"لیکن زمر نے جو بیان دیا ہے' اس میں انہوں نے بتایا کہ آپ نے انہیں 'زمر' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ مگر آپ کبھی پھپھو کا نام نہیں لیتے' مجھے یاد ہے' آپ ہمیشہ ان کو میڈم کہتے تھے۔"

"اوہ ڈیم!" ہاشم نے کراہ کر گویا آنکھیں بند کیں۔ اسکرپٹ لکھنے میں ذرا سی غلطی کتنی تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی؟

فارس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ ابھی تک سعدی کی بات کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔

سعدی تیزی سے کھڑا ہوا۔ "میں جانتا ہوں آپ نے کچھ نہیں کیا۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں' آپ نے واقعی انہیں کوئی کال نہیں کی۔ آپ فکر مت کریں۔"

اس نے تسلی دینے والے انداز میں فارس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ہاشم بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں باہر انتظار کر رہا ہوں تمہارا!" اور باہر نکل گیا۔

"ہاشم بھائی آپ کو بہت جلد یہاں سے نکال لیں گے۔"

"ہاں" فارس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ "ہاشم اور میرے لیے کوشش کرے گا! کبھی بھی نہیں! وہ جو کر رہا ہے' وہ بھی صرف دکھاوے کے لیے ہے۔ میں اس کو جانتا ہوں' اپنا مطلب نہ ہو تو وہ کسی کی مدد نہیں کرتا۔" سعدی نے متعجب سا ہو کر اسے دیکھا۔

"وہ ان پہلے لوگوں میں تھے جنہوں نے آپ کی بے گناہی پہ یقین کیا تھا' کم از کم ان کے بارے میں آپ کو اتنا منفی نہیں ہونا چاہیے۔ آپ تسلی رکھیں' ہاشم بھائی آپ کو بہت جلد رہا کروا لیں گے۔"

فارس شاکی سا کچھ بیٹھا کر چپ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں پچھلے چند دن سے چھپایا ملال اور کرب اب شدید غصے میں ڈھل رہا تھا۔ آخر زمر نے اس پہ اتنا بڑا الزام کیا سوچ کر لگایا ہے! وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فارس قتل نہیں کرسکتا' یا شاید وہ کسی اور کی جگہ اس کا نام لے رہی تھی' شاید وہ کسی اور کو کور کر رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے سر جھٹکا۔ سعدی اب باہر جا رہا تھا' اسے جلد از جلد پھپھو سے ملنا تھا۔

☼ ☼ ☼

جب رات کے پردے سے پھر رات نکل آئے
اس وقت کدھر جائے' جو اہل نظر ہوگا

ہسپتال کے کمرے میں وہی دوائیوں کی بو پھیلی تھی' زمر بدستور اسی طرح لیٹی تھی۔ اس کی ویران نگاہیں چھت پر تھیں۔ ذہن میں جانے کیا چل رہا تھا۔ سعدی جب اندر آیا تو دیکھا' زمر کا چہرا پہلے سے بہت زیادہ مرجھایا ہوا اور رنگت ہلدی کی مانند لگ رہی تھی۔ اس کا ٹوٹا ہوا دل مزید ٹوٹ گیا۔ وہ قریب آیا' زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرائی نہیں مگر کوئی امید سی اس کی آنکھوں میں چمکی۔

"کیا ہوا؟" اس نے دو لفظی استفسار کیا۔

"پولیس نے ماموں کو گرفتار کرلیا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے زمر کے تاثرات دیکھے۔ زمر کی آنکھوں میں کرب اترا اور ساتھ ہی گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی سی نظر آئی۔ سعدی مزید قریب آیا' یہاں تک کہ اس کے کندھے کے ساتھ آکھڑا ہوا۔ زمر اب نگاہیں پوری اٹھا کر اس کو دیکھ رہی تھی۔

"سعدی! اس نے مجھ پر گولی چلائی' میں نے خود سنا۔ تمہیں مجھ پہ یقین ہے نا؟"

چند گھنٹے پہلے پولیس آفیسرز کے سامنے سپاٹ' سنجیدہ اور مضبوط سی پراسیکیوٹر اب بہت کمزور لگ رہی تھی' اس کے انداز میں بے بسی تھی' خوف بھی' مکڑی کے جالے کا سامان تھا معلوم نہیں کب ٹوٹ

جاتا۔ سعدی نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"فارس غازی نے آپ سے کیا کہا تھا فون پہ؟"

"اس نے مجھے کہا کہ وہ مجھے صرف ایک گولی مارے گا"

"نہیں، مجھے ان کے الفاظ بتایئے 'ایک ایک لفظ!'

زمر کی آنکھوں میں چمکتی امید مزید گہری ہوئی، مکڑی کے جالے کا سامان مضبوط ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ پراعتماد ہو کر بولی۔

"اس نے کہا میں صرف تمہیں ایک گولی ماروں گا زمر' دل میں لو۔۔۔۔"

"مگر فارس غازی نے آپ کو کبھی آپ کے نام سے نہیں پکارا' وہ ہمیشہ آپ کو میڈم کہتے تھے۔"

وہ ایک دم بالکل رک کر تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

"فارس غازی نے آپ کو کوئی کال نہیں کی تھی' آپ کو فارس نے گولی نہیں ماری تھی' ان کو سیٹ اپ کیا گیا ہے۔ کچھ تو ہے جو آپ چھپا رہی ہیں۔ پلیز مجھے سب کچھ بتایئے' ایک ایک بات!"

زمر بالکل متحیر سی اس کو دیکھے گئی' بنا پلک جھپکے' جیسے سانس تک رک گیا ہو۔

"سعدی! تم کہہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں!"

"میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔"

"صرف اس بنیاد پر کہ وہ مجھے میرے نام سے نہیں پکارتا تھا! اس نے گولی بھی تو مجھ پر پہلی دفعہ ہی چلائی تھی بہت ساری چیزیں پہلی بار ہی ہوتی ہیں۔"

"وہ جھوٹ نہیں بول رہے' انہوں نے آپ کو کوئی کال نہیں کی۔ آپ بتائیں' کچھ ہے جو آپ چھپا رہی ہیں۔ آپ وارث ماموں کے ٹارگٹ کیس کی فائلز نکلوا رہی تھیں۔ کیا آپ کسی کو کور کر رہی ہیں؟ کیا کوئی آپ کو یہ سب کہنے پہ مجبور کر رہا ہے؟" یہ خدشہ ہاشم نے راستے میں ظاہر کیا تھا' یونہی سرسری سا' مگر سعدی کے ذہن میں اس نے جڑ پکڑلی۔

زمر کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گلابی سی نمی اتری۔ لب بھینچ گئے۔

"تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"

"زمر! آپ مجھے سب کچھ سچ کیوں نہیں بتاتیں؟" اس کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے سعدی! وہ کیا تکلیف ہے جو میں نے پچھلے کچھ دنوں میں سہی ہے؟ میرے گردے ضائع ہو گئے ہیں' میرا باپ مفلوج ہو گیا ہے' میری زندگی کی ساری امیدیں ٹوٹ گئی ہیں' میں کبھی نارمل نہیں ہو سکوں گی' ایسے وقت میں بھی تمہیں لگ رہا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں' تمہیں فارس زیادہ قابل اعتبار لگ رہا ہے! کیا تم مجھے نہیں جانتے؟" وہ متحیر' بے یقین تھی۔

"میں آپ کو جانتا ہوں اسی لیے کہہ رہا ہوں آپ کوئی بات مجھے نہیں بتا رہیں' آپ کچھ چھپا رہی ہیں' کہیں نہ کہیں کچھ غلط ہے۔ علیشا کہہ رہی ہے' حنین کہہ رہی ہے' ماموں ان کے ساتھ تھے' انہوں نے کوئی کال نہیں کی' وہ تین لوگ جھوٹ نہیں بول رہے" وہ ناراضی سے اسے دیکھ کر تیزی سے بولا۔

زمر کے ابرو غصے سے اکٹھے ہوئے۔ اس نے کہنیوں کے بل قدرے اٹھنے کی کوشش کی۔

"ہاں ٹھیک ہے' وہ سب سچ بول رہے ہیں' ایک میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ تمہیں نہیں کرنا میرا اعتبار مت کرو۔ لیکن میں دنیا کی ہر عدالت میں جا کر اس کے خلاف گواہی دوں گی۔ میں پوری دنیا کو بتاؤں گی کہ کس طرح اس نے میرے اوپر گولی چلائی' اپنی بیوی کو مارا' اپنے بھائی کو مارا' میری زندگی برباد کر دی!"

سعدی نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ کو پتا ہے' آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے زمر؟ جب آپ کے دماغ کی سوئی ایک بات پہ اٹک جاتی ہے تو پھر وہ وہاں سے نہیں ہٹ سکتی' آپ اس کے آگے پیچھے ہر قسم کی سوچ کا دروازہ خود پہ بند کر لیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے' آپ بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے؟ تمہیں میرے سچ بولنے میں شک ہے!" وہ بے یقینی سے غرائی تھی۔

"لیکن زمر! میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ کوئی تیسری چیز بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کیوں ٹھنڈے دل سے اس بات پہ نہیں سوچتیں۔ ایک دفعہ فارس غازی کو بے گناہ تصور کر کے سوچیں۔ ہو سکتا ہے کسی نے انہیں پھنسایا ہو۔ یہ سب ایک سیٹ اپ ہو اور کچھ بھی نہ ہو۔ آپ ایک دفعہ۔۔۔۔ صرف ایک دفعہ اپنے مفروضات کو پیچھے کیوں نہیں کر لیتیں؟ اگر واقعی آپ کسی کے دباؤ میں نہیں ہیں تو۔۔۔"

"مفروضات!" وہ چلائی تھی "میں کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں میں نے اس کی آواز سنی ہے' اس کا فون آیا تھا مجھے' اس نے مجھ پہ گولی چلائی' میں فارس کی آواز کو پہچانتی ہوں' میں جانتی ہوں وہ فارس ہی تھا۔ ہر چیز کی سینس بنتی ہے سوائے اس کے کہ تم میری بات سننا نہیں چاہتے' تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔ ٹھیک ہے سعدی! مت کرو مجھ پر اعتبار لیکن ایک وقت آئے گا جب عدالت اس کو سزا سنائے گی اور جب وہ مجرم ثابت ہو گا اور وہ خود اعتراف جرم کرے گا۔ تب میں تم سب کے چہرے دیکھنا چاہوں گی۔ تم' حنین' بھابی' کوئی بھی میری بات پہ یقین نہیں کر رہا۔ میں جانتی ہوں' لیکن تم لوگ دیکھو گے' ضرور دیکھو گے!"

تیز تیز بول کر وہ ہانپنے لگی تھی۔ سر تکیہ پہ گرا لیا۔ سعدی خفگی سے پیچھے ہوا۔

"ایک یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے آپ کا۔ آپ کسی دوسرے کی کوئی بات سمجھتی نہیں ہیں۔ آپ سمجھنے کے لیے بات نہیں سنتیں' آپ جواب دینے کے لیے بات سنتی ہیں' آپ اپنے خیالات میں اتنی فکسڈ ہو جاتی ہیں کہ آپ کسی نئے تصور کے لیے اپنا ذہن کھلا نہیں رکھتیں۔ آپ کو خود بھی پتا ہے کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں مگر۔۔۔" اور زمر کے لیے یہ بہت تھا۔

"نکل جاؤ میرے کمرے سے! ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے چلاتے ہوئے بازو اٹھا کر کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ سعدی بھی غصے سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ اتنی ضدی کیوں ہو رہی تھی۔ وہ اس کی بات کیوں نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"آپ کو صرف اس بات کا غصہ ہے کہ میں نے آپ کو یہ کیس لینے کے لیے کیوں کہا۔ یہ کہ اس کیس کی وجہ سے آپ کی شادی ڈیلے ہو رہی تھی۔ آپ اس کیس کا غصہ فارس ماموں پہ نکال رہی ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ایک دفعہ پھر وہی کر رہی ہیں۔ ان کی بیوی کا قتل ہوا ہے' ان کے بھائی کا قتل ہوا ہے' ہمارا خاندان تباہ ہو چکا ہے اور آپ اپنی ضد کو لے کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ زمر! آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟"

"نکل جاؤ میرے کمرے سے اور دوبارہ مت آنا۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اس وقت۔ جاؤ سعدی!" وہ زور سے چلائی۔

(باقی آئندہ ماہ)

نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں ' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر ' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجے میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ سعدی کو یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے ' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی ' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں ' جس میں اس کا بھی حصہ ہے ' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی ' ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے ' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا

مکمل ناول

ہے 'بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکیورٹی آفیسر خاور' ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے' جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے۔ اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔

سعدی' حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے" حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر پر "آمس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ور جینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فدے سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس قاطمی ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد سیل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔' زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے' مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے لینے کے لیے۔۔۔ پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی ایل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے مکمل طور پر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

وہ فوراً "تیزی سے مڑا" دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔
حنین سامنے تھی' نامکمل بند پٹ کی وجہ سے وہ سب کچھ سن چکی تھی۔
"آخر وہ اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہیں کہ انہیں کسی کا بھی خیال نہ ہو! نہ ماموں کا' نہ سارہ خالہ کا' ان کو صرف اپنا غم یاد ہے۔" وہ شاکی سا کہتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ حنین سست قدموں سے چلتی اس کے قریب آئی۔
"آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔"
وہ متعجب رہ گیا۔ "ان کے الزام کی وجہ سے فارس ماموں کو پھانسی ہو جائے گی اور تم کہتی ہو کہ۔۔۔"
"جو بھی تھا' آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی' کم از کم آپ کو نہیں!"
وہ کہہ کر مڑ گئی۔ سعدی نے خفگی سے سر جھٹکا۔ منہ میں کچھ بڑبڑایا۔ وہ سخت غصے میں تھا اور وہیں گھٹنوں پہ بازو رکھے' سر جھکائے اندر ہی اندر کڑھتا رہا۔
حنین ٹہلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ ذرا سی درز سے اندر جھانکا' زمر اسی طرح لیٹی ہوئی تھی' اس کی گردن اب بائیں طرف نہیں تھی سیدھی تھی' وہ اوپر دیکھ رہی تھی' اور وہ رو رہی تھی' بری طرح! کبھی وہ اپنے ساتھ لگی نالیوں کو دیکھتی' کبھی مشینز کو' کبھی سفید چادر کو' کبھی ہاتھ میں لگے کینولا کو اور آنسو ابل ابل کر آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے' کبھی کوئی ہلکی سی سسکی بھی نکل جاتی تو وہ ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے اسے دبا لیتی۔ اس کے لیے یہ بہت شرمندگی کی بات تھی کہ کوئی اسے روتا دیکھ لے' وہ بہت مضبوط تھی۔
حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بڑے دل کے ساتھ پلٹ آئی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ کون سچ کہہ رہا تھا اور کون جھوٹ۔ لیکن کیا اب اس بات سے فرق پڑتا تھا! اس نے زمر کو پہلی دفعہ روتے دیکھا تھا۔ اس کا دل بہت بھاری ہو گیا تھا۔

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

ندرت اور بڑے ابا زمر کے کمرے میں تھے۔ وہ جان بوجھ کے زمر کے پاس اندر نہیں گیا تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا مگر زمر نے اسے اندر بلایا بھی نہیں۔ ایک دفعہ کسی سے پچھوایا بھی نہیں۔ اس کو منایا بھی نہیں۔
وہ خفا خفا سا باہر ہی بیٹھا رہا۔ وہ آج پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ صحت میں نہیں جذباتی کیفیت میں۔ ٹیک لگا کر قدرے اٹھ کے بیٹھی۔ گھنگریالے بال پونی میں سنبھال کر بالکل پہلے سے خاموش اور سنجیدہ۔
سامنے وہیل چیئر پہ موجود نحیف اور بیمار سے بڑے ابا کو اس کا ہر انداز مزید اذیت دے رہا تھا۔ وہ کبھی ایک فکر مند نگاہ زمر پہ ڈالتے جو دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی بظاہر ان دونوں کو نظر انداز کر رہی تھی' جو خاموش سی سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھیں۔ زمر لاکھ عزیز سہی فارس ان کا بھائی تھا۔ سعدی کی طرح زمر سے جھگڑا کر کے اس پہ چیخ چلا کر ناراض نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذہن میں بار بار خیال آ رہا تھا آخر وہ بھی فرحانہ کی بیٹی ہی نکلی' مگر وہ ظاہر نہیں کر رہی تھیں' بالکل چپ' کسی نہ کسی مصالحت کی امید لیے۔
بڑے ابا نے ہاتھ بڑھا کے بیٹی کے ہاتھ کو تھاما' وہ اس کے بیڈ کے کافی قریب بیٹھے تھے' ان کی ضد اور اصرار پہ آج انہیں یہاں آنے کی اجازت ملی تھی۔ اس بے بسی سے۔ جس پہ زمر نے سر گھما کے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بہت کمزور اور بوڑھے لگ رہے تھے' لاوارث بھی۔
"بیٹا! میں فارس کو جانتا ہوں' وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا' ضرور اس کو پھنسایا جا رہا ہے۔"
"ایک انٹیلی جنس آفیسر کو کون پھنسا سکتا ہے ابا!" وہ بیزار ہوئی۔
"کیوں؟ کیا وہ انسان نہیں ہو سکتے؟ ان کی کمزوریاں نہیں ہوتیں؟ ان انٹیلی جنس آفیسرز کی فائلوں کے انبار ہیں جو بے گناہ ہوتے ہوئے بھی نکالے گئے' پھنسائے گئے یا پھانسی چڑھ گئے۔ وہ سب سے الگ ہے کیا؟"
"ٹھیک ہے آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میں جھوٹ

بول رہی ہوں، حالانکہ سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے' میں نے اس کے الفاظ سنے تھے' میں نے اس کی منت کی تھی کہ وہ میرے اوپر گولی نہ چلائے' وہ میری زندگی خراب نہ کرے۔" درد سے پھٹتی آواز میں کہتے کہتے اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔ "میں نے ابا اس کو اتنا تنگ کیا کہ میں اس کا کیس لڑوں گی' ہر عدالت میں' ہر جگہ اس کے ساتھ کھڑی ہوں گی' وہ میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرے۔ لیکن اس نے پھر بھی مجھ پہ گولی چلائی' اس نے پھر بھی مجھے مارنا چاہا۔ اگر اس نے میری کوئی خبر قبول نہیں کی تو آپ اس کے لیے مجھ سے کسی خیر کی توقع مت رکھیں۔"

"میں جانتا ہوں تم جھوٹ نہیں بول رہیں' لیکن یہ صرف اور صرف کوئی غلط فہمی ہے۔" زمر نے بے زاری سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے نکال لیا۔ وہ دل مسوس کر بیٹھے رہ گئے۔

"آپ لوگ' پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ جس کو مجرم سمجھنا چاہیے' اس کے لیے آپ کے دل میں ہمدردی ہے تو ٹھیک ہے' ہمدردی لینے کا مجھے بھی شوق نہیں۔ میں جیسی ہوں' ویسی ہی ٹھیک ہوں۔"

"ایسے کیوں سوچتی ہو؟ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ ہم انتظام کر رہے ہیں' بہت جلد کوئی کڈنی ڈونر مل جائے گا' تمہیں کبھی ڈائلیسز پر نہیں آنا پڑے گا' تم دوبارہ سے صحت یاب ہو جاؤ گی۔"

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گردن پھیر کر کھڑکی کی طرف دیکھتی رہی۔

ندرت آہستگی سے اٹھیں' اس کے قریب آئیں اور بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھ کر' منت بھری بے بسی سے اس کو دیکھا۔

"زمر! میرے لیے کیا تم اپنا بیان واپس نہیں لے سکتیں؟ فارس جیل چلا جائے گا' اس کو سزا ہو جائے گی' وہ برباد ہو جائے گا۔" اس نے زخمی نگاہوں سے ندرت کا چہرہ دیکھا۔

"اور میرا بھائی! میری خوشیاں' میرے غم؟ ان کا کیا؟ آپ سب کو لگتا ہے کہ میں اپنی ضد پہ اڑی ہوئی ہوں؟" شکایت آمیز نظر اپنے باپ پر ڈالی "لیکن آپ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ میرے پاس ضد کرنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں ہے' تباہ ہو چکی ہوں میں! اب فارس برباد ہو یا آباد' مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے! میں نے اس کی عزت کی ہمیشہ' کیونکہ مجھے انسان کے اندر کی اچھائی پہ یقین ہوتا ہے' مگر میں غلط تھی' وہ ویسا ہی ہے جیسا لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے۔ آپ اس کے لیے مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔ کیونکہ میں آپ سب کی بے اعتباری سہہ سکتی ہوں لیکن فارس کو معاف نہیں کر سکتی۔"

وہ گردن موڑ کر پھر سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ اب وہ لوگ چلے جائیں۔

ندرت شکستگی سے اٹھیں' گھوم کر بڑے ابا کی وہیل چیئر کے پیچھے آئیں اور انہیں لے کر باہر نکل گئیں۔ دروازہ حسب معمول آدھا کھلا رہ گیا۔ اسے آوازیں آ رہی تھیں۔ دروازے کے پار راہداری میں وہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ وہ کسی سے مخاطب تھیں۔ خاتون کی آواز۔ فضیلہ آنٹی۔ حماد کی امی' وہ پہچانتی تھی۔ وہ آہستگی سے سیدھی لیٹی' تکلیف چہرے پہ نمودار ہوئی۔ اور آنکھیں بند کر لیں' بالکل ایسے جیسے وہ سو رہی ہو۔

واقعی یہ وہ صبح نہیں تھیں جن میں جاگتے ہوئے اسے آفس جانے کی کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ کون سی خواہش کہاں آکر پوری ہوئی تھی!

ندرت' فضیلہ آنٹی کو اندر لے آئی تھیں۔ زمر کی آنکھوں میں فی الحال صرف اندھیرا تھا' مگر وہ آوازیں سن سکتی تھیں۔ فضیلہ آنٹی یقیناً اس کے بازو کے قریب بیڈ کے ساتھ کھڑی تھیں۔

اس نے انہیں کہتے سنا۔

"بہت زیادہ افسوس ہوا۔ ہم سب بہت پریشان ہیں۔ کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ زمر کے ساتھ اس طرح ہوگا' وہ بھی اتنے اہم موقع سے پہلے! ہمارے تو سارے رشتے دار بھی آ چکے تھے' اب کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کریں۔ حماد کے بس بھائی۔۔۔ بتا نہیں،

کتنوں کی فلائٹس ہیں۔ آگے کروانی پڑیں گی یا شاید کینسل۔"

وہ کہہ ہمدردی سے ہی رہی تھیں' مگر انداز میں کوئی عجلت تھی۔ زمر بند آنکھوں سے سنے گئی۔

"آپ تو جانتی ہیں' وہ شادیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ حماد کے تایا کے بیٹے کے فنکشنز بھی ساتھ ہی تھے۔ ولیمہ تو ہم دے ہی اکٹھا رہے تھے۔ اب ظاہر ہے یہ شادی تو ابھی ہو ہی نہیں سکتی۔ سجاد کے فنکشنز تو کل سے شروع ہو جائیں گے۔ اب آپ تو جانتی ہیں' ہماری بھی مجبوری ہے۔"

"سب کی مجبوریاں ہیں' میں جانتی ہوں۔" ندرت بولیں تو آواز میں پسپائی تھی۔

زمر آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ ندرت اب شاید ان کے لیے کوئی جوس نکالنے لگی تھیں' مگر وہ منع کرنے لگیں۔

"حماد باہر انتظار کر رہا ہے' ایسا کرتے ہیں ہم وہیں بیٹھتے ہیں' اس کمرے میں تو مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔ پتا نہیں ہسپتالوں میں ایسی گھٹن کیوں ہوتی ہے۔"

اور ان کی آواز دور ہوتی گئی۔ شاید وہ کمرے سے جا رہی تھیں۔ اور پھر دروازہ بند ہو گیا' سناٹا چھا گیا' قبر کی پہلی رات کا سا سناٹا۔ زمر نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔ اب کوئی بھی چیز افسوس نہیں دلاتی تھی۔ سارے احساسات مر گئے تھے۔ اسے پتا تھا اب کیا ہو گا۔ دوسری دفعہ اس کی منگنی ٹوٹ جائے گی۔ پھر بھی ایک امید تھی' شاید ایسا نہ ہو۔

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے
کہیں آنکھیں کہیں چہرہ نہیں ہے

دروازہ اک دم کھلا' وہ چونکی۔ اتنی جلدی میں سب کچھ ہوا کہ وہ سوتی بھی نہ بن سکی۔ مگر پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آنے والی فضیلہ یا ندرت نہیں تھیں۔

خود کو زمر کے پاس اکیلا چھوڑ دینے کا کہتی'

جواہرات کاردار نے اندر قدم رکھا۔

بند گلے کے نیوی بلیو گاؤن' لمبی سفید ہیل' بالوں کا نفیس سا جوڑا' جوان' خوب صورت اور بے حد اسمارٹ سی جواہرات مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ زمر اسی بے رخی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔

"ہیلو زمر! کیسی ہو؟"

ایک فلپائنی ملازمہ اور ایک سوٹ میں ملبوس ملازم پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے لیے اس کے پیچھے آئے اور کمرے میں موجود میزوں کو ان سے بھر دیا۔ جواہرات نے ہلکا سا آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ مودب سے باہر نکل گئے۔

ساتھ ہی شہرین کاردار اندر آئی۔ اس نے لمبی قمیص پہن رکھی تھی اور کندھے پہ بی چین کا پرس تھا۔ سنہرے باب کٹ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں پیچھے کرتی' مصنوعی سی مسکراہٹ لیے وہ جواہرات کے ساتھ چلتی آگے آئی۔ زمر کے قریب رکی اور جیسے تعارف کروایا۔

"میں مسز ہاشم کاردار ہوں۔ ہم پارٹی میں ملے تھے۔"

زمر نے سر کے خم سے ان دونوں کے رسمی کلمات کا جواب دیا' جیسے وہ شدید کوفت میں مبتلا ہو۔ جواہرات نے زمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسے شہرین کو بتایا۔

"زمر یوسف' پبلک پراسیکیوٹر ہے۔ ہاشم نے یقیناً تم سے ذکر کیا ہو گا۔"

شہرین نے منہ میں کچھ چباتے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"جی آئی نو۔ ڈی اے ہیں یہاں کی۔" وہ زمر کی طرف مڑی "ڈی اے' کیسی ہو تم؟" اس کو جیسے اپنے انداز تخاطب پہ خود ہی لطف آیا تھا۔

زمر نے رکھائی سے "بہت اچھی" کہہ کر نظروں کا رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔ وہاں وہ سرد بادلوں سے سیاہ پڑتی جا رہی تھی۔

"آپ بیٹھیے مسز کاردار! میں باہر جاتی ہوں' یہاں

بور ہو جاؤں گی۔"

شہرین اپنے بالوں کو پھر سے پیچھے جھٹکتی 'بے نیازی سے کہتی مڑ کر باہر نکل گئی۔ جواہرات بس مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھی۔ کہنیاں کرسی کے ہاتھ پہ اور انگوٹھیوں والے ہاتھ باہم ملائے۔ اسی شیریں مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"مجھے بہت افسوس ہے جو تمہارے ساتھ ہوا۔ یقیناً" جس نے بھی کیا وہ۔" اس نے تنک کر جواہرات کو دیکھا۔

"جس نے بھی کیا کیا مطلب؟؟ فارس نے کیا ہے یہ سب! اور اگر آپ اس کی وکالت کرنے آئی ہیں' میرے سامنے تو پلیز اپنا وقت ضائع مت کیجئے گا۔"

"نہیں میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اس نے یہ کیوں کیا؟ کیا کوئی وجہ بتائی تھی اس نے؟" جواہرات نے بہت سادگی سے پوچھا تھا۔

زمر نے آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ آپ کو میری بات کا یقین ہے؟" جواہرات نے مسکرا کر شانے ذرا سے جھٹکے۔

"میں جانتی ہوں تم سچ بول رہی ہو۔"

"اور آپ یہ کیسے جانتی ہیں؟ ہم دوسری دفعہ مل رہے ہیں!" وہ سرد سا گھور کر بولی۔ اگر یہ اس سے قریب ہونے کی کوئی کوشش تھی تو وہ ہاشم کی ماں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

"کیونکہ میں اس اذیت کو پہچانتی ہوں جو غلط سمجھے جانے والے سچے لوگوں کے چہروں پہ ہوتی ہے۔" زمر کی مشکوک آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"اور آپ مجھ سے دوسری ملاقات میں میرا چہرہ کیسے پڑھ سکتی ہیں؟"

جواہرات اٹھی اور قدم قدم چلتی کھڑکی تک گئی۔ باہر بارش کی ننھی ننھی بوندیں زمین پہ گر رہی تھیں۔ وہ چند لمحے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی پھر مڑی تو چہرے سے مسکراہٹ غائب تھی۔

اس کی جگہ افسوس تھا۔

"مجھے واقعی دکھ ہے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا' کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔ کیونکہ اس چیز نے تمہاری زندگی برباد کر دی اور زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ کوئی تمہاری بات پہ یقین نہیں کر رہا۔ میں سب جانتی ہوں۔ ہاشم مجھے بتا چکا ہے اور ہاشم کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ کہہ رہا ہے اسے تم پہ یقین ہے۔ تو یقیناً" ایسا ہو گا۔ لیکن جہاں تک میری بات ہے میں تمہیں نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے تم جھوٹ بول رہی ہو' ہو سکتا ہے تم سچ بول رہی ہو۔ لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جب کسی کو درست ہوتے ہوئے ناقابل اعتبار سمجھا جائے تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔"

زمر کے تنے تاثرات قدرے ڈھیلے پڑے تھے مگر لہجے کی رکھائی برقرار تھی۔

"کم از کم میری فیلنگز آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ آپ اپنی زندگی میں بہت عیش و آرام سے رہنے والی ایک ملکہ ہیں۔ آپ کی ایک سلطنت ہے۔ آپ ہم جیسے لوگوں اور ہمارے مسائل کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

جواہرات اٹھی اور قدم قدم چلتے کھڑکی تک گئی۔ اس کی پشت پر موجود کھڑکی کے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑ تڑ گرنے لگی تھیں۔

"میں واقعی ایک ملکہ ہوں' اس میں کوئی شک نہیں۔ میں اور میرا شوہر اس شہر کے بہترین کپلز میں چوتھے نمبر پہ شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن کیا تم یہ جانتی ہو کہ میں اس کی دوسری بیوی ہوں؟"

زمر نے بری طرح چونک کے اسے دیکھا۔ لب "اوہ" میں سکڑے۔

"چلو' پہلی بیوی تو مر گئی' مگر کیا تم یہ جانتی ہو کہ میرے بعد بھی اس کی زندگی میں کوئی عورت آئی تھی۔ اس کے بعد کتنی آئیں' میں نے حساب رکھنا چھوڑ دیا' اب یاد ہے تو صرف نفرت جو میں اس سے کرتی ہوں' مگر ڈرتی بھی ہوں۔ ملکہ بننا بھی آسان نہیں ہوتا۔"

زمر کے چہرے کی ناگواری اب خاموشی میں بدل

گئی تھی' وہ حیران سے سن رہی تھی۔

"جب نوشیرواں چار سال کا تھا' مجھے ان کی حرکات و سکنات مشکوک لگتی تھیں۔ میں نے ایک پرائیوٹ انویسٹی گیٹر ہائر کیا تھا

ہم سب اندر سے چکنا چور ہوتے ہیں' میں بہت سی باتیں اپنے شوہر سے کہہ نہیں سکی۔ ایک دن آئے گا جب میں کہوں گی' جب میرے اندر کی شیرنی غرائے گی۔ لیکن تب تک۔۔۔"

اس نے بارش سے بھیگتے شیشے سے ہاتھ اٹھایا' مڑی اور کرب سے مسکرائی۔

"تب تک مجھے مصنوعی مسکراہٹوں کے ساتھ کھیلتے رہنا ہوگا' کیونکہ انتقام کی پہلی سیڑھی اپنے اعصاب کو پرسکون رکھنا ہے۔" وہ واپس چلتی ہوئی آئی' کرسی پہ بیٹھی اسی تمکنت اور رعونت سے اور موتی کے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"او رپہ دوسری ملاقات میں تمہیں یہ سب میں کیوں بتا رہی تھی؟ تاکہ یہ سمجھا سکوں کہ اگر آج تم اپنے انتقام کے لیے نہ کھڑی ہوئیں تو کبھی نہیں ہو سکو گی' اور اگر تم اس سفر میں اکیلی رہ جاؤ تو بھی میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"

زمر یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی' چہرے کی ساری تلخی' بے رخی' بے زاری غائب تھی۔ جواہرات نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی' اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے جانا ہے ایک میٹنگ میں' پھر ملاقات ہوگی۔"

"آپ بیٹھیے نا!" وہ بے اختیار بولی' تو اپنی آواز میں نرمی محسوس ہوئی۔ جواہرات نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"کسی کی ذات کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات کا ایک ٹکڑا توڑ کر اسے دکھانا ہوتا ہے' میں نے یہ کر لیا' مگر تکلیف مجھے بھی ہوئی ہے' اب چلوں گی۔" نرمی سے کہتی وہ مڑی' آنکھ کا ایک کونا بھیگ گیا تھا۔ اور زمر' زیب اس کی کی گئی تذلیل' دکھ' بے وفائی سب یاد آ گیا تھا اور وہ ریک ہیل سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

باہر ویٹنگ روم میں حنین اسی طرح بیٹھی تھی' پتا نہیں کب سے برش لیے ہوئے' بددل' مرجھائی ہوئی سی۔ سعدی اس کے مقابل اداس سا بیٹھا تھا۔ بار بار نگاہیں پھوپھو کے کمرے کی طرف جاتی راہداری کی طرف اٹھتیں' پھر سر جھٹک کر بے چین ہو کر خود کو روک لیتا۔ دفعتاً" کسی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا' چوکھٹ میں شہرین کھڑی تھی۔ سعدی بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا' اس نے اشارہ کیا۔ باہر بلانے کا اشارہ' حنین اپنی سوچ میں گم تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر شہرین کے پیچھے آیا۔

وہ راہداری میں کھڑی تھی سینے پہ بازو لپیٹے' فرصت سے اس کو آتے دیکھتی رہی۔

"جی کہیے مسز کاردار؟" وہ سرد مہری سے اس کو دیکھے بنا دائیں طرف ٹرالی گھسیٹتی نرس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آئی ایم سوری میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتی تھی۔ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کر دی تھی۔ شیرو اور تمہارے بیچ مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر آنکھیں چندھیا کر اس کی ذہنی حالت جانچنا چاہی۔

"اٹس اوکے۔" وہ بغور اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"گڈ' یعنی کہ اب ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں؟ ہوں؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ اس کی گال کی ہڈی اٹھی ہوئی تھی' جب مسکراتی تو آنکھیں چھوٹی ہو جاتیں۔

"کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"ابھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں ہو۔" اس نے ابرو اچکائے۔

"آپ بے فکر رہیے' نہ میں نے کچھ سنا تھا نہ میں کسی کو کچھ بتاؤں گا۔" اس نے پچھلے سال کی بھولی بسری بات کی طرف اشارہ کیا۔

"میں بے فکر ہوں' کیونکہ ہاشم کو پتا چل گیا تھا۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا؟"

"یہی کہ میرا اپنے کزن کے ساتھ افیئر چل رہا ہے اور دیکھو' اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔"
اس نے کف تان کر شرٹ کی کھلی سی آستین اوپر اٹھائی' کندھے کے قریب بازو کی جلد سامنے آئی۔ اس جا بجا سیاہ نیل تھے' کٹ بھی لگے تھے۔ سعدی بالکل ساکت سا ہو گیا۔

"یہ؟"

"یہ میرے شوہر نے مجھے پیٹا تھا' اب اس بات کو کافی دن گزر چکے ہیں۔ یہ پارٹی کے بعد کی بات ہے۔ اس لیے مجھے بالکل بھی کوئی ڈر نہیں رہا کہ تم کسی کو کچھ بتاؤ گے' چونکہ مجھے کوئی ڈر نہیں ہے تو میرے خیال سے ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔"
آستین نیچے کی' دوبارہ سے مسکرائی۔ اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا جیسے ہاشم تھپکتا تھا اور مڑ کر کوریڈور میں آگے چلتی گئی۔ سعدی جز بز سا اس کو جاتے دیکھتا رہا' عجیب سی تھی وہ۔ اوں ہوں سر جھٹکا۔ اور آگے چلتا آیا۔

✡ ✡ ✡

کچھ حقیقت تو ہوا کرتی تھی افسانوں میں
وہ بھی باقی نہیں اس دور کے انسانوں میں

زمر کے کمرے کے قریب ندرت' فضیلہ اور حماد کے ساتھ کھڑی تھیں۔ بڑے ابا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ حماد اکھڑا اکھڑا سا لگ رہا تھا۔ فضیلہ ہی ساری باتیں کر رہی تھیں اور وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا بس آس بھری نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ "پتا نہیں اب آگے کیا ہو گا؟ پتا نہیں اب آگے کیا ہو گا؟" فضیلہ کی ہر بات میں پریشانی اور کبھی رکھائی سے ایک ہی فقرہ بار بار آتا۔ ان کے تاثرات ہر شخص سمجھ رہا تھا' ان کا بھی قصور نہیں تھا۔
"ہم کوشش کر رہے ہیں' بہت جلد اس کو کڈنی ڈونر مل جائے گا اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"
بڑے ابا نے امید دلانے کی کوشش کی۔ حماد نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔
"ڈونیشنڈ کڈنی کتنا عرصہ چلتا ہے؟" الفاظ تھے کہ چابک۔ جو بھی تھا بڑے ابا کے منہ پہ لگا تھا۔ وہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئے۔ پھر آہستہ سے بولے۔
"عیسائی جب شادی کرتے ہیں تو ایک حلف اٹھاتے ہیں کہ غریبی میں اور امیری میں' بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے۔ حتیٰ کہ ہمیں موت جدا کر دے۔ صد شکر کہ ہمارے یہاں یہ حلف نہیں اٹھایا جاتا ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے۔"
حماد بے زاری سے رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ فضیلہ جلدی سے بات بدلنے لگیں' تب ہی جواہرات کاردار باہر آتی دکھائی دی۔ سعدی کے تنے اعصاب اس کو دیکھ کر ڈھیلے پڑے۔ وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرایا۔ اس فیملی کو دیکھ کے کتنی تسلی ملتی تھی۔ جیسے ہر مشکل میں ان کے ساتھ ہوں۔ وہ قریب آئی۔
"مجھے امید ہے کہ آپ کی بیٹی بہت جلد صحت یاب ہو جائے گی اور اگر نہ ہو تب بھی وہ اتنی قیمتی ہے کہ اس کے ساتھ یہ اس کی زندگی کے ساتھی کو فخر ہو گا۔"
ساتھ ہی حماد کو دیکھا' اس کا حماد سے تعارف نہیں تھا' تب بھی وہ سمجھ گئی تھی۔ یہی ہے بے چارہ منگیتر۔ سعدی ان کا تعارف کروانے لگا۔
"اورنگ زیب کاردار کی بیوی' ہاشم کاردار کی ماں"
فضیلہ اور حماد کے تاثرات فوراً" بدلے۔ بہت خوش دلی سے ان سے ملے۔ اس کے ملازم دور کھڑے تھے۔ اور پھر اس کا رعب' تمکنت سے اٹھی گردن' گہری آنکھیں اور لبوں کی مسکراہٹ۔ وہ تو تھی ہی ملکہ۔ سوائے بڑے ابا کے' اس کے آگے بچھنے والوں کی کمی نہ تھی۔
"تم پریشان مت ہو" اس نے گہری نظروں سے حماد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ٹھیک ہو جائے گی اور تم لوگوں کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو گی۔ کیا تم مجھے آفس تک کمپنی دو گے؟ زمر ہماری فیملی ہے اور اس کے فیانسی سے دوبارہ ملاقات کا وقت جانے ملے یا

نہیں۔" ساتھ ہی امید افزا نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ وہ مسکرادیا یقیناً "اب وہ اس کو سمجھائے گی اور جواہرات تو جواہرات تھی۔ وہ کہے اور کوئی انکار کرے' ایسا تو نہیں ہوسکتا تھا۔ حماد بے ساختہ "جی بالکل شیور" کہنے لگا۔ جواہرات سر کو خم دے کر آگے چلتی گئی۔

حماد فوراً" پیچھے لپکا۔ فضیلہ بیگم نے تذبذب سے ان دونوں کو جاتے دیکھا۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔

باہر بارش اب تھم چکی تھی۔ گاڑی کے قریب آکر جواہرات نے مسکرا کر ڈرائیور سے کہا۔ "اپنی شکل گم کرو۔" اور ہتھیلی پھیلائی۔ اس بے چارے نے جلدی سے چابی اس کے ہاتھ پہ رکھی اور واقعی وہاں سے گم ہو گیا۔ وہ حماد کی طرف مڑی۔

"آفس کا ایڈریس میں تمہیں بتادوں گی۔ ایسی کار ڈرائیو کرنے کے موقعے کو امید ہے' تم ضائع نہیں کرو گے۔" اور گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف بڑھ گئی' حماد نے چابی دیکھی' اور پھر اس چمکتی ہوئی گاڑی کو' آنکھیں جیسے خیرہ ہو گئیں۔

جواہرات فرنٹ سیٹ سے پچھلے نشست کے ساتھ کھڑی ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔ وہ جو پہلے اپنا دروازہ کھولنے لگا تھا' رکا۔ پھر تیزی سے گھوم کے اس طرف آیا' اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ تمکنت سے اندر بیٹھی۔ حماد نے کسی ڈرائیور کی طرح دروازہ بند کیا اور واپس ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔

"یہاں سے سیدھا لے لو۔" اس نے محض اتنا کہا اور وہ خود کو بہت پراعتماد ظاہر کرتا ڈرائیو کرنے لگا۔

گاڑی سڑک پہ رواں دواں تھی۔ جواہرات سر جھکائے اپنے موبائل پہ فون بک کھول رہی تھی۔ حماد مرعوب سا' خاموش سا ڈرائیو کرتا جارہا تھا۔

"بے فکر رہو' وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے کانٹیکٹس کی فہرست آہستہ آہستہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔ حماد نے بیک ویو مرر میں سے دیکھا۔ اور پھر سامنے ونڈ اسکرین کو۔

"جی۔" بس وہ اتنا کہہ سکا۔

"امید ہے' اسے ڈونر کڈنی مل جائے گا۔ سال ڈیڑھ تو چل ہی جائے گا۔ بے کار ہو گیا تو کوئی بات نہیں ڈائلیسز پہ آجائے گی۔ ہفتے میں دو دفعہ ہی تو کروانا پڑے گا۔ اتنی اچھی لڑکی کے لیے تو تم اتنی قربانی دے ہی سکتے ہو۔" وہ اے والے نمبرز سے گزرتی بی پہ آگئی تھی۔

"رہا بچوں کا سوال' تو وہ زندگی کا مقصد تو نہیں ہوتے۔ نہ بھی ہو سکیں تو کوئی بات نہیں' اڈاپٹ کر لینا۔" ہلکے سے شانے اچکاتے ہوئے اس کا انگوٹھا اسکرین کو مسلسل نیچے کیے جارہا تھا۔ ڈی اور پھر ای' ابھی تک مطلوبہ شخص سامنے نہیں آیا تھا۔ حماد کے چہرے پہ چھایا تفکر بڑھتا گیا۔ البتہ وہ خاموشی سے محض "جی" کر کے رہ گیا۔ جواہرات اسے زہر کے لیے قائل کر رہی تھی یا اس سے متنفر' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"دیکھو' زندگی میں ہر چیز پرفیکٹ تو نہیں ملتی۔ میرا خیال ہے وہ ایک اچھی لائف ہے اور تمہارے ساتھ آسٹریلیا جا کر بھی اپنی پڑھائی اور جاب جاری رکھ سکے گی۔ نہ بھی رکھ سکی تو تم ایک کمانے والے بہت ہو۔ نہیں؟"

حماد کی آنکھوں میں مزید تناؤ آگیا۔ اس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اب کے "جی" تک نہیں بولا۔

جواہرات کا اسکرین پہ چلتا انگوٹھا ایک دم رکا۔ لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ یہ جے کی فہرست تھی' جیلانی' رقیب جیلانی۔ اس نے اس نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

"میرے آفس کے باہر میرا انتظار کریں۔" اور فون رکھ کے' سر اٹھا کر چمکتی نگاہوں سے حماد کو دیکھا۔ یہاں سے اس کے سر کی پشت' کان اور آدھے چہرے کے تنے تاثرات وہ دیکھ سکتی تھی۔

"آگے کا کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا' قسمت جس طرف لے جائے۔" وہ احتیاط سے تول تول کے اتنا ہی کہہ سکا۔

آفس کے سامنے وہ اترے تو جواہرات تیز تیز چلتی آگے بڑھ گئی' حماد تابعداری سے اس کے پیچھے تھا۔ مطلوبہ فلور پہ پہنچ کر بھی وہ اس کے آگے ہی چلتی جا

رہی تھی۔ ارد گرد مؤدب ہو کر رکتے اور سلام کرتے لوگوں کو مسکرا کر سر کے خم سے جواب دیتی وہ آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک آفس کے سامنے آ رکی۔ وہاں ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر صاحب بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتے متفکر سے نظر آ رہے تھے۔ جواہرات کو آتے دیکھ کر چہرے پہ چمک آئی۔ آگے بڑھے۔

"میم! میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" جواہرات نے مسکراتے ہوئے ان سے حملو کا تعارف کروایا۔

"یہ ہمارے عزیز ہیں حماد۔ اور حملو! یہ ہاشم کی ایک کمپنی کی طرف سے آسٹریلیا میں ہوتے ہیں' آدھا سال یہاں اور آدھا وہاں بچوں کے پاس' لوھر کی نیشنلٹی بھی ہے مگر رہتے یہیں ہیں۔" پھر اسی شیریں مسکراہٹ کے ساتھ جیلانی صاحب کو دیکھ کر بولی۔

"حملو ایک انجینئر ہے اور آسٹریلیا میں جاب کرتا ہے۔ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوگی۔" ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"ہاشم میرا انتظار کر رہا ہو گا' میں چلتی ہوں۔" وہ آگے بڑھی تو خوش دلی سے حملو سے مصافحہ کرتے ہوئے جیلانی صاحب معذرت کر کے دو قدم جواہرات کے پیچھے آئے۔ حملو ہیں ملے جلے تاثرات میں کھڑا رہ گیا۔ خوش ہونا چاہیے یا پریشان؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"میں اس لڑکے کا کیا کروں؟ مجھے تو وہاں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" جیلانی صاحب نے آگے بڑھتی جواہرات کے قریب آ کر ہلکی سی سرگوشی کی۔ وہ مسکرا کر ان کی طرف پلٹی' چمک دار آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"کیا آپ کو اپنی بیٹی کے لیے ایک پڑھے لکھے' خاندانی اور خوش شکل گدھے کی ضرورت نہیں تھی؟" جیلانی صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں' سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

"گڈ' تو پھر میں نے اسے ڈھونڈ لیا۔ یو آر ویلکم"۔ ان کے تھینکس کا انتظار کیے بغیر وہ مڑ کر آگے بڑھ گئی۔ جیلانی صاحب اب کے زیادہ گرم جوشی سے مڑے' اور حملو کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے اپنے ساتھ آگے لے گئے۔

وہ ہاشم کے آفس میں آئی تو وہ ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا' کہنیاں میز پہ رکھے انگلیوں کے پوروں سے آنکھیں مسل رہا تھا۔ کوٹ پیچھے ٹنگا تھا اور شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے۔

"تمہارے اور شہرین کے درمیان کوئی لڑائی ہوئی ہے؟" آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔

"آپ سے کس نے کہا؟"

"شہرین کے موڈ نے۔" وہ کہنی پہ ٹکا کر پرس بے نیازی سے میز پہ رکھتی اس کے سامنے بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور گلے میں پڑی چین انگلی پہ لپیٹتی مسکرا کے گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ہاشم نظریں چرا گیا۔

"اگر ہوئی بھی ہے تو کیا؟ میں ہمیشہ کی طرح اس کو معاف کر دوں گا اور اگر معاف نہ کر سکا تو چھوڑ دوں گا۔"

"یعنی تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس کا اپنے کزن سے افیئر تھا۔" اس نے ایک دم بری طرح چونک کر ماں کو دیکھا۔

"کیا آپ جانتی تھیں؟"

"بالکل۔"

"تو پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"بتانے سے تم ناخوش ہو جاتے' اور میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ بہر حال۔" جواہرات نے بات بدلنے کے سے انداز میں سر جھٹکا۔

"فارس کے کیس کا کیا بنا؟" ہاشم بے زاری سے کرسی پہ پیچھے کو ہوا۔ وہ خود بھی شہرین نامے کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ قلم اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔

"اگر زمر اپنے بیان پہ قائم رہے تو کیس بہت مضبوط ہے۔"

"یہ رہے گی۔" پھر آنکھوں سے گلاس ڈور کے پار اشارہ کیا۔ ہاشم نے اس طرف دیکھا۔ جیلانی صاحب، حماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ہمراہ لیے آہستہ آہستہ مختلف کیبنز کی طرف اشارہ کرتے بتاتے جا رہے تھے۔ وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟"

"زمر کا منگیتر۔" ہاشم نے ایک دم اکتا کر ماں کو دیکھا۔

"ممی! آپ کیا کرتی پھر رہی ہیں؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ہر چیز سنبھال رہا ہوں تو پھر یہ سب کیا ہے؟"

"میں نے کچھ نہیں کیا، صرف ایکسیلیٹر پہ پاؤں رکھا ہے، یہ منگنی ویسے ہی ٹوٹ جانی تھی۔ جتنی جلدی ٹوٹے گی، اتنا زیادہ زمر اپنے بیان پہ قائم رہے گی۔ ورنہ تم اس کے خاندان کو جانتے ہو، وہ اسے بیان بدلنے پہ مجبور کر سکتے ہیں۔" ہاشم کے لیے اتنا بہت تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"رات کو کھانے پہ ملتے ہیں۔" کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

کوریڈور سے گزرتے ہوئے جیلانی صاحب نے اسے دیکھ کر گرم جوشی سے حماد سے تعارف کروانے کی کوشش کی۔

"یہ ہاشم..." مگر وہ ایک نظر بھی ڈالے بغیر سخت تاثرات کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ اورنگ زیب کے آفس کا دروازہ زور سے کھولا۔ وہ اندر اپنی کمپنی کے لوگوں اور اس پی کیپ والے کنسلٹنٹ کے ساتھ مصروف نظر آ رہے تھے۔ ہاشم نے سخت نگاہوں سے صرف ایک اشارہ کیا اور وہ سب اپنی اپنی چیزیں اٹھائے باہر نکل گئے۔ اورنگ زیب قدرے تشویش سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ میز کے سامنے آیا اور بولا۔

"میں علیشا کے معاملے کو سنبھال لوں گا، لیکن پھر آپ کو ایک قربانی دینی پڑے گی۔"

"اور وہ کیا؟"

"وہ فارس کی الیبائی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ لڑکی چپ چاپ یہاں سے چلی جائے تو پھر وہ فارس کے حق میں بیان نہیں دے گی۔ علیشا کے جانے کا مطلب ہے، فارس جیل سے نہیں نکلے گا۔" اورنگ زیب کاردار ماتھے پہ بل لیے اس کو سنتے رہے۔ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔ اور پھر بولے۔

"عجیب اتفاق ہے کہ دونوں کیسز میں وہی لڑکی اس کی الیبائی ہے۔"

"اس کی بھانجی بھی ساتھ تھی۔"

"وہ تو اس کی رشتہ دار ہے اور چھوٹی بچی ہے، ہاشم! اس کی گواہی میٹر نہیں کرتی۔"

"پھر میں علیشا کو یہاں سے بھیج دوں گا، لیکن آپ فارس کو نکلوانے کی بالکل کوشش نہیں کریں گے۔" اورنگ زیب کاردار نے ہلکے سے شانے جھٹکے۔

"مجھے اس کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے، یقیناً اس نے علیشا کو کچھ دے کر اس گواہی پہ مجبور کیا ہو گا۔ تو ٹھیک ہے، وہ چلی جائے۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔"

ہاشم ان کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتا مڑ گیا۔ تیز تیز چلتا باہر آیا۔ باقی لوگ تو بکھر گئے تھے صرف کنسلٹنٹ لڑکا جو وہاں کھڑا تھا، فوراً اس کی طرف لپکا۔

"اگر ان خفیہ میٹنگز کا تعلق اس لڑکی سے ہے جو اس دن آئی تھی تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں ہمیں اسے کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ کیونکہ ایسی لڑکیاں..."

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتا، ہاشم نے ایک دم جھپٹ کر اسے گردن سے پکڑا، دیوار سے لگایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر انگلی اٹھائے، چبا چبا کر غصے سے بولا۔

"آئندہ میرے مخاطب کیے بغیر مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو تمہیں یہیں پہ گاڑ دوں گا۔ سمجھ آئی؟"

ہکا بکا سے لڑکے کی گردن جھٹکے سے چھوڑی، اپنے کوٹ کی نادیدہ شکن درست کی اور اسے گھورتا ہوا واپس مڑ گیا۔ منع کیا تھا اس نے اپنے باپ کو یہ سیاست

اور اس کے جھمیلوں میں پڑنے اور پھر اس جیسے تازہ گریجویٹ ہوئے خود کو بہت ماہر اینالسٹ سمجھنے والے لڑکوں کو بھاری تنخواہوں پہ رکھنے سے 'مگر نہیں اس کی کون سنتا تھا ادھر۔ یا شاید اسے غصہ بہت آرہا تھا آج کل۔

وہ کہیں بھی نہیں گیا۔ گاڑی میں بے مقصد ڈرائیو کرتا رہا اور پھر رکا تو سامنے ایک فلورل مارکیٹ تھی۔ ہاشم اترا' ایک خوب صورت سا بڑا سا گلدستہ خریدا' اسے فرنٹ سیٹ پہ رکھا اور جب دوبارہ ڈرائیو کرنے لگا تو آنکھوں میں شدید کرب تھا۔

اب کے وہ اترا تو سامنے قبرستان تھا۔ وہ پھول ہاتھ میں پکڑے' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا قبروں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ زرتاشہ غازی' وارث غازی۔ یہ قبریں قریب قریب تھیں۔ کہیں آس پاس زمر کی والدہ کی قبر بھی تھی۔ اور سعدی کے والد کی بھی۔ مگر وہ صرف زرتاشہ کی قبر کے سامنے آکھڑا ہوا۔ جھک کر بہت ادب سے گلدستہ اس کے اوپر رکھا پھر سیدھا ہوا' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے۔ جوتے سے مٹی پہ پڑا کوئی کنکر مسلتے ہوئے وہ کتنی دیر کھڑا لب کاٹتا رہا۔

"آئی ایم سو سوری زرتاشہ' تم بہت پیاری' بہت معصوم سی تھیں' میں واقعی ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میری مجبوری تھی۔ بہت سے لوگوں کی خوشیوں کے لیے کسی ایک کو قربانی تو دینا پڑتی ہے۔" ہولے سے بڑبڑاتے ہوئے اسے اداس نظروں سے قبر کے کتبہ کو پڑھا۔

"مگر شاید تمہارے لیے یہی بہتر تھا۔ تم فارس کے ساتھ خوش نہیں تھیں' تمہیں ایک جنت میں رہنے کی آرزو تھی۔ امید ہے اب وہ پوری ہو گئی ہو گی۔ زیادہ امید ہے کہ فارس بھی جلد تمہیں جوائن کرلے گا۔ تم دونوں ہم سے زیادہ خوش رہو گے۔ تمہارے لیے اچھا ہی ہوا۔" سر اثبات میں ہلاتے اسے جیسے تسلی ہوئی۔

پھر بھی وہ کافی دیر وہاں کھڑا رہا۔ بارش کے بعد کی گیلی ہوئی مٹی کی سوندھی خوشبو۔ اور قبروں کا سناٹا' آس پاس خاموشی سے تیرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

ہم سے ہمارے حال کی تفصیل پوچھیے
ہر رویوں کے نام پر سازش بہت ہوئی

ماحول میں عجیب سناٹا تھا۔ سعدی مضطرب اور بے بس سا کھڑا سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ جہاں فارس نفی میں سر ہلاتا دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ شدید غصہ تھا جیسے بس نہ چلتا ہو وہ کسی کا گلا دبا دے۔ پھر ایک دم وہ سامنے آیا۔ دونوں ہاتھوں سے سلاخوں کو پکڑ کر اسی طیش سے سعدی کو دیکھا۔

"میں نے نہ کوئی کال کی تھی نہ میں اس دوہرے قتل میں ملوث ہوں۔ اگر تمہاری پھپھو یہ بات بار بار کر رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ جانتی ہیں یہ سب کس نے کیا۔ اور وہ کسی کو کور کر رہی ہیں۔"

گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے چہرے پہ چھائی ندامت میں حزن بھر گیا۔

"پھپھو جھوٹ نہیں بولتیں' انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کس قسم کی غلط فہمی؟ وہ کہہ رہی ہیں کہ میں نے قتل کیے ہیں اور تم کہہ رہے ہو غلط فہمی ہے؟" اس نے غصے سے سلاخ کو جھٹکا دیا مگر وہ سلاخیں بہت مضبوط تھیں۔ یہ جھٹکے ان کو توڑنے کے لیے ناکافی تھے۔

فارس بے بسی سے سلاخوں سے پشت لگائے کھڑا ہو گیا۔ اس کا جواب سعدی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ ہی اپنے ماموں کا مجرم ہے کیونکہ وہ اس کے سامنے مسلسل زمر کی طرف داری کر رہا تھا۔

"کیا پتا کسی نے پھپھو کو مجبور کیا ہو؟ ڈرایا ہو' دھمکایا ہو؟ اتنا خوفزدہ کر دیا ہو کہ وہ یہ سب کہنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔" فارس نے اس کی طرف پشت کیے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں نہیں مانتا۔ کس قسم کی خاتون ہیں وہ' جانتا

ہوں میں۔ انہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مرضی سے کسی کو ور کر رہی ہیں۔"

"آپ فکر مت کریں۔ ہم اس مسئلے کا حل نکال لیں گے۔ پھپھو اپنا بیان واپس لے لیں گی۔ میں اور ہاشم بھائی آپ کو...."

فارس پھر کر اس کی طرف مڑا۔ "بھاڑ میں گیا ہاشم۔ مجھے اس کی کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔ نہ اس کے کیے گئے وکیل پر' نہ اس کے کسی وعدے پر۔ وہ تو سب سے زیادہ خوش ہو گا مجھے یہاں دیکھ کر۔" سعدی کی آنکھوں میں گہرا دکھ ابھرا۔

"آپ ان کے بارے میں ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ سب کزنز کے درمیان رقابتیں' جھگڑے چلتے ہیں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آپ کو یہاں دیکھ کر خوش ہوں۔ وہی آپ کے لیے سب سے زیادہ کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں ہاشم کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ جان بوجھ کر یہاں آتا ہے' تاکہ مجھے یہاں دیکھ کر فاتحانہ مسکرا سکے۔ اگر آج کوئی اٹھ کر یہ کہہ دے کہ میری بیوی اور بھائی کا قتل بھی ہاشم نے کیا تھا تو میں مان لوں گا۔"

غصے میں وہ جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ سعدی بے یقینی اور دکھ سے پیچھے ہٹا۔ اسے اتنا گہرا صدمہ ہوا تھا کہ وہ کچھ کہنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ مگر کہنے کی نوبت آئی بھی نہیں۔ کیونکہ چند منٹ کے لیے ان کو چھوڑ کر باہر گیا ہاشم واپس آ گیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" آواز پہ سن سے کھڑے سعدی نے چونک کر سر موڑا اور غصے سے تیز تیز بولتے فارس نے رک کر ادھر دیکھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سرمئی سوٹ میں ملبوس ہاشم کے چہرے پہ سنجیدگی تھی اور گہرا ملال بھی۔

"بالکل ٹھیک۔ میں ہی گدھا' الو کا پٹھا ہوں جو اپنے ہزار کام چھوڑ کر تمہارے لیے دن رات ایک کر رہا ہوں۔ میری ماں کبھی ڈی اے کے پاس جاتی ہے اور کبھی اس کے منگیتر کے پاس کہ کسی طرح اس کا یہ رشتہ ٹوٹ جائے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی میں پرسکون ہو کے اپنی محرومیوں کا بدلہ تم سے نہ لے۔ اپنی بیوی' اپنی بچی ان کو کتنے دن سے نظر انداز کر کے میں ادھر تمہارے لیے خوار ہو رہا ہوں اور تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں یہاں مزا لینے آتا ہوں۔" جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم قدم چلتا وہ سلاخوں کے قریب آیا۔ فارس ابھی تک اسی سنجیدہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سعدی نے پریشانی سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ بہت ہرٹ لگ رہا تھا۔

"مجھے تمہاری کسی بات پہ اعتبار نہیں ہے۔ سب یاد ہے مجھے' کس طرح میری بیوی کو میرے خلاف بھڑکاتے تھے۔" فارس جواباً "غرایا۔

"جیسا کہ میں نے کہا' میں ہی بے وقوف تھا جو اتنے دن سے تمہارے لیے کوشش کر رہا تھا۔ حالانکہ میرا باپ' جس کا رشتہ مجھ سے زیادہ تم سے ہے' تم پہ لعنت بھیج کر اپنی کمپین میں مصروف ہے' اس لیے یو نو واٹ فارس! تمہاری یہ پرابلم۔ تم دیکھو کر اب مجھے بھی یقین ہونے لگا ہے کہ تم ہی اس دوہرے قتل کے پیچھے ہو۔ میری طرف سے تم سڑو اس جیل میں' میں جا رہا ہوں۔" دکھ اور برہمی بھری آنکھوں سے اس کو دیکھتا وہ پلٹا اور تیز تیز باہر نکل گیا۔ سعدی تیزی سے سلاخوں کے قریب آیا۔

"آپ کیوں اپنے غصے میں بے قابو ہو جاتے ہیں؟ وہ ہاشم بھائی ہیں۔ آپ کو پتا ہے وہ کتنے دن سے یہاں پہ خوار ہو رہے ہیں میرے ساتھ۔ آپ کے وکیل کی فیس' تمام اخراجات' پولیس آفیسر سے سفارشیں ہر چیز وہی کر رہے ہیں۔ اور آپ پھر بھی ان ہی کو الزام دے رہے ہیں۔ مائی گاڈ!" وہ بے حد بے یقین تھا اور جیسے ہاشم سے زیادہ ہرٹ ہوا تھا۔ فارس نے غصے سے سر جھٹکا۔

"میں کسی کو الزام نہیں دے رہا۔ میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔"

"آپ نے کہا کہ وہ اس قتل میں ملوث ہیں' آپ نے ان پہ اتنا بڑا الزام لگا دیا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا' ظاہر ہے وہ اس میں ملوث نہیں ہے۔ اس کا میرے بھائی یا بیوی سے کیا لینا

دیتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ مخلص ہے۔ وہ ہاشم کا روار ہے۔ اگر وہ چاہتا تو میں دو منٹ میں باہر ہوتا۔ میں باہر اس لیے نہیں ہوں کیونکہ اس نے چاہا ہی نہیں۔" سعدی نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میرے ارد گرد کے اتنے صحیح لوگ اتنی غلط باتوں پہ کیوں اڑ چکے ہیں؟" اور گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھتا ہاشم کے پیچھے باہر کو لپکا۔ وہ پولیس اسٹیشن کے باہر اپنی کار کے ساتھ کھڑا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے پورا اتی کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کوئی سوچ تھی۔ اذیت بھی تھی۔ لب بھینچے ہوئے تھے' سعدی کو بے پناہ شرمندگی نے آن گھیرا۔ وہ جلدی سے اس کے قریب آیا۔

"میں آپ سے معذرت کرتا ہوں ماموں کی طرف سے۔ وہ غصے میں کہہ گئے وہ سب۔ لیکن آف کورس ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔"

ہاشم نے ان ہی نظروں سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو قتل کیسے کر سکتا ہے' اسی لیے میں نے سوچا کہ فارس نے یہ نہیں کیا ہو گا۔ بالکل ایسے ہی میں یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کوئی آدمی اپنے بھائیوں جیسے کزن پہ یہ الزام کیسے لگا سکتا ہے۔ مگر خیر تو۔ کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں فارس کے ساتھ مخلص نہیں ہوں؟"

سعدی نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آف کورس نہیں' انہوں نے خود ابھی کہا کہ ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ غصے میں کہہ گئے۔ پلیز آپ دل پہ مت لیں۔" پھر فکر مندی سے متذبذب سا بولا۔

"ہمیں آج لائر کے پاس بھی جانا تھا' ہاشم بھائی! آپ وہاں جا رہے ہیں نا؟" اس کے دل کو دھڑکا لگ گیا تھا' ہاشم کے چہرے پہ زخمی مسکراہٹ ابھری۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ فارس کی باتوں کی وجہ سے میں اس کے لیے بہترین وکیل نہیں کروں گا یا وکیل کو فیس دینا یا اس کی سفارش کرنا بند کر دوں گا تو تم ہاشم کاردار کو نہیں جانتے۔ آف کورس! ہم ابھی وکیل کے پاس جائیں گے۔ ہم بہترین اسٹریٹجی اپنائیں گے اور چند دن میں فارس باہر ہو گا۔ ڈونٹ وری۔" تکان سے کہتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا۔

"آپ خود بھی تو یہ کیس لڑ سکتے ہیں!"

"فارس اور میرا ایک رشتہ بھی ہے جو اتنا اچھا نہیں ہے۔ میں پیسے بچانے کو اس کے لیے شہر کا بہترین وکیل نہ کروں' تو یہ میرے نزدیک غلط ہے۔ میرے ساتھ وہ کبھی بھی آرام وہ ہو کر بات نہیں کرے گا۔ اپنے وکیل سے کرے گا۔ میں لوگوں کے لیے بغیر کسی صلے کی امید کیے فیور کرتا ہوں' دکھ صرف اس بات کا ہے کہ جس کزن کے لیے میں اپنی بیوی کو بھی ٹائم نہیں دے پا رہا' جس کی وجہ سے وہ مجھ سے لڑ بھی پڑی۔ اس کزن نے مجھے یوں کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔" سر جھٹکتے ہوئے چابی نکالتا وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔

سعدی نے ایک دم چونک کے اسے دیکھا۔ نگاہوں کے سامنے اسپتال کا منظر گھوما۔ بازو سے آستین اوپر کر کے اپنے زخم دکھاتی شہرین' اس کی آنکھوں کا کرب اور اس کا راز کھل جانے کے بعد کی بہادری۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ ان کی واقعی لڑائی ہوئی تھی۔ مگر فارس کی وجہ سے نہیں' شہرین کی بے وفائی کی وجہ سے تو پھر۔ وہ ایک دم ہاشم کو دیکھنے لگا۔ وہ بالکل مختلف بات کر رہا تھا۔

"چلو!" ہاشم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خیال کی دھند ہٹی' تو ہاشم کے چہرے کا ملال نظر آیا۔ وہ ابھی تک فارس کی باتوں پہ افسردہ تھا۔ سعدی ذہن سے تمام سوچوں کو جھٹک کر گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف آیا۔ وہ بھی پتا نہیں کیا سوچنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کلتا ہے جو چبھ کر ٹوٹ جائے
محبت کی بس اتنی داستاں ہے

حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر کھینچتی اسپتال کی راہداری میں آگے لا رہی تھی۔ وہ افسردہ سے گردن ایک جانب جھکائے بیٹھے تھے۔ زمر کو سمجھایا' منت کی'

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

مان جتایا" اگر وہ ہمیشہ کی طرح ہٹ دھرم اپنی بات پر اڑ چکی تھی۔ چونکہ اس نے کہہ دیا کہ وہ فارس تھا تو اب قیامت تک وہ فارس ہی تھا جس نے اسے کال کی تھی۔ وہ ایک انچ بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ چونکہ میڈم رمشہ اس سے ملنے آئی تھیں' اس لیے انہوں نے حنین سے کہا کہ وہ انہیں باہر لے جائے۔ اور اب وہ دونوں باہر جا رہے تھے۔ حنین بھی خاموش تھی اور بڑے ابا بھی۔ پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"بڑے ابا! کیا بھی چیزیں ٹھیک ہوں گی؟"

انہوں نے گردن اٹھائے بغیر کہا۔ "شاید۔" وہ وہیل چیئر دھکیلتی آگے نکلتی گئی۔

راہداری میں بینچ پہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھے سعدی نے پہیوں کی آواز سنی مگر چہرہ نہیں اٹھایا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ اپ سیٹ تھا۔ ندرت اس کو پُر امید نظروں سے دیکھتی تھیں کہ وہی پھپھو کو سمجھائے۔ فارس کا رویہ' ہاشم کی تمام کوششیں' کچھ بھی ان کے حق میں جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ زمر کے اپنے بیان پہ ڈٹے رہنے کے بعد ندرت اسپتال نہیں آئی تھیں۔ بہانہ سارہ کا تھا۔ بھائی مرا ہے' بھابھی اکیلی ہے' اس کی بچیاں' ان کا خیال۔ وہ جانتا تھا کہ وہ فارس کی وجہ سے پھپھو سے کھنچ سی گئی ہیں۔ مگر اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک تھیں۔ شاید اپنی جگہ زمر بھی ٹھیک تھی۔ مگر ٹھیک تو وہ بھی تھا۔ صرف حالات غلط تھے۔

وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا' یہاں تک کہ میڈم رمشہ باہر نکلیں۔ اس کے قریب آ کے رکیں' کسی احساس کے تحت سعدی نے سر اٹھایا۔ بجھتے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم میم!" ادب سے سر کو خم دے کر سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہت افسوس ہوا زمر کا' اللہ اس کو صحت دے۔"

سعدی نے افسردگی سے ہاں میں گردن ہلائی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ کتنے سال رہ گئے ہیں؟"

"بس دو۔"

"اور کتنے دن کی چھٹی پہ آئے ہو؟" وہ ساتھ ہی بینچ پہ بیٹھ گئیں' سعدی دوسرے کنارے پہ ٹک گیا۔ اس بینچ کی تین ہی نشستیں تھیں' اب درمیان کی خالی تھی۔

"بس دو ہفتے رہ گئے ہیں' پھر واپس جانا ہے۔"

"آپ کے ماموں کا بھی ابھی سنا' بہت افسوس ہوا بیٹا!" وہ شائستگی اور لحاظ سے تعزیت کر رہی تھیں۔ سعدی سنتا گیا' چند ایک تفصیلات بتائیں' کس طرح ہوا؟ کیا ہوا؟ اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی گفتگو کا رخ فارس کی طرف مڑ گیا۔

"کیا آپ زمر کو سمجھا نہیں سکتیں کہ وہ ماموں کے خلاف دیا گیا بیان واپس لے لیں۔ وہ آپ کی بہت مانتی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد سعدی نے قدرے امید و لجاجت سے آگے ہو کر کہا۔ میڈم رمشہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہیں' پھر ہلکا سا گلا کھنکار کر ابرو اچکائے۔

"میرا نہیں خیال کہ کسی شخص کو اس کی اٹل رائے سے موڑنا آسان ہوتا ہے۔" سعدی بددل سا ہو کر پیچھے ہو گیا۔ میڈم کی طرف کیا گیا رخ بھی سامنے کو موڑ لیا۔ اب وہ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے' سر ہاتھوں پہ گرائے ان سے لاتعلق ہو گیا تھا۔ میڈم رمشہ گہری نظروں سے اس کے ہاتھوں میں آدھے چھپے چہرے کے آثار چڑھاؤ دیکھتی رہیں۔ پھر خود بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ گود میں رکھا پرس بینچ کی خالی نشست پہ رکھا اور سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

"میرا بڑا بھائی ایروناٹیکل انجینئر ہے۔ ہم تین سال سے ایک دوسرے سے نہیں ملے۔ بات بھی نہیں کی تھی' نہ وہ ہمارے بچوں کی شادی پر آیا نہ ہم گئے۔ میری فرسٹ کزن میری بچپن کی دوست تھی۔ اونکالوجسٹ ہے' اسی شہر میں رہتی ہے۔ ہم نے سات سال سے ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھی' کوئی فوتگی ہوئی تو چلے گئے۔ زندوں کے لیے نہیں گئے۔ میری سب سے چھوٹی بہن اور میرے دوسرے نمبر کے بھائی کی آپس میں پچھلے ساڑھے پانچ سال سے

ناراضی ہے' دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ میری امی اس ساری صورت حال سے بہت غمزدہ رہتی ہیں۔" وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے ہلکے ہلکے سے کہتی جارہی تھیں۔ سعدی اسی طرح سر ہاتھوں میں لیے بے دھیانی سے سنتا گیا' اسے لگا شاید وہ خود سے بول رہی ہیں۔

"مگر مجھے امید ہے کہ میری ماں کے مرنے پہ سارے بہن بھائی آجائیں گے' مل بھی لیں گے۔ کیونکہ ناراض رشتوں کو عموماً" کسی کے مرنے کا انتظار ہوتا ہے۔ مگر کیا تم جانتے ہو کہ یہ ساری لڑائیاں یہ ساری ناراضیاں شروع کیسے ہوئی تھیں؟؟"

سعدی نے ہاتھ گرائے' چہرہ اٹھایا' ذرا موڑ کر آنکھوں میں کراہت بھری پریشانی لیے میڈم کو دیکھا' ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے کہتی گئیں۔

"یہ سب تب شروع ہوا' جب ہر ایک فریق نے اپنی صحیح یا غلط بات کے لیے دلیلیں پیش کرنا شروع کیں۔ جب دوسرے کی بات بحث کے لیے سنی گئی' معاملے کو حل کرنے کے لیے نہیں۔ توپ کوئی نہیں چلاتا' پتھر کوئی نہیں مارتا' باتیں... صرف باتیں ہی گھروں میں دراڑیں ڈالتی ہیں۔ ان کو توڑتی ہیں' رشتے کاٹتی ہیں' صرف باتیں۔"

سعدی پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

"میں سمجھ رہا ہوں' اگر آپ کا اشارہ پھپھو سے کی گئی میری بدتمیزی یا بحث کی طرف ہے تو پلیز مجھے کلیئر کرنے دیں' یہ کسی کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے' میں صرف..."

"میری ایک دوست تھی بہت اچھی بہت قابل۔ عام سی شکل کی تھی۔ مگر اس کی شخصیت میں کوئی ایسی کشش تھی' ایسا رعب تھا کہ آس پاس سب مرعوب ہو جاتے۔"

وہ اس کی بات سنے بغیر سامنے دیکھتے ہوئے گویا خود کلامی کے انداز میں کہتی جارہی تھیں۔ سعدی کو اب بے زاری ہونے لگی۔

"میں اس کے پاس ایک کیس کے سلسلے میں گئی تھی' وہ وکیل تھی۔ بہت اچھی بہت قابل۔ اس نے میرا مسئلہ بھی حل کردیا اور تب سے کسی بھی قانونی مشاورت کے لیے میں اسی کے پاس جاتی ہوں۔ بہت بھاری فیس لیتی ہے' ایک پائی نہیں چھوڑتی' مگر اچھی لڑکی ہے۔ اپنے مسئلوں کے لیے' کبھی میرے پاس نہیں آئی' سوائے ایک دفعہ کے' جب اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ چاہیے تھا۔"

بے دھیانی سے سنتے سعدی نے ایک دم چونک کر گردن موڑی' استعجاب سے آنکھیں سکیڑ کر میڈم کو دیکھا۔ وہ بدستور سامنے دیوار کو دیکھتی کہے جارہی تھیں۔

"اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ نہیں مل سکا۔ نہ وہ اتنا لائق تھا' نہ اتنا غریب کہ وہ ہمارے معیار پہ پورا اترتا۔ مگر وہ سمجھی کہ اس کا نام ان دس اسٹوڈنٹس کی لسٹ میں اس لیے نہیں ہے کیونکہ یہ فہرست میں نے کمیشن لے کر تیار کی ہے۔ وہ میرے پاس آئی' ایک لمبی تقریر کی۔ کہ کس کس طرح وہ مجھے برباد کرسکتی ہے' بدنام کرسکتی ہے لو۔ ہر قیمت پر اس بات کو یقینی بناسکتی ہے کہ اس کا بھتیجا وہ اسکالرشپ جیتے۔ میں ہر بات تحمل سے سنتی گئی۔ آخر میں میں نے اسے بتایا' وہی جو سچ تھا کہ یہ اسکالرشپ اس کے بھتیجے کو کبھی نہیں ملے گا۔"

سعدی یوسف بالکل سُن' متحیر سا سنتا جارہا تھا۔ اسے اپنے سانس لینے کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔

"وہ سنتی گئی اور اس کے چہرے کا رنگ بجھتا گیا' ایسے جیسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ اس کا بھتیجا کسی سے کم ہوسکتا ہے۔ بہت دیر لگی اس کو اپنی رائے سے ہٹنے میں۔ چاہے وہ غلط تھی مگر وہ کسی کی محبت میں ہی غلط تھی۔ کسی کی محبت میں غلطی کرنا پتا نہیں غلط ہوتا ہے یا نہیں۔ اور پھر زندگی میں پہلی دفعہ میری اس دوست نے مجھ سے ایک فیور مانگا۔ میں جھوٹ نہیں بولتی۔ بولنا بھی نہیں چاہیے' لیکن اس کے لیے میں نے بول دیا اسی لڑکے

سے۔ وہ میرے پاس آیا تو میں نے کہا اسے کسی دل کے امیر آدمی نے اسکالر شپ کے لیے اسپانسر کر دیا ہے۔ شاید یہ جھوٹ بھی نہیں تھا، مگر اس کی پھپھو مجھے پابند کر چکی تھی کہ میں اسے نہیں بتاؤں گی کہ وہی اس کی فیس دے رہی ہے۔ بس ایک بات پہ مجھے حیرت ہوئی۔"

وہ بولتی جا رہی تھیں اور سعدی سانس روکے ان کو دیکھ رہا تھا۔ ساری دنیا ختم ہو گئی تھی۔ بس باتیں رہ گئی تھیں۔ جو وہ سن رہا تھا اور جو وہ اس دن زمر سے کر آیا تھا۔

"یہی کہ وہ اتنی امیر نہیں ہے، پھر اتنی بھاری فیس کیسے ادا کرے گی؟ میرے اصرار پہ اس نے بتایا کہ اس کے پاس ایک پلاٹ ہے جو اس کے والد نے اس کے نام کر رکھا ہے۔ اس کی شادی اس کے فیوچر کی ساری سیکیورٹی اس پلاٹ کے اوپر ہے۔ اس نے کہا، وہ اس پلاٹ کو بیچ دے گی۔ بہت عجیب سی بات ہے، میں نے اسے منع کیا کہ اگر ایک لڑکا اپنی ذہانت یا محنت کے بل بوتے پر ایک بڑی یونیورسٹی نہیں جا سکتا تو کیا ضروری ہے اس کے پیچھے اپنی آرام دہ زندگی کی سیکیورٹی کو داؤ پہ لگا دو۔ تب اس نے مجھے ایک بات کہی۔ ساری زندگی تو نہیں مگر چند سال تو میں ضرور یاد رکھوں گی۔ اس نے کہا۔ "میرے خاندان کی سیکیورٹی وہ پیسہ نہیں ہے۔ ہماری سیکیورٹی، ہمارے خاندان کا وہ پہلا بچہ ہے، جس کو میں نے انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا تھا۔ اب جب وہ بھاگنے کے قریب آیا ہے تو مجھے اس کے لیے راستہ تو بنانے دیں۔" اور پھر اس نے وہ پلاٹ بیچ دیا۔ اب وہ مسلسل میرے پاس رقم جمع کرواتی ہے۔ میں اس رقم کو ایک اسکالر شپ ڈونیشن فنڈ کے طور پر اس لڑکے کی فیس کے لیے اس کے حوالے کر دیتی ہوں۔ ذرا سا جھوٹ تو۔ کسی کی زندگی بن گئی، برا سودا نہیں تھا مگر قربانی تھی۔ کیونکہ محبت ایک بہت سادہ مگر ایک بہت پیچیدہ شے ہے۔"

سعدی کا رنگ ایسے سفید ہو رہا تھا، جیسے سانس تک نکل چکی ہو۔ وہ بنا پلک جھپکے بس ان کو دیکھ رہا تھا۔ شاکڈ، حیرت زدہ، متعجب۔

"کیا یہ سچ ہے؟ کیا پھپھو نے۔" اس کے الفاظ حلق میں ہی ٹوٹ گئے۔ میڈم رمشہ نے چونک کر اسے دیکھا اور حیرت سے پوچھتے ہوئے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔

"کیا؟ میں نے تو پچھلے پانچ منٹ میں تم سے کوئی بات نہیں کی۔ میں تو سوچ رہی تھی۔ شاید میں اونچا سوچنے لگ گئی ہوں۔ بوڑھے ہونے والے لوگوں کو یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ کسی دماغی مرض کی وجہ سے کسی انسان کو کانفیڈنشیلٹی توڑنے پر مورد الزام ٹھہرانا چاہیے، اور یہ اونچا بولنا ایک دماغی مرض ہی تو ہے۔ افسوس۔" موبائل پرس میں ڈالتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے، جیسے اپنے ذہنی پن کا افسوس کرتے ہوئے، انہوں نے اس کو مسکرا کر خدا حافظ کہا اور آگے بڑھ گئیں۔

✡ ✡ ✡

میڈم رمشہ کب کی جاچکی تھیں۔

وہ آہستہ سے اٹھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کاریڈور میں آگے بڑھتا گیا۔ سفید چہرہ‘ خالی ویران آنکھیں لیے۔ وہ چلتا رہا‘ یہاں تک کہ ہسپتال کے دروازے آگئے۔ باہر لان میں روش پہ بڑے ابا کی وہیل چیئر دھکیلتی حنین نے چونک کر اسے یوں ڈھیلا ڈھیلا سا چلتے دیکھا اور پھر رک کر دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ مخالف سمت چلتا دور ہو گیا۔ کوئی موڑ آیا اور وہ نظروں سے اوجھل تھا۔

حنین کے چہرے پہ بے چینی بھری فکر مندی در آئی۔ وہ وہیل چیئر کو موڑ کر اسی سمت لے گئی۔ ساتھ میں بے دھیانی سے بڑے ابا کو سن بھی رہی تھی۔

”اور تم‘ زیب کاروار کو فارس کے اوپر سے ہاتھ یوں کھینچنا نہیں چاہیے۔ ان کو ایک دفعہ ہم سے بات کرنی چاہیے تھی۔“

”وہ زمر پھپھو کے علاج کا سارا خرچا اٹھا رہے ہیں‘ یہی بہت ہے۔“ وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی وہیل چیئر آگے لا رہی تھی۔

”یعنی وہ فارس کو قصوروار سمجھتے ہیں‘ تب ہی مداوا کر رہے ہیں۔“ بڑے ابا افسوس سے سر ہلاتے کہہ رہے تھے۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔

یہاں درخت تھے‘ بیلوں کی باڑ تھی اور کونے میں واٹر کولر لگا تھا۔ سبزے میں ٹھنڈا میٹھا پانی۔ حنین کے قدم رکے نہیں‘ آہستہ ہو گئے۔ آنکھوں میں شدید صدمہ سا آیا۔

کولر کے دائیں طرف درخت تھا‘ درمیان میں تھوڑی سی جگہ تھی‘ وہاں سکڑ کر‘ رخ دیوار کی طرف کیے‘ سعدی... خود کو یوں دیکھے جانے پہ شرمندگی کا ڈر وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھتی گئی۔ بڑے ابا گردن گرائے افسردہ سے اپنی کہتے گئے۔ حنین کی عینک کے پیچھے آنکھیں گلابی پڑتی گئیں۔ وہ رو رہا ہے۔ بھائی رو رہا ہے۔ مگر کیوں؟

”کیا پھپھو ٹھیک ہو جائیں گی بڑے ابا؟“ اس نے خود کو کہتے سنا۔ ”اعلیٰ ان کی بیماری سے بہت اپ سیٹ ہے۔“ وہیل چیئر دھکیلتی اب کولر کو پیچھے چھوڑ کر وہ دور جا رہی تھی۔ ساتھ ہی آواز بھی مدھم پڑتی گئی۔

بڑے ابا نے جواب میں کیا کہا‘ درختوں تک آواز نہیں پہنچی۔ وہ دور ہوتے گئے۔

☼ ☼ ☼

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

سعدی اکیلا بیٹھا بدستور رو رہا تھا۔

وہ شام سعدی کے دل کی ساری سوگواریت اپنے اندر سموئے اتری تھی۔ وہ سارہ کے گھر کے کچن میں رکھی کرسی پہ خاموش بیٹھا تھا۔ ندرت منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتیں سامنے کھانا رکھ رہی تھیں۔

”زمر کو خیال کرنا چاہیے تھا۔ جب زرتاشہ کے والد اور وارث کی بیوی فارس کو بے گناہ سمجھتے ہیں تو وہ کیوں ایسا کر رہی ہے؟“ سعدی سر جھکائے سنجیدگی سے خالی پلیٹ کو دیکھتا رہا۔ ندرت نے اس کی پلیٹ میں سالن ڈالا‘ روٹی نکال کر دی۔

”کھاؤ بیٹا۔“ اس نے بے دلی سے روٹی کا لقمہ توڑا۔ پھر نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ وہ پرامید سی‘ پریشان سی اس کو دیکھ رہی تھیں۔

”تم پھپھو سے بات کرو نا‘ وہ اپنا بیان واپس لیں۔“ پھر تشکیک سے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ”تمہیں کیا ہوا۔ آنکھیں سرخ پڑ رہی ہیں۔“

”کچھ نہیں۔ فلو ہے۔“ دھیمی آواز میں کہہ کر سر جھکا‘ پلیٹ پہ جھک گیا۔

”میں جوشاندہ بنا دوں گی‘ اس کے بعد پی لینا۔ ٹھیک ہو جائے گا۔“

کاش دل کی بیماریوں کا بھی کوئی تریاق ہوتا۔ گھول کر پی لو اور سب خوش باش ہو جائے۔ اس نے تلخی سے سوچا تھا۔

”کیا تم نے دوبارہ پھپھو سے بات کی؟“

"نہیں۔"

"کوشش تو کرو۔ فارس میرا بھائی ہے سعدی! مجھے اس کی فکر ہے۔"

"زمر میری پھپھو ہیں اور مجھے ان کی فکر ہے۔"

"اس کا علاج ہو رہا ہے۔ وہ ان شاء اللہ جلد صحت یاب"

سعدی نے بددلی سے پلیٹ پرے کر دی۔ "ان کے علاج پہ جو خرچا ہو رہا ہے، وہ لیورنگ زیب کا کردار ادا کر رہے ہیں، ہے نا؟" ندرت کو تلخی سے دیکھ کر وہ ایک دم پوچھنے لگا۔ وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ہاں، بڑے ابا چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکے۔ کیسے کرتے؟ ان کا سب تو زمر کے جہیز اور زیور پہ خرچ ہو گیا۔"

"اور وہ پلاٹ؟ پھپھو کے پاس تھا نا ایک پلاٹ، وہ کہاں گیا؟ شادی کا خرچا تو بڑے ابا نے مین مارکیٹ میں اپنے نام کی واحد دکان بیچ کر اٹھایا تھا، یہ بھی مجھے پتا نہ چلتا اگر آپ نہ بتاتیں۔"

"ہاں، وہ زعیم بھائی (ندرت کے کزن) کو بیچی تھی۔ اس لیے مجھے پتا چل گیا۔ پلاٹ تو زمر نے پہلے ہی بیچ دیا تھا۔" وہ اب اپنی پلیٹ میں سالن ڈال رہی تھیں۔ "کسی مقدمے وغیرہ کے لیے اسے رقم کی ضرورت تھی، تو بیچ دیا۔ بڑے ابا نے ایک دفعہ میرے پوچھنے پہ بتایا تھا۔"

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں، پھر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ ندرت نے روکا کہ کھانا تو کھا لے، مگر وہ لاؤنج میں آ گیا۔

وہاں بڑے صوفے پر سارہ بیٹھی تھی۔ سیر اوپر کیے، بھورے رنگ کا دوپٹا سر پہ لپیٹے، وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے دیوار کو دیکھ رہی تھی یا شاید اس کے پار۔ اسے آتے دیکھ کر چہرہ سیدھا کیا اور اداس سا مسکرائی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ مسکرا بھی نہ سکا، بس سامنے کھڑا ہو گیا۔ سر جھکائے، بے قصور مجرم۔

"بہتر ہوں۔ تم ٹھیک ہو؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔

"فارس کیسا ہے؟ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"ان کو وارث ماموں کے قتل کے الزام میں پکڑا گیا ہے، مگر ہم سب جانتے ہیں، یہ سب غلط ہے۔ آپ بھی ایسا ہی سمجھتی ہیں نا؟" ذرا دیر کو وہ ڈرا ہوا لگا۔

"مجھے نہیں پتا سعدی! تم سب کہتے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔ فارس اور قتل۔۔۔" اس نے سر جھٹک کر جھرجھری لی۔ سعدی کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ پھیکا سا مسکرایا۔

"ہم اصلی قاتلوں کو ضرور سزا دلوائیں گے خالہ!" اور سارہ کے چہرے کی اذیت بڑھ گئی۔

"اس سے کیا ہو گا؟ وارث واپس نہیں آئے گا۔"

آج پھر سعدی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔ لان میں کیاری کے ساتھ اہل بیٹھی گھاس پہ انگلیاں چلاتی کچھ لکھ رہی تھی۔ نادیدہ الفاظ، ان کہی باتیں۔

سعدی قدم قدم چلتا اس تک آیا۔ جو گرز اہل کے ہاتھوں کے قریب ہوئے تو اس نے سر اٹھایا۔ آنکھیں مسکراہٹ سے چمکیں۔ "سعدی بھائی!"

"کیا تم بابا کے لیے دعا کرتی ہو؟" ہر دفعہ کی طرح آج پھر پوچھا۔ اہل نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔

"روز کرتی ہوں۔"

"گڈ۔" وہ مسکرا کر پلٹ گیا۔ گیراج کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل سے بھی دعا نکلی۔ مغفرت کی، جنت ملنے اور جہنم سے آزادی کی۔ ایک دم وہ رک گیا۔ اہل کو کیا پتا جنت اور جہنم کا؟ معافی اور بخشش کا؟ وہ الٹے قدموں واپس آیا۔ اس کے مقابل پنجوں کے بل بیٹھا۔ آنکھیں سکیڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم کیا دعا کرتی ہو اہل! بابا کے لیے؟"

وہ جو گھاس پہ پھر سے لکھ رہی تھی، نظریں اٹھا کر سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ بابا واپس آ جائیں۔" رک کر پوچھا۔ "وہ واپس آ جائیں گے نا سعدی بھائی!"

سعدی شل سا اسے دیکھے گیا۔ ہیر بینڈ میں جکڑے بالوں والی اہل امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے

خود کو کہتے سنا۔

"وہ اب بھی بھی واپس نہیں آئیں گے۔ تم دعا کیا کرو کہ وہ جہاں رہیں، خوش رہیں۔" اہل چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔ پھر حیور رازداری سے قریب کیا۔

"اگر میں بابا کی قبر کھودوں۔۔۔ تو کیا وہ نیچے۔۔۔ ہوں گے؟" ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"ہاں مگر ان کی جو روح تھی، وہ اوپر چلی گئی ہے آسمانوں میں۔ مگر وہ قبر میں بھی ہیں۔" وہ سوچ سوچ کر الفاظ چن رہا تھا۔ اہل کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"بابا دو ہو گئے ہیں؟" اس نے دو انگلیوں کی وی بنا کر حیرت سے پوچھا۔ سادہ سوال کے پیچیدہ جواب۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دعا کی پھر سے تاکید کی اور گیراج کی جانب بڑھ گیا۔

ایک قتل کتنے خاندان تباہ کر دیتا ہے، کتنی زندگیاں اجاڑ دیتا ہے۔

ایک قتل سب بدل دیتا ہے۔

☼ ☼ ☼

ہم بھی کن جنگلوں میں بستے ہیں

بند جن میں تمام رستے ہیں

اسپتال میں وہی باسی پھولوں کی مہک رچی بسی تھی۔ زمر تکیوں کے سہارے قدرے ٹیک لگا کر لیٹی تھی۔ بال کیچر میں اوپر بندھے اور چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ خاموش نظروں سے کبھی سامنے صوفے پر موجود ابا کو دیکھتی اور کبھی ساتھ کرسی پہ آگے کو ہو کر بیٹھے ہاشم کو جو ایک فائل کھولے کہہ رہا تھا۔

"یہ صرف ایک رسمی کارروائی ہے۔ آپ کے کڈنی ٹرانسپلانٹ اور اس کے بعد کے بھی تمام میڈیکل بلز اورنگ زیب کاردار اٹھائیں گے اور اگر کل کو فارس غازی بے گناہ ثابت ہو جاتا ہے تب بھی کوئی اس عمل کو روک نہیں سکتا۔" چیک اور دوسرے کاغذات اوپر نیچے کر کے، موٹی موٹی بات سمجھاتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔ بال جیل سے پیچھے کیے، گرے کوٹ، کف لنکس، ٹائی پن، آنکھوں کی سنجیدگی، وہ ہمیشہ کی طرح اچھی طرح تیار تھا۔

"آف کورس! ان کو میرے میڈیکل بلز پے کرنے چاہئیں۔ ان کے بھانجے نے میری زندگی برباد کی ہے!" زمر کا انداز خشک تھا۔ ہاشم نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔

"اور جواب میں آپ اورنگ زیب کاردار کے بارے میں کسی قسم کا منفی بیان نہیں دیں گی۔"

"عدالت میں؟"

"پریس میں!"

بڑے ابا ناپسندیدگی سے گردن موڑ کر ہاشم کو بات کرتے دیکھتے رہے۔

"شیور تھنگ۔" زمر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔ "کیا اس کاغذ پہ یہ لکھا ہے کہ یہ سب لوا کاردار صاحب اس لیے کر رہے ہیں کیونکہ ان کے بھانجے نے مجھے نقصان پہنچایا ہے؟"

"بالکل!" اس نے اٹھ کر فائل اور پین زمر کے ساتھ رکھا۔ وہ زرد کاغذ اٹھا کر باریک بینی سے ایک ایک شق پڑھنے لگی۔ پھر قلم کھولا۔ دستخط کیے۔ اور واپس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسی سپاٹ، روکھے انداز میں بولی۔

"مجھے کاردار صاحب سے کوئی گلہ نہیں، لیکن اگر آپ نے کبھی یہ معاہدہ توڑا اور میرا کوئی میڈیکل بل پے نہ ہوا تو میں بھی ان تمام شقوں کو ردی میں ڈال دوں گی۔"

"شیور میڈم پراسیکیوٹر!" وہ بہت تحمل سے کاغذ واپس فائل میں لگاتے ہوئے بیٹھا، ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ بڑے ابا نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"یہ مدلوے سے زیادہ خود کو فارس پہ لگے الزامات کی کروڑ سے پانے کا معاہدہ لگ رہا ہے مجھے۔"

"بالکل ویسا ہی ہے۔" شگفتہ رکھائی سے کہتے ہوئے اس نے بریف کیس اٹھایا، کھولا، کاغذ اس میں ڈالے۔

بڑے ابا نے کڑواہٹ سے رخ پھیر لیا۔ ہاشم ان کو ویسے بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں چلتا ہوں۔" بریف کیس بند کر کے وہ اٹھا۔ ایک رسمی مسکراہٹ سے زمر کو دیکھ کر سر کو خم دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی بڑے ابا نے سنجیدگی سے زمر کو دیکھا۔

"ہمیں ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں تھی۔"

"مجھے بھی۔ آپ کا بینک بیلنس کتنا رہ گیا ہے میں جانتی ہوں۔" وہ زیادہ کڑوی ہو رہی تھی۔

"اگر میں معذور نہ ہوا ہوتا تو میں یہ مدد قبول نہ کرتا۔"

"یہ ان کا فرض تھا' ان کے بھانجے نے جو میرے ساتھ کیا ہے' اس کے بعد اس کے خاندان کو اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے۔"

"زمر!" وہ جیسے تھک کر بولے۔ "تم ایک دفعہ فارس کی بات سن لو۔"

"اس کی جو آخری بات سنی تھی' وہی کافی ہے میرے لیے' امر موضوع ختم ابا!"

دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا حتمی فیصلہ سنا دیا۔ وہ گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ پھر جب حنین آئی تو ان کی وہیل چیر باہر لے آئی۔ نکلتے وقت اس نے گردن موڑ کر زمر کو دیکھا' وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز' چہرہ موڑ کر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوچ تھی' پیشانی پہ بل تھے۔ ایک دفعہ بھی حنین کو نہیں دیکھا۔ وہ یاسیت سے سر جھٹکتی بڑے ابا کو باہر لے آئی۔

☼ ☼ ☼

رخشت یہاں کوئی لٹانے ادھر آ بھی نہ سکے
اے مشکل تو نہیں وشت وفا کے جلوے

ویٹنگ روم میں سعدی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سر جھکائے' اپنے ہاتھوں کو باہم مسلتا۔ بڑے ابا کو آتے دیکھ کر وہ سیدھا ہوا۔ اور سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں نے ٹیسٹ کروائے تھے۔ ابھی رپورٹس آجائیں گی۔"

"کس چیز کا ٹیسٹ۔؟" حنین چونکی' بڑے ابا نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

"کڈنی ڈونر نہیں ملا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے' قریبی رشتہ داروں کا گردہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

"بھائی!" حنین کا سانس اٹک گیا۔

"سعدی!" بڑے ابا متحیر رہ گئے پھر وحشت سے آگے ہوئے۔

"تم نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔"

"ڈاکٹر نے کہا ہے' میں ڈونیٹ کر سکتا ہوں۔ میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔"

وہ آنکھیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے دادا کو دیکھ کر چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ انہوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیا تم کسی بات پہ خفا ہو؟"

"اس کو چھوڑیں۔ مجھے صرف ایک گارنٹی دیں۔ اگر میرا گردہ میچ کر گیا تو آپ زمر کو نہیں بتائیں گے کہ یہ میں دے رہا ہوں۔"

"بالکل نہیں۔ زمر بھی تم سے گردہ نہیں لے گی۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔" وہ تڑپ گئے تھے۔ حنین وہیل چیر تھامے ہنوز شاکڈ سی کھڑی تھی۔

"حنین! کیا تم باہر جا کر سسٹر حمیرا سے پوچھ سکتی ہو کہ رپورٹس آئیں یا نہیں؟" وہ سر اٹھا کر سپاٹ انداز میں کہنے لگا۔ حنین نے شل ذہن کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور باہر نکل گئی۔ سعدی نے دوبارہ ان ہی نظروں سے بڑے ابا کو دیکھا۔

"اس وقت ان کو کڈنی چاہیے' میں دے رہا ہوں' مگر آپ ان کو نہیں بتائیں گے۔" اور ابا کو غصہ چڑھنے لگا۔

"میں تمہیں اول تو ایسا کرنے ہی نہیں دوں گا اور اگر تم نے ضد کی تو میں زمر کو یہ بات بتا دوں گا' پھر وہ ساری زندگی ڈائیلسز کروا رہی رہے گی مگر تم سے گردہ نہیں لے گی۔ کوئی اپنے بچوں سے قربانی مانگتا ہے کیا؟"

سعدی نے لب بھینچے اثبات میں گردن ہلائی' پیچھے ہو کر بیٹھا۔ "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میری فیس وہی دیتی ہیں۔"

بڑے ابا کو جھٹکا لگا' بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں؟ کیا وہ نہیں دیتیں؟ کر دیں انکار۔"

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئے۔ صدمہ سا صدمہ تھا۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

"دیتی ہیں نا؟" ایک آس پھر سے جوڑی۔ قدرے گیلی آواز میں' ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ بڑے ابا نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ سر سمجھنے والے انداز میں ہلایا۔ نمی اندر اتاری۔

"تھینک یو بڑے ابا! اب اگر آپ نے زمر کو کچھ بتایا تو میں بھی انہیں بتا دوں گا کہ یہ فیس والی بات آپ نے مجھے بتائی ہے۔"

وہ حق دق رہ گئے۔ "میں نے کب...؟"

"ابھی بتایا ہے نا۔" خود کو سنبھال کر اطمینان بھری بے نیازی سے کہہ کر وہ پیچھے کو ہو گیا۔ وہ بالکل ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے۔ آج لگا' سعدی بڑا ہو گیا ہے۔ یعنی وہ دوسری بلیک میلر اولاد؟ ایک زمر کم تھی کیا؟ حنین واپس اندر آئی' نفی میں سر ہلایا۔ کچھ کہنے سے فی الحال معذور تھی۔

"مجھے پتا ہے میرا کڈنی میچ کر جائے گا۔ مگر آپ دونوں میں سے کوئی زمر کو نہیں بتائے گا۔" وہ قطعیت سے باری باری ان کا چہرہ دیکھتا تنبیہہ کر رہا تھا۔

"اور ابا؟" بالآخر وہ بولی۔

"ان کو میں سمجھا دوں گا' بے فکر رہو۔"

"مگر زمر کو کیا کہیں گے' کس کا گردہ ہے یہ؟" بڑے ابا کا لہجہ اب کمزور تھا۔

"وہ کون سا دیکھ رہی ہیں؟ کسی سے ملوا دیں گے انہیں' کہیں گے کہ یہ اس کا گردہ ہے۔"

"یہ بات ہمیشہ نہیں چھپے گی سعدی! اسے بتانا پڑے گا۔ تم خود بتا دو۔ وہ تو اب تک تم سے خفا ہے۔"

"اگر مان گئیں تو پوچھیں گی نہیں کہ میں کدھر ہوں؟ ملنے کیوں نہیں آتا؟ بس انہیں کہیے گا میں واپس چلا گیا ہوں۔" وہ سب طے کر چکا تھا۔ وہ دن سے یہی سوچ رہا تھا۔ بڑے ابا کو افسوس سا ہونے لگا۔

"ایسے وہ دل صاف نہیں کرے گی میں اسے جانتا ہوں۔"

"میں بھی جانتا ہوں انہیں' وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔" مگر وہ غلط تھا۔

"اسے بتا دو سعدی! آپریشن کے بعد بتا دینا بے شک۔" وہ اب نیم رضامند لگ رہے تھے۔

"یہ میرا ٹیسٹ ہے۔ میں تیمارداری کر کے نمبر بناؤں یا پڑھائی کے بہانے نظروں سے غائب ہو کر اپنا قرض ادا کر لوں اور اگر برا بنتا ہوں تو بن جاؤں' مگر مجھے اس ٹیسٹ میں فیل نہیں ہونا!"

"تم اس سے بات تو کر کے دیکھو!"

"نہیں نا! اگر پھپھو کو پتا چلا کہ یہ میرا گردہ ہے تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ پھپھو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ میں ان کا بھائی بھی ہوں' دوست بھی اور بیٹا بھی۔ وہ مجھے کبھی اس تکلیف سے نہیں گزارنا چاہیں گی۔"

"تو ہم پھپھو کو کیا کہیں گے؟" سوئی سوئی سی حنین جیسے جاگی۔ دماغ کام کرنے لگا۔

"کسی سے ملوا دیں گے' کسی کو راضی کر لیں گے اس کام پہ۔" یہ سعدی کو مسئلہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بار بار بے چینی سے گھڑی دیکھتا۔ اسے رپورٹس کا انتظار تھا۔

"مگر کس سے؟"

سعدی نے اکتا کر حنین کو دیکھا۔ "یہ بعد کی بات ہے۔" تب ہی دروازہ ہلکا سا بجا۔

حنین چونک کر مڑی' چوکھٹ میں علیشا کھڑی تھی۔ مسکراتی ہوئی' سفید ٹراؤزر اور بھوری شرٹ میں۔ کہنی پہ بیگ ٹنگا تھا۔

"میں تمہاری آنٹی کو دیکھنے آئی تھی۔" وہ نرمی سے کہتی آگے آئی۔

حتین نے سعدی کو دیکھا' سعدی نے حتین کو۔ پھر دونوں نے علیشا کو دیکھا۔

"بھائی! کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہی ہوں؟"

"کیا یہ مان جائے گی تھوڑی سی لواکاری پہ؟"

دونوں نے دبی دبی آواز میں فقروں کا تبادلہ کیا۔ علیشا نے باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

"کیا سب ٹھیک ہے؟"

"آف کورس!" حتین کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا' جلدی سے ایک کرسی سے چیزیں ہٹائیں' اسے جگہ بنا کر دی' سعدی اٹھ کر چوکھٹ پہ جا کھڑا ہوا۔ نگاہیں راہداری میں لگے کلاک پہ ٹکی تھیں' بڑے ابا اپنی سوچوں میں الجھے تھے۔

علیشا نزاکت سے بیٹھی' گھٹنے ملا کر' پرس زمین پہ رکھا۔ حتین ساتھ والی کرسی پہ آگے ہو کر بے چین سی بیٹھی۔

"مجھے تم سے ایک کام ہے علیشا! کچھ دیر میں بتاتی ہوں۔" وہ بھی سعدی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔

"اوکے!" علیشا نے شانے اچکائے۔

"اگر کنفی میچ نہ کیا تو؟" بڑے ابا نے اپنی ہی سوچ میں سوال کیا۔

"تو پھر کسی اور کو دینا پڑے گا۔"

"مگر کس کو؟" وہ حتین سے سوال کر کے خود ہی خاموش ہو گئے۔ حتین نے نظریں جھکا کر خود کو دیکھا' پھر اپنے بازو کو۔ آستین ذرا تنگ تھا۔ اس نے دو انگلیاں نیچ بٹن پہ رکھ لیں' جیسے اسے کھول کر آستین اوپر چڑھانے پر تیار ہو۔ انگوٹھے سے بازو کے اوپر لکیر کھینچی۔ کون سی رگ ہے بھلا جس سے ٹیسٹ کے لیے خون نکالا جاتا ہے۔

"تم نے بتایا نہیں میرا گفٹ کیسا لگا؟" علیشا موبائل پہ بٹن دباتی پوچھ رہی تھی۔ حتین نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا' پھر پھیکا سا مسکرائی۔

"وہ لاکٹ' اس پہ بھی تمہارے کی چین والی عبارت درج تھی۔" وارث کے قتل کی رات جب وہ اور فارس علیشا کے کمرے سے نکلے تھے' تب اس نے حتین کو جو ڈبا تھمایا تھا' اس میں سے سیاہ ہیرے کی شکل کا کٹا پتھر جڑا لاکٹ نکلا تھا۔ اس نے بہت دن بعد کھولا۔

"مجھے وہ بہت اچھا لگا۔ مگر اس کا کیا مطلب ہوا؟ "ہمیشہ کے لیے چچو ٹیاں" (Aunts for ever)

وہ انگلی ابھی تک بازو کی رگ پہ رکھے بیٹھی تھی۔

علیشا نے آہستہ سے موبائل رکھا' اسے دیکھ کر تکان سے مسکرائی۔ "تم نے مجھ سے کوئی کام کہنا تھا؟"

"ہاں... وہ کیا... تم میری آنٹی کو یہ کہہ سکتی ہو کہ تم ان کو اپنی مرضی اور خوشی سے کنفی ڈونیٹ کر رہی ہو؟ دراصل جو رشتے دار ڈونیٹ کر رہا ہے' وہ اس سے لینا نہیں چاہیں گی اور..." وہ جلدی جلدی ساری بات سمجھانے لگی۔

"مگر میں تو رات کی فلائٹ سے واپس جا رہی ہوں۔"

"اوہ... کیا تم رک نہیں سکتیں؟ کیا تمہارا کام ہو گیا جس کے لیے تم آئی تھیں؟"

"نہیں... وہ تو نہیں ہوا۔ میں بھی کس امید پہ چلی آئی۔" تلخی سے مسکرا کر خود پہ افسوس کیا۔ حتین بے چینی سے آگے ہوئی۔

"تم بس پانچ منٹ کے لیے آنٹی سے مل لو۔ بعد میں ہم کہہ دیں گے کہ تمہیں دوسرے ہسپتال شفٹ کر دیا گیا ہے۔"

"اوکے!" وہ متامل تھی مگر شانے اچکا دیے۔ حتین پھر سے مضطرب سی دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

"ٹرانسپلانٹ پہ تو کافی خرچا آ رہا ہو گا۔" علیشا نے برائے بات پوچھا۔

"پتا نہیں وہ سب اور نگ زیب انکل کا سردرد ہے۔"

علیشا کا سانس رک گیا۔ پلک جھپکے وہ حتین کو دیکھنے لگی۔

"تمہارے وہی انکل جن کا تم بہت ذکر کرتی ہو۔"

"ہاں۔ پتا نہیں ہماری اکثر باتوں میں ان کا ذکر کیوں نکل آتا ہے؟" یہ سوال سوچنے کا وقت ذہین حنین کے دماغ کو کبھی نہیں ملا تھا۔ اب بھی کہہ کر بھول گئی۔

"وہی علاج کا خرچا اٹھا رہے ہیں۔"

"مگر۔ کیوں؟" حیرت زدہ سی وہ بمشکل پوچھ پائی۔ حنین نے شانے اچکائے۔ ابھی تک چوکھٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ فارس ماموں کے باپ کی جگہ ہیں اور پھپھو مسلسل فارس ماموں کو اس سب کا ذمہ دار ٹھہرا رہی ہیں تو اورنگ زیب انکل اپنے بھانجے کی طرف سے مداوا کرنا چاہ رہے ہیں۔"

علیشا سے اگلا سانس نہیں لیا گیا۔ اس نے چہرہ سامنے کو پھیر لیا۔ تھوک نگلا، آنکھوں میں آئی نمی اندر اتاری۔

"ان سے کسی نے رقم نہیں مانگی، وہ پھر بھی دے رہے ہیں، صرف اس لیے کہ وہ فارس کے باپ کی جگہ ہیں۔ حنین! کتنی رحم دلی ہے، ہے نا!"

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ چوکھٹ میں کھڑا سعدی گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ حنین کے ساتھ بیٹھی، سر جھکائے، لی چین پہ انگلی پھیرتی کہے جا رہی تھی۔

"چیونٹی (Harvester Ant Maricopa) دنیا کا سب سے زہریلا کیڑا ہے۔ اس کیڑے کو انتقام پہ نہیں اکسانا چاہیے، ورنہ اس کے کاٹنے سے طاقتور انسان بھی مر جائے۔ پتا ہے ایک دفعہ کسی نے مجھ سے یہ بات کہی تھی کہ تم ساری عمر چیونٹی رہو گی۔ مجھے یہ بات پہلے بہت بری لگی، پھر اچھی لگنے لگی کیونکہ میں چیونٹی ہی تو ہوں۔ سب کمزور اور بے بس لوگ چیونٹیوں کی طرح ہوتے ہیں۔" حنین بے دھیانی سے سن رہی تھی۔ وہ خاموش ہوئی تو وہ جلدی سے بولی۔

"کیا تم میری آنٹی سے مل لو گی؟ اتنا وقت ہو گا نا تمہارے پاس؟"

علیشا نے سر اٹھایا، مسکرا کر نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"شیور۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ میں کچھ دن مزید ٹھہر سکتی ہوں، اپنا کام بھی مکمل کر لوں گی۔"

حنین کا چہرہ فرط مسرت سے دمکنے لگا۔ اس نے خوشی سے علیشا کا ہاتھ دبایا۔

"تھینک یو علیشا! تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔ کتنا عجیب اتفاق ہے نا کہ عین ان دنوں میں تم آئی ہو، جب ہم اتنے کرائسز میں ہیں، مگر تم ہمارے ساتھ رہیں۔"

علیشا کا رنگ سفید پڑا۔ حلق میں کچھ اٹکا۔ وہ تو اورنگ زیب کاردار کے الیکشن کا سن کر آئی تھی مگر وہ خود بھی بے خبر تھی کہ اگر یہ الیکشن نہ ہوتے تو وارث کو شاید مہلت دے دی جاتی مگر یہاں کے الیکشن امریکا سے بہت مختلف تھے۔ اور حنین اس سب کو ایک اتفاق سمجھ رہی تھی۔

"حنین! میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" مگر سعدی کسی کو آتے دیکھ کر فوراً آگے چلا گیا تو حنین امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے کھڑی ہو گئی، بازو کی رگ پہ پھر سے دوسرا ہاتھ رکھ لیا۔

"پھر کبھی سہی!" علیشا اس کا دھیان نہ پا کر ڈھیلی سی واپس بیٹھ گئی۔ حنین چوکھٹ تک آئی۔ فکرمندی سے سامنے دیکھا۔ سعدی چند کاغذ کھول کر پڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بازو پہ رکھا اس کا ہاتھ مضبوط ہو گیا۔ نیچ بٹن کھول لیا۔ اب بس آستین موڑنا تھا۔ پہلے بلڈ ٹیسٹ ہوتا ہے، کیا؟ اسے علم بھی نہیں تھا۔

سعدی نے گہری سانس لے کر صفحات نیچے کیے اور لمبی مسافت کی تھکن سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔ پھر سر اثبات میں ہلایا۔

"پازیٹو!"

حنین کا بازو پہ رکھا ہاتھ بے دم سا پہلو میں آ گرا۔ اس نے زردہ رنگت کے ساتھ سر کو خم دیا۔ سعدی اب پلٹ کر تیزی سے آگے جا رہا تھا۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔

السابقون السابقون۔ اولئک المقربون۔

ہر قربانی کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس وقت کی ایک ایکسپائری ڈیٹ بھی ہوتی ہے۔

٭ ٭ ٭

کیوں دار غم بھی نے طلب کی ' برا کیا
ہم سے جہاں میں کشتہ غم اور کیا کیا نہ تھے

اور ہسپتال کے کمرے میں کرسی پہ بیٹھی علیشا کو مشکوک انداز میں گھورتی 'بیڈ تکیوں سے ٹیک لگائے' وہ زمر یوسف تھی اور وہ اتنی جلدی مان جاتی' ناممکن تھا۔

"اور آپ مجھے اپنا گردہ کیوں دینا چاہتی ہیں؟" اس کو ہضم نہیں ہوا تھا اس لیے تفتیش شروع کر دی تھی۔

جواب میں علیشا نے کافی بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"میں اس واقعے کا ذمہ دار خود کو سمجھتی ہوں۔ اگر میں آپ کے آفس آجاتی تو نہ آپ ادھر جاتیں' نہ وحشت گردی کا نشانہ بنتیں۔ میں نے ٹیسٹ کروائے ہیں گو کہ مجھے کم عمری سے دمے کی شکایت ہے مگر اس کے علاوہ میں بالکل صحت مند ہوں اور ڈونیٹ کر سکتی ہوں۔"

"اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اس وجہ پہ یقین کرلوں؟" زمر نے تیکھی نظروں سے مسلسل اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہ کریں' آپ کی مرضی' مگر میں دوسری وجہ بھی ضرور بتانا چاہوں گی۔" علیشا ذرا رکی۔ سامنے بے چین سی کھڑی حنین اور قریب بیٹھے مضطرب سے بڑے ابا کو دیکھا' پھر اسی اعتماد سے پراسیکیوٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"مجھے اس قربانی کے عوض آپ کی فیملی ایک اچھی قیمت دے رہی ہے۔ جسے میں واپس جا کر یونیورسٹی فیس کے لیے استعمال کروں گی۔ اپنی زندگی بنانے کا اتنا اچھا موقع میں ضائع نہیں کروں گی۔ اگر مزید پیسے چاہیے ہوئے تو میں اس قربانی کو کسی ٹی وی شو میں اپنی کہانی چلوا کر کیش کروالوں گی۔" آخر میں اس نے بے فکری سے شانے اچکائے۔

حنین کے لب کھل گئے' وہ ہکا بکا سی علیشا کو سن رہی تھی۔ کیا اس نے فرض کر لیا تھا کہ لواکاری صرف زمر پہ ختم ہو جاتی ہے؟

"مگر یہ ال لیگل ہے۔" زمر کے فقرے پہ وہ سب چونکے۔ "قانون کے مطابق ڈاکٹر کبھی بھی ٹرانسپلانٹ نہیں کر سکتا اگر گردہ خون کے رشتے دار کا نہ ہو تو۔ آپ سب لوگ مل کر ایک غیر قانونی کام کیسے کر سکتے ہیں؟" ابرو بھینچ کر تادیبی انداز میں اس نے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

اور بڑے ابا نے کئی دفعہ کی سوچی گئی خواہش دل میں دہرائی۔ کاش انہوں نے کبھی اس لڑکی کو قانون نہ پڑھایا ہوتا۔

"یہ خاتون تو غیر ملکی ہیں مگر آپ کو تو قانون کا علم ہونا چاہیے ابا!"

"ہم نے اس کا حل بھی نکال لیا ہے۔" حنین ہمت کر کے بولی تو زمر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ "ہم پیپرز پہ سعدی بھائی کا نام لکھوائیں گے۔"

زمر کے تاثرات بدلے۔ وہ دل گر ہو گئی تھی۔

"سعدی کا؟ جل؟" وہ ایک دم تڑپ کر متوحش سی بولی' پھر غصے سے ابا کو دیکھا۔ "سعدی کا نام کڈنی ڈونر کے طور پہ۔ کبھی بھی نہیں لکھیں گے آپ لوگ یہ۔"

"ٹھیک ہے۔ نہیں لکھتے۔ لیکن اگر یہ فرنچ امریکن خاتون نہیں دیں گی" بڑے ابا نے علیشا کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "تو کسی خون کے رشتے دار کو دینا پڑے گا۔ فہرست بناتے ہیں' پہلے نمبر پہ میں ہوں' میرا میچ نہ کیا تو پھر سعدی ہوگا اور پھر حنین اگر اس کا بھی نہ لگ سکا تو اسامہ تو ہے نا۔"

"ابا!" اس کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ صدمے سے آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔

"بالکل بھی نہ کہنا زمر کہ تم تندرست نہیں ہونا چاہتیں۔ ہر کوئی تندرست ہونا چاہتا ہے۔ تم الگ

نہیں ہو۔ اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے تمہارے پاس۔" زمر بالکل چپ ہو گئی۔ بے بسی سے سر جھکائے لب کاٹتی رہی۔ دل بہت برے انداز میں دکھایا تھا حنین کی بات نے۔

"مگر۔ یہ غیر قانونی ہے۔" اس کی آواز اب کے کمزور تھی۔

"ہاں اور جو تمہارے ساتھ ہوا' وہ بھی غیر قانونی تھا۔"

زمر کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ طیش ابھرا۔

"ہوا نہیں' جو میرے ساتھ فارس نے کیا' وہ غیر قانونی تھا۔"

"پھپھو! میں ادھر ہی تھی' ماموں نے آپ کو کوئی کال نہیں کی۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔" اس کے بیڈ کے دائیں طرف کھڑی حنین بے بسی سے بولی۔ زمر نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرتے ہوئے سر جھٹکا اور پیچھے ہوئی۔ اب کے بولی تو آواز سنبھلی ہوئی تھی۔

"مجھے معلوم ہے تم جھوٹ نہیں بول رہیں۔ فارس بہت اسمارٹ ہے' اسے تمہیں ڈاج کرنے کے ہزار طریقے آتے ہیں۔"

حنین کو دھچکا لگا۔ بہت بے یقینی سے پھیلی آنکھوں سے اس نے زمر کو دیکھا' جو اب اپنا لحاف درست کر رہی تھی۔

"یعنی آپ مجھے جھوٹا نہیں سمجھتیں' بلکہ آپ مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں۔" یہ صدمہ زیادہ بڑا تھا۔ زمر ان سنا کرتی لحاف ٹھیک کر کے پیچھے کو ہو گئی۔ حنین کے لب بھنچ گئے۔ بڑے ابا کی معذرتی نظروں کو دیکھے بنا وہ سرد لہجے میں بولی۔

"لو کے پھپھو! ہم سعدی بھائی کا نام لکھوا کر آپ کو ہرٹ نہیں کریں گے۔ ہم حنین یوسف کا نام لکھوا دیں گے۔ اب ٹھیک ہے نا۔" وہ کہہ کر ایک دم مڑی' اور گو کہ اس نے دیکھا بھی کہ زمر بے ساختہ نرم پڑی تھی۔ اسے منع کرنے کو کچھ کہنے والی تھی مگر حنین ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ سعدی کاریڈور میں کھڑا تھا۔ بے ساختہ بڑھا ہوا۔ امید سے اسے دیکھا۔

"کیا انہوں نے یقین کر لیا؟"

"کر لیں گی۔ اپنی جنت کے لیے سب کر لیتے ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔ سعدی کا دماغ کہیں اور الجھا تھا غور کیے بنا زمر کے کمرے کا بند دروازہ دیکھنے لگا۔

وہ سر جھٹک کر آگے چلتی گئی۔ کاریڈور عبور کر کے استقبالیہ سے بھی گزر گئی۔ لان میں مریضوں اور ان کے عزیز و اقارب کی ہل چل ویسی ہی تھی۔ حنین خفگی سے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی گھاس کے بیچ روش پہ آگے چلتی جا رہی تھی۔ پھر یکایک ٹھہری۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر کون اور کدھر؟ وہ مڑی۔ گھوم کر ادھر ادھر دیکھا اور تب ہی دور ایک بینچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک بازو بینچ کی پشت پھیلائے بیٹھے ہاشم نے مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔ حنین کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ بہرحال وہ قدم بہ قدم چلتی بینچ کے قریب آئی۔

"سعدی بھائی اندر ہیں۔" اس نے اپنے تئیں ہاشم کو درست سمت دکھائی۔ وہ بس مسکرا کر اسے دیکھے گیا۔

"ابھی مل کر آ رہا ہوں اس سے۔ اس نے بتایا کہ ڈونر کنفرم مل گیا ہے' مگر جس شخص سے خریدا ہے' اس کے بارے میں زمر کو بتانے کے بجائے تمہاری کوئی فرینڈ۔" ہاشم نے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ یہ کور اسٹوری صرف ہاشم کے لیے تھی۔ سعدی اس پہ لاکھ اعتماد کرتا' مگر یہ اس کے خاندان کا اندرونی معاملہ تھا۔ اور ہاشم کو بتانے کا مطلب تھا' زمر کو بھی نہ بھی وہ بتا دے گا۔ اس کو صرف "حنین کی دوست کر دے رہی ہے" کہہ کر بھی نہیں ٹال سکتے تھے کہ علیشا اس اداکاری کے لیے دوبارہ مہیا نہیں ہو گی' ہاشم آتا جاتا رہے گا۔ اگر کھٹک گیا تو کھوج لگائے گا اور پتا چلنے پہ سعدی سے بد اعتماد ہو جائے گا۔ سو پہلے ہی اسے مطمئن کر دیا۔ وہ ہو بھی گیا۔ اس کی بلا سے گردہ غیر قانونی طور سے ہی خریدا ہو۔ اس کا مسئلہ تو صرف علیشا تھی' جس نے اپنی فلائٹ آگے کروا لی تھی۔

"میری فرینڈ علیشا... اس نے پھپھو کو کنوینس کر لیا ہے' مگر آپ یہ بات پھپھو کو مت بتایئے گا۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کے سامنے کھڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"کیا یہ کہنے کی بات ہے؟" ہاشم نے حیرت سے پوچھا پھر گردن پھیر کر ہسپتال کو دیکھنے لگا۔

"علیشا... ہوں... کیا تم مجھے اس سے ملوا سکتی ہو۔ ابھی' اسی وقت؟"

"آ... اوکے!" وہ متذبذب تھی۔

"اور ہاں! تم بھی اس کو نہیں بتاؤ گی کہ تم اسے مجھ سے ملوانے نہا ہر لا رہی ہو۔"

"شیور!" پلکیں سکیڑ کر اسے مشتبہ نظروں سے دیکھتی وہ مڑی اور اندر چلی آئی۔ سعدی اب وہاں نہیں تھا۔ اس نے دروازے سے ہی اندر' زمر سے باتیں کرتی علیشا کو اشارہ کیا۔ وہ معذرت کرتی اٹھ آئی۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔" حنین نے کہا تو وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ عینک اور فرنچ چوٹی والی' سوچ میں گم حنین اور ساتھ دراز قد' کھلے بالوں والی خوب صورت سی علیشا۔ انہوں نے راہداری عبور کی' تب علیشا نے پرس سے لپ ہیلر نکالا' لبوں میں رکھا اور اسپرے اندر کو دبایا۔ حنین رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا وہ سب اداکاری نہیں تھی؟"

"سوائے دمے کے سب فرضی تھا۔" مسکرا کر اس نے کہتے' ان ہیلر واپس رکھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے' تمہاری آنٹی نے میرا یقین کر لیا ہوگا؟"

"ان کے پاس کوئی دوسرا آپشن ہے کیا؟" وہ الجھی الجھی سی سامنے متلاشی نظروں سے — لان کو دیکھتی باہر آئی۔ ہاشم کدھر گیا؟

"مجھے بہت افسوس ہے جو ان کے ساتھ ہوا۔ کیا حملہ آور ابھی تک نہیں پکڑا گیا؟"

"پکڑا جائے گا۔" وہ اب گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اپنا آپ ایک دم بے وقوف سا لگنے لگا۔ یہ ہاشم اسے بلا کر خود کدھر ہے؟

"ہیلو اگین علیشا!" وہ دونوں ایک ساتھ گھومیں۔

کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے ہاشم مسکراتا ہوا استقبالیہ کی سمت سے چلا آ رہا تھا۔ حنین نے گہری سانس لی۔ اور علیشا کا رنگ' نچڑ گیا۔ وہ سفید' ساکت سی سانس روکے کھڑی تھی۔

"علیشا! یہ میرے..." حنین نے تعارف کروانے کو الفاظ نکالے ہی تھے کہ وہ اسے نظر انداز کر کے گہری سرد نظروں سے علیشا کو دیکھتا' قریب آتے ہوئے بولا۔

"دوبارہ مل کر خوشی ہوئی علیشا!"

علیشا کی خوابیدہ ساکت آنکھوں میں حرکت ہوئی۔ وہ جلدی سے حنین کی طرف گھومی۔ "حنہ! کیا تم اکیلے میں میری بات سن سکتی ہو؟"

"کیوں۔ مجھ سے کیا مسئلہ ہے؟ آخر ہم ایک فیملی ہیں علیشا!" وہ سرد مسکراہٹ سے کہتا' حنین کے الجھے الجھے چہرے کے تاثرات بغور نوٹ کر رہا تھا۔

"حنہ' پلیز! میری بات سن لو پہلے۔" وہ بے چینی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے دور لے جانے لگی' مگر حنین اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ بس تعجب سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

"فیملی؟"

"ہاں حنین! علیشا میرے والد کی غیر قانونی امریکی بیٹی ہے۔ اسی لیے تو وہ تمہیں جانتی ہے اور تمہاری اتنی اچھی دوست ہے۔ ابھی اس دن جب علیشا مجھے اور میرے باپ کو دھمکی دینے ہمارے آفس آئی تھی' تب ہی تو اس نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اس نے تمہارا اکاؤنٹ ہیک کیا اور... اوہ سوری... شاید یہ بات علیشا نے تمہیں نہیں بتائی تھی۔" آخر میں افسوس سے اضافہ کیا۔ وہ جو ابھی تک الجھی الجھی سی کھڑی تھی' لفظ ہیک پہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔ بے یقینی سے علیشا کو دیکھا جانے کب ہاتھ سے ہاتھ چھوٹا۔

"اصل میں علیشا میرے ڈیڈ کے بارے میں کافی حساس ہے۔ چونکہ ڈیڈ اس سے مخاطب تک ہونا پسند نہیں کرتے' تو یہ ہر اس شخص کے پیچھے پڑ جاتی ہے' جس سے وہ بات کرتے ہوں جیسے کہ تم حنین!"

"ہاشم، پلیز!" وہ نم ہوتی آنکھوں سے منت کرنے لگی۔ ہاشم کے چہرے کی سختی بڑھی، مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"کیوں۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟ کیا تم ہیکر نہیں ہو؟ کیا تم نے میرے ڈیڈ کا اکاؤنٹ ہیک نہیں کر رکھا تھا؟ کیا تم نے ان کی اور حنین کی میلز پڑھ کر حنین کا اکاؤنٹ بھی ہیک نہیں کیا تھا؟ کیا تم نے حنین کی توجہ لینے کے لیے وہاں گیم نہیں کھیلنی شروع کر دی، جو یہ کھیلتی تھی؟"

"ہاشم! بس کر دو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ بے اختیار حنہ کو دیکھا، جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ارد گرد گزرتے لوگ اس وقت ان تینوں کو نظر نہیں آ رہے تھے۔

"حنین! میں نے یہ سب صرف یہ دیکھنے کے لیے کیا تھا کہ تم کون ہو، ورنہ اس کے بعد ہم واقعی دوست تھے۔ یہ حقیقت ہے مگر میں نے تمہیں کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"تم نے میرے باپ کے لیے میرے خاندان کی بچی کو ٹارگٹ کیا اور پھر بھی تم میں اتنے گٹس ہیں علیشا! کہ یہ کہہ سکو کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔"

مگر وہ صرف حنین کو دیکھ رہی تھی۔ خوفزدہ، نم آنکھوں سے۔

"حنہ! میں تمہیں سب بتانے والی تھی۔ پلیز، وہ سب ریئل تھا۔ وہ گھنٹوں کی باتیں، وہ ڈرامے ڈسکس کرنا، وہ گیمز، وہ سب ریئل تھا۔"

"تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم نے میری فیملی کی اس بچی سے میرے باپ کے بارے میں کبھی کوئی سوال نہیں پوچھا؟"

علیشا بولتے بولتے لاجواب ہو گئی۔ حنین یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ ہاشم کو اب اس کی مسلسل خاموشی سے کوفت ہو رہی تھی۔ وہ نا محسوس انداز میں حنین کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں ایک طرف تھے، اور وہ لب آپس میں مس کرتی، پریشان بھیگی آنکھوں والی علیشا دوسری طرف۔

"علیشا میرے ڈیڈ کو بلیک میل کر کے ان سے پیسے لینے آئی تھی، اس نے تم سے دوستی بھی ڈیڈ کے بارے میں خبریں حاصل کرنے کے لیے کی تھی۔ اپنے دماغ پہ زور دو حنین! کتنی ہی دفعہ تم لوگوں نے بات بے بات ان کا ذکر کیا ہو گا، ہے نا؟" وہ کٹیلی نگاہوں سے علیشا کو دیکھتا حنین کو بتا رہا تھا۔

مگر حنین۔۔۔ وہ بالکل چپ کھڑی تھی۔

"حنہ، پلیز! میری نیت بری نہیں تھی۔ پلیز! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

اور حنین کے پتھر لب ہلے۔

"اس گیم کا کیا، علیشا؟"

"کیا؟" علیشا کے بہتے آنسو رک گئے۔

"میں پانچ ماہ تک اس جیولر والی گیم میں پہلے نمبر پہ تھی۔ ٹاپ اسکورر۔ پھر فقط دو دن میں تم پہلے نمبر پہ آ گئیں۔ تم نے یہ کیسے کیا علیشا!"

ہاشم نے بمشکل اکتاہٹ پہ قابو پایا۔ وہ کہاں سیاست، اسکینڈلز، بلیک میلنگ کی بات کر رہا تھا، اور کہاں ان لڑکیوں کے دماغ سے گیمز نہیں نکلتی تھیں۔

علیشا ندامت بھرے آنسوؤں سے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ کچھ پوچھ رہی ہے۔۔۔ جواب دو۔"

"میں نے۔۔۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی، امید اور خوف سے ملی جلی نظریں ہنوز حنہ کے چہرے پہ تھیں۔ "میں نے کچھ چیٹ کوڈز استعمال کیے تھے اور۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ واو۔" حنین نے ایک دم غصے سے سر جھٹکا۔ "تو تم چیٹنگ کر کے جیتی تھیں۔ لو علیشا! مجھے بھی معلوم تھا کہ بے ایمانی کیسی کرتی ہے، مگر میں نے نہیں کی۔ صرف محنت کی۔ تین سال میں لگی رہی، دوسرے سے پہلے نمبر پہ آ گئی مگر چیٹنگ نہیں کی کیونکہ میں حنین یوسف تھی۔ بھائی نے مجھے قرآن کے آخری پارہ اور پانچ بڑی سورتیں حفظ کرا رکھی تھیں، کیونکہ میں بنی اسرائیل میں سے تھی، آل یوسف۔ انبیا کی اولاد۔ میں نے بے ایمانی نہیں کی

اور تم۔ تم تین سال سے یہی کرتی آئیں۔" درد سے پھٹتے لہجے سے کہتی غصے سے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ "تم نے مجھے استعمال کیا۔ ہم اتفاق سے نہیں ملے۔ سب کچھ تم نے پلان کیا۔ فارس ماموں ٹھیک کہتے تھے تمہارے بارے میں۔" وہ پیچھے ہٹتی راہداری کے قریب ہو رہی تھی۔ علیشا نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ گرم آنسو بہتے رہے۔ اعمال کے نتائج ہوتے ہیں اور بھگتنا پڑتے ہیں۔

"لوگ کہتے ہیں علیشا! کہ کوئی لڑکا کسی لڑکی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ آج دل چاہ رہا ہے ان سے پوچھنے کا کہ کیا کوئی لڑکی بھی کسی لڑکی کی دوست بن سکتی ہے؟" نفی میں سر ہلاتی، وہ مڑی اور تیز تیز اندر چلی گئی۔ مطمئن سے کھڑے ہاشم نے اب کے رخ پھیر کر فرصت سے علیشا کو دیکھا، جو آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔

"آئی ایم ریئلی سوری علیشا! لیکن اگر تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم ہاشم کاردار کو بلیک میل کر سکتی ہو۔ تو تم غلط تھیں۔"

علیشا نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔ دکھ سے اسے دیکھا۔

"وہ میری دوست ہے۔"

"تھی۔ اب نہیں رہی۔ آئندہ۔" انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔ "اگر تم نے اس سے کوئی بھی رابطہ کیا تو میں اس سے بھی زیادہ کر سکتا ہوں تمہارے ساتھ۔"

"تم شیطان ہو!" وہ نفرت سے اسے دیکھتی رہی۔ آنسو اب تھم رہے تھے۔ غصہ اس کی جگہ لے رہا تھا۔

"تھینک یو اس کامپلیمنٹ کے لیے۔ اب تم آنسو صاف کرو اور جاؤ۔ باہر نکل کر پہلی کالی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ وہ تمہیں ہوٹل لے جائے گی، سامان پیک کرو اور ایرپورٹ جاؤ ورنہ تمہاری آج رات کی فلائٹ کا وقت نکل جائے گا، یہ کچھ رقم اس میں ہے، یہ رکھ لو۔" کوٹ کی اندرونی جیب سے خاکی لفافہ نکال کر بڑھایا۔ علیشا نے تنفر سے اس لفافے کو دیکھا۔

"مجھے یہ خیرات نہیں چاہیے۔ یونیورسٹی کی فیس نہیں دے سکتے تو اس کی بھی ضرورت نہیں۔"

"دراصل یہ خیرات نہیں ہے۔ یہ تمہاری ماں کے ہاسپٹل کے بلز جتنی رقم ہے۔ اوہ آئی ایم سوری! شاید آج تمہاری اپنی ماں سے بات نہیں ہوئی۔" وہ ایکدم بہت ہی ہمدردی سے بولا۔ علیشا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ موبائل پہ کچھ ڈھونڈنے لگا۔

"میں نے سنا ہے کہ چند گھنٹے قبل تمہاری ماں کو کسی نیم تاریک سڑک پہ ایک کار نے ٹکر ماری تھی۔ اتفاق سے اس گلی کے سی سی ٹی وی کیمراز خراب تھے، اور موقعے کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔ بہرحال جس ہسپتال میں وہ داخل ہے، جہاں ابھی اس کی حالت خطرے سے مکمل طور پہ باہر نہیں ہے، وہاں کام کرنے والے میرے ایک دوست نے یہ مجھے بھیجا تھا۔" ساتھ ہی نرمی سے مسکراتے ہوئے موبائل اسکرین سامنے کی۔ وہ جو دم بخود سی سنتی جا رہی تھی۔ تیزی سے آگے ہوئی، اسکرین پہ ہسپتال کے بستر پہ اس کی ماں تھی۔ گردن میں کالر، ایک بازو پلستر میں۔ علیشا نے بے اختیار چیخ روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔

علیشا کے بے بس آنسو بہہ رہے تھے اور اتنی ہی نفرت سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ "میں امریکی شہری ہوں، میں ابھی اپنے سفارت خانے فون کر سکتی ہوں، اور اس سب کے بارے میں بتا سکتی ہوں۔"

"بالکل، اسی طرح کرو۔ بلکہ یہ کرنے کے لیے میرا فون استعمال کر لو۔" فوراً" ہاشم نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ "امریکن قونصلیٹ کی فرسٹ سیکرٹری کا نمبر میرے اسپیڈ ڈائل کے پچیسویں نمبر پہ محفوظ ہے۔ میری بہت اچھی جان پہچان ہے اس سے۔ اور شاید تم بھول گئیں کہ میں، میرا بھائی، میری ماں، ہم سب بھی امریکی شہری ہیں۔ یہاں کرنے ہیں دستخط!" ساتھ ہی بہت سہولت سے کاغذ پہ اشارہ کیا۔ علیشا بے بسی سے اسے دیکھتی رہی، پھر بائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے، کاغذ دیوار سے لگایا اور دستخط

کرلی گئی۔

"یاد رکھنا ہاشم! تم بھگتو گے۔ خداوند تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

یہ کہہ کر وہ آنکھوں میں آنسو لیے پلٹ گئی۔ ہاشم نے قلم بند کیا' کاغذ سمیت جیب میں رکھا اور اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس لی۔ چلو یہ باب تو ختم ہوا۔

☼ ☼ ☼

یہ کون لوگ ہیں جو روشنی پہ ہیں مامور
دیے بجھائے ہیں کتنے نئے جلائے نہیں

اگلی صبح ہاشم اور جواہرات' ہشاش بشاش اور خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہسپتال کی راہداری میں چلتے ہوئے آرہے تھے۔ حنین نے ویٹنگ روم کے دروازے سے ان کو آتے دیکھا اور پھر واپس اندر ہو گئی۔ ہاشم نے بھی اسے دیکھ لیا تھا' جب ہی جواہرات سے کہا۔

"آپ ٹھہریں' میں آتا ہوں۔" وہ وہیں کھڑی ہو گئی اور ہاشم متلاشی نظروں سے دیکھتا آگے بڑھتا آیا' یہاں تک کہ ویٹنگ روم کے سامنے آرکا۔ اندر کرسی پہ حنین بیٹھی نظر آرہی تھی۔ گھٹنے ملائے' سر جھکا کر' ویران نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی' وہ بالکل شل تھی۔ علیشا پچھلی رات کی فلائٹ سے واپس جا چکی تھی اور حنین غالباً" ابھی تک شاک میں تھی۔

"حنین۔ بیٹا! آپ ٹھیک ہو۔" وہ نرمی سے پوچھتا دو قدم اندر آیا۔ حنین نے چہرہ اٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آئی ایم سو سوری' مجھے پہلے پتا ہوتا کہ وہ تمہاری دوست ہے تو میں تمہیں خبردار کر دیتا۔ مگر پریشان نہ ہو' وہ اب تمہیں ہرگز تنگ نہیں کرے گی۔" تسلی دیتے ہوئے وہ مزید آگے آیا۔

حنین بس اسے دیکھے گئی۔ چپ چاپ۔

"اگر وہ دوبارہ تمہیں کوئی نقصان دینے کی کوشش کرے' تب تم سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی' میں اسے سنبھال لوں گا' او کے بیٹا؟" وہ نرمی سے ہمدردی سے جتاتا جا رہا تھا' حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ ہاشم چپ ہو گیا۔

تب ہی جواہرات وہاں آتی دکھائی دی۔ ہاشم نے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور گردن پھیر کر حنہ سے بولا۔

"یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہے گی' او کے۔"

جواہرات اب قریب آچکی تھی۔ اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ بس ہاشم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آؤ' زمر انتظار کر رہی ہو گی۔"

"آپ جائیں' میں کل مل چکا ہوں۔" وہ دونوں بات کرتے کرتے باہر جانے کو پلٹے کہ

"کیا آپ کو معلوم ہے مسز کاردار! کہ آپ کے شوہر کی دوسری بیٹی کل یہاں تھی؟"

ہاشم ایک جھٹکے سے مڑا' اور بے یقینی سے حنین کو دیکھا جو تیز نظروں سے اسے گھورتی' اٹھ کر ان دونوں کے مقابل آ کھڑی ہوئی' سینے پہ بازو لپیٹے اور تیکھے انداز میں جواہرات کو مخاطب کیا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ کل ہاشم بھائی نے اسے یہاں سے نکالا تھا۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا تھا' وہ روتی ہوئی جا رہی تھی۔" اس نے ہاشم کی معلومات میں اضافہ کیا۔

جواہرات کے تاثرات نہیں بدلے' وہ سرد سا مسکراتی رہی۔ ہاشم نے پریشانی اور غصے سے حنین کو دیکھا اور پھر ماں کو۔

"حنین! یہ کیا طریقہ ہے میری ماں سے بات کرنے کا۔"

"مجھے سب پتا ہے بچے!" جواہرات نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا' ایک کٹیلی نظر ہاشم پہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ وہ بے حد طیش سے اس کی طرف گھوما۔

"یہ کیا تھا؟" مگر وہ بے خوفی اور تندہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ کو بھول گیا تھا تو یاد کروا دوں ہاشم بھائی! کہ میں زمر یوسف کی بھتیجی ہوں' حنین یوسف' اور پھپھو کی طرح میں بھی معاف نہیں کرتی اور میں بالکل بھی سعدی بھائی جیسے لوگوں میں شامل نہیں ہوں جو آپ

کی اچھی لکس اور اچھے مینرز کی وجہ سے آپ سے متاثر رہتے ہیں۔ مجھے آپ پہلے بھی ناپسند تھے اور جو کل۔ آپ نے کیا' اس کے بعد تو میں آپ کو زیادہ ناپسند کرنے لگی ہوں۔"

چبا چبا کر بولتی اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔ ہاشم غصہ ضبط کیے 'لب بھینچے کھڑا رہا۔ "آپ نے مجھے استعمال کیا۔ اپنا اور علیشا کا جو بھی جھگڑا تھا' اس میں سے اپنا مقصد نکالنے کے لیے۔ آپ کو پتا تھا وہ میری دوست ہے' مگر آپ نے اس وقت نہیں بتایا' جب اسے لانے کو مجھے اندر بھیجا تھا۔ میں سعدی بھائی نہیں ہوں' جو آپ کی ہر بات کو صحیح سمجھ لوں گی۔"

پھر انگلی اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تندی سے وارننگ دی۔ "آئندہ مجھے کبھی استعمال کرنے کی کوشش کی آپ نے تو میں اس سے بھی برا کر سکتی ہوں کیونکہ مجھے اور میرے دماغ کو آپ ابھی جانتے نہیں ہیں۔"

گھور کر اسے دیکھتی وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گئی اور ہاشم ضبط سے گہرے سانس لیتا وہیں کھڑا کھولتا رہا۔ کچھ دیر تک تو اسے یقین نہیں آیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ شاک کے عالم میں نہیں بیٹھی تھی کیا؟ وہ غصے میں بیٹھی تھی؟

پھر تیزی سے اس نے فون نکالا۔ خاور نے پہلی گھنٹی پہ کال اٹھا لی۔

"یس سر؟"

"کیا علیشا کا دوبارہ رابطہ ہوا سعدی کی بہن سے؟"

"نہیں سر! میں مانیٹر کر رہا ہوں۔ وہ علیشا کے کسی میسج کا جواب نہیں دے رہی۔"

"اوکے!" ایک تسلی بخش احساس اندر اتر آیا۔

جب وہ باہر آیا تو حسین بڑے ابا کی وہیل چیئر زمر کے کمرے سے نکل رہی تھی۔ اس نے ایک تیز نگاہ حنہ پہ ڈالی' وہ بھی جواب میں اتنی ہی شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی پلٹ گئی اور وہیل چیئر دور لے جانے لگی۔ ہاشم تیز تیز چلتا دوسری جانب مڑ گیا۔ اسے اب باہر گاڑی میں بیٹھ کر جواہرات کے آنے کا انتظار کرنا تھا۔

جواہرات اندر زمر کے سامنے کرسی پہ بیٹھی غصے سے کہہ رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حملو ایسا کرے گا۔ میں نے تمہیں بتائے بغیر کہ تم اسے عزت نفس کا مسئلہ نہ بنالو' حملو کو آسٹریلیا میں اپنی کمپنی میں جاب بھی آفر کی' بس شہریدلنا پڑتا' مگر تین گنا زیادہ کما لیتا اور اس نے کیا کیا۔ جس نمبر سے اسے ملوایا' اسی کی بیٹی کو پھانس لیا۔" وہ گویا ابھی تک ورطہ حیرت میں تھی۔

تکیوں سے ٹیک لگائے نیم دراز زمر بس چپ سی اسے دیکھے گئی۔

"تم کہو تو میں اس نیچر کو ابھی فارغ کیے دیتی ہوں۔ اس کو معلوم تھا کہ حملو کی شادی ہونے والی ہے' پھر بھی اس نے اپنی بیٹی کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ دنیا کتنی خود غرض ہے!" جواہرات نے جھرجھری لی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حملو نے درست فیصلہ کیا۔ اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔" وہ ویران آنکھوں سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔

"مگر تم کیسے اس زیادتی پہ خاموش رہ سکتی ہو۔ وہ تمہارا منگیتر ہے' تمہیں اسٹینڈ لینا چاہیے۔"

"اس نے کچھ غلط نہیں کیا مسز کاردار! میں جانتی ہوں' میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی۔ میری کبھی کوئی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ ایسے میں اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔"

کرسی پہ بیٹھی جواہرات کے چہرے پہ ہمدردی ابھری۔ دل میں درد سا جاگا۔ "آئی ایم رئیلی سوری ہر اس چیز کے لیے جو تمہارے ساتھ کی گئی۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے پیر کو ذرا سا دبایا۔ "بس تم کسی کو بددعا نہ دینا۔ کرنے والے کو کسی بات نے مجبور کر دیا ہو گا' ورنہ اتنا ظلم کوئی بھی خوشی نہیں کر سکتا۔"

زمر نے آنکھیں اٹھا کر تھکن سے اسے دیکھا۔

"یہی تو سمجھنے سے قاصر ہوں' اتنے دن سے یہی تو سوچ رہی ہوں کہ فارس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ نہ کوئی دشمنی تھی' نہ پرانا بغض۔ میں تو اس کی ٹیچر تھی'

میرے کتنے کام کر کے دیتا تھا۔ پھر ایک دم وہ کیسے بدل گیا؟؟"

جواہرات کی آنکھوں میں چھائی ہمدردی غائب ہوئی۔ اس کی جگہ بے چینی نے لے لی۔ اس کے پاؤں سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"ہو سکتا ہے کوئی پرانا عناد ہو۔ کوئی رشتے وغیرہ کا چکر۔" وہ احتیاط سے لفظ لفظ ادا کر رہی تھی۔ زمر کی حمایت کسی قیمت پہ نہیں کھونی تھی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں تھا' کبھی بھی نہیں۔" وہ ناگواری سے تڑخ کر بولی۔ "وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' بس!"

جواہرات جلدی سے مسکرائی۔

"میں تو محض ایک خیال کا اظہار کر رہی تھی۔ عموماً" قتل تین باتوں پہ ہوتے ہیں۔ زن' زر' زمین۔ یعنی' عشق' دولت یا اپنی طاقت کا غرور۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وجہ وہی ہو جو وہ کہہ رہا تھا۔ اپنے پہلے قتل کو چھپانا۔"

"نہیں۔" وہ لب دانت سے کچلتی نفی میں گردن ہلانے لگی۔ "صرف یہ بات نہیں تھی۔ اس روز وہ فارس لگ ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے کبھی ایسے مجھ سے بات نہیں کی۔ پھر ایک دم سے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ پلکیں سکیڑ کر کھڑکی کو دیکھتی سوچ گئی۔ پھر آنکھوں میں یاسیت ابھری۔ "کیا معلوم واقعی وہ فارس نہ ہو' کسی نے فارس بن کر مجھ سے بات کی ہو۔ شاید میں ہی۔"

جواہرات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "اور اس کے فنگر پرنٹس؟ وارث کے ڈی این اے والی رسی کا اس کی کار سے ملنا؟ اس کی گن؟ ہوٹل میں اس کے نام کا کمرا۔ اس سب کی وضاحت کیسے کرو گی؟ اور شاید تم اپنے والد اور بھابھی کی باتوں کا اثر لے کر کمزور پڑ رہی ہو۔ میں سمجھ سکتی ہوں' اپنوں کے لیے انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔" سمجھنے والے انداز میں جواہرات نے سر کو خم دیا۔

"میں نہ کمزور ہوں اور نہ کسی کا اثر لے رہی ہوں۔" وہ ناگواری سے تیزی سے بولی۔ "میں صرف ان کے مفروضے کو دہرا رہی تھی۔ وہ فارس ہی تھا' اس نے مجھے شوٹ کیا' میں آج بھی اپنے بیان پہ قائم ہوں۔" شانے اچکا کر وہ خفگی سے رخ موڑ گئی۔

جواہرات کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری ستائش سے اسے دیکھا۔

"گڈ! تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ تمہیں خاندان والوں کا دباؤ نہیں لینا۔ تمہیں فارس سے اپنا انتقام لینا ہے۔"

"میں پراسیکیوٹر ہوں' انصاف پہ یقین رکھتی ہوں' انتقام پہ نہیں۔ کم از کم تب تک نہیں' جب تک انصاف کی امید باقی رہے۔ میں نے بیان دینا تھا' دے دیا' اب اور کچھ نہیں کرنا مجھے۔"

جواہرات کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ "تم۔۔۔ تم اس کو کورٹ میں پراسیکیوٹ نہیں کرو گی کیا؟؟"

"نہیں۔ کوئی دوسرے پراسیکیوٹر اس کیس کو پلیڈ کریں گے۔"

"مگر تمہیں فارس کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس کی وجہ سے تمہاری شادی۔۔"

"میں اپنی مرضی کی مالک ہوں مسز کاردار! جیسے خاندان کا دباؤ نہیں لیا' ویسے ہی آپ کا بھی نہیں لوں گی۔ آپ چاہتی ہیں' میں فارس کو سزا دلواؤں' کیونکہ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے' میں جانتی ہوں آپ لوگوں کے جائیداد کے مسئلے ہیں۔ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو ہم اب دوست ہیں۔" وہ کافی سنجیدگی سے جواہرات کو دیکھ کر کہہ رہی تھی' جو آگے سے پھیکا سا مسکرا دی۔

"اور میں آپ کی جگہ ہوتی تو یہی کرتی۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ آپ مجھے کیوں بار بار اس کے خلاف کارروائی پہ اکسا رہی ہیں۔ مگر میرا ایک خاندان ہے اور وہ شخص سعدی کا ماموں ہے۔ میں نے بیان دینا تھا' دے دیا۔ اب آگے عدالت جانے اور پولیس۔ فارس کا مجھ سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں تھا' اس نے یہ کسی اور وجہ سے کیا۔ ممکنہ طور پہ وہی جو اس نے بتائی تھی' اس لیے میں ذاتی طور پہ اس کے خلاف کچھ نہیں کروں

گی۔"

جواہرات بمشکل مسکرا پائی۔ "میں سمجھ سکتی ہوں۔ بہت سی چیزوں میں ہم ایک جیسے ہیں زمر! خیر تم نے درست فیصلہ کیا۔ اگر تم اس کے خلاف محاذ کھول لیتیں۔ تو ندرت یا اس کے بچے تمہاری شکل دیکھنے سے بھی رہ جاتے۔ مگر میں امید کرتی ہوں کہ تم اس کیس کو خود لینے سے احتراز اس وجہ سے نہیں برت رہیں کہ تم دور اندر کہیں اس کو بے گناہ سمجھتی ہو۔"

زمر لمحے بھر کو بالکل چپ سی ہو کر جواہرات کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کیا تم اندر سے، اپنے ہی بیان پہ خود مشکوک ہو چکی ہو، مگر چونکہ خود کو غلط ماننے میں تمہاری ناک آڑے آتی ہے، سو تم اس پہ ڈٹی ہوئی ہو؟"

"ایسا نہیں ہے۔" وہ اب کے کافی مضبوطی سے بولی۔ "کبھی کبھی مجھے متضاد خیالات آتے ہیں مگر میرا یقین ان کے مقابلے میں زیادہ پختہ ہے۔ وہ فارس ہی تھا' کوئی بھی چیز مجھے اس بیان سے نہیں ہٹا سکتی۔ اپنی ناک عزیز ہے مجھے، مگر بے انصافی کی حد تک نہیں۔ اگر مجھے لگتا وہ بے گناہ ہے تو میں خاموش رہتی۔ وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا۔ شاید اگر میرے ابا کو فالج نہ ہوا ہوتا تو میں خاموش بھی رہ جاتی، مگر اب نہیں۔"

جواہرات گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسکرا کر اس کے شانے پہ ایک ہاتھ رکھا' دوسرے سے اپنا بیگ اٹھایا۔ "دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو تم مجھے ہمیشہ اپنا دوست پاؤ گی۔"

زمر نے بنا مسکرائے سر اثبات میں ہلایا۔ جواہرات بیگ کندھے پہ لٹکاتی باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو زمر کے تاثرات بدلے۔ سپاٹ چہرے پہ بے پناہ کرب امڈ آیا۔

اس نے مٹھی ہونٹوں پہ رکھی۔ آنکھیں بند کر کے ضبط کرنا چاہا۔ مگر آنسو امڈ امڈ آرہے تھے۔ وہ خبر جس پہ وہ سارا وقت ضبط کر کے بیٹھی رہی تھی' وہ پھر سے طمانچے کی طرح آن لگی تھی۔

حماد کی شادی ہو رہی تھی۔ حماد کہیں اور شادی کر رہا تھا۔ یہ سہنا اتنا آسان نہیں تھا' جتنا اس نے ابھی جواہرات کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ گردن جھکائے' ہاتھ ہونٹوں پہ دبا کر رکھے' وہ مسلسل بند آنکھوں سے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دروازہ بجا۔ زمر نے تیزی سے چہرہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا اور انگلی سے آنکھوں کے گیلے کنارے جلدی جلدی خشک کرنے لگی۔ ذرا کھنکار کر رندھی آواز کا گیلا پن دبانا چاہا اور بولی۔ "آجائیے۔"

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر اندر لا رہی تھی۔ زمر رخ موڑے سائیڈ ٹیبل پہ کچھ تلاشنے لگی ساتھ بار بار پلکیں جھپک کر ان کا گلابی پن دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا تم سرجری کے لیے تیار ہو؟" پشت سے ابا کی آواز آئی۔ وہ "جی" کہتی سنجیدگی سے سیدھی ہوئی۔ آنکھیں اب ہلکی گلابی تھیں۔

حنین خاموشی سے بڑے ابا کی کرسی کے عقب میں کھڑی رہی۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" انہوں نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے تسلی دینا چاہی۔

وہ پھیکا سا مسکرائی۔ "مجھے پتا ہے۔" پھر قدرے بے چینی سے بند دروازے کو دیکھا۔ "سعدی کہاں ہے۔ اسے بھی بلا لیں۔"

بڑے ابا کی مسکراہٹ سمٹی۔ اس کی ذرا ذرا گیلی آنکھوں کو غور سے دیکھا اور پھر ان سے چھلکتی بے کلی کو۔ لب کھولے، مگر بند کر لیے۔

"وہ آجائے تو میں اس کے سامنے حنین کو بتادوں گی کہ میں تمہارے ماموں کے خلاف کیس نہیں لڑوں گی' نہ اس کے کیس کو فالو کروں گی۔"

"بھائی انگلینڈ چلا گیا ہے ان کا ٹیسٹ تھا ایک پھپھو!" سنجیدگی سے حنین نے بتایا۔

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ بالکل یک ٹک' سانس روکے۔

"سعدی... چلا گیا؟" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔ حلق میں کچھ اٹکنے لگا۔

"ہم تو ہیں نا بیٹا! اس کی مجبوری تھی۔"

مگر وہ ہنوز ششدر سی حنین کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اسے میرے آپریشن کا پتا تھا؟"

(بھائی سے زیادہ کسے پتا ہو گا؟) حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زمر کے لب بھنچ گئے۔ ابرو اکٹھے کیے، وہ خفگی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"ندرت بھی آنے والی ہے، ہم سب تمہارے ساتھ ہوں گے سرجری کے دوران۔ سعدی بھی کال کرتا رہے گا۔"

کال کرنا پروا کرنے کے مترادف نہیں ہوتا ابا۔

مگر وہ لب بھینچے، دوسری جانب دیکھتی رہی۔ حنین ناگواری سے پلٹ گئی۔ اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو رہا تھا۔

وہ باہر آئی تو سعدی منتظر کھڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ دونوں کی پشت دیوار سے لگی تھی اور نظریں سامنے تھیں۔

"کیا آپ ایک دفعہ ان کو خدا حافظ کہنے بھی نہیں جا سکتے تھے؟"

"میں نے ان سے بہت بدتمیزی کی تھی، اب نہیں سامنے جاؤں گا۔ وہ میری شکل دیکھ کر دل کی بات جان لیں گی۔"

"تو پھر زبان کی بات کا یقین کیوں نہیں کرتیں؟" پھر ذرا نرمی سے بولی۔ "صرف مل ہی لیں۔" سعدی نے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

"اونہوں... مجھے ڈر ہے، ان کے سامنے جا کر میں رونے لگ جاؤں گا۔"

گویا حنین کا دل کسی نے دبا دیا ہو۔ اس نے بے اختیار مڑ کر سعدی کا چہرہ دیکھا۔ وہ اداسی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ جینز پہ آدھی آستین کی میرون شرٹ، چھوٹے کٹے بال، جو سامنے سے سیدھے اور سر کی پشت سے گھنگھریالے تھے۔ چہرے پہ چھایا ایک معصوم سا تاثر۔

"آپ انگلینڈ جانے کے بعد پہلی دفعہ آئے گھر تو ہم سب نے کہا کہ آپ بدل گئے ہیں، پہلے سے زیادہ اسمارٹ اور عقل مند۔ مگر... آپ تو آج بھی ویسے ہی ہیں۔" سعدی نے نظریں پھیر کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"معصوم!" وہ اداسی سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"معصوم! کیا یہ میرا دوسرا نام ہے؟"

"پہلا کیا تھا؟"

"ہمارا سعدی۔" اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ اداس سے ماحول میں زندگی کی کوئی تان کسی نے چھیڑی تھی۔

"علیشا کا کچھ پتا چلا؟" اس سوال پہ حنین کی ہنسی تھمی۔ سر نفی میں ہلا دیا۔

"میں نے اس کی ساری میلز اور میسجز بغیر پڑھے مٹا دیے۔ ہر جگہ سے اسے بلاک کر دیا۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں دوبارہ اس سے کبھی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"تم نے صحیح کیا۔"

"اور آپ نے دیکھا، کس طرح وہ اپنا بیان بدل کر چلی گئی۔ اس نے میرا غصہ ماموں پہ اتار دیا۔ شاید میں اس کی کال اٹھا لیتی، مگر مجھے یہ نہ پتا چلتا کہ اس نے اپنی گواہی بدل دی ہے۔ اپنے باپ سے مسئلہ تھا تو ان تک ہی رکھتی۔ مجھے کیوں درمیان میں لائی۔" وہ سخت رنجیدہ لگ رہی تھی۔

"چلو اب تم دوبارہ ہاشم بھائی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ ان کا اس سے خون کا رشتہ ہے، وہ لوگ ایک دن پھر اکٹھے ہو جائیں گے، ہم درمیان میں کیوں آئیں۔" وہ نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

حنین بے دلی سے سر ہلاتی رہی۔

"اس نے کہا تھا، چھوٹیاں انتقام لینے پہ آئیں تو انہیں کوئی نہیں ہرا سکتا، مگر پھر وہ کیوں ہار گئی بھائی! اس کو بغیر پیسے دیے ہاشم بھائی نے بھیج تو دیا نا واپس!"

بس ایک یہی الجھن تھی جو اسے ستا رہی تھی۔
سعدی کچھ دیر بالکل خاموش ہو کر سوچتا رہا۔ حنین منتظر تھی۔
"کیا تم سارا وقت ڈرامے دیکھتی رہتی ہو؟ یا قرآن بھی پڑھتی ہو؟ جیسے انگلینڈ جانے سے پہلے ہم اکٹھے پڑھتے تھے۔"
"کیا بھائی! پڑھتی ہوں نا۔" ایک دم بہت سستی سے کہتے ہوئے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
"اور کیا تمہیں وہ سورتیں یاد ہیں جو ہم نے حفظ کی تھیں؟"
حنین نے ذرا انگلی سے کان کے پیچھے بال کھجائے۔
"جی۔۔۔ یاد ہیں۔ میں ذرا سا دہرا کر سنا سکتی ہوں۔"
(کہیں وہ ابھی کے ابھی سن ہی نہ لے۔)
"بہت اچھا۔" سعدی نے خفگی سے اس کو دیکھا وہ ایک دم بہت معصومیت سے سر جھکائے اپنی عینک اتار کر شیشے سے کچھ صاف کرنے لگی تھی۔
"بہرحال، ہم نے ایک سورۃ حفظ کی تھی، سورۃ نمل، یاد ہے؟"
"جی، بالکل۔" عینک صاف کر کے آنکھوں پہ لگاتے ہوئے اس نے ذہن پہ زور ڈالنا چاہا کہ پہلی آیت کہاں سے شروع ہوتی تھی؟ اف۔۔۔ یاد کیوں نہیں آ رہا۔
"اور نمل کا مطلب کیا تھا؟"
حنین ایک دم کھل کر مسکرا دی۔ شکر بھائی نے سورۃ نہیں سنی تھی، یہ سوال تو بہت آسان تھا۔ ہسپتال کا کاریڈور ایک دم خوشگوار لگنے لگا۔
"نمل یعنی چیونٹی!" بہت اعتماد سے مسکرا کر بتایا۔
سعدی نے پہلے تعجب اور پھر خفگی سے اسے دیکھا۔ "یعنی کہ تم نے عرصے سے قرآن نہیں کھولا۔"
حنین ہکا بکا رہ گئی۔ "مگر میں نے صحیح بتایا ہے۔"
"غلط بتایا ہے۔ نمل کا مطلب چیونٹی نہیں ہوتا۔"
"تو پھر کیا ہوتا ہے؟"

"چیونٹی کو 'نملۃ' کہتے ہیں۔ نمل کا مطلب ہوتا ہے 'چیونٹیاں'۔"
حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے، نروٹھے پن سے بھائی کو دیکھا "شو ہی ایک ہی بات ہوئی۔"
"اگر ایک بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ کا نام نملۃ رکھ دیتا۔ مگر نہیں۔۔۔ چیونٹی اور چیونٹیوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دیکھو، باقی جتنی بھی سورتیں ہیں، حشرات الارض کے نام کی، وہ واحد ہیں۔ العنکبوت یعنی ایک مکڑی۔ نحل یعنی ایک شہد کی مکھی۔ لیکن چیونٹیوں کی سورۃ 'جمع' کے صیغے میں ہے۔ پتا ہے کیوں؟" اس نے ابھی ابھی کی سوچی گئی بات بہت پرجوش ہو کر کہی۔ وہ بہت دھیان سے سن رہی تھی، بے تابی سے بولی۔
"کیوں؟"
"کیونکہ اکیلی چیونٹی ہوتی ہی نہیں ہے۔ کبھی دیکھی ہے اکیلی چیونٹی؟ اونہوں۔ چیونٹیاں ہمیشہ اپنی قطار میں، اپنے خاندان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اکیلی ہار جاتی ہے، پیر تلے مسلی جاتی ہے اور جو اکٹھی ہوتی ہیں، وہ کبھی نہیں ہارتیں۔ علیشا اکیلی تھی اور تم نے بھی اس کی مدد نہیں کی تو وہ کیسے جیت سکتی تھی؟"
وہ خاموش ہوا تو حنین بالکل چپ سی ہو گئی۔
"اگر وہ مجھ پہ پہلے بھروسا کرتی تو میں اس کی مدد کرتی مگر اب میں اس سے لاتعلق رہنا چاہتی ہوں۔"
"تمہیں ایسے ہی کرنا چاہیے۔"
دونوں پھر سے خاموش ہو گئے۔
"مگر، میری بیسٹ فرینڈ تھی، اب وہ نہیں ہے، پھپھو نے بھی مجھے اکیلا کر دیا۔"
"چلو، میں تو ہوں نا تمہارا بیسٹ فرینڈ۔" وہ نرمی سے مسکرایا تو حنین بھی مسکرا دی اور ذرا سی بھائی کے قریب کھسک آئی۔ کندھے سے کندھا ملا۔ حنہ کی چھوٹی انگلی سے اس کی چھوٹی انگلی ٹکرائی۔ ایک تحفظ کا احساس۔ کوئی نہیں ہو گا تب بھی بھائی ہو گا۔ مرتے دم تک۔ آخری سانس تک۔ بھائی ساتھ رہے گا۔

اب پھر سے راہداری میں سے لوگ گزرتے جا رہے تھے اور وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے خاموش کھڑے تھے۔

✡ ✡ ✡

اتار لیتے ہیں دنیا کو یوں تو شیشے میں
اکیلے ہوں تو آئینے سے ڈرتے ہیں

جواہرات کار میں پچھلی سیٹ پہ آکر بیٹھی تو ہاشم ساتھ براجمان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا دروازہ بند کر کے ڈرائیور باہر ہی کھڑا رہا۔ جواہرات نے سوالیہ نگاہوں سے ہاشم کا چہرہ دیکھا جو آنکھوں میں ڈھیروں فکر مندی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس کو جانتے کا کہو ہاشم!"

"ممی۔۔۔ آئی ایم سوری!" اس نے جواہرات کے گھٹنے پہ رکھے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے آنکھوں پہ سیاہ گلاسز لگا رہی تھی۔

"ہم بہت دفعہ یہ بات کر چکے ہیں مگر تم آج بھی اپنے باپ کے گناہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ مجھے اس کی بیٹی کے بارے میں سب علم ہے۔"

"ممی۔۔۔ آئی ایم سوری!" اس کا دایاں ہاتھ ہنوز جواہرات کے گھٹنے ہاتھ پہ تھا۔

"اور اس لڑکی کی اتنی ہمت ہو گئی کہ وہ میرے شہر، میرے گھر پہنچ جائے مگر تم نے مجھے خبردار تک نہیں کیا۔ میں کیا کر لیتی؟ تماشا یا واویلا؟ کیا پہلے کبھی کیا؟ ہونہہ۔" تلخی سے اس نے سر جھٹکا۔ "تمہارے باپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں اس کی بیٹی کے بارے میں جانتی ہوں۔"

"ممی۔۔۔ آئی ایم سوری!" وہ مسلسل نگاہیں اس پہ جمائے نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے ہاشم! اس لڑکی یا اس کے کسی مسئلے سے فرق نہیں پڑتا۔ میں عمر کے اس حصے سے نکل چکی ہوں جب فرق پڑا کرتا ہے۔ مجھے کوئی پروا نہیں اگر وہ تمہارے باپ کا کاروبار یا عزت کے لیے خطرہ نہیں ہے تو۔۔۔ اگر ہوئی بھی تو تم سنبھال لو گے۔۔۔"

"ممی۔۔۔ آئی ایم سوری!" وہ زیادہ نرمی اور زیادہ آہستہ سے بولا۔

جواہرات نے ایک ہاتھ سے گلاسز اوپر سر پہ چڑھائے اور آنکھیں گھما کر اسے خفگی اور دکھ کے ملے جلے تاثر سے دیکھا۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ وہ ادھر آئی ہے۔ مجھے بے خبر کیوں رکھا۔ شاید میں جانتی ہوں کیوں۔ تم مجھے ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔" کہتے ہوئے آنکھوں میں کرب کی سرخی ابھری۔

"ممی۔۔۔ آئی ایم سوری!" اس نے ذرا سا اس کا ہاتھ دبایا۔ جواہرات نم آنکھوں سے مسکرا دی اور دایاں ہاتھ ہاشم کے بازو پہ رکھ دیا۔ آنکھوں کی خفگی، نرمی میں ڈھل گئی۔

"اٹس اوکے۔۔۔ میں تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتی۔"

وہ بھی مسکرایا پھر پیچھے ہوا۔ ڈرائیور کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے واقعی اس لڑکی سے فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت تو صرف یہی خیال دل کاٹتا ہے کہ ہم دونوں نے زمر کی زندگی برباد کر دی۔"

"مجھے اس کا افسوس ہے۔ مجبوری نہ ہوتی تو میں ایسا کبھی نہ کرتا۔" اس کے چہرے پہ ایکدم لہرا کر آئی تکلیف کو ضبط سے چھپا کر سیل فون نکالنے لگا۔

"مجھے ہر رات سونے سے پہلے زمر کا خیال آتا ہے۔ وہ اس سب کی مستحق نہیں تھی ہاشم!"

"خیر اگر آپ کبھی عدالت میں اس کے مقابلے پہ ڈیفنس اٹارنی کے طور پہ بیٹھی ہوتیں تو اپنی اس رائے پہ نظر ثانی ضرور کر لیتیں۔" وہ بظاہر بشاشت سے کہتا مسکرا دیا۔ ڈرائیور دروازہ کھول رہا تھا۔ جواہرات نے گلاسز پھر سے آنکھوں پہ گرائے اور پرسکون سی ہو کر ٹیک لگا لی۔

اب ساری دنیا اپنی مرضی کے رنگ میں نظر آ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ظلم پرستی ہوئی دکھ سے مگر دیتی ہوئی
ایسی آنکھوں ہی سے طوفان اٹھا کرتے ہیں

(وہ ملول لمحہ)

بڑے ابا کے لاؤنج کم ڈائننگ روم میں دوپہر کے کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔ صداقت جو موجودہ دن سے چار سال قبل کافی دبلا پتلا اور کم عمر سا لگتا تھا' تازہ روٹی لا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ رہا تھا۔ سربراہی کرسی کی جگہ بڑے ابا وہیل چیئر پہ براجمان تھے' اور گاہے بگاہے دائیں ہاتھ پر پہلی کرسی پہ سر جھکا کر لقمے توڑتی زمر کو دیکھتے تھے۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولتے' پھر خاموش ہو جاتے۔ اس کے آپریشن کو دو ماہ بیت چکے تھے اور اس کی رنگت تب سے اتنی ہی زرد رہتی تھی۔

دفعتاً میز پہ رکھا زمر کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "سعدی انگلینڈ کالنگ" لکھا آ رہا تھا۔ بڑے ابا نے اسکرین نہیں پڑھی' اس کا چہرہ پڑھا' اور کالر آئی ڈی جان لی۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے موبائل کو دیکھتی رہی اور پھر دوبارہ لقمے توڑنے لگی۔ ان کو بے چینی ہوئی۔

"فون بج رہا ہے۔"

"میں کھانا کھا رہی ہوں۔" لقمہ منہ میں رکھ کر سر جھکائے نوالہ توڑنے لگی۔ فون خاموش ہو گیا۔ ذرا سا وقفہ اور پھر بجنے لگا۔ زمر نے پانی کا گھونٹ بھرا اور موبائل اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ "ہیلو؟"

"السلام علیکم زمر۔" وہ رکا۔ منہ میں کچھ ہونے کے باعث آواز ذرا فرق لگی تھی۔ "زمر بول رہی ہیں نا؟"

"جی' زمر پھپھو بول رہی ہوں۔" سنجیدگی سے کہتی فون کان سے لگائے' وہ پانی گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔ بھوری آنکھیں میز پہ رکھے گلدان پہ جمی تھیں۔ چہرہ زرد اور نقاہت زدہ لگتا تھا۔ بڑے ابا بس

بے چینی سے اسے دیکھے گئے۔

"اوہ او کے۔ کیسی ہیں آپ زمر؟" وہ صبح سویرے کی نیلے اندھیرے میں ڈوبی سڑک پہ واک کرتے ہوئے' موبائل کان سے لگائے کلائی لگاؤ اور اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟"

"میں۔۔۔ بالکل ٹھیک۔ آپ کا درد کیسا ہے؟" وہ سڑک کنارے ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ کمر پہ ہاتھ رکھ کر کچھ محسوس کرنا چاہا۔

"درد نہیں ہے' یا پھر اب احساس نہیں ہوتا۔" وہ گلاس رکھ کر روٹی کا نوالہ توڑنے لگی۔

"نہیں' اتنی جلدی تو درد ختم نہیں ہوتا۔" وہ بے اختیار بول اٹھا۔ "ابھی تو کچھ وقت مزید لگے گا نا زخم بھرنے میں۔ بہت سے کام آپ نہیں کر سکتی ہوں گی۔" سامنے تیز تیز بھاگ کر جاگنگ کرتے ایک لڑکے کو دیکھ کر وہ بے خود سا بولا۔

"ہوں۔"

"اور۔۔۔ آپ۔۔۔ کیسی ہیں؟" اس کے سرد خشک رویے پہ وہ بس اتنا پوچھ سکا۔

"پہلے جیسی ہوں۔ ابھی کھانا کھا رہی تھی۔"

"اوہ ہاں' آپ کی تو دوپہر ہو گی۔ بڑے ابا جلدی کھانا کھا لیتے ہیں نا۔" وہ خفیف سا ہنسا۔ زمر خاموشی سے نوالہ منہ میں رکھ رہی تھی۔ سعدی چپ ہو گیا۔ پھر دوبارہ کوشش کی۔

"میں۔۔۔ آج ہال جا رہا تھا دوست کے ساتھ۔۔۔۔ کچھ چاہیے آپ کو؟"

"صرف سکون۔ اور وہ ادھر سے نہیں ملتا۔"

وہ پھر چپ ہو گیا' مرجھا گیا۔ آہستہ سے بولا۔ "چلیں آپ کھانا کھائیں' میں فون رکھتا ہوں زمر۔" قدرے وقفے سے اضافہ کیا "زمر پھپھو!" تب احساس ہوا کہ بات کے آغاز میں اس نے کیوں یاد کرایا تھا۔ اکیس سال "زمر" رہی اب وہ پھپھو بن گئی تھی۔ بھتیجے نے فون بند کر دیا۔ زمر نے بھی موبائل میز پہ رکھ دیا۔

"اس سے کیوں ناراض ہو؟" وہ غور سے اسے

دیکھنے لگے۔

"میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ وہ میرا بچہ ہے ' بچوں سے کون مقابلہ کرتا ہے؟"

"پھر اس کو یہ کیوں کہا کہ زمر پھپھو بول رہی ہوں؟" تو میں کیوں رکھوں ' سوچ سوچ کر ایک دن ہم تنہا ہو جائیں گے۔"

"او کے۔ آپ ہمارا کھانا خراب کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔" پلیٹ پرے ہٹائی اور سر اٹھا کر سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔ "وہ اس وقت کہاں تھا جب میں بیمار تھی۔ میرا آپریشن تھا ابا! حماد نے منگنی توڑ دی تھی۔ ایک اجنبی عورت مجھے گردہ تک دے سکتی ہے ' مگر وہ سعدی 'جس کو میں نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا ' وہ ایک دن بھی میرے لیے نہیں رک سکا۔ وہ میرے پاس کیوں نہیں تھا اس وقت ' جب مجھے اس کی ضرورت تھی؟"

"یہ تب کیوں نہیں کہا جب اس نے فون کیا تھا؟" اس نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔ بولی کچھ نہیں۔

"تمہیں اصل غصہ اس بات پہ ہے کہ سعدی نے تمہارے مقابلے میں فارس کا یقین کیا۔" اور اس نام پہ اس کی آنکھوں میں سرخی اتر گئی۔

"اگر آپ بھول گئے ہیں تو میں آپ کو یاد کروا دوں کہ فارس کا نام میرے سامنے مت لیا کریں۔ اس نے مجھ پہ گولی چلائی ' اس نے میری زندگی برباد کر دی ' اور اب بھی وہ آپ سب کو معصوم لگتا ہے۔" زور سے نیپکن پرے ہٹایا۔

"تو پھر تم اس کے خلاف کیس خود کیوں نہیں لیتیں۔ اگر اتنا یقین ہے تمہیں اس کے مجرم ہونے کا؟"

"کیونکہ میں تکلیف میں ہوں اور میں اس تکلیف کو بڑھانا نہیں چاہتی۔ بیان دے دیا ' گواہی بھی دوں گی ' مگر آگے سرکار جانے اور فارس غازی۔" تلخی سے ' گویا جلتے دل سے کہتی اس نے آخر میں بہت دکھ سے ابا کو دیکھا۔ "اور کیونکہ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ندرت بھابھی کیوں آپریشن کے دن سے آج تک مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔ مجھے بار بار جھوٹا کہلوائے جانے کا شوق نہیں ہے۔"

موبائل اور پرس اٹھایا اور بڑبڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بابا جی ساری عمر کہتے رہے کہ وہ نہیں رکھتا تعلق تو میں کیوں رکھوں ' سوچ سوچ کر ایک دن ہم تنہا ہو جائیں گے۔"

"میں تنہا ہو چکی ہوں۔۔ تھینک یو ابا!" کاغذات سمیٹے ' پرس کندھے پہ لٹکایا اور کرسی پیچھے دھکیلی۔ انہوں نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اب کہاں جا رہی ہو؟"

"سعدی کی فیس جمع کروانی ہے۔"

اور وہ ایک دم لاجواب سے ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

"مگر۔۔ تم تو اس پہ غصہ تھیں زمر!"

"کیا مطلب ؟ ہاں ' مجھے اس پہ غصہ ہے ' لیکن آپ نے کیا سمجھا تھا؟ میں اس کی فیس جمع کروانا چھوڑ دوں گی۔ اوہ ابا!" کراہ کر ناگواری سے ان کو دیکھا۔ "وہ بچہ ہے ' میں نہیں۔" اور چیزیں لیے باہر نکل گئی۔ بڑے ابا نے ایک نظر ادھورے کھانے پہ ڈالی۔ یہ اگلے چار سال تک کے ' اکثر ادھورے رہ جانے والے کھانوں کا آغاز تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے تک اس نے ایک دو مزید کالز سنیں جو آفس سے تھیں۔

اس کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی۔ لب کاٹتے ہوئے پرسوچ نظروں سے سامنے دیکھتی رہی۔ چہرے پہ الجھن تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ہاشم کو کیسے ملیں میرے گواہ کی معلومات؟" اچنبھے سے وہ بڑبڑائی۔ کچھ دیر بیٹھی سوچتی رہی ' پھر ایک دم چونکی۔ بے اختیار موبائل کو دیکھا۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔ پھر غصہ۔

ہاشم کا نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔ لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

"ہیلو میڈم پراسیکیوٹر! مجھے کیسے یاد کیا اتنے دنوں بعد؟" وہ ہمیشہ کی طرح خوشگوار سا بولا تھا۔

"بہت مبارک ہو۔ آپ نے نعمان اکرم بنام افضل کاٹھیاواری کو یعنی میرے کیس کو خراب کر دیا ہاشم!"

"اوکے لو، میں نے کیا کیا ہے؟"

"میری سرجری سے پہلے آپ نے مجھ سے میرا فون لیا تھا' فارس کی کال ریکارڈز وغیرہ کے لیے' مگر درحقیقت آپ نے اس میں سے میرے گواہ کا نمبر اور پتا نکالا' اسے ٹریس کیا' اس کا پیسے یا فیورز دے کر منہ بند کروایا اور گواہی بدلوا دی۔ تھینک یو سو مچ ہاشم!" ضبط کرتے کرتے بھی آواز بلند ہو گئی۔

"آپ کو لگتا ہے کہ آپ اندر آپریشن ٹیبل پہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوں گی اور میں باہر آپ کے فون کا غلط استعمال کر رہا ہوں گا؟"

"آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے میرے فون سے اس کا نمبر نہیں لیا؟"

"نہیں۔۔۔ میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے ڈاکٹرز کے باہر آجانے اور آپریشن کی کامیابی کی اطلاع ملنے تک آپ کا فون کھولا بھی نہیں تھا۔ ہاں جب آپ کو ہوش آگیا' تب لیا تھا میں نے نمبر۔" وہ مزے سے بولا تھا۔

"او! آپ کی انسانی ہمدردی!" تھک کر گہری سانس لی۔ "اور جب آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ کو میری بات پہ یقین ہے تو مجھے لگا کہ آپ بدل گئے ہیں' مگر نہیں' آپ آج بھی ویسے ہی ہیں۔"

"سو تو ہوں۔ سی یو ان کورٹ۔ تب تک آپ کوئی نیا گواہ تیار کریں۔" محظوظ سا کہتے ہوئے اس نے کال بند کی اور زمر نے "اُف" کر کے جھرجھری لی۔ ابھی فون رکھا ہی تھا کہ وہ دوبارہ بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر زمر کے ابرو تن گئے۔ ناگواری سے اس نے کال اٹھائی۔

"میڈم! آپ سے ایک۔۔۔"

"میرا جواب ناں میں ہے۔ اپنے کلائنٹ فارس غازی سے کہیے کہ بار بار مجھ سے ملاقات کے لیے اصرار نہ کیا کرے۔"

"آپ صرف ایک دفعہ اس سے مل کر تسلی سے اس کی بات سن لیں۔ اس کا پوائنٹ آف ویو بھی تو جاننے کی کوشش کریں۔ ایک وکیل کی حیثیت سے آپ کو کیس کے دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالنی چاہیے۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ میں اس کیس کی وکیل نہیں ہوں۔۔۔ پراسیکیوٹر' نہ ڈیفینڈر۔ میں اس کیس کی Victim ہوں اور وکٹم کے لیے کوئی دوسری سائیڈ نہیں ہوتی۔"

"اوکے' لیکن ایک دفعہ اس کی بات سننے میں کیا حرج ہے؟" وہ نرمی سے سمجھانے لگے۔ زمر نے بات کاٹ دی۔

"میں ضرور سنتی اگر وہ کہتا کہ کسی نے اس سے گن پوائنٹ پہ کال کروائی ہے' تب میں اس کو بے گناہ بھی تصور کر سکتی' مگر جب وہ سرے سے ہر چیز سے انکاری ہے' جب وہ مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے تو میں کیوں سنوں؟"

"مگر ایک وکیل کی حیثیت سے۔۔۔"

"کیا وکیل وکیل کی رٹ لگا رہے ہیں آپ؟ جب ایک وکیل کی حیثیت سے اس کی منت کی تھی کہ اس کا کیس لڑوں گی اور وہ مجھے نہ مارے' تب اس نے سنی تھی میری بات۔ آئندہ مجھے فون مت کیجیے گا۔" اور کھٹ سے کال کاٹ دی۔

☼ ☼ ☼

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے

جیل کے اس کمرے میں بچھی میز کے ایک طرف فارس تھا اور دوسری جانب حسین اور ندرت۔ وہ خاموشی سے بیٹھا تھا۔ پہلے والا تنتنا' اکڑ' غصہ سب ندارد تھا۔ اس کے برعکس کافی ڈھیلا لگ رہا تھا۔

"یہاں مت آیا کریں' وہ بھی حنہ کو لے کر۔ کتنی دفعہ بتاؤں' یہ کوئی ماحول ہے آنے والا؟" اس نے خفگی سے ندرت کو مخاطب کیا مگر انداز میں تھکان تھی۔

"سعدی واپس جا چکا ہے۔ شوہر میرا مر چکا ہے' ایک بھائی قتل ہو چکا ہے۔۔۔ ایک۔۔۔ اور کیا کروں؟" ندرت روہانسی ہو گئیں۔

"امی! آپ یہ میلوڈراما کافی دیر سے کر رہی ہیں، اب بس کردیں۔" وہ چڑ کر بولی تو دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"اتنی دیر سے سن رہی ہوں میں یہ باتیں۔ بس کریں آپ دونوں۔ اور امی! کرلیں نا آپ نے جو باتیں کرنی تھیں۔ اب باہر انتظار کریں۔ مجھے ماموں سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"

"تمیز نام کی چیز میری اولاد کو چھو کر نہیں گزری، تم گھر پہنچو، میں بتاتی ہوں۔" آنکھ کا کنارا صاف کرتی ندرت اس کو سخت سست سنا کر چلی گئیں تو وہ اثر لیے بنا سنجیدگی سے فارس کی طرف گھومی۔ دوپٹا سر پہ لیے عینک لگائے وہ خفا نظر آرہی تھی۔

"کیا آپ کی پھپھو سے بات ہوئی؟"

"نہیں۔ وہ ملنا نہیں چاہتیں۔" وہ میز پر رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ حنین اس کو دیکھتی رہی، یہاں تک کہ ایک پرانا منظر آنکھوں کے سامنے سے گزرا۔

چھوٹی حنین خفا اور خاموش سی باغیچے کے کونے میں بیٹھی تھی اور فارس اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

"اور پھر امی نے تمہیں ڈانٹا؟"

"صرف ڈانٹا؟ وہ تب سے مجھے ڈانٹ رہی ہیں، جب سے میں نے گملا توڑا ہے۔ میرا دل کر رہا ہے میں مرجاؤں۔" (اس عمر میں اسے مرنے کی بڑی فینٹسی ہوتی تھی۔)

"اور؟"

"اور کیا؟"

"اور کیا دل چاہ رہا ہے تمہارا؟"

"یہی کہ میں جنت میں چلی جاؤں، وہاں میرے پاس بڑا سا گھر ہو۔"

"اور؟" وہ نرمی سے پوچھتا جا رہا تھا اور وہ بتاتی جا رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" اس کی آواز پہ حنہ چونکی۔ وہ تکان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں نہیں کہتے وہ جو کہنا چاہتے ہیں؟ کب تک اپنی فیلنگز اور سوچ کو اندر دبا کر رکھیں گے؟ آپ کو پھپھو پہ غصہ ہے، تو کہہ دیں۔ جو بھی اندر ہے نکال دیں۔"

"ہاں۔ مجھے غصہ ہے اس پر۔ اس نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ... کہ میں۔" تلخی سے کہتے کہتے وہ رکا۔

"کہ میں؟"

"کہ میں کس تکلیف میں ہوں۔ جو مری ہے، وہ میری بیوی تھی اور مجھے بہت پیاری تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ میرے ساتھ کھڑی ہوتی اور میری بیوی کے قاتلوں تک پہنچنے میں میری مدد کرتی، وہ مجھ پہ الزام لگا رہی ہے۔ ہونہہ۔" مٹھیاں بھینچ کر کہتے اس نے سر جھٹکا۔

"اور؟"

"اور تمہیں پتا ہے جیل کیسی ہوتی ہے؟ تاریک اور خالی۔"

"اور؟" وہ سکون سے پوچھے گئی۔ فارس نے گہری سانس لی اور پھر سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔

"اور جب رات ہوتی ہے اور بتیاں بجھا دی جاتی ہیں، میں تب بھی سلاخوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں، اس حصے میں جہاں روشنی کی کرن صبح سب سے پہلے گرتی ہو۔ اس اندھیرے میں سب سے زیادہ زرتاشہ یاد آتی ہے۔ اس کو اندھیرے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ رات کو سوتے وقت بھی ڈریسنگ روم اور ٹیرس کی بتیاں جلا دیتی تھی۔" کہتے ہوئے وہ رکا۔ اب اس کا سر جھکا تھا، اور کہنیاں میز پہ رکھی تھیں۔ دونوں ہاتھوں سے پیشانی مسل رہا۔ حنین بس اسے دیکھے گئی۔

"اور؟" اس نے سر اٹھایا۔ تھکاوٹ سے چور آنکھوں سے بائیں جانب دیوار کو دیکھنے لگا۔ کچھ یاد آیا، چہرے پہ اداس سی مسکراہٹ ابھری۔ حنین نے عرصے بعد فارس کو مسکراتے دیکھا تھا۔

"وہ بہت پیاری تھی۔ حنہ! جب شادی ہوئی، مجھے پسند نہیں تھی وہ۔ امیچور اور بے وقوف لگتی تھی۔ مگر ایک دفعہ میں بیمار ہوا تو وہ رات بھر تک جاگتی رہی۔ ہاں، تب

اس نے اس رات بجھا دی۔ ساری بتیاں۔ کہیں میں ڈسٹرب نہ ہوں۔ اس دن سے وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ حنین! جب پولیس مجھ سے پوچھ گچھ کرنے آ رہی تھی، تب بھی وہ میرے ساتھ تھی۔ اسے یقین تھا میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔"

"اور؟"

"اور میں زمر سے مل کر اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ زرتاشہ کو وہاں کس نے بلایا تھا؟ اور یہ کہ اس نے آخری باتیں کیا کی تھیں؟ ریسٹورنٹ والے کہتے ہیں، وہ دونوں کافی دیر وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہی تھیں۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں صرف اس لیے نکلوانا چاہتا تھا کہ دیکھ سکوں، وہ ناراض تو نہیں لگ رہی تھی۔ میں کل پہ اس سے ٹھیک سے بات نہیں کر سکا تھا، مگر۔۔۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ "مگر ہر وہ فوٹیج جو میرے لیے ضروری تھی، وہ غائب ہے۔"

"نہ صرف ریسٹورنٹ کی فوٹیج، بلکہ وارث ماموں کے قتل کی رات ہوٹل انٹری اور ایگزٹ کی فوٹیجز بھی غائب ہیں۔ فائرنگ والے دن اتفاق سے اسی فلور کے کیمرے خراب تھے، مگر ابھی آپ کے نام تھا، جو ریسپشنسٹ اس وقت ڈیسک پہ تھی، جب اس کمرے کی چابی لی گئی، وہ بھی غائب ہے۔ آپ کو بری طرح پھنسایا گیا ہے ماموں! اس سب میں۔" وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے اداسی سے کہہ رہی تھی۔

"مگر زمر ان تمام واقعات کو کیوں نہیں دیکھتیں؟ کیوں میری بات نہیں سنتیں کہ مجھے اس میں پھنسایا جا رہا ہے۔"

"وہ کہتی ہیں ایک انٹیلی جنس آفیسر کو کون ٹریپ کر سکتا ہے؟"

"کیسے نہیں ٹریپ کر سکتا؟ یہ ہاشم کا سیکیورٹی آفیسر خاور، یہ بھی پہلے ایک ایجنسی میں تھا، پھر کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں نکالا گیا۔ ہاشم نے اس کا کیس لڑا اور اس کو بری کروا کر اپنے پاس رکھ لیا۔"

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ وہ کافی دیر سے بول رہا تھا اس لیے اب تھک چکا تھا۔

"آپ کے ایجنسی کے دوست سینئرز... کوئی نہیں ہے جو ہماری مدد کر سکے؟"

"حنین! یہ ایجنسیاں تب تک ساتھ دیتی ہیں، جب تک آپ ان میں شامل ہیں۔ جب نکال دیے جاؤ تو سب ختم۔"

"مگر آپ کا کون دشمن ہو سکتا ہے؟ کسی پہ تو شک ہو گا آپ کو۔"

"دشمن تو بہت ہیں۔ کتنے کیسز دیکھے، یاد بھی نہیں۔ مگر یہ میرے دشمن نے نہیں کیا۔ یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اور..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ آنکھوں میں چبھن سی ابھری۔

"اور؟" حنین نے بغور اس کو دیکھا۔

"مجھے ہاشم پہ شک ہے۔"

"اوہ..." حنہ گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی۔

"مجھے معلوم ہے جو آپ نے بھائی سے کہا اور ہاشم بھائی نے سن لیا، وغیرہ وغیرہ۔ ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔ آپ کی جگہ یہاں ہاشم بھائی کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی۔" اس نے مسکرا کر آنکھیں بند کر کے جیسے مزا لیا۔ "مگر ابھی آپ نے کہا کہ یہ سب کرنے والا آپ کا نہیں، وارث ماموں کا دشمن ہے۔ تو ہاشم بھائی کی ان سے کیا دشمنی؟ اور ویسے وہ قاتل لگتے تو نہیں ہیں۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہاشم نے قتل کروائے ہیں۔ مگر مجھے اس میں وہ پھنسا سکتا ہے۔ سب سے بڑی بات۔ میری کار میں جو بھی ڈالا گیا، سو ڈالا گیا، مگر جس صبح میں اور تم علیشا کے پاس ہوٹل گئے تھے، تب پیچھے سے میرے گھر کی بیسمنٹ سے میری گن چرائی گئی۔ نہ کوئی لاک ٹوٹا، نہ دروازہ۔ اتنے گارڈ، سیکیورٹی چیک پوائنٹس اور سی سی ٹی وی کیمروں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کیسے میرے گھر میں داخل ہو سکتا ہے اگر ہاشم اس کی مدد نہ کرے تو؟"

"خیر جھول تو ہر سیکیورٹی سسٹم میں ہوتے ہیں۔ جب لوگ پینٹاگون پہنچ سکتے ہیں، تو کاردارز کا قصر کیا چیز ہے؟" حنین کو بات دل کو لگتی ہوئی نہیں لگی تھی۔

"اور ہاشم کا بس؟ وہ کیوں چلی گئی؟"

"بتایا تو تھا، وہ میری وجہ سے گئی۔ مجھ پہ غصہ جو تھا، وہی نکالا اس نے۔"

"اور اگر اس کو ہاشم نے ذرا دھمکا کر بھیجا ہو تو؟ حنین! میں اس آدمی پہ اعتبار نہیں کرتا۔ وہ صبح اٹھتے وقت آنکھ کھولنے سے پہلے جھوٹ بولتا ہے۔ اب یہ مت کہنا، وہ میرے لیے بہترین وکیل مقرر کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بہت مخلص ہے۔ تمہیں پتا ہے..." وہ بتاتے بتاتے رکا۔

"کہہ دیں۔ میں سن رہی ہوں۔ میں ہمیشہ سنوں گی۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

فارس نے سر اثبات میں ہلایا اور انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہم چھوٹے تھے تو ماموں ہم سب کے لیے کھلونے لائے۔ ہاشم کو ٹوائے پستول دیا، مجھے ٹوائے رائفل۔ ہاشم میرے پاس آیا اور کہا، تمہاری رائفل تو بالکل اچھی نہیں، اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ڈیڈ کو یہ واپس کر کے اس سے بہتر لے لیتا۔ میں یہ سن کر فوراً گیا اور ماموں کو وہ واپس کر دی۔ ماموں کو میرے رویے سے بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے ایک اور کھلونا مجھے تھما دیا اور وہ رائفل کافی دکھ سے سامنے کر کے پوچھا کیا کوئی یہ لے گا؟ ہاشم فوراً گیا اور بہت تابع داری سے وہ لے لی۔ بعد میں، میں نے پوچھا کہ اگر خود لینے کا دل تھا تو مجھے یہ سب کیوں کہا؟ تو وہ بولا، میں نے تو صبح سے تم سے بات بھی نہیں کی۔ اور آگے بڑھ گیا۔ اس دن میں اپنے ماموں کے دل سے اتر گیا اور ہاشم میرے دل سے۔"

"مگر ہم یہاں اصلی گنز کی بات کر رہے ہیں ماموں! ہاشم بھائی بڑے ہو کے کرپٹ اور جھوٹے بھی ہیں مگر ان کے پاس یہ سب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کوئی ایک بھی چیز آپ کے ماموں یا ان کے خاندان کو اس سب میں ملوث نہیں کرتی دکھائی دیتی۔ مجھے لگتا ہے، اورنگ زیب کاردار کے علی الاعلان آپ سے اظہار لاتعلقی کے باعث آپ ان سے ناراضی کی وجہ سے ایسا سوچ رہے ہیں۔"

"ہوں شاید۔" وہ پرسوچ نظروں سے دور دیوار کو دیکھتا نیم قائل ہو گیا۔ یا پھر اب بھی مشکوک تھا۔ اس کو خود نہیں معلوم تھا۔

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ صدا دینے والے نے صدا لگائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ستے چہرے کے ساتھ مسکرا دیا۔

"تھینک یو حنہ۔ دوسری دفعہ میری بات سننے کے لیے۔"

اور پہلی دفعہ کب تھا؟ حنہ کو یاد آیا۔ وارث ماموں کے قتل والی رات' ہوٹل میں جب اس نے ذکر کیا تھا۔ اس لونگ کا۔)

"میں ہمیشہ سنوں گی۔ چاہے پھپھو نہ بھی سنیں۔" وہ رکی' ذرا ہچکچائی۔

"جب آپ ان سے ملنا تو ان پہ غصہ نہ کرنا۔ وہ تکلیف سے گزری ہیں اور شاید ایسی تکلیف سے گزرنے کے بعد میں بھی یہی کرتی۔"

"یہی مسئلہ ہے حنین! کہ صرف وہی تکلیف سے نہیں گزریں۔"

"اپنا خیال رکھیے گا۔"

"سنو۔" وہ جا رہی تھی جب فارس نے پکارا۔ وہ بے اختیار مڑی۔

"جی؟"

وہ چند لمحے دیکھتا رہا' پھر آہستہ سے بولا۔ "میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ کیا تم لوگ مجھے یہاں سے نکال لو گے؟" بدقت یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں ڈھیروں بے بسی اور کرب در آیا تھا۔ حنین کو جھٹکا سا لگا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر۔

"کاش میں نجومی ہوتی۔" کہا اور باہر نکل آئی۔

فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ وہ ایک سرنگ کے اندر کھڑا تھا جہاں دونوں طرف اندھیرا تھا۔ اور دونوں طرف کا منہ بند تھا۔

☼ ☼ ☼

زمر سے بات کر کے ہاشم نے موبائل جیب میں

رکھا اور سامنے دیکھا۔ وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا تھا اور یہاں نشیب میں واقع فارس کا گھر نظر آتا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑے مگ سے کافی کی گھونٹ بھرتے ہوئے وہ ریلنگ پہ جھک کر' سوچتے ہوئے انیکسی کو دیکھنے لگا۔

جواہرات عقب سے چلتی اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"میرا خوف بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ سارا ڈراما اگر کھل گیا تو؟"

"کچھ نہیں ہو گا۔ صرف دو لوگ ہمارے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ فارس اور زمر۔ اب دونوں مصروف ہیں۔ فارس کا وکیل کیس کو لٹکاتا جائے گا۔ پیشی پہ پیشی۔ کمزور دفاع۔ اور اگلے آٹھ دس سال تو فارس جیل سے نہیں نکلنے والا۔" کہتے ہوئے رک کر' گھونٹ بھرا۔ جواہرات مضطرب سی اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

"رہی زمر۔ تو وہ اپنے علاج میں مصروف رہے گی۔ ہو سکتا ہے جلد ہی اس کی شادی ہو جائے تو وہ منظر سے بالکل آؤٹ ہو جائے۔"

کافی ختم کر کے مگ پیچھے میز پہ دھرا اور ریلنگ سے ٹیک لگا کر سینے پہ بازو لپیٹ کر اس کو مسکرا کر دیکھا۔

"اور زرتاشہ کا خاندان تو ویسے ہی فارس کو مجرم گردانتا ہے۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آنے والا۔"

"تم سعدی کو بھول رہے ہو۔"

"سعدی؟ وہ تو چھوٹا معصوم سا بچہ ہے۔ اس نے فارس کو مجھ پہ چھوڑ دیا ہے، دو سال تک تو وہ پڑھائی کے لیے انگلینڈ رہے گا، پھر وہیں جاب کرے گا، فیملی کو بھی وہاں بلا لے۔ باہر جا کر کون واپس آتا ہے۔ اس کی کیا فکر کرنی؟" لاپروائی سے ابرو اچکا کر وہ بولا تھا، جیسے اسے جواہرات کے ان وہموں پہ تعجب ہوا ہو۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اس نے بھی اچھی امید کرنی چاہی۔ پھر دونوں ساتھ جا کھڑے ہوئے اور ویران انیکسی کو دیکھنے لگے۔

آج، چار سال بعد... وہ انیکسی اتنی ویران نہیں تھی۔

اس کی بیسمنٹ میں دیوار پہ لگی تصویروں اور تراشوں کے سامنے فارس کھڑا تھا اور پیچھے کہیں سعدی بیٹھا چائے بنا رہا تھا۔

تراشوں کے اوپر چلتی چار سال پرانی فلم ختم ہوئی تو فارس چونکا۔ پھر ہاتھ میں پکڑے کپ کو دیکھا۔ وہ ہنوز گرم تھا اور وہ اتنا سفر کر کے واپس بھی آ گیا تھا۔ ذہن کی رفتار روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ تھی۔

"کچھ کھلائیں گے یا میں جاؤں؟" اپنا کپ خالی کر کے رکھتا سعدی اٹھا تو فارس چونک کر مڑا۔

جینز، جوگرز اور ٹی شرٹ میں ملبوس دراز قد لڑکا، چار سال قبل کے مقابلے میں زیادہ سنجیدہ، صحت مند اور بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ تول تول کر بولنے والا مگر اچھا بولنے والا...

"مرضی تمہاری۔" ایک گھونٹ بھر کر اس نے میٹھی چائے رکھ دی۔ پھر کچھ سوچ کر موبائل اور والٹ اٹھایا۔ "چلو ساتھ چلتے ہیں، کیا سے دو چار دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"جی مگر گھر میں پہلے دن جیسی خاطر نہیں ہو گی۔ بھنڈی بنا رہی تھیں امی۔ اب آپ دو ہفتے پرانے ہو چکے ہیں۔" سونف مٹھی میں بھر کر پھانکتے ہوئے وہ محظوظ سا کہتا سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ فارس تبصرہ کیے بغیر پیچھے آیا۔

جب کار وہ اس روش پہ لاتے ہوئے وہ کار دار قصر کے قریب ہونے لگے تو سعدی نے دیکھا۔

ہاشم اور سونیا اپنے گارڈ سمیت ابھی تک لان میں کھڑے تھے۔ اب کیم کی نوعیت بدل گئی تھی۔

"میں ایک منٹ ہاشم بھائی سے بات کر کے آتا ہوں!" وہ کار سائیڈ پہ روک کر باہر نکلا تو فارس نے بے زاری سے پیچھے سے پکارا۔ "جلدی آنا۔"

اسے آتا دیکھ کر ہاشم نے سونیا سے کچھ کہا، وہ سر ہلا کر ایک طرف کو چلی گئی۔ سعدی قدم قدم چلتا قریب آیا۔

"ہیلو سعدی!" ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

دونوں میں سے کسی نے مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"بس ایک بات کہنی تھی ہاشم بھائی۔" وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتا کہنے لگا۔ "شہرین چاہتی ہیں کہ میں آپ سے بات کروں، اس لیے کر رہا ہوں۔ آپ سونیا کو ان کے ساتھ جانے دیں۔ انہوں نے اپنی فلائٹ بھی آگے کروائی ہے۔"

"او کے میں اسے جانے دوں گا، ایک شرط پہ۔" سعدی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "اور وہ کیا ہے؟"

"جو تم نے مجھ سے چرایا تھا، وہ واپس کر دو، اور میں سونی کو شہرین کے ساتھ جانے دوں گا۔ ڈیل؟" جیب سے دایاں ہاتھ نکال کر ہاشم نے اس کی طرف بڑھایا۔

سعدی نے اس کی سرد مسکراہٹ کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ کو۔ فیصلہ کرنے کے لیے بس چند سیکنڈ تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے، جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔
سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ سعدی کو یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔
ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔
فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔
والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی، ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا

ہے بہانے سے پاس ورڈ حاصل کرکے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔
پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جاکر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔
چیف سیکیورٹی آفیسر خاور، ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے۔ جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم، خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتادیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔
نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔
بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہوجاتی ہیں۔
سعدی، حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر پر "آئس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہوجاتی ہے۔
اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فند سے زمر کی بات طے کردیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس پر کام کررہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کردیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضایع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کررہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کردیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔
زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔' زرتاشہ مرجاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کرسکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہوجاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً "بچ جاتی ہے" مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہوجاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔
حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے لینے کے لیے پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی اپیل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

آٹھویں قسط

میں غارت گر

تم ملو گے بہت سے زبردست لوگوں سے.....
بہ بانگ 'ناقابل برداشت لوگ'
جو زور و شور سے تمہاری زندگی میں
اپنا حق جماتے ہوئے داخل ہو جاتے ہیں۔
یہ ہے نشانی ایک غارت گر کی.....
غارت گر شکار کرتے ہیں نرمی، سکون، امن،
خوش خلقی، اور ہر اس مثبت چیز کا،
جو ان کو سونگھنے پہ کمزوری لگے۔
ہر خوش باش، پرسکون شے کو وہ
غلطی سے کمزور سمجھ لیتے ہیں۔
تمہارا کام ان کو بدلنا نہیں۔
تمہارا کام ان کو دکھانا ہے کہ
تمہاری نرمی اور امن پسندی کمزوری نہیں ہے۔
میں ہمیشہ نازک اور کمزور لگتا ہوں،
مگر بات یہ ہے کہ
میں نازک اور کمزور ہوں نہیں۔
میں نرم ہوں، مگر میں تمہیں دکھا سکتا ہوں کہ
نرمی میں بھی ایک زہر چھپا ہوتا ہے۔
میں ریشم کی مانند ہوں۔
لوگ ریشم کو کمزور سمجھتے ہیں،
مگر ایک ریشمی رومال بچا لیتا ہے انسان کو
بندوق کی گولی لگنے سے۔
بہت سے لوگ تمہیں کمزور سمجھ کر
تم سے دوستی کے خواہاں ہوں گے
غارت گروں کو درکار ہوتے ہیں ایسے دوست
جن پہ وہ حاوی ہو سکیں،
تاکہ ان کو اپنا آپ مضبوط اور اہم لگے۔
سچ تو یہ ہے کہ غارت گر میں نہ مضبوطی ہے نہ
ہمت۔
یہ تم ہو جو مضبوط ہو، اور ہمت والے ہو۔
میں نے بہت سے دوست کھوئے،
بوجہ اس کے کہ جب انہوں نے مجھے چیر پھاڑنا
چاہا۔
تو وہ ایسا نہیں کر سکے۔
اب وہ مجھے الزام دیتے ہیں دھوکا دہی کا۔
میں دھوکا نہیں دے رہا۔
میں تو بنا ہوں ریشم کا۔
وہی غلطی سے شرافت اور نرمی کو کمزوری گردان
لیتے ہیں۔
دنیا بھری پڑی ہے غارت گروں سے
سو میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میری طرح
بن جاؤ ریشم!"

(جوائے بیل)

اور وہ سعدی، جو ڈیڑھ برس سے ریشم بن چکا تھا، اس نے اپنے اچھے وقتوں کے غارت گر دوست کے بڑھے ہاتھ پہ چبھتی ہوئی نظر ڈالی اور فیصلہ کر لیا کہ اسے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"اور میں نے آپ سے کیا چرایا ہے بھلا؟"

"وہی جو تمہارے خیال میں پہلے میں نے تم سے چرایا تھا۔"

سعدی کا جبڑا بھینچ گیا، آنکھوں میں سختی در آئی۔

"آپ میرے خیالات کو نہیں جانتے۔ ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔"

کہتے ہوئے وہ مڑنے لگا، پھر ٹھہر گیا۔ دور کار میں بیٹھا فارس اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سعدی نے واپس دیکھا۔ ہاشم نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بدستور بڑھا رکھا تھا۔

"جلد ملتے ہیں۔ آپ کے آفس میں۔" اس نے ہاتھ ملا لیا اور فوراً سے واپس کھینچ کر پلٹ گیا۔ کار میں بیٹھتے ہی فارس نے سوال کیا۔

"کیا کہہ رہا تھا ہاشم؟"

اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے اس نے سر جھکائے ذرا سے شانے اچکائے۔

"کچھ خاص نہیں۔ آفس کا ایک کام تھا۔ وہی پوچھ رہے تھے۔" کار اسٹارٹ کر کے سر سیدھا کیا۔ فارس تو "ہوں" کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مگر سائیڈ مرر

میں ہاشم دور مسکراتے ہوئے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس نے کار کی رفتار تیز کی تو ہاشم پیچھے رہ گیا۔

(وہی جو تمہارے خیال میں 'میں نے تم سے چُرایا تھا۔ اف! اور یہ بات اسے کس نے بتائی ہو گی؟)

ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے اسٹیئرنگ پہ موبائل رکھا اور شہرین کا نمبر نکالا۔ کچھ غصے بھرا ٹائپ کرنے لگا' پھر ارادہ ترک کر دیا۔ یہ ٹیکسٹ پہ کرنے والی بات نہیں تھی۔

بُرے موڈ کے ساتھ اس نے رفتار تیز کر دی۔

کار اب دور جا چکی تھی۔ ہاشم آہستہ سے پلٹ آیا۔

لاؤنج میں مرکزی صوفے پہ جواہرات ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ اتوار کے باعث اسے آفس نہیں جانا تھا' مگر وہ پھر بھی ہمیشہ کی طرح تروتازہ اور تیار تھی۔ وہ قریب صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھ لیے اور انگلی سے ٹھوڑی مسلتا' پُرسوچ نظروں سے سامنے دیکھنے لگا۔

جواہرات نے موبائل سے نگاہ اٹھائی۔

"پریشان لگ رہے ہو۔"

"نہیں تو۔" وہ چونکا۔

"کچھ تو ہوا ہے۔" وہ پھر سے موبائل پہ انگلی سے صفحہ اوپر کرنے لگی۔

"نہیں بس..... ابھی سعدی سے ملاقات ہوئی۔ وہ فارس سے ملنے آیا تھا۔"

"اور تمہیں یہ بات ڈسٹرب کر رہی ہے کہ سعدی سب جانتا ہے؟"

"کیا نہیں کرنی چاہیے؟" اس کا موڈ بگڑا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب ہمارا وہم ہو۔ فارس کے لیے کوشش کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ سب جانتا ہو۔"

مگر ہاشم نے سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"اونہوں۔ وہ جانتا ہے کہ یہ میں نے کیا ہے' مگر چونکہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے' اس لیے وہ برملا اظہار نہیں کر پا رہا۔ وہ فارس تک کو کچھ نہیں بتا رہا' اس کو دکھانے کے لیے اس نے مجھ سے ہاتھ بھی ملا لیا۔"

جواہرات نے موبائل پرے ڈال دیا اور چہرہ اٹھا کر بے چینی سے ہاشم کو دیکھا۔

"تو اب کیا ہو گا؟"

"سعدی کو میں سنبھال لوں گا' وہ ابھی بھی وہی معصوم بچہ ہے' مگر سوال یہ ہے کہ جب اس کے ہاتھ ثبوت نہیں لگا تو اسے کیسے علم ہوا؟" الجھ کر کہتے ہوئے اس نے ماں کو دیکھا۔ "میں پچھلے ایک ہفتے سے' جب سے وہ میری پارٹی پہ میرے کمپیوٹر سے ڈیٹا چُرا کر گیا ہے' یہی سوچ رہا ہوں۔ میں نے بنا جھول کے پلان کیا تھا سب' ہر شے ٹھیک تھی' چار سال پہلے تک اسے نہیں پتا تھا کچھ۔ پھر دو سال وہ انگلینڈ میں رہا' واپس آیا تب بھی اسے کچھ نہیں پتا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا ڈیڈ کی ڈیتھ کو؟"

"ایک سال پانچ ماہ۔" جواہرات بے اختیار بولی' کرب سا ہر جگہ پھیل گیا۔

"ہوں۔ کل رات جب میں سعدی کی بہن سے بات کر رہا تھا فنکشن پہ' تو مجھے احساس ہوا کہ ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد سے وہ لوگ ہمارے گھر نہیں آئے۔ سونیا کی پچھلی برتھ ڈے پہ بھی نہیں آئے تھے۔ اگر میں اس دفعہ زمر سے نہ کہتا تو وہ اب بھی نہ آتے۔" جواہرات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"تمہارے باپ کی ڈیتھ سے چند دن پہلے سعدی نے فارس کا وکیل بدل دیا تھا اور اس نے تمہارے باز پرس کرنے پہ تم سے کافی بدتمیزی بھی کی تھی' یاد ہے؟ ہو سکتا ہے وہ اس رویے پہ شرمندگی کی وجہ سے نہ آیا ہو۔"

"یا پھر....." ہاشم ایک دم سیدھا ہوا' وہ بری طرح چونکا تھا۔ "یا پھر اس نے وکیل تب بدلا' جب اسے ساری حقیقت کا علم ہو گیا تھا۔ کیا وہ..... وہ ڈیڑھ سال سے جانتا ہے یہ سب؟" اسے بے یقینی سی محسوس ہوئی۔

"اگر وہ اتنے عرصے سے جانتا ہے تو اب تک چپ

کیوں تھا؟"

"وہ چاہتا تھا پہلے فارس باہر آجائے اور پھر وہ میرے پیچھے آئے۔ مگر... اسے کیسے پتا چلا ممی؟" یہاں آکر ہاشم کا سارا دماغ الجھ جاتا۔ وہ چاہ کر بھی اس سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔ کب غلطی ہوئی؟ کدھر غلطی ہوئی اور وہ ریشم بن گیا؟

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے اور پھر سے موبائل اٹھالیا۔ "کیا میں نے تمہیں نئی خبر دی کہ زمر فارس کے خلاف کچھ کرنے جا رہی ہے۔"

سوچ میں الجھا ہاشم چونکا۔ "نئی پٹیشن (مقدمے کی درخواست)؟"

"اونہوں۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "اس کا دماغ درست ہے؟"

"وہ اس سے انتقام کے لیے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"اور یہ سب اس نے آپ کو کیوں بتایا؟"

"کیونکہ میں ہی اس کی مدد کر سکتی ہوں۔" جواہرات نے محظوظ انداز میں شانے اچکائے۔ ہاشم کے تاثرات بگڑے۔

"انتقام کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں' اسے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"شاید اس کے منصوبے کے مطابق ان کے درمیان میریج کانٹریکٹ ہونا ضروری ہو۔ خیر میرے لیے یہ بات تشفی کا باعث ہے۔ اب ہمیں فارس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں' اس کے لیے زمر کافی ہے۔"

مگر ہاشم بے چینی سے آگے کو ہوا۔

"اول تو فارس اس سے شادی نہیں کرے گا اور اگر کرلی تو بھی کیا گارنٹی ہے کہ وہ اس سے انتقام لے گی؟ اگر اسے سب حقیقت معلوم ہو گئی' اور وہ جان گئی کہ فارس بے گناہ ہے تو؟"

"وہ کبھی نہیں جان پائے گی۔ وہ اس سے نفرت کرتی ہے۔"

"اور اگر نفرت مر گئی تو؟... اگر انہیں ایک دوسرے سے محبت ہو گئی' اور وہ مل کر ہمارے خلاف کھڑے ہو گئے تو؟"

جواہرات نے سرد سانس خارج کر کے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں کہ شادیاں محبت سے خالی ہوا کرتی ہیں۔"

ہاشم کی آنکھوں میں چھائی بے چینی' کرب میں بدل گئی۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے آہستہ سے سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے اسی جبری مسکراہٹ کے ساتھ اسے سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھا اور پھر ہلکا سا سر جھٹکا۔ آنکھ کا کونا' انگلی کی نوک سے پونچھا۔ موبائل پرے ڈال دیا اور گردن موڑ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

وہاں اتوار کی صبح اب باسی ہو کر دوپہر میں بدل رہی تھی۔ سبزہ اور ملازموں کی چہل پہل' سب یہاں سے دکھائی دیتا تھا' مگر وہ یہ سب نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ اور یاد آرہا تھا۔

ہاشم نے کہا' سعدی ڈیڑھ سال قبل' سونیا کی سالگرہ سے پہلے' صرف آخری دفعہ ان کے گھر آیا تھا۔ ہاشم نہیں جانتا تھا کہ سعدی نے وہاں آنا کیوں چھوڑا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی اور یہ بھی کہ وہ ہاشم کو کبھی نہیں بتائے گی۔

جواہرات نے سر جھٹکا۔

☼ ☼ ☼

وقت کے کتنے دھاروں سے گزرنا ہے ابھی
زندگی ہے تو کئی رنگ سے مرنا ہے ابھی

سعدی کے جانے کے بعد سے اتوار کے ناشتے کے برتن یونہی میز پہ رکھے تھے۔ صداقت نجانے کن کاموں میں مصروف تھا۔ زمر نے ٹی وی دیکھتے ہوئے اسے آواز دی اور پھر چائے کا کپ اٹھالیا۔ دفعتاً محسوس ہوا' بڑے ابا مسلسل اسے دیکھ رہے ہیں مگر وہ ٹی وی کی طرف دیکھتی رہی۔

"کیسی رہی شادی؟"
نگاہیں اسکرین پہ جمائے، زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔
"یہ تو چند برس بعد پتا چلے گا کہ کیسی رہی شادی!"
"تم ٹھیک ہو؟" وہ اس کی خوابیدہ آنکھوں کو تفکر سے دیکھ رہے تھے۔
"ہمیشہ سے بہتر۔" آخری گھونٹ کپ اونچا کر کے اندر انڈیلا اور پھر کپ ان کو دکھا کر ہلکا سا مسکرائی۔
"ایک بات پوچھوں ابا؟"
"تم کب سے تمہید باندھنے لگیں؟"
"جب سے یہ معلوم ہوا کہ مجھے بہت کچھ معلوم نہیں تھا۔" مسکراتی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھیں مگر وہ ضبط کر کے ان کی طرف پوری گھوم گئی۔
"ابا! کبھی فارس نے میرا رشتہ مانگا تھا؟"
بڑے ابا کے لیے سوال غیر متوقع تھا۔ وہ چونک گئے، کچھ کہنے کی کوشش کی مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ پراسیکیوٹر بھوری آنکھیں سکیڑ کر غور سے ان کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔
"آپ نے انکار کیوں کیا؟"
"بس یہی لگا کہ تمہارا اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔"
"کس کو لگا؟ آپ کو یا امی کو؟"
"ہم دونوں کو۔" احتیاط سے الفاظ کا چناؤ کیا۔
"مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتی سوال پہ سوال کر رہی تھی۔
"جب رشتہ نہیں کرنا تھا تو بتانے کا فائدہ؟"
"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے فارس کو گھر بلا کر انکار کیا تھا اور بے عزتی بھی کی تھی؟"
"ہرگز نہیں فرحانہ نے ندرت کو فون پہ انکار کیا تھا' گھر بلانے والی بات کس نے کہی؟" ان کو شدید حیرت اور صدمے کا جھٹکا لگا۔ زمر کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ آئی۔
"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ دونوں نے انکار کیا تھا؟"
بڑے ابا لمحے بھر کو چپ رہ گئے۔ وہ اب ٹھوڑی ہتھیلی پہ رکھے، دلچسپی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ کتنی دفعہ کی کی گئی خواہش انہوں نے دل میں دہرائی۔ کاش اس لڑکی کو وکیل نہ بنایا ہوتا۔
"اب دیر ہو گئی ہے، انکار مت کیجئے گا۔ آپ کی مرضی کے برخلاف انکار کیا امی نے، آپ صرف ان کے لیے میرے دل میں کوئی برا خیال نہ لانے کو کہہ رہے تھے۔ کیوں کہ آپ مجھ سے ڈسکس کیے بنا کبھی انکار نہ کرتے۔"
"تمہاری امی نے..."
"اچھا فیصلہ کیا میرے لیے، مجھے پتا ہے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔ میں تو بس یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ کیا انہوں نے میرا نام لے کر انکار کیا؟" وہ ریموٹ اٹھا کر اب ٹی وی کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔ بڑے ابا ہنوز تفکر سے اسے دیکھ رہے تھے۔
"تمہیں کس نے بتایا؟"
"حنین نے۔ اس کے خیال میں انکار میں نے کیا تھا۔"
"تم نے تصحیح نہیں کی؟"
"جب خیالات ذہن میں اتنے راسخ ہو چکے ہیں تو محض الفاظ سے ان کی نفی کر دینے کا کیا فائدہ؟" وہ چینل بدلتے ہوئے گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ "نہیں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ فارس شاید اتنا بھی برا نہیں جتنا میں سمجھتی تھی۔"
بڑے ابا نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا کوئی بات ہوئی ہے؟"
"کوئی خاص نہیں۔ میں فارس کی کیس فائلز پڑھ رہی تھی' یہ دیکھنے کے لیے کہ جج نے کیوں اس کو بری کیا؟ مگر جج حق بجانب تھا' کوئی بھی چیز اس کو مجرم ثابت نہیں کرتی۔" سرسری سے انداز میں کہتی وہ رک کر کوئی ہیڈلائن پڑھنے لگی۔
"اور تم پھر بھی اس کو مجرم گردانتی ہو؟"
"ہو سکتا ہے میں غلط ہوں۔ یہ سب ایک سیٹ اپ ہو۔ شاید۔" اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔
بڑے ابا حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

"تمہارے خیالات اتنی جلدی نہیں بدل سکتے۔ کوئی اور بات ہے، ہے نا؟"

"میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کرلیا ہے ابا۔ وہ مجرم ہے یا نہیں، مجھے فرق نہیں پڑتا اب۔ میں مزید اپنے دکھوں اور محرومیوں کا قصور وار اسے نہیں ٹھہراؤں گی۔ میں سعدی سے دوبارہ ملنے لگی ہوں، خاندان کی تقریبات میں جانے لگی ہوں، آپ یہی چاہتے تھے اور اگلا قدم۔۔۔" اس نے گردن پھیر کر ان کو سنجیدگی سے دیکھا۔ "آپ کہیں گے کہ میں شادی کرلوں۔"

"میں چار سال سے یہ کہہ رہا ہوں۔"

وہ چند لمحے ان کو تکتی رہی، پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ نرمی سے آمن سے۔

"او کے۔ میں کرلوں گی۔ جب آپ کہیں، جس سے آپ کہیں، لیکن اس دفعہ مجھ سے پوچھے بغیر آپ کسی کو انکار یا اقرار نہیں کریں گے۔" اور یہ کہہ کر وہ پرسکون سی اٹھ آئی۔ بڑے ابا شل سے بیٹھے رہ گئے۔ کتنی دیر تو ان کا ضعیف دماغ الجھتا رہا، پھر حیرت کی دھند چھٹی۔ امید کی کرن چھلکی۔

زمر نے بہت لمبے عرصے بعد سہی، ان کی بات مان لی تھی۔ سعدی لوگوں سے "صلح" اس کے لیے خوش آئند ثابت ہوئی تھی۔

وہ خوش گوار سی حیرت میں گھرے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اپنی خوشی کس سے شیئر کریں۔ پھر جلدی سے فون اٹھایا۔ انہیں ندرت کو بتانا تھا۔

لفظوں کو اس نے جھوٹ سکھایا کچھ اس طرح
ساری علامتوں سے معنی بھی لے گیا

اتوار کی دوپہر قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔ سنہری دھوپ نے ندرت کے ریسٹورنٹ کے شیشے کی دیواروں کو چمکا رکھا تھا۔ ندرت کچن میں، آستین چڑھائے، مصروف سی کھڑی، لڑکوں کو ہدایات دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی چولہوں پہ پکتے پکوانوں کو دیکھ لیتیں۔ ان کاموں کے دوران انہوں نے دو فون اٹینڈ کیے تھے۔ ایک سعدی کا کہ وہ فارس کے ساتھ گھر پہنچ چکا ہے، جس پہ ندرت نے کھانا بھجوا دیا، خود وہ کسٹمرز کی وجہ سے جانے سے قاصر تھیں۔ اور دوسرا بڑے ابا کا۔ وہی پرانی بات۔ زمر کی شادی۔ البتہ اب کے ایک شے کا اضافہ ہوا تھا۔ زمر مان گئی تھی اور اب وہ چاہتے تھے کہ ندرت اس سلسلے میں ان کی مدد کریں۔ ندرت تب سے یہی سوچ رہی تھیں۔ رشتہ داروں میں کون سی جگہ بات چلائی جاسکتی ہے۔

تب ہی کاؤنٹر والا جنید اندر آیا۔

"آنٹی!" (وہ سب ندرت کو آنٹی کہتے تھے) "کوئی مسز کاردار آئی ہیں، آپ کا پوچھ رہی ہیں۔"

"مسز کاردار۔ اوہو۔" وہ جلدی جلدی ہاتھ دھو کر، کیپ اتارتیں، دوپٹا درست کرتیں باہر آئیں تو شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے سیدھے بھورے بالوں والی جواہرات بیٹھی تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف آئیں۔

"سوری، میں بس کچن میں لگی تھی، آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" وہ اس سے مل کر خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہی تھیں۔ جواہرات اسی تمکنت سے بیٹھی مسکراتی رہی۔ نیوی بلیو لمبی قمیص اور سفید پینٹ پہنے، وہ بغیر میک اپ کے بھی کافی تروتازہ اور جوان لگتی تھی۔

"کیا آپ گھر گئی تھیں؟ مجھے بتایا ہوتا، میں ادھر ہی آجاتی۔" ندرت سامنے بیٹھتے ہوئے مزید فکر مند ہوئیں۔ مسز کاردار کی اب وہ کیا خاطر کریں، پہلی دفعہ جو آئی تھی۔

"مجھے کچھ بات کرنی تھی، اس کے لیے یہی جگہ درست تھی۔" کہہ کر وہ پہلے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ سعدی کی جاب، ریسٹورنٹ کا نفع نقصان، مالی مسائل تب ہی جنید جوسز لے آیا۔ جواہرات نے اسٹرالیوں سے چھو کر گھونٹ بھرا، پھر سیدھی ہو کر مسکراتے ہوئے ندرت کو دیکھا۔

"فارس ہم سب کی کوششوں سے باہر آچکا ہے، آپ یقیناً بہت خوش ہوں گی۔"

بات میں صداقت تھی یا نہیں، انداز ایسا تھا کہ ندرت نے احسان کے بوجھ تلے سر تسلیم خم کیا۔

"آپ کے ساتھ کا شکریہ!"

"اب آپ کو اسے نارمل زندگی کی طرف لانا ہو گا۔ دوبارہ شادی' نئی فیملی وغیرہ۔"

"ابھی تو۔۔۔" ہچکچائیں۔ "ابھی دو ہفتے تو ہوئے ہیں اسے رہا ہوئے۔"

"ہاں مگر زرتاشہ کی ڈیتھ کو تو چار سال ہو چکے ہیں۔ فارس مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اب تک اس صدمے سے نکل چکا ہو گا۔"

"یہ تو ہے۔"

"آپ کو شاید اب سعدی کی شادی کی فکر ہو گی' اوہ! اور ایسا کرتے ہوئے آپ اپنے بھائی کو بھول گئیں۔" مسکرا کر اسٹرا گلاس میں ہلاتے ہوئے وہ نرمی سے ٹوک گئی۔ تو ندرت کو ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا۔

"نہیں نہیں' فارس کی شادی میرے ذہن میں تھی' میں بس چاہتی تھی کہ وہ ذرا سیٹل ہو جائے اور پھر۔۔۔ وہ مان بھی جائے۔"

"وہ تو مان جائے گا' کون اپنی زندگی کی نئی شروعات نہیں کرنا چاہتا؟ اوہ آئی سی۔ آپ کو یقیناً" خاندان والوں کی پریشانی ہو گی۔" سر اثبات میں ہلاتے اس نے ایک اور گھونٹ بھرا۔ ندرت کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

"خاندان والے۔۔۔؟"

"وہ تو فارس کو قاتل سمجھتے ہیں نا۔ وائف کلر' چچ چچ مگر لوگوں کا کیا ہے' وہ تو زمر کی وجہ سے ایسا سمجھتے ہیں۔ زمر کی اہمیت ہے خاندان میں' اس نے کہا کہ ایسا ہے تو ایسا ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں' کسی زمر جیسی لڑکی سے ہی فارس کی شادی کروا دیں' سارا مسئلہ حل۔" نزاکت سے شانے اچکا کر وہ اسٹرا گلاس میں گول گول گھما رہی تھی۔ مسکرا لگی' مسکراتی آنکھیں ندرت کے الجھے الجھے چہرے پہ جمی تھیں۔

"زمر جیسی لڑکی؟"

"سامنے کی بات ہے ندرت! لوگوں نے زمر کی بات زمر کی کریڈیبلٹی کی وجہ سے مانی۔ آپ کوئی اتنی ہی آن بان اور حیثیت والی لڑکی ڈھونڈیں' لوگوں کو فارس کی بے گناہی کا یقین آ جائے گا۔ وہ کہیں گے کہ اگر فارس برا تھا تو یہ رشتہ اس کو کیوں ملتا؟ ایسا نہ کیا تو کل رات فنکشن کی طرح آپ کئی سال لوگوں کو صرف جواب ہی دیتی رہیں گی۔"

ندرت کے چہرے پہ اداسی بکھری۔ کل بھی کتنے لوگوں نے سوال کیا تھا۔ فارس کیا کبھی دوبارہ خاندان میں سر اٹھا کر جی سکے گا؟ ٹھوڑی جھکا کر وہ دل گرفتی سے بولیں۔

"پتا نہیں لوگوں کو کب یقین آئے گا کہ فارس بے گناہ تھا۔"

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں' اس کی شادی اور اس کی عزت' دونوں کا سوچیں۔" نرمی سے انگوٹھیوں والا ہاتھ ندرت کے سُوکھے' کملائے ہوئے ہاتھ پہ رکھا۔ ندرت نے آنکھیں اٹھا کر تشکر سے اس کو دیکھا۔

"میں بالکل ایسا ہی کروں گی۔ موقع دیکھ کر فارس سے بات کرتی ہوں۔"

"اب آپ کو ہی کچھ کر کے اس کو خاندان والوں کی نظر میں دوبارہ سرخرو کرنا ہے' کیوں کہ اب زمر تو ایک ایک سے نہیں کہے گی نا کہ اس کو فارس کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہے۔" سرسری سا کہتے ہوئے وہ موبائل نکال کر مسڈ کالز چیک کرنے لگی۔ ندرت نے بے حد چونک کر اسے دیکھا۔

"زمر نے۔۔۔ ایسا کب کہا؟"

"ایسا کیا مطلب؟" جواہرات نے الٹا حیرت سے ان کو دیکھا۔ "جج نے اس کو بری کر دیا' زمر قانون سے واقف ہے' وہ بھی کنوینس ہو گئی ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ میرے پوچھنے پہ اس نے خود اعتراف کیا تھا۔ اب فارس پہ شک کرنے کی وجہ کیا رہ جاتی ہے۔"

ندرت نے آدھی بات سمجھتے ہوئے باقی آدھی پہ الجھتے سر ہلا دیا۔ ان کا خیال تھا زمر ابھی تک اپنے بیان پہ قائم ہے مگر شاید وہ بدل رہی تھی۔ جواہرات نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ارے' آپ بیٹھیں نا' جنید اسنیکس لا ہی رہا

تھا۔" وہ جلدی سے مڑ کر جنید کو پکارنے لگیں، مگر جواہرات نے انہیں روک دیا۔

"میں ڈائٹ پہ ہوں اور ریسٹورنٹس کے کھانے میں ویسے بھی نہیں کھاتی۔ تکلف نہ کریں۔"

ندرت کا جوش ماند پڑ گیا۔ خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"اس بات کو میرے اور آپ کے درمیان رہنا چاہیے۔ اگر فارس کو علم ہوا تو وہ میری ضد میں مانتے مانتے بھی انکار نہ کر دے۔"

"جی، بالکل!" ندرت سمجھ گئی تھیں اور اب وہ اسے کار تک چھوڑنے باہر جا رہی تھیں۔ ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان ابھر ابھر کر آ رہے تھے۔

زمر جیسی لڑکی... زمر جیسی لڑکی؟

☆ ☆ ☆

پتے کی بات بھی منہ سے نکل ہی جاتی ہے
کبھی کبھی کوئی جھوٹی خبر سناتے ہوئے

دوپہر اب سہ پہر میں بدل رہی تھی۔ چھوٹے باغیچے والے گھر میں کھانا سیر ہو کر کھا چکنے کے بعد غنودہ فضا چھائی تھی۔ حنین لاؤنج میں ڈائجسٹ لے کر، صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی تھی اور سیم گول میز سے برتن اٹھاتے ہوئے خفگی سے کہہ رہا تھا۔

"کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو کتو۔" مگر وہاں سن کون رہا تھا؟ فارس ہاتھ دھو کر ادھر آیا تو حنہ ہنوز رسالہ پڑھنے میں مگن تھی۔

"دروازہ لاک کر لو، میں جا رہا ہوں۔ امی کو بتا دینا، پھر آؤں گا۔"

حنہ نے رسالہ رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ پورے آستین کی شرٹ اور جینز میں ملبوس فارس آنکھوں میں کافی اکتاہٹ لیے، بات کرنے کے ساتھ کال بھی ملا رہا تھا۔

"بھائی کہاں ہے ماموں؟"

"اپنے کمرے میں۔" وہ راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے موبائل کان سے لگا رہا تھا جس وقت وہ باہر نکلا اور حنین دروازہ بند کرنے گئی فارس کے الفاظ سماعت سے ٹکرائے۔

"یار اسٹیپنی! کدھر ہو؟ اچھا سنو، ایک بندے کو چیک کر کے..." دروازہ بند ہوا تو آواز کا راستہ رک گیا۔ وہ لاک کر کے واپس آئی اور بھائی کے کمرے کے پاس رکی۔ ذرا ہچکچا کر بند دروازے کو دیکھا پھر دستک دی۔

وہ جو کمپیوٹر چیئر پہ بیٹھا موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا، چونک کر سر اٹھایا اور پھر موبائل رکھتے ہوئے مسکرایا۔

"آؤ حنہ! میں تمہارے پاس ہی آنے لگا تھا۔"

"مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا بھائی!" انگلیاں مروڑتی حنین نے خشک ہوتے گلے کے ساتھ الفاظ جمع کرنے چاہے۔ کیسا لگے گا کہنا، میں چٹننگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی اور پھر میں نے ہاشم بھائی کو بلا لیا۔ دونوں فقروں میں سے کس فقرے پہ اس کا اعتبار ٹوٹے گا؟

ظاہر ہے پہلے پہ۔ ہاشم کو کسی اور چیز کے لیے بلایا ہوتا تو خیر تھی، مگر چٹننگ... وہ کیسے بتائے؟

"ہاں بولو۔" وہ متوجہ ہو کر سن رہا تھا۔ حنین نے لب کھولے، پھر ایک دم خیال آیا۔

"آپ میرے پاس کیوں آنے لگے تھے؟"

"وہ... مجھے ایک کام تھا۔" کہتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھی فلیش ڈرائیو اٹھائی، لبوں پہ زبان پھیری اور ہمت مجتمع کرتے ہوئے چہرہ اٹھایا، پھیکا سا مسکرایا۔

"یہ کچھ ڈاکومنٹس میں Decrypt کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر..." احتیاط سے تول تول کر الفاظ ادا کیے۔ "یہ میری قابلیت سے اوپر کی چیز تھی۔ میں اس کو ٹھیک سے آپریٹ نہیں کر پایا اور فائل کرپٹ ہو گئی ہے۔ کیا تم کسی طرح اسے ری کور کرنے میں میری مدد کر سکتی ہو؟"

حنین بنا پلک جھپکے چند ثانیے فلیش کو دیکھتی رہی، پھر نظریں اٹھائیں۔ آنکھوں میں صدمہ اور خفگی در آئی تھی۔

"حنہ، پلیز، صرف تھوڑی سی ہیلپ کر دو۔"

حنین کی گردن نفی میں ہلی، وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ شکوہ

کنال آنکھیں بدستور سعدی پہ جمی تھیں۔
"کسی کے ڈاکومنٹس کو آپ کھولنے کی کوشش کررہے ہیں اس کا تعلق آپ کے آفس سے ہے یا نہیں، مجھے نہیں پتا' مگر یہ غلط ہے۔ غیر قانونی ہے۔ اور میں ایسے کام نہیں کرتی۔" سعدی نے گہری سانس خارج کرکے آنکھیں بند کیں۔ پھر کھولیں تو وہ چوکھٹ تک پیچھے ہٹ چکی تھی۔
"ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے اور وہ ہم خود ہوتے ہیں۔ تم کبھی بھی اس فیز سے نہیں نکلوگی۔ اگر تم اپنی خود مدد نہیں کروگی۔"
"میں کسی فیز میں نہیں ہوں، میں ٹھیک ہوں، پہلے جیسی۔"
سعدی نے نفی میں سرہلایا۔ فلیش رکھی۔ اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ ابھی تک ابرو بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔
"تم بدل گئی ہو۔ ایک وقت تھا تم ہمارے خاندان کا سب سے پُراعتماد اور بولڈ بچہ تھیں۔ اب تو تم نے خود کو بالکل عام لڑکیوں جیسا بنالیا ہے۔"
حنین کے چہرے پہ تاریک سایہ لہرایا' مگر وہ گردن اکڑا کر بولی۔
"میں نہیں بدلی۔ اور میں اس سب میں آپ کی مدد نہیں کروں گی۔ یہ غیر قانونی ہے۔"
"ہاں' سارے قانون دان میرے ہی خاندان میں پیدا ہونے تھے۔" وہ سوچ کر رہ گیا' کیوں کہ حنہ اب مڑ کر جارہی تھی۔ اس کے کان سرخ تھے اور آنکھوں میں شدید بے بسی بھرا غصہ تھا۔ بھائی جانتا تھا وہ اب کمپیوٹر استعمال نہیں کرتی' اس نے ڈیڑھ سال پہلے لاؤنج کی کمپیوٹر چیئر بھائی کے کمرے میں شفٹ کردی تھی۔ کمپیوٹر اچھے نہیں ہوتے' اور اس کے لیے تو بالکل بھی نہیں' سو وہ کس طرح ایسی بات کہہ سکتا تھا؟
"پتا ہے آج مجھے زمر نے کیا کہا؟" وہ جاتے جاتے رکی۔
"یہ کہ انہیں ماموں کی بے گناہی کا یقین آگیا ہے۔ وہ اپنے تمام الزامات واپس لیتی ہیں۔" وہ کہتے ہوئے خود بھی الجھا تھا۔ کچھ کھٹک رہا تھا۔ حنین جھٹکے سے واپس پلٹی۔
"یہ پھپھو نے کہا؟"
سعدی نے اثبات میں سرہلا دیا۔ حنین کے لب بھینچ گئے۔ آنکھوں میں ناگواری در آئی۔
"تو آپ نے آگے سے کیا کہا؟"
"میں کیا کہتا؟"
"کم از کم اتنا تو پوچھ سکتے تھے کہ وہ جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟"
"جھوٹ؟" سعدی کا دھچکا لگا۔
"وہ جھوٹ بول رہی ہیں' وہ اتنی جلدی اور اتنے آرام سے اپنا ذہن نہیں بدلتیں' میں ان کو جانتی ہوں۔"
"زمر جھوٹ نہیں بولتیں۔"
"او کے مگر وہ وکیل ہیں' انہوں نے الفاظ کا محتاط چناؤ کیا ہوگا یقیناً" وہ اداکاری کررہی ہیں۔"
"تم اتنی جلدی ان کے بارے میں اتنی منفی کیوں ہوجاتی ہو حنہ' کیا پتا ان کو واقعی....." اسے دکھ ہوا تھا۔
"میں ان کو جانتی ہوں۔ وہ بغیر کسی وجہ کے اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتیں۔ پتا نہیں وہ کیا سوچ رہی ہیں۔"
وہ ناگواری اور غصے سے کہتی باہر نکل گئی۔ سعدی نے افسوس سے سرجھٹکا۔ وہ دونوں اس کو جتنی پیاری تھیں' اتنی ہی وہ ایک دوسرے سے دور تھیں۔ وہ بے دلی سے واپس کرسی پہ ڈھے سا گیا۔ دو انگلیوں میں فلیش اٹھا کر دیکھی۔ آج آٹھواں دن تھا ناکامی کا۔ اب وہ کیا کرے؟ کیسے ثبوت لے کر فارس اور زمر کے پاس جائے؟ اس کے پاس انتقام اور انصاف کا ایک منصوبہ تھا' مگر اس کو فارس اور زمر کی مدد چاہیے تھی۔ اکیلی چیونٹی کچھ نہیں کرسکتی تھی۔
باہر حنین بڑبڑاتی ہوئی واپس صوفے پہ دھپ آبیٹھی۔
"ایسے بیٹھتی ہو' لگتا ہے زلزلہ آرہا ہے۔" قریب بیٹھے سیم نے رسالے سے سر نکال کر ناگواری سے

تبصرہ کیا، مگر اس نے سنے بغیر (ہونہہ) سر جھٹکا۔ پھر ذہن کی رو بھٹک گئی۔ غصہ اداسی میں بدل گیا۔

"سیم! ایک بات بتاؤ۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے سے پکارا۔

"کیا میں واقعی بدل گئی ہوں؟"

"کب سے؟" وہ حیران ہوا۔ (ڈیڑھ سال پہلے سے۔) اس نے سوچا، مگر سیم کو کیا بتائے؟

"جب سے میں نے بی اے میں ایڈمیشن لیا ہے۔"

"آ۔۔۔" وہ سوچنے لگا۔ "نہیں تو۔۔۔ اب بھی تم اتنا ہی کھاتی ہو، ویسے ہی مذاق کرتی ہو، میرے ساتھ اسی طرح لڑتی ہو اور جب میرے دوست مجھے کچھ کہیں تو ان سے لڑنے بھی اسی طرح پہنچ جاتی ہو۔ تم تو ویسی ہی ہو۔"

"اچھا۔" وہ ہلکا سا ہنس دی۔ سیم پہ تھوڑا سا پیار آیا، مگر ظاہر کیے بنا اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا اور ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ رسالہ غائب۔ وہ حیرت اور پریشانی سے اٹھ کر ڈھونڈنے لگی۔ پھر چونک کر سیم کو دیکھا۔

"تم ڈائجسٹ پڑھ رہے ہو؟ کس نے اجازت دی تمہیں، ہاں؟" لپک کر صوفے تلے سے جوتا اٹھایا۔

"آنے دو آج امی کو، میں نے تمہارا حشر نہ کروایا تو دیکھنا۔" اس سے پہلے کہ وہ غصے سے اس پہ جھپٹتی، سیم چھلانگ مار کر چوکھٹ تک گیا اور پھر آگے غائب۔ حنین طیش سے لال سرخ ہوتی، جوتا لیے اس کے پیچھے بھاگی۔

"یہ موٹا آلو آج بچے گا نہیں۔"

☼ ☼ ☼

لگا ہو دل تو خیالات کب بدلتے ہیں
یہ انقلاب تو ایک بے دلی میں پلتے ہیں

شام ایک ٹھنڈی سی چھایا کے ساتھ قصر کاردار پہ اتر رہی تھی۔ لاؤنج کی دیوار گیر فرانسیسی کھڑکیوں سے باہر کا سبزہ زار جھلک رہا تھا۔ کونے میں دو کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں۔ دونوں کے بازوؤں کے درمیان گلدستے والی چھوٹی میز تھی۔ ایک کرسی پہ جواہرات تھی۔ بال جوڑے میں، کہنی کرسی کے ہتھ پہ، اور چہرے پہ مسکراہٹ لیے وہ اپنی مہمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ مہمانوں کو سامنے بٹھانے کے بجائے برابر کرسی پہ بٹھایا کرتی، اسے گردن بائیں طرف موڑ کر مہمان کو دیکھنا زیادہ پسند تھا۔ گئے برسوں میں اس کرسی پہ سعدی اکثر آ کر بیٹھتا تھا۔ اب کبھی کبھی ادھر زمر ہوتی۔ آج بھی وہی تھی۔

کپ کے کناروں پہ انگلی پھیرتی، وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، سنجیدگی سے بیٹھی تھی۔ بنا مسکراہٹ کے بھوری آنکھیں اور کیچر میں ہاف بندھے گھنگریالے بال جو سمیٹ کر ایک طرف کر دیے تھے۔ دوپٹا گردن میں لپیٹ کر دونوں پلو سامنے کر رکھے تھے۔

"کیا تم پچھتا رہی ہو؟" جواہرات اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

"ہرگز نہیں بلکہ میں ذہنی طور پہ تیار ہوں۔"

"یہ اذیت ناک ہو گا۔ جس سے نفرت کی جائے اس سے شادی!" جواہرات نے جھرجھری لے کر انگلی سے گال تک آئے بال ہٹائے۔ زمر نے کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

"میں بہت اذیت سے گزری ہوں۔ اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بے اعتباری تھی۔" کپ نیچے کر کے وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ یہاں سے سبزہ زار دکھائی دیتا۔ انیکسی عقبی طرف تھی۔ ادھر سے دکھائی نہ دیتی۔

"اس وقت کسی نے بھی میرا اعتبار نہیں کیا، مگر اب کریں گے۔"

"تم اپنے رشتے داروں کے دباؤ کی وجہ سے اس کا کیس لینے سے انکار نہ کرتیں تو آج وہ جیل میں ہوتا۔"

"بات رشتے داروں کی نہیں ہے۔ میں ایک پبلک پراسیکیوشن میں ذاتی عناد کو نہیں لا سکتی تھی۔ یہ ذاتی جنگ نہیں تھی۔" وہ کھڑکی سے نظریں ہٹا کر جواہرات کو دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔ "وہ ایک وائف کلر تھا،"

سیریل کلر۔ اس نے مجھے استعمال کیا' پہلی دفعہ تب جب مجھ پہ گولی چلائی' دوسری دفعہ ڈیڑھ سال پہلے جب اس نے میرے کندھے پہ پیر رکھ کر رہائی حاصل کرنا چاہی۔ یہ قانونی جنگ تھی۔ صرف ایک تسلی تھی مجھے کہ فارس کا میں نے کچھ نہیں بگاڑا تھا' میں بے گناہ تھی' مگر نہیں۔" آخر تلخ گھونٹ اندر اتار کر اس نے کپ پرچ میں رکھا۔

"وہ مجھ سے انتقام لے رہا تھا۔ یہ آغاز سے ہی ذاتی جنگ تھی۔ شروع اس نے کی' ختم میں کروں گی۔" اس نے آگے ہو کر پیالی واپس ٹرالی میں رکھ دی۔

"مگر تم کرو گی کیا؟ شادی کر کے تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟"

"نہیں مسز کاردار!" زمر نے گہری سانس خارج کی اور نفی میں سر ہلایا۔ "میں اور آپ محرم راز نہیں ہیں۔ میں نے مدد مانگی تھی' لائحہ عمل بتانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔" جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"تم یہ کہہ رہی ہو کہ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟"

"مدد کی حد تک؟ جی ہے۔ مگر اپنے پلانز میں خود تک ہی محدود رکھتی ہوں۔" وہ سرد سا مسکرائی۔ جواہرات نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔

"تمہاری مرضی۔ بہر حال' میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ تم نے اس سے شادی کرنی ہے' میں کروا دوں گی۔ اور کل میں تمہارے والد سے ملنے آؤں گی۔"

"شیور!" اس نے کندھے اچکا دیے۔

"کیا تم جاننا چاہتی ہو کہ میں یہ کیسے کروں گی؟"

"نہیں۔ میں قدرتی طریقے سے حیران ہونا پسند کروں گی۔" وہ رکی۔ "آپ کو اس سے کیا ملے گا؟"

"کس سے؟"

"ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ میری مدد اپنے فائدے کے لیے کر رہی ہیں' اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کبھی میرا ساتھ نہ دیتیں۔"

جواہرات ہلکا سا ہنس دی۔ "فارس کے قانونی شیئرز ہیں ہماری جائیداد میں۔ جب تک وہ دوسری چیزوں میں الجھا رہے' میرا کاروبار محفوظ رہے گا۔ مگر تم یہ جانتی ہو کہ میں تمہیں استعمال کر رہی ہوں' تو میرا ساتھ کیوں دے رہی ہو؟"

"تاکہ آپ کو واپس استعمال کر سکوں!" وہ مسکرا کر اٹھی' پرس کی اسٹریپ کندھے پہ لٹکائی۔ "آخری بات جو مجھے کہنی تھی۔ میں تیار ہوں۔"

"میں بھی!" ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے جواہرات مسکرائی۔

اس کے جانے کے بعد اسی کرسی پہ بیٹھے' جواہرات نے موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔ یوسف خان صاحب۔

"السلام علیکم۔" وہ کافی دیر بعد فون اٹھا پائے۔

"وعلیکم السلام یوسف صاحب! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" وہ چند رسمی فقروں کے بعد کہنے لگے۔

"آپ نے دو ڈھائی ماہ قبل مجھے کال کر کے کہا تھا کہ میں زمر کو سمجھاؤں تاکہ وہ شادی کر لے۔"

"جی۔ میں یہ ہر اس شخص سے کہتا ہوں جو زمر کے قریب ہو۔" وہ سنجیدہ اور قدرے خشک تھے۔ جواہرات کا ٹاپس کو مسلتا ہاتھ رکا' ذرا دیر کو اس نے سوچا۔

"اگر آپ میرے گارڈ کی اس نیکلس کے لیے تلاشی والی بات پہ ہم سے خفا ہیں تو میں معذرت کرتی ہوں۔ وہ سب ایک غلط فہمی تھی۔"

"نہیں' کوئی بات نہیں۔"

"اوکے۔ تو میں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ کل رات فنکشن میں میری زمر سے بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا ہے۔ امید ہے وہ جلد مان جائے گی۔"

بڑے ابا چونکے۔ "تو آپ نے بات کی تھی زمر سے؟"

"جی۔ میں نے آپ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ بس موقع کل رات ملا۔"

"اچھا۔" ان کے لہجے کی سرد مہری زائل ہونے

لگی۔ "زمر نے مجھ سے صبح بات کی تھی، وہ شادی کے لیے رضامند ہے۔"

"گڈ۔ مگر مجھے حیرت نہیں ہے۔ میں ناکام نہیں ہوا کرتی۔"

"آپ کا۔۔۔ شکریہ مسز کاردار۔"

"مائی پلیژر۔" مسکراتے ہوئے، بدستور ایرِ رنگ پہ انگلی پھیرتے، وہ کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی۔ "کوئی رشتہ ڈھونڈا آپ نے؟"

"نہیں، ابھی تو ندرت سے بات کی ہے۔ وہ شاید کوئی بتائے۔"

"اوکے، میں نے بھی چند ایک لوگوں سے کہہ رکھا تھا۔ دو رشتے ہیں، جو دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ تفصیلات جاننا چاہیں گے؟"

"جی، بتائیے۔" بڑے ابا بمشکل اپنی آواز کی ضعیف خوشی چھپا رہے تھے۔

"ایک سیشن کورٹ کے جج صاحب کا رشتہ ہے۔ بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے اور تینوں بچے بورڈنگ میں پڑھتے ہیں۔" ذرا دیر کو وقفہ دیا۔ بڑے ابا کی لائن خاموش تھی۔ "دوسرا رشتہ میری کمپنی کے ایک عہدے دار کا ہے۔ پہلی شادی کم عمری میں ہوئی تھی، بیوی اور اس سے ہوئے دونوں بیٹے گاؤں میں رہتے ہیں۔ وہ صاحب خود اسی شہر میں ہیں اکیلا اچھا گھر ہے، عمر ذرا زیادہ ہے، پچاس سے اوپر۔ آپ سن رہے ہیں۔"

"جی ہاں۔" ان کی آواز بدقت نکلی تھی اور اس میں بھی تکلیف تھی۔

"یوسف صاحب! حقیقت پسندی سے کام لیجیے۔ آپ کی بیٹی تیس بتیس سال کی ہے، اس کے گردے ضائع ہو چکے ہیں، بیمار ہے، ایسے میں کسی نوجوان خوب صورت لڑکے کا رشتہ ملنا تو معجزہ ہو گا اور معجزے کم ہی ہوا کرتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں، مگر۔۔۔" وہ۔ رک گئے، کیا کہیں اب؟

"ہاں۔۔۔ ایک شخص اور بھی ہے، ہاشم کی عمر کا ہے، ہینڈسم بھی ہے، پہلی بیوی مر چکی ہے، مگر۔۔۔"

"مگر کیا؟" بڑے ابا تیزی سے بولے۔ امید کی کرن چمکی تھی۔

"مگر آپ کی کیا گارنٹی، آپ اس سے شاید رشتہ نہ ہی کریں۔" اس نے ذرا سا وقفہ دیا۔ بڑے ابا بے چینی سے منتظر تھے۔

"میں فارس کی بات کر رہی ہوں۔"

اور بڑے ابا کو اتوار کے اس گرم دن میں لگنے والا یہ دوسرا اچھنکا تھا۔

"فا۔۔۔ رس؟" وہ اٹکے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ندرت آج کل فارس کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہے۔ تو آپ اس سے زمر کی بات کیوں نہیں کر لیتے؟ اس سے اچھا آپشن آپ کو نہیں ملنے والا۔"

"مگر۔۔۔ فارس کے لیے زمر۔۔۔"

"کیا زمر؟ اسے عدالت نے بری کیا ہے، اور اب زمر اس کو موردِ الزام ٹھہرانا چھوڑ چکی ہے۔ پرانی باتوں کو بھول جائیے۔" اس نے خفگی سے ٹوکا۔

"مسز کاردار! آپ سمجھ نہیں رہیں۔ فارس کا۔۔۔ وہ ابھی ابھی رہا ہو کر آیا ہے، وہ خود مسئلوں میں گھرا ہے، ایسے میں۔۔۔"

"آپ نے پہلے بھی اس کے رشتے سے انکار کر دیا تھا، تب کیا وجہ تھی؟"

وہ چپ سے ہو گئے۔

"آپ شاید اس کو ہمیشہ سے اپنی بیٹی سے کم تر سمجھتے رہے ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے، مجھے وہ بہت پسند ہے، مگر وہ خود نہیں مانے گا، زمر بھی نہیں مانے گی۔"

"آپ مان جائیں تو وہ بھی مان جائیں گے۔"

"زمر کبھی نہیں مانے گی، وہ تو اس کا ہمارے گھر آنا تک برداشت نہیں کر سکتی۔"

"وہ تو شادی کے لیے بھی نہیں مانتی تھی۔ میں نے منا لیا تھا۔ بہرحال میں فارس کے ساتھ دو چار روز میں آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔ آپ تینوں رشتوں کے

بارے میں سوچ لیں۔ تین بچوں کا باپ جج، پچپن سالہ کمپنی عہدیدار یا فارس اور اگر تینوں نہیں قبول تو اس دفعہ اپنی بیٹی کے مجرم آپ ہوں گے "ٹیک کیئر۔"
مسکراتے ہوئے فون رکھ دیا اور بہت طمانیت سے کھڑکی کے باہر سبزہ زار کو دیکھنے لگی، جہاں فینونا اپنی نگرانی میں ملازموں سے گملے رکھوا رہی تھی۔
جواہرات کو موسم زیادہ خوش گوار لگنے لگا تھا۔
سب ٹھیک جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

خدایا تیرے دم سے اپنا گھر اب تک سلامت ہے
وگرنہ دوست اور دشمن ہمارے ایک جیسے ہیں

رات کھانے کے بعد وہ چھوٹے باغیچے والے گھر سے باہر نکل آیا۔ سڑک کنارے چلتے ہوئے کانوں میں ہینڈز فری لگا کر وہ موبائل کو ہاتھوں میں پکڑے کوئی نمبر ملا رہا تھا۔
"سعدی... تمہاری ہاشم سے بات ہوئی؟" شہرین نے کال اٹھاتے ساتھ پوچھا۔ ائرفون میں گونجتی اس کی آواز میں شدید اضطراب تھا۔
"کیوں نہ پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کی ہاشم بھائی سے کیا بات ہوئی؟" وہ سختی اور درشتی سے کہتا قدم قدم چلتا جا رہا تھا۔
"میری بات؟ کیا مطلب؟"
"آپ نے ان کو بتا دیا کہ میں نے ان سے وہ چرایا ہے، جو انہوں نے ہم سے چرایا تھا۔"
"میں نے ایسے نہیں۔" وہ اٹکی۔ "وہ مجھ پہ چلا رہا تھا، مجھے دھمکی دے رہا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کہتی گئی... بلکہ میں نے تو یہ کہا بھی نہیں کہ تم نے..."
"مگر آپ نے میری بات تو دہرا دی نا ان کے سامنے۔" طیش سے اس کی آواز بلند تھی۔
"اس سے کیا ہوتا ہے؟"
"اس سے یہ ہوتا ہے کہ میں نے پہلی دفعہ آپ پہ اعتبار کر کے غلطی کی۔ بلکہ نہیں، اعتبار تو اس دفعہ بھی نہیں کیا تھا، بس کام کہہ کر غلطی کی اور اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ شہرین بیگم! آج سے آپ اکیلی ہیں۔ مجھے رتی برابر بھی پروا نہیں ہے کہ سونیا آپ کے ساتھ جائے یا نہیں۔ اس لیے آپ اپنی تمام جنگیں اکیلے لڑیں گی۔"
"تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تم نے مجھے اس کام میں پھنسایا اور..."
"میں آپ کے اس سے بڑے کام کر چکا ہوں اور یہ کام میں نے آپ کو اس لیے دیا کہ آپ بھی ہاشم بھائی سے انتقام لینا چاہتی تھیں، کم از کم کہتی تو یہ ہی رہی ہیں آپ۔ لیکن آج سے ہم ایک ٹیم نہیں ہیں، اللہ حافظ۔" زور سے سرخ بٹن دبا کر کال کاٹی۔
آنکھوں میں شدید خفگی اور غصہ لیے وہ واپس گھر کی طرف مڑ گیا۔
شہرین کی تین، چار کالز آئیں، اس نے سب کاٹ دیں۔ پھر تنگ آ کر فون سائلنٹ پہ لگا دیا۔
واپس اندر آیا تو امی خاموش سی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ حنین پاؤں اوپر کر کے بیٹھی، ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے شوق سے ڈراما دیکھ رہی تھی۔ اب وہ صرف وہی ڈرامے دیکھتی تھی جو ٹی وی پہ لگ جاتے۔
امی البتہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔
وہ ائرفونز اتارتے ہوئے ندرت کے ساتھ دھپ سے صوفے پہ گرا۔ وہ پھر بھی نہیں چونکیں۔ سعدی نے پلکیں سکیڑ کر غور سے ان کو دیکھا۔
"ندرت بہن! پریشان لگ رہی ہیں آپ؟" معصومیت سے پوچھا۔ انہوں نے خفگی سے اس کو دیکھا۔
"کچھ نہیں۔"
"کچھ تو ہوا ہے۔ بتائیں، میں حل کرتا ہوں ابھی آپ کا مسئلہ۔" وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھا۔
"میں سوچ رہی ہوں، فارس کی شادی کر دینی چاہیے۔"

حنین اور سعدی' دونوں نے چونک کر ان کو دیکھا۔ وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔ حنہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"ماموں کی شادی؟ مگر امی! وہ ابھی تو باہر آئے ہیں' ان کو سانس تو لینے دیں۔"

"حنین ٹھیک کہہ رہی ہے امی! وہ پہلے ہی دوسرے چکروں میں ہیں' ان کو ابھی تنگ نہ کریں۔"

"چپ کرو تم دونوں۔ پتا نہیں ہے کسی بات کا اور ماں کو مشورے دے رہے ہو۔" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھ گئیں اور میز پہ رکھے برتن اٹھا کر کچن میں لے گئیں۔ جب واپس آئیں تو وہ دونوں بھول بھال کر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"بڑے ابا کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے۔ زمر شادی کے لیے مان گئی ہے۔ فنکشن میں جانے اور رشتے داروں سے ملنے کا اس پہ مثبت اثر ہوا ہے۔" وہ کشن ٹھیک کر کے رکھتی' سرسری انداز میں بتا رہی تھیں۔ حنین اور سعدی نے ایک دم ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اچھی بات ہے نا۔" ندرت نے فالتو کشن اٹھا کر بیڈ روم کی رف جاتے پوچھا۔

"جی۔" حنین بے زاری سے کہہ کر واپس ٹی وی دیکھنے لگی۔

"جی۔" سعدی البتہ دھیما سا بولا۔ چاہنے کے باوجود وہ خوش نہیں ہو سکا۔ کہیں کچھ غلط تھا۔

میں دوستوں کے اک اک امتحان سے گزرا ہوں
بکھر گیا ہوں کئی راستے بناتا ہوا

قصر کاردار پہ اگلی صبح پہلے سے بھی گرم طلوع ہوئی تھی۔ ہاشم برآمدے کی سیڑھیاں اترتا' نیچے کھڑی کار کی طرف جا رہا تھا۔ شوفر کے سلام کا سپاٹ چہرے اور سر کے خم سے جواب دیتا وہ اندر بیٹھا تو شوفر نے دروازہ بند کر دیا۔ جواہرات نے ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر یہ دیکھا' یہاں تک کہ اس کی کار روش پہ چلتی گیٹ پار کر گئی۔

"میم! کار تیار ہے۔" فیونا نے سامنے کھڑی کار کے بارے میں یاد دہانی کراتے ہوئے اسے پکارا' جو گردن میں موتیوں کی لڑی پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ بال جوڑے میں باندھے اور لمبی قمیص پہ سفید فلٹ منی کوٹ پہنے' وہ سوچ میں گم کھڑی تھی۔ پھر یکایک زینے اترنے لگی۔ فیونا پیچھے آئی تو جواہرات رکی' گھور کر اسے دیکھا' فیونا کے قدم منجمد ہو گئے' فوراً" سر جھکا کر پیچھے ہو گئی۔

جواہرات زینے اتری۔ سبزہ زار عبور کیا۔ گھوم کر گھر کے عقب میں آئی۔ سبز پہاڑی یہاں نشیب میں ڈھل جاتی۔ وہ قدم قدم اترتی نیچے انیکسی تک آئی' دروازہ کھٹکھٹایا۔

چند ہی لمحوں میں وہ کھلا تو فارس نظر آیا۔ وہ ٹراؤزر اور پوری آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ کافی پہلے کا اٹھا ہوا لگتا تھا۔ اسے دیکھ کر آنکھیں سکیڑیں' الجھے سے پھر پیچھے ہوا۔ "آیئے۔"

"صبح بخیر۔" وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ باریک ہیل سے چلتی' راہداری عبور کر کے لونگ روم میں آگئی' جس کے ساتھ اوپن کچن تھا۔ گھوم کر اطراف کا جائزہ لیا۔

"گھر کو کافی رینوویشن کی ضرورت ہے اور صفائی کی بھی۔ تم اجازت دو تو میں فیونا کو بھیج دیا کروں؟" کچن کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے اس نے فارس کو مخاطب کیا۔

"ضرورت نہیں۔" وہ آگے آیا' چائے تلے آنچ بند کی اور اوپر کیبنٹ سے شیشے کا گلاس نکالا۔ زرتاشہ کے جہیز کے برتن جن میں سے اکثر ڈبا پیک تھے۔ گلاس نل سے دھویا اور الٹا کر اسٹینڈ پہ رکھا۔ پھر فریج تک آیا۔ جواہرات سینے پہ بازو لپیٹے' ایک ہاتھ بدستور گردن کے موتیوں پہ پھیرتی مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔

"ایک کام تھا تم سے۔ دوپہر کو مجھے زمر کے گھر لے جاؤ گے؟"

فریج سے جوس کا ڈبا نکالتا فارس لمحے بھر کو رکا' پھر دروازہ بند کرتا کاؤنٹر تک آیا۔ چہرہ ویسے ہی سپاٹ رہا۔

"کیوں؟ ڈرائیور کہاں گیا آپ کا؟"

"تمہیں میرا ڈرائیور بننے پہ اعتراض ہے کیا؟"

"نہیں، مجھے کام سے جانا ہے دوپہر میں۔" وہ شیشے کے گلاس میں جوس کا ڈبا انڈیل رہا تھا۔ نارنجی رس سے گلاس بھر آ گیا۔

"کدھر جانا ہے؟"

"ایک دوست سے ملنے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ جاتے ہوئے مجھے ڈراپ کر دینا اور واپسی پہ پک کر لینا۔" فارس نے گلاس اسے پیش کیا تو اس نے پکڑتے ہوئے شانے اچکا کر گویا بات ختم کر دی۔

"بہت اچھا۔" وہ مڑ کر چولہے تک آیا اور مگ میں اپنی چائے انڈیلنے لگا۔

"میں نے یوسف صاحب کو بتایا تھا کہ تم میرے ساتھ آؤ گے۔ وہ چاہتے ہیں، تم اور میں کھانا ان کے ساتھ کھائیں۔ کافی خوش ہوئے تمہارا سن کر۔"

فارس نے چونک کر اسے دیکھا اور کیتلی واپس چولہے پہ رکھی۔ "آپ یوسف صاحب سے ملنے جا رہی ہیں؟"

"ہوں۔" جوس کا گھونٹ بھر کر مسکرائی۔ "زمر کے رشتے کے لیے انہوں نے مجھے کہہ رکھا تھا۔ وہ پروپوزل ہیں، وہی بتانے ہیں ان کو۔"

وہ مقابل کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا، نظریں چائے پہ جھکائے ایک گھونٹ بھرا۔ بولا کچھ نہیں۔ انداز البتہ ست تھا۔ جواہرات اس کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔

"ایک جج کا ہے، عمر پچاس سال سے اوپر، پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے، تین بچے بھی ہیں۔ دوسرا میری کمپنی میں ملازم ہے۔ عمر اس کی بھی اتنی ہی ہے، مگر پہلی بیوی اور بچے گاؤں میں رہتے ہیں۔" کہہ کر اس نے اپنے حلق میں شیریں گھونٹ انڈیلا اور فارس نے کڑوا گھونٹ۔ دونوں نے اپنے اپنے جام نیچے کیے تو انیکسی میں خاموشی چھا گئی۔

"تمہیں تو معلوم ہے، زمر کے والد بیمار رہتے ہیں، اپنی بیٹی کی بہت فکر ہے ان کو۔ وہ ہے بھی گردے کی مریض۔ جانے کب تک یہ عطیہ شدہ گردہ چل پائے۔"

فارس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک گھونٹ مزید بھرا۔ جواہرات نے قدرے بے چینی سے اس کی آنکھیں دیکھیں۔

"تمہیں شاید میری بات میں دلچسپی نہیں۔ اوہ! یہ مت کہنا کہ تم ابھی تک زمر سے پرانا بغض پالے ہوئے ہو۔ اب تو وہ تمہارے خلاف بیان واپس لے چکی ہے، اب تو بھول جاؤ۔"

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ جواہرات نے مصنوعی حیرت خود پہ طاری کی۔

"اوہ۔ تمہیں نہیں معلوم تھا؟ جج نے تمہیں بری کر دیا تو اس نے بھی تمہارے بارے میں کہی ہر بات واپس لے لی۔ اس والد، ندرت، سعدی، سب کے آگے ہی اس نے یہ بات کہی وہ اب تم پہ کوئی الزام نہیں لگائے گی۔"

"اسی لیے اس نے پچھلے ہفتے مجھے اپنے گھر سے نکالا تھا؟" وہ سنجیدہ تلخی سے بولا تو جواہرات لمحے بھر کو چپ ہو گئی۔ پھر لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"یہ انسانی فطرت ہے۔ یقین کے قریب ہو کر بھی شک آخری جھٹکا ضرور لگاتا ہے، پوری قوت سے، مگر اس کے بعد امن ہو جاتا ہے۔"

"واٹ ایور!"

چند لمحے مزید خاموشی سے گزر گئے۔ پھر وہ ذرا سا کھنکھاری۔

"تمہارا آگے کا کیا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔ میں یہ گھر نہیں چھوڑ رہا۔ اگر آپ یہ پوچھنے آئی ہیں تو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو ہنی! میں تمہیں یہاں دیکھ کر سب سے زیادہ خوش ہوں۔ تمہیں یہیں رہنا چاہیے، بلکہ جاب اسٹارٹ کرو کوئی، شادی کرو، زندگی کو سیٹل کرو۔ وہ ایک طوفان تھا، آیا اور گزر گیا۔ اس سب کو بھول جاؤ۔"

"مسز کاردار! طوفان کے گزر جانے سے جڑ سے اکھڑے درخت واپس نہیں لگ جایا کرتے۔"

"تو نئے بیج بوؤ... نئے رشتے بناؤ۔ شادی کرلو فارس! ورنہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکو گے۔"

"میرے پاس اور بہت کام ہیں۔" وہ تلخی سے کہتا آخری گھونٹ اندر انڈیلتا مڑ گیا۔

جواہرات نے ذرا جوس بچا کر گلاس کاؤنٹر پہ رکھا' اس کا شانہ تھپکا اور "دوپہر کو ملتے ہیں" کہہ کر آگے نکل گئی۔ فارس آنکھوں میں ناپسندیدگی لیے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

ہر سمت سپیرے ہیں جمائے ہوئے ڈیرے
اس شہر میں سانپوں کے خریدار بہت ہیں

دوپہر طلوع ہوئی تو اتنی سنہری کہ ہر چمکتی شے سونا دکھنے لگی۔ یوسف صاحب کا گھر بھی دھوپ میں جھلس رہا تھا۔ جب زمر فائلز اور پرس پکڑے اندر داخل ہوئی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم کے جالی دار پردے کے پاس رکی۔ جالی کے پار صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' جواہرات تمکنت سے بیٹھی نظر آرہی تھی۔ انگلی پہ مسلسل لاکٹ کی چین لپیٹتی' وہ مسکرا کر ابا کو سن رہی تھی جو مقابل وہیل چیئر پہ بیٹھے مدھم آواز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ زمر نے سامنے سے آتے صداقت کو چیزیں تھمائیں اور کھنکھارتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ جواہرات نے مسکرا کر گردن اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سلام کر کے سنگل صوفے پہ ٹک گئی۔ عمروں کے فرق کے باوجود دونوں عورتوں میں کچھ بہت مشترک سا تھا۔ شاید تنی ہوئی گردن' شاید گہری آنکھیں۔

"تمہارے والد نے مجھے اچھی خبر سنائی ہے' تم شادی کے لیے رضامند ہو۔"

زمر نے خاموش نگاہ بڑے ابا پہ ڈالی۔ وہ مطمئن اور خوش نظر آرہے تھے۔

"اگر کوئی مجھ سے شادی پہ رضامند ہوا تو شیور!"

"اور تم یہ فیصلہ اپنے والد پہ چھوڑ چکی ہو؟"

"بالکل!" اس نے شانے اچکائے۔

"واقعی زمر!" جواہرات نے تیکھی' مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "وہ جس سے چاہیں تمہاری شادی کروادیں' یہ بات دل سے کہی یا اوپر اوپر سے؟"

"جب کہہ دی ہے تو پورا کروں گی۔" وہ بے تاثر تھی۔

"اور اگر تمہارے والد فارس کو منتخب کرلیں تمہارے لیے؟ کیا کرلوگی اس سے شادی؟"

بڑے ابا نے ایک دم پریشان ہو کر جواہرات کو دیکھا۔ گویا اسے روکنا چاہا' مگر وہ لاکٹ کی چین انگلی پہ لپیٹتی زمر کو مسکرا کر دیکھے جارہی تھی۔ بڑے ابا نے مجرمانہ انداز میں گردن موڑی۔ زمر لب بھینچے جواہرات کو دیکھ رہی تھی۔ خلاف معمول اس نے اس بات پہ کھڑے کھڑے جواہرات کو گھر سے نہیں نکالا تھا۔

"تمہاری خاموشی سے میں کیا سمجھوں؟ یہی کہ تم نے رضامندی کا اظہار محض اوپر سے کیا تھا؟ درحقیقت تم اپنے والد کو یہ حق نہیں دے رہیں۔ کیا یہ تمہارے والد کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں ہے؟"

"ایسا نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولی' پھر چپ ہو گئی۔

"میرا اور تمہارے ابا کا خیال ہے کہ فارس تمہارے لیے بہترین انتخاب ہے۔ پلیز وہ پرانی باتیں مت دہرانا۔ تم خود بھی جانتی ہو کہ وہ سچ نہیں تھا۔ اب بتاؤ' اپنی زبان پہ قائم ہو؟"

بڑے ابا بے چارگی سے اسے تک رہے تھے۔ مگر خلاف توقع زمر سپاٹ نظروں سے جواہرات کو دیکھتی رہی۔

"قائم ہوں۔ جانتی ہوں' ابا میرے لیے غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔" ضبط سے الفاظ ادا کیے۔

"تم سوچ لو' یہ تو بس ہمیں یوں ہی خیال آیا تو..." وہ شرمندہ سے وضاحت کررہے تھے۔

"سوچ چکی سب... جو مرضی آئے کریں۔"

"اور ہاں! فارس ابھی مجھے پک کرنے آئے گا۔ اگر تمہارا دوبارہ اس کو گھر سے نکالنے کا ارادہ ہے تو ابھی بتا دو' تاکہ میں اسے منع کردوں۔"

زمر نے بہت ضبط سے خود کو بھڑکنے سے روکا اور آہستہ سے بولی۔

"میں نے اس دن غلط کیا تھا' مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری ابا!" وہ ایک دم اٹھی اور باہر نکل گئی۔ راہ داری میں آکر گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا' مگر پرانی باتیں' یادیں سب ابل ابل کر جیسے باہر آرہا تھا۔ وہ دل پہ ہاتھ رکھے' آنکھیں بند کیے' راہ داری کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

اندر جواہرات سہولت سے کہہ رہی تھی۔

"اسے منانا مشکل نہیں تھا۔"

"اسے ماننا نہیں کہتے۔ احتجاج کہتے ہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے افسوس کر رہے تھے۔ جواہرات نے بمشکل ناگواری چہرے سے چھپائی۔

"زمر کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنا اچھا برا سوچ کر ہی جواب دے رہی تھی۔ اسے فارس سے شادی پہ کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" (پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے بول بول کر وہ تھک گئی' مگر یہ ابھی وہیں اٹکے تھے۔)

تب ہی اس کا موبائل بجا۔ جواہرات نے نہیں اٹھایا' اسی طرح بیٹھی رہی۔

"فارس باہر لینے آیا ہے مجھے۔ آپ یوں کیوں نہیں کرتے کہ باہر دروازے تک چلے جائیں اور اسے اندر لے آئیں۔ میرے کہنے پہ تو وہ کبھی نہیں آئے گا۔"

بڑے ابا نے اثبات میں سر ہلایا اور وہیل چیئر کے پہیے چلاتے مڑ گئے۔ ساتھ میں صداقت کو آواز بھی دی۔ جب وہ واپس آئے تو فارس ان کے ساتھ تھا۔ زمر اس دوران اندر جاچکی تھی۔ وہ آرام دہ نہیں تھا' مگر مجبور تھا۔ خاموشی سے اس سنگل صوفے پہ بیٹھ گیا۔ جہاں سے ابھی زمر اٹھ کر گئی تھی۔

"طبیعت کیسی ہے آپ کی؟" وہ مدھم آواز میں پوچھ رہا تھا۔ دائیں ٹانگ بائیں گھٹنے پہ رکھے' کہنی صوفے کے ہتھے پہ۔ بس جلدی سے وہ یہاں سے نکل جائے۔

"اچھا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم آئے۔ تمہارا بہت شکریہ فارس!"

وہ دونوں چند رسمی کلمات کا تبادلہ کر رہے تھے۔ جواہرات نے بور سی ہو کر آنکھیں گھمائیں۔ چند ثانیے مزید سرکے۔ صداقت چائے سرو کرکے جاچکا تو جواہرات ذرا سا کھنکاری۔ دونوں نے اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ ایک اچھا موقع ہے' تم سے بات کرنے کا فارس!"

بڑے ابا بری طرح چونکے۔ فارس بھی دھیان سے سننے لگا۔

"یوسف صاحب کا تم کتنا احترام کرتے ہو' ان کے تم پہ کتنے احسانات ہیں' کتنے برے وقتوں انہوں نے تمہاری مدد کی' ہم سب اس سے واقف ہیں۔"

زمر پھر سے راہ داری میں آکھڑی ہوئی۔ دھڑکتے دل سے وہ دیوار سے لگی بن رہی تھی۔

"جی!" فارس نے اچنبھے سے جواہرات کو دیکھتے سر ہلایا۔

"ایسے میں یوسف صاحب کا حق ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی طرح سمجھ کر تم سے ایک سوال کر سکیں۔"

بڑے ابا نے بے چینی سے جواہرات کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ باز رہنے' خاموش رہنے کا اشارہ' یہ سب بہت جلدی ہو رہا تھا' مگر وہ ان کو دیکھے بنا' مسکراتے ہوئے فارس سے کہے جارہی تھی۔

"میں سن رہا ہوں' آپ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"میں تو..." وہ جلدی سے کوئی بات بنانا چاہتے تھے۔ مگر...

"وہ چاہتے ہیں کہ زمر کا جو رشتہ تم نے چند برس قبل مانگا تھا' اس کا جواب وہ آج دیں' کیونکہ اس وقت کا جواب ان سے پوچھے بنا دیا گیا تھا' اگر ان سے پوچھا جاتا تو ان کا جواب مختلف ہوتا۔"

فارس بالکل رک کر انہیں دیکھنے لگا' جیسے اس کی سمجھ میں نہ آرہا ہو۔

"یوسف صاحب یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری اور زمر کی شادی ہوجائے۔"

اس کا سانس واقعتاً" تھم گیا۔ بے اختیار ابا کو

دیکھا۔ انہوں نے چارگی سے چہرہ جھکا لیا۔
"کوئی جلدی نہیں ہے، تم سوچ سمجھ کر جواب دینا۔" جواہرات نے تیزی سے کہا، مبادا وہ انکار ہی نہ کردے، بڑے ابا نے سر اٹھایا۔
"اور کوئی زبردستی بھی نہیں ہے بیٹا! بس ایک خیال تھا کہہ دیا۔ تم نہ کہہ دو تب بھی ہمارے تعلقات ویسے ہی رہیں گے۔"
فارس نے بمشکل سر اثبات میں ہلایا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔
"یوسف صاحب بہت پریشان رہتے ہیں زمر کے لیے، ان کو اپنی زندگی کا بھی کوئی بھروسا نہیں، وہ اپنے سامنے اپنی بیٹی کو کسی ایسے شخص کو سونپ کر جانا چاہتے ہیں، جس پہ وہ اعتبار کرتے ہوں اور تم وہ واحد شخص ہو فارس!" جواہرات نرمی سے سمجھا رہی تھی۔
"میں... مجھے کچھ وقت دیں۔" بدقت وہ کہہ پایا، پھر ایک سلگتی نظر جواہرات پہ ڈالی۔
"میں باہر انتظار کر رہا ہوں آپ کا۔" اور اٹھ کھڑا ہوا، جیسے مزید وہاں بیٹھنا دوبھر ہو۔ بڑے ابا نے یاسیت سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ ان سے نگاہ ملائے بغیر دھیما سا سلام کہہ کر باہر نکل آیا۔
راہ داری میں وہ ٹھٹکا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ زمر کھڑی تھی۔ ساکت، زرد سفید چہرہ لیے، ضبط کی انتہا پہ۔ بس ایک لمحے کو رک کر اس نے زمر کو دیکھا، مگر وہ منہ پھیر گئی، وہ بھی نہیں رکا۔ تیز تیز قدموں سے چلتا دہلیز پار کر گیا۔
جواہرات چند ثانیے مزید ابا کو تسلی دیتی رہی اور جب نکلی تو زمر ہنوز کھڑی تھی۔ اس کا سفید چہرہ اب اہانت سے گلابی پڑتا جا رہا تھا۔
"یہ کیا تھا؟" وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔ آواز بہت دھیمی رکھی۔ ابا نہیں سن سکتے تھے۔
"تمہارا پچاس فیصد کام ہو گیا۔"
"مگر اسے میرا رشتہ لے کر آنا چاہیے تھا، نہ کہ میرا باپ اس کی منت کرتا۔" وہ ضبط کے مارے پھٹ بھی نہیں سکتی تھی۔ "یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔"
"تم نے پلان سنا ہی کب تھا؟" وہ شانے اچکا کر موبائل پہ بٹن دبانے لگی۔ زمر آنکھوں میں تپش لیے اسے گھور رہی تھی۔ جواہرات نے تھکی ہوئی سانس اندر کھینچی۔
"تم کیوں فکر کرتی ہو؟ شادی کرنی ہے نا، ہو جائے گی۔ چاہے جیسے بھی ہو۔ دیکھو! میں زیادہ قرآن نہیں پڑھتی، مگر ایک آیت میں بہت خوشی سے ہر جگہ کوڈ کرتی ہوں۔" ذرا سا مسکرائی۔ "اور وہ یہ کہ، عورتوں کی چالیں بہت عظیم ہوتی ہیں۔" اس کے گال کو ہولے سے چھو کر وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ زمر وہیں سلگتی نظروں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔
فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر جیسے ہی جواہرات نے دروازہ بند کیا، فارس نے تیزی سے کار پیچھے کی، گیٹ سے نکالی اور سڑک پہ ڈال دی۔ اس کا جبڑا بھنچا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے ایک قہربار نظر جواہرات پہ ڈال دیتا۔
"یہ سب کیا تھا مسز کاردار؟"
"ایک معذور اور بے بس آدمی تم سے درخواست کر رہا تھا اپنی بیٹی کے لیے۔"
"میں بچہ نہیں ہوں۔ آپ ان کے منہ میں الفاظ ڈال رہی تھیں۔" اکتاہٹ سے اس نے سر جھٹکا۔ "صبح آپ میرے پاس آئیں اور آپ کو میری شادی کی فکر ہونے لگی اور اتفاق سے آج ہی یوسف صاحب نے یہ بات کہہ دی۔"
"سامنے کی بات ہے، تم سے بہتر داماد ان کو نہیں ملے گا۔"
"یہ خیال بھی آپ نے ہی ڈالا ہو گا ان کے ذہن میں۔ میں تو جیسے آپ کو جانتا ہی نہیں ہوں۔" غصے سے بولتا وہ ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھا رہا تھا۔ کار کی رفتار تیز ہوتی گئی۔
"مجھے تمہاری فکر ہے فارس!"
"پہلے تو ساری زندگی آپ کو میری فکر نہیں ہوئی۔"
"یہ ہی تو پوائنٹ ہے فارس! میں نے یا اورنگ زیب نے ساری زندگی تمہاری فکر نہیں کی، مگر جس

شخص نے کی، تم پہ اتنے احسان کیے۔ جو تمہیں اچھی نوکری دلوانے میں مدد نہ کرتا تو آج تم سڑکوں پہ آوارہ پھر رہے ہوتے' اب وہ شخص معذور ہے۔ اس کی بیٹی بیمار ہے اور وہ تم سے صرف ایک چیز مانگ رہا ہے کہ اس کی بیٹی سے شادی کرلو' تو تم اسے بھی انکار کردو گے۔ کیا یہ ہوتا ہے احسان کا بدلہ؟" تلخی سے اسے دیکھ کروہ کہہ رہی تھی۔

فارس اسی طرح تیز ڈرائیو کیے گیا۔ البتہ خاموشی کا لمبا وقفہ دونوں کے بیچ حائل ہوگیا۔

"ان کی بیٹی کبھی نہیں مانے گی۔" بہت دیر بعد وہ بولا۔

"مان جائے گی۔"

"کبھی نہیں۔"

"وہ مان چکی ہے یار۔" جواہرات نے بے زاری سے سر جھٹکا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ اسے دیر ہورہی تھی۔

اور فارس غازی نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا' پھر سامنے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کا غصہ' ایک نئی سوچ میں ڈھلتا گیا۔ لب کاٹتے' آنکھیں سکیڑے وہ چند منٹ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

"آپ ان سے کہیے' میں سوچ کر بتاؤں گا۔" اب کے وہ بولا تو آواز مدھم تھی۔ جواہرات نے گہری مطمئن سی سانس خارج کی۔ کام تقریباً" ہوگیا تھا۔

فارس نے اسے گھر اتارا اور خود کار سے نکل کر انیکسی کی طرف ہولیا۔ قصر کی عقبی سمت میں فیونا ٹرے میں کچھ چیزیں لادے ہاشم کی بالکونی کے بیرونی زینے سے نیچے اتر رہی تھی۔ فارس کار سے اترا۔ اور وہیں کھڑا رہا۔ جب وہ قریب سے گزرنے لگی تو اسے روکا۔

"اے۔۔۔ بات سنو!" انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ مؤدب' مگر پراعتماد سی چلتی قریب آئی۔

"یس سر؟"

"تمہاری اتنی ہمت کب سے ہوئی کہ تم میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں داخل ہو؟"

فیونا کا منہ مارے شاک کے کھل گیا۔

"میں تو کبھی بھی نہیں۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"کیا جب پرایسکیوٹر زمر آئی تھی تو تم اسے میرے گھر نہیں لائی تھیں' ہاں؟" غصیلی آنکھوں سے وہ اسے گھور رہا تھا۔

"کل شام؟ نہیں تو' پرایسکیوٹر تو آدھے گھنٹے کے لیے آئی تھیں' سارا وقت وہ مسز کاردار کے پاس بیٹھی رہیں اور پھر واپس چلی گئیں۔ وہ تو اس طرف آئیں بھی نہیں۔" وہ حیران پریشان سی صفائی دے رہی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو؟"

فیونا نے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔" وہ مڑنے لگا' پھر رکا۔ "یہاں پہ میری اینجیو ہوا کرتی تھی کدھر گئی؟"

"وہ۔۔۔ اس نے مسز کاردار کا نیکلس چرایا تھا' سو اسے نکال دیا۔"

"اور تم نے اس کی جگہ لے لی۔ ہوں؟"

"جی' میں اب یہاں کی ہیڈ اسٹاف ہوں۔" گردن ذرا اکڑا کر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ آئندہ میرے گھر کے قریب مت پھٹکنا۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتا وہ آگے بڑھ گیا۔ چہرے کے تاثرات میں پھر سے غصہ جھلکنے لگا۔"

جو اگلوانا تھا فیونا سے' وہ اگلوا لیا تھا۔

"تو میڈم پرایسکیوٹر ادھر آئی تھیں اور سارا وقت جواہرات سے باتیں کرتی رہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ فارس اور زمر کی شادی کا خیال کس نے کس کے ذہن میں ڈالا؟ جواہرات نے؟ یا زمر نے؟ یہ کھچڑی کس نے پکائی' ہوں؟" اس نے سبزہ زار پہ چلتے ہوئے تنفر سے جھٹکا۔ "کیا یہ دونوں عورتیں مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں؟"

اپنے دروازے پہ رک کر اس نے موبائل نکالا اور کال ملا کر کان سے لگایا۔

"جی فرمائیے۔" سعدی کی مصروف آواز گونجی۔

"کدھر ہو تم؟"

"عموماً" اس وقت شریف لوگ اپنے آفس میں ہوتے ہیں، مگر اوہ سوری، آپ کی چونکہ اپنی کوئی جاب ہے نہیں اور چار سال سے آپ بیکار ہیں تو آپ کو کیا معلوم۔"

"بک بک مت کرو۔ فوراً" اپنے دادا کے گھر جاؤ۔"

"جی بالکل، میں تو بیٹھا ہی فارغ ہوں، اور آفس بھی میرے مرحوم ابا جان کا ہے نا، جو میں جب چاہے منہ اٹھا کر نکل جاؤں۔" وہ جلا بھنا بیٹھا تھا۔ آگے پیچھے کاغذوں، فائلوں کا ڈھیر۔ کمپیوٹر پہ کھلے ڈھیروں کام۔ اوپر سے تازہ تازہ پڑی باس سے ڈانٹ۔

"تم جا رہے ہو یا نہیں؟"

"ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے نکلا تو دوبارہ یہ لوگ داخل نہیں ہونے دیں گے، اور جو میری باس ہیں نا، وہ پہلے ہی۔۔۔۔"

"تمہارے دادا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری زمر پھپھو سے شادی کر لوں۔ کیوں ہو گئی زبان بند؟ اب ای کو لے کر ان کی طرف جاؤ اور جو بھی مناسب لگے کرو۔" اور دوسری طرف سعدی کی زبان واقعی بند ہو گئی تھی۔ فارس نے فون رکھا اور اندر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

قدرے فاصلے پہ واقع کاردار قصر کے لاؤنج میں تھکی تھکی سی جواہرات اپنی مخصوص اونچی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ ٹھوڑی تلے ہتھیلی جمائے، وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سہ پہر میں آس پاس سناٹا سا تھا۔ ہاشم، نوشیرواں، سونیا، کوئی بھی گھر پہ نہ تھا۔ وہ بہت عرصے بعد اس وقت گھر پہ تھی اور یہ سناٹا کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ بجائے آفس واپس جانے کے، وہ ادھر ہی بیٹھی رہی۔ آج کی کارروائی نے اسے تھکا دیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے میں اس نے بارہا ماضی کے کئی ادوار کو ذہن میں دہرایا تھا۔

سات سال پہلے۔۔۔۔ جب وہ سب پہلی دفعہ ملے تھے۔

پانچ سال پہلے۔۔۔۔ جب وہ خوشی سے ایک دوسرے پہ عنایات کیا کرتے تھے۔

چار سال پہلے۔۔۔۔ جب ان کے خاندانوں میں خونی لکیر آکھنچی تھی۔

مگر ماضی کے ابواب کا آخری حصہ ابھی رہتا تھا اور جواہرات کاردار کے لیے یہی سب سے تکلیف دہ تھا۔

ڈیڑھ سال پہلے کیا ہوا تھا، سعدی اب ان کے گھر کیوں نہیں آتا تھا، اور وہ تمام مسئلے جو ہاشم نہیں سنبھال سکا تھا۔

وہ نہ چاہنے کے باوجود بھی یاد کرنے لگی۔۔۔۔

اس کی نم آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں اور اس کے شیشے پہ پرانی کہانیاں ابھر ابھر کر ڈوبنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

کوئی ہے رنگ، کوئی روشنی کوئی خوشبو
جدا جدا ہے تاثر ہر اک لمحے کا

موجودہ دن سے ڈیڑھ سال قبل۔

قصر کاردار میں وہ شام بہت سے رنگوں، تمقموں اور چہل پہل کے ساتھ اتر رہی تھی۔ میری اینجیو ٹرے اٹھائے، مسکراتی ہوئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے عقب میں نیچے کافی آوازیں آ رہی تھیں، جیسے مہمان آئے ہوں۔ وہ اوپر آئی اور ہاشم کے کمرے کے سامنے رکی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے سعدی اور ہاشم کی پشت جھلک رہی تھی۔ سعدی کچھ کہہ رہا تھا اور ہاشم مسکرا کر سنتا کف لنکس پہن رہا تھا۔"

میری نے دروازہ بجایا۔ وہ دونوں مڑے۔ اس نے ذرا سا سر اندر کیا۔

"سر! آپ کو کاردار صاحب نیچے بلا رہے ہیں۔"

"میں بس تیار ہوں۔" اس نے دوسرا کف لنک اٹھا کر لگاتے ہوئے خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ مسکرا کر سر ہلاتی واپس مڑ گئی۔

سعدی نے واپس اسے دیکھا، وہ آفس سے ابھی آیا تھا اور چونکہ سعدی کی پوری فیملی ڈنر پہ مدعو تھی، اس

لیے وہ آتے ساتھ ہی جلدی جلدی ڈنر کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ نیچے سب کھانا شروع کرنے کے لیے اس کے منتظر تھے۔ سعدی بلانے آیا اور پھر وہیں کھڑا ہو گیا' یہاں تک کہ میری کو بھیجا گیا۔

"مجھے ڈنر کا پتا ہوتا تو میں جلدی آجاتا۔ شہری بتانا بھول گئی تھی۔" اس نے پرفیوم اٹھا کر کیپ اتارتے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے کہا۔ "سو تمہاری بہن نے بورڈ ٹاپ کیا ہے' ہوں؟" اس نے ڈنر کی وجہ پھر سے پوچھی۔

"جی' مگر وہ تو پرانی بات ہو گئی' اب تو انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ بھی آگیا ہے' اور جب انکل کو اس کے انجینئرنگ میں ایڈمیشن کا علم ہوا تو انہوں نے ہمیں ڈنر پہ مدعو کر لیا۔" پرفیوم کا اسپرے کرتے ہاشم نے مسکرا کر سعدی کو دیکھا۔ وہ سیاہ کوٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا' بال پہلے سے چھوٹے تھے اور چہرے کی متانت و سنجیدگی بڑھ چکی تھی۔ انداز ابھی بھی معصوم تھا۔

بولتے بولتے سعدی رکا' سانس اندر کو کھینچا' پھر ستائشی انداز میں ہاشم کو دیکھا۔

"کتنا اچھا پرفیوم ہے۔"

"سو تو ہے۔" ہاشم نے مسکرا کر آئینے میں خود کو دیکھتے' گردن پہ ایک اور اسپرے کیا' پھر کیپ اٹھایا' شیشی پہ چڑھایا۔ شیشی کو ڈبی میں ڈالا' اور سعدی کی طرف بڑھایا۔

"اب یہ تمہارا ہے۔"

وہ ایک دم بدک کے پیچھے ہوا۔ ہاتھ اٹھا کر جلدی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ "نہیں نہیں ہاشم بھائی! میں اس لیے تو نہیں کہہ رہا تھا۔"

"رکھ لو یار!"

"نہیں' پلیز' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ اتنا شرمندہ تھا کہ حد نہیں۔ "اگر آپ اس طرح کریں گے تو میں دوبارہ کبھی آپ کی کسی چیز کی تعریف بھی نہیں کر سکوں گا۔"

ہاشم نے اس کی پوری بات تسلی سے سنی' پھر سر ہلایا' اور پرفیوم کی ڈبی اس کے کوٹ کی جیب میں ڈال دی۔

"مجھ سے بحث میں تم کبھی نہیں جیت سکتے' سو کوشش کیوں کرتے ہو؟ چلو نیچے' سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس کا کندھا تھپتھپا کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بے حد خفت سے کھڑے سعدی نے خود کو دس دفعہ کوسا' مگر اب وہ تحفہ واپس نہیں کر سکتا تھا' اور پھر کمرے پہ ایک سرسری نظر ڈالتا واپس پلٹا۔ ان چند منٹوں میں بھی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہاں شہرین کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی۔ وہ غالباً" مختلف کمروں میں رہ رہے تھے۔ شہرین بتانا نہیں بھولی تھی' وہ ایک دوسرے سے بات تک نہیں کرتے تھے اور یہ سب کو پتا تھا۔

وہ دونوں اکٹھے سیڑھیاں اتر رہے تھے' جب ہاشم نے سرسری سا سوال کیا۔ "فارس کیسا ہے۔ ملاقات ہوئی؟"

"جی' بس ایک دوبار ہی ملنے جیل جا سکا ہوں آپ کو تو پتا ہے' انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد ان تین چار ماہ میں میں جاب وغیرہ میں' بہت مصروف تھا۔"

"ہوں۔ اس کا کیس کیسا جا رہا ہے؟"

"وکیل سے ملا تھا' وہ تو امید دلا رہا ہے کہ چند ماہ میں ان کو بری کروا لے گا' ہے نا؟" قدرے امید سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ زبردستی مسکرا دیا۔

"بالکل۔" اور دونوں آگے بڑھتے آئے۔

ڈرائنگ روم میں روشنیوں کی برسات تھی گویا۔ فانوس' میز کی موم بتیاں' سب جل رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ اورنگ زیب کاردار براجمان تھے۔ دائیں ہاتھ پہ جواہرات تھی' اور بائیں ہاتھ کی پہلی کرسی خالی تھی۔ ہاشم نے وہی کرسی سنبھالتے ہوئے' اورنگ زیب کی سیدھ میں دوسری سربراہی کرسی پہ بیٹھی حنین کو دیکھا' جس کو وہ زمر کے حادثے کے بعد' یعنی ڈھائی سال بعد اب دیکھ رہا تھا۔ اس کی عینک' ماتھے پہ کٹے اور باقی ہیر بینڈ لگے کھلے بال ویسے ہی تھے' البتہ قد کافی لمبا ہو گیا تھا اور اعتماد پہلے سے بڑھ گیا تھا۔

"مبارک ہو حنین!" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ فوراً نیپکین پھیلانے لگا' اسے معلوم تھا حنین کڑوے منہ سے "تھینکس" کہہ کر رخ پھیر لے گی اور ایسا ہی ہوا۔ وہ علیشا والا بغض ابھی تک دل میں رکھے ہوئے تھی۔

"آپ اپنے چھوٹے بیٹے کو نہیں لائیں؟" سعدی بھی بیٹھ گیا تو جواہرات گردن موڑ کر ساتھ بیٹھی ندرت سے پوچھنے لگی۔

"اس کے دوست کی سالگرہ تھی' اس کو وہاں ڈراپ کر کے ہم آئے ہیں۔" ندرت پھیکا سا مسکرا دیں۔ ان کے مقابل بیٹھی شہرین سب سے بے نیاز موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ ساتھ موجود نوشیرواں بے زار لگ رہا تھا گویا زبردستی بٹھایا گیا ہو۔

"تم باہر پڑھنے کیوں نہیں جاتیں' ہوں؟" اورنگ زیب نے اپنی سیدھ میں بیٹھی حنین کو مخاطب کیا۔ ملازم اب آخری لوازمات میز پہ رکھ رہے تھے۔

"ماسٹرز کے لیے باہر جاؤں گی۔" وہ اشتہا انگیز چیزوں کو نہ دیکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"اوکے! کھانا شروع کرتے ہیں۔ حنین تم شروع کرو۔" اورنگ زیب نے اسے اشارہ کیا۔ وہ لمحے بھر کو رکی۔ امریکی ڈرامے یاد کرنے کی کوشش کی۔ یہ گورا ٹائپ لوگ کھانے کے شروع میں کیا کرتے ہیں؟ ٹوسٹ؟ گریس؟

"حنین کو بہت اچھا قرآن آتا ہے۔ ترجمے کے ساتھ۔" سعدی نے کھنکار کر اسے دیکھا' وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"حنہ! تم تھوڑا سا قرآن سنا دو اور پھر کھانا شروع کرو۔"

حنین نے پہلے سعدی کو دیکھا' پھر اورنگ زیب سمیت منتظر نظروں سے اسے تکتے لوگوں کو۔

"آہم۔ اوکے۔ ایک آیت پڑھ دیتی ہوں۔" اس نے دوپٹا سر پہ جمایا' ایک خفا نظر بھائی پہ ڈالی اور بظاہر مسکرا کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سورۃ المرسلٰت میں' کلوا واشربوا ھنیاء بما کنتم تعملون۔" (کھاؤ اور پیو خوب مزے سے بوجہ اس کے جو اعمال تم نے کیے ہیں۔) صدق اللہ العظیم۔" چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیرے۔ اورنگ زیب کو ترجمہ معلوم نہ تھا' بس سر ہلا کر "بہوں گڈ" کہا اور کھانے کا آغاز کرنے لگے۔

حنین نے مسکراتی آنکھیں گھما کر بھائی کو دیکھا' جو ضبط سے اف کر کے رہ گیا۔ (آیات بھی اپنے مطلب کی یاد تھیں کٹو بیگم کو!) مگر اس کے اف سے بے نیاز وہ ڈشز میں سے چن چن کر چیزیں اپنی پلیٹ میں بھر رہی تھی۔

کھانے کے درمیان میں ہی شیرو کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اورنگ زیب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ "میں سیر ہو چکا ہوں" کہہ کر لاؤنج کی طرف چلا گیا۔ سعدی نے رک کر اسے دیکھا۔ اس نے جاتے جاتے بھی ایک اکتائی ہوئی نظر سعدی پہ ڈالی تھی۔ سعدی کی نظریں جھکیں۔ شیرو کی پلیٹ میں ذرا سا سلاد تھا وہ بھی اس نے آدھا کھایا تھا۔ ان دونوں کی آخری دفعہ بات کب ہوئی تھی۔ اسے یاد بھی نہ تھا۔

"اور آج کل تم کیا دیکھ رہی ہو؟"

اورنگ زیب کے سوال پہ سعدی نے بے اختیار جیب میں ہاتھ ڈالا' شاید روئی کا کوئی گولا مل جائے جسے وہ کان میں ٹھونس سکے۔ کیونکہ ابھی کوریا نامہ شروع ہونا تھا۔ حنین نے تسلی سے منہ میں موجود نوالہ ختم کیا اور پھر وہ شروع ہوئی۔

"میرے نزدیک دنیا کا بہترین ڈراما ساؤتھ کوریا میں بنتا ہے' کورین فلمیں بھی زبردست ہیں مگر کورین ڈرامے اور ان کے اداکار' ان کی کہانیاں تم کیا بات ہے۔ پچھلے ایک سال میں' میں نے ایک سو گیارہ کورین ڈرامے اور فلمیں دیکھی ہیں' پچاس فلمیں اور اکسٹھ ڈرامے۔ Lee Min Ho میرا فیورٹ ہے' اور اس کا ڈرامہ سٹی ہنٹر...." میری اینجیو لا کر میز کے وسط میں croquembouche رکھ رہی تھی۔ گول گول بالز کا مینار۔ حنہ کا دل چاہا' جلدی سے چند گیندیں توڑ لے مگر.... اخلاقیات! اونہہ۔

"ایک سو گیارہ فلمیں اور ڈرامے دیکھنے کے باوجود تم نے بورڈ کیسے ٹاپ کیا؟" ایک ٹکڑا توڑتے ہاشم نے یونہی پوچھا تو حنین نے چونک کر اسے دیکھا' پھر چہرے پہ ناپسندیدگی پھیل گئی۔

"میں بہت کچھ ایک ساتھ کرنے میں ماہر ہوں ہاشم بھائی!"

ہاشم کندھے اچکا کر کھاتا رہا۔ شہرین بس پلیٹ کو دیکھتی کھا رہی تھی۔ جواہرات مضطرب مگر مسکراتی نظروں سے بار بار لاؤنج کی سمت دیکھتی جہاں شیرو غائب ہوا تھا۔ سوائے سعدی کے' وہ کسی کی بات کا اچھے دل سے جواب نہیں دے رہی تھی۔ شیرو اور اورنگ زیب کا کسی نہ کسی بات پہ روز جھگڑا ہونا معمول بن گیا تھا۔ صبح بھی نئی گاڑی لینے کی فرمائش پہ اسے جھاڑ پڑی تھی۔ اور پھر سعدی کو برداشت کرنا۔ اس کا جینا محال ہو چکا تھا۔

کھانے کے بعد سب لاؤنج میں آبیٹھے تو وہ وہاں سے بھی اٹھ گیا۔ ٹی وی چلتا رہا' آوازیں' باتیں۔ اورنگ زیب صاحب کی کوئی کال آگئی' وہ اٹھ کر باہر گئے تو سعدی کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی ندرت نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

"کیا تم نے ہاشم سے فارس کے کیس کی بات کی؟"

"ان کا وکیل کر تو رہا ہے نا امی! اب اور کیا کرے۔"

"کیا کر رہا ہے وکیل؟ ڈھائی سال سے چند ماہ کی رٹ لگا رکھی ہے' ایسے تو اگلے پانچ سال گزر جائیں گے اور فارس باہر نہیں آئے گا۔" وہ اس کو شکوہ کناں نم آنکھوں سے دیکھ کر بولیں تو سعدی نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

"تو میں کیا کروں امی! ہاشم بھائی وکیل کو پیسے دے رہے ہیں' اب تاریخ نہیں ملتی اگلی پیشی کی تو ہم کیا کریں۔"

"تم سعدی اپنے ماموں کو بھولتے جا رہے ہو۔ تم سب اپنی زندگی میں مگن ہو کر اس کو اس کے حال پہ چھوڑ چکے ہو۔"

"امی!" اس کا دل دکھ گیا۔ "ایسا نہیں ہے۔ میں نے جاب شروع کی ہے' چھ بجے تو گھر آتا ہوں' اتنے کام ہیں میں پھر کر بھی کیا سکتا ہوں؟"

ندرت نے جواب نہیں دیا۔ آنکھ کا کنارہ پونچھتی' خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ سعدی نے بھی رخ پھیر لیا۔ (اب وہ اور کیا کرے؟ وہ وکیل تو نہیں ہے نا' پر امی کو سمجھ ہی نہیں آتی۔) اس نے چڑ کر سوچا۔ (امی تو ہر وقت ایک ہی سوچ پریشان کیے رکھتی ہے کہ.....) اسی وقت ندرت بڑبڑائیں۔

"پتا نہیں وہ اس وقت کس حال میں ہو گا؟ کھانا بھی کھایا ہو گا یا نہیں؟ نہ جانے کتنے ظلم کر رہے ہوں گے پولیس والے اس پر۔"

(بالکل! یہی سوچ!) وہ تنگ کر رخ پھیر گیا۔ شہرین اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا تو وہ کسی اور جانب دیکھنے لگی۔ ندرت ہنوز وہی سوچ رہی تھیں فارس..... اس مظلوم کا اس وقت کیا حال ہو گا؟

☼ ☼ ☼

قصر عمر گواہی دے گا کیسے کیسے کرب سے
کیسی کیسی رت گزری ہے ہم پر اتنے سالوں میں

جیل کے برآمدے میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں' پہرے دار اسی حوالاتی کوٹھڑی کے باہر جمع تھے' اور وہ اندر کھڑا' سفید کرتے کی آستین موڑے' سلاخیں پکڑے' غصے سے اونچا اونچا کہہ رہا تھا۔

"اے سنگل پسلی! بات دماغ میں فٹ کر لو' آئندہ اس طرف سے....." (کنارے والے کمروں کی طرف اشارہ کیا) "اشرف چیمہ کا کوئی بندہ ادھر آیا نا تو اپنے قدموں پہ واپس نہیں جائے گا۔" جواب میں اس سیل سے مونچھوں والے اشرف چیمہ نے چلا کر کچھ کہا تو وہ اور بھی بھڑک گیا۔

"اس کو چپ کرا لو محمد دین! ورنہ آج یہ میرے ہاتھوں نہیں بچے گا۔"

"اچھا بس کر دے تو ہی چپ ہو جا....."

"میرے گروپ کے بندے اس کے باپ کے ملازم نہیں ہیں جو اس کے حصے کی مشقت کریں تم اس کو

آخری دفعہ سمجھا دو' ورنہ..." شور اب بلند ہوتا جارہا تھا' پھر بمشکل سپاہیوں نے آکر معاملہ رفع دفع کرایا۔ فارس ہونہہ کرتا سر جھٹکتا واپس زمین پہ آبیٹھا۔ اس تاریک کمرے میں۔

دوسرے کونے میں کوئی اور بھی بیٹھا تھا۔

"فارس بھائی! یہ سپاہی آپ لوگوں سے ڈرتے کیوں ہیں؟"

"ہم چھوٹ کر چلے جائیں گے' یہ یہیں ڈیوٹی دیتے رہیں گے' اصل قیدی تو یہی ہیں۔" وہ بے زاری سے بولا' پھر تیکھی نظروں سے اس لڑکے کو دیکھا جس کا چہرہ تاریکی میں تھا۔

"اپنے حصے کا کام وقت پہ ختم کیا کرو' تمہارے باپ کی جیل نہیں ہے یہ۔"

"یو نو! میرے ایک قیدی کی حیثیت سے بھی بہت رائٹس ہیں جن کی وائلیشن کے جرم میں میں گورنمنٹ آف پاکستان کو Sue کرسکتا ہوں اور جب سے میں ادھر آیا ہوں' میرا ایک بھی رائٹ پورا نہیں کیا گیا۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے کو ہوا تو چہرا روشنی میں آیا۔ وہ خوش شکل نوجوان تھا۔ بال نو عمر لڑکوں کی طرح ماتھے پہ کٹے تھے اور آنکھوں میں لاپروائی تھی۔

"جاگ جاؤ۔ بیٹا! یہ پاکستان ہے!"

"پتا ہے۔ مگر جتنا وقت آپ جیل میں جھگڑوں اور گروہ بندی پہ لگاتے ہیں نا' اگر اتنا اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے پہ لگا دیتے تو۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"اپنے کام سے کام رکھو۔ زیادہ اسٹیپنی نہ ہو۔" وہ چڑ کر رخ پھیر گیا۔

"ویسے آپ نے یہ دونوں قتل کیے تھے؟" کچھ دیر بعد وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔ فارس نے مڑ کر ترشی سے اسے گھورا۔

"پچھلے چھ گھنٹے سے کتنی دفعہ پوچھ چکے ہو' میں بار بار بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ تم بتاؤ' کس جرم میں آئے ہو؟" کڑے انداز میں نئے سیل میٹ کی تفتیش شروع کی' جو آج کے جھگڑے کے باعث ابھی تک ہو نہیں سکی تھی۔

"میں..." اس نے بے پروائی سے سامنے کے بال ہٹائے۔ "کریڈٹ کارڈ فراڈ کے جرم میں۔ حوالاتی قیدی ہوں۔ کیس عدالت میں چل رہا ہے۔"

"تو تم نے جرم کیا تھا؟"

"کیا تو تھا۔" وہ چڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

"لگ بھی رہا ہے۔ پراسیکیوٹ کون کررہا ہے؟" یہ سوال وہ اکثر پوچھا کرتا تھا۔

"وہ جو پورے کورٹ میں سب سے سڑی ہوئی پراسیکیوٹر ہے۔ زمر یوسف۔" اس نے منہ بنایا۔ فارس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا وکیل اس کے مقابلے میں کیس جیت جائے گا؟"

"ہاں۔ ایسا ویسا... ہاشم کاردار ہے میرا وکیل۔" اس نے کالر جھاڑے۔ فارس چونکا۔

"اس کو دینے کا پیسہ کہاں سے آیا؟ شکل سے تو تم یتیم خانے سے بھاگے لگتے ہو۔"

"وہ میں' اصل میں اورنگ زیب کاردار کا کمپین منیجر رہا ہوں' اس لیے انہوں نے زبردستی ہاشم کو میرا وکیل مقرر کردیا ہے۔" احمر شفیع ہنس کر بولا۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تو تم اورنگ زیب کاردار کے لیے کام کرتے تھے؟"

"جی۔ آپ کے ماموں کے لیے۔ اور نہیں' میں اتفاق سے آپ کے سیل میں نہیں آیا۔ ہاشم نے مجھے ادھر بھجوایا ہے' تاکہ میں آپ کا خیال رکھ سکوں۔" فارس نے جواباً" تیز نظروں سے اسے گھورا۔

"خیال رکھ سکو یا نظر؟"

"ظاہر ہے نظر۔" وہ لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ باہر اندھیرے میں مدھم جلتی بتیوں میں پہرے دار ٹہلتے نظر آرہے تھے۔

"کیا کرتے تھے ماموں کے لیے؟" وہ اس لڑکے کو مسلسل چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"الیکشن اسٹریٹجی' کمپین مینجمنٹ' پبلک امیج کنسلٹی وغیرہ۔"

"یعنی ان کو ایڈوائز کرتے تھے۔ کبھی جیل میں سڑتے بھانجے کو نکلوانے کا مشورہ نہیں دیا؟"

"وہ..." احمر نے کھسیانے انداز میں تھوڑی کھجائی۔ "وہ تو مدد کرنا چاہ رہے تھے آپ کی مگر۔"

"مگر؟" وہ چونکا۔

"دیکھیں ان کے الیکشن کے لیے یہ اچھا نہیں تھا' سو میں نے مشورہ دیا کہ... وہ خود کو لاتعلق کرلیں آپ سے... بھئی وہ میرے کلائنٹ تھے' مجھے ان ہی کا فائدہ دیکھنا تھا نا۔" وہ جلدی جلدی وضاحت دے رہا تھا اور فارس ایک دم سے اٹھ کر بیٹھا' بس نہیں چلتا تھا کہ اس کی گردن مروڑ دے۔

"تو یہ نیک مشورے دینے والے تم تھے؟" ضبط بھری کڑی نظروں سے اسے گھورا۔ "یوں کرو' اپنا سامان سمیٹ لو' اور صبح کسی اور سیل میں اپنی شکل گم کرلینا۔ یہاں نہیں رہو گے تم۔" درشتی سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کر دور چلا گیا۔

احمر نے معصومیت سے گردن سینے پہ گرادی۔

"سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔"

☼ ☼ ☼

سب سخن' اس لب سخن کے اسیر
سارے موسم گلاب ہیں جیسے

اورنگ زیب کال سن کر آگئے تھے۔ لاؤنج میں سوائے خاموش بیٹھی ندرت کے سب باتیں کررہے تھے۔ حنین اور سعدی' ہاشم کی سیاست کے موضوع پہ کی گئی کسی بات پہ بحث کررہے تھے۔ اورنگ زیب آکر بیٹھے تو حنین پوچھنے لگی۔

"کیا آپ نے وہ تمام ڈرامے دیکھے جن کے لنکس میں نے آپ کو میل کیے تھے؟"

"اتنا وقت نہیں ہوتا میرے پاس۔ ہاں' دس پندرہ سال بعد کبھی فرصت ملی تو دیکھوں گا۔"

"ویسے اگر آپ نے "کے" ڈرامے (کورین ڈرامے) نہیں دیکھے۔ کے پوپ نہیں سنا تو کچھ دیکھا سنا نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں سارے کورین ایک جیسے نہیں لگتے؟ ایک ہی چائنیز شکل والے؟" اور ان کے اس سوال پہ حنین حسب معمول جذباتی ہوگئی۔

"ہم ساری قوموں کا یہی مسئلہ ہے۔ ہمیں دوسری قوم والے ایک جیسے لگتے ہیں۔ سیاہ فام بھی ایک سے اور چائنیز بھی ایک سے۔ ورنہ وہ بھی اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں جتنے ہم۔ اور خوب صورت بھی بہت ہوتے ہیں۔"

حنہ بولے جارہی تھی۔ ہاشم آہستہ سے اٹھ کر کچن کی طرف آگیا۔ کچن گھر کے آخری کونے میں تھا۔ وہاں سینٹر ٹیبل پہ نوشیرواں کھانا کھارہا تھا۔ میری اینجیو قریب کھڑی تھی۔ ہاشم نے چوکھٹ میں کھڑے تھکی ہوئی سانس بھری۔ شیرو نے چونک کر اسے دیکھا پھر شرمندگی سے پلیٹ پرے کی۔

"کھاؤ' شاباش' میں منع تو نہیں کرنے آیا۔" مگر وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے بڑبڑایا۔

"نہیں نہیں کرسکتا اس کو برداشت۔ اور آپ لوگ اس کو فیملی سمیت مدعو کرلیتے ہیں۔"

ہاشم نے میری کو اشارہ کیا۔ وہ باہر نکل گئی۔ پھر وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آکھڑا ہوا۔

"تمہیں ابھی تک یہی غصہ ہے کہ اتنے سال پہلے اس نے تمہاری شکایت ممی کو کیوں لگائی؟"

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" وہ بگڑا۔

"کیا تم نے پھر ڈرگز لیں؟"

"نہیں تو۔"

"اور ڈرگز نہ لینے سے تمہاری تعلیم پہ اچھا اثر پڑا' آج تم ایک کامیاب انسان بن چکے ہو۔ اس نے تمہارے لیے ایک اچھا کام کیا' اور تم ناراض ہو؟"

نوشیرواں کے تنے اعصاب ذرا ڈھیلے پڑے۔ "وہ تو ٹھیک ہے مگر۔"

"مگر یہ کہ شیرو! کیا یہ وہی سعدی نہیں ہے جس نے تمہاری جان بچائی تھی' تمہیں بروقت اسپتال لے

جاکر؟"

نوشیرواں چپ ہو گیا۔

"اب اس ناراضی کو بھول جاؤ۔"

"کیسے بھول جاؤں؟ پانچ سال اس ٹینشن میں گزارے کہ میری ہر موومنٹ کو وہ مانیٹر کر رہا ہے۔ جو ممی نے میری بے عزتی کی۔ اس کے بعد کتنا عرصہ وہ مجھ سے مجرموں کی طرح سوال جواب کرتی رہیں اور۔"

"تمہارا اس سے کسی لڑکی پہ جھگڑا تو نہیں ہے؟" ہاشم نے مسکراہٹ دبا کے پوچھا۔ اس کا موڈ مزید بگڑ گیا۔

"اتنا لوزر لگتا ہوں میں آپ کو؟" (اور یہ شکر تھا کہ گئے برسوں میں ایک لڑکی کے منگیتر سے پڑنے والی مار کی بھنک ہاشم کو نہیں پڑی تھی۔ جب وہ مار پڑی تھی تو سعدی سامنے بیٹھا کیفے میں کافی پی رہا تھا۔ اف!)

"چلو پھر موڈ ٹھیک کر لو۔ لاؤنج میں اس کی وہ تیز طرار بہن پھر سے بولنا شروع ہو چکی ہے۔ اس کو برداشت کرنے کے لیے مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

نوشیرواں سر جھٹک کر ہنسا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں باہر نکلے تو راہداری میں میری کھڑی ایک فلپینو لڑکی کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ وہ نروس، مگر ذہین سی لگتی لڑکی تیز تیز سر ہلائے جا رہی تھی۔ ہاشم نے سوالیہ نظروں سے میری کو دیکھا۔

"سر! یہ فینو نا ہے۔ ف۔ ی۔ او۔ نا۔" توڑ توڑ کر اس کا نام ادا کیا۔ "یہ نئی ملازمہ ہے۔ مسز جواہرات نے رکھی ہے۔ آج سے جوائن کیا ہے اس نے۔"

"ہوں۔" وہ ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالتا آگے نکل گیا۔ شیرو نے تو اسے دیکھا بھی نہیں۔

اندر جب حنین، اورنگ زیب سے بات کر رہی تھی تو شیرین مسلسل سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر جواہرات سامنے بیٹھی تھی اور اس کے سامنے شیرین خود کو سعدی سے لاتعلق ظاہر کرتی تھی، سو خاموش رہی۔

ہاشم اور نوشیرواں واپس آئے تو حنین کا ڈرامہ نامہ ابھی تک جاری تھا۔

"بیٹا! آپ کو پتا ہے، شیرو کل تائیوان جا رہا ہے۔ ابھی آپ کسی تائیوانی ڈرامے کی بات کر رہی تھیں نا۔" ہاشم نے مسکراتے ہوئے اسے ٹوکا اور سامنے صوفے پہ بیٹھا۔ حنین کی چلتی زبان رکی، سر گھما کر شیرو کو دیکھا۔

"تائیوان میں کیا رکھا ہے؟ جانا ہے تو ساؤتھ کوریا جائیں۔"

"آفس کے کام سے جا رہا ہوں۔" شکایتی نظر باپ پہ ڈالی۔ "کوریا کئی دفعہ جا چکا ہوں پہلے۔"

"تو دوبارہ چلے جائیں۔ میرے لیے Kimchi لے آئیے گا۔" وہ پرجوش سی ہو کر کہنے لگی۔ سعدی نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا مگر وہ متوجہ نہیں تھی۔ اکھڑے اکھڑے سے بیٹھے شیرو نے کندھے اچکائے۔

"ہاں وہاں بھی ایک دو دن کے لیے چلا جاؤں شاید۔ لے آؤں گا۔"

"واؤ۔ یو آر لکی۔" آگے پیچھے نوشیرواں جیسے لوزر کو لفٹ نہ کرانے والی حنین بے اختیار ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

ندرت ہنوز خاموش بیٹھی تھیں۔ ان کو اس ڈنر میں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کچھ بھی کہو، سب اپنی اناؤں پر اڑے ہیں
سب لوگ یہاں صورت اصنام کھڑے ہیں

اس سرد سی رات جب فارس اپنے نئے ساتھی قیدی کو سخت سست سنا کر پرے لیٹ چکا تھا اور ندرت قصرِ کاردار میں عدم دلچسپی سے بیٹھی تھیں۔ ان سب سے دور، یوسف صاحب کے گھر میں صداقت بھاپ اڑاتی کافی زمر کے سامنے رکھ رہا تھا۔

دفعتاً سربراہی جگہ پہ بیٹھے بڑے ابا ذرا کھنکھارے۔ وہ باسی اخبار دیکھتے ہوئے چونکی، نظر اٹھا کر ان کو دیکھا۔

"کس بات کی تمہید باندھنا چاہ رہے ہیں؟"

"وہ۔ فارس کے کیس کی سماعت اس مہینے ہے نا؟"
اس ذکر پہ اس کے ابرو تن گئے۔ واپس اخبار دیکھنے لگی۔

"آپ یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہیں کہ لاؤنج کی میز پہ رکھا سمن آپ نے نہیں دیکھا جس میں مجھے پیش ہونے کے لیے کہا گیا ہے؟"

"زمر!" وہ بے بسی سے آگے کو ہوئے۔ "کیا تم اس کے خلاف گواہی دو گی؟"

"جو سچ ہے' وہی کہوں گی۔" وہ اخبار پڑھتی رہی۔
"ڈھائی سال ہو گئے اس بات کو' تم ایک دفعہ بھی اس سے نہیں ملیں۔ اس کی بات تو سن لو۔"

"میں جج ہوں' نہ پراسیکیوٹر' نہ ڈیفینڈر۔ میں صرف ایک گواہ ہوں۔ اپنی بات وہ عدالت میں کہے۔ مجھ سے کیوں امید رکھتا ہے؟"

"سعدی سے تو مل لیا کرو۔" انہوں نے ایک اور کوشش کی۔

"وہ میری موجودگی میں گھر آتا تو مل لیتی۔ نہیں آتا تو میں کیا کروں؟"

"وہ تو تمہارا سعدی ہے' ہمارا سعدی۔ اس کا کیا قصور ہے؟"

"جب مجھے اس کی ضرورت تھی' وہ وہ میرے ساتھ نہیں کھڑا تھا۔ اسپتال میں رشتہ داروں کی لعن طعن کے وہ تکلیف وہ دن' وہ راتیں جب میں درد کی شدت سے بیدار ہو جاتی تھی' میں نے کیسے گزارے' مجھے یاد ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اکیلی ٹھیک ہوں۔" صفحہ پلٹ کر اندرونی طرف سامنے کی۔ چہرے پہ سنجیدگی اور سپاٹ پن تھا۔ وہ افسوس سے اسے دیکھے گئے۔

"کیا تمہیں اپنی گواہی پہ خود یقین ہے؟"

"نہ ہوتا تو کبھی گواہی نہ دیتی۔ اور رہی گواہی تو وہ میں پچھلی پیشی پہ دے چکی ہوں۔ اس دفعہ مجھے صرف کراس ایگزامن کرنے کے لیے بلایا جا رہا ہے۔"

ساتھ ہی مگ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

"ندرت کو ٹرپل ویسل (دل کی نالیوں کی) بیماری ہو گئی ہے۔ اس کا دل ٹھیک کام نہیں کرتا۔ اگر فارس کو سزا ہو گئی تو وہ صدمے سے مر جائے گی۔"

"یہ فارس کو مجھ پہ گولی چلانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" دوسرا گھونٹ بھر کر مگ واپس رکھا۔ نگاہیں اخبار پہ نیچے کی سمت دوڑائی گئی۔ ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔

"سعدی کے گھر ہی چلی جایا کرو۔"

"ضروری کام ہوا تو چلی جاؤں گی۔ ناراض تھوڑی ہوں میں اس سے۔" ساتھ ہی اس کا فون بجا۔ وہ بات کرنے میں مصروف ہو گئی اور بڑے ابا اپنی ادھوری چائے کو دیکھے گئے۔

آج تو چائے کے ساتھ' بات بھی ادھوری رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہم نہ کہتے گھر جاؤ گے
کس جگہ پہنچے ہو آخر دیکھو

(یہ حنین کو دیے جانے والے ڈنر سے چار روز بعد کا ذکر ہے۔)

رات کا اندھیرا ہر سو پھیلا تھا۔ سردی مزید بڑھ گئی تھی۔ چھوٹے باغیچے والے گھر میں سعدی کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ کمبل تانے گہری نیند سو رہا تھا۔ یکایک وہ ذرا سا ہلا۔ پھر کمبل ہٹایا تو بکھرے بال اور چہرہ واضح ہوا۔ وہ اچنبھے سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دماغ اتنا سویا ہوا تھا کہ فوری طور پر سمجھ میں نہ آیا کہ یہ آواز کدھر سے آ رہی تھی' زوں زوں۔

اس نے تکیہ ہٹایا۔ نیچے دبا موبائل بج رہا تھا۔ آہ.... وہ نیند سے کراہا۔ موبائل اٹھایا۔ رات کے ڈیڑھ بجے اور انجان نمبر۔ اکتا کر اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو؟" آواز بھاری اور نیند میں ڈوبی نکلی۔

"سعدی! ابھی اسی وقت میرے گھر آ سکتے ہو؟"
اس کی نیند میں ڈوبی آنکھیں ذرا سی کھلیں۔ "کو.... کون ہے؟"

"سعدی! اٹھو اور میری بات سنو۔" ذرا زور سے کہا گیا تو وہ چونک کر اٹھا۔

"ہاشم بھائی! خیریت؟" حیرت سے آنکھیں ملیں۔ ٹیبل لیمپ جلایا۔ گھڑی روشن ہوئی۔ ڈیڑھ بجے۔

"ابھی اسی وقت میرے گھر آؤ اپنی بہن کو لے کر۔ ٹریفک نہیں ہوگا' بیس منٹ لگیں گے۔ تم دونوں آؤ اور سنو! اکیسواں منٹ نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا لہجہ' انداز... سعدی فکر مند ہو گیا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟"

"تم ابھی تک بستر سے نہیں نکلے کیا؟ جلدی کرو یار! میں انتظار کر رہا ہوں۔" اور فون بند ہو گیا۔ وہ حیران و پریشان سا بیٹھا رہ گیا' پھر تیزی سے بستر سے نکلا۔ دو' تین منٹ بعد وہ منہ پہ چھینٹے مار' کپڑے بدل کر جیکٹ پہنے' کار کی چابی اٹھائے باہر آیا تو لاونج سے آوازیں آ رہی تھیں۔ معلوم تھا وہ جاگی ہوئی ہوگی۔

کمپیوٹر کے سامنے کرسی پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' ہیڈ فون چڑھائے' ہنستے ہوئے اسکرین کو دیکھتی' ساتھ پیالے سے پاپ کارن اٹھا کر منہ میں رکھتی' حنین روز رات گئے تک یوں ہی پائی جاتی تھی۔ آہٹ پہ وہ چونکی' پھر بھائی کو آتے دیکھ کر پرجوش سی بتانے لگی۔

"پتا ہے' سوپر جونیئر (کوریا کا ایک بینڈ) ایک شو میں آئے ہوئے ہیں اور ان کے لوگ اپنے مسئلے بتا رہے ہیں' جیسے ایک لڑکے کا دوست سانپ اور بچھو کھانے لگ گیا ہے تو وہ..." سعدی نے آگے آ کر کمپیوٹر کی تار کھینچی۔

"سوئیٹر پہنو اور باہر آؤ' میں کار میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"ہا..." وہ ہکا بکا رہ گئی۔ پھر غصے سے ہیڈ فون اتارے۔ "اتنی مشکل سے ویڈیو ڈاؤن لوڈ کی تھی اور..."

"حنین! جلدی کرو' کوئی وجہ ہے تو کہہ رہا ہوں نا۔" سختی سے کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ کار اسٹارٹ کی تو وہ بھی آ ہی گئی۔ گرین لمبا اوور کوٹ پہنے۔ (جو تھا تو ایل شاپ کا' مگر امی کی تاکید تھی کہ ہر ایک کو کہنا ہے' سارہ لندن سے لائی ہے۔) اندر سوئیٹر۔ گردن کے گرد دوپٹا اور بال ہیر بینڈ لگا کر کھلے چھوڑے' چہرے پہ ڈھیروں ناراضی لیے۔ چپ چاپ فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھی۔ سعدی خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر حنین نے اپنے اور امی کے مشترکہ موبائل پہ گانا آن کر لیا۔

ساتھ میں سر دھننے لگی۔

"بند کرو اس سوپر جونیئر کے ماماشیتا کو۔"

"یہ ماماشیتا نہیں ہے' سٹی ہنٹر کا گانا ہے۔ اس میں Lee Min Ho آتا ہے۔ پتا ہے' اس کے باپ کو گورنمنٹ نے مار دیا ہوتا ہے تو وہ کئی سال بعد انتقام لینے کوریا کے صدر کا سیکورٹی آفیسر تعینات ہو جاتا ہے۔ اور..."

پھر رکی۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہاشم بھائی نے بلایا ہے' کوئی مسئلہ ہے۔"

وہ حیران رہ گئی۔ "تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا ہاشم بھائی خود ہر مسئلہ سنبھال نہیں لیا کرتے؟" اس کی نقل اتار کر سر جھٹکا۔

"میرا خیال ہے دنیا میں ابھی کچھ ایسے بھی مسئلے ہیں جنہیں وہ نہیں سنبھال سکتے۔" سعدی نے گہری سانس بھر کر شانے اچکائے۔

جب وہ کاردار قصر کے اندرونی دروازے میں داخل ہوئے تو ہاشم سامنے ہی کھڑا تھا۔ سیاہ ٹراوزر پہ گرے ٹی شرٹ پہنے وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ انہوں نے شاید پہلی دفعہ اسے ٹی شرٹ میں دیکھا تھا۔

"اوپر میرے کمرے میں جاؤ' میں آ رہا ہوں۔" اس نے سعدی کو اشارہ کیا۔ اس کا حلیہ' ساتھ ہی مصروف مگر پریشان انداز... اور پھر پلٹ کر لاونج میں پریشانی سے ٹہلتی' کچھ بولتی جواہرات۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم اتنی دیر کیوں کر رہے ہو ہاشم! ان کو پیسے دو اور میرے بیٹے کو واپس لاؤ۔" دبا دبا غرائی وہ رکی۔ دونوں بہن بھائی کو دیکھ کر جھٹکا لگا۔

"ان کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

سعدی' حنین کا ہاتھ تھامے فوراً" اوپر لے آیا۔ ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل انہوں نے

نیچے ہاشم کو کہتے سنا۔

"ممی! آپ آرام سے بیٹھ جائیں، میں کر رہا ہوں نا۔" اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے وہ سمجھا رہا تھا۔

دروازہ بند ہوا تو آوازوں کا رستہ رک گیا۔

اندر کمرے کی ساری بتیاں خود بخود جل اٹھیں۔ وہ دونوں خاموش اور غیر آرام دہ سے کاؤچ پہ جا بیٹھے۔ میز پہ ہاشم کا لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ وہ آن تھا، مگر اسکرین اسٹینڈ بائی پہ تھی۔ سیاہ تاریک۔

"یہ کیا ہو رہا ہے بھائی؟"

"کوئی مسئلہ ہے ان کے گھر میں....." اور تب ہی وہ عجلت سے دروازہ کھولتا اندر آیا۔ سامنے میز کے کنارے آ بیٹھا۔ حنین کے بالکل سامنے۔ سعدی کو دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

"حنین، بچے! اب جو میں پوچھوں مجھے سچ سچ بتانا۔"

حنین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر سعدی کو۔

"جی؟"

"کیا تمہارا علیشا سے کوئی کانٹیکٹ ہے؟"

"نہیں۔"

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" ہاشم نے اس کو غور سے دیکھتے پوچھا تو حنین کے ابرو تن گئے۔

"میں آپ سے ڈرتی نہیں ہوں، جو جھوٹ بولوں گی۔ نہ اس سے رابطہ رکھنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت چاہیے۔"

"حنین۔" سعدی نے اسے تادیبی انداز میں پکارا۔ مگر وہاں کہاں اثر ہونا تھا۔

"او کے..... مگر کیا تم جانتی ہو، وہ ابھی کہاں ہے؟ یا معلوم کر کے بتا سکتی ہو؟"

"مگر ہوا کیا ہے؟"

ہاشم نے گہری سانس لی، ترچھے ہو کر لیپ ٹاپ کی کیز کو چھوا۔ اسکرین روشنی ہوئی۔

"شیرو تائیوان سے کوریا گیا تھا۔ واپس نہیں آیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مجھے فیس بک پہ کسی انجان آئی ڈی کی جانب سے ویڈیو ملی ہے تاوان کے لیے۔" حنین اور سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ نوشیرواں اغوا ہو گیا تھا اور ہاشم نے انہیں بلایا تھا؟

وہ اب ویڈیو کھول رہا تھا۔ اسکرین پہ ایک کمرا تھا۔ لکڑی کا فرش، پیچھے سلائیڈنگ ڈور، کاؤچ، الماری، چھت، پیچھے نظر آتا ایک سوئچ بورڈ، وسط میں رکھی کرسی جس پہ نوشیرواں بیٹھا تھا، ہاتھ پیچھے بندھے تھے۔ بکھرے بال، روئی روئی آنکھیں۔ گردن جھکی ہوئی۔ کیمرا آن ہوا۔ تو اس نے چہرہ اٹھایا۔ وہ شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔

"ڈیڈ..... بھائی..... یہ لوگ آپ کو ایک اکاؤنٹ نمبر اور ایک رقم ای میل کر رہے ہیں اور....." وہ رک کر کیمرے کی سمت دیکھنے لگا، جہاں سے اسے ہدایات مل رہی تھیں۔ یقیناً" اغوا کار وہیں کھڑے اسے متنبہ کر رہے تھے۔ چہرے پہ خوف لیے شیرو تھوک نگلتا پھر سے کہنے لگا۔ "آپ چار گھنٹے کے اندر اندر یہ رقم بھجوا دیں، ورنہ یہ مجھے مار دیں گے۔ میں کوریا میں ہوں۔ اگر آپ میں سے کوئی گھر سے بھی نکلا یا یہاں آنے کی کوشش کی یا کسی کو کال کرنے کی تو یہ مجھے مار دیں گے۔" آنسو خوف زدہ، ہراساں شیرو کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ سدا کا ڈرپوک شیرو بلی کا بچہ لگ رہا تھا۔

"بھائی پلیز..... مجھے یہاں سے نکال لو اور کسی کو فون مت کرنا۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ مجھے مار دیں گے۔ ان کے پاس آپ کے تمام نمبرز ہیں، یہ ہر چیز مانیٹر کر رہے ہیں۔" اور اسکرین سیاہ ہو گئی۔

سعدی نے بے یقینی کے عالم میں سر اٹھایا۔ ہاشم تھکا تھکا اور پریشان نظر آ رہا تھا۔

"کیا آپ نے پولیس کو کال کی؟ آپ کے تو کتنے ہی کانٹیکٹس ہوں گے ایجنسیز میں۔"

"کی تھی..... میرے لوگ کورین پولیس سے بات کر رہے تھے، جب یہ دوسری ویڈیو موصول ہوئی۔ تمہیں کال کرنے کے دس منٹ بعد۔" چند بٹن دبائے اور پیغام کھولا۔

وہی کمرا اور ویسے ہی نڈھال، بندھا ہوا شیرو۔ البتہ اب اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔

"بھائی! انہوں نے منع کیا تھا کسی کو کال کرنے سے، آپ لوگ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے آپ کو؟ ایک مانیٹر کو بھی اپنے بچے سے محبت ہوتی ہے۔ پلیز ان کو رقم دیں اور مجھے یہاں سے نکالیں۔ ورنہ یہ پہلے میرے کان کاٹیں گے، پھر انگلیاں۔"

ویڈیو ختم ہوئی اور ہاشم کے چہرے کی تکلیف بڑھ گئی۔ شیرو کا خون نکلتے دیکھنا بہت اذیت ناک تھا۔ حنین خاموش تھی اور سعدی ہکا بکا۔

"کیا وہ لوگ آپ کے فونز بگ کر رہے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا... مگر... اب ہم کسی سے رابطہ نہیں کر رہے۔ میں نے سب کو منع کر دیا ہے۔"

"مگر..." سعدی بے چینی سے آگے ہوا۔ "یہ خالی خولی دھمکی بھی تو ہو سکتی ہے۔ آپ خفیہ طور پہ کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش..."

"وہ میرا بھائی ہے، میں اس کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔"

"اور... اس سارے معاملے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟" حنین پہلی دفعہ بولی۔ دیکھ وہ ابھی تک اسکرین کو رہی تھی۔ (اس لوزر کے کان کی جگہ بال کاٹ دیں تو کتنا اچھا ہو۔ اونہوں نہیں۔ یہ تو آئینہ دیکھتے ہی مر جائے گا۔)

"مجھے شک ہے کہ اس میں **علیشا** ملوث ہو سکتی ہے۔"

"کبھی نہیں۔" **حنہ** نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔

"وہ کمزور اور بزدل سی ہے۔ آپ کے بھائی کو اغوا' ناممکن؟"

"وہ کسی کے ساتھ مل کر یہ کر سکتی ہے۔ میں نے اس کی فیس بک پروفائل چیک کی تھی۔ دیکھو' اس نے کور فوٹو سیئول (کوریا کا ایک شہر) کی لگا رکھی ہے۔" اس نے اسکرین پہ **علیشا** کی پروفائل کھول کر دکھائی۔

"یہ اس نے کوئی چھ ماہ پہلے لگائی تھی اور وہ اس لیے کہ ہم 'کے' ڈرامے اور 'کے' پوپ کے شوقین ہیں۔ ہمیں 'کے' کلچر پسند ہے' میری بھی پروفائل پہ یہ ہی سب ہے' اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں کوریا میں ہوں اس وقت۔"

"مگر اس واہمے کی مجھے تصدیق کرنی ہے۔ اگر خاور ہوتا تو وہ یہ سب کر لیتا' مگر وہ دو روز قبل ہی اپنے کسی کام سے ملک سے باہر گیا ہے۔ میں اس کے بغیر بالکل مفلوج ہوں۔" میز کے کنارے پہ بیٹھا قدرے بے بسی سے کہتے ہاشم پہ سعدی کو ترس سا آیا۔

"ہاشم بھائی! ہم آپ کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ آپ بتائیں کیا کرنا ہے۔"

اس بات پہ **حنہ** نے گھور کر سعدی کو دیکھا اور پھر ہاشم کو۔ وہ ابھی تک ناگواری محسوس کر رہی تھی۔

"اوکے' حنین سنو! تم **ہیکنگ** جانتی ہو' تم نے ڈیڈ کو کئی دفعہ بتایا تھا۔ سو تم **علیشا** کی لوکیشن ٹریس کرو۔ ساتھ میں تم اس ویڈیو بھیجنے والے کی لوکیشن بھی ٹریس کرو۔ پھر اس فارن بینک اکاؤنٹ کو ٹریس کرو کہ یہ کس کے نام ہے اور اس شخص کی تمام تفصیلات مجھے دو۔ ساتھ ہی شیرو کے موبائل کو ٹریس کرنے کی کوشش کرو کہ آخری دفعہ وہ کب اور کہاں استعمال ہوا تھا۔ فی الحال وہ بند ہے۔ کتنی دیر میں تم یہ سب کر سکتی ہو؟" وہ سنجیدہ تھا اور حنین نے اتنی ہی سنجیدگی سے سر ہلایا۔

"دس سے بارہ منٹ میں۔"

"واقعی؟" ہاشم تو ہاشم... سعدی کو بھی جھٹکا لگا۔

"شیور... یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مگر آپ نے سیٹ نہیں لگایا ابھی تک۔" معصومیت سے ادھر ادھر دیکھا۔

"کیا؟" ہاشم سمجھا نہیں۔

"ہم ہالی ووڈ کے کسی سیٹ پہ ہیں نا اور میں تو ہوں ہی Nolan Ross جو کھٹ کھٹ کر کے سب کچھ فٹافٹ ہیک کر لوں گی اور دس منٹ میں مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"حنین!" سعدی نے اس کے جوتے پہ جوتا رکھ کر دبایا۔

"سوری ہاشم بھائی! مگر نولن اور ہک جیسے

صرف ہالی ووڈ میں ہوتے ہیں۔ میں انٹرنیٹ سے کسی بینک کا مین فریم ہیک نہیں کر سکتی۔ نہ ہی ہم فیس بک میسج سے کسی کا آئی پی ایڈریس یا لوکیشن معلوم کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں فیس بک کمپنی سے رابطہ کرنا ہوگا اور اس میں دو ماہ لگیں گے۔"

ہاشم لب بھینچے سلگتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ (بدتمیز لڑکی۔)

"تو تم کیا کر سکتی ہو؟"

"ایسے مت دیکھیں مجھے۔ خاور بھی یہ نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو ایک کیک چاہیے اور میں دیوار پہ لگے بیکری کے اشتہار کو پھاڑ کر اندر سے کیک نکال لوں' مگر اشتہار کے کاغذ کے پیچھے دیوار ہوتی ہے' بیکری نہیں۔ کیک نکالنے کے لیے ہمیں بیکری کا تالا توڑنا پڑے گا اور گھر بیٹھے یہ سب نہیں ہو سکتا۔"

"یعنی کہ تم کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔"

"خیر اب یہ بھی نہیں کہا میں نے۔ میں یہ کر سکتی ہوں کہ علشا کو ای میل کرتی ہوں' اس کے جواب سے اس کی لوکیشن ڈھونڈتی ہوں۔ ساتھ اس ویڈیو بھیجنے والے کا اکاؤنٹ ہیک کرتی ہوں' شاید اس کے اپنے ان بوکس سے کوئی سراغ مل جائے۔ کوئی فون نمبر' کوئی دوسرا ای میل ایڈریس۔"

ہاشم خوش نہیں تھا' مگر اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے' تم کام شروع کرو۔"

"ابھی نہیں کر سکتی میں کچھ۔" وہ اس کی بات پہ جاتے جاتے پلٹا۔ سعدی نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔ حنین نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"دراصل میں خالی معدے کے ساتھ میرا دماغ کام نہیں کرتا۔ بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ میرا شوگر لیول بھی لو ہو رہا ہے۔"

ہاشم نے گویا جھٹ کر انٹر کام اٹھایا اور ضبط کرتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ "میری! اوپر آؤ اور میڈم جو کہیں ان کو پانچ منٹ میں بنا کر لادو' ہری اپ۔" اور دھاڑ سے دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔

"تم کچھ زیادہ ہی بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔" سعدی نے واقعی غصے سے اس کا بازو جھنجھوڑا۔ "ابھی پاپ کارن نہیں کھا کر آ رہی ہو کیا؟"

"ایک تو اچھا بھلا سوپر جونیئر دیکھ رہی تھی' اوپر سے سردی۔۔۔ خوامخواہ مجھے اٹھایا' وہ بھی اس انوکھے لاڈلے کے لیے' اب بھگتیں۔" وہ ڈھٹائی سے شانے اچکاتی لیپ ٹاپ قریب کرنے لگی۔

چند منٹ بعد لیپ ٹاپ گود میں تھا۔ ایک ہاتھ میں جوس کا گلاس' سامنے چین پزا' کٹلٹس' ساس' فرنچ فرائز' منہ مسلسل چلاتے ہوئے وہ کیز دبا رہی تھی۔ سعدی چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تو اس نے فرنچ فرائز کی پلیٹ بڑھائی۔

"کھائیں گے؟"

"ان کا بھائی اغوا ہو گیا ہے' سارا گھر پریشان ہے' اغوا کار پچاس کروڑ مانگ رہے ہیں اور تم کھا رہی ہو؟"

حنین نے جوس کا گھونٹ بھرا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "پچاس کروڑ میں کتنے زیرو ہوتے ہیں؟"

"اف۔۔۔" وہ کراہ کر اٹھا اور باہر نکل آیا۔ سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ سے جھانکا۔ اور نگ زیب پریشانی سے ماتھا مسلتے بیٹھے تھے۔

ہاشم ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا اور جواہرات ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔ "تم لوگ پیسے کیوں نہیں دے رہے؟ وہ شیرو کو مار دیں گے ہاشم!" آنسو اس کی آنکھوں سے ابلنے کو تیار تھے۔

"ہم پیسے دے دیں گے' بات پیسوں کی نہیں ہے ممی! اگر شیرو نے ان کی شکلیں دیکھ رکھی ہوں گی۔ کیا گارنٹی ہے کہ وہ پیسے لے کر اس کو چھوڑ دیں گے۔ ایسے لوگ تاوان لے کر مغوی کو مار دیا کرتے ہیں۔"

"تو تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟" اور نگ زیب بھی غصے سے بولے تھے۔

"ان کی لوکیشن یا ان کے بارے میں کوئی معلومات۔ کوئی لیوریج ہونا چاہیے ہمارے پاس جس کے اوپر ہم ان سے شیرو کو زندہ سلامت واپس لیں۔"

جواہرات نفی میں سرہلاتی نڈھال سی بیٹھ گئی۔ہاشم موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ سعدی افسوس سے واپس پلٹ آیا۔ اندر وہ صوفے پہ بیٹھی، ہاشم کے ہیڈ فون چڑھائے چپس کھاتے ہوئے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا کوئی نئی ویڈیو آئی ہے؟" وہ تیزی سے لپکا۔

"نو نہوں۔۔۔ میں اس کے اکاؤنٹ کو ہیک کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔ چند گھنٹے لگیں گے۔ تب تک میں اس ڈرامے کی آخری دو قسطیں دیکھ لوں۔" بڑے غور سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ وہ جو جوش سے لپکا تھا جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"پتا ہے بھائی! اتنا مزے کا ڈراما ہے۔ Days 49 اس میں جو ہیروئن ہے نا۔"

"یا اللہ۔۔۔ کب شمالی کوریا ایٹم بم بنائے گا اور کب اسے جنوبی کوریا پہ گرائے گا۔ کب جان چھوٹے گی اس "کے" کلچر سے۔"

وہ کراہ کر پیچھے کو ہو گیا۔ حنین کے ڈرامے سر چکرا دیتے تھے۔ وہ منہ بنا کر (ہونہہ۔۔۔) پھر سے دیکھنے لگی۔

✡ ✡ ✡

ویران سرائے کا دیا ہے
جو کون و مکاں میں جل رہا ہے

اس رات بھی حوالاتی کوٹھڑی کی سلاخوں کا صرف کنارہ روشن تھا۔ باقی سب تاریکی میں ڈوبا تھا۔ ایک کونے میں فارس اور دوسرے میں احمر۔۔۔ دور دور چت لیٹے چھت کو دیکھ رہے تھے۔ فارس روشنی والے کونے میں تھا۔ ٹیوب لائٹ کی مدھم سی کرن اس کی تاریک دنیا کو روشن کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس کی کوشش کے باوجود احمر اس سیل سے نہیں گیا تھا۔ اب اس نے کوشش بھی ترک کردی تھی۔

"فارس بھائی!" اس نے ہلکے سے پکارا۔ چت لیٹے، چھت کو تکتے فارس کی پیشانی پہ بل پڑے۔

"کیا تمہیں کسی نے خاموش رہنا نہیں سکھایا؟"

"میں نے سیکھا ہی نہیں۔ ویسے کوئی سکھانے والا تھا بھی نہیں۔" قدرے توقف کیا۔ "آپ نماز پڑھتے ہیں؟"

"ہوں۔۔۔"

"وہ تو میں نے دیکھا ہی تھا۔ نماز میں بھی ساتھ والی کوٹھڑی سے کیا آوازیں آرہی ہیں، سب خبر ہوتی ہے آپ کو۔"

"سب کو ہوتی ہے، اب سو جاؤ۔" وہ بے زار ہوا۔

"سنیں نا۔۔۔ کیا ہمیشہ سے پڑھتے تھے؟"

"نہیں جیل میں آنے کے بعد شروع کی۔"

"تو اب کیوں پڑھتے ہیں نماز، اپنے سگے بھائی کے قتل کے الزام۔۔۔"

"وہ میرا سوتیلا بھائی تھا، اپنے فیکٹس درست رکھو۔"

احمر نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔ "مطلب وہ آپ کو پسند نہیں تھا؟"

"صرف تمہاری غلطی درست کررہا ہوں، زیادہ اسٹیپنی نہ بنو۔" (زیادہ چپکو نہیں۔)

"تو کیوں پڑھتے ہیں آپ نماز؟"

"مجھے خود نہیں پتا۔" وہ بہت دیر بعد بولا۔ "کچھ دن پڑھتا ہوں جوش سے، پھر ڈھیلا پڑ جاتا ہوں اور کئی دن یوں گزر جاتے ہیں جیسے اندھیری سرنگ میں ہوں۔ پھر کچھ دن پڑھتا ہوں۔ تب اپنا آپ بہت نیک لگتا ہے۔ ہلکا اور پارسا۔ مگر پھر ڈھیلا ہو جاتا ہوں اور یہ پڑھنے، نہ پڑھنے کا چکر کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ چاہوں تو ہر وقت پڑھوں، میرے اندر بہت اسٹیمنا ہے۔ مگر میری نماز مجھ پہ کوئی فرق نہیں ڈالتی۔ شاید میرا دل سخت ہو گیا ہے۔"

"اس نے بھی یہ ہی کہا تھا۔" چت لیٹے احمر نے ہولے سے کہا تو فارس چونکا۔

"کس نے؟"

"چڑیل نے۔ پچھلے سال آیا تھا میں اورنگ زیب صاحب کے کہنے پہ آپ کی پیشی دیکھنے۔ تب جب انہوں نے چڑیل کو گواہی کے لیے بلایا تو اس نے بھی یہ ہی کہا۔"

"کون چڑیل؟"

"اوہو... پراسیکیوٹرزمر... گھنگریالے بالوں والی چڑیل۔" فارس کے ابرو تن گئے۔ ناپسندیدگی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"بکومت..." مگر اس نے نہیں سنا۔ وہ چھت کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"جب استغاثہ نے اس سے اس کی حالت کا پوچھا تو اس نے کہا میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا' میری نماز بھی نہیں۔ کیونکہ اب میں نماز کے آخر میں دعا نہیں مانگتی۔ میرے حادثے نے میرا دل' میری زندگی' میری نماز' ہر شے کو مردہ کردیا۔"

فارس چپ رہا۔ چہرہ واپس پھیرلیا۔ نگاہیں چھت پہ جا ٹکیں۔

"میں بھی پانچ وقت کی نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ اچھی اور لمبی نماز' زندہ نماز' مگر مجھ سے یہ نہیں ہوتا' کیا کروں؟"

"پراسیکیوٹر سے پوچھو۔" اس بات پہ احمر ہنسا۔ باہر پھیلی سرد رات ہر گزرتے پل سیاہ پڑتی گئی۔

"اچھا سنیں... آپ کا کیس کیسا جارہا ہے؟" احمر نے اس رخ کروٹ بدلی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پہ کمر کے بل لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔ سفید کرتا اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

"ڈھائی سال میں تین پیشیاں ہوئی ہیں' کیسا جارہا ہوگا؟"

"اوہ... میری تو چند دن میں چار ہوچکی ہیں۔"

"کیونکہ تم اورنگ زیب کاردار کے آدمی ہو۔" اس کے اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

"نہ کریں یار... کیوں ان سے اتنے خفا ہیں؟ وہ برے نہیں ہیں' بس اپنا فائدہ اوپر رکھا انہوں نے۔"

"اور وہ بھی تمہارے کہنے پہ۔" تلخی سے نگاہ پھیر کر دور لیٹے احمر کو دیکھا۔ "ویسے اب تک کیا' کیا رپورٹنگ کرچکے ہو میرے بارے میں؟"

"ہاشم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی دوبارہ' نہ کسی اور نے کچھ پوچھا۔ اگر پوچھے گا تو بتادوں گا۔"

"کیا؟"

"اتنا ہی جتنا آپ کے بارے میں سارے جیل کو معلوم ہے۔ جھگڑے' پھڈے وغیرہ۔" وہ لاپروائی سے ہنسا۔

"اور اگر میں کہوں کہ مجھے اس کیس میں بھی تمہارے سابقہ باس نے پھنسایا ہے تو ان کو بتادو گے؟"

احمر ایک دم کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھا' حیرت اور اچنبھے سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "کاردار صاحب نے؟ وہ کیوں پھنسائیں گے آپ کو؟"

"وہ نہیں... ہاشم۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس نے ہی یہ دونوں قتل کروائے ہیں' بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ چاہتا تو آج میں باہر ہوتا۔"

احمر کچھ دیر سوچتا رہتا۔ پھر نفی میں سرہلایا۔ "نہیں فارس بھائی! جن دنوں آپ گرفتار ہوئے تھے' میں دن رات کاردار صاحب کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ واقعی آپ کے لیے پریشان تھے' مگر کچھ میری حکمت عملی اور کچھ ان کی اپنی سوچ تھی کہ انہوں نے آپ کے اوپر سے ہاتھ کھینچ لیا۔"

"الیکشن جیتنے کے بعد تو وہ میری مدد کرسکتے تھے نا۔"

"میرا خیال ہے ان کی نظر میں آپ قصوروار تھے۔ ہاں مگر ہاشم نے تو آپ کے لیے بہت بھاگ دوڑ کی۔ میں ان دنوں وہیں تھا۔ ہاشم نے بارہا آپ کو بے قصور کہا اور ان دنوں وہ آفس' جیل' کچہری کے چکر لگا لگا کر تکان کا شکار لگتا تھا' مگر اس نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ٹھیک ہے' آپ اس کو پسند نہیں کرتے' مگر اس کے بارے میں اتنا غلط مت سوچیں۔"

فارس کافی دیر خاموشی سے چھت کو دیکھتا رہا۔

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ شروع میں اس پہ شک تھا' مگر پھر اتنے سال اس بارے میں سوچا۔ ہمارے جائیداد کے جھگڑے اتنے بڑے نہیں تھے کہ وہ مجھے اندر کرواتے' جبکہ میں ان سے کچھ مانگ بھی نہیں رہا تھا۔ دوسرا ان کی میرے بھائی سے' بیوی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی۔ کوئی بھی چیز ان کی طرف اشارہ نہیں کرتی' مگر..."

وہ لحظے بھر کو ٹھہرا۔ احمر دھیان سے اسے سن رہا تھا۔

"مگر آخری فتویٰ دل سے لیا جاتا ہے اور میرا دل ہاشم کے لیے کبھی اچھا نہیں سوچ سکتا۔"

"آپ کو ان کے بارے میں نہیں' یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"تو کیا کروں؟ جیل توڑ دوں؟" وہ کوفت زدہ ہوا۔

"اچھا ایک بات تو بتائیں۔" وہ پھر بولا۔ مگر فارس کو اب احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔ فوراً" کروٹ بدل لی۔

"چپ کر کے سو جاؤ' زیادہ اسٹیپنی نہ ہو۔"

اس کے انداز پہ احمر نے منہ بنایا۔ (ہونہہ) اور برے دل کے ساتھ واپس لیٹ گیا۔

"یو نو۔۔۔ میرے بھی کچھ پرین رائٹس ہیں اور ان میں سب سے پہلی چیز صاف ستھری فضا کا ہونا' ہائی جین والی ڈائٹ کا ہونا اور۔۔۔"

تھوڑی دیر بعد "اسٹیپنی" پھر شروع ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

مگر یہ قتل کی سازش کہاں سے آنکلی
وہ لوگ تو تھے میرے خاندان کے ہی

ہاشم کے کمرے میں سینٹرل ہیٹنگ سے کافی گرمائش تھی۔ حنین چپس کھاتے کمپیوٹر پہ کام کر رہی تھی۔ صوفے پہ پیچھے کو ٹیک لگائے سعدی کو نیند آنے لگی مگر حنین کی آواز نے جگا دیا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"آئیں ان کی فوٹوز دیکھتے ہیں۔" وہ دلچسپی سے کہتی ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فولڈرز کھولے جا رہی تھی۔ سعدی نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ "بری بات ہے حنہ! کسی کی ذاتی چیزیں نہیں دیکھتے۔"

"اوکے۔۔۔ آپ آنکھیں بند کر لیں۔" اس نے پرانی تصویریں کھولیں۔ ہاشم کی اسٹین فورڈ کے دنوں کی۔ تب بھی وہ ایسا ہی تھا' مگر ذرا ینگ۔ شہرین بھی ان میں تھی۔ کلاس فیلو تھی شاید یا جونیئر۔

"یہ آج کہاں ہے؟"

"اپنی امی کے گھر' ہاشم بھائی نے بتایا ہے۔" سعدی نے لبوں پہ مٹھی رکھ کر جمائی روکی۔ حنین تیز تیز تصویریں آگے کرتی جا رہی تھی۔ پھر وہ اس سے بھی بور ہو گئی اور واپس ڈراما لگا لیا۔ دفعتاً" ہاشم کمرے میں داخل ہوا تو حنین نے جھٹ اسکرین پہ اصل کام والی ونڈو سامنے کر لی۔

"علیشا کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اغوا کار کا اکاؤنٹ ہیک کرنے میں ابھی کچھ اور گھنٹے لگیں گے۔"

اس نے اطلاع دی۔ ہاشم نے بس سر ہلایا اور الماری کی طرف آیا۔ سعدی یوں ہی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ الماری سعدی کی پشت پہ تھی۔ ہاشم نے دروازہ کھولا تو خانے سامنے آئے۔ تیسرے خانے میں ایک ڈیجیٹل لاک والا سیف نصب تھا۔ ہاشم نے چند نمبر دبا کر سیف کا دروازہ کھولا۔ اندر کاغذات' چیک بکس' نوٹ' بہت کچھ نظر آیا۔ وہ چیزیں الٹ پلٹ کر کے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ سعدی نیند میں ڈوبی آنکھوں سے اسے' ہمدردی سے دیکھنے لگا۔

اس نے چیک بک نکالی اور کچھ پیپرز۔ اندر سیف میں ہر چیز بکھر چکی تھی اور سعدی واپس گردن موڑنے ہی لگا تھا کہ نگاہ میں کچھ اٹکا۔ جیسے سیاہ رات میں کوئی انگارہ نظر آئے۔ مگر وہ بلاشبہ ایک دہکتا ہوا انگارہ تھا۔

سیف کی دیوار کے ساتھ ایک لفافے سے کچھ جھلک رہا تھا۔ ایک تصویر کی سفید پشت جس پہ سرخ اور نیلے ننھے ننھے انگوٹھوں کے نشان تھے۔ جیسے پینٹ میں ڈبو کر لگائے گئے ہوں۔ بس ایک جھلک دکھائی دی اور ہاشم نے سیف بند کر دیا۔ پاس ورڈ دبا کر لاک کیا اور باہر نکل گیا۔

اور سعدی یوسف کی ساری دنیا وہیں ٹھہر گئی۔ نیند کھل چکی تھی۔ وہ سالوں بعد اب جاگا تھا۔

"حنہ۔۔۔" اس کو اپنی آواز کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔ "تمہیں یاد ہے جب میں دادی کی ڈیتھ پہ آیا تھا پاکستان۔ وارث ماموں کی ڈیتھ سے چھ ماہ پہلے شاید۔

تب میں ان کی بیٹیوں کی ایک تصویر لایا تھا جس کی بیک پہ پینٹ میں ڈبو کر ان دونوں کے انگوٹھوں کے نشان ثبت کیے تھے؟"

"جی۔۔۔ وہ آپ نے وارث ماموں کو دے دی تھی اور انہوں نے اسے اپنے لیپ ٹاپ کی الٹی طرف کارڈ ہولڈر میں ڈال دیا تھا' تاکہ ان کے پاس رہے ہر وقت۔" حنین مصروف سی کیز دباتی کہے جا رہی تھی۔ اس کو لگا' وہ سانس نہیں لے پائے گا۔

"وہ۔۔۔ وہ تصویر اب کہاں ہو گی؟"

"کیا ہو گیا ہے بھائی؟" وہ کھٹ کھٹ ٹائپ کرتی بولی۔ "ماموں کے قاتل ان کا لیپ ٹاپ لے گئے تھے۔ اب تک تو انہوں نے وہ سب تباہ بھی کر دیا ہو گا' سنبھال کر تھوڑی رکھی ہو گی۔"

سعدی کی مری مری نگاہیں بند الماری پہ مرکوز ہوئیں۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

"ہاشم اور میرے لیے کوشش کرے؟ ناممکن!" کہیں ماضی سے فارس کی جھنجلائی ہوئی آواز گونجی۔

"مجھے ہاشم پہ شک ہے۔ اسی کا ہاتھ ہو گا اس میں۔"

"ہاشم چاہتا تو میں باہر ہوتا۔ میں باہر اس لیے نہیں ہوں' کیونکہ اس نے چاہا ہی نہیں۔"

"ماموں کہہ رہے تھے انہیں ہاشم بھائی پہ شک ہے۔ ماموں کو ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔"

"میں فارس کی وجہ سے اپنی بیوی اور بچی کو وقت نہیں دے پا رہا۔"

"ہاشم کو میرے افیئر کے بارے میں پتا چل گیا' دیکھو کیا' کیا اس نے میرے ساتھ۔"

اسے کو لگا اس کے ہاتھ کپکپا رہے ہیں۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ وہ بالکل سن سا بیٹھا تھا۔ پلکیں بھی نہیں جھپک پا رہا تھا۔

"وہ تصویر۔۔۔ تمہیں واقعی یاد ہے حنہ! کہ ماموں کے لیپ ٹاپ کے کارڈ ہولڈر میں ہی تھی؟"

"جی۔۔۔ مگر آپ کو کیوں خیال آیا اچانک؟" وہ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ سنبھل کر پھیکا سا مسکرایا۔

"یوں ہی۔۔۔ تمہارا کام کہاں تک پہنچا؟"

"ہو رہا ہے۔ ویسے آپ کو یہ بات عجیب نہیں لگی کہ نوشیرواں بھائی کا اغوا ان ہی دنوں میں کیا گیا' جب خاور یہاں نہیں تھا۔ اورنگ زیب انکل نے بتایا تھا مجھے کہ خاور ان کے آفس اور گھر کا کمپیوٹر جینئس ہے۔ ویسے یہ کاردارز کا کاروبار کیا ہے؟"

"یہ ایک کارٹیل کو ہیڈ کرتے ہیں۔"

"کارٹیل کیا ہوتا ہے؟"

"فضول سوال مت پوچھو۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے' کیا ہوتا ہے۔" وہ ایک دم چڑ کر بولا۔ دماغ اتنا الجھا ہوا تھا کہ حنین کی باتیں بے زار کر رہی تھیں۔ اس نے جواب میں زور سے ہونہہ کہہ کر رخ پھیرا۔

"میری توبہ جو اب آپ سے کچھ پوچھوں یا بتاؤں۔۔۔ ہونہہ!"

ہاشم کے قدموں کی آواز آئی تو وہ ذرا سنبھل کر بیٹھا۔ ہاشم اندر آیا۔ وہی پریشان' تناؤ زدہ چہرہ لیے۔ سعدی کے پیچھے آکر الماری کھولی۔ سعدی نے اب کے گردن نہیں موڑی۔ سامنے ڈریسنگ مرر لگا تھا۔ وہ آئینے میں ہاشم کو دیکھتا رہا۔ اس نے سیف کا کوڈ دبایا۔ چار ہندسے۔ سعدی نے دماغ میں فیڈ کیے۔ سیف کھلا تو اس نے کاغذات واپس رکھے اور اسے بند کیا۔ پھر سے کوڈ دبایا۔ سعدی نے اب کے پکا یاد کر لیا۔ وہ اس کی تاریخ پیدائش تھی۔

وہ چلا گیا اور سعدی کتنی ہی دیر حنین کے ساتھ خاموش بیٹھا رہا۔ اس کا کام جاری تھا۔ وہ بھائی کے چہرے کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ وہ بس چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کتنی ہی پرانی باتیں یاد آئیں۔

امی کہتی تھیں' ہاشم کا وکیل کیوں ان کو ہر دفعہ ٹال دیتا ہے' کیوں وہ کچھ ٹھوس اقدام نہیں کر رہا اور وہ ہر بات عدالتی نظام پہ رکھ دیتا۔ تب آنکھوں پہ اعتماد کی پٹی بندھی تھی۔ اب اس میں سوراخ ہو رہے تھے۔

کیا پتا ہاشم نے وہ لیپ ٹاپ وارث کے قاتلوں سے حاصل کر لیا ہو اور وہ تصویر رکھ لی ہو' مگر انہوں نے

ہمیں کیوں نہیں بتایا۔ کیا پتا اس میں کچھ ایسا ہو جو فارس کے لیے نقصان دہ ہو۔ مگر انہوں نے ہمیں کیوں نہیں بتایا۔ ہر توجیہہ کے آخر میں وہ الجھ جاتا۔ ہاشم نے کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہو شاید' کچھ تو سوچا ہوگا۔ کیا پتا یہ کوئی اور تصویر ہو' ان کی اپنی بیٹی کی 'مگر نہیں' اس کی یادداشت بہت اچھی تھی۔ یہ وہی فوٹو تھی۔

"میں ابھی آئی۔" حنین ایک دم اٹھی اور باہر چلی گئی۔ اس نے کچھ نہیں پوچھا۔ بس یوں ہی چپ سا بیٹھا رہا۔ پھر ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔

وہ کمرے میں اکیلا تھا۔ گردن ادھر ادھر موڑی۔ پھر آہستہ سے اٹھا اور الماری کی طرف آیا۔

اس کی تربیت' اس کا ایمان' سب کہہ رہے تھے کہ کسی کا لاکر کھولنا گناہ ہے' مگر اس کا دل کہہ رہا تھا کہ آخری فتویٰ مجھ سے لو' میں کہتا ہوں' ایسا کر ڈالو تو کر ڈالو۔ اور دل سے بحث کا وقت ہی نہیں تھا۔ اس نے جلدی جلدی کوڈ ڈالا۔ لاکر کھولا۔ تصویر والا لفافہ سامنے تھا۔ سعدی نے کپکپاتے ہاتھوں سے فوٹو نکالی اور الٹائی۔

امل اور نور.... اس کے دل کو دھکا لگا۔ یہ وہی فوٹو تھی۔ ہاشم کو بچے پسند تھے۔ وہ بچیوں کی تصویر تباہ نہ کر سکا تھا۔

وہ جواب تک بے یقینی کے عالم میں تھا' ایک دم سے اس کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی۔ لب بھنچ گئے۔ مڑ کر دروازے کو دیکھا جس کے پار' نیچے لاؤنج میں ہاشم بیٹھا تھا۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا ابھی جا کر اس کو گریبان سے پکڑے اور پوچھے کہ اس نے کیوں کیا ان کے ساتھ ایسا؟ اس کا اس سب میں ہاتھ تھا۔ فارس ٹھیک کہتا تھا' کیونکہ فارس اس کو جانتا تھا اور سعدی اس کو بالکل نہیں جانتا تھا۔

مگر وہ فارس نہیں تھا۔ اس کو غصے سے بے قابو ہو کر ہاشم کا گریبان نہیں پکڑنا تھا۔ اس کو کچھ اور کرنا تھا۔

اس نے وہ لفافہ نکالا۔ اس میں مزید بھی کچھ تصویریں تھیں۔ وہ ان کو دیکھتا گیا اور دل ہر ایک پہ ڈوبتا گیا۔

وہ اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تھیں۔ خون میں لت پت زمر۔ ابھی لوگ بھی اکٹھے ہونا شروع نہیں ہوئے تھے..... اور..... وہ اوپر سے لی گئی تھیں۔ اوپر ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی سے۔

سعدی کی آنکھوں سے نیند اب بالکل غائب ہو چکی تھی۔ وہ ساکت' سانس روکے ایک کے بعد ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ پیشہ ور قاتل اپنے شکار' اپنی مہارت کی تصاویر اپنے پاس سنبھال کر رکھتے ہیں اور فخر سے اپنا بے عیب کام دیکھا کرتے ہیں۔ مگر اسے یقین آج آیا تھا۔

لفافے کی آخری چیز ایک فلیش ڈرائیو تھی۔ سعدی نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پہ کوئی ٹیگ نہیں لگا تھا۔

باہر نکل کر حنین نے ریلنگ کے اوپر سے جھانکا۔ ہاشم نیچے صوفے پہ بیٹھا انگلیوں سے پیشانی مسل رہا تھا۔ سر اٹھایا تو حنہ نے اشارہ کیا۔ جواہرات مسلسل کچھ بول رہی تھی۔ اور نگ زیب فون پہ بات کر رہے تھے۔ ہاشم اس کے اشارہ کرنے پہ اٹھ کر اوپر آیا۔ جس وقت سعدی لاکر کا پاس ورڈ دبا رہا تھا وہ دونوں بند دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

"نوشیرواں بھائی کا کمرا کون سا ہے؟ مجھے چیک کرنا ہے کہ ان کا کمپیوٹر ہیک تو نہیں کیا گیا؟"

"لیپ ٹاپ تو وہ ساتھ لے کر گیا تھا' مگر وہ زیادہ ڈیسک ٹاپ استعمال کرتا ہے۔" ہاشم ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا تو وہ پیچھے آئی۔ اس نے بتی جلائی اور کمپیوٹر ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ عین اس وقت سعدی دیوار کے پار لاکر میں سے تصویریں نکال کر دیکھ رہا تھا۔

"دیکھ لو جو دیکھنا ہے۔" تکان سے اشارہ کیا۔ وہ فوراً" آگے جا کر کرسی پہ بیٹھی' اسے آن کیا۔

"آخری دفعہ آپ کی کب بات ہوئی تھی ان سے؟ اغوا سے پہلے؟"

"اغوا سے شاید چھ' سات گھنٹے پہلے بات ہوئی تھی۔ وہ سینٹورل میں تھا اور شاپنگ کر رہا تھا' خوش

تھا۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"ہوں۔۔۔ اچھا اس کمپیوٹر کا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"پتا نہیں۔" ہاشم نے شانے اچکائے۔ تھکا تھکا سا وہ صوفے پہ گر سا گیا۔ دروازہ پورا کھلا تھا۔ نیچے سے جواہرات کے بولنے کی آواز ہنوز آرہی تھی۔

"او کے جو بھی ہے' اڑا دیتی ہوں۔" ایڈ منسٹریٹر پہ پاس ورڈ نہیں تھا۔ سو اس نے آسانی سے کمپیوٹر کھول لیا۔ اب وہ خاموشی سے کیز دباتی کام کرنے لگی۔

"کیا آپ لوگ پیسے دے رہے ہیں؟ میرا مطلب ہے ابھی آپ اپنے لاکر سے کچھ نکال رہے تھے۔"

"ڈیڈ دے رہے ہیں پیسے' شیرو سے بڑھ کر نہیں ہیں۔" وہ بند آنکھوں کو مسل رہا تھا۔

"آپ کسی اور سے رابطہ کرنے کی کوشش تو کریں۔ کیا معلوم' وہ آپ کے کمپیوٹرز اور فون ٹیپ نہ کررہے ہوں۔ یہ صرف ایک خالی خولی دھمکی ہو۔ آپ کے تو اتنے کانٹیکٹس ہوں گے۔"

"اونہوں۔ میں اپنے بھائی کی زندگی پہ رسک نہیں لوں گا۔"

"آپ لکی ہیں۔ آپ کو اپنے بھائی کو بچانے کا موقع مل گیا۔ کاش ہمیں بھی ملتا' ماموں کو بچانے کا' تو ہم بھی ہر رقم دے دیتے۔" وہ ٹائپ کرتی کہہ رہی تھی۔ دوسری طرف خاموشی رہی تو حنین نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ صوفے پہ بیٹھا' اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں اتنی بے بسی اور کرب تھا کہ حنہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"سوری' میرا مطلب آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا۔" مگر ہاشم نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آئی ایم سوری بچے۔ میری ہر اس چیز کے لیے جس نے تمہیں دکھ دیا ہو۔" وہ ایک دم بہت ڈسٹرب نظر آنے لگا تھا۔ "**علیشا** کا معاملہ میں نے غلط طریقے سے ہینڈل کیا۔ پھر ابھی بھی میں تم پہ غصہ کر گیا۔ مجھے تمہارے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری بیٹا۔" آنکھیں بند کیں' انگلیوں سے پیشانی مسلتا رہا۔ حنین ہاتھ روک کر اسے دیکھے گئی۔

"میں نے جو بھی کہا' پریشانی میں کہا۔ میں اپ سیٹ ہوں۔ میرا بھائی مجھے بہت عزیز ہے۔"

اب وہ پھر سے بند آنکھوں کو مسل رہا تھا۔ حنین دم سادھے اسے تک رہی تھی۔ پھر ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ بہت امید' بے بسی اور آس سے اسے دیکھا۔

"اگر خاور ہوتا تو میں کبھی ایک چھوٹی بچی سے درخواست نہ کررہا ہوتا' مگر میں اس وقت بالکل مفلوج ہوں' حنین۔" مدھم' تھکی آواز میں وہ کہتا گیا اور وہ سانس روکے سنے گئی۔ "تم کچھ بھی کرو' بس میرے بھائی کو اذیت دینے والوں کا پتا کردو مجھے۔ کردو گی نا؟"

اس نے ہاشم کو پہلی دفعہ اتنا کمزور دیکھا تھا۔ اس نے شاید ہاشم کو دیکھا بھی پہلی بار تھا۔ اس طرح۔ اس نظر سے۔ اور یہ وہ لمحہ تھا جب ہاشم کے لیے حنین ذوالفقار یوسف خان کا دل پلٹ گیا تھا۔

اور یہ وہ لمحہ تھا جب متصل کمرے میں کھڑے لاکر میں سے تصویریں نکال کر دیکھتے سعدی ذوالفقار یوسف خان کا ذہن ہاشم کے لیے پلٹ گیا تھا۔

ان دونوں کے احساسات سے بے خبر ہاشم اپنی کمزوری' اپنے بھائی کو کسی دوسرے کے ہاتھ پاکر' خود کو بہت بے بس محسوس کرتے ہوئے شیرو کے کمرے کے کاؤچ پہ نڈھال بیٹھا تھا۔

حنین نے آہستگی سے رخ پھیر لیا۔ اس کے اپنے ہاتھ ذرا سے کپکپائے تھے۔ پھر اس نے کچھ پیپرز پرنٹ کیے' کمپیوٹر آف کیا' اور صوفے کی طرف گھومی۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ وہ **علیشا** نہیں ہے' **علیشا** ایسا کبھی نہیں کرسکتی۔ وہ ایک کمزور لڑکی ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ مجھ سے **ایکسکیوز** کریں' آپ بڑے ہیں' آپ نے وہ ہی کیا جو آپ کو ٹھیک لگا۔ مگر ایک دفعہ آپ کو **علیشا** کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اس کو پیسے دینے سے آپ کی دولت کم نہ ہوجاتی' جیسے اغوا کاروں کو دینے سے کم نہیں ہوگی۔"

مدھم سا کہہ کر وہ باہر نکل آئی۔ ہاشم نے معلوم نہیں سنا بھی تھا یا نہیں۔

وہ واپس کمرے میں داخل ہوئی تو سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ ہاشم کا لاکر کھولے کھڑا تھا۔ حنین کو پہلے تو جھٹکا لگا' پھر گڑبڑا کر جلدی سے دروازہ بند کرتی قریب آئی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ فلیش چاہیے تھی مجھے۔" جلدی سے وہ لفافہ' جس میں وہ تصاویر ڈال چکا تھا' واپس رکھا' لاکر بند کیا اور اس کی طرف گھوما۔

"مجھے اس کو کاپی کرنا ہے۔ مت پوچھو یہ کیا ہے' بس میرے آفس کی چیز ہے۔ مجھے پتا ہے یہ غلط ہے مگر تمہارے پاس کوئی ڈیوائس ہے جس پہ میں یہ کاپی کرسکوں؟"

حنین نے سر جھٹکا' اس ایک پُرفسوں لمحے کا اثر زائل کیا' اور گہری سانس لے کر مشکوک نظروں سے بھائی کو دیکھتی آگے آئی۔ ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل کی دراز کھولی' ادھر ادھر ہاتھ مارا اور واپس مڑی تو ہاتھ میں یو ایس بی تھی۔

"ہم کیا یاد کریں گے' کسی سخی سے پالا پڑا تھا۔ کاپی کرلیں' کچھ دن بعد آکر چپ چاپ رکھ دیتا۔"

عام حالات میں اس چوری پہ ڈانٹ دینے والے سعدی نے چپ چاپ اسے لیپ ٹاپ میں لگالیا۔

"اس میں ان کارٹیل کے کچھ ڈاکومنٹس ہیں۔ میرے پروجیکٹ کے لیے فائدہ مند ہیں۔"

"کارٹیل کیا ہوتا ہے؟" وہ چپس اٹھا کر کھانے لگی تھی' رکی۔ پھر سر جھٹکا۔ "خیر' نہیں بتانا بالکل بھی' اب آپ مجھے کچھ نہ بتایا کریں' میں بھی نہیں بتاؤں گی کچھ۔"

"سر نہ کھاؤ میرا۔ باہر جاکر مسز کاردار کے پاس بیٹھو۔" وہ اس فلیش کو کاپی کر رہا تھا' جیسے ہی کام ختم ہوا' اس نے اصلی فلیش نکالی' اور اٹھ کر اسے واپس لاکر میں رکھ دیا۔ جب پلٹا تو وہ ہنوز بیٹھی تھی۔ چپس اٹھا کر منہ میں رکھتی ہوئی۔

"تم جاؤ بھی' اچھا نہیں لگتا' جب سے آئے ہیں' ان کو ایک لفظ تسلی کا نہیں بولا۔"

"اوکے!" وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی اٹھی اور باہر آگئی۔

ہاشم اب سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ حنین نے دروازہ بند کردیا' اور اس کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ جواہرات اور اورنگ زیب مخالف صوفوں پہ فکرمند سے بیٹھے تھے۔ پوری رات کی ذہنی اذیت نے تھکا دیا تھا۔

"ڈونٹ وری انکل! ایک دفعہ نوشیرواں بھائی بخیریت گھر پہنچ جائیں' تو میں رقم کو ٹریس کرلوں گی۔"

جواہرات نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔ "اور کیا اس میں اس لڑکی کا ہاتھ ہے؟"

"نہیں' اس کے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں۔" اس نے شانے اچکادیے۔ پھر قریب سے گزرتی میری انجیو کو روکا۔ "سنو' تمہارے فش فنگرز تیار نہیں ہوئے ابھی تک؟"

"بس میں لا ہی رہی تھی۔"

"ویسے آج کل میں ایک کورین ڈرامہ دیکھ رہی تھی 49 Days ۔ اس کا ایک فلپائنی ورژن بھی عنقریب بننے لگا ہے' کیا تمہارے ملک میں بھی کے کلچر مشہور ہے؟"

"بہت زیادہ۔" میری نے اس کو دیکھا' پھر سلگتی نظروں سے خود کو گھورتی جواہرات' کو اور جلدی سے وہاں سے کھسک لی۔

اندر بیٹھا سعدی اب ہاشم کے لیپ ٹاپ کو کھنگال رہا تھا۔ کچھ تو ملے گا۔ سرسری سا ایک ایک فائل کھولتا' وہ مایوس ہونے لگا تھا جب۔ بالآخر چند ڈاکومنٹس ملے جن کے نام نہیں تھے' صرف نمبرز تھے اور وہ لاکڈ تھے۔ انہی میں کچھ تھا۔ اس نے ان کو کاپی کرنے کی کوشش کی مگر یہ ناممکن تھا۔ اب کیا کرے؟ اور تب ہی اغوا کاروں کا اگلا پیغام آیا۔ پیغام پڑھ کر سعدی تیزی سے باہر ریلنگ پہ آیا۔ نیچے سب بیٹھے تھے۔ حنین بھی ٹانگ پہ ٹانگ رکھے' پاؤں ہلاتی' موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔

"ان لوگوں کا نیا پیغام آیا ہے۔ پیسے مل گئے ہیں' نوشیرواں چار سے پانچ گھنٹے تک پہنچ جائے گا مگر اس کے پہنچنے تک وہ نہیں چاہتے کہ ہم کسی کو خبر کریں۔"
وہ لیپ ٹاپ لیے نیچے اترتے ہوئے بتا رہا تھا۔ فلیش جیب میں تھی' اور چہرے پہ گہری سنجیدگی تھی۔ ذہن ابھی الجھا تھا۔

سب خاموش رہے۔ سعدی' حنہ کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ وہ لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے' پھر سے کام کرنے لگی۔ چونکہ اسکرین حنین کی اپنی طرف تھی تو کانوں میں ایئر فونز لگا دیے اور ڈرامے کی قسط چلا دی۔

"اور شیرو کے آنے تک وہ لوگ بہت دور جا چکے ہوں گے۔" اورنگ زیب بے بسی بھرے غصے سے بڑبڑائے۔ جواب میں جواہرات اور ہاشم ایک ساتھ بولنے لگے۔ سعدی نے ہاشم کو دیکھا تو دل نرم پڑنے لگا۔ وہ اتنا پریشان اتنا ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا اور وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا؟ کیسے اس کے لاکر سے کچھ چرا کر لے آیا؟ کیسے کرلیا اس نے یہ سب؟ تب ہی اسکرین پہ نظر پڑی۔

"ابھی تو تم کوئی اور ڈراما دیکھ رہی تھیں۔" سعدی نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ حنین ایک لمحے کو گڑبڑائی۔

"وہ۔ یہ بھی میرا فیورٹ ہے' یونہی دوبارہ دیکھ رہی ہوں۔" وہ خاموش رہا۔ الجھی ہوئی نگاہیں اسکرین پہ رہیں جہاں حنین مناظر آگے آگے کرکے دیکھ رہی تھی۔

"آ۔ ہاشم بھائی۔" کوئی گھنٹے بعد سعدی نے اسے پکارا۔ وہ جو درمیان میں اٹھ کر باہر چلا گیا تھا' شیرو کے آنے کی تیاری وغیرہ' ایئرپورٹ' فلائٹس ٹائمنگ چیک کرنے' اب آکر بیٹھا تھا' ذرا چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں بولو۔"

"فارس ماموں کا وکیل کہہ رہا تھا کہ ہمیں اگر وارث ماموں کی فائلز مل جائیں تو کسی نہ کسی طرح ہم ان کے اصل قاتلوں تک پہنچ سکتے ہیں؟"
ہاشم ابھی تک شدید پریشانی کا شکار تھا' اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"مشکل ہے' اب کہاں ملیں گی اس کی فائلز۔ اتنا عرصہ گزر گیا۔ تم کوشش کرلو مگر مشکل لگتا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی' بالکل' سمجھ رہا ہوں اب۔" ذرا سا اثبات میں سر ہلایا' ہاتھ سے نامحسوس انداز میں جینز کی جیب کو چھوا جہاں فلیش موجود تھی۔ ہاشم اب موبائل دیکھنے لگا۔ اور سعدی گاہے بگاہے ایک سنجیدہ نظر اس کے چہرے پہ ڈال لیتا۔

بار بار وہ دل میں ہاشم کی طرف صفائی پیش کرتا تھا۔ وہ ساری صفائیاں دم توڑنے لگیں۔ رات کی تاریکی میں اس کے اعتماد کا خون بھی آہستہ آہستہ رسنے لگا' اور رس رس کر بالآخر اس نے اعتماد کے لاشے کو ادھ موا کردیا۔

☆ ☆ ☆

اس کے اپنے گھر کا صفایا دن کو کیسے ہو پایا
وہ جو شب بھر شہر کی خود نگرانی کرتا رہتا ہے

صبح سورج نکلنے اور ہر سو روشنی پھیلنے تک وہ لوگ وہیں لاؤنج میں بیٹھے رہے۔ ناشتے کی ٹرالیز اب میری اور فیونا لے کر جا رہی تھیں' جب بیرونی دروازے پہ ہلچل مچی۔ ہاشم شیرو کو ایئرپورٹ سے لے کر آگیا تھا۔ جواہرات اور اورنگ زیب تیزی سے اس کی طرف لپکے۔ سعدی ہنوز خاموش سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا' اور حنین' وہ جوس کے گھونٹ گھونٹ پیتی' تیکھی نظروں سے دونوں ماں باپ کو اپنے بیٹے کو گلے لگاتے دیکھتی رہی۔ وہ واقعی تکان کا مارا لگ رہا تھا' ماتھے کے زخم پہ بینڈیج لگی تھی۔ آنکھیں روئی روئی تھیں۔ زبردستی مسکراتا' ماں سے گلے لگ کر الگ ہوا تو ان دونوں بہن بھائی کو بیٹھے دیکھ کر چونکا' پھر فوراً" ہاشم کی طرف دیکھا۔

"حنین کمپیوٹرز میں اچھی ہے' ہم ان لوگوں کو ٹریس کرنے کے لیے اس کی خدمات لے رہے تھے۔" اس نے وضاحت دی۔

"تو کیا آپ نے پیسے واپس حاصل کرلیے۔" وہ

حیرت سے پوچھتا صوفے پر بیٹھا۔ اورنگ زیب ایک طرف اور جواہرات دوسری طرف' بار بار نم آنکھوں کو پونچھتی۔ اورنگ زیب گو کہ اپنے تاثرات کو سخت رکھ کر ہی بیٹھے تھے' مگر اندر سے وہ نرم پڑ چکے تھے۔

"نہیں! ہاشم مسکراتے ہوئے (بالآخر) واپس آتے اعتماد کے ساتھ سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔

"ہم تمہارے آنے سے پہلے ان کا تعاقب کر کے تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ مگر حنین کہہ رہی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ٹریس کر سکتی ہے۔"

"تو کیا ان دونوں کو کال کرنے پہ انہوں نے مجھے یہ زخم دیا؟" بگڑ کر کہتے اس نے پیشانی کے زخم کی جانب اشارہ کیا۔ اسے سعدی کا یہاں ہونا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ جواہرات نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبایا۔

"ہاشم نے تو بس یونہی ان کو بلالیا۔" ساتھ ہی جتاتی نظر حنین پہ ڈالی اور پھر شیرو کے ماتھے کے بال ہٹا کر بینڈیج ٹھیک کرنے لگی۔ وہ ایک دم بہت خفا نظر آنے لگا تھا۔

"آپ لوگوں نے مجھے بچانے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟ جانتے ہیں' میرا کیا حال تھا ادھر؟ کتنا خوف میں نے محسوس کیا؟ کیا پیسے مجھ سے زیادہ اہم تھے؟"

"ایسا نہیں ہے شیرو!" اورنگ زیب نے بھی ہولے سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ مگر اس نے کندھا جھٹک دیا۔ حنین نے جوس کا گلاس رکھا اور کھنکھاری۔

"آپ نے ان کی شکلیں تو دیکھی ہوں گی نوشیرواں بھائی؟"

"ہاں!"

"چلیں یہ اچھا ہوا کیونکہ ویسے ان لوگوں کو ٹریس کرنا مشکل ہے۔ اصل میں' میری کوریا کے ایک پولیس چیف سے بات ہوئی ہے۔" سعدی نے چونک کر حنہ کو دیکھا جو پورے اعتماد سے نوشیرواں کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "ان دو لوگوں پہ شک ہے۔ یہ دونوں نامور مجرم ہیں اور دونوں کل رات امریکا منتقل ہو گئے ہیں' افسوس کہ اب نہ ہم ان سے رقم واپس لے سکتے ہیں' نہ ہی ان کو پکڑ سکتے ہیں۔ آپ بس ان دونوں کی تصویریں دیکھ کر کنفرم کر دیں کہ آپ کو پکڑنے والے گروہ کا سرغنہ کون تھا۔ حیران مت ہوں ہاشم بھائی! مجھ سے زیادہ کورین لوگوں کو کون جانتا ہے؟"

اس نے دو پرنٹ آؤٹ سامنے کیے۔ دو کورین مردوں کے کلوز اپ سب کے سامنے ہوئے۔

ہاشم بے چینی سے آگے ہوا۔ "مجھے بتائے بغیر تم کیسے کسی سے بات کر سکتی ہو؟ اگر وہ شیرو کو نقصان پہنچاتے تو؟"

سعدی نے ایک چبھتی ہوئی نظر ہاشم پہ ڈالی مگر بولا کچھ نہیں۔ کیا صرف شیرو کی جان اہم تھی؟ اور اسامہ اور نور کے لیے کوئی اہم نہیں تھا؟

"بتاتی ہوں' پہلے شیرو بھائی کنفرم تو کر دیں کہ ان میں سے کون تھا وہ۔" نوشیرواں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے' پھر دائیں والے پہ ٹھہرا' آنکھیں سکیڑیں۔

"یہی تھا۔ بالکل یہی تھا۔"

"شیور!" حنین نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"سو فیصد۔ مگر اب یہ کہاں ہو گا؟"

حنین نے گہری سانس لی' جیسے کندھوں سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ اور پھر مسکرائی۔ شرارت سے' معصومیت سے۔

"یہ آج کل امریکا میں ہے فلم کی شوٹنگ کے لیے۔ اوہ سوری' شیرو بھائی! مگر یہ لی من ہو ہے۔ ــــــــ کوریا کا دوسرا بڑا ایکٹر۔ یہ پہلی تصویر اس کی پلاسٹک سرجری سے پہلے کی ہے' دوسری سرجری کے بعد کی۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ کسی کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ نوشیرواں کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

"نوشیرواں بھائی! آپ خود بتائیں گے یا میں بتاؤں کہ اپنے آپ کو آپ نے خود ہی اغوا کیا تھا۔ اور وہ

تاوان کی رقم' وہ بھی آپ کے ہی اکاؤنٹ میں ہے۔"
جواہرات کا شیرو کا کندھا مسلتا ہاتھ رک گیا۔ اورنگ زیب بے اختیار آگے کو ہوئے اور ہاشم بالکل ساکت بیٹھا رہ گیا۔

"کیا۔ بک۔ واس ہے؟" شیرو ہکلایا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"سارے ذہین لوگوں کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ انہیں لگتا ہے کوئی ان کو بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ اسی لیے میں نے اپنے شک کی تصدیق کا انتظار کیا۔ جو کہ اب ہو گیا۔" تصویریں لہرائیں۔

"اب یہ مت کہیے گا کہ سارے کورین ایک سے لگتے ہیں تو آپ نے غلط بندے کی تصویر کی تصدیق کر دی۔ کورین بھی اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں جتنے کہ ہم۔"

"تم۔ کیا کہہ رہی ہو' تمہیں خود بھی علم ہے؟" جواہرات دانت پیستی غرائی۔ سعدی بالکل چپ بیٹھا تھا۔

"مجھے ہی تو علم ہے مسز کاردار! شیرو بھائی کبھی بھی اچھے کرمنل نہیں بن سکتے کیونکہ انہوں نے چند غلطیاں کر دیں۔ جو پہلی ویڈیو بھیجی' تاوان کی رقم کے لیے' اور دوسری جس میں ماتھے پہ زخم تھا' دونوں میں ان کا رونا' مجھے سوری! مگر اداکاری لگتا تھا' اور یو نو! میں اتنے ملکوں اور کلچرز کے ڈرامے دیکھ چکی ہوں کہ اداکاری کو مجھ سے بہتر جج نہیں کر سکتے آپ لوگ۔ سو میں نے ویڈیوز کی تاریخ چیک کی۔ وہ دونوں تین دن پرانی تھیں' زخم والی بھی۔ شیرو بھائی کو اندازہ تھا کہ ہاشم بھائی اپنے جاننے والوں کو فون ضرور کریں گے اس لیے انہوں نے دو ویڈیوز تیار کر لیں۔ اغوا سے چند گھنٹے پہلے اگر ان کی ہاشم بھائی سے بات ہوئی تھی تو یہ ویڈیوز تو اس سے بھی پہلے کی تھیں۔ سو ظاہر ہوا کہ جعلی تھیں۔ مگر آپ کو یہ ویڈیوز کوریا میں تیار کرنی چاہیے تھیں' کیونکہ۔" ایک اور پرنٹ شدہ صفحہ لہرایا۔ جس میں شیرو کی ویڈیو کا اسٹل امیج تھا۔ "یہ جو آپ کے پیچھے دیوار پہ سوچ نظر آرہا ہے' یہ عام پاکستانی سوچ جیسا ہے'

جبکہ کوریا میں سوچ کھو کھلے ہوتے ہیں' انڈے کے آدھے چھلکے کی طرح' پلگ ان کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ یہ کورین سوچ نہیں ہے۔ اور۔" ویڈیو کا ایک اور اسٹل امیج مسکراتے ہوئے سامنے لائی۔

"چھت پہ کوئی فائر الارم نہیں ہے' جبکہ کورین گھروں میں چھت پہ فائر الارم ضرور ہوتا ہے۔ آپ نے لکڑی کا فرش' سلائیڈنگ ڈور' ہر چیز پرفیکٹ رکھی مگر۔ ایک سو گیارہ کورین ڈرامے اور فلمیں دیکھنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ سو میں نے آپ کے کمپیوٹر کی ہسٹری چیک کی۔" ایک اور کاغذ ان کے سامنے میز پہ رکھا۔ اب وہ کھڑے کھڑے' باقی کاغذ ہاتھ میں پکڑے بول رہی تھی اور سب اس کو سن رہے تھے۔ ہکا بکا۔

"پچھلے ہفتے میں یہ وہ تمام ویب سائٹس ہیں جو آپ نے کھولیں۔" فیک اغوا کرنے کے طریقے' وغیرہ وغیرہ۔ اور آپ نے وہ فیک کڈنیپ والے بہت سے امریکی ڈرامے اور فلمیں بھی دیکھیں' کیونکہ آج کل یہ امیر ماں باپ کے بگڑے بچے کا خود کو اغوا کر لینا ہر دوسرے امریکی ڈرامے میں ہو رہا ہوتا ہے' یہ رہے ان تمام ڈراموں اور فلموں کی لسٹ جو آپ نے ڈاؤن لوڈ کر رکھے تھے۔ اوہ ہاں! اور وہ اپنا کان کاٹ کر بھیجنے والا آئیڈیا۔ وہ "اسکینڈل" سے تھا نا' اس میں ڈوتیل کی بیٹی نے تو واقعی اپنا کان بھیج دیا تھا' مگر مجھے معلوم تھا' اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ مگر آپ نے صرف وہ قسط "دیکھی" تھی" مجھے تو وہ "ایک۔ مونسٹر بھی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے۔" والا ڈائیلاگ بھی یاد تھا۔"

نوشیرواں دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا' جیسے کوئی زہریلا جانور ڈس گیا ہو اسے۔ اورنگ زیب کے لب بھنچ چکے تھے' کنپٹی کی نسیں ابھر آئیں' سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ہاشم ابھی تک سُن تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا بند کرو۔ میرے ہی گھر میں تم میرے بیٹے کے بارے میں کیا بولے جا رہی ہو۔" جواہرات غصے سے کانپتی آواز میں بولنے لگی۔ "اگر ایسا کچھ تھا تو تم اسی وقت بتاتیں۔"

"اگر میں یہ سب آپ لوگوں کو بتا دیتی تو آپ فوراً شیرو بھائی کو فون کر کے کنفرم کرنا شروع کر دیتے اور یہ واپس ہی نہ آتے اور ممکن تھا کہ میں ہی غلط ہوتی تو مجھے تصدیق تو کرنی تھی نا۔ کیوں بھائی؟" محظوظ ہونے والے انداز میں آنکھیں گھما کر سعدی کو دیکھا۔ وہ ہر شے سے بے نیاز' چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اسے کچھ بھی مزید حیران نہیں کر سکتا تھا۔

باقی سب بھی خاموش تھے۔ ہاشم بالکل شل' اور رنگ زیب ضبط کیے' اور جواہرات بے چین' کبھی اِدھر دیکھتی کبھی اُدھر۔ نوشیرواں کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ مگر وہ شاک سے نکل آیا تھا۔ بدقت کھڑے ہوتے اس نے چلانے کی سعی کی۔

"میں.... میں تمہارا منہ نوچ لوں گا' تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ پہ اتنا گھٹیا الزام لگانے کی۔"

"تمیز سے بات کرو میری بہن سے۔" سعدی ایک دم تیزی سے اٹھا۔ سلگتی نظروں سے شیرو کو دیکھا' اور پھر حنہ کو۔ "چلو"

"ابھی کیوں؟ ابھی تو شیرو بھائی کی کلاس شروع ہونی ہے۔" حنین نے منہ بنایا مگر سعدی دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا' سو اس نے شانے اچکائے' نوشیرواں کو مسکرا کر دیکھتے بال جھٹکے اور سعدی کے پیچھے ہو لی۔

"آپ لوگ چپ کیوں بیٹھے ہیں۔ اس پاگل کو کسی نے ٹوکا کیوں نہیں؟ میں اتنی تکلیف سے گزر کر آ رہا ہوں اور۔" نکلتے ہوئے انہوں نے نوشیرواں کو بپھر کر چلاتے سنا۔ مگر کسی اور کی آواز نہیں آئی۔ سب خاموش تھے۔

برآمدے میں آ کر سعدی نیچے چلا گیا تاکہ کار ادھر لے آئے۔ حنین ستون کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ باہر صبح تازہ دم سی اتر رہی تھی۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور دھند بھی پھیلی تھی۔ حنین نے کوٹ کی ہڈ سر پہ گرا دی۔ تب ہی عقب میں دروازہ کھلا۔ وہ چونک کر مڑی۔ ایک لمحے کو دل دھڑکا کہ کہیں شیرو واقعی منہ نوچنے نہ آ گیا ہو۔ مگر۔

ہاشم آہستہ سے دروازہ بند کرتا باہر آیا۔ اس نے سوئٹر تک نہیں پہنا تھا' باہر آنے کے باوجود اس کو سردی نہیں لگ رہی تھی۔ چہرہ سفید اور تکان زدہ تھا۔

"تھینک یو بیٹا! تم دونوں کا کہ تم لوگ پوری رات ہمارے ساتھ رہے۔" وہ کس دقت سے بول پا رہا تھا۔ حنین کو اندازہ تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"کوئی بات نہیں ہاشم بھائی!" شیرو سے آنکھیں گھما گھما کر بات کرتی وہ کوئی اور تھی اور یہ اتنی نرم کوئی اور تھی۔

"مجھے بتاؤ کس طرح تمہارے اس فیور کا بدلہ دے سکتا ہوں۔" "کوئی چیز' کوئی کام' کچھ چاہیے تمہیں؟"

اپنے گرد بازو لپیٹے' ہڈ سر پہ گرائے حنہ نے نرمی سے مسکراتے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں' کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے سارے مسئلے خود حل کر سکتی ہوں یا اپنے بھائی کو کہہ دیتی ہوں۔"

"کبھی کبھی انسان اپنے بھائی کو بھی اعتماد میں نہیں لیتا' مجھے آج اندازہ ہوا ہے' اگر کبھی کوئی ایسا مسئلہ ہو جو تم سعدی کو بھی نہ بتانا چاہو' تو مجھے کال کر لینا۔ جیسے تم لوگ میری ایک کال پہ آئے ہو' میں بھی آؤں گا' اوکے؟" دھند آلود صبح میں پھر سے وہی فسوں چھانے لگا۔ دور کہیں کسی نے موسیقی کی تال چھیڑی تھی۔ بدقت وہ ہاشم پہ نگاہیں جمائے مسکرا پائی۔

"اوکے' لیکن اگر میرے کال کرنے پہ آپ نے پوچھا کہ کون حنین؟ تو؟"

"ایسا نہیں ہو گا۔" پھر وہ ٹھہرا۔ "سنو! علیشا سے کہنا' مجھے کال کر لے۔ میں اس کی فیس کی رقم اسے بھجوا دوں گا۔"

وہ ایک دم چونکی۔ "آپ۔ آپ اس کی فیس بھریں گے؟" خوشی سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"میں اتنا برا بھی نہیں ہوں' جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔" ستے ہوئے چہرے سے وہ مسکرایا۔

سعدی ہارن دے رہا تھا' وہ ہاشم کو خدا حافظ کہہ کر زینے اترتی نیچے آئی۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی۔ اپنی پرفامنس یاد کر کے خود ہی ہنسی۔

"کیا آپ نے دیکھا' میں کس طرح بولی۔ تھوڑا سا دل دھڑکا تھا میرا' ہاتھ بھی کانپے مگر جب میں بولی تو واؤ۔ بالکل ہیروئن لگ رہی تھی میں۔ اور پتا ہے ہاشم بھائی کہہ رہے ہیں کہ وہ **علیشا** کی فیس۔" سعدی خاموشی سے ڈرائیو کرتا کار آگے لے گیا۔

ہاشم برآمدے میں کھڑا انہیں دیکھتا رہا' سخت سردی اور دھند میں' یہاں تک کہ کار دور چلی گئی۔ پھر وہ واپس اندر آیا۔

"کیا یہ سب سچ تھا؟ تم نے اپنے باپ کو بے وقوف بنایا؟" اورنگ زیب کھڑے چلا رہے تھے' جواہرات ہنوز پریشان' مضطراب بیٹھی تھی اور نوشیرواں ان کے مقابل کھڑا تھا۔

"آپ لوگوں کو اس پاگل لڑکی کی بات پہ اعتبار ہے' وہ اور سعدی۔ یہ لوگ ہمیشہ میرے گھر میں فساد کرتے ہیں' وہ سعدی تو..... ہاشم بھائی! آپ نے اس کو دو تھپڑ کیوں نہیں لگائے جب وہ یہ ساری بکواس کر رہی تھی؟" ہاشم کو آتے دیکھ کر وہ طیش سے چیخا تھا۔

"کاش! میں تمہارا نہیں' سعدی کا بھائی ہوتا۔" نہ غصہ' نہ ناراضی' صرف دکھ سے ایک ایک حرف ادا کیا' پیر سے میز کو ٹھوکر ماری' حنین کے پرنٹ کردہ کاغذات بکھر کر زمین پہ گر گئے۔ اور آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں منہ پہ ہاتھ رکھے' بے یقینی سے اس کو سیڑھیوں پہ اوپر جاتے دیکھنے لگا۔ پھر رخ موڑا۔ اونگ زیب سرخ چہرہ لیے اسے گھور رہے تھے۔

"ہاں کیا ہے میں نے یہ سب۔" ہاتھ ہٹا کر وہ غصے سے چلایا۔ "یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ ایسے ہاتھ روک کر پیسے دیتے ہیں مجھے جیسے میں سوتیلی اولاد ہوں' ہاں! آپ کا بھی دل چاہتا ہے کہ میری جگہ یہ۔ یہ۔ یہ۔" دروازے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے حنین نکلی تھی۔ "یہ لڑکی آپ کی بیٹی ہوتی۔ ان ہی لوگوں کی باتوں پہ زیادہ یقین ہے نا آپ کو؟ یہ سعدی زیادہ پسند ہے نا آپ تینوں کو؟" لال بھبھوکا ہوتا بولتا وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔" وہ بھی طیش سے چلائے تھے۔ ہاشم نے گویا کان بند کیے اور اپنے کمرے میں قدم رکھا اور دروازہ بند کر لیا۔ شیرو نے بے بسی سے اس کے بند دروازے کو دیکھا' آنسو بہنا تیز ہو گئے۔ وہ مڑا اور کف سے آنکھیں رگڑتا سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ اپنے کمرے میں آکر دروازہ دھاڑ سے بند کر کے وہ کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے آیا تو اسکرین کو دیکھ کر رکا۔ بند اسکرین پہ ایک Sticky نوٹ چپکا تھا' جس پہ حنین نے لکھا تھا۔

"نقل کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ گیم اوور شیرو بھائی۔" ساتھ میں زبان چڑاتا فیس بنا تھا۔

اس نے نوٹ جھپٹ کر مٹھی میں مروڑا۔ کف سے دوبارہ آنکھیں رگڑیں۔ اب ان میں خون اتر رہا تھا۔ اتنا لمبا ڈرامہ اور سب برباد گیا تھا۔

"آج پھر اسی سعدی نے اپنی بہن کے ذریعے میرے گھر میں فساد ڈالا۔ میں قسم کھاتا ہوں' ایک دن میں سعدی یوسف کو اپنے ہاتھوں سے گولی ماروں گا۔"

اور ڈیڑھ سال گزر جانے کے بعد بھی نوشیرواں کو اپنی قسم یاد تھی۔

باہر اورنگ زیب' جواہرات پہ چلا رہے تھے۔

"ایک لفظ بھی اس کی حمایت میں بولا تو میں سمجھوں گا تم بھی اس کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ اپنے بیٹے سے کہو صبح دس بجے تک میری ساری رقم میرے اکاؤنٹ میں واپس پہنچا دے ورنہ۔"

باہر سورج کی کرنوں نے دھند میں سے راستہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ یہاں سے دور' اس چھوٹے باغیچے والے گھر میں حنین سونے جا چکی تھی اور سعدی اپنے کمرے میں بیٹھا لیپ ٹاپ پہ وہ فلیش لگا کر دیکھ رہا تھا۔ اس میں وہی تصاویر تھیں جن کی پرنٹ شدہ شکل وہ لاکر میں دیکھ چکا تھا۔ اور دو آڈیو فائلز تھیں۔ ایک میں فارس کہہ رہا تھا کہ اب زمر ہوٹل کے بجائے ریسٹورنٹ آئے۔ دوسری آڈیو طویل تھی۔

سعدی نے پلے کی۔ پہلی دفعہ سنا تو وہ سن رہ گیا۔ زمر ٹھیک کہہ رہی تھی۔ فارس نے اس سے واقعی یہ

سب کہا تھا۔ تو کیا ہاشم کی طرح فارس بھی اس سے جھوٹ بولتا آیا تھا؟

دوسری دفعہ اسے سنا تو مزید صدمہ لگا۔ فارس یہ سب کیسے اور۔ کیوں؟

تیسری دفعہ سنا تو بے یقینی گھبراہٹ میں بدلنے لگی۔ کیا اس کے گرد سب جھوٹ بولنے والے موجود تھے؟ پھر سچا کون تھا؟

چوتھی دفعہ یہ کوئی عجیب سا احساس ہونے لگا۔ کچھ غلط تھا۔ چند الفاظ فارس اس طرح نہیں بولتا تھا۔ وہ بار بار آڈیو دہرانے لگا۔ اتنی دفعہ کہ اسے گنتی بھول گئی۔ چہرے پہ بس ایک چونک جانے کا احساس نظر آرہا تھا۔ وہ فارس نہیں تھا۔ بہت غور کرنے پہ اسے احساس ہوا تھا کہ لہجے میں ہلکا سا فرق تھا۔ پہلی دفعہ سننے میں اسے بھی وہ فارس لگا تھا۔

اور زمر۔۔۔ وہ چونکا۔ زمر نے تو وہ آڈیو بس ایک ہی دفعہ سنی تھی۔ اوہ!

ڈھائی سال سے بکھرے ٹکڑے اب پزل میں جڑنے لگے تھے۔ اور جو شکل سامنے آرہی تھی وہ بہت بھیانک تھی۔

وہ ہاشم کی شکل تھی۔

✡ ✡ ✡

آج دوپہر کے سورج نے دھند کو بہت ہلکا کردیا تھا۔ روشن دان سے روشنی جھلک کر کمرے کے وسط میں رکھی میز پہ گر رہی تھی جس کے ایک طرف فارس بیٹھا تھا اور دوسری جانب سعدی۔ ساتھ میں فارس کا وکیل۔ وہاں اداس کردینے والی خاموشی تھی جس میں پچھتاوے اور تاسف کی سی ویرانی بسی تھی۔ سعدی نے بہت دیر بعد جھکا سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی اور بہت ساری شرمندگی۔

''آئی ایم سوری!''

''کس بات کے لیے؟'' غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھتے فارس کو اچنبھا ہوا۔

''آپ کو اتنا کم کم وزٹ کرنے کے لیے۔''

''کوئی بات نہیں، تم جاب کررہے ہو، مجھے پتا ہے۔'' اس نے سمجھنے والے انداز میں ہلکے سے کندھے جھٹکے۔ سعدی اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔

فارس سفید کرتے شلوار میں ملبوس تھا۔ ایک زمانے میں چھوٹے کٹے بال اب بڑھ چکے تھے' اتنے کہ انہیں کس کر پونی میں باندھ رکھا تھا۔ شیو ہلکی ہلکی بڑھی تھی' مگر دوسرے قیدیوں کی نسبت وہ کافی صاف ستھرا سا لگتا تھا۔

''اب اس آڈیو کا کیا کرنا ہے؟'' فارس نے وکیل کے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میری آواز نہیں ہے' مگر مشابہت بہت زیادہ ہے۔ اگر میڈم نے یہی سنی ہے تو ان کو اب میں اپنی بے گناہی کا یقین کبھی نہیں دلا سکتا۔''

وکیل صاحب کھنکھارے۔

''ہم نے اسے ایک ایکسپرٹ کو دکھایا ہے' اس نے یہ ثابت کر کے بتایا ہے کہ یہ Converted وائس ہے۔ جعلی ہے۔''

''ہم نے نہیں' میں نے۔'' سعدی نے تلخی سے ان کو دیکھا۔ ''آپ تو اس کے پاس چلنے تک کو راضی نہیں تھے۔''

''میں ایک اور کیس کے سلسلے میں مصروف تھا۔ اور تمام قانونی پیچیدگیاں آپ کو سمجھا چکا ہوں۔'' اس سے پہلے کہ سعدی مزید تلخی سے جواب میں کچھ کہتا' فارس نے بے چینی سے اسے ٹوکا۔

''کیا ہم کورٹ میں یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ یہ میری آواز نہیں ہے؟''

''نہیں' جب تک کہ سعدی اس کا سورس ظاہر نہیں کرتا' کورٹ اس کو کیسے قبول کرے گا۔''

''محمود صاحب! میں آپ کو کتنی دفعہ بتا چکا ہوں' یہ آڈیو مجھے میری پھپھو نے نکلوا کردی ہے اور میں ان کا نام لے کر ان کو Incriminate نہیں کرسکتا۔ اور میری اجازت کے بغیر آپ بھی یہ نہیں کرسکتے۔''

''بھئی پھر تو مسئلہ بن جائے گا۔ یہ ہمارے حق سے زیادہ خلاف جائے گی۔ میں اسے کورٹ میں پیش

کرنے کی نصیحت کبھی نہیں کروں گا۔" محمود صاحب ہاتھ جھاڑ کر پیچھے کو ہو بیٹھے۔ سعدی نے ایک تیکھی نظر ان پہ ڈالی، پھر واپس فارس کو دیکھا۔

"ماموں! اگر میں آپ کے لیے کوئی فیصلہ لوں تو مجھے اپنی زبان دیں کہ آپ اعتراض نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا، لیکن۔" وہ اچنبھے سے بولنا چاہ رہا تھا مگر سعدی فوراً" محمود صاحب کی طرف گھوما۔

"آپ کو میں فارس غازی کے وکیل کے منصب سے ہٹاتا ہوں۔"

وہ ایک دم سیدھے ہوئے، حیرت سے اسے اور پھر فارس کو دیکھا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ناگواری سے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

"یہی کہ آپ یہاں سے جاسکتے ہیں۔"

"میں فارس غازی کا وکیل ہوں، آپ کا نہیں!" وہ ایک دم چمک کر بولے۔ فارس چند لمحے چپ رہا۔ باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

"میں سعدی کی تائید کرتا ہوں۔ آپ جاسکتے ہیں۔" سعدی کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس کا مان نہیں ٹوٹا۔ ابھی دنیا سے اس کے اپنے ختم نہیں ہوئے تھے۔

وہ جیسے، بہت ضبط کرکے اٹھے۔

"انتہائی بچکانہ رویہ ہے یہ۔ پیشی سے چند دن پہلے آپ وکیل کو فارغ کررہے ہیں۔ مجھے ہاشم کاردار نے ان کا وکیل مقرر کیا تھا۔"

"اور ان ہی سے وصول کیجئے گا اپنے بقایا واجبات کیونکہ میں تو آپ کو اپنے حلال رزق سے ایک پائی بھی نہیں دینے لگا۔" بے نیازی سے انہیں باہر جانے کا رستہ دکھایا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹتے، کوٹ کا بٹن بند کرتے، منہ میں بڑبڑاتے باہر نکل گئے۔

"یہ سب کیا تھا؟" فارس غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟"

"سعدی! تم مجھے پریشان کررہے ہو!" وہ فکرمندی سے کہتا آگے ہوا۔ "یہ آڈیو سن کر بھی زیادہ ری ایکٹ نہیں کیا میں نے، کیونکہ میرے لیے کچھ بھی پریشان کن نہیں ہے سوائے تمہاری شکل کے۔ ہوا کیا ہے تمہارے ساتھ؟"

جینز اور ہائی نیک کے اوپر جیکٹ پہنے بیٹھا لڑکا اداسی سے مسکرایا۔ "میں ریشم کا بن چکا ہوں اور ریشم اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آتی۔ مجھ سے آپ کچھ بھی نہیں اگلواپائیں گے۔ اس وقت میرا کام آپ کو یہاں سے نکلوانا ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا کروں گا۔ سوال مت کریں، وہ بتائیں جو میں نے پوچھا تھا۔" اس نے یاد دلایا۔ "جن لوگوں پہ آپ کو شک ہے، ان کی فہرست بنائی آپ نے؟"

"ہاں لکھو۔" وہ بتانے لگا اور سعدی پین نکال کر لکھنے لگا۔ کولیگز، وہ چند لوگ جن کے خلاف اس نے کیسز تیار کیے تھے۔ وارث کا باس۔ اور بس۔ سعدی نے بے چینی سے نظریں اٹھائیں۔

"ہاشم بھائی کا نام نہیں لکھوایا آپ نے؟"

فارس کچھ دیر سوچتا رہا، پھر نفی میں سر ہلایا۔

"اونہوں۔ اس کا تعلق نہیں ہے اس سب سے۔"

"مگر آپ نے خود کہا تھا کہ۔"

"میں نے ڈھائی سال اس بارے میں سوچا ہے، پہلے گرم دماغ سے، پھر ٹھنڈے دل سے، مگر ہاشم کے پاس یہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اس نے میرے لیے بھاگ دوڑ بھی کی ہے کافی، سو میں بے شک اسے شدید ناپسند کرتا ہوں، مگر اس کو اس سب میں نہیں گھسیٹوں گا۔ یہ غلط ہے۔"

سعدی نے گہری سانس لے کر اس فہرست کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔

"بھول جائیں اس بات کو۔" کاغذ موڑ کر مٹھی میں دبالیا۔ "آپ کا اے ٹی ایم، کریڈٹ کارڈز اور چیک بکس ہاشم بھائی نے امی کو بہت پہلے دے دیے تھے۔ جیولری وغیرہ انہی کے پاس ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نئے وکیل کے لیے آپ کے اکاؤنٹ کی رقم کافی ہوگی۔"

"جب اتنے سال میں کہتا رہا کہ ہاشم سے پیسے مت لو میرے وکیل کے لیے تب تم نے یہ نہیں کہا۔ اب کیا ہوا ہے؟" وہ ابھی تک آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے ان پہ اعتبار نہیں رہا۔" اس کی آواز میں تکلیف تھی۔

"سعدی! کیا چھپا رہے ہو؟"

"سوال مت کریں۔ انتظار کریں۔" اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس متفکر نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

باہر دھوپ اب تیز ہو چکی تھی۔ سڑک پہ معمول کی ٹریفک بہہ رہی تھی۔ کار ڈرائیو کرتے سعدی نے ہینڈز فری کانوں میں لگائے اور موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔ چند گھنٹیوں بعد ہاشم نے فون اٹھالیا۔

"ہاں بیٹا خیریت؟" وہ مصروف لگ رہا تھا۔

"جی ایک کام تھا آپ سے۔" اس کے بعد آج ہاشم سے بات ہو رہی تھی۔

"ہوں بولو۔"

"میں نے محمود صاحب کو فائر کر دیا ہے۔ اب مجھے ماموں کے لیے ایک بہتر وکیل کی تلاش ہے۔"

"کیوں؟ فائر کیوں کیا؟" وہ چونکا تھا۔

"کیونکہ مجھے وہ سست اور نااہل لگتے ہیں۔ خیر! آپ مجھے پانچ چھ بہترین وکیلوں کے نام ٹیکسٹ کر دیں، جن کو مجھے ہائر کرنا چاہیے۔"

ہاشم چند لمحے کو خاموش ہو گیا۔ پھر بولا تو کافی سوچتے ہوئے۔ "اوکے، کرتا ہوں۔ میرے ریفرنس سے ان سے مل لینا۔ کام ہو جائے گا۔ ویسے سماعت کے اتنے نزدیک آکر وکیل کو فائر کرنا بے وقوفی ہوتی ہے سعدی!"

"اور یہ تو میں جان گیا ہوں کہ میں کتنا بے وقوف ہوں۔"

"کوئی مسئلہ ہے تو میں محمود صاحب سے بات کر لیتا ہوں، مفاہمت تو ہر ایشو پہ ہو سکتی ہے۔"

"مفاہمت کی ہی تو گنجائش نہیں رہی۔ آپ ٹیکسٹ کر دیجیے بس ابھی۔"

اور موبائل فرنٹ سیٹ پر ڈال دیا۔ چہرے پر چھائی تلخی میں اضافہ ہو گیا۔ لب بھینچ گئے۔ آنکھوں میں غصہ ابھرا۔ کتنے دن اس کے دل و دماغ میں جنگ جاری رہی تھی۔ ہاشم کے لیے کئی دلیلیں اکٹھی کیں مگر۔ سب بے کار تھا۔ جب آنکھوں سے اندھے اعتماد کی پٹی اتری تو ہر شے کو نئے زاویے سے دیکھنا شروع کیا۔ ٹہلنے لگا، وہ صرف قاتل کو جانتا ہے، مگر اب آہستہ آہستہ احساس ہوا کہ وہی ہے، جو فارس کو باہر نہیں آنے دے رہا۔ اگر ہاشم چاہتا تو فارس باہر ہوتا۔ فارس اور ندرت نے کتنی دفعہ یہ بات اس سے کہی مگر تب سمجھ میں کیوں نہیں آتا تھا؟ یہ اعتماد کتنی بھیانک شے ہے۔ اندھا کر دیتا ہے۔ بہرا، لنگڑا کر دیتا ہے۔

تب ہی موبائل بجا۔ ہاشم نے چند نام اسے ٹیکسٹ کر دیے تھے۔ سعدی نے ان کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ یہ وہ وکیل تھے جن کو ہاشم چاہتا تھا وہ ہائر کرے۔ یعنی یہ وہ تھے جن کو ہاشم خرید سکتا تھا۔ اسے اب معلوم ہو گیا تھا کہ اس فہرست کے وکیل اسے بالکل نہیں ہائر کرنے۔ گڈ!

وہ جب زمر کے گھر کے گیٹ تک آیا تو وہ پورچ میں کار سے اتر رہی تھی۔ دروازہ بند کرتے وہ مڑی تو دیکھا، سعدی نے کار باہر روک دی تھی اور اب قدم قدم چلتا اس کی جانب آرہا تھا۔ جینز پہ جیکٹ پہنے، چہرے پہ چھائی سنجیدگی، وہ قریب آیا تو احساس ہوا کہ وہ اس سے لمبا ہو گیا تھا، پتا نہیں کب سے۔

"کیسے ہو؟" اس نے سپاٹ آنکھوں اور بے تاثر لہجے میں پوچھا۔ وہ "ٹھیک" کہتا اس کے ہمراہ لان میں بچھی کرسیوں کی طرف آیا۔

"کچھ کہنے آیا ہوں آپ سے۔"

"مجھے فارس سے نہیں ملنا، نہ ہی اس کی صفائی سننی ہے۔" وہ کرسی پہ بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ بازو سینے پہ لپیٹے۔ بال ہاف کیچو میں بندھے تھے اور دھوپ کے باعث بے زاریت بھری آنکھوں کو سکیڑ رکھا تھا۔

"پھپھو.... ایک دفعہ دوسری طرف کی کہانی سن لیں۔" وہ آگے کو ہو کر اس کے مقابل بیٹھا۔

"میں جج نہیں ہوں۔ نہ ہی اس کو سزا دے سکتی ہوں۔" اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔ "میرے سننے کا فائدہ؟"

"اگر.... مجھ سے کوئی گلہ ہے تو کہہ دیں۔" وہ ڈھائی سال سے بتانا چاہتا تھا' ایک دفعہ وہ گلہ کردے' کہہ دے کہ اس سے بدتمیزی سے بات کرنے کے بعد وہ اس کو چھوڑ کر کیوں چلا گیا؟ سوری کیوں نہیں کہا؟ اس کے آپریشن کے وقت وہ کہاں تھا؟ کیوں اس کی ری کوری کے ان تکلیف دہ دنوں میں وہ اس کے پاس نہیں تھا؟ واپس کیوں نہیں آیا؟ مگر وہ کہتی ہی نہیں تھی۔ اب بھی نظرانداز کرگئی۔

"تم کیا کہنے آئے ہو؟"

"آپ سچ کہہ رہی تھیں۔ واقعی آپ کو کال کی گئی تھی۔ آپ نے جو بتایا واقعی ایسا ہوا تھا۔"

"اچھا! ڈھائی سال بعد یقین آگیا تمہیں سعدی؟" وہ سنتی گئی۔ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھتی۔ بازو ہنوز سینے پہ لپیٹے۔

"مگر وہ کور نڈ وائس تھی۔ جعلی آواز۔ یہ سنیں۔" اس نے موبائل نکال کر یہ چند بٹن دبائے۔ آوازیں ابھرنے لگیں۔ زمر سیدھی ہوئی' آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ بس چند فقرے وہ سن پائی۔

"بند کرو اسے۔" اور ناگواری سے چہرہ پھیرلیا۔

"کیا یہ سب اسی طرح ہوا تھا؟"

"میرے ہاں یا ناں کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ڈھائی سال پہلے تم لوگوں نے کہا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں' آج کہہ رہے ہو میں سچ بول رہی تھی۔ پانچ سال بعد کہو گے' یہ واقعی فارس کی ہی آواز تھی۔"

"آئی ایم سوری۔ جیسے آپ نے ہماری بات نہیں سنی' ویسے ہی ہم نے بھی آپ کی بات نہیں سنی۔ میں سمجھا آپ کسی کو کور کررہی ہیں' مگر ایسا نہیں تھا۔"

"ڈھائی سال بعد میرا یقین کرنے کا شکریہ۔" وہ سارا کرب ضبط کرچکی تھی۔

"لیکن آپ تیسری بات کا امکان ذہن میں رکھ کر سوچیں پھپھو! یہ کال جعلی تھی۔ ہم کورٹ میں یہ ثابت کرسکتے ہیں۔"

"اور یہ تمہیں کیسے ملی؟"

"میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔" وہ بے اختیار پیچھے ہوا۔

"اس صورت میں یہ میرے لیے قابل قبول نہیں ہے۔"

"اگر آپ اس میں لہجے پہ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ...."

"جب یہ کال مجھے موصول ہوئی' میں ایک Sniper کے نشانے پہ تھی' مجھے لہجے اور آواز کے pitch پہ غور کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس آواز کے ساتھ میری زندگی کی سب سے تکلیف دہ یاد جڑی ہے۔ اس لیے کوئی آج آکر کہہ دے کہ یہ جعلی ہے' تو میں کیسے مان لوں؟" تیز لہجے میں کہتی وہ اس کو شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ایک دفعہ سوچ کر دیکھیں۔ کوئی تیسرا آدمی بھی اس میں ملوث ہوسکتا ہے۔"

"مثلاً" کون؟" سعدی نے جواب میں تھوک نگلا۔

"مثلاً"... مثلاً" ہاشم کا ردار۔" ہمت کرکے اس نے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہوگئی۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے۔ جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ سعدی کو یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

مکمل ناول

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے، جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے، بہانے سے پاس ورڈ حاصل کرکے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جاکر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور، ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتادیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکرمند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے، حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس، زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کردیتی ہیں۔ وارث غازی، ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کررہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کردیتا ہے۔ ہاشم، خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضایع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کررہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم، خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث، فارس کو وہ سارے شواہد میل کردیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مرجاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کرسکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کار دار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی ایلی بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کرچکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں، جس کی بنا پر زمر کو

دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کرسکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہوجاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہوجاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کرواچکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مرواسکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کررہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جارہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کرلے جاچکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کردیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہوجاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہوجاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہوچکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو ماردیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچوئیشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کا کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔
حنین، نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔
سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔
سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔
سعدی، زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔
''مثلاً ''کون؟'' زمر نے پوچھا۔
''مثلاً''.... مثلاً ''ہاشم کا کردار....'' سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

نویں قسط

''ہاشم کا کردار؟'' زمر کو شاک سے نکلنے میں چند لمحے لگے اور پھر ایک دم آنکھوں میں ناگواری اُبھر آئی۔
''اس کا نام کیسے لے سکتے ہو تم؟''
''وہ ان کے کزن ہیں۔ پھر جائیداد کے تنازعے! وہ فارس غازی کو اس میں پھنسا سکتے ہیں اس سے ان کو فائدہ ہو گا، نقصان نہیں۔''
''او کے، سعدی! بہت ہو گیا۔'' ٹانگ پہ رکھی دوسری ٹانگ سیدھی کی اور درشتی سے کہتی آگے کو ہوئی۔ ''میں یہ ڈیفنس اسٹریٹجی بہت دفعہ کورٹ میں استعمال کر چکی ہوں۔ جب اپنے دفاع میں کوئی بات نہ ہو تو کسی تیسرے شخص پہ شک دلوا دو۔ مگر کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟''
سعدی کی گردن نفی میں ہلی۔ (کیا اس آڈیو اور ان تصاویر کا ہاشم کے کمپیوٹر سے ملنا ایسا ثبوت تھا جسے وہ پیش کر سکے؟ ہرگز نہیں۔)
''پھر تم کیسے کسی پہ اتنا بڑا الزام لگا سکتے ہو؟ فارس کے خلاف میری گواہی کو چھوڑ دو تب بھی ثبوت ہیں۔ اس کی گن، اس کے فنگر پرنٹس۔ تم مجھے اس سے بڑے ثبوت ہاشم یا کسی اور کے خلاف لا کر دو، میں تمہاری بات سنوں گی، مگر اس سے پہلے نہیں۔'' تلخی سے بولتی وہ کھڑی ہو گئی۔ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تو آپ ڈھائی سال سے ہماری بات اس لیے نہیں سن رہیں، کیوں کہ ہم ثبوت نہیں دے رہے؟''
''اگر مجھے جھوٹا کہنے کے بجائے کچھ کہتے تو میں سنتی۔''
''آپ اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔'' سر ہلا کر وہ کھڑا ہوا۔ چند لمحے دونوں آمنے سامنے کھڑے رہے۔
''آخری بات، پھپھو۔'' وہ ذرا جھجکا۔ ''مجھے کسی ایسے وکیل کا بتائیں، جو ہم افورڈ بھی کر سکیں اور وہ ہمارے ساتھ مخلص بھی ہو۔ فارس غازی کے لیے۔''
(اس کے سامنے اب وہ اسے ماموں کہنے سے دانستہ احتراز برتنے لگا تھا۔)
زمر نے سر جھٹکا۔ ذرا توقف کیا۔ تنے اعصاب جیسے ڈھیلے پڑے۔
''خلجی صاحب سے مل لو۔ نمبر اور پتا ٹیکسٹ کر دیتی ہوں۔ ان کے پہلے تاثر پہ مت جانا۔ اچھے وکیل ہیں۔'' اور اسی طرح سینے پہ بازو لپیٹے وہ مڑ گئی۔ اسے پیچھے آنے کا نہیں کہا۔ چاہے تو وہ اندر آ جائے، چاہے تو نہ آئے۔ سعدی یاسیت سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ ڈھائی سال سے وہ بس اس کی پھپھو تھی۔ زمر نہیں۔
اگر ایک دفعہ، ایک دفعہ وہ شکوہ کر دے تو وہ اسے بتا دے گا، یا شاید نہیں بتائے گا۔ بس ایک دفعہ....

☼ ☼ ☼

جو زہر پی چکا ہوں تمہیں نے مجھے دیا
اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں فل آواز کے ساتھ ٹی وی چل رہا تھا۔ ندرت کبابوں کی ٹکیاں بناتی، بڑی ڈش میں رکھتی جارہی تھیں۔ ساتھ ہی صوفے پہ پیر اوپر رکھے حنین موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ بار بار کال ملاتی، پھر کاٹ دیتی۔ بالآخر اب ہمت کرہی لی۔ دوسری طرف گھنٹی جاتی رہی۔ پھر ندرت نے اسے کہتے سنا۔

"کیا میں علیشا سے بات کرسکتی ہوں؟" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔

"میں حنین ہوں۔ حنہ۔ پاکستان سے۔" وہ ذرا ہچکچا کر کہہ رہی تھی۔ "علیشا میری میلز کا جواب نہیں دے رہی۔ وہ کدھر ہے؟ دراصل مجھے اس کو کسی کا پیغام دینا تھا۔"

وہ اب بہت دھیان سے دوسری طرف کی بات سننے لگی تھی۔ بالکل چپ۔ خاموش اور ساکت۔ پھر بغیر کچھ کہے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" مگر حنہ نے نہیں سنا۔ چپ بیٹھی رہی۔

سعدی اندر آیا اور سلام کرکے ماں کے قریب صوفے پہ گر سا گیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"فارس سے ملے؟" وہ امید سے پوچھنے لگیں۔

"جی اور پھپھو سے بھی۔" وہ دور خلا میں دیکھتا اپنی سوچ میں گم تھا۔

"کیا وہ اب بھی تمہاری بات سننے کو تیار نہیں؟"

"ان کا قصور نہیں ہے۔ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔"

"تم سے بھی وہی رویہ ہے؟"

"چھوڑیں امی!" وہ چہرے پہ بشاشت واپس لاتے سیدھا ہوا، اور ہاتھ بڑھا کر چنے کی دال اور گوشت کے پسے آمیزے کو تین انگلیوں میں اٹھانا چاہا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پہ چپت رسید کی۔

"ہزار دفعہ کہا ہے، مت کھایا کرو درمیان سے۔ بے برکتی ہوتی ہے۔"

مگر ندرت کی ڈھیٹ اولاد کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ سعدی نے آمیزہ منہ میں رکھا اور چباتے ہوئے پھر سے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ حنین بدستور سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دفعتاً" ان کو خیال آیا۔

"سعدی... بیٹا! وہ مرکز کے فرنٹ پہ جو بیکری ہے نا، وہ لوگ جگہ خالی کررہے ہیں۔ کیوں نہ ہم اس کو کرایے پہ لے کر کوئی کام شروع کردیں؟"

"آپ نے ابھی تو اسکول کی جاب ختم کی ہے اور آپ کی صحت بھی اتنی اچھی نہیں۔ کیوں خود کو ہلکان کرتی ہیں؟"

"خرچے بہت ہیں اور تمہاری تنخواہ سے وہ نہیں پورے ہوتے۔ میں آج کل یہی سوچ رہی ہوں۔ بیکری کی جگہ کافی بڑی ہے۔ کپڑوں کا بوتیک شروع کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اگر فارغ بیٹھی رہی تو زیادہ بیمار ہوجاؤں گی۔"

سعدی نے ایک نظر ان کے ہاتھوں کو دیکھا جو مہارت سے کباب کو شکل دے رہے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ مسکرایا۔

"آپ ریسٹورنٹ کھول لیں امی! کسی کو کھانا کھلانے سے پیارا احسان کیا ہوگا بھلا؟"

"ریسٹورنٹ؟" وہ سوچ میں الجھیں۔

"مگر پہلے کسی سے مشورہ کرلیجیے گا۔"

"کس سے کروں؟"

"کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے دو لوگوں سے مشورہ لیتے ہیں امی! ایک وہ جس نے اس کام میں فائدہ اٹھایا ہو، اور ایک وہ جس نے اس میں نقصان اٹھایا ہو۔" پھر حنہ کو دیکھا جو ابھی تک شل بیٹھی تھی۔

"گڑو بیگم! ریسٹورنٹ بننے سے تمہارے تو دن پھر جائیں گے؟" سعدی نے اسے آواز دی۔ اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا۔

"ہاشم بھائی سے بات ہو تو انہیں بتا دیجیے گا کہ اب علیشا کو ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں رہی۔"

کچے کباب کا ٹکڑا اس کے حلق میں رہ گیا' وہ چونکا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"اس کو جب پیسے چاہیے تھے' تب انہوں نے نہیں دیے۔ پھر اس نے خود ہی حاصل کرنے چاہے۔" وہ شاک کے عالم میں بول رہی تھی۔ "اس نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر چوری کرنے کی کوشش کی۔ وہ کمپیوٹرز میں اچھی تھی اور قسمت میں بری۔ سب گرفتار ہو گئے۔ اب وہ جیل میں ہے' ایک لمبے عرصے کے لیے۔"

وہ بے یقین تھی' بالکل حق دق۔ پھر ایک دم اٹھ کر اندر چلی گئی۔ سعدی ابھی تک ساکت و جامد بیٹھا تھا۔ ندرت افسوس سے کچھ کہہ رہی تھیں' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

اور پھر جب شاک اُترا تو ہر طرف تاسف چھا گیا۔

☆ ☆ ☆
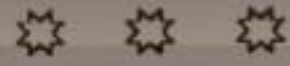
ان ہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

قصر کاردار میں ملازموں کی چہل پہل جاری تھی۔ سرما کی وہ دھند آمیز صبح باہر تک محدود تھی۔ اندر سینٹرل ہیٹنگ نے لاؤنج کو گرما رکھا تھا۔ نئی لڑکی فینو نا ایک ان ڈور گملے کو پانی دے رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر اورنگ زیب کے کمرے کی سمت بھی دیکھ لیتی۔ جہاں دروازہ ادھ کھلا تھا اور وہ آئینے کے سامنے کھڑے تیار ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ فینو نا وہاں سے مکمل منظر نہیں دیکھ سکتی تھی' آوازیں بھی مدھم تھیں' مگر جھگڑے کی آواز بہرا بھی سمجھ لیتا ہے' وہ تو صرف زبان سے نا آشنا تھی۔

اگر اندر جھانکو تو سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر جواہرات بیٹھی تھی۔ سلگتی آنکھیں اورنگ زیب کی پشت پر جمی تھیں۔

"اگر تم ایک دفعہ شیرو کی بات سن کر...."

"اپنے بیٹے کی سفارش مت کرو میرے سامنے۔ میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" وہ تلخی سے کہتے ٹائی کی ناٹ باندھ رہے تھے۔

"وہ کتنا ہائپر ہے' تم جانتے ہو۔ اس طرح کا رویہ رکھو گے تو وہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔"

"تو چلا جائے۔ دو دن فٹ پاتھ پہ رہنا پڑے گا تو عقل آجائے گی۔ اپنے باپ کو بے وقوف بناتا ہے۔"

"اگر وہ گیا نا اورنگ زیب! تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔" وہ بمشکل ضبط کر کے بولی تھی۔

"ہر شے کی ذمے دار تم ہو۔ تمہاری بے جا حمایت نے اس کو اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔" کالر جھٹک کر کوٹ پہنا۔ تنفر بھری نگاہ آئینے میں پیچھے نظر آتی جواہرات پہ ڈالی اور پھر باہر نکل گئے۔ وہ وہیں بیٹھی کلستی رہ گئی۔

لاؤنج میں وہ لمحے بھر کو رکے۔ نوشیرواں سیڑھیوں کے وسط میں کھڑا تھا۔ خاموش' فکر مند سا۔ اورنگ زیب نے اس پہ نظر ڈالی اور اتنی جلدی پلٹی کہ جیسے کوئی ناگوار نظارہ سامنے ہو' مڑے' میری کو آواز دی' اور واپس کمرے میں چلے گئے۔ فینو نا جلدی سے پانی رکھ کر میری کو بلانے بھاگی۔ شیرو وہیں زینے پہ بیٹھ گیا۔ گردن جھکالی۔ نہ پیسے ہاتھ میں رہے' نہ رشتے۔

"کتنے دن تک یونہی بیٹھے رہو گے؟" شہرین سرسری سا پوچھتی' ہاتھ میں کٹے سیبوں کی پلیٹ پکڑے' اس کے ساتھ زینے پہ بیٹھی تو وہ چونکا' پھر دوبارہ سر جھکا لیا۔

"جب تک وہ مجھے معاف نہیں کر دیتے۔"

"تو تم ان سے معافی مانگ لو نا۔ سمپل۔" ملازموں کی زبانی وہ سب سن چکی تھی۔

"کتنی دفعہ مانگ چکا ہوں' مگر جواب میں چیخ چلا کر مجھے دفعان کر دیتے ہیں۔"

"اور ہاشم؟" اس نے پلیٹ سے سیب کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے۔"
"اور تم نے اسی لیے اسے ایک دفعہ بھی مخاطب نہیں کیا؟ کھاؤ گے؟" ساتھ ہی پلیٹ بڑھائی۔ نوشیرواں نے بے دلی سے منہ پھیر لیا۔ البتہ اب شہرین سے پہلے کی طرح بے زار نہیں رہتا تھا۔ صرف وہی تھی جس نے سارا قصہ سننے کے بعد اس سے ہمدردی جتائی تھی اور کہا تھا۔
"بھئی، تم نے لاج میں تو نہیں کیا نا' ایک ایڈونچر تھا یہ' اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟"
اب بھی وہ کندھے اچکا کر کہہ رہی تھی۔
"یوں کرو' اوپر جاؤ اور ہاشم سے معافی مانگ لو۔ بات ختم۔ اس کو صرف تمہاری معافی کا انتظار ہے۔"
"واقعی؟" اس نے بے چینی سے شہرین کو دیکھا۔ تھپڑ پھر سے یاد آیا۔ بے اختیار گال پہ ہاتھ رکھا۔
"ہاں نا۔ وہ تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتا اور مجھے اپنا فون دے جاؤ۔"
"کیوں؟" وہ فون دیتے دیتے رکا۔ شہرین نے موبائل اس کے ہاتھ سے اچک لیا۔
"وقت ضائع مت کرو' وہ آفس کے لیے نکل ہی نہ جائے۔"
"اچھا۔" وہ فوراً" اوپر آیا۔ تھوڑی دیر اس کے کمرے کے باہر رکا رہا' پیچھے سیڑھیوں پہ بیٹھی شہرین نے اس کے موبائل سے سعدی کا نمبر نکالا اور اپنے فون پہ منتقل کیا۔
شیرو نے بغیر کھٹکھٹائے دروازہ کھولا۔ ہاشم ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا تھا۔ کوٹ ابھی اسٹینڈ پہ تھا' اور وہ کف لنکس پہن رہا تھا۔ آہٹ پہ گردن موڑی' اسے دیکھا اور واپس کف لنک پہننے لگا۔
"او شیرو۔" انداز نارمل تھا۔ نہ غصہ' نہ پیار۔ وہ سر جھکائے' لب کاٹتا قدم قدم چلتا قریب آیا۔ یہ اس دن کے بعد دونوں کی پہلی بات چیت تھی۔ یہ سوشل بائیکاٹ اس کے لیے بہت سنگین ثابت ہوا تھا۔
"بھائی! ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟" نگاہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ہاشم نے ٹائی گردن میں ڈالی اور آئینے میں دیکھتے اس کی گرہ لگانے لگا۔
"کیا میں اسے معذرت سمجھوں؟"
نوشیرواں نے بے چینی سے چہرہ اٹھایا۔
"آئی ایم سوری بھائی۔ میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا۔"
"میں معذرت قبول کرتا ہوں۔ بھول جاؤ سب۔" ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے وہ اب بھی نہیں مسکرایا۔
"آپ مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟"
"نہیں۔" اس نے ناٹ کسی' کالر درست کیے' اسٹینڈ سے کوٹ اٹھایا اور مڑ کر شیرو کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ "ناراض نہیں ہوں' حیران ہوں۔ اس پہ نہیں کہ میں بے وقوف کیسے بنا۔ اعتبار کرنے والے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس پہ بھی نہیں کہ تم ایک کرمنل ذہن رکھتے ہو۔ بلکہ صرف اس پہ کہ اگر تمہیں پیسے چاہیے تھے تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟"
"ایڈونچر کرنا۔۔۔ چاہ رہا تھا۔۔۔ بس۔" نوشیرو نے شرمندگی و خفت سے گردن جھکالی۔ ہاشم نے کوٹ پہنا اور اسے دیکھتے ہوئے بٹن بند کیا۔
"تم شیرو! میری ایک بات اپنے دماغ میں بٹھالو۔ تمہارا بھائی تمہارے سب معاملے سنبھال سکتا ہے۔" اس نے اس کے کندھے پہ سختی سے ہاتھ جمایا تو نوشیرواں نے شرمندہ چہرہ اٹھایا۔
"تمہیں پیسہ چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کوئی لڑکی چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کسی کی جان چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ مگر تم خود کچھ نہیں کرو گے۔ کبھی بھی نہیں۔ سمجھ میں آیا؟"
اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ پھر قدرے جھجکا۔
"وہ جو کہا آپ نے کہ کاش وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ سعدی آپ کا بھائی ہوتا۔۔۔"
"وہ ایک اچھا لڑکا ہے' رشتوں کا پاس کرنا جانتا ہے' وہ ہمارا تیسرا بھائی ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی' مگر وہ نہیں

ہے۔ اورنگ زیب کاردار کے دو ہی بیٹے ہیں' میں اور
تم۔ تمہاری نظر میں میری کتنی اہمیت ہے' مجھے واقعی
نہیں معلوم' مگر میرے لیے تم اور سونیا برابر ہو۔"
"آپ کو پتا ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتا
ہوں' کتنا احترام کرتا ہوں آپ کا۔"
"نہیں مجھے نہیں پتا۔" پرفیوم خود پہ چھڑکتے
سنجیدگی سے کندھے اچکائے۔ شیرو روہانسا ہو گیا۔
"یہ سچ ہے۔"
"پھر اسے ثابت کرو۔ کیونکہ مجھے دوبارہ سے
تمہارے تخریبی ذہن پہ اعتبار کرنے میں وقت لگے
گا۔" اس کے کندھے کو تھپتھپا کر' وہ موبائل اٹھاتا باہر
نکل گیا۔ اب بھی نہیں مسکرایا تھا۔ نوشیرواں پریشان
سا وہیں کھڑا رہ گیا۔
شہرین اب سیڑھیوں کے وسط میں کھڑی تھی۔
اسے آتے دیکھ کر راستہ دیا۔ ہاشم چند زینے اترا' پھر
اس کے قریب رکا۔
"کچھ کاغذات پہ تمہارے دستخط چاہیے ہیں' دوپہر
میں آفس آجانا۔"
"میں خلع لے رہی ہوں' طلاق نہیں' چاہو تو یہ
لمبی چوڑی رقم اور مراعات نہ بھی دو۔ ضرورت نہیں
مجھے تمہارے پیسے کی۔"
"وہ باتیں مت کہو جن کا مطلب تم خود بھی نہیں
جانتیں۔ جو دے رہا ہوں' اپنی بیٹی کے لیے دے رہا
ہوں۔ ماں سے الگ نہیں کر سکتا اس کو۔ اب ہٹو
سامنے سے۔" وہ مزید سرکی' اور ہاشم نیچے اتر گیا۔ وہ
تلملاتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں
شدید بغض اور بے بسی تھی۔
وہ ماں باپ کے کمرے کے سامنے رکا تو جواہرات
ہنوز کاؤچ پہ بیٹھی کلس رہی تھی اور ڈریسنگ مرر کے
سامنے کھڑے اورنگ زیب میری انجیو کو ہدایات
دے رہے تھے۔ وہ چوکھٹ میں آرکا۔
"میں علیشا کی فیس پے کر رہا ہوں۔ کسی کو کوئی
اعتراض ہو تب بھی مجھے کچھ کہنے کی زحمت نہ کرے'
میرا دماغ آج کل بہت گھوما ہوا ہے۔"
اطلاع دی اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ مڑ گیا۔
جواہرات تلملا کر اٹھی' اورنگ زیب نے اسے برہمی
سے پکارا مگر وہ باہر جا چکا تھا۔ دونوں بے بسی سے ایک
دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ باہر دھند ابھی تک چھائی
تھی۔ وہ برآمدے تک پہنچا تھا جب خاور تیزی سے
قریب آتا دکھائی دیا۔ وہ فکرمند لگ رہا تھا۔
"سعدی یوسف نے آپ کے کیس کے وکیل کو فائر
کر دیا ہے۔"
"معلوم ہے۔"
"آپ اتنے بے فکر کیسے ہو سکتے ہیں؟"
"فکر کی کیا بات ہے؟" وہ الٹا حیران ہوا۔ "لوگ
وکیل بدلتے رہتے ہیں۔ اگلا بھی ہمارا ہی ہو گا۔ نہیں تو
جج تو ہمارا ہی ہے۔"
"مگر مجھے پریشانی ہے۔ ان لوگوں کو وہ آڈیو کہاں سے
ملی؟"
"کون سی آڈیو؟" وہ ٹھٹک کر رکا۔ خاور نے محمود
صاحب سے جو سنا تھا بتا دیا۔
"ہاں' زمر ایسے کام کر سکتی ہے۔ وہ کہہ رہا ہے تو ایسا
ہی ہو گا۔" وہ گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔ خاور تیزی سے
اس کے پیچھے لپکا۔
"کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ ہو سکتا ہے' وہ جھوٹ بول
رہا ہو۔" ہاشم رک کر اسے دیکھنے لگا۔
"آپ نے اسے اور اس کی بہن کو اس رات اپنا
لیپ ٹاپ دیا تھا' کہیں اس نے وہ آپ کے پاس سے تو
نہیں نکالی؟"
"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ بے زار ہوا۔ "وہ آڈیو
میرے سیف میں ہے' میں نے دو دن پہلے ہی دیکھی
ہے۔ لیپ ٹاپ میں میرے ڈاکومنٹس کا فولڈر لاک
ہے' وہ دونوں اتنے بھی اسمارٹ نہیں کہ ہر چیز کھول
لیں اور سعدی جھوٹ نہیں بولتا' جو کہہ رہا ہے وہی
ہو گا۔ مگر جج ہمارا ہے' پھر کیا مسئلہ ہے؟"
"سر! آپ کا اوور کنفیڈینس۔" وہ کہتے کہتے رکا۔

ہاشم نے ایک سخت کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی' اور آگے بڑھ گیا۔ خاور نے بے چینی سے ٹھوڑی کھجائی۔ بظاہر ہاشم ٹھیک کہہ رہا تھا مگر پھر بھی اسے یہ لڑکا کچھ گڑبڑ لگ رہا تھا۔ خیر' ہاشم سعدی کو زیادہ بہتر طور پہ جانتا تھا یقیناً، وہ سر جھٹکتا' آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼
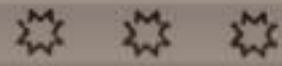
ٹوٹے ہوئے مکاں ہیں مگر چاند سے مکین
اس شہر آرزو میں اک ایسی بھی گلی ہے

وہ ایک ابتر سا آفس تھا۔ فائلوں کے ڈھیر' بے ترتیب کتابوں سے بھرے ریک اور میز پہ بکھرا اتنا کچھ' کہ اس سارے میں کرسی پہ بیٹھا سعدی بے حد بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے مقابل' آفس کے مالک کی کرسی پہ موجود ادھیڑ عمر صاحب نیچے جھکے دراز سے کچھ نکال رہے تھے۔ دفعتاً" وہ سیدھے ہوئے۔ وہ اُڑے اُڑے کھچڑی بالوں' موٹی عینک اور شریف چہرے والے انسان تھے۔ سعدی کو ان پہ ترس' خود پہ رحم اور زمر پہ غصہ آیا جس نے اسے یہاں بھیجا تھا۔

سیدھے ہوتے ہی انہوں نے کچھ فائلز دھپ سے میز پہ رکھیں۔ نتیجتاً" اوپر تلے رکھی سیاہ کتابیں دھڑام سے سعدی کی طرف لڑھکیں۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا۔ ایک موٹی کتاب پیر پہ جا لگی۔ باقی دو گھٹنوں پہ۔ آوچ!

"لگی تو نہیں؟" انہوں نے ناک پہ عینک دھکیلتے پوچھا۔

"بالکل نہیں جی۔" (میں کوئی انسان تھوڑی ہوں؟) وہ جھک کر ان کو سمیٹنے لگا۔ پھر میز پہ رکھیں' اسی بے چارگی سے خلجی صاحب کو دیکھا۔

"سر! آپ بے شک ابھی اپنے کام کر لیں' میں پھر آجاؤں گا۔" وہ کرسی کے کنارے پہ آگے کو ہو گیا۔ بھاگنے کو تیار۔

"نہیں نہیں' میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔" انہوں نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ "کیس بھی دیکھ لیا تھا میں نے۔"

"تو پھر آپ یہ کیس لیں گے؟" بے توجہی سے پوچھتے پیچھے کھڑی الماری پہ نظر ڈالی۔ شیشے کے دروازوں کے پیچھے کتابیں اور فائلیں بھری تھیں۔ اوپر تلے اڑسے کاغذ۔ بے ترتیبی سی بے ترتیبی۔

"دیکھو بیٹے! فارس غازی جیسے بندے کا دفاع کرنا آسان نہیں......"

"خیر ہے' آپ رہنے دیں' میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔" وہ شکریہ کہتا جلدی سے اٹھا۔ بس بھاگنے کی دیر تھی۔ یہ اتنا بھی مروت میں بیٹھ گیا۔

اس آدمی کی تو عینک گم جائے تو یہ نہ ڈھونڈ سکے' فارس کو کیا خاک رہا کروائے گا۔"

"مجھے پتا ہے' فارس غازی کا دفاع آپ کے لیے مشکل ہو گا' کیونکہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ہی قاتل ہے' تو......"

"نہیں۔ میرا خیال ہے' وہ بے گناہ ہے۔"

وہ جو بس مڑنے ہی والا تھا' ایک دم ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا۔ "جی؟"

"ہاں نا' گناہ گار کا دفاع کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ مگر بے گناہ کا کیس سوچ سمجھ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اگر ایک معصوم آدمی کا ہم دفاع نہ کر سکے اور وہ جیل چلا گیا' تو وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔"

وہ آہستہ سے دوبارہ بیٹھا۔ آگے کو جھک کر حیرت اور الجھن سے ان کو دیکھنے لگا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ باوجود پراسیکیوٹر زمر کے بیان کے؟"

"پراسیکیوٹر صاحبہ نے تو یہ بیان دینا ہی تھا۔ وہ سرکار بنام سجاد راؤ کی پراسیکیوٹر جو رہی ہیں۔ ویسے مجھے' بڑی حیرت ہے تمہارے پچھلے وکیل نے اس کیس کا ذکر نہیں کیا۔" ابھی ابھی نکالے فائلز کے گٹھڑ کو اس کی طرف دھکیلا۔ اس سے قبل کہ کتابیں دوبارہ گرتیں' سعدی نے جلدی سے اسے واپس پیچھے کیا۔ البتہ وہ ان کے چہرے سے اپنی بے چین نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

"یہ کون سا کیس تھا؟"

"یہ وارث غازی قتل سے کوئی پانچ ماہ پہلے ختم ہوا تھا۔ میں اس میں ڈیفنس اٹارنی تھا اور زمر صاحبہ پراسیکیوٹر۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی پہ گولی چلائی' مگر ایسا کرنے سے قبل اس کے سامنے اعتراف کیا' اس کی پراپرٹی پہ قبضہ کرنے کا' اس کے ساتھ مزید کچھ زیادتیاں کرنے کا۔ قسمت سے بیوی بچ گئی اور اس نے پولیس کو بتادیا۔ سات ماہ زمر لگی رہیں' یہ ان کا پہلا کیس تھا' ریپو بھی بنانی تھی' بہرحال فیصلہ ان ہی کے حق میں گیا۔ میرا خیال ہے' جس نے بھی فارس کے بھائی اور بیوی کا قتل کیا ہے' اس کی ڈسٹرکٹ کورٹ کے کیسز پہ گہری نظر ہوگی' اسے معلوم ہوگا کہ انسان اپنی زبان سے کسی بات میں سب سے اچھا پھنستا ہے۔ پراسیکیوٹر صاحبہ ویسے بہت سمجھ دار خاتون ہیں' لیکن وہ یہاں مار کھا گئیں' کیونکہ وہ اسی طرح کا ایک کیس پراسیکیوٹ کرچکی ہیں۔"

"یعنی۔۔۔ زمر اپنے حملہ آور کی کال پہ اس لیے یقین کررہی ہیں کیوں کہ وہ آخری منٹ کے اعتراف کے ایسے ہی ایک کیس کو لے چکی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا کرے۔" ایک دم اسے محسوس ہوا کہ زمر نے اسے صحیح بندے کے پاس بھیجا ہے۔ (ان کے پہلے تاثر پہ مت جانا!)

"بالکل۔ ویسے لوگ یہ کرتے بھی ہیں۔ قتل بڑا بوجھ ہوتا ہے۔ انہیں کسی سے تو بانٹنا ہوتا ہے۔ بہت سے کیسز دیکھے ہیں میں نے' جہاں لوگ کسی کو مارنے سے پہلے اپنے پچھلے گناہوں کا اعتراف کرلیتے ہیں۔"

"مجھے پتا ہے' یہ سب کس نے کروایا ہے۔" وہ ایک دم جوش میں بولنے لگا تو انہوں نے فورا" ہاتھ اٹھا کر روکا۔ "شش شش۔" وہ بے اختیار رک گیا۔

"کیا وہ لوگ طاقت ور ہیں؟"

"بہت زیادہ۔" اس کے گلے میں کچھ اٹکا۔

"اور کیا تمہارے علاوہ کوئی اور بھی جانتا ہے کہ وہی اصل قاتل ہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر اپنا منہ سی لو۔"

"جی؟" وہ دم بخود رہ گیا۔

"دیکھو بچے! تم ایک بااثر آدمی کو اس میں نہیں گھسیٹ سکتے۔ ایسا کرو گے تو وہ فارس کو جیل میں ختم کروادیں گے اور تمہیں جیل سے باہر۔ تم جس کو بھی ان کے نام بتاؤ گے' ان کی زندگی خطرے میں ڈالو گے۔ تم ان کو گناہ گار ثابت مت کرو' صرف فارس کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ ایک دفعہ وہ باہر آجائے' پھر جو کرنا ہو کرلینا۔"

وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ بات غلط نہیں تھی۔

"کیا ہم ان کو رہا کروالیں گے؟"

"اگر جج ایمان دار ہوا تو ہاں۔"

اور اتنے دنوں میں یہ پہلی امید کی کرن تھی جو اسے نظر آئی تھی۔ اندھیری رات کا پہلا تارہ۔ جو سورج نکلنے کی نوید ہوتا ہے۔ ہاں' کبھی تو صبح ہوگی۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔

جس کو دیکھو اس کے چہرے پر لکیریں سوچ کی
جیسے ہو جائے مقدر کسی شے کا مقدر سوچنا

سعدی کورٹ سے واپس اپنے آفس کی طرف جارہا تھا جب کسی اجنبی نمبر سے فون آنے لگا۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے کال لے لی۔

"سعدی؟"

"جی۔۔۔ کون؟"

"شہرین بول رہی ہوں۔" اس نے موبائل کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

"کہیے' کیسے فون کیا مسز کاردار؟"

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟ کسی ایسی جگہ' جہاں میرے اور تمہارے گھر والوں کو علم نہ ہو!"

"جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تیئس سال کا ہوں

اور آپ کم از کم بھی مجھ سے بارہ سال بڑی ہیں تو۔۔۔"
"اوہ شٹ اپ، مجھے تمہارے ساتھ ڈیٹ پہ نہیں جانا، تم سے ایک کام ہے، مگر ہاشم کو پتا نہ چلے۔"
"پھر ٹھیک ہے۔ پتا ٹیکسٹ کرتا ہوں، دوپہر میں آجایئے گا۔" اپنی حیرت چھپاتے ہوئے اس نے فون کان سے ہٹایا۔
عرصہ پہلے شہرین نے اس سے صلح کرلی تھی، اس کو تب سے معلوم تھا کہ ایک دن یہ لڑکا اس کے کام آئے گا اور وہ دن آن پہنچا تھا۔

☼ ☼ ☼

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے، اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے
کچھ دیر بعد وہ سارہ کے آفس میں موجود تھا۔ وہ کرسی پہ براجمان، ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔ پھر چہرہ اٹھایا اور تحمل سے اسے دیکھا۔
"یہ تمہاری اس ہفتے میں لی جانے والی دوسری لیو ہے۔ اگر میں یہ منظور کرلوں، تو آفس کے باقی لوگ کیا خیال کریں گے؟"
"مجھے فارس ماموں کے کیس کے لیے کچھ اہم کام کرنے ہیں۔"
"وہ اتوار کو نہیں ہوسکتے کیا؟" سعدی نے معصومیت سے سر نفی میں ہلایا۔ "اتوار کو پاکستان میں چھٹی ہوتی ہے۔"
سارہ نے سمجھنے والے انداز میں اسے گھورا، پھر کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔
"تم اتنے اہم ادارے میں بطور ایک سائنس دان کام کررہے ہو تو اپنی ڈگری کی وجہ سے، مگر یہاں سب جانتے ہیں کہ تم میرے بھانجے ہو۔ اگر اسی طرح میں تمہیں فیورز دینے لگی تو تم یہاں اپنی عزت کھودو گے۔ پہلے تاثر دائمی ہوتے ہیں سعدی!"
"مگر سچ نہیں ہوتے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔
"خیر، آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔ بس آج کے لیے۔"

"صرف آج کے لیے۔" تنبیہی نظروں سے اسے دیکھ کر سارہ نے درخواست پہ دستخط کیے۔ پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کیسی ہیں؟ بہت دن سے کام کے علاوہ آپ سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔" اس نے دیکھا' سارہ کے چہرے پہ ملال بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔ نیلی آنکھوں اور نرم چہرے والی سارہ اب بھی پہلے کی طرح لگتی تھی' مگر بس صرف لگتی ہی تھی۔ ایک تکان' اداسی' ناامیدی اس کی آنکھوں میں آکر ٹھہر سی گئی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ میں' امی' بچیاں' ہم سب ایک دوسرے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔" ذرا توقف کیا۔

"فارس کیسا ہے؟"

"بے گناہ آدمی قید میں رہ کر کیسا ہو سکتا ہے؟ بے بس اور غم و غصے سے نڈھال۔ مگر ہم انہیں جلد رہا کروالیں گے اور اصل قاتلوں کو سزا دلوائیں گے۔"

"اس سے کیا ہو گا سعدی؟ وارث واپس تو نہیں آئے گا۔"

اور وہ اس کے اسی فقرے کا انتظار کر رہا تھا' کہ ایڈووکیٹ خلجی سے ملاقات کے بعد اس کو اس سوال کا جواب مل گیا تھا۔

"ہم قاتل کو سزا مقتول کو واپس لانے کے لیے نہیں دیتے۔ بلکہ اس لیے دیتے ہیں تاکہ وہ کسی اور کو قتل نہ کرے۔ قصاص میں زندگی ہوتی ہے' مقتول کی نہیں' بلکہ کسی اور کی۔ آپ کی' آپ کے بچوں کی' فارس غازی کی' یا شاید میری اپنی۔"

اب کے سارہ نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ہوئی' ہاتھوں میں قلم گھماتے ہوئے کچھ سوچا۔

"تمہارا انداز پُراسرار ہوتا جا رہا ہے۔"

"اونہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اب میں جاؤں؟"

اور وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ آخری دفعہ ہے' سعدی یوسف خان!" اس نے درخواست کی طرف خفگی سے اشارہ کیا۔

"جی بالکل' اس ہفتے میں آخری دفعہ۔" کاغذ اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ سارہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی اور پھر سر جھٹک کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی اور جس وقت وہ وہاں سے نکل رہا تھا' اسی شہر میں کئی میل دور' ہاشم اپنے آفس میں موجود' فون پہ کہہ رہا تھا۔

"کیسی ہو بچہ؟ تمہارا پھر سے شکریہ۔"

اپنے لاؤنج میں صوفے کے ساتھ کھڑی' لینڈ لائن فون کا ریسیور کان سے لگائے حنہ اداسی سے مسکرائی۔

"اٹس اوکے ہاشم بھائی! ویسے شیرو بھائی نے وہ ویڈیو شوٹ کہاں کی تھی۔"

"اس کا ایک کاٹیج ہے ایوبیہ میں' وہیں پہ۔۔۔ خیر۔ فارس کا کیس کیسا جا رہا ہے؟ اس آڈیو سے کوئی فرق پڑا یا نہیں؟"

"بھائی کہہ تو رہا تھا کہ فرق پڑے گا۔"

"ہوں' ویسے وہ کہاں سے ملی آڈیو؟" بظاہر سرسری سا پوچھا۔

"زمر پھپھو نے نکلوا کر دی تھی' مگر۔۔۔ یہ بات آپ کسی کو بتایئے گا نہیں۔ یہ فیملی سیکرٹ ہے۔" اس نے مدھم سا کہا' وہی جو بھائی نے بتایا تھا۔ "زمر پھپھو کو بھی نہیں بتایئے گا کہ میں نے بتا دیا ہے۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے کیا؟" وہ الٹا حیران ہوا۔

اس یقین دہانی پہ وہ مسکرا دی۔ "ہاشم بھائی' آپ بہت اچھے ہیں۔"

"معلوم نہیں' خیر۔ تمہیں ایک کام کہا تھا؟"

حنین کی مسکراہٹ سمٹتی گئی۔ آنکھوں میں گہرا کرب چھانے لگا۔ "علیشا کو۔۔۔" اور جو سنا تھا بتاتی گئی۔ وہ دوسری جانب بالکل خاموشی سے سنتا گیا یہاں تک کہ حنین کو لگا' وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے۔

"ہاشم بھائی' کچھ تو بولیں؟"

وہ چپ رہا' بالکل چپ۔ حنہ کا دل ڈوبنے لگا جیسے نیلے پانیوں میں بحری جہاز ڈوب جاتا ہے۔

"کیا آپ اتنا بھی نہیں کہیں گے کہ آپ کو افسوس ہے؟ کیا آپ کو ذرا سا بھی افسوس نہیں؟" اس کی آواز

بھر آئی تھی ہاشم نے فون رکھ دیا۔

اس دن کے بعد سے وہ حنہ کے لیے ایفل ٹاور بن گیا۔ گو کہ اس نے چند منٹ انتظار کیا کہ وہ کال بیک کرے گا مگر نہیں، کوئی کال نہیں آئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اب اگلے ڈیڑھ سال وہ اس سے سوائے دور دور سے خاندانی تقریبات پہ ملنے کے، بالکل نہیں مل پائے گی۔ اور یہ بھی کہ دوبارہ وہ ہاشم سے فون پہ بات ڈیڑھ سال بعد تب کرے گی جب وہ امتحانی مرکز میں چیٹنگ کرتی پکڑی جائے گی۔

اگر ہم سب کاہن (نجومی) ہوتے تو زندگی کا سارا تھرل ہی ختم ہو جاتا!

☼ ☼ ☼
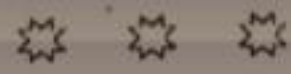
خود کو بڑھا چڑھا کے بتاتے ہیں یار لوگ
حالانکہ اس سے فرق تو پڑتا نہیں کوئی

چھوٹے باغیچے والے گھر سے قدرے فاصلے پہ مین روڈ پہ موجود شاپ اس وقت مرمت کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ اندر مستری مزدور لگے تھے۔ پینٹ کی مہک، لکڑی اور سیمنٹ کا جا بجا بکھرا ہوا، چیزوں کی اٹھا پٹخ۔ ندرت اس شاپ کو چھوٹا سا ریسٹورنٹ بنانے کی تیاریوں کی نگرانی کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی گاہے بگاہے کونے میں رکھی میز کی جانب بھی دیکھ لیتیں (جو آج ڈیڑھ سال بعد ریسٹورنٹ کے مرکزی سٹنگ ایریا میں شامل تھی) جہاں سعدی کے ساتھ ہاشم کی بیوی بیٹھی تھی اور وہ خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔ ندرت اس طرف نہیں گئی تھیں، سعدی نے بتایا تھا کہ فارس کے کیس کے سلسلے میں اسے شہرین سے کوئی کام تھا، تفصیل کو رہنے دیں اور ندرت نے پھر پوچھا نہیں۔

شہرین ہاتھ باہم پھنسائے، وقفے وقفے سے شانے جھٹک کر اور ابرو اچکا کر، مدھم بول رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا، آپ ہاشم بھائی سے اتنی عاجز ہیں۔"

"اتنی دیر سے بتا رہی ہوں، کس طرح وہ مجھ پہ ٹارچر کرتا ہے، شک کرتا ہے، مارتا ہے، اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ مجھے عاجز نہیں آنا چاہیے؟" وہ ناگواری سے چیخ کر بولی۔ سعدی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"تو اب کیا آپ ان سے انتقام لینا چاہتی ہیں؟"

"وہ بھی لوں گی، اپنے اوپر کیے گئے ایک ایک ظلم کا حساب لوں گی، لیکن ابھی میں کسی اور کام کے لیے آئی ہوں۔"

"میں ہاشم بھائی کا دوست ہوں، ان کے خلاف آپ میری مدد لیں گی، اتنا اعتبار کیسے ہے مجھ پہ؟"

"میرے تمام آپشنز میں تم سب سے زیادہ بھروسے کے قابل لگے مجھے۔ کسی پروفیشنل کو ہائر کیا تو وہ ہاشم کو بتا دے گا یا مجھے بلیک میل کرے گا۔"

"سو اس کا مطلب ہے، آپ سے کچھ غلط ہوا ہے؟" اس نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے شہرین کو دیکھا۔ اس کا رنگ بدلا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے جس میں مجھے ہاشم پھنسا سکتا ہے۔ اب تک تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ مجھے ذلیل کرنے کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے۔"

اور اندازہ تو سعدی کو ہو رہا تھا۔ اس نے پہلے اتنی لمبی رام کہانی صرف اس لیے سنائی، تاکہ جو وہ آگے بتانے جا رہی ہے اس میں وہ خود بے قصور لگے۔ خیر وہ سنتا گیا۔

"ہماری طلاق کے بعد بچی کی کسٹڈی مجھے چاہیے اور مجھے ہی ملے گی، لیکن اگر ہاشم کو میرے بارے میں کچھ بھی برا معلوم ہوا تو وہ سونی کو مجھ سے چھین لے گا۔ میرے کزن والی بات پرانی ہو گئی اور دب گئی۔ اب ایک اور مسئلہ ہے۔" کہتے کہتے وہ ذرا رکی، بالوں میں ہاتھ پھیرا، انگلیاں مروڑیں۔

"آپ سے کیا ہوا ہے؟"

"گالف کلب میں کچھ عورتیں کارڈز کھیلتی ہیں، آئی سوئیر میں ان میں شامل نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے، وہ صرف ایک کارڈز گیم تھی، مگر میں نے کافی کچھ لوز کر دیا اس میں۔"

"او کے۔ پھر؟"

"ان کے پاس کوئی رجسٹر کوئی کمپیوٹر کارڈ کچھ نہیں ہوتا' میں نے سارا پیسہ بعد میں پورا کر دیا' مگر اس شام کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کمپیوٹرز میں ہے۔ اور اگر کلب میں کبھی کسی نے وہ ہاشم کو دے دی ہو کہ وہ ایسا نہیں کرتے' مگر میں رسک نہیں لینا چاہتی۔ ہاشم کو نہیں معلوم میں نے کتنی بڑی رقم ہاری تھی۔ اس کو رقم سے فرق نہیں پڑتا' مگر ہاشم کاردار کی بیوی gambling کرتے (جوا کھیلتے) ہوئے دکھائی دے... یہ ایک اسکینڈل ہے' اس کی کتنی بدنامی ہوگی اور کوئی بھی اسکینڈل مجھے میری بچی کی شکل دیکھنے سے تاعمر محروم کر سکتا ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟"

"تم اور تمہاری بہن ان چیزوں میں اچھے ہو۔ کلب کے ریکارڈ سے اس دن کی فوٹیج غائب کر دو' میں تمہیں کچھ بھی دینے کو تیار ہوں۔"

"اپنی بہن کو میں ایسے کلب میں لے کر نہیں جانے والا' سو میری بہن کا نام آئندہ اس معاملے میں نہیں لیں گی آپ' مگر آپ کا کام کر دوں گا۔ ڈونٹ وری۔"

"کیسے کرو گے؟" وہ متعجب ہوئی۔

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ ویسے' ہاشم بھائی جیسے شاطر آدمی کو دھوکا کیسے دے لیتی ہیں آپ؟"

"ہر شخص کی ایک کمزوری ہوتی ہے' اس کی بھی ہے اسے لگتا ہے جن لوگوں سے وہ محبت کرتا ہے۔ وہ اسے کبھی دھوکا نہیں دے سکتے۔ جیسے اس کی فیملی' جیسے کبھی میں تھی اور جیسے اب تم ہو۔ وہ تم سے سچ میں بہت محبت کرتا ہے' کہتا نہیں ہے مگر اسے تم شیرو کی طرح ہی پیارے ہو۔"

سعدی نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔ شہرین گہری سانس بھر کر پیچھے کو ہو بیٹھی' چہرے پہ آئے بال پرے ہٹائے۔

"اور تم جواب میں کیا لو گے؟"

"آپ کو ہاشم بھائی سے ان کے تمام ظلم وستم کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو بس اس وقت کا انتظار کریں' جب ہم مل کر یہ کام کر سکیں۔"

شہرین نے الجھن سے اسے دیکھا۔ "تم تو ہاشم کے دوست ہو۔ ایسا کیا ہوا تم دونوں کے درمیان؟"

وہ مسکراتے ہوئے کرسی دھکیلتا اٹھا۔

"آپ کے برعکس' میرے آپشنز میں سب سے کم قابل اعتبار آپ ہیں۔"

شہرین نے شانے اچکائے۔ وہ سعدی کی ہر بات سننے پہ مجبور تھی۔

☼ ☼ ☼
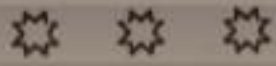
گئے تھے زعم میں اپنے پر اس کو دیکھتے ہی
جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام' بھول گئے

یہ سرما کی ایسی سرد دوپہر تھی جب ذرا سی دھوپ روح تک کو نور بخشتی۔ ایسے میں عدالت کی عمارت کے گرد کہرے کے دائرے میں دھوپ چھید کر کے چوری چھپے داخل ہو گئی تھی' مگر کمرہ عدالت کے اندر شکوک شبہات نے ہنوز سب دھندلا رکھا تھا۔

جسٹس سکندر بغور وکیل دفاع خلجی صاحب کو بولتے سن رہے تھے جو کٹہرے میں کھڑی زمر سے سوال کر رہے تھے۔ سامنے حاضرین کی چند کرسیاں رکھی تھیں۔ بمشکل ڈیڑھ قطار بھر کرسیاں جو اس ٹی وی اور فلم سے یکسر مختلف اور بدصورت کورٹ روم کو مزید بدنما دکھا رہی تھیں۔ کمرے سے باہر کچہری میں پھرتے بھانت بھانت کے لوگوں کا شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا' مگر وہ سب زمر کو سن رہے تھے۔ سعدی خاموشی سے اور فارس ناگواری سے۔ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ فارس کی تیوری چڑھی تھی۔ آنکھوں میں زمر کو دیکھتے دبا دبا غصہ تھا۔ سفید کرتے کے کف کلائی پہ موڑ رکھے تھے اور بال پونی میں بندھے تھے۔

البتہ سعدی بالکل چپ چاپ تھا۔ ریشم بننے کے بعد کا نرم مگر بے لچک سا۔

زمر بھی اتنی ہی بے لچک لگ رہی تھی۔ سفید لمبی قمیص' اوپر بلیک منی کوٹ۔ دوپٹا شانوں پہ اور اعتماد سے

اٹھی گردن۔ وہ زمر ہی لگ رہی تھی۔ اور صرف خلجی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ دیکھ چکی ہیں کہ کس طرح ابھی ایک ایکسپرٹ witness (ماہر گواہ) نے یہ ثابت کر کے دکھایا ہے کہ اس ریکارڈنگ میں موجود فارس غازی کی آواز اصلی نہیں ہے۔"

"الفاظ وہی ہیں جو میں نے سنے تھے۔ ریکارڈنگ کے بارے میں عدالت درست فیصلہ کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے ریکارڈنگ سے اصل آواز نکال کر جعلی ڈالی گئی ہو تاکہ عدالت میں اپنی مرضی کی بات ثابت کی جاسکے۔ آفٹر آل' اس ریکارڈنگ کا سورس غیر تصدیق شدہ ہے۔" ذرا سے شانے اچکائے۔

"یہ فیصلہ عدالت پہ چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے۔" خلجی صاحب نے اس کو بے اختیار ٹوکا۔ پھر کٹہرے کے مزید قریب آئے۔ "کیا آپ اب بھی اپنے بیان پہ قائم ہیں؟"

"جو جس طرح ہوا' جو میں نے سنا' میں نے کورٹ اور پولیس کو بتا دیا۔ فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے۔" وہ بے تاثر اور مطمئن کھڑی تھی۔

"اور جب آپ نے سن لیا تھا کہ ایک شخص آپ کو قتل کرنے جا رہا ہے تو آپ بھاگی کیوں نہیں؟"

"وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' میرا رشتہ دار تھا' مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ مجھے مارے گا۔ میں اسے خالی دھمکی سمجھی تھی۔"

"مگر بعد میں آپ کو یقین آگیا؟"

"مجھے تین گولیاں لگی تھیں' میرے سامنے ایک لڑکی قتل ہوئی' کیا یقین نہیں آنا چاہیے تھا؟" وہ پرسکون ٹھنڈے انداز میں جواب دے رہی تھی۔

"یعنی آپ مانتی ہیں کہ آپ نے اس وقت گولی مارنے والے کی بات کو غلط جج کیا اور نہ بھاگ کر غلطی کی؟"

"بھاگ کر کہاں جاتی؟ سارا ریسٹورنٹ تو اوپن تھا۔ اور اس کے پاس اسنائپر (sniper) گن تھی۔" ایک کاٹ دار نظر سامنے بیٹھے فارس پہ ڈالی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا' چبھتی ہوئی نظروں سے اور واپس خلجی صاحب کو دیکھا۔ "اس نے ایسی جگہ منتخب کی جہاں بھاگنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔"

خلجی صاحب نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات پہ نظر ڈالی' پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "زمر صاحبہ! آپ کب سے پراسیکیوٹر ہیں؟"

"میرا خیال ہے' آپ کے کاغذ اور دماغ دونوں میں تاریخ درج ہو گی' بہرحال' ساڑھے تین سال سے۔"

"میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو مختصر رکھیے۔"

"پھر آپ کو چاہیے کہ آپ مجھ سے ڈبلیو کوئسچز نہ پوچھیں۔" (یعنی کیا' کیوں' کب' کہاں والے سوالات۔) خلجی صاحب نے اثر لیے بنا کاغذات کو پھر سے دیکھا۔ دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا فارس آنکھیں سکوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ اپنے جونیئرز میں ایک سخت گیر پراسیکیوٹر کے طور پہ مشہور ہیں؟"

"بالکل۔ اور کیسا ہونا چاہیے پراسیکیوٹر کو؟" اس نے گردن اکڑائی۔ وہ فارس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

"زمر صاحبہ' آپ جانتی ہیں کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے' قانون کے تحت ہم فارس غازی کو Presumed Innocent (ملزم) کہیں گے' مجرم نہیں۔ گو کہ آپ اسے مجرم ہی خیال کرتی ہیں۔"

"بالکل۔" سر اثبات میں ہلایا۔ فارس نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

"اور زمر! جب آپ کسی کو پراسیکیوٹ کرتی ہیں تو اس کو مجرم گردان کر ہی ایسا کرتی ہیں' درست؟"

"ثبوت اور شواہد اس کے خلاف ہوں تو' ہاں!" وہ ٹھنڈی اور پرسکون تھی۔

"میں آپ سے پھر درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو ہاں یا ناں تک محدود رکھیں۔"

"یہ سوال پہ منحصر ہے۔"

خلجی صاحب نے ضبط سے گہری سانس لی۔ پھر اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ کمرہ عدالت میں سناٹا چھایا

تھا۔

"پچھلے ساڑھے تین سال میں آپ کے پراسیکیوٹ کیے گئے کیسز میں سے قتل کے سولہ مقدمات ایسے ہیں، جن کے فیصلے آچکے ہیں۔"

"جی!"

"اور ان میں سے سات فیصلے دفاع کے حق میں ہیں۔ یعنی کہ سولہ دفعہ آپ نے کہا کہ یہ شخص قاتل ہے، نو دفعہ عدالت نے کہا کہ ہاں یہ قاتل ہے، مگر سات دفعہ عدالت نے کہا کہ یہ قاتل نہیں ہے۔"

"سات دفعہ شواہد اور گواہیاں اتنی مضبوط تھیں کہ فیصلہ۔" وہ تصحیح کرنے لگی "مگر۔"

"ہاں یا نہیں، زمر صاحبہ!" قدرے بلند آواز سے یاددہانی کروائی۔ زمر نے گہری سانس بھری۔

"جی ہاں۔"

"یعنی کہ سات دفعہ آپ غلط ثابت ہوئیں۔ سولہ میں سات۔" انگلیوں پہ گنا۔ "تقریباً" پچاس فیصد تناسب نکلتا ہے۔ یعنی۔ آپ نے سات لوگوں کو پھانسی کی طرف لے جانا چاہا، مگر عدالت نے انہیں بے گناہ قرار دے دیا۔ اس تناسب سے آپ جتنے لوگوں کو قصوروار ٹھہراتی ہیں، ان میں سے آدھے تو بے گناہ نکلتے ہیں۔" زمر کے ابرو تن گئے اور فارس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

"ہم سب جانتے ہیں کہ آپ الفاظ کے ہیر پھیر سے کام لے رہے ہیں، ورنہ ایسے نہیں ہوتا۔" وہ چیخ کر بولی۔ سعدی اپنے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ناگواری سے خلجی صاحب کو دیکھا۔

"زمر صاحبہ! کیا یہ درست نہیں کہ آپ پراسیکیوشن آفس میں بیٹھ کر دفاع کی جانب سے کان بالکل بند کرلیتی ہیں، اور ایک دفعہ کسی کو مجرم گردان لیتی ہیں تو یہ ثابت کرنے کے لیے آخری حد تک جاتی ہیں؟"

"میں بغیر وجہ یا ثبوت کے کسی کو مجرم نہیں گردانتی۔" چبا چبا کر، سلگتی آنکھوں سے وہ انہیں دیکھ کر بولی۔ سامنے کھڑے خلجی صاحب نے اثبات میں سرہلایا۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ دیکھے۔

"کیا یہ درست ہے کہ وارث غازی قتل سے چند روز قبل آپ نے ایک موک ٹرائل میں حصہ لیا تھا۔ سرکار بنام ہیری پوٹر!" اور زمر نے بری طرح چونک کر سامنے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اس نے گردن مزید جھکالی۔ زمر کی آنکھوں میں بے یقینی، صدمہ، دھچکا، ہر شے ابھری تھی۔

"جی ہاں!" وہ دوبارہ خلجی صاحب کی جانب مڑی تو جیسے ڈھیروں غصے کو ضبط کررہی تھی۔

"اس میں آپ نے ہیری پوٹر کو سیڈرک ڈگوری کا قاتل ثابت کروایا۔ کیا یہ درست ہے؟"

"وہ ایک موک ٹرائل تھا!" گلابی پڑتی آنکھوں سے وہ غرائی تھی۔ مگر وہ اثر لیے بنا کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔

"جبکہ ہیری پوٹر کے چوتھے حصے میں درج اس واقعے کی تفصیل کے مطابق ہیری قاتل نہیں تھا۔"

"وہ ایک موک ٹرائل تھا!" سختی سے کٹہرے کا جنگلہ پکڑے، وہ ضبط کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

"زمر! میرا آخری سوال۔" کاغذ سے چہرہ اٹھا کر انہوں نے سادگی سے پوچھا۔ "کیا ہیری کو پراسیکیوٹ کرنے سے قبل آپ نے وہ چوتھا حصہ پڑھا تھا؟"

"وہ ایک موک ٹرائل تھا، خلجی صاحب!" اس کی آواز کانپی۔

"اس چوتھے حصے کے مطابق، ہیری بے گناہ تھا یا گناہگار؟"

اور فارس بے چینی سے سعدی کی طرف جھکا۔

"وکیل کو منع کرو۔ اس کے ساتھ یوں نہ کرے۔ وہ ایک عورت ہے۔"

سعدی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اتنی ہمدردی تھی تو گولی کیوں ماری؟"

فارس نے جواباً غصے سے اسے گھورا۔

"کیا نہیں ماری تھی؟ تو اگر کوئی یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے تو کرنے دیں۔" اور پھر سے قدموں

میں دیکھنے لگا۔

"وہ تمہاری پھپھو ہیں۔" اس نے گویا ملامت کی۔

"اور مجھ سے زیادہ مضبوط ہیں' سہہ لیں گی۔"

اور خلجی صاحب کہہ رہے تھے۔

"میں آپ سے ایک سادہ سی بات پوچھ رہا ہوں۔ ہیری پوٹر کی چوتھی کتاب کے تحت' ہیری پوٹر' جس کو آپ نے سزا دلوائی بھی گناہ گار تھا یا بے گناہ؟" لب بھینچے' زمر نے سرخ ہوتی آنکھیں خلجی صاحب پہ جمائیں' چند لمحے منتظر سی خاموشی چھائی رہی۔

"بے گناہ!" ایک لفظ بولا' جج نے قلم سے کاغذ پہ کچھ نوٹ کیا' خلجی صاحب "دیٹس آل" کہتے پیچھے کو ہٹے' مگر وہ ان سے پہلے پرس کندھے پہ ڈالتی نیچے اتر آئی۔ سعدی کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا' زمر نے ملامتی' کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی اور آگے چلتی چلی گئی' یہاں تک کہ وہ کمرہ عدالت سے باہر تھی۔ کوئی اسے روک کے دکھائے تو اس کی ماں اسے روئے۔

راہداری میں چلتے ہوئے اس کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہو رہا تھا۔ بار بار وہ کنپٹی مسلتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ واپس اپنے آفس آئی اور اندر جو بھی بیٹھا تھا اس کو "باہر جاؤ' فوراً" کہہ کر بھیجا اور کرسی پہ گر سی گئی۔ آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ سر درد الگ۔ پتا نہیں کتنی دیر وہ ادھر بیٹھی رہی' پھر پرس اور چابیاں اٹھا کر باہر نکلی۔ راہداری میں ابھی آگے آئی ہی تھی کہ سامنے سے دو اہلکار' ہتھکڑی لگے فارس کو لے کر آ رہے تھے' اس کے ہاتھوں سے بندھی زنجیریں سپاہیوں کے ہاتھوں سے جڑی تھیں۔ سماعت ختم ہو چکی تھی۔

اسے قریب آتا دیکھ کر وہ رکا' گردن ترچھی کر کے سپاہی کو دیکھا۔

"نذر اسلام! تمہاری بیوی کا نام رخسانہ ہے' چار بچے ہیں تمہارے' سیٹلائٹ ٹاؤن کے پاس گھر ہے تمہارا' اگر تم نے مجھے پراسیکیوٹر سے بات کرنے سے روکا' تو یاد رکھنا' جس دن چھوٹوں گا' سب سے پہلے تمہارے گھر جاؤں گا۔" ایک کاٹ دار نظر اہلکار پہ ڈالی جو بے بسی سے خشک لبوں پہ زبان پھیر کر رہ گیا۔ وہ چلتی ہوئی قریب آ رہی تھی' اسے دیکھا تو رخ پھیر کر نکلنے لگی' مگر۔

"آپ نے کہا' آپ میرے ساتھ کھڑی ہوں گی' میری وکیل بنیں گی۔" زمر رکی' چونک کر اسے دیکھا۔ وہ وسط راہداری میں' ہتھکڑیوں میں کھڑا' بہت ضبط سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"اس ریکارڈنگ میں آپ نے کہا' آپ میرا ساتھ دیں گی' حالانکہ آپ کو بتایا جا رہا تھا کہ میں نے وارث کو مارا ہے۔" وہ چند قدم مزید قریب آیا۔ دونوں اہلکار ساتھ کھنچے آئے۔ راہداری میں سے گزرتے لوگ رک کر دیکھنے لگے۔ زمر لب بھینچے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور سانس تیز ہو رہی تھی۔ وہ دو قدم مزید آگے آیا۔ ان ہی غصے بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے بولا۔ "بھائی کو مارا تو خیر تھی' بات سننے کو تیار تھیں آپ' مگر آپ کو مارا تو اصول بدل گئے' ہاں؟"

وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ پہلو میں گرے ہاتھ سے پرس کو زور سے بھینچا۔ ضبط سا ضبط تھا۔

"آپ نے کہا' ادھر کٹہرے میں۔" ہتھکڑی والے ہاتھ سے کمرہ عدالت کی سمت اشارہ کیا۔ "میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا' سچ کہا' مگر آپ کوئی نہیں تھیں' آپ زمر تھیں!" انگلی اٹھا کر' پیچھے ہٹتے' اس نے غصے اور درد سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آپ سے' کم از کم آپ سے مجھے امید تھی کہ آپ مجھے سنیں گی' مگر آپ نے سب سے پہلے میری امید توڑی۔" اور وہ پیچھے ہٹتا گیا۔ "میں بے گناہ تھا میڈم زمر' میں بے گناہ تھا!"

غصے کی جگہ ان آنکھوں میں دکھ ابھر آیا اور پھر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اسے لیے مڑ گئے' مگر اس کی آنکھیں۔ وہ ہر جگہ نقش تھیں۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا' پر رک کر اسے دیکھتے شخص کے اوپر وہی آنکھیں چسپاں تھیں۔ وہ تیز تیز چلتی دوسری

سمت بڑھنے لگی۔ اس کا سانس اب بھی بے ترتیب تھا اور آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔

گھر آ کر اس نے ابا، صداقت، کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ کمرے میں بند ہو گئی۔ ڈاکٹر کی اپائنٹمنٹ پہ بھی نہیں گئی۔ بس بستر پہ چت لیٹی چھت کو دیکھتی رہی۔ پھر شام ڈھلے اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی، اور کچھ فائلز کو پڑھتی رہی۔ رات دیر تک اس کے کمرے کا یہی منظر رہا۔ کب سر فائل پہ رکھے وہ سو گئی، اسے پتا بھی نہیں چلا۔

☆ ☆ ☆
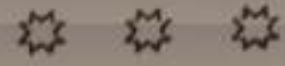
کیا گزرتی ہے بھری دنیا میں تنہا شخص پر
ایک لمحے کے لیے خود سے بچھڑ کر سوچنا

رات کا دو سرا پہر تھا شاید، جب اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ لیمپ جانے کب بجھ گیا۔ شاید بجلی چلی گئی تھی۔ وہ ہال پیٹتی اٹھی۔ بتی جلائی۔ یو پی ایس نے کمرہ روشن کر دیا۔ وہ قدم قدم چلتی شیلف تک آ رکی۔ وہاں سیاہ جلد والی موٹی موٹی قانون کی کتابیں رکھی تھیں۔ زمر نے ہاتھ اٹھا کر ان کو چھوا۔ آنکھوں میں کرب ابھرا۔ پھر وہ مزید دائیں جانب آئی۔ یہاں الماری تھی۔ اس نے پٹ کھولا۔ جوتوں والے خانے میں ایک ڈبہ رکھا تھا جس میں چند ایک تراشے اور کاغذ پڑے تھے۔

یہ ڈھائی سال قبل اس نے جمع کیے تھے۔ پھر چھوڑ دیے۔ یہ تکلیف دیتے تھے اور وہ تکلیف سے بچنا چاہتی تھی، پھر بھی بچ نہیں پاتی تھی۔ مگر جو تکلیف، ہتک، ذلت، آج اٹھانی پڑی تھی۔ بھری عدالت میں۔ اس نے ڈبے کو چھوئے بنا الماری بند کر دی اور باہر نکل آئی۔

گھر ویران، اندھیرا پڑا تھا۔ اور سرد بھی۔ وہ باہر لان میں آ گئی۔ برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھی۔ ایک گال گھٹنوں پہ رکھے، دور گھاس اور پودوں کو تکتی، خاموش بیٹھی رہی۔ لمحے چپ چاپ کٹتے رہے، پھسلتے رہے، یہاں تک کہ فجر اترنے لگی، تب زمر اٹھی اور لان کے کنارے تک آئی۔ یہاں پودوں کو پانی دینے کے لیے ٹونٹی لگی تھی۔ اس نے وہی کھولی، ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا اور وہیں گھاس پہ کھڑے نماز کی نیت باندھ لی۔

آخری سجدے کے بعد، التحیات پڑھ کر سلام پھیرا تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، مگر پھر گرا دیے۔ چپ چاپ سجدے کی جگہ کی گھاس کو دیکھتی رہی۔ اس پہ انگلی پھیرتی رہی۔ سخت سردی میں بغیر سوئیٹر کے وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی۔

وہ رات اس حوالاتی کوٹھری میں بھی آنکھوں میں کاٹی گئی تھی۔ وہ ذرا سا کونہ جہاں برآمدے کی بتی کی مدھم روشنی گرتی تھی، آج فارس ادھر نہیں لیٹا تھا۔ وہ دوسری دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اکڑوں، سر دیوار سے ٹکائے، آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے دور سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ باہر فجر ابھی تک تازہ تھی۔ پہرے دار ٹہل رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ چند ایک کوٹھریوں میں سے آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ احمر جمائی لیتا، آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا، پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"غازی بھائی۔ ادھر کیوں بیٹھے ہو؟ سوئے نہیں کیا؟"

"اونہوں!" وہ باہر دیکھتا رہا۔ یقیناً" وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ احمر لبوں پہ ہاتھ رکھ کر جمائی روکتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ فارس اس سے چند قدم ہی دور تھا۔

"کیا بات ہے؟ نماز نہیں پڑھی؟"

"پڑھ لی۔"

"اس نماز کا کیا فائدہ جس کے آخر میں کوئی دعا ہی نہ مانگی جائے؟ چار سجدے کیے، اور اٹھ گیا۔" پھر وہ خود ہی ہنسا، مگر جب فارس نے ہنسی کا جواب نہیں دیا تو وہ چپ ہو گیا۔

"برے حالوں میں لگ رہے ہو آپ۔" وہ آنکھیں جھپکا جھپکا کر غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر قریب کھسک آیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ آپ پریزن رائٹس کے بارے میں؟"

خلاف معمول فارس بیزار نہیں ہوا، ہلکی سی نفی

میں گردن ہلائی۔

"پھر کیا چڑیل کے بارے میں؟ کل کورٹ میں پیش ہوئی تھی نا؟"

"ہاں!" فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں کل سے کہ کیا ہوا۔ کیا اس نے وہی کہا جو پہلے کہہ چکی تھی یا' کچھ نیا تھا اس میں؟"

"سب پرانا تھا۔"

"تو اتنے اپ سیٹ کیوں ہو؟"

"عدالت نے نو مہینے بعد کی تاریخ دی ہے۔" تکلیف سے کہتے اس نے گردن پھیر کر احمر کو دیکھا جس کے لب اوہ میں سکڑے۔

"نو مہینے اسٹیپنی! نو مہینے میں ایک پیشی کا انتظار نہیں کر سکتا۔"

"مگر۔ آج تو سب کچھ آپ کے حق میں گیا تھا نا۔"

"مجھے بھی یہی لگا' سعدی کو بھی' مگر جب جج نے اگلی تاریخ دی تو میرے وکیل نے بھانپ لیا کہ جج بک چکا ہے۔" تکان سے کہتے اس نے آنکھوں کے درمیان کی ہڈی مسلی۔ "اتنے مہینے کے انتظار' جس کی اتنی راتیں' مگر انصاف کی کوئی امید نہیں۔"

احمر نے گردن پھیر کر روشنی والا کونہ دیکھا جو آج خالی پڑا تھا۔

"مجھے بھی لمبی تاریخ مل گئی ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد منہ بسورے بولا تو فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مگر تمہارا وکیل تو ہاشم ہے۔"

"ہاشم اپنے والد کے مجبور کرنے پہ میرے لیے کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے اندر سے مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں' شروع شروع میں اس نے یوں ظاہر کیا کہ بس میں رہا ہوا کہ ہوا' مگر۔ اب تک اورنگ زیب کاردار مجھے بھولنے لگے ہیں۔" پہلی دفعہ وہ بے فکر اور لاپروا نہیں لگا تھا' اسے جیسے اب واقعی فکر ہونے لگی تھی مگر وہ اسے چھپانے کی سعی کر رہا تھا۔

فارس نے کرب سے سر جھٹکا۔

"پھر اب آپ کیا کریں گے؟"

"تم کیا کرو گے؟ بلکہ۔" وہ ایک دم احمر کو دیکھنے لگا۔

"بلکہ ہم کیا کریں گے؟" تو وہ جو ہنوز اداس بیٹھا تھا' چونکا' پھر پیچھے کو ہٹا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے؟" مشکوک انداز میں اسے گھورا۔

فارس کچھ کہے بنا اس کو دیکھتا رہا۔

"نہیں' بالکل نہیں۔" احمر نے جلدی سے ہاتھ اٹھا دیے۔ "میں وہ نہیں کرنے والا جو آپ سوچ رہے ہیں۔"

"میرے پاس ایک پلان ہے اسٹیپنی' اگر تم سننا چاہو تو!"

"بالکل بھی نہیں' ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے' عدالت پہ یقین رکھیں' بس!" بگڑ کر کہتا وہ پرے لیٹ گیا۔ فارس اسے دیکھ رہا تھا' اس نے گھبرا کے کروٹ بھی بدل لی۔

باہر فجر میں ایک ویران صبح کی روشنی گھلتی گئی۔

☼ ☼ ☼
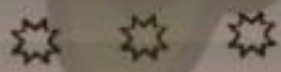
واجب القتل اس نے ٹھہرایا۔
آیتوں سے' روایتوں سے مجھے

جسٹس مکرم کے چیمبرز میں خاموشی چھائی تھی۔ ہیٹر نے ماحول کو گرم اور خشک کر رکھا تھا۔ زمر سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی اور وہ اپنی کرسی پہ براجمان' عینک کے پیچھے سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے پراسیکیوشن آفس سے استعفیٰ دے دینا چاہیے!" بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں تکان تھی۔ گھنگھریالی لٹیں دونوں طرف سے گالوں کو چھو رہی تھیں۔

انہوں نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ "تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے زمر؟"

"یہی کہ میں ایک اچھی پراسیکیوٹر نہیں ہوں۔ میرے خیالات فکسڈ ہو چکے ہیں' اور میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔" وہ یاسیت بھری آنکھیں ان پہ جمائے' بدقت ایک ایک لفظ ادا کر پائی۔

جسٹس مکرم نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"سب سے بڑے مریض ڈاکٹر ہوتے ہیں، اور سب سے بڑے گواہ خود وکیل بنتے ہیں۔ تم نے یہ ثابت کردیا۔" پھر قدرے آگے کو جھکے۔ "مجھے، بلکہ پوری کچہری کو معلوم ہے کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ دفاعی وکیل گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لیے ہر قسم کا ہتھکنڈا استعمال کرتے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس وکیل کی بات دل پہ لے لوگی۔"

"وہ میرے راستے میں آیا اور اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کر کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔"

وہ چونکے۔ "کون؟"

"فارس۔" وہ کہہ کر چپ ہو گئی۔ چند ثانیہ کو چیمبر میں سناٹا چھا گیا۔

"کیا اس نے یہ پہلی دفعہ تم سے کہا؟"

"میں ڈھائی برس تک اس سے ملنے سے انکار کرتی رہی، اس لیے نہیں کہ مجھے تکلیف ہوتی ہے، اس لیے بھی نہیں کہ کوئی مجھے ثبوت کیوں نہیں لا کر دیتا۔ یہ وہ بہانے تھے جو میں بناتی تھی، صرف اس لیے کہ مجھے معلوم تھا، اگر وہ میرے سامنے آیا اور کہا کہ وہ شرمندہ ہے تو میں اسے معاف کردوں گی۔ مگر کل وہ سامنے آیا تو کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اور میں نے سن بھی لیا۔"

"اور کیا مان بھی لیا؟"

اس بات پہ زمر نے ٹھنڈی سانس بھری اور گردن جھکا کر اپنے ناخن کھرچنے لگی۔

"میں کنفیوز ہو گئی ہوں۔"

"جیسا کہ دفاعی وکیلوں کی خواہش ہوتی ہے، اگر کونینس نہ کر سکو تو کنفیوز کردو۔" وہ قدرے ناراض نظر آنے لگے۔ زمر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"شاید وہ ٹھیک ہیں۔ میں اپنے غم، بیماری اور ٹراما میں خود غرض ہو گئی ہوں۔ میں نے دوسری طرف کی کہانی سننا چھوڑ دی ہے۔ مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔ وہ قاتل تھا یا نہیں، مجھے اس سے ملنا چاہیے تھا۔"

"تمہاری جگہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو یہی کرتا۔"

"مگر میں کوئی دوسری عورت نہیں تھی۔ میں زمر تھی۔ مجھے اپنے جذبات ایک طرف رکھنے چاہیے تھے۔"

انہوں نے جواباً "اکتا کر" ناک سے مکھی اڑائی۔

"یہ کتابی باتیں ہیں، کوئی بھی انسان اتنا غیر جانب دار نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے دوست وکلاء ہم ججوں کے سامنے پیش ہونے سے یہ کہہ کر معذرت نہ کر لیتے کہ یہاں Conflict of interest آگیا ہے۔ وکیلوں کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔"

"اور بطور ایک جج آپ کو کیا لگتا ہے؟ سرکار بنام فارس غازی میں مجرم کون ہے؟" وہ بالکل خالی نظروں سے ان کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

"جتنا میں نے اس کیس کے بارے میں سن رکھا ہے، میرا خیال ہے فارس غازی مجرم ہے۔" عینک کے بازو کا کنارہ دانتوں میں دبائے وہ کندھے اچکا کر بولے۔

"کیونکہ ثبوت اس کے خلاف ہیں؟ مگر قانون تو یہ کہتا ہے کہ عدالت کا فیصلہ آنے تک ملزم کو "مجرم" نہ کہا جائے بلکہ اسے Innocnet Presumed سمجھا جائے۔" وہ بہت تکلیف میں بول رہی تھی۔

"یہ درست ہے۔"

"اور قانون یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ایک طرف ملزم کے خلاف شواہد کا پہاڑ ہو، مگر دوسری جانب اتنا ذرا سا۔" انگوٹھا اور انگشت شہادت قریب کر کے بتایا۔

"اتنا ذرا سا بھی شک ہو، Doubt Reasonable ہو، تو ہمیں ملزم کو بری کردینا چاہیے، کیونکہ سو گناہ گاروں کو بری کردینا ایک معصوم کو سزا دینے سے بہتر ہے۔" اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحے اسی سناٹے میں پھسل گئے۔

"میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، اور وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا، سر۔"

عینک کا ہینڈل چباتے ہوئے انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"ہوں تو تمہیں کیا ڈر ہے؟"

"اگر میری وجہ سے ایک بے گناہ آدمی کو سزا ہوئی تو

میں زندگی میں کبھی دوبارہ لاء میں پریکٹس نہیں کر سکوں گی۔"

جسٹس مکرم آگے کو ہوئے' سوچتے ہوئے عینک کے کنارے سے میز پہ نادیدہ لکیریں کھینچیں۔

"تو پھر؟ کیا وہ بے گناہ ہے؟"

"میرے پاس بہت کچھ ہے جو اس کو مجرم ثابت کرتا ہے میری نظروں میں' مگر اس کے پاس Reasonable Duobt ہے اور اگر میں ان دونوں کو ان پلڑوں میں رکھوں۔" میز پہ رکھے ڈیکوریشن ترازو کی سمت اشارہ کیا۔ "تو رتی بھر شک کا پلڑا ہمیشہ جھک جائے گا۔"

"شک کیا ہے؟"

"وہ آواز جو میں نے سنی' وہ جعلی تھی۔ یہ میرے لیے ماننا بہت مشکل ہے' آپ کے لیے بھی ہوگا' لیکن۔" وہ بے چینی سے آگے کو ہوئی۔ "اب دو باتیں ہیں۔ اول' قاتل فارس ہی تھا اور یہ آڈیو ردوبدل کے بعد پیش کی گئی ہے' اسی لیے وہ لوگ اس کا سورس نہیں بتا رہے۔ دوم' (ایک گہری سانس لی) آڈیو اصلی ہے' وہ فارس نہیں تھا' وہ ایک جعلی آواز تھی۔"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"دل سے آخری فتویٰ لیا جاتا ہے' پہلا نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہی مجرم ہے' اسی نے کیا ہے یہ سب۔ لیکن۔" اور یہیں آکر اس کا پورا وجود کرب میں مبتلا ہو جاتا۔

"تمہارے دل میں شک آگیا ہے۔"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور تم نے اس کا حل یہ سوچا کہ تم فرار ہو جاؤ؟ استعفیٰ دے کر؟"

"میں فرار نہیں ہو رہی۔ میں شاید اس کرسی کی مستحق نہیں ہوں۔ شاید پراسیکیوشن کی کرسی پہ بیٹھ کر میں دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔"

"جب عدالت میں اس وکیل نے یہ کہا کہ تمہارے اتنے کیسز کے فیصلے تمہارے خلاف آئے ہیں' تو تم نے اسے سچ کیوں نہیں بتایا؟"

"اور سچ کیا تھا؟" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"یہ کہ ان کیسز میں ملزم بری اس لیے ہوئے تھے' کہ کبھی گواہ ڈر گئے یا بک گئے' کبھی جج ہمت نہ کر سکے' کبھی ثبوت نہیں تھے' کبھی شک کا فائدہ دیا گیا۔ میں روز کتنے ہی ایسے کیسز میں لوگوں کو بری کرتا ہوں' جہاں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملزم ہی مجرم ہے مگر میرے سامنے اتنے ثبوت ہی پیش نہیں کیے جاتے جو ان کو جیل میں روک سکے۔ پراسیکیوٹر کا کام حقائق اور شواہد سامنے لانا ہوتا ہے' اور تم ایک بہترین پراسیکیوٹر ہو زمر!" پھر گہری سانس لے کر پیچھے ہوئے۔

"رہا فارس غازی کا کیس' تو اس کے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ تم نہ گواہی دیتیں' تب بھی وہ جیل میں ہوتا۔ پھر بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ اس کے بے گناہ ہونے کا ذرا سا بھی چانس ہے' تو تم اپنی گواہی واپس لے لو' اور جا کر ایک دفعہ اس کی بات سن لو۔ اگر وہ کہے کہ وہ بے گناہ ہے تو یقین مت کرنا' کیونکہ سب ملزم یہی کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات کہے تو دھیان سے سن لینا۔"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو سر! میں بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ میں اپنی گواہی واپس لے لوں گی گو کہ مجھے ابھی تک خود پہ یقین ہے' مگر اس کیس سے الگ ہونے کے لیے میں یہ ضرور کروں گی۔" کہتے ہوئے وہ پہلی دفعہ قدرے سکون سے مسکرائی۔ وہ واقعی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
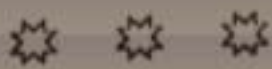
اب کہ ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

جیل کے برآمدے میں معمول کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ صحن میں قیدی ادھر ادھر چلتے پھرتے' کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک کونے میں' سرما کی دھوپ سے بے نیاز' وہ دونوں بھی موجود تھے۔ فارس ٹانگ موڑ کر' دیوار سے ایک پاؤں لگائے کھڑا تھا' اور احمر اس کے سامنے کھڑا سینے پہ بازو لپیٹے' دھوپ کے

باعث آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھ رہا تھا۔
"پریشان ہو ہاشم؟"
"نہیں یار!" احمر نے بے چینی سے سر جھٹکا اور پتلیاں سکیڑ کر دور سفید کپڑوں والے قیدیوں کو دیکھنے لگا۔
"اے!" فارس نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ "مسئلہ ہے کوئی؟"
"ہاشم اس سماعت پہ نہیں آیا۔ ٹالے جا رہا ہے۔ اگلے ہفتے بھی معلوم نہیں آئے یا نہیں۔" اور ان ڈھیر سارے دنوں میں پہلی دفعہ وہ مایوس نظر آنے لگا تھا۔
"ہاشم کے وعدوں پہ رہو گے تو یہی ہو گا۔" پھر ادھر ادھر سرسری سا دیکھا اور احمر کے قدرے قریب ہوا۔ "مجھے یا تمہیں کوئی عدالت یہاں سے نہیں نکالے گی۔ اب بھی وقت ہے، میرے پلان کے بارے میں سوچو۔"
احمر نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ فارس نے ہاتھوں میں پکڑا کاغذ کا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور چباتے ہوئے گردن موڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔ ایک اہلکار اسی طرف آ رہا تھا۔
"تمہاری ملاقات آئی ہے غازی۔" اس نے فارس کو مخاطب کیا۔
"کون ہے؟" کاغذ چباتے اکتاہٹ سے پوچھا۔
"پراسیکیوٹر صاحبہ۔"
کاغذ اس کے حلق میں پھنس گیا، ہلتے جبڑے رکے، چونک کر اسے دیکھا، پھر احمر کو۔ وہ بھی ایک دم سیدھا ہوا تھا۔
"چڑیل آئی ہے؟ آپ سے ملنے؟" شاک اتنا شدید تھا کہ وہ اسے ٹوک بھی نہ سکا۔ بس کاغذ منہ سے اگلا اور خاموشی سے سپاہی کے پیچھے ہو لیا۔
جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تو میز کے اس پار کرسی پہ وہ بیٹھی تھی۔ گھنگریالے بال آدھے کیچو میں بندھے تھے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، شال کندھوں کے گرد اور بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتی۔ آہٹ پہ نظریں اٹھائیں۔ وہ چھوٹے قدم اٹھاتا آیا اور اس کے سامنے بیٹھا۔ بال ویسے ہی پونی میں تھے، اور شیو ہلکی ہلکی سی نظر آتی تھی۔
"لانگ ٹائم میڈم!" آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔
زمر نے سر کو ہلکے سے اثبات میں جنبش دی۔
"لانگ ٹائم فارس!"
اور تیکھی نظریں اس پہ مرکوز کر دیں۔ ہاتھ گود میں رکھ لیے تھے، اور مٹھیاں ضبط سے بھینچ لی تھیں۔ ذہن کے پردوں پہ وہی آوازیں گونجنے لگیں۔ (میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر۔ آئی ایم سوری۔)
اس نے ان تکلیف دہ یادوں کو ذہن سے جھٹکنا چاہا، مگر یہ آسان نہ تھا۔
"سو؟" دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا، منتظر تھا۔
"میں تمہیں سننے آئی ہوں۔ تم ڈھائی سال سے یہی درخواست کرتے رہے ہو نا۔ تو اب میں یہاں ہوں۔ کہو جو بھی کہنا ہے۔"
فارس کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔
"دیر کی آپ نے آنے میں۔ اب مجھے آپ کے قانون سے کوئی امید نہیں رہی۔"
وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔
"بتاؤں کیا کہنا ہے مجھے آپ سے؟" وہ ہاتھ ملا کر میز پہ رکھے آگے کو جھکا اور چبا چبا کر ہر لفظ ادا کیا۔ "یہی کہ میری بیوی کی موت کی ذمہ دار آپ بھی ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس کا ہاتھ پکڑتیں اور وہاں سے بھاگ جاتیں، آپ کو اسے بچانا چاہیے تھا اس کی حفاظت کرنا چاہیے تھی، مگر اپنی دوسروں کو قائل کرنے کی صلاحیت پر یقین کر کے آپ نے اسے بھی نقصان پہنچایا اور خود بھی۔" زمر اب کہنی کرسی کے ہتھے پہ رکھے، انگلی ٹھوڑی تلے جمائے، اسے دیکھ رہی تھی۔
"میرے پاس اپنے دفاع میں کہنے کو کوئی لمبی چوڑی بات نہیں ہے۔ دل اچاٹ ہو گیا ہے اس قانون سے۔ صرف اتنا کہوں گا کہ تین سال آپ کے شہر میں

گزارے' اتنا تو جانتی تھیں آپ مجھے کہ ایک دفعہ میری بات سن لیتیں۔ اتنا تو یاد رکھتیں کہ آپ میری ٹیچر تھیں۔ ایک دفعہ تو تصویر کا دوسرا رخ دیکھتیں۔"

وہ پھر رکا کہ شاید وہ کچھ بولے مگر وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔ ناک کی لونگ ہنوز دمک رہی تھی۔ فارس نے اس لونگ پہ نظریں جمائیں تو لہجے کی کڑواہٹ زائل ہونے لگی۔ اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔

"مجھے قاتل سمجھتی ہیں تو سمجھیں میڈم! جو دل میں آئے سمجھیں' مگر ایک دفعہ میرے کیس کو ضرور دیکھیں' اور وہ بھی خود دیکھیں۔" وہ واپس پیچھے ہوا۔

"کچھ کہیں گی نہیں آپ؟" اب کے اس کا لہجہ دھیما تھا۔ نرم تھا۔

"میں کہنے نہیں' سننے آئی تھی۔ کیونکہ اگر کہنے پہ آئی تو آواز باہر تک جائے گی۔" وہ گہری سانس لیتی ٹھنڈے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سپاٹ نظروں سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔

"یقیناً" تم کہہ چکے ہو جو کہنا تھا' سو ملاقات ختم ہوئی۔" اور کرسی دھکیل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

فارس نے بے حد تکلیف سے اسے جاتے دیکھا' اور پھر آنکھیں میچ کر گردن جھکالی۔

جب وہ واپس آیا تو احمر صحن کے اس کونے میں منتظر سا ٹہل رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر بے چینی سے لپکا۔

"کیا کہہ رہی تھی چڑیل؟" امید اور خوشی سے اس نے پوچھا۔

"وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے آئی تھی' ورنہ اسے اب بھی یقین ہے کہ میں مجرم ہوں۔" احمر کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"مگر۔ کہا کیا اس نے؟"

"کچھ نہیں' کیونکہ اگر وہ کچھ کہے گی تو آوازیں باہر تک جائیں گی۔" وہ دیوار سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا۔ انداز ڈھیلا ڈھیلا سا تھا۔

"لیکن وہ آئی تو سہی نا۔ آہستہ آہستہ ہی انسان پگھلتا ہے۔"

"وہ پھر نہیں آئے گی اسٹیپنی۔ مجھے ایک موقع ملا اور میں نے وہ بھی گنوا دیا۔ اسے قائل نہیں کر سکا میں۔" وہ گردن موڑ کر' آنکھیں سکیڑے دھوپ کی سمت دیکھنے لگا۔ امید کی کرنیں اب سورج سے بھی نکلنا بند ہو گئی تھیں۔

"لیکن چڑیل کو چاہیے تھا کہ۔"

"اگر تم نے ایک دفعہ پھر اس کو چڑیل کہا تو میں اپنا ہاتھ تمہارے جبڑے تک لے جانے پہ مجبور ہو جاؤں گا اور اس کے نتیجے میں تم اپنے دو تین دانت گنوا دو گے۔"

وہ جتنے تحمل سے بولا تھا' احمر کی چلتی زبان اسی تیزی سے بند ہوئی۔ پھر ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا۔

☼ ☼ ☼
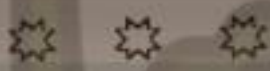
سیف انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے!
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

زمر گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔ حنین آئی ہوئی تھی۔ وہ اسی طرف آ گئی۔

بڑے ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اور رحنہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' ان کو کسی کورین ڈرامے کی کہانی سنا رہی تھی۔ خوب مزے سے' مسکرا مسکرا کر' آنکھیں گھما گھما کر۔ زمر کو چوکھٹ پر دیکھ کر اس کی بولتی بند ہوئی۔ سنجیدہ ہو کر پاؤں اتارے۔ آہستہ سے سلام کیا۔ ابا نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے صوفے پہ آ بیٹھی۔

"تمہیں دیر ہو گئی آج؟" انہوں نے پوچھا۔ حنین سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"میں کورٹ سے سیدھی جیل چلی گئی تھی۔ فارس سے ملنے۔"

حنین نے کرنٹ کھا کر سر اٹھایا۔ وہ سرسری سا بتا کر' صداقت کو آواز دینے لگی کہ اس کی چیزیں لے جائے۔

"فارس سے۔ کیا بات ہوئی؟" ابا کے بے یقین

الفاظ اٹکے۔
"وہ چاہتا تھا میں اس کو سنوں' میں نے سن لیا۔"
صداقت اندر آیا تو وہ اسے چیزیں تھمانے لگی۔ حنہ جلدی سے آگے ہوئی' ساری ناراضی بھلا کر تیزی سے پوچھا۔
"اور کیا مان بھی لیا؟"
"اس نے کہا کہ وہ بے گناہ ہے اور جیل میں کوئی ایسا شخص مقید نہیں جو یہ فقرہ منتر کی طرح نہ دہراتا ہو۔" وہ تکان سے کنپٹی مسل رہی تھی۔
"پھپھو! میں ان کے ساتھ تھی' میں نے پولیس کو بھی بتایا تھا' وہ بے گناہ ہیں۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔ زمر نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا' انگلی سے برابر کنپٹی مسلتی رہی۔
"حنہ بچے! میں تمہیں کٹہرے میں نہیں کھڑا کرنا چاہتی۔"
"مگر آپ ایک دفعہ مجھ سے تو پوچھیں کہ کیا ہوا تھا؟"
"او کے' حنین یوسف!" اس نے سر اثبات میں ہلایا' پیچھے ہو کر بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ "شروع کرتے ہیں پھر۔"
حنین نے کمر سیدھی کرلی۔ بڑے ابا خاموشی سے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھنے لگے جو آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ اور دونوں کے درمیان بہت سا فاصلہ تھا۔
"اس روز' جب مجھ پہ فائرنگ کی گئی تم ہوٹل کے کمرے میں تھیں۔ ایک سے ساڑھے تین بجے تک تقریباً؟"
"جی!" اس نے گردن اکڑائی۔
"اور اس دوران فارس کہیں نہیں گیا؟" زمر سنجیدگی سے سوال کررہی تھی۔
"نہیں' وہ ہمارے ساتھ تھے۔"
"اور اس دوران تم بھی کہیں اٹھ کر نہیں گئیں؟"
"جی نہیں۔"
"تم سارا وقت اسی کمرے میں تھیں؟"
"جی۔"
"اور اس دوران تم نے فارس سے نظر نہیں ہٹائی؟ فارس اور علیشا کے سوا کسی سے کوئی بات بھی نہیں کی؟"
"نہیں۔"
"پولیس کو بھی تم نے بالکل یہی کہا تھا۔ کیا میں اسے تمہارا حتمی بیان تصور کرلوں؟"
"جی' میم پراسیکیوٹر!" کافی اعتماد سے گردن اکڑائے وہ بولی۔ زمر نے آنکھیں میچیں' گہری سانس لی اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔ چند لمحے بعد وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں وہی باکس تھا جو وہ الماری میں جوتوں کے خانے میں رکھتی تھی۔
"یہ تمہاری امی کے موبائل کا بل ہے۔ وہ موبائل جو اس روز تمہارے پاس تھا۔"
حنین نے قدرے حیرت سے وہ کاغذ تھاما' اور جب اس پہ نگاہیں دوڑائیں تو اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔
"تم نے پولیس کو بھی کہا کہ تم نے اس دوران کسی سے کوئی بات نہیں کی' یعنی ایک لمحے کو بھی تم فارس سے غافل نہیں تھیں۔ جب کہ اس بل کے مطابق تم نے ڈیڑھ بجے اپنے گھر چار منٹ' اور پونے تین بجے اپنی ایک دوست کو دس منٹ کے لیے کال کی۔"
پھر ایک دوسرا کاغذ اس کے سامنے کیا۔ "یہ اس ہوٹل کی لابی کے سی سی ٹی وی کیمرے کا ایک اسٹل امیج ہے۔ اس میں تم نیچے ایک شاپ میں کھڑی دکھائی دے رہی ہو اور وقت ہوا ہے دو بج کر سترہ منٹ۔ مگر تم نے کہا تھا کہ تم اس دوران کمرے سے کہیں نہیں گئیں۔"
"میں بتانا بھول گئی' اور' اور یہ فائرنگ سے بہت پہلے کا وقت تھا۔" اس نے بجھے چہرے کے ساتھ وضاحت دینے کی کوشش کی۔
"حنہ بچے! میں نے تم سے اس بارے میں کوئی بات اس لیے نہیں کی کیونکہ میں جانتی تھی' تم ڈھائی گھنٹے ایک کمرے میں ٹک کر نہیں بیٹھ سکتیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے یہ باتیں کیوں نہیں بتائیں' تم فارس کو پروٹیکٹ کرنا چاہتی تھیں' مگر حنہ' یہ گواہی کا معاملہ ہے' اور گواہی کے معاملے میں ہمیں اگر کسی کی

ایک بات جھوٹ معلوم ہو تو اس کی باقی ساری باتیں بھی سچی نہیں رہتیں۔ میں تھک گئی ہوں' آرام کرنے جا رہی ہوں۔ آپ لوگ باتیں کریں۔"

وہ نرمی سے کہتی کاغذات واپس ڈبے میں ڈالتی اٹھ گئی۔ حنین چہرہ جھکائے کتنی ہی دیر اسی طرح بیٹھی رہی' اور ابا' وہ بس افسوس سے اسے دیکھتے رہے۔ اگر ان کے خاندان کے سارے لوگ ایک دن کے لیے اپنی ذہانت پہ بھروسا کرنا چھوڑ دیں تو کتنا اچھا ہو۔

✡ ✡ ✡
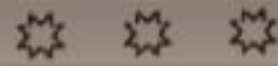
میں چاہتی ہوں مرا عکس مجھ کو لوٹا دے
وہ آئینہ جسے اک بار میں نے دیکھا تھا

اس روز چھوٹے باغیچے والے گھر میں حنین کی چیخ پکار لگی تھی۔ اپنے کمرے کی ساری الماریاں تلپٹ کیے' وہ کاغذات ڈھونڈ رہی تھی۔ میٹرک کی سند' ب فارم' شناختی کارڈ۔ ہمیشہ داخلے کی آخری تاریخ سر پہ آئی کھڑی ہوتی اور اس کے کاغذات نہیں مل رہے ہوتے تھے۔ اس تلاش میں کتنے عرصے کی کھوئی ہوئی درجنوں چیزیں مل جاتیں' مگر اصل شے ندارد رہتی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے اپنی چیزیں ترتیب سے جوڑ کر رکھا کرو۔ لوگوں کی بیٹیوں کو دیکھا ہے کبھی' کیسے ہر چیز۔" امی کی ڈانٹ پھٹکار (جسے سعدی "بیک گراؤنڈ میوزک" کہا کرتا تھا) کچن سے سنائی دے رہی تھی۔

تب ہی سیم کمرے میں داخل ہوا۔

"حنہ! یہ تمہارے لیے کوریئر آیا ہے۔ امریکہ سے۔"

وہ جو الماری میں سر دیے بیٹھی تھی' چونکی' پھر سب چھوڑ چھاڑ اس کی طرف آگئی۔ سیم اتنا اچھا تو تھا نہیں کہ ڈبہ رکھ جاتا۔ اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ کھول بھی رہا تھا۔ اس نے درشتی سے وہ جھپٹا' اسے کمرے سے بھگایا' اور پھر خود کھولنے لگی۔

اندر ایک چھوٹی ڈبی تھی۔ اس میں ایک کی چین تھی۔ علیشا کی چین۔ ساتھ میں تہہ شدہ خط۔ دھڑکتے دل سے حنین نے کاغذ کی تہیں کھولیں۔

"ڈیئر حنین!

ممی سے معلوم ہوا کہ ڈھائی سال بعد تمہارا فون آیا تھا۔ سن کر خوشی ہوئی۔ میں اس دور سے نکل چکی ہوں جب ای میل اور ٹیکسٹ کیا کرتی تھی۔ یہاں اس جیل میں مجھے خط لکھنا زیادہ پرسکون لگا' اس لیے لکھ رہی ہوں۔ کم از کم اسے تم پڑھے بغیر مٹا تو نہیں سکو گی۔"

حنین وہیں زمین پہ پھیلی چیزوں کے درمیان بیٹھ گئی' اور گویا سانس روکے پڑھتی گئی۔

"میں اپنی کی چین تمہیں بھیج رہی ہوں۔ یہ میرے انتقام کے عزم کی نشانی ہے۔ جب ہاشم نے تمہارے سامنے مجھے بے عزت کر کے نکالا تو میں نے سوچا تھا کہ تم بھی اپنی پھپھو جیسی ہو۔ جیسے اس نے فارس کی بات نہیں سنی' ویسے ہی تم نے بھی میری نہیں سنی۔ مگر تم دونوں اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ کافی عرصہ میں نے سوچا کہ ہاشم سے اس بات کا بدلہ لوں مگر پھر میں نے جان لیا کہ میں اتنی کمزور اور خوف زدہ سی لڑکی ہوں کہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ سو میں نے بدلے کی تمنا کو ترک کر دیا۔ یہ کی چین بھی تمہیں دے رہی ہوں۔ سب لوگوں میں سے صرف تمہیں۔ لاکٹ بھی اسی لیے تمہیں دیا تھا کہ ایک دن ہم محرم راز بن جائیں گے اور تم میرے ساتھ کھڑی ہوگی۔ پھر مجھے میرا حق مل جائے گا۔ مگر وہ دن اب کبھی نہیں آئے گا حنین!

مایوسی انسان کو تباہ کر دیتی ہے' مجھے بھی کر دیا۔ میں نے ڈرگز میں فرار چاہی۔ جرائم میں چاہی۔ اب لگتا ہے کہ زندگی ضائع کر دی۔ تمہیں یہی بتانے کو خط لکھ رہی ہوں کیونکہ مجھ میں اور تم میں ذہانت کے علاوہ اور بھی کچھ مشترک ہے۔ ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی طبیعت۔

کہتے ہیں' ہر انسان کے اندر دو بھیڑیے ہوتے ہیں۔ ایک اچھائی کا' دوسرا برائی کا۔ غالب وہی رہتا ہے جس کو ہم کھلاتے پلاتے ہیں۔

میں تمہیں بتاؤں حنین! میرے اندر کا منفی بھیڑیا

غالب آگیا' اور میں نے وہ کردیا جسے دنیا جرم کہے' دھوکا کہے' یا ڈر گز کہے' مگر خدا اسے ایک ہی لفظ سے پکارتا ہے "گناہ۔" اور میں تمہیں بتاؤں' تمہارا بھی بدی کا بھیڑیا جلد یا بدیر تم پر غالب آئے گا' اس لیے متنبہ کررہی ہوں۔ گناہ مت کرنا۔ کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ کسی کی اچھی نیچر سے فائدہ مت اٹھانا۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ایسا ضرور کروگی۔ کیونکہ تم بھی evil جینئس ہو' شاید مجھ سے بھی زیادہ۔

تو بس اتنا جان لو حنین کہ ہر گناہ صرف توبہ کرلینے سے معاف نہیں ہوجاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ سو کچھ بھی غلط مت کرنا۔ کیونکہ کفارے دیتے تمہاری زندگی بیت جائے گی اور غم کم نہیں ہوگا۔ مجھے اس خط کا جواب مت دینا۔ میں اس قید میں کچھ عرصہ مزید رہنا چاہتی ہوں کسی بھی تعلق کی امید کے بغیر۔ مجھے میری غلطیوں کے لیے معاف کردینا۔ میں بھی تمہیں تمہاری اچھائیوں کے لیے معاف کرتی ہوں۔

دن کے آخر میں ہم تینوں ایک سے ہیں۔ میں "تم" زمر۔۔۔

کمزور چیونٹیاں جو ہمیشہ اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن بناتی ہیں۔

فقط

علیشا کاردار۔

حنین کا چہرہ سفید تھا اور لب جامد۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں۔ کپکپاتے ہاتھ کاغذ پر جمے تھے۔ وہ بس شل بیٹھی بار بار ان الفاظ کو پڑھ رہی تھی۔ کسی نے گردن دبوچ کر اسے اپنی ہی ذہانت اور قابلیت کی تاریک سرنگ سے نکال کر حقیقت کے روشن کمرے میں لاکھڑا کیا تھا اور اس۔ کمرے میں ہر طرف آئینے تھے اور ان میں نظر آتے سیاہ سفید عکس اس کے وجود کو کرچی کرچی کررہے تھے۔

باہر سے آتی ندرت' اسامہ' ٹی وی' سب کی آوازیں اس کے لیے لایعنی ہوچکی تھیں۔ وہ نمک کا مجسمہ بنی' اس کاغذ کو ہاتھ میں لیے فرش پہ بیٹھی تھی۔

میٹرک' ایف ایس سی کے رزلٹ کارڈ' بہترین طالبہ کے سرٹیفکیٹ' فلاں اور فلاں ایوارڈ' سب اس کے آس پاس ہی بکھرا تھا اور وہ ان سب جھوٹے کاغذوں کے ڈھیر میں ایک سچے پرچے کو پکڑے بیٹھی تھی۔

زندگی میں پہلی دفعہ حنین ذوالفقار یوسف خان نے خود سے سوال کیا' وہی جو وارث ماموں کے قتل کی رات فارس نے ہوٹل میں تب پوچھا تھا جب اس نے اس لونگ کا ذکر کیا تھا۔

"تم کون ہو حنین؟"

اور اردگرد لگے آئینوں کی دیواریں کہہ رہی تھیں۔ ایک کمزور کا شکار کرنے والی غارت گر۔۔۔ ایک بے بس انسان کی جان لینے والی حنین!

☆ ☆ ☆

خود سے بھی کوئی ربط نہیں مرا ان دنوں
تجھ سے تعلقات کی تجدید کیا کروں

پبلک پراسیکیوشن آفس کی کھڑکی سے سرما کی دھوپ چھن کر آتی' میزوں پہ رکھی فائلوں کو چمکارہی تھی مگر موسم سے بے نیاز زمر سنجیدگی سے بصیرت صاحب سے وہ پوچھ رہی تھی جو ان کو الجھا رہا تھا۔

"کیا آپ نے اس کیس میں کسی دوسرے مشتبہ شخص کو چیک کیا تھا؟"

"زمر! یہ رکھی ہیں ساری فائلز۔" انہوں نے جیسے ہاتھ اٹھادیے۔ "اور آپ جس دن کہیں' میں یہ کیس آپ کو دینے کو تیار ہوں' اوپر بات کرلوں گا میں۔"

"مجھے یہ کیس فائلز نہیں دیکھنی' نہ یہ کیس چاہیے۔" وہ گویا کسی ناپسندیدہ شے سے دور ہٹی۔ "میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ کیا آپ نے اس کیس کی ویسے تفتیش کی تھی جیسے آپ کو کرنا چاہیے؟"

"کیا آپ کو فارس کے قاتل ہونے پہ شبہ ہے؟" وہ حیران تھے۔

"نہیں' مگر میرے خیالات سے فرق نہیں پڑتا۔ میں اس کیس کی پراسیکیوٹر نہیں ہوں' آپ ہیں۔ میں

وکٹم ہوں‘ دوسرا رخ نہیں دیکھنا چاہتی‘ مگر آپ کو ہر رخ دیکھنا چاہیے۔ میں یہ پوچھ رہی ہوں‘ کیا آپ نے کسی دوسرے suspect (مشتبہ شخص) کو چیک کیا تھا؟"

"ظاہر ہے‘ میں نے کیا تھا۔ ہر اس شخص کو جس کا کیس سے ذرا سا بھی تعلق بنتا تھا۔" وہ پھر کوئی فائل اٹھانے لگے مگر زمر نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

"مجھے کوئی فائل نہیں دیکھنی‘ میں نے خود کو اس کیس سے لاتعلق کر لیا ہے۔ مجھے بس زبانی بتا دیں کیا آپ کو کوئی ایسی چیز ملی جو فارس کو بے گناہ ثابت کرتی ہو؟" یہ کتنا تکلیف دہ تھا‘ مگر اسے کہنا تھا۔

"نہیں۔ کوئی بھی چیز کسی بھی دوسرے شخص کی طرف اشارہ نہیں کرتی تھی۔"

وہ چند لمحے‘ لب بھینچے ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"کیا آپ نے ہاشم کاردار کو چیک کیا تھا؟" چند لمحے سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت زمر کا فون بجا۔ حنین کی امی کا نمبر تھا۔ اس نے عجلت میں کال لی۔

"پھپھو؟" وہ حنین تھی۔

"حنین! میں ذرا بزی ہوں‘ تھوڑا ٹھہر کر کال کرتی ہوں۔" اور بصیرت صاحب کو دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہ بولے۔

"وہ ان پہلے لوگوں میں سے تھا جن کو میں نے چیک کیا تھا کیوں کہ فارس کا اصرار تھا‘ یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کی سازش ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ وارث غازی کے پاس ہاشم کا کوئی کیس ہو‘ جس کو چھپانے کے لیے ہاشم نے اسے قتل کروایا ہو۔ مگر......" انہوں نے فائل کھولی اور اس میں رکھے فوٹو اسٹیٹ صفحے کی طرف اشارہ کیا۔ زمر کی نگاہیں اس پہ جھکیں۔

"یہ ان تمام کیسز کی فہرست ہے‘ جو وارث غازی کے پاس تھے۔ ان میں ہاشم یا اس کے باپ کا کوئی کیس شامل نہیں ہے۔" زمر چند لمحے کے لیے چپ سی ہو گئی۔ وہ مسلسل کچھ سوچ رہی تھی۔

"ہم سب جانتے ہیں بصیرت صاحب! کہ ہاشم کتنا کرپٹ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف نیب میں ایک کیس بھی نہ ہو؟"

"آپ غلط سمجھتی ہیں۔ غازی کے پاس اس کا کیس نہیں تھا۔ دوسرے اٹھارہ آفیسرز کے پاس اس کے بیسیوں کیسز زیر تفتیش ہیں۔"

"اوہ......" اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"تو میں نے وارث کے موجودہ کیسز سے متعلقہ افراد کو چیک کیا۔ کسی کے خلاف کچھ نہیں ملا۔ میں نے ان تمام آفیسرز سے بھی فرداً فرداً بات کی جو ہاشم کے کیسز دیکھ رہے تھے اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہاشم یا اس کے خاندان نے کبھی بالواسطہ ان لوگوں کو کوئی دھمکی نہیں دی۔ سب جانتے ہیں‘ نیب کیسز کا کچھ نہیں بنتا اور وہ ان کو ڈرا دھمکا کر یا رشوت دے کر ان کا منہ بند نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو کورٹ میں لا کر بہت فخر سے اپنا دفاع کر کے ان کو خوار کیے رکھتا ہے۔ اگر تو ہاشم کا کوئی کیس وارث کے پاس ہوتا تو میں تب بھی فرض کر لیتا کہ ہو سکتا ہے۔ وارث کو کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہو جو ہاشم کے لیے نقصان دہ ہو‘ مگر اس کا تو سرے سے کوئی کھاتہ ہی وارث کی طرف نہیں کھلتا۔"

زمر...... نے فائل بند کر کے پرے کر دی۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

"زمر...... فارس غازی نے دو قتل کیے ہیں۔ اس نے یہ بات خود آپ سے کہی تھی‘ اس کو نہیں معلوم تھا کہ آپ بچ جائیں گی اور سب کو بتا دیں گی‘ اس لیے......"

"مگر وہ مجھے ہسپتال دیکھنے آتا رہا تھا۔ میرے بیان سے پہلے۔ اس نے دوبارہ مجھے مارنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" پتا نہیں کیوں وہ اس کی طرف سے صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اتنی سیکورٹی اور پولیس کی تعیناتی کے باعث وہ ایسی کوشش کرنے کی بے وقوفی کیسے کر سکتا تھا؟" وہ الٹا حیران ہوئے۔ "کیا آپ کو وہ بے گناہ لگنے لگا ہے؟"

"یہ ہی تو سارا مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک وہ گناہ گار ہے اور میں چاہ کر بھی کوئی ایسی وجہ نہیں ڈھونڈ پا رہی جو

اس کو ان جرائم سے بری کردے۔" وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

حنین ان کاغذوں کے ڈھیر کے بیچ ہنوز بیٹھی، موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ پہلی دفعہ ہچکچاہٹ سے، پھر بے چینی سے پھر بے قراری سے اور اب دیوانگی سے بار بار زمر کا نمبر ملا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اسے لگا وہ چند سال پیچھے چلی گئی ہے، جب چھت پہ اندھیرے میں بیٹھے، زمر نے نرم لہجے میں سیم اور اسے جنات کا قصہ سنایا تھا۔ تب اسے لگا تھا۔ جنات سے زیادہ طاقت ور انسان ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ انسان زمر تھی، جو اس کا ہر مسئلہ حل کر سکتی تھی۔ اب بھی اسے یہ ہی لگ رہا تھا۔ درمیان کے ماہ و سال اور ان کی تلخی کہیں کھو سی گئی تھی۔ صرف زمر تھی جس کو وہ اپنا مسئلہ بتا سکتی تھی اور زمر نے ساتویں کال اٹھا کر بس اتنا کہا۔

"حنین! میں بزی ہوں، تمہیں ذرا دیر تک کال کرتی ہوں۔" اور وہ خاموش آنسوؤں کے ساتھ فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی۔ کافی دیر بعد وہ بجا۔ اس نے دیکھا، زمر کا نمبر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اترا۔ ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور کال اٹھائی۔

"ہاں حنین۔ سوری میں اس وقت۔۔۔" وہ نرمی سے کہنے لگی تھی، مگر اس نے درشتی سے بات کاٹی۔

"سوری مجھے کہنا چاہیے، غلطی سے کال کرلی تھی۔ کسی اور کو ملا رہی تھی، بائے۔" اور فون رکھ دیا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے۔ اتنے سال بعد اس نے پہلی دفعہ زمر کو پکارا تھا، مگر وہ مصروف تھی۔ کیا اس کی مصروفیت حنین کی بھیگی رندھی آواز سے زیادہ اہم تھی؟ اس کا دل ٹوٹ سا گیا۔

زمر کی پھر سے کال آنے لگی، مگر حنین نے موبائل آف کردیا۔

علیشا ٹھیک کہتی تھی۔ وہ جلد یا بدیر کوئی ایسا گناہ ضرور کرے گی، جس کا کفارہ اسے پوری زندگی دینا پڑے گا۔ بس علیشا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حنین وہ چند ماہ پہلے ہی کرچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہجر کی رات کاٹنے والے
کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

حنین کی ادھوری، ان کہی کال اس کے ذہن میں اٹک سی گئی تھی۔ اس صبح بھی وہ سماعت ختم ہوتے ہی کورٹ روم سے نکلنے کے بجائے کرسی پہ بیٹھ گئی اور ابا کو کال ملانے لگی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی اور سرد کمرہ عدالت میں صبح بھی بتیاں جلی تھیں۔ جسٹس صاحب اپنے چیمبرز میں واپس جارہے تھے، اہلکار احمر شفیع نامی لڑکے کو واپس لے جانے کی تیاری کررہے تھے۔ ہاشم پھر نہیں آیا تھا اور سب کا وقت ہی ضائع ہوا تھا۔ وہ اطراف میں نظریں دوڑاتی، ابا کو جاتی فون کی گھنٹی سن رہی تھی۔

"آپ نے پوچھا حنہ سے؟" ان کا سلام سنتے ہی وہ سر جھکائے مدھم سا پوچھنے لگی۔

"میں نے کال کی تھی، وہ جلدی میں تھی، کہہ رہی تھی غلطی سے تمہیں کردی تھی کال۔ تم پریشان مت ہو کوئی بات نہیں ہے۔"

"اونہوں۔۔۔ کوئی بات تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی۔ آپ دوبارہ پوچھنے کی کوشش کریں۔"

"تم خود اس کے گھر چلی جاؤ۔" اور ابا کی تان یہیں آکر ٹوٹا کرتی تھی۔ زمر نے "رہنے دیں ابا" کہہ کر کال کاٹی تو احساس ہوا، سفید شلوار قمیص میں کوئی اس کے سامنے آکھڑا ہوا ہے، چونک کر سر اٹھایا تو وہ احمر تھا۔ اہلکار بھی ساتھ تھے۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا، کمرہ خالی ہورہا تھا۔

"میم!" وہ ملتجی، بے چین سا انگریزی میں کہنے لگا۔ "مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"اپنے وکیل کے بغیر آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیے۔" نرمی سے کہتی وہ اٹھی۔ پرس کندھے پہ لٹکایا۔

"پراسیکیوٹر بصیرت کہاں ہیں؟ مجھے ان کا پوچھنا

ہے۔" کہہ کر اس نے پھر اہلکاروں سے درخواست کی کہ چند لمحے مزید اس کو بات کرنے دیں۔

"وہ ایک ہفتے کی چھٹی پہ گئے ہیں۔" وہ موبائل پرس میں ڈالتی جانے کو مڑی۔

"مجھے غازی کے بارے میں بتانا ہے۔ فارس غازی' وہ کچھ غلط کرنے جارہا ہے۔"

زمر کے قدم منجمد ہوئے۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی۔ آنکھیں سکیڑ کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیا؟"

"پہلے آپ وعدہ کریں کہ کبھی ظاہر نہیں کریں گی کہ یہ آپ کو مجھ سے معلوم ہوا ہے ورنہ فارس مجھے جان سے مار دے گا۔" پریشانی سے کہتا' وہ آگے کو ہوا۔

"میں سن رہی ہوں۔" وہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس نے کچھ پلان کیا ہے۔ اسے عدالت سے امید نہیں رہی تو وہ... جیل میں کچھ لوگوں سے انتقام لینے جارہا ہے۔ وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ جیل میں Riots (گڑبڑ) کرنے جارہا ہے اور اس فساد میں کچھ لوگ جان سے بھی جائیں گے۔"

"کیا فارس نے خود کہا یہ؟"

"جی... یہ وہ تمام تفصیل ہے جو مجھے معلوم ہوسکی ہے۔ وہ مجھے بھی اس میں شامل کرنا چاہتا ہے' مگر میں نے ابھی اسے حتمی جواب نہیں دیا۔" ساتھ ہی ایک مڑا تڑا کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔ زمر نے کاغذ پکڑ کر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے پولیس پہ اعتبار نہیں ہے' کسی وکیل کو بتانا زیادہ بہتر لگا مجھے۔ آپ اس کو رنگے ہاتھوں پکڑوا سکتی ہیں۔ اب مجھے جانا چاہیے۔" جیسے کوئی اضطراب ختم ہوا۔ وہ پرسکون سا سانس لیتا اہلکاروں کے ہمراہ مڑ گیا۔

زمر کاغذ ہاتھ میں لیے کھڑی' سوچتی نظروں سے اس طرف دیکھتی رہی جہاں سے وہ گیا تھا۔

جب وہ اپنی حوالاتی کوٹھڑی تک واپس لایا گیا تو سہ پہر اتر چکی تھی۔ سپاہی نے سلاخوں کا دروازہ کھولا۔ وہ اندر آیا' تو دروازہ مقفل کردیا گیا۔ احمر قدم قدم چلتا دیوار تک آیا اور پھر فرش پہ اکڑوں بیٹھ گیا۔ فارس چند قدم دور اسی طرح بیٹھا تھا۔ احمر قریب آیا تو اس نے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"کہاں تھے؟" گردن موڑ کر اسے دیکھا جو قریب بیٹھا' اپنے گھٹنوں کو دیکھ رہا تھا۔"

"کچہری..."

"معلوم ہے... مگر... کچھ اور بھی ہوا ہے کیا؟" وہ غور سے احمر کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"وہی جو ہونا چاہیے تھا۔"

"بک بھی چکو۔" وہ اکتا گیا۔

احمر نے ہولے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں نے انہیں بتادیا کہ آپ جیل میں riots شروع کرنے لگے ہیں۔"

چند لمحے کوٹھڑی میں سناٹا چھا گیا۔ فضا بوجھل ہوگئی۔

"اور؟ اس نے یقین کرلیا؟" فارس کے پوچھنے پہ احمر مسکرایا۔

"ایک ایک حرف پہ!" اور اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ دونوں ہلکے سے ہنس دیے۔ یہ وہ ان چند دفعہ میں سے تھا جب احمر نے اسے ہنستے دیکھا تھا۔

"گڈ!" پھر سے سنجیدہ ہوتے ہوئے فارس نے جیب سے مڑا تڑا کاغذ نکالا اور سامنے پھیلایا۔ پھر باہر دیکھا۔ اہلکار دور تھے۔ وہ مدھم آواز میں کہنے لگا۔

"جمعرات کی رات فیصلے کی رات ہوگی۔ اگر اس نے یقین کرلیا کہ ہم riots شروع کرنے لگے ہیں تو وہ لوگ جیل کے شمالی حصے پہ ادھر..." نقشے پہ ایک جگہ انگلی رکھی۔ "یہی نفری تین گنا بڑھا دیں گے۔ ایسے میں جنوب مشرقی دیوار پہ نفری کم ہوجائے گی۔ ہم فساد نہیں کریں گے۔ ہم اس طرف صرف آگ لگائیں گے۔ یہ ہمارا diversion ہوگا اور یوں ہم جنوب مشرقی حصے سے نکل جائیں گے۔"

"جانتا ہوں۔ ہم کوئی تین سو دفعہ اپنا منصوبہ دہرا چکے ہیں۔ اب تو میں خود کو آدھا جیل سے باہر تصور

کرنے لگا ہوں۔" وہ رکا۔ فارس جو کاغذ لپیٹ رہا تھا' قدرے چونکا۔

"ایک منٹ۔ تمہارے چہرے پہ کچھ اور بھی لکھا ہے۔" اس نے غور سے احمر کو دیکھا۔ "کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"وہ... دراصل۔" وہ اٹکا۔ پھر اٹھ کر چند قدم مزید دور جا بیٹھا۔ (کہ اگلی بات سن کر فارس غازی اس کا گریبان نہ پکڑ لے۔) اور کان کھجاتے ہوئے سادگی سے بولا۔ "پراسیکیوٹر بصیرت چھٹی پہ ہیں۔" فارس کو شاک لگا۔

"تو تم یہ ساری بکواس کس سے کر کے آئے ہو؟ میں نے کہا تھا' پولیس کو نہیں انوالو کرنا۔"

"وہ... چڑیل کو بتایا ہے۔"

اور اس کے گویا چودہ طبق روشن ہو گئے۔ "کیا بک رہے ہو؟ میں نے منع کیا تھا کہ..." وہ غصے سے چلانا چاہتا تھا' مگر پہرے دار قریب آرہے تھے۔ سو طیش بھری آواز ذرا دبائی۔ "اس سے کیوں کہا؟"

"اگر آپ اپنا غصہ ایک طرف رکھ کر میری بات سنیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ پوری کچہری میں سب سے زیادہ آپ کو سزا کون دلوانا چاہتا ہے؟ ظاہر ہے چڑیل۔ بصیرت صاحب شاید میری بات پہ کان ہی نہ دھرتے' مگر وہ دھرے گی' اسے اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا' آپ کو سزا دلوانے کا اور پھر بصیرت صاحب تھے ہی نہیں' ہفتے بعد آئیں گے اور ہفتے بعد ان سے کیسے ملوں گا؟ اگر درخواست کروں ملنے کی تو ان کو شک نہیں ہو گا کیا کہ اتنے علی الاعلان کیوں کر رہا ہوں؟ میرے پاس صرف آج کا دن تھا' اور میں نے وہی کیا جو بہتر لگا۔"

"اس کو استعمال کر کے جیل نہیں توڑنا مجھے۔" وہ ناگواری سے غرایا۔ "اس طرح تو وہ ساری عمر یہی سمجھے گی کہ میں مجرم تھا۔"

"جب آپ جیل توڑیں گے تو سب یہ ہی سمجھیں گے پھر مسئلہ کیا ہے؟"

اور فارس چپ ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھاما۔ آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلی۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس کو استعمال نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں؟" دور بیٹھے احمر نے پتلیاں سکیڑ کر اس کا چہرہ تکا۔ "آپ دونوں کے درمیان کچھ رہا ہے کیا؟"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ناگواری آئی۔ "بالکل بھی نہیں۔"

"اچھا سوری' مجھے یوں ہی لگا۔"

"کیا لگا؟" اس کا سانس رک گیا تھا۔

"نہیں دراصل... اتنا کچھ ہو جانے' اتنے سال گزر جانے' آپ سے اتنی نفرت ہونے اور آپ کے خلاف ہر جگہ بیان دینے کے باوجود بھی جب آپ اس کا ذکر سنتے ہیں تو کچھ آتا ہے آپ کے چہرے پہ۔ اور پھر چڑیل بھی... سوری... وہ بھی ابھی تک آپ کو فارس کہہ کر بلاتی ہے۔ اس نے ہر چیز کے بعد بھی Terms ختم نہیں کیں۔"

"ایسے کسی عورت کا First Name نہیں لیتے' ہر وقت بک بک نہ کیا کرو' دماغ گھوما ہوا ہے میرا اس وقت۔"

اس نے درشتی سے ڈپٹ کر رخ پھیر لیا۔ احمر کو اب اس کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا' سو شانے اچکا کر رہ گیا۔

"اچھا سوری... غلطی سے کہہ دیا خیر..." پھر آرام سے لیٹ گیا' بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھا۔ "آپ باہر جا کر کیا کریں گے؟ میں تو امریکہ بھاگ جاؤں گا۔ یہاں تو نوکری کر نہیں سکتا اور..." وہ بولے جا رہا تھا اور فارس چہرہ موڑے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آپ لوگوں کے کہے پر اکھڑ جاتے ہیں۔
لوگ تو جھوٹ بھی سو طرح کے گھڑ جاتے ہیں۔

عین اس وقت جب وہ دونوں اس کوٹھڑی میں یوں بیٹھے تھے' چند میل دور کاردارز کی کمپنی کے ٹاپ فلور کی راہ داری میں زمر ایک بینچ پہ بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں کافی کے دو ڈسپوزیبل گلاس تھے۔ ایک

سے وہ کچھ سوچتے ہوئے وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہی تھی۔ دوسرے کا ڈھکن بند تھا۔ نگاہیں راہ داری میں گزرتے لوگوں پہ جمی تھیں۔ دفعتاً" وہ کھڑی ہوئی' کیونکہ دوسری جانب سے ہاشم چلتا آرہا تھا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس' دوسرے میں پکڑے موبائل پہ بٹن دباتا۔ زمر کے قریب وہ رکا' پہلے اس کے پیر دیکھے' پھر نظریں اٹھائیں۔ وہ بند ڈھکن کا گلاس اس کی طرف بڑھائے ہوئے کھڑی تھی۔ ہاشم کھل کر مسکرایا۔

"بغیر چینی کے؟" گلاس پکڑتے ابرو اٹھائی' زمر نے سر کو خم دیا۔

"بغیر چینی کے!" اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"ویسے آپ تو شہر سے باہر گئے ہوئے تھے؟"

"آپ مجھ سے سماعت پہ غیر حاضری کی بازپرس کرنے نہیں آئیں' جانتا ہوں' وہ کام بتائیے جو آپ کو ادھر کھینچ لایا؟" وہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ دونوں ہاشم کے آفس کی سمت جارہے تھے۔

"کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ احمر شفیع کا وکیل بنے بغیر بات کرسکتے ہیں؟

"میں سن رہا ہوں۔"

"احمر کتنا قابل بھروسا انسان ہے؟"

"کافی حد تک...." ہاشم نے شانے اچکائے۔

"میرے والد کے ساتھ اس نے کافی عرصہ کام کیا۔ گو کہ میں اسے پسند نہیں کرتا' مگر وہ ایک قابل اعتبار انسان ہے' کیوں؟" اب غور سے ساتھ چلتی زمر کو دیکھا۔ "کیا اس کی کسی بات پہ بھروسا کرنے میں آپ کو دقت پیش آرہی ہے؟

ہاں.... وہ اچھا لڑکا ہے' مگر ہوا کیا ہے؟" دونوں اب آفس کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ کافی ختم کیجیے۔" وہ مسکرا کر مڑ گئی تو ہاشم نے پیچھے سے پکارا۔

"میں اس مشورے کے بدلے میں ضرور کوئی فیور مانگوں گا۔"

"آپ کب بدلہ نہیں مانگتے؟" وہ رکے بنا آگے چلتی گئی۔

"وہ ٹیپ آپ کو کہاں سے ملی؟" ہاشم نے عقب سے پکارا۔ زمر بیچ راہ داری میں رکی۔ ایڑیوں پہ گھومی۔ اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کون سی ٹیپ؟"

"آپ کی اور فارس کی کال' جو عدالت میں پیش کی گئی۔ سعدی نے بتایا کہ وہ آپ نے نکلوا کردی تھی۔" گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"یہ سعدی نے کہا؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ ہاشم قدرے چونکا۔ ابرو سکڑے۔

"کیا آپ نے نہیں نکلوا کردی؟ کیا اس نے جھوٹ بولا؟"

"وہ جھوٹ کیوں بولے گا؟ ظاہر ہے' میں نے ہی نکلوا کردی ہے اور کہاں سے نکلوائی ہے' یہ نہیں بتاؤں گی۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ اس نے آپ کو کیوں بتایا' میں نے منع کیا تھا۔" وہ زمر تھی' فوراً" سنبھل گئی اور ناپسندیدگی سے بات مکمل کرکے پلٹ بھی گئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اگر زمر کے ہاتھ آڈیو لگی ہے اور اس کے باوجود وہ فارس کو گناہ گار سمجھتی ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں' وہ بھی خوامخواہ خاور کی بات پہ ابھی تک اٹکا تھا۔ اونہوں.... سر جھٹک کر' کافی کا گلاس پکڑے' وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼
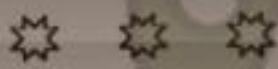
فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدود وقت سے آگے نکل گیا کوئی

وہ رات قصر کاردار پہ یوں اتری کہ اپنے اندر ڈھیروں خوف ناک بھید چھپائے ہوئے تھی۔ دور جنگل سے جانوروں کے بولنے کی آوازیں' پرندوں کی سہمی ہوئی چہکار اور پھر ہر سو طاری ہوجانے والا موت کا سناٹا۔ سب اس رات میں گم سا ہو گیا تھا۔

لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا اور ہاشم صوفے پہ نیم دراز' پیر میز پہ رکھے' ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا اس کے کندھے پر سر رکھے ترچھی لیٹی' کسی

کتاب کے صفحے الٹ رہی تھی۔ شیریں جا چکی تھی اور چند دن تک سونی ادھر ہی تھی اور اب وہ دونوں باپ بیٹی وہاں اکٹھے بیٹھے تھے۔ اس بات سے یکسر بے خبر کہ ان کے دائیں سمت، اورنگ زیب اور جواہرات کے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے کیا ہو رہا تھا۔

کمرے کے اندر مدھم زرد بتیاں جلی تھیں۔ جواہرات نائٹ گاؤن میں ملبوس، بیڈ کے ساتھ کھڑی، حیران پریشان سی ایک فائل کے صفحے پلٹ رہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر تیز سفید روشنی میں اورنگ زیب کھڑے شیو بنا رہے تھے۔ (ان کو رات کو شیو بنانے کی عادت تھی۔) بلیڈ گال پہ پھیرتے ذرا وقفہ دیا اور گردن موڑ کر جواہرات کو دیکھا جو ہنوز شاک کے عالم میں فائل دیکھ رہی تھی۔

"اب اپنا میلوڈرامانہ شروع کر دینا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اسے نہیں بدلوں گا۔"

"اورنگ زیب!" اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا اور بے یقینی سے باتھ روم میں کھڑے اپنے شوہر کو دیکھا۔ "تم ایسا کیسے کر سکتے ہو وہ تمہارا بیٹا ہے۔"

"جس نے مجھے بے وقوف بنا کر پیسے ہتھیانے کی کوشش کی، کم از کم وہ میرا بیٹا کہلانے کے لائق نہیں۔" تنفر سے کہتے ریزر جھاگ لگے گال پہ پھیرا۔

"تم نے اس کے اکاؤنٹس فریز کر دیے میں چپ رہی۔ اس سے بات نہیں کر رہے میں چپ رہی۔ مگر تم اس کی کمپنی اس سے واپس لے رہے ہو، تم اس کو قلاش کر رہے ہو، میں اس پہ چپ نہیں رہوں گی۔" وہ غصے سے پھنکاری تھی۔

"اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر لو۔" آئینے میں خود کو دیکھتے اورنگ زیب نے ٹھوڑی پہ ریزر پھیرا۔ "میں اس کو یہاں سے بھیج رہا ہوں۔ مجھے وہ اپنے اردگرد برداشت نہیں ہے۔"

"وہ تمہارا بیٹا ہے۔" وہ چلائی، ساؤنڈ پروف دیواروں نے تمام آوازیں دبا لیں۔ باہر لاؤنج میں بیٹھے ہاشم اور سونیا بے خبری وی دیکھتے رہے۔ باتھ روم کے عین اوپر، ہاشم کی بالکونی میں کھڑی پودوں کو پانی دیتی میری اینجیو بھی بے خبر گنگناتی ہوئی پانی دیتی رہی۔

"اس لیے اسے اب عرصہ تک میرے بغیر رہنا ہو گا۔ خود کمائے گا، خود کھائے گا۔"

"یہ سزا ہے، یہ انتقام ہے۔"

"تم چاہو تو اپنے بیٹے کے ساتھ جا سکتی ہو۔" اس بات پہ جواہرات نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تم ہوتے کون ہو مجھے یہاں سے نکالنے والے؟" وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ غرائی تھی۔

"میں اس گھر کا مالک ہوں۔"

"تم ایک احسان فراموش، بے حس اور گھٹیا انسان ہو۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ سانس بے ترتیب ہو رہا تھا اور آنکھیں لال۔

اورنگ زیب کے کان سرخ ہوئے، غصے سے اسے دیکھا۔ وہی غصہ جو ورثے میں نوشیرواں اور فارس نے لیا تھا۔

"اپنے کام سے کام رکھو اور اپنے بیٹے سے کہو کہ کاغذات پہ دستخط کر دے، ورنہ مجھے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں۔"

"تم ایسا نہیں کرو گے۔" وہ چوکھٹ پہ ہاتھ سختی سے جمائے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرائی۔ "ہاشم ایسا نہیں ہونے دے گا۔"

"میں مالک ہوں، ہاشم نہیں۔ تمہارے بیٹے کیا، میں تمہیں بھی ہر شے سے بے دخل کر سکتا ہوں۔"

"تمہاری سوچ ہے۔" اس نے نفرت سے انہیں دیکھا۔

"نوشیرواں اب ادھر نہیں رہے گا۔ میری طرف سے وہ آزاد ہے۔ جیسے میں نے محنت کر کے کمایا، وہ بھی کما لے۔"

"محنت؟ اونہہ۔۔۔ میرے باپ کے ٹکڑوں پہ پلنے والے ہو تم! یہ سب میرے باپ کا تھا، تم اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔" وہ شدید حقارت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اورنگ زیب غصہ ضبط کیے اسے دیکھتے رہے، پھر سر کو اثبات میں ہلایا۔

"میں مزید کیا کر سکتا ہوں، بتاؤں تمہیں؟ میں

علیشا کو اس گھر میں لا سکتا ہوں۔ بلکہ اچھا کیا' تم نے فیصلے میں میری مدد کر دی۔ ہاشم تو ویسے بھی اس کی فیس دینے کا سوچے ہوئے ہے' وہ اس فیصلے سے بہت خوش ہو گا۔" اس کو مزید اشتعال دلا کر وہ دوبارہ آئینے میں دیکھتے' شیو کرنے لگے اور چوکھٹ میں کھڑی' نائٹ گاؤن میں ملبوس جواہرات کا پورا جسم جل کر بھسم ہو گیا۔

لب بھینچے گہرے گہرے سانس لیتی' سرخ دہکتی آنکھیں اورنگ زیب پہ جمائے کھڑی اس زخمی شیرنی کے اندر ایک جوار بھاٹا سا اٹھنے لگا۔ برسوں کا دبالا لاوا ابلنے لگا۔ اتنا زیادہ کہ اس کے تیز ہوتے تنفس کی آواز اورنگ زیب کو بھی آنے لگی۔ نظریں موڑ کر اسے اسی حقارت سے دیکھا۔

"اپنی بدصورت شکل لے کر تم بھی یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں؟"

"کون کہاں جائے گا' یہ فیصلہ اب میں کروں گی؟" نفرت سے کہتی وہ پیچھے ہٹی۔ "میں ساری عمر تمہاری ہر بری بات برداشت کرتی رہی' لیکن تم مجھے اور میرے بیٹے کو یہاں سے بے دخل کرنا چاہتے ہو۔ اب تم دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔" وہ پیچھے ہٹتی گئی یہاں تک کہ ڈریسنگ ٹیبل تک آ رکی۔ وہاں سامنے اس کا ہیئر Straigtening آئرن راڈ رکھا تھا۔ وہ کوئی عقل و خرد سے بے گانہ لمحہ تھا جب اس نے راڈ اٹھائی اور کمر کے پیچھے کر لی۔ پھر قدم قدم چلتی باتھ روم کی چوکھٹ تک آئی۔

اورنگ زیب کے آدھے چہرے پہ ابھی فوم تھا۔ گال پہ کوئی کٹ لگا جس کو صاف کرنے کے لیے وہ ٹشو لینے نیچے جھکے' تب ہی ان کی جھکی گردن کے پیچھے' آئینے میں جوہرات کا چہرہ ابھرا۔ نفرت اور غضب سے بھری آنکھوں سے پُر چہرہ۔۔۔ اورنگ زیب ٹشو اٹھا کر سیدھے ہوئے تو ٹھٹکے۔ مگر۔۔۔

جواہرات نے پوری قوت سے آئرن راڈ ان کے سر کی پشت پہ ماری۔ وہ لڑکھڑائے اور دائیں جانب جا گرے۔ ٹائلز کے فرش پہ پہلو کے بل' کہنی کے بل' ایک کٹ کنپٹی پہ لگا اور پھر سیدھے ہوئے۔ جہاں جواہرات نے مارا تھا وہ جگہ فرش سے آ لگی۔ خون نکل نکل کر بہنے لگا۔

جواہرات' ہاتھ میں آئرن راڈ پکڑے' ان ہی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے قدموں کے پاس بے یقین سے گرے پڑے تھے۔

"جا۔۔۔ جوا۔۔۔" الفاظ اٹک کر نکلے۔ درد سے بولنے کی کوشش کی' اپنا ہاتھ اٹھا کر بڑھانا چاہا کہ وہ ان کو تھامے' تھام کر اٹھائے' مگر وہ چوکھٹ پہ کھڑی رہی۔ لب بھینچے' شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھتی۔

غریبی میں اور امیری میں۔۔۔
بیماری میں اور صحت میں
ہم ساتھ رہیں گے۔
حتی کہ موت ہم کو جدا کر دے۔

اور وہ ان کے ساتھ ہی کھڑی تھی' مگر موت ابھی جدا کرنے نہیں آ رہی تھی۔ گہرے گہرے سانس لیتے اورنگ زیب کا خون نکلنا رک گیا تھا۔ چوٹ شدید تھی' مگر جان لیوا نہیں' انہوں نے ہتھیلی کے بل اٹھنے کی کوشش کی۔ جواہرات چونکی' پھر فوراً" پیچھے ہوئی۔ واپس کمرے میں آئی۔ صوفے پہ رکھا کشن اٹھایا۔ واپس اورنگ زیب تک آئی۔ وہ اٹھنے کی ناکام کوشش اور تکلیف کے احساس سے ہانپنے لگے تھے۔ ان کے سر کے قریب' وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور کشن ہاتھ میں پکڑے' ان کے اوپر جھکی۔

"مجھے تمہارے ساتھ یہ بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔" کشن اورنگ زیب کے منہ پہ جما کر دبایا' یوں کہ آنکھیں کشن سے باہر تھیں اور ان آنکھوں میں بے پناہ بے یقینی اُمڈ آئی۔ وہ بے اختیار اپنے بے جان ہاتھوں سے اس کی انگلیاں ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ چیخیں' آوازیں' سب کشن کے اندر دب گئیں۔ وہ چہرہ ان کے کان کے قریب کیے کہہ رہی تھی۔

"کیا تم جانتے ہو میں نے اور ہاشم نے تمہارے لیے کیا کچھ کیا؟"

ہولے سے کہتے اس نے کشن مزید زور سے دبایا۔ مزاحمت کرتے اورنگ زیب اس کے ہاتھ کو پکڑے پاؤں ادھر ادھر مار رہے تھے۔

"ہم نے وہ کیا تھا جس کا الزام فارس کو لینا پڑا۔ ہاشم نے مروایا تھا ان دو لوگوں کو۔ کیا تم نے؟ تمہارا بھانجا بے گناہ تھا۔ کیا تم نے سنا؟ ہاشم نے کیا تھا یہ سب اور میں بھی اس میں شامل تھی۔ کیا تم نے سنا؟"

اورنگ زیب کے پاؤں ساکت ہو گئے تھے۔ جواہرات کے ہاتھوں کو ہٹاتے ہاتھ بھی ٹھہر گئے تھے۔ جواہرات نے چہرہ اٹھا کر دیکھا' ان کی بے یقینی اور دکھ سے پھیلی آنکھیں ساکت تھیں۔ سانس نکل چکا تھا' مگر کیا آخری بات انہوں نے سنی تھی؟ کیا پہلے سانس نکلا تھا یا پہلے دل نے صدمے سے کام کرنا چھوڑا تھا؟

اس نے کشن ہٹایا۔ چونکہ ان کے سر سے نکلتا خون فرش پہ دوسری طرف کو جا رہا تھا۔ سو جواہرات کے کپڑوں پہ خون کا کوئی نشان نہیں لگا تھا۔ وہ آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ اورنگ زیب کی کھلی آنکھیں' کھلے لب اور بے حس و حرکت وجود اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسٹریٹنر راڈ اور دوسرے میں کشن لیے کھڑی جواہرات کے سنگ دل چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔ ایک دم چونک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ باتھ روم میں کھڑی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا تھا اور اس کا بیٹا چند قدم دور دیوار کے پار موجود تھا۔

"اوہ خدایا۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ہراساں نظروں سے اورنگ زیب کی لاش کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ پسینہ آنے لگا تھا۔ اوہ خدا... اب وہ کیا کرے؟

جواہرات سینے پہ ہاتھ رکھے' اپنی بے ترتیب دھڑکنیں سنتی کتنی دیر دیوار سے لگی کھڑی' تیز سانسیں لیتی رہی۔ بمشکل اعصاب بہتر ہوئے تو وہ باتھ روم سے نکلی۔ کمرے کے دروازے تک آئی۔ اسے ذرا سا کھولا۔ درز سے باہر صوفے پہ بیٹھے ہاشم اور سونیا نظر آئے۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔ وہ اس کا ہر مسئلہ سنبھال لیا کرتا تھا۔ مگر آج وہ ہاشم کو نہیں بلا سکتی تھی۔ اسے جو کرنا تھا' خود کرنا تھا۔

کشن اور آئرن راڈ اورنگ زیب کی لاش کے ساتھ ہی گرے تھے۔ وہ تیزی سے اندر آئی' خون کے تالاب سے پیر بچاتی وہ دونوں چیزیں اٹھائیں' ڈریسنگ روم کی وارڈ روب کھولی' اوپری خانے میں پیچھے کر کے ان کو گھسایا' الماری بند کر کے لاک کی اور پھر مڑی تو بیڈ کنارے گری فائل نظر آئی۔ وہ جو فساد کی جڑ تھی۔ پھرتی سے اس کو بھی دراز میں گھسایا۔ پھر آگے آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

ریشمی گاؤن کندھوں سے ڈھلک رہا تھا' چہرہ سفید تھا' بالکل مردہ اور آنکھیں... نہیں... اس کی آنکھیں ناقابل بیان تھیں۔ ان کی کیفیت لفظوں میں نہیں سما سکتی۔

وہ باتھ روم میں داخل ہوئی۔ سنک کے اوپر کھڑے نل کھولا۔ چہرے پہ پانی ڈالا۔ پھر اسے تولیے سے تھپتھپایا۔ قدرے سکون آیا۔ سنک کے مرمریں پتھر پہ ہاتھ رکھے۔ اس نے نیچے دیکھا۔ اورنگ زیب کی کھلی آنکھوں والی لاش ہنوز پڑی تھی۔

اب اسے کیا کرنا تھا؟ یہ... یہ اس نے نہیں کیا تھا۔ یہ صرف اور صرف ایک حادثہ تھا اور اسے حادثہ کیسے بنانا تھا؟

جواہرات کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس نے پہلے باتھ روم کے دوسرے دروازے کو دیکھا جو پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا اور پھر واپس کمرے میں آئی۔ کمرے کا بھی ایک دروازہ پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا۔ جواہرات نے اس دروازے کی چٹخنی گرا دی اور پھر سے باتھ روم میں آئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا۔

"یہ اس طرح اورنگ زیب نے لاک کیا ہو گا' پھر وہ شیو بنانے لگے ہوں گے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے شیو کے سامان کو سنک کے سلیب پہ پھیلایا۔ ریزر اورنگ زیب کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔ اس نے وہ اٹھا کر ان کے ٹھنڈے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ

ان کا چہرہ دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔

"اور شیو کے دوران انہوں نے نہیں دیکھا کہ یہ ٹونٹی لیک ہو رہی ہے۔" کہتے ہوئے سنک کے نیچے جھکی، وہ نیچے سے کھلا تھا۔ اس نے پائپ میں ریزر سے ہلکا سا کٹ لگایا۔ پانی دھار کی صورت ٹپکنے لگا۔ وہ اس طرف جا رہا تھا جہاں اورنگ زیب کا وجود گرا پڑا تھا۔

"اور پھر اس پانی سے وہ پھسل گئے، سر پہ چوٹ لگی اور۔۔۔" بڑبڑاہٹ روکی، ان کی لاش کے ایک طرف سے احتیاط سے پھلانگ کر وہ باتھ روم کے دوسرے دروازے تک آئی جو برآمدے میں کھلتا تھا۔

اس نے سوچا کہ ایک آخری نظر مڑ کر اورنگ زیب کو دیکھے۔ مگر۔۔۔ وہ پلٹے بنا دروازہ کھول کر باہر آئی اور اسے احتیاط سے اپنے پیچھے بند کیا۔

باہر سرد ہوا ہر سو چل رہی تھی۔ ریشمی گاؤن کو خود پہ لپیٹتے، اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس طرف سی سی ٹی وی کیمرے نہیں تھے۔ آس پاس کوئی ملازم بھی موجود نہیں تھا۔ وہاں اندھیرا اور سردی تھی۔ نیچے فارس کی انیکسی بھی اندھیرے میں ڈوبی دکھائی دیتی تھی۔

جواہرات سے چند قدم کے فاصلے پہ کمرے کا دروازہ تھا۔ جس کی چٹخنی اس نے اندر سے گرا رکھی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے، سر جھکائے، وہ دروازے کی طرف جا رہی تھی، جب۔۔۔

"مسز کاردار۔۔۔" آواز پہ وہ کرنٹ کھا کر اچھلی، ادھر ادھر دیکھا۔ پھر۔۔۔ گردن اٹھائی۔ اوپر ہاشم کی بالکونی میں پودوں کو پانی دیتی میری جھکی کھڑی تھی۔

"آپ اتنی ٹھنڈ میں باہر ہیں۔ کیا میں آپ کو شال لادوں؟"

وہ فکرمندی سے کہتی پانی کی بکٹ رکھنے لگی۔

جواہرات نے سفید پڑتے چہرے پہ بمشکل مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔۔۔ میں اندر جا رہی ہوں۔ یہ پودے دیکھنے آئی تھی۔" برآمدے میں قطار میں رکھے پودوں کی طرف اشارہ کیا۔ خوامخواہ کی وضاحت۔

"میں نے ان کو وقت پہ پانی دے دیا تھا۔"

"او کے۔۔۔ تم ایسا کرو اورنگ زیب کے لیے کافی بنا دو۔ وہ ابھی شاور لیں گے، سو پندرہ بیس منٹ تک لے آنا۔" اور پھر بدقت مسکرائی۔ سانس ابھی تک اٹکا تھا۔ میری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اورنگ زیب صرف اس کے ہاتھ کی کافی پیتے تھے۔ جواہرات کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی اور پھر پشت دیوار سے لگا کر آنکھیں بند کیے گہرے سانس لینے لگی۔

میری نے کچھ نہیں دیکھا، میری نے کچھ نہیں دیکھا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آئی۔ اسٹول پہ بیٹھی۔ اسفنج اٹھایا۔ چہرے پہ پاؤڈر کیا۔ آنکھوں میں مسکارا اور ہونٹوں پہ ہلکی سی لپ اسٹک۔۔۔ مسکرانے کی کوشش کی۔ کیا وہ بہتر لگ رہی تھی یا اس کی آنکھیں ابھی تک کھوکھلی دکھ رہی تھیں؟

گاؤن کی ڈوری کسی اور موبائل اٹھائے وہ باہر نکلی۔ ہاشم اور سونیا بدستور اسی طرح بیٹھے تھے، ٹی وی چل رہا تھا۔

"ہاشم! میرا ای میل نہیں کام کر رہا۔ کیا تم اسے فکس کر دو گے۔" فکرمندی سے کہتے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ وہ جو ابھی ماں کے چہرے کو دیکھ بھی نہ پایا تھا۔ نگاہیں موبائل پہ جھکا دیں اور اسے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"کیا مسئلہ ہے۔" اسکرین پہ انگلی چلاتا دیکھنے لگا۔

جواہرات اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی، انگلیاں باہم ملائیں گویا ان کی لرزش روکنے کی سعی کی۔

"میلز سینڈ نہیں ہو رہیں۔ اپنے اکاؤنٹ کی طرف کچھ بھیج کر دیکھو۔"

"او کے۔۔۔" وہ ٹائپ کرنے لگا۔ "یہ ہاشم ہے مام کے فون سے۔" لکھا اور اپنے ای میل پہ بھیجا۔

"چلی گئی۔۔۔ شاید کوئی وقتی ایرر ہو۔" مسکرا کر کہتے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ جواہرات نے بدقت مسکراتے اسے تھاما۔ وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

"تمہاری اپنے ڈیڈ سے کوئی بات ہوئی؟"

"شیرو کے بارے میں؟ نہیں، میں ان کے غصے کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرنا چاہتا ہوں؟"

"علشبا کے بارے میں..." وہ ذرا توقف کے بعد اٹک اٹک کر کہنے لگی۔ نگاہیں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں۔ "تم اس کی فیس دینے لگے ہو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اپنے ڈیڈ سے ایک دفعہ کھل کر بات کرلو۔ کیا پتا وہ خود بھی دل سے یہ ہی چاہتے ہوں اور اسی بہانے شیرو کو معاف کردیں۔" بولتے ہوئے اسے لگا اس کی گردن پہ پسینہ آرہا ہے اور شاید ہتھیلیوں کے اندر بھی۔ دل بھی دھک دھک کررہا تھا۔

ہاشم آنکھیں ٹی وی پہ جمائے چند لمحے خاموش رہا۔

"اب نہیں دے رہا فیس، ضرورت نہیں رہی۔"

وہ چونکی۔ "کیوں؟"

"اس نے پیسے کے لیے جرم کیا، اب جیل میں ہے اور یونی ورسٹی جانے کی ضرورت نہیں رہی۔"

جواہرات دم سادھے اسے دیکھے گئی۔ اسے یوں لگا آنسو آنکھوں سے ابلنے کو بے تاب تھے، مگر اس نے انہیں نگل لیا۔

"آئی... آئی ایم سوری!" ہاشم نے بس سر کو خم دیا اور اسکرین کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ دونوں کچھ نہیں بولے، حتیٰ کہ میری کافی کی ٹرے اٹھائے آئی۔

"سوری! مجھے دیر ہوگئی، میرے بیٹے کا فون آگیا تھا۔" وہ عادتاً وضاحت دیتی کمرے کی جانب بڑھی۔

"کاردار صاحب سے کہنا، باہر آجائیں، ہاشم نے ان سے کچھ بات کرنی ہے۔" جواہرات نے پکارا۔ وہ سر ہلا کر اندر چلی گئی۔ چند ہی لمحوں بعد باہر نکل آئی۔

"سر باتھ روم میں ہیں، میں نے کافی ٹیبل پہ رکھ دی ہے۔"

جواہرات نے (ہاتھوں کی نمی مٹھی میں چھپاتے) تعجب سے اسے دیکھا۔

"ابھی تک نکلے نہیں؟ شاید شیو بنانے لگے ہوں۔ اوکے۔ تم جاؤ۔" اور جیسے سر جھٹک کر خود ہی مطمئن ہوگئی۔

"میں ان سے ابھی اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا۔" کافی دیر بعد وہ بولا۔ دیکھ ہنوز ٹی وی کو رہا تھا۔

"مگر تمہیں کرنی چاہیے۔" وہ نرمی سے بولی۔ تو ہاشم چپ رہا۔ چند منٹ یوں ہی بیٹھا سوچتا رہا، پھر اٹھا۔

"اوکے..." پھر اورنگ زیب کے کمرے کی جانب بڑھا۔ جواہرات کا میک اپ سے ڈھکا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ زور سے صوفے کی گدی مٹھی میں بھینچی۔ سانس روکے ہاشم کو اندر جاتے دیکھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ کمرہ خالی تھا۔ کافی میز پہ دھری تھی۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ باتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ ہاشم واپس پلٹ آیا۔ چوکھٹ میں ایک دم وہ ٹھہرا۔ جواہرات اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ڈیڈ کتنی دیر سے اندر ہیں؟"

"کیا ابھی تک نہیں نکلے؟" وہ بے اختیار کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ در آتی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

"وہ اتنی دیر کبھی بھی نہیں لگاتے۔" ہاشم ایک دم مڑا اور باتھ روم کے دروازے تک آیا۔ اسے کھٹکھٹایا۔ پہلے ہلکا۔ "ڈیڈ؟" پھر زور سے "ڈیڈ؟ ڈیڈی؟ آپ ٹھیک ہیں؟"

جواہرات تیزی سے اس تک آئی۔ "اورنگ زیب؟" کانپتی آواز میں پکارا۔ ہاشم اب پریشانی سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔

"اس دروازے کی چابی کدھر ہے۔"

"نہیں... وہ چٹخنی چڑھاتے ہیں عموماً۔"

وہ اب زور سے دروازے پہ ہاتھ مارنے لگا۔ ساتھ ان کو پکار بھی رہا تھا۔ شور سن کر میری بھاگی چلی آئی۔

"ڈیڈ دروازہ نہیں کھول رہے میری، تم برآمدے والا دروازہ چیک کرو، وہ کھلا ہے کیا؟" وہ زور سے دروازے کو بوٹ سے ٹھوکر مارتے بولا۔ میری ہکا بکا آگے بڑھی کہ...

"میں وہ دروازہ دیکھتی ہوں، تم شیرو کو بلاؤ، جاؤ میری!" جواہرات کو قدرے چلا کر کہنا پڑا۔ میری کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے، مگر چونکہ جواہرات خود برآمدے کی طرف جانے لگی تھی تو وہ فوراً لاؤنج میں

بھاگی۔ جواہرات چند ہی لمحے بعد واپس آگئی۔

"وہ دروازہ بھی بند ہے۔" اس نے جھوٹ بولا۔ ہاشم نے سنا بھی نہیں، وہ دیوانہ وار باپ کو پکارتے دروازے پہ بوٹ مار رہا تھا۔

"ڈیڈ! آپ اندر ہیں؟ ڈیڈ؟" اور تب ہی شیرو بھاگتا ہوا اندر آیا۔ میری بھی اس کے پیچھے تھی۔

"تمہارے ڈیڈ..." جواہرات نے اسے صورت حال سمجھانی چاہی، مگر آنسوؤں نے گلا بند کر دیا۔ اسے سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"ڈیڈی؟ ڈیڈی؟" وہ ہاشم کے ساتھ اسی دیوانہ وار انداز میں اونچا اونچا پکارتا دروازے کو دھکا دینے لگا۔

"خاور کہاں ہے؟" جواہرات کے پوچھنے پہ میری بتانے لگی۔

"وہ تو گھر جاچکا ہے' اسے کال کروں؟"

"ضرورت نہیں ہے۔"

(اور جو آخری شخص وہ ادھر چاہتی تھی وہ خاور تھا۔)

"ڈیڈ... ڈیڈ..." پکارتے ہوئے ہاشم نے پوری قوت سے دروازے کو ٹھوکر ماری تو چٹخنی ٹوٹی' وہ اڑتا ہوا دوسری جانب جا لگا' اور اندر کو لڑھکتا ہاشم گرتے گرتے بچا اور پھر اسے لگا اس کے جسم سے جان نکل گئی ہے۔

فرش پہ خون تھا اور چت گرے' کھلی آنکھوں والے اورنگ زیب کاردار' ان کی آنکھیں بالکل ساکت تھیں' چہرہ بے رنگ۔

نوشیرواں بچوں کی طرح چیختا ان کو پکار رہا تھا اور ہاشم... وہ بے دم سا گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ میری نے چیخ روکنے کو دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لیے۔ پھر نگاہیں اٹھیں۔ برآمدے کی طرف کے دروازے کی چٹخنی کھلی تھی۔

"میری... اسپتال... ڈاکٹر... کسی کو کال کرو۔" آنسو ابل ابل کر جواہرات کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ میری کا لمحے بھر کو کنڈی پہ الجھا ذہن وہاں سے ہٹا اور وہ فوراً" باہر بھاگی۔ جواہرات نے سفید' بھیگے چہرے کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ شیرواں کا چہرہ تپتپا رہا تھا۔ شاید رو بھی رہا تھا۔ ان کو بار بار پکار رہا تھا اور ہاشم بالکل ساکت سا ان کے قریب بیٹھا تھا۔ ان کے بے جان' لڑھکے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ جواہرات قدم قدم چلتی اورنگ زیب کے سر کے قریب آکھڑی ہوئی۔

اس کے دونوں بیٹے' باپ پہ جھکے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ قدم قدم پیچھے ہٹی' جیسے شاک اور بے یقینی سے ہٹ رہی ہو' یہاں تک کہ اس کی پشت پہ برآمدے کا دروازہ آگیا۔ اس نے نامحسوس انداز میں ہاتھ پیچھے کیا۔ چٹخنی لگائی۔ (جس کی آواز شیرو کے زور زور سے باپ کو پکارنے کے شور میں دب گئی۔) اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی اورنگ زیب کے سر کے قریب آگئی۔

"کوئی آ کیوں نہیں رہا؟ ممی کسی کو بلائیں۔ ڈیڈی کو اسپتال لے کر جانا ہے۔" شیرو آستین سے آنکھیں رگڑتا کہہ رہا تھا۔ "یہ کیا ہوا ہے ڈیڈی کو؟"

"ہی از ڈیڈ' شیرو۔" ہاشم نے بے جان سا کہتے ہوئے باپ کے ہاتھ کو تھاما۔ جیسے ہی ان کی جلد کو مس کیا' ہر سو کرب سا پھیل گیا۔ "ہم باہر بیٹھے رہے' اتنے قریب اور وہ اکیلے تھے۔ وہ پھسل گئے۔" اس نے اردگرد گرے پانی کو دیکھا۔ "اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا۔" وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے کہتا اٹھا اور سہارا دے کر باپ کو اٹھانے لگا۔ نوشیرواں نے دوسرے کندھے سے انہیں تھاما اور لوگ اسی دن کے لیے تو بیٹے مانگتے ہیں۔

میری واپس آگئی تھی۔ ہاشم اور شیرو' اورنگ زیب کو باہر لا رہے تھے۔

میری کی نگاہیں سب سے پہلے برآمدے کے دروازے تک گئیں۔ چٹخنی بند تھی۔ مگر اس نے ابھی تو دیکھا تھا کہ... لیکن سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔ کیونکہ جواہرات جو بالا آخر ہر بوجھ سے آزاد ہو کر' ساری کارروائی کامیابی سے اپنے رنگ میں دکھا کر' نڈھال سی ہوگئی تھی اور شاید اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور گرنے کو تھی کہ میری نے "مسز کاردار" چلاتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کو تھاما۔ ہر شے سے بے نیاز'

اس کا ذہن بھیانک تاریکی میں ڈوب رہا تھا اور آنکھوں سے پانی برابر گر رہا تھا۔

"اورنگ زیب۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔"

☼ ☼ ☼
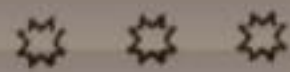
بے کراں تنہائیوں کا سلسلہ رہ جائے گا
تیرے میرے درمیاں بس اک خلا رہ جائے گا

نیند کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، جس قسم میں اس وقت جواہرات ڈوبی تھی وہ بہت تکلیف دہ تھی اور اس سے جاگنا اس سے بھی زیادہ کرب آمیز۔ آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے بیڈ پہ مخملیں لحاف میں لیٹی تھی۔ پلکیں جھپکا جھپکا کر ارد گرد دیکھتے وہ کہنیوں کے بل اٹھی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ پہلے لگا وہ سب خواب تھا، مگر نہیں، حقیقت لمحے بھر میں ہی سامنے ناچنے لگی۔

وہ کمرے میں تنہا تھی، مگر یقیناً" گھر میں بہت لوگ جمع تھے۔ اس نے پیر زمین پہ رکھے۔ سائیڈ ٹیبل پہ دوائیں دھری تھیں۔ اسے سکون آور انجکشن دے کر ڈاکٹر آفتاب ملک نے سلایا تھا۔ ان کی فیملی ڈاکٹر، سرکاری اسپتال میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ۔ جن کو سب سے پہلے بلایا گیا تھا۔ یہ نام ذہن میں آیا تو جھماکا سا ہوا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

خوف اور وحشت نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ڈاکٹر دھوکا کھا جائے گا کیا؟ شاید نہیں۔

بمشکل قدم قدم چلتی وہ دروازے تک آئی۔ ذرا سا کھولا تو باہر ہاشم اور خاور کھڑے نظر آئے۔ وہ آپس میں بات کر رہے تھے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی اور میت کے گھر آنے والوں کا انتظام کھلے سبزہ زار میں تھا۔ جواہرات نے دروازے کے پیچھے کان لگا کر سنا، خاور کہہ رہا تھا۔

"موت سے پہلے وہ فیروز حیات کی پارٹی سے آئے تھے۔ مجھے ڈر ہے انہوں نے سر کو کچھ ڈر گز نہ پلا دی ہوں۔ ہمیں پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے، تاکہ اگر وہ کسی اور وجہ سے پھسلے ہوں تو وہ سامنے آجائے۔"

"میں اپنے باپ کی لاش کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا۔" وہ سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تھا، آنکھوں میں سختی تھی، مگر چہرہ زرد ویران سا تھا۔

"سر۔۔۔ وہ اتنے کمزور نہیں تھے کہ گریں تو اٹھ نہ سکیں۔ ڈاکٹر آفتاب خود اصرار کر رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہتے ہیں تو آپ کو کروانا چاہیے۔"

ہاشم نے اب کی بار انکار نہیں کیا۔ اس کی خاموشی نیم رضامندی تھی۔ جواہرات نے گہری سانس لی اور دروازہ پورا کھولا، باہر نکلی، دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ہاشم فکرمندی سے آگے بڑھا۔

"ممی! آپ ٹھیک ہیں؟" نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ خاور نے افسوس سے تعزیت کی۔

"اورنگ زیب کہاں ہے؟ منع مت کرنا، میں ہوش نہیں کھوؤں گی، کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا چاہتی ہوں۔" اس نے بھی اتنی ہی نرمی سے کہا کہ وہ اسے کندھوں سے تھامے راہ داری میں آگے لے آیا۔

یہاں ایک بیڈ روم میں ڈاکٹر آفتاب میت کے ہمراہ کھڑے تھے۔ وہ اندر آئی اور ملازموں کو باہر نکل جانے کو کہا۔ ہاشم اور میری سمیت سب نکلے اور دروازہ بند کر دیا تو اورنگ زیب کے سرہانے کھڑی جواہرات ڈاکٹر آفتاب کی جانب گھومی۔ وہ دونوں اب اکیلے تھے۔

"تو آپ کہہ رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے؟" وہ تیکھی نظروں سے انہیں گھورتی، ایک دم پھنکاری تھی کہ وہ جو تعزیت کرنے لگے تھے، تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

"جی۔۔۔ کیونکہ جو زخم ان کے۔۔۔"

"طوبیٰ یاد ہے، کون تھی؟"

ڈاکٹر آفتاب کو گویا لقوہ ہو گیا، ہکا بکا سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے، چبھتی نظروں سے دیکھتی ان کے قریب آئی، بالکل مقابل یہاں تک کہ واضح محسوس ہونے لگا کہ وہ ان سے دراز قد تھی۔

"طوبیٰ! آپ کی بیوی کے پہلے شوہر سے ہوئی بیٹی تھی۔ یاد ہے آپ نے کیسے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اور میں نے اسے کور اپ کرنے (چھپانے) میں آپ کی کیسے مدد کی تھی؟ آپ کی بہت ساری گفتگو

ریکارڈڈ ہے میرے پاس۔ کیا سنوادوں آپ کے بچوں کو؟"

ڈاکٹر آفتاب نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا' پھر پریشانی سے اس کے قریب آئے۔

"مسز کاردار! وہ میرے اور آپ کے درمیان تھا۔"

"تو پھر جیسے وارث غازی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آپ نے بدلوائی تھی' ویسے ہی یہ رپورٹ بھی میری مرضی کی لکھی جائے گی' سمجھ میں آرہا ہے کہ میں کیا بات کررہی ہوں؟"

ڈاکٹر آفتاب کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

باہر سب لوگ بکھر چکے تھے۔ ہاشم برآمدے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ سبزہ زار میں بیٹھے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑا دور پہاڑوں پہ طلوع ہوتا صبح کا سورج دیکھنے لگا۔

"ہاشم بھائی!" وہ کب اس کے ساتھ آکھڑا ہوا' اسے علم نہیں ہوا۔ سعدی کے پکارنے پہ چونکا۔ وہ ۔ خبر ملنے پہ آفس کے راستے سے ہی ادھر آگیا تھا۔

"بہت افسوس ہوا مجھے' کیسے ہوا یہ سب؟" وہ تاسف سے پوچھ رہا تھا اور پژمردہ کھڑا ہاشم آہستہ آہستہ بتانے لگا۔

✲ ✲ ✲
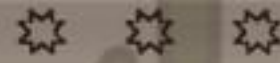
جانے کس کے لیے وا ہے ترا آغوش کرم
ہم تو جب ملتے ہیں' ایک زخم نیا لیتے ہیں

جیل کی اونچی چار دیواری کے اندر اس کھلے احاطے میں وہ دونوں کنارے کنارے چل رہے تھے۔ احمر مدھم آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور فارس آنکھیں سکیڑے گردن موڑ کر ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے سوچا ہے' یہاں سے نکل کر کیا کریں گے' غازی بھائی؟"

"تم وہی کروگے جو پہلے کرکے ادھر آئے ہو۔ فراڈ اور جعل سازی۔" اس نے اسی خشک انداز میں کہہ کر سر جھٹکا۔ احمر نے نہایت صدمے سے اسے دیکھا۔

"میں نے صرف ایک..." انگشت شہادت اٹھا کر دکھائی۔ "صرف ایک دفعہ یہ حرکت کی تھی اور دوبارہ کبھی نہیں کروں گا۔"

"تم بالکل کروگے۔ انسان نہیں بدلا کرتے' جو ایک دفعہ کرتا ہے وہ دوبارہ ضرور کرتا ہے۔" ساتھ ہی جوتے سے کنکر کو ٹھوکر ماری۔

"اشفاق احمد نے کہا ہے' جو اچھا انسان صرف ایک دفعہ گناہ کرے اور پھر توبہ کرلے تو وہ دوبارہ کبھی ایسا نہیں کرتا۔"

"یہ اشفاق احمد نے نہیں کہا' تم نے ابھی ابھی گھڑا ہے۔" اس صاف گوئی پہ احمر نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"اتنے خشک کیوں ہورہے ہیں؟ کاردار صاحب کی موت کا مجھے بھی بہت افسوس ہے۔ مگر..."

"کیا تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتے۔" وہ جھلا گیا۔ احمر نے ہونہہ کرکے منہ پھیر لیا' پھر لبوں میں کچھ بڑبڑایا۔ پھر ذرا کی ذرا اس کا چہرہ تکا کہ بڑبڑاہٹ کا کیا ردعمل آیا ہے' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

"آپ کو ان پہ ابھی تک غصہ ہے؟"

"اونہوں... صرف افسوس ہے۔ غصے والی اٹیچ منٹ نہیں رہی ان سے کبھی۔"

"اور شاید اس بات کا بھی دکھ ہے کہ وہ آپ کی بے گناہی جانے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔"

"پتا نہیں۔" وہ اسی طرح بے زار سا قدم اٹھاتا رہا۔ دونوں تب رکے جب راہ میں ایک سپاہی آن کھڑا ہوا۔

"تمہاری ملاقات ہے۔" فارس کو اشارہ کیا۔

"کون؟" وہ چونکا۔

"پراسیکیوٹر صاحبہ۔" ان دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ احمر کے لب "اوہ..." میں سکڑے۔

"ایک ہفتے میں دوسری ملاقات؟ یہ چڑیل کو اتنا رحم کب سے آنے لگا؟"

مگر وہ سنے بغیر بے تاثر اور سخت تاثرات کے ساتھ چلتا' سپاہی کے پیچھے ہولیا۔ جب اس کے سامنے آکر

کرسی پہ بیٹھا تو ابرو تنے تھے، مگر آنکھوں کی سختی میں کمی تھی۔ وہ سفید لمبی قمیص کے اوپر سیاہ منی کوٹ میں ملبوس تھی، سفید دوپٹا شانوں پہ تھا اور بال کیچو میں ہاف بندھے تھے۔ نگاہیں میز پہ رکھے اپنے باہم ملے ہاتھوں پہ تھیں، لونگ کی دمک برسوں بعد بھی ویسی ہی تھی۔ وہ بیٹھ چکا تو زمر نظریں اٹھا کر اس کے چہرے تک لے گئی۔ وہ سپاٹ، مگر چبھتی ہوئی نگاہیں تھیں۔

"ایک ہفتے میں دوسری دفعہ؟ اتنا رحم کب سے آنے لگا آپ کو؟" احمر کے الفاظ (سینسر کر کے) دہرائے۔ آنکھیں اس کی بھوری آنکھوں پہ جمی تھیں۔

"پہلے سننے آئی تھی، اب بولنے آئی ہوں۔ دھیان سے سننا، کیونکہ جب میں بولوں گی تو آواز باہر تک جائے گی۔" الفاظ اس کے لبوں سے ادا ہوئے اور ماحول کا تناؤ بڑھ گیا۔ فارس کی آنکھوں کی نرمی مدھم ہوتی گئی۔

"کہیے۔"

"تم نے کہا، میں تصویر کا دوسرا رخ نہیں دیکھتی۔ یہ بھی کہا کہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ کبھی میں تمہاری ٹیچر تھی۔ تم غلط تھے۔

جب وہ تمہارا سائیڈ کک میرے پاس آیا، تب میں صرف مشکوک ہوئی تھی، مگر فارس! میں تصویر کا دوسرا رخ ضرور دیکھتی ہوں، سو جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک وفادار انسان ہے، تو یہ بھی پتا چل گیا کہ اپنے سیل میٹ سے دغا کیوں کرے گا؟ تم لوگ جیل میں کوئی Riots پلان نہیں کر رہے۔ تم جیل توڑنے جا رہے ہو۔" اس کی سلگتی نگاہیں فارس کی آنکھوں کے اندر اتر رہی تھیں۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے خاموش رہا۔

"ڈونٹ وری.... میں اس ممکنہ جرم کو رپورٹ نہیں کروں گی۔ میرے لیے زیادہ اچھا ہے کہ تم جیل توڑو اور پھر سے وہی جرم کرو جس کے لیے اندر گئے تھے۔ پتا ہے، تم کیا کرو گے؟" آگے جھکی، میز پہ زور سے ہاتھ مارا، دہکتی آنکھوں سے اسے تنفر سے دیکھا۔

"دوبارہ شادی کرو گے اور اس بیوی کو بھی مار دو گے، تم سب وائف کلرز کی سائیکی ایک ہی ہوتی ہے۔ اس لیے توڑو جیل، تاکہ سب جان لیں کہ تم گناہ گار تھے، اسی لیے بھاگے۔"

وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ کرسی پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا، منہ میں کچھ چباتے ہوئے شاید کوئی کاغذ کا ٹکڑا تھا۔

"مگر تمہیں یہ پلان کسی اور کے ساتھ مل کر بنانا ہو گا، کیونکہ احمر شفیع کے خلاف چارجز پراسیکوشن ڈراپ کر رہا ہے۔ ثبوت کی عدم موجودگی کی وجہ سے۔ سو وہ جلد رہا ہو جائے گا۔" فارس نے کوئی رد عمل نہیں دیا۔ بس اسے دیکھتا رہا۔

"معلوم ہے کیا، اتنے سال بعد، پہلی دفعہ میں نے چند دن کے لیے فرض کر لیا تھا کہ تم بے گناہ ہو، میں تمہارا کیس خود لینے لگی تھی، میں تمہیں Presumed Innocent خیال کر کے تمہاری طرف کی کہانی کے حق میں ثبوت ڈھونڈنے جا رہی تھی، مگر......"

اور پھر اس کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ نفرت سے اسے دیکھتے نفی میں گردن ہلائی۔

"مگر تم نے پھر مجھے استعمال کیا۔ فارس! تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ میں تمہاری ٹیچر تھی۔ سعدی کی پھپھو تھی یا کوئی بے کار چیز جس کو تم ہمیشہ استعمال کرتے جاؤ؟ میرا یہ حال کر دیا تم نے، کیا یہ کافی نہیں تھا جو تمہیں رہائی بھی میرے کندھے پہ پیر رکھ کر چاہیے تھی؟" آگے ہو کر ایک ایک لفظ غصے سے بولتے ہوئے زمر کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں اب نمی بھی اترنے لگی تھی۔

"اس حرکت کے لیے کسی بھی پراسیکیوٹر یا پولیس آفیسر کو استعمال کر سکتے تھے، تم کیا مجھے استعمال کرتے ہوئے اس لڑکے کو میرے لیے پیغام دیتے تمہیں ایک لمحے کو بھی احساس نہیں ہوا کہ تم بار بار ایک عورت کو استعمال کر رہے ہو؟ تم مجھ سے چاہتے کیا تھے؟"

غصے سے بولتے بھی ایک آنسو آنکھ سے لڑھک کر گال پہ جا گرا۔ اسے خود بھی نہیں احساس ہوا کہ کوئی

آنسو گرا ہے۔

وہ تب بھی چپ رہا۔

"اور معلوم ہے میں اتنی دیر سے تمہارے سامنے کیوں بیٹھی ہوں؟ تمہارے منہ سے صرف معذرت سننے کے لیے۔ یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس! مجھے دوبارہ استعمال کرنے کے لیے' میری زندگی برباد کرنے کے لیے میری صحت تباہ کرنے کے لیے کیا تم ایک دفعہ بھی معافی نہیں مانگ سکتے؟"

میز پہ زور سے ہاتھ مار کر وہ آگے کو ہوئی' آنکھیں سرخ دہک رہی تھیں۔

"یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس... آئی ایم سوری زمر" بس تین الفاظ تھے' تم ایک دفعہ مجھ سے معافی مانگ کر دیکھتے' تم ایک دفعہ یہ سارے جھوٹ بولنے کے بجائے پشیمان ہو کر دیکھتے' میں تمہارے ساتھ کھڑی ہو جاتی مگر جو تم نے اب کیا ہے نا اس سے تم میرے دل میں موجود اپنا آخری نرم گوشہ بھی کھو چکے ہو۔ تم نے ابھی ابھی اس شخص کو گنوا دیا ہے جسے اگر تمہاری بے گناہی کا یقین ہو جاتا تو وہ تمہاری سب سے بڑی طرف دار بن سکتی تھی' مگر اب..."

پیچھے ہوتے ہوئے تنفر سے اسے دیکھتے' نفی میں گردن ہلائی۔

"اب نہیں' اب مجھے تمہارے کیس میں نہ گواہ بننا ہے نہ کچھ اور میں نے اپنی گواہی بھی واپس لے لی ہے' اس لیے نہیں کہ تم سے ہمدردی ہے' صرف اس لیے کہ میں تمہارے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں رکھنا چاہتی۔ کیونکہ میرا تم سے کوئی ذاتی جھگڑا تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا تو تم دیکھتے میں کیسے تمہیں انجام دیتی ہوں' لیکن نہیں..."

سر جھٹک کر میز پہ سیدھا ہاتھ مارا' وہ چپ چاپ بند ہونٹوں سے کاغذ چباتے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تو ایک استعمال کی شے تھی جس کے ذریعے جب چاہو تم اپنا مطلب نکالو اور تمہیں ابھی بھی کوئی شرمندگی نہیں؟"

تعجب بھرے صدمے سے اسے دیکھتی وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"فارس! تم نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں کبھی اپنا گھر بسا سکوں' کبھی ماں تک نہیں بن سکتی میں۔" (اس کا چباتا جبڑا رکا' آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا جسے اگلے ہی پل وہ چھپا گیا۔)

"میرے کبھی بچے نہیں ہوں گے' میرا غم لیے میرا باپ وقت سے پہلے مر جائے گا' مگر تم... کیا تم اب بھی معذرت کے تین لفظ نہیں کہہ سکتے؟ "آئی ایم سوری زمر" یہ تین لفظ بولنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ اس سے کچھ بھی نہیں بدلے گا' میں اب بھی تمہارے ساتھ کھڑے ہونے کا نہیں سوچوں گی' لیکن شاید... تمہارے لیے... یہ تمہارے اپنے لیے ہو شاید..."

تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ سو خاموش ہو گئی۔ وہ کہہ چکی تھی جو وہ کہنے آئی تھی اور آواز باہر تک گئی تھی یا نہیں' میز کے پار بیٹھے فارس کے اندر تک ضرور گئی تھی۔

وہ آگے کو ہوا' ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر جب بولا تو ایک ایک لفظ ٹھہرا ہوا' مگر مضبوط تھا۔

"مجھے افسوس ہے جو آپ کے ساتھ ہوا۔ مجھے دکھ ہے کہ آپ کے والد آپ کا غم لے کر وقت سے پہلے مر جائیں گے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کی زندگی تباہ ہوئی' بہت صدمہ ہے کہ آپ کبھی اپنی فیملی نہیں بنا پائیں گی' بہت زیادہ ہمدردی ہے کہ آپ کی صحت وقت کے ساتھ بگڑتی چلی جائے گی... مگر..." ذرا سا رکا' بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ "مگر میں فارس غازی ہوں اور فارس غازی کی اپنی نظر میں اس کی بہت عزت ہے' سو میڈم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹنگ اٹارنی صاحبہ! میں... معافی... نہیں مانگوں گا۔" چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

"آپ نے جو کرنا ہے کرلیں' مگر میں معافی نہیں مانگوں گا۔" کھڑا ہو گیا تھا۔ جھٹکے سے کرتے کا گریبان ٹھیک کیا' آستین پیچھے فولڈ کی۔ "ملاقات ختم!" وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھتی اٹھی۔ پرس اٹھایا اور باہر نکل

گئی۔

"اسے بتایا کیوں نہیں کہ آپ نے بصیرت صاحب کو یہ سب کہنے کا کہا تھا' اسے نہیں۔ یہ میری غلطی تھی۔" جب وہ واپس آیا سیل میں دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا تو سلاخوں کے قریب کھڑے احمر نے پوچھا۔ اسے اپنی رہائی کا سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔ پلان غارت جانے کا افسوس زیادہ تھا۔ اپنی رہائی والی بات تو مذاق لگی تھی۔

"اور وہ یقین کر لیتی؟"

"کرے یا نہ کرے' بتانا تو چاہیے تھا۔"

"میں ساری زندگی اس کو اپنی صفائی نہیں دے سکتا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ جیسی ہے اسے رہنے دو۔ اس نے بھی بہت کچھ کھویا ہے۔"

"کم از کم جیل میں تو نہیں ہے وہ۔" وہ جل کر بولا۔

"قید کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ اس کی قید اور طرح کی ہے۔ اگر اس قید میں اس کا واحد روزن کسی کو الزام دینا اور دیے جلے جانا ہے تو مجھے۔ وہ اس سے نہیں چھیننا چاہیے۔ کم از کم اس کے پاس کوئی ہے تو سہی جس کو وہ الزام دے سکے۔ میرے پاس وہ بھی نہیں اور جب کوئی ایسا نہ ہو تو انسان خود کو الزام دینے لگتا ہے' سو وہ جیسی ہے' اسے رہنے دو۔" وہ مدھم آواز میں سر جھکائے کہہ رہا تھا' مگر احمر نفی میں سر ہلا تا بحث کرنے لگا' لیکن اسے سن کون رہا تھا؟

موت سے گزر کر یہ کیسی زندگی پائی
شاخ شاخ ہوتا ہے دار کا گماں یارو

جواہرات کاردار کے کمرے میں ہیٹر کی گرمائش تھی۔ دوپہر میں بھی بند پردوں کے باعث اندھیرا لگتا تھا۔ وہ گردن تلے پھولے تکیے رکھے۔ سیاہ ریشمی لحاف میں لیٹی' ویران اور بیمار دکھتی تھی۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے' حلقوں سے مزین روئی روئی آنکھیں' میک اپ کے بغیر پیلا کمزور چہرہ۔ وہ تھی بھی سیاہ لباس میں اور ویران آنکھوں سے دیکھ بھی پردوں کی سیاہی کو رہی تھی۔

سعدی سامنے کرسی پہ گھٹنے ملا کر بیٹھا' فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طبیعت پوچھنے آیا تھا' مگر وہ سوتی جاگتی کیفیت میں' بالکل بے گانہ دکھائی دیتی تھی۔ دواؤں کا اثر شدید تھا۔

"مسز کاردار... اللہ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ وہ آپ کو سنبھال لے گا۔ بھروسا کر کے دیکھیں اس پہ' آپ کا ہر مسئلہ وہ حل کر دے گا۔" وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا جب کھڑکی کو دیکھتی جواہرات کے لب پھڑپھڑائے۔

"کیا تم نے وہ ڈاکومنٹری شو دیکھا ہے' میں غارت گر" IPredator "؟"

"نہیں... میں دراصل..."

"اس دن اس کی ایک قسط لگی۔ وہ مادہ (غارت گردوں) کے بارے میں تھی۔ غارت گروں کی ملکہ' مادہ چیتا۔ مجھے اس نے بہت رلایا معلوم ہے کیوں؟"

"آپ بتائیں کیوں۔" وہ نرمی سے آگے ہو کر سننے لگا۔ وہ گردن موڑے کھڑکی کو دیکھتی بولتی جا رہی تھی۔ گویا اونچا سوچنے کی کیفیت میں ہو۔

"غارت گر جانتے ہو' کیا ہوتے ہیں؟ Predators وہ جانور جو اپنے سے کمزور کا شکار کرتے ہیں۔ تم لوگ سمجھتے ہو' وہ بھوک مٹانے یا عادت دہرانے کو ایسا کرتے ہیں' مگر نہیں' مادہ چیتا ایسی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نر چیتا بے وفا جانور ہے' اپنی مادہ کو اولاد کا تحفہ دے کر چھوڑ جاتا ہے۔ مادہ چیتا اپنے بچوں کو تن تنہا پالتی ہے اور اس روز میں نے دیکھا' اس شو میں کہ مادہ غارت گر ہونا کتنا مشکل ہے۔"

پردے پہ جمی اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ آواز رندھنے لگی۔ وہ افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ "وہ اپنے غم کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ اسی لیے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی ہے" اسے یہ ہی لگا۔

"وہ ایک مادہ چیتا تھی اور اس کے دو ننھے بچے تھے۔ جن کے لیے شکار اسی کو ڈھونڈ کر لانا تھا۔ جانتے ہو' ہر چیتے کا توانائی کا ذخیرہ ہوتا ہے' ایک شکار پکڑنے کے لیے وہ جتنا بھاگتا ہے' اس کے نتیجے میں اس کی توانائی آدھی رہ جاتی ہے۔ وہ بھی اپنے بچوں کو کچھار میں چھوڑ کر

شکار پہ نکلتی ہے' گھات لگاتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے۔ وہ تمر اللہ کا نظام ہے۔ ہرن جتنا بھاگ لے' توانائی نہیں کھوتا۔ مگر وہ تیز رفتار مادہ چیتا' ہرن کو دبوچ بھی لیتی ہے۔ اپنی کچھار میں لے بھی آتی ہے' مگر آدھی توانائی کھو چکی ہوتی ہے۔ نڈھال ہے' بچے بھوکے ہیں' مگر اس سے قبل کہ وہ ہرن کے لاشے کو کھا سکے۔ ایک ببر شیر آجاتا ہے۔ ایک بڑا غارت گر۔" اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دو آنسو نکل کر گالوں پہ لڑھکے۔

"شیر غراتا ہے اور وہ مجبور مادہ پیچھے ہٹ جاتی ہے' اگر ایسا نہیں کرے گی تو شیر اس کے دونوں بچوں پہ جھپٹ پڑے گا اور وہ شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے سامنے شیر اس کا شکار کھا جاتا ہے اور وہ اپنے بچے چاٹتی رہ جاتی ہے۔"

ستے چہرے کے ساتھ وہ تلخی سے مسکرائی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے اس کہانی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ صرف مسز کاردار کی حالت غم میں مبتلا کر رہی تھی۔ ہاشم کے ساتھ جو بھی مسئلہ تھا اس کا' اس میں اس کا تو قصور نہ تھا۔ وہ تو شاید جانتی بھی نہ ہو کہ ہاشم نے وارث کو قتل کروایا تھا اور پھر وہ تو اس کی دوست رہی تھی۔ وہ اس کے پاس آکر اکثر بیٹھتا تھا' باتیں کرتا تھا' اس کی حالت سے وہ اور کیا محسوس کرتا۔

"اب اس کی آدھی توانائی ختم ہو چکی ہے۔ اسے کل لازمی شکار کرنا ہے' تاکہ وہ توانائی پوری کرے' ورنہ مرجائے گی اور بچے اس کے بعد بھوک سے ہی مر جائیں گے۔" وہ بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ "سو اگلے روز وہ پھر نکلتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے' اسے جا دبوچتی ہے اور اسے گھسیٹ کر ایک تنہا گوشے میں لے آتی ہے' اپنی ساری توانائی وہ لٹا چکی ہے' اگر یہ ہرن بھی کوئی شیر یا بڑا غارت گر لے گیا تو وہ مرجائے گی اور سب سے تکلیف دہ بات' آج ہرن نہیں بلکہ ہرن کا بچہ شکار کیا ہے' وہ اتنا چھوٹا ہے کہ اسے بچوں کو دے تو اپنے حصے میں چند لقمے ہی آئیں گے اور وہ مرجائے گی۔ توانائی برابر کرنے کے لیے اسے یہ اکیلے کھانا ہوگا' تو وہ اسے بچوں تک نہیں لے کر جاتی' خود کھالیتی ہے۔" پلکیں بند کیں۔ آنسو متواتر گر رہے تھے۔

"بچے ابھی بھی بھوکے ہیں۔ اگلے روز وہ پھر شکار کے لیے دوڑتی ہے۔ توانائی کم ہے' کیوں کہ کل کا ہرن چھوٹا تھا' سو آج وہ ایک بڑا ہرن شکار کرتی ہے۔ بالآخر اب اس کے بچے اور وہ مل کر اسے کھا سکیں گے۔ وہ ہرن کا لاشہ گھسیٹ کر کچھار تک لاتی ہے تو۔۔۔ تو۔۔۔"

اس کی آواز کپکپائی۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"تو اس کے دو ننھے چیتے وہاں نہیں تھے۔ وہ لاشہ وہیں چھوڑ کر آگے پیچھے بھاگتی ہے۔ وہ بچے جنگلی hyenas (لکڑ بھگوں) کے نرغے میں ہوتے ہیں۔ وہ قریب آتی ہے۔ حملہ نہیں کرتی۔ جھپٹتی بھی نہیں ہے۔ صرف غراتی ہے اور hyena (لکڑ بھگا) ڈر جاتی ہے' معلوم ہے کیوں؟ کیونکہ مادہ چیتا کی آنکھوں تلے سیاہ Lines ہوتی ہیں' جو غراتے وقت اسے بہت بارعب اور خوف ناک بناتی ہیں اور پھر یا تنا بھاگ جاتی ہے اور وہ۔ وہ اپنے بچوں کو واپس لے آتی ہے اور تم لوگ۔۔۔ تم لوگ سمجھتے ہو مادہ چیتا بھوک کے لیے طاقت کے زعم میں شکار کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا سعدی۔ کوئی اپنی خوشی سے کسی کا خون نہیں کرتا۔ اپنے بچوں کے لیے اپنی بقا کے لیے وہ ایسا کرتی ہے" اور پھر سر تکیے پر گرائے' اس نے آنکھیں موند لیں۔

آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سعدی افسوس سے لبوں پہ مٹھی رکھے اسے دیکھتا رہا۔

"جاؤ سعدی! مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس نے کروٹ بدلی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ دیر بعد جواہرات نے کروٹ بدلی تو ادھ کھلے دروازے سے باہر کا منظر دکھائی دیا۔ سعدی' میری اینجمو کے ساتھ کھڑا کچھ کہہ رہا تھا۔ ان کی باتیں عام نوعیت کی ہیں' وہ نہیں جانتی تھی' صرف میری کی موجودگی ہی اسے بے چین کر گئی۔ وہ کیا' کیا بول گئی

سعدی کے سامنے اور اگر جو میری نے کچھ بک دیا تو؟ اگر جو سعدی نے دو جمع دو بائیس بنالیے تو؟ وہ اٹھنا چاہتی تھی، مگر خواب آور دوا کا اثر گہرا ہوتا جارہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ ذہن ڈوبتا گیا اور دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔

اس سے یکسر بے خبر سعدی میری سے اس کے مالک کی تعزیت کر رہا تھا۔

کاہش آرزو سہی' حاصل زندگی سہی
حاصل آرزو ہے کیا سوز مدام کے سوا

وہ گھر آیا تو سناٹا سا تھا۔ سیم اسکول گیا تھا اور امی غالباً" نئے نئے ریستورنٹ۔ حنین نے اس کا نام رکھا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ نام علیشا کے کی چین سے متاثر شدہ تھا مگر وہ تھی کہاں؟ اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سامنے چند کاغذات پرزہ پرزہ ہوئے پڑے تھے۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں اس کے ویران وجود سے کاغذوں تک گئیں۔ اسے جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ تیزی سے ان پہ جھپٹا۔ ٹکڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"یہ کس نے کیا ہے؟ یہ تو تمہارا ایڈمیشن فارم تھا' انجینئرنگ یونیورسٹی کے لیے۔۔۔" پہلا خیال سیم کی طرف گیا تھا۔ حنہ ساکت بیٹھی رہی' وہ پریشانی سے سامنے بیڈ پہ بیٹھا۔

"حنہ۔۔۔ تم نے کیا ہے؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ بتاؤ مجھے۔" نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ وہ جو بستر کی چادر کو تک رہی تھی' آنکھیں اٹھائیں۔ بنا عینک کے وہ چھوٹی لگتی تھیں۔

"میں ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ مجھے نہیں پڑھنا۔" آنسوؤں سے آنکھیں بھر گئیں۔

"حنین! بس کرو۔ علیشا نہیں پڑھ سکی تو اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔" اب کے اسے غصہ چڑھا تھا۔

"مجھے نہیں پڑھنا بھائی۔" مگر وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

"وہ علیشا اور ہاشم بھائی کا معاملہ تھا تم نے کچھ غلط

نہیں کیا ہتم خود کو مجرم مت سمجھو حنہ۔"

"میں مجرم ہوں۔ میں گناہگار ہوں۔" آنسو اس کے گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔

"حنہ! علیشا کو وہ ملا جو اس نے بویا تھا' علیشا نے ـــــ"

"کیا علیشا علیشا لگا رکھی ہے آپ نے؟ بھاڑ میں گئی علیشا!" وہ ایک دم اتنے زور سے چلائی کہ سعدی بے اختیار پیچھے ہٹا۔ اس کی آواز درد سے پھٹنے لگی تھی۔ "ہر بات علیشا کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ یہ میں ہوں' حنین!" انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دی۔ "یہ میرے گناہ ہیں!"

کچھ تھا اس کے انداز میں' اس کی آنکھوں میں کہ وہ چونکا۔ پہلی دفعہ اسے لگا کہ وہ علیشا کے لیے اپ سیٹ نہیں ہے۔

"کوئی اور بات ہے پھر؟ کیا ہوا ہے حنہ؟" قدرے متوحش سا ہو کر وہ اس کا چہرہ کھوجنے لگا۔ حنین کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"میں کون ہوں بھائی؟"

"تم حنہ ہو ـــ ہمارے گھر کا سب سے پیارا اور ذہین بچہ۔ تم' تم' کے کلچر کی دیوانی ہو اور ـــ" وہ جلدی جلدی بتانے لگا۔ "اور تم نے بورڈ میں ٹاپ کیا ہے' تم نے ـــ" اس کی آخری بات پہ حنین سر گھٹنوں پہ گرا کر رونے لگی۔

"نہیں کیا میں نے ٹاپ۔ نہیں لی میں نے پہلی پوزیشن!"

"حنین! کیا کہہ رہی ہو؟" وہ پریشانی سے اس کا سر تھپک رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس نے بھیگا چہرہ اٹھایا' گیلی آنکھوں سے بھائی کو دیکھا۔

"میں نے بورڈ ٹاپ نہیں کیا۔ مجھے غارت کر دیا ان کورین ڈراموں اور فلموں نے۔ میں نے تو اس سال پڑھا بھی نہیں ٹھیک سے۔" اس کا سر تھپکتا سعدی کا ہاتھ ٹھہرا۔ حیرت سے اس نے حنہ کو دیکھا۔

"کیا اول فول بولے جا رہی ہو؟"

"میں نے بورڈ میں ٹاپ نہیں کیا۔"

"پاگل ہو گئی ہو؟ پورا شہر جانتا ہے تم نے بورڈ ٹاپ کیا ہے' تم ـــ تمہارا رزلٹ کارڈ' بورڈ کی تقریب' اخبار میں چھپا رزلٹ' وہ سب سچ تھا۔"

"نہیں تھا وہ سچ۔" وہ زور سے چیخی۔ "میں نے چیٹنگ کی تھی۔ سنا آپ نے؟ میں نے پیپرز پہلے سے دیکھ رکھے تھے۔"

اسے گویا بچھو ڈنک مار گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔ نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہوا۔ "کیا بکواس ہے حنہ؟ کوئی چیٹنگ کر کے ٹاپ نہیں کر سکتا ـــ کوئی پیپرز بھی پہلے نہیں دیکھ سکتا۔ تم میرے ساتھ ـــ تم کوئی پرانک (مذاق) کر رہی ہو؟" اسے اب بھی لگ رہا تھا وہ ایک دم ہنسنا شروع کر دے گی' مگر وہ رو رہی تھی۔

"میں نے دیکھے تھے ـــ سب پیپرز دیکھے تھے' مجھے معلوم تھا ایگزام میں کیا آنا ہے۔" مگر وہ اب بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم ہیکنگ میں کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو' کسی بورڈ کا مین فریم ہیک نہیں کر سکتیں۔ تم کہہ کیا رہی ہو؟ پیپرز تو بورڈ کے چیئرمین تک کے پاس نہیں ہوتے' اتنی سخت سیکیورٹی ہوتی ہے۔" وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "پیپر سیٹ کرنے والوں تک کو فائنل پیپر کو علم نہیں ہوتا' بورڈ کا کوئی اہلکار تک پیپرز نہیں دیکھ سکتا سوائے ـــ" اور یہیں پہ وہ اٹکا۔ بے یقینی سے حنین کو دیکھا۔

"سوائے آفیسر کانفیڈینشل پریس (OCP) کے" اس نے بھائی کا فقرہ مکمل کیا۔

"تم مذاق کر رہی ہو۔ ہے نا؟" بالکل دنگ سا کھڑا وہ کپکپاتی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ "او سی پی ایماندار سے ایماندار شخص کو بنایا جاتا ہے۔ معزز' دیانت دار آدمی' کوئی او سی پی ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے پتا ہے تمہاری اس دوست کے ابو او سی پی ہیں' جو اسکول میں تھی تمہارے ساتھ' مگر او سی پی تمہیں پیپرز نہیں دکھا سکتا۔" وہ اب بھی ذہنی طور پہ یہ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ حنین نے دکھ بھری بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں' انسان اپنے خاندان کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے؟" اور آنسو پھر سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ سعدی بے دم سا بیڈ کے پرلے کنارے پہ بیٹھا۔ حنین سے کافی دور۔ اس کی شل سی نظریں اس پہ جمی تھیں' جو اپنے گھٹنوں کو دیکھتی بتا رہی تھی۔

"حمیرا کے ابو اوسی پی ہیں' ان ہی کی وجہ سے حمیرا ہمارے بورڈ سے امتحان نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ اصول ہے۔ حمیرا میرے پاس آئی۔ امتحانوں سے پندرہ دن پہلے' یہ وہ دن تھے جب میں شدید دباؤ میں تھی۔ آپ باہر تھے' اور میں سارا دن رات "کے" ڈرامے دیکھتی اور پھر یہ ڈیپریشن ہوتا کہ پڑھ نہیں رہی' مگر کتابوں میں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ ایف ایس سی کے فرسٹ ایئر میں قسم سے میں نے واقعی محنت کی تھی' اور بورڈ میں دوسرے ہائی ایسٹ مارکس تھے میرے۔ اب مجھے پوزیشن لینی تھی۔ انا تھی یا امی کو خوش کرنا تھا۔ وہ کہتیں اگر تم فیل ہوئیں تو تمہارا کمپیوٹر بند کروا دوں گی۔ یہ مائیں غصے میں ہمیں ہماری پیاری چیز سے دور کرنے کی دھمکی کیوں دیتی ہیں ہمیشہ؟" ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا۔ سر جھکائے وہ بول رہی تھی اور وہ سانس روکے سن رہا تھا۔

"تب ہی حمیرا میرے پاس آئی۔ ساتھ میں اس کے ابو بھی تھے۔ میری کمپیوٹر skills (مہارت) کی شہرت دور دور تک تھی۔ لڑکیاں کام لے کر اکثر آتی ہیں' میں کبھی کرتی ہوں' کبھی نہیں۔ بدلے میں کچھ نہیں لیتی۔ بس تعریف بہت ہوتی ہے۔ حمیرا کو بھی کام تھا۔ اس کی بہن کی محلے کے کسی لڑکے سے دوستی ہو گئی تھی' لڑکے کے پاس اس کی ویڈیو تھی' ابو نے وہاں شادی سے انکار کر کے ایک معزز گھرانے میں رشتہ کروایا۔ مہینے بعد اس کی شادی تھی' مگر وہ لڑکا بلیک میل کرنے لگا۔ عین شادی کے روز ویڈیو کی تصاویر بنا کر فنکشن میں بانٹے گا' یہی کہا تھا اس نے۔ حمیرا میرے پاس آئی' درخواست کی کہ اس لڑکے کا سارا کمپیوٹر ڈیٹا مٹا دوں۔ کچھ کروں۔ تو۔۔۔ میں نے کہا کہ وہ اپنے ابو کو بھیجے' اکیلے۔ اگلی صبح اس کے ابو آئے۔

یہیں ڈرائنگ روم میں۔ امی اسکول میں تھیں' میں نے انہیں ادھر بٹھایا' ان کی بات سنی' وہ شرمندہ اور بے بس نظر آتے تھے' بولے کہ میں کیا کر سکتی ہوں؟ تو میں نے کہا۔"

اس کے آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا دیا۔ اور اس دھند میں سے ایک پرانا منظر ابھرنے لگا۔

ان کا ڈرائنگ روم۔۔۔ صوفے پہ بیٹھے ادھیڑ عمر مگر معزز اور شریف سے فاروق صاحب' اور ان کے سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی حنین۔ عینک لگائے' بال فرنچ چوٹی میں باندھے وہ سنجیدہ اور پرسکون نظر آ رہی تھی۔

"میں اس کا موبائل اور گھر کے تمام کمپیوٹرز وائرس ڈال کر انفیکٹڈ کر دوں گی۔ پھر اس کو پیغام بھیجوں گی کہ جن فلیش اور سی ڈیز میں تم نے وہ سب ڈال کر رکھا ہے' وہ خراب ہو چکی ہیں۔ حیران ہو کر وہ ان کو باری باری چیک کرے گا۔ یوں ہر شے Infected ہو جائے گی۔

چند گھنٹوں میں اس کا تمام ڈیٹا مٹ جائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ میں اس کے کمپیوٹر تک رسائی حاصل کر کے اس میں موجود اس کی بہنوں وغیرہ کی پکچرز لے لوں گی' پھر ان کے ذریعے اس کو بلیک میل کروں گی کہ اگر نازیہ باجی کے بارے میں کسی سے ایک لفظ بھی کہا تو میں اس کی بہنوں کی تصویریں فوٹو شاپ کر کے اسی کے محلے میں بانٹ دوں گی۔ اس کے بعد اس کی مجال نہیں ہو گی کہ وہ نازیہ باجی کو دوبارہ بلیک میل کر سکے۔"

وہ گویا سانس روکے سن رہے تھے۔ بمشکل سر اثبات میں ہلایا۔

"بیٹا! آپ یہ سب کر سکتی ہیں؟ واقعی؟ نارمل لوگ تو۔۔۔"

"میں نارمل نہیں ہوں۔ میں حنین ہوں۔" وہ لحظے بھر کو رکی' ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "مگر آپ نے یہ سوچا ہے کہ اگر میں پکڑی گئی' یہ سائبر کرائم ہے آخر' تو میرا کیا ہو گا؟ بدنام بھی ہوں گی' اور جیل بھی ہو گی۔ زندگی تو برباد ہو جائے گی میری' سو اگر آپ کی بیٹی

کے لیے میں اتنا کچھ کرنے جارہی ہوں تو آپ کو بھی میرے لیے کچھ کرنا ہوگا۔"

"جی بتائیے' میں کیا کر سکتا ہوں؟" وہ آگے کو ہوئے۔

"آپ او سی پی ہیں' آپ کے پاس اگلے مہینے ہونے۔"

"ایک لفظ بھی اس سے آگے مت بولنا۔" وہ لال سرخ ہوتے ایک دم کھڑے ہوگئے۔ "سوچنا بھی مت کہ میں ایسا کچھ کروں گا۔"

"میں بورڈ ٹاپر ہوں' مجھے پیپرز نہ دکھائیں تب بھی دوسری پوزیشن لے لوں گی۔" وہ بھی ساتھ کھڑی ہوئی' ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے بولی۔ "مگر مجھے پہلی لینی ہے' یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔"

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔" انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

"تو پھر کسی اور ایکسپرٹ کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ اس لڑکے کا ڈیٹا مٹا دے' مگر..... میرا ڈیٹا کیسے مٹائے گا کوئی؟ آپ شاید بھول رہے ہیں' وہ ویڈیو میرے پاس بھی ہے۔"

فاروق صاحب بے یقینی سے جھٹکا کھا کر دو قدم پیچھے ہٹے۔

"اور اس وقت بھائی! مجھے لگا میں نے اس شخص کو آدھا مار دیا ہے۔ ان کو قائل کرنا آسان نہیں تھا' مگر وہ مجبور ہوگئے۔ میں نے ان کا کام کر دیا اور انہوں نے میرا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ رزلٹ آنے تک نازیہ کی وڈیو تلف نہیں کروں گی' تاکہ وہ میری مخبری نہ کرواسکیں۔ مجھے پیپرز دے دیے انہوں نے' اور میں نے بورڈ ٹاپ کر لیا۔ مجھے کوئی گلٹ نہیں ہوا۔ رزلٹ والے دن ان کو کال کر کے کہا کہ ویڈیو میں نے تلف کر دی ہے' انہوں نے جواباً" کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔ اتنے مہینے گزر گئے مگر مجھے ایک دفعہ بھی گلٹ محسوس نہیں ہوا۔ جس نے وارث ماموں کو قتل کیا تھا' اسے بھی شاید ایک دفعہ تو دکھ ہوا ہوگا' میں تو اس سے بھی بُری نکلی کہ مجھے تو لگا میں پیپرز دیکھے بنا بھی دوسری پوزیشن لے سکتی تھی' کوئی جرم نہیں کیا میں نے۔ مگر یہ سچ نہیں تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ یہ سچ نہیں تھا۔ میں اچھے نمبر لے لیتی' مر مر کر میرٹ پہ آجاتی مگر میں ٹاپ کبھی نہ کر سکتی کیونکہ مجھے ان کورین ڈراموں نے پڑھائی سے دور کر دیا تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ میں کتنی بُری ہوں۔ تب بھی میں نے سوچا' میں فاروق صاحب سے معافی مانگ لوں گی' اور بس۔ سو علیشا کے خط کے بعد میں نے ان کے گھر فون کیا' تو ان کی بیٹی نے بتایا' جس دن میرا رزلٹ آیا تھا' اس روز میرا فون سننے کے بعد وہ اسٹڈی ٹیبل پہ گئے' اپنا استعفیٰ لکھا' دستخط کیے اور سر وہیں میز پہ رکھ دیا۔ حمیرا ان کو بلانے گئی مگر تب تک وہ مر چکے تھے۔ وہ مر گئے بھائی۔ برسوں اس نازک عہدے کی دو دھاری تلوار پہ ایمان داری سے چلے تھے' ان کو میں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ میں نے اس شخص کی جان لے لی۔ میں کون ہوں بھائی؟ میں کون ہوں؟"

وہ گھٹنوں پہ سر رکھے' روئے جا رہی تھی۔ اور وہ سامنے' بالکل چپ بیٹھا تھا۔ بہت دیر بعد وہ ذرا سنبھلی' سر اٹھایا' ہتھیلی کی پشت سے گیلا چہرہ صاف کیا۔

"میں اب ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ ہر گناہ توبہ سے معاف نہیں ہو جاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ یہ مت کہنا میں دوبارہ امتحان دے دوں۔ میں ان کتابوں کو دوبارہ کھول بھی نہیں سکتی' پڑھنا تو دور کی بات۔" وہ ان پرزہ پرزہ کاغذوں کے مزید ٹکڑے کرنے لگی۔ پھر نظریں اٹھا کر بھائی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ تھا۔

"کچھ تو کہیں۔"

"مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا۔" کہتے ہوئے وہ اٹھا' اور دبے قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ حنین کا سر مزید جھک گیا اور بہتے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے۔

☼ ☼ ☼

قصر کاردار پہ سہ پہر سرما کی ٹھنڈ اور خنکی اندر

سموئے اتر رہی تھی۔ لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے' باہر کی روشنی نے سارے لاؤنج کو روشن کر رکھا تھا۔ ملازم کاموں میں لگے آجا رہے تھے۔ ایسے میں اونچی کھڑکی کے آگے جواہرات کھڑی تھی۔ مغربی طرز کا سیاہ گھٹنوں تک آتا لباس اور سیاہ ٹائٹس میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے' دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں کہنی پہ مسلسل دستک دیتی' اس کی شیرنی سی آنکھیں باہر جمی تھیں جہاں سبزہ زار پہ سعدی چل کر آتا دکھائی دے رہا تھا۔

آج اورنگ زیب کی وفات کو ساتواں روز تھا اور اس دوران وہ کئی دفعہ جواہرات کا حال پوچھنے آچکا تھا۔ مگر اس آخری ملاقات میں' وہ جواہرات کا اس کے سامنے اول فول بول دینا' وہ اس کا میری سے بات کرنا' وہ جواہرات کو ابھی تک چبھ رہا تھا۔

اور پھر اس کی تیکھی نظروں میں مزید ناگواری ابھری۔ سبزہ زار پہ چل کر آتا سعدی درمیان میں رکا۔ میری جوتڑے اٹھائے گزر رہی تھی' اس کے مخاطب کرنے پہ رک کر اس سے بات کرنے لگی۔ جواہرات کو الفاظ اتنی دور سے سنائی نہیں دے رہے تھے' مگر اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا اس کو اپنے گھر میں چین نہیں جو روز چلا آتا ہے۔" عقب میں نوشیرواں نے کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ناگواری سے کھڑکی کے پار سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

"اب مجھے برا بھلا مت کہیے گا کہ میں نے آپ کے دوست کی شان میں گستاخی کر دی۔" ساتھ ہی اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ اٹھا دیے کہ وہ ڈانٹ سننے کے موڈ میں نہیں ہے۔ جواہرات چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر مڑ کر کھڑکی کو دیکھا۔ نیچے کھڑے سعدی اور میری اینجیو ہنوز محو گفتگو تھے۔ میری کچھ کہے یا نہیں' جو وہ اس دن خود اتنا کچھ کہہ چکی' وہ بھی خطرناک تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' اسے یہاں ہر وقت نہیں آنا چاہیے۔ تو پھر کیوں نہ اس کا اس گھر میں داخلہ بند کر دوں؟" چمکتی ہوئی آنکھوں سے مسکراتی وہ شیرو کی طرف گھومی۔ سات دن بعد وہ بالآخر سنبھلی ہوئی' پرانی والی جواہرات لگ رہی تھی۔

نوشیرواں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ کیا کریں گی؟"

"جو میں کروں گی' وہ تمہارے بھائی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ سمجھے؟"

نوشیرواں کو چند لمحے لگے اس کا مطلب سمجھنے میں' اور پھر اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ "سمجھ گیا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ ایڑیوں پہ گھومی اور تیز تیز قدم اٹھاتی آگے چلتی گئی۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔ شیرو تیزی سے پیچھے لپکا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے۔ جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی، ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے، جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے، بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور، ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے، حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آتس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس، زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی، ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم، خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم، خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث، فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم، فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی، زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین، وارث کیس کی اپیل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں جس کی بنا پر زمر کو

دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کرسکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہوجاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتادیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہوجاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کرواچکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مرواسکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کررہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جارہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چراکر لے جاچکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کردیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہوجاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہوجاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہوچکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو ماردیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتاکر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا' یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔

سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً "کون؟" زمر نے پوچھا۔

"مثلاً... مثلاً "ہاشم کاردار..." سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی' زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔

حنین' علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کر لی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔

ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔

ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کر دیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔

فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔

زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتا کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔

جیل سے علیشا' حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کے علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔

حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔

اورنگ زیب' نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہو جاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کر دیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کر کے ______ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کر لیتی ہے۔

دسویں قسط

"عقد"

وہ خائن وقت کی کچھ بد دیانت ساعتیں ہوں گی
میرے اندر کا "میں" "محبوس کر ڈالا گیا' پر ہول

زنداں میں!
بڑا ہی لاابالی وقت تھا
جی ہو گیا ایک مشتعل بچہ!

درِ زنداں میں مقفل کر کے چابی قلزمِ لولاک میں
پھینکی
کہیں تو وسعتِ افلاک میں پھینکی
وہ چابی اب نہیں ملتی!
مقفل در نہیں کھلتا!
مجھے تو خود سے ملنا تھا.....
میں کب تک وسعتِ افلاک چھانوں گا؟
کہاں تک دھند میں کھوئے ہوئے آفاق چھانوں گا؟
(سید نصیر شاہ)

سبزہ زار پہ میری اینجیو کھڑی ابھی تک سعدی سے بات کر رہی تھی۔ جواہرات سینے پہ بازو لپیٹے چلتی قریب آئی تو آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

"میرا خیال ہے 'بلکہ جتنا تمہارے بیٹے کے کینسر کو میں نے ریسرچ کیا ہے' وہ آپریشن کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ بیماری کا جلد علم ہو جانا تو اچھی بات....." وہ اسے تسلی دیتے مڑا تو جواہرات اور شیرو آتے دکھائی دیے۔ سعدی نرمی سے مسکرایا اور سر کو خم دے کر سلام کیا۔

"مسز کاردار! آپ کو پہلے سے بہتر دیکھ کر خوشی ہوئی۔"

"ان دنوں میں اتنی دفعہ دیکھ چکے ہو' فرق تو نظر آیا ہو گا۔" وہ بظاہر مسکرائی اور عین اس کے سامنے آ رکی۔ سعدی کو..... کچھ محسوس ہوا۔ نگاہیں جواہرات کے کندھے کے پیچھے شیرو تک گئیں' جو تنفر سے اسے گھور رہا تھا۔

"پوچھ سکتی ہوں میری ملازمہ سے کیا بات ہو رہی تھی؟" وہ اب بھی مسکرا رہی تھی مگر آنکھوں سے شعلوں کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر باہر کو آتی تھیں۔

"میری نے مجھے بتایا تھا اپنے بیٹے کے کینسر کے بارے میں۔ میں نے اس کو انٹرنیٹ پہ سرچ کیا تو....."

"یہ ہاشم کو بتانے والے مسئلے ہیں میری اینجیو' یا گھر آنے والے ہر دوسرے شخص کو؟" مسکرائی مگر سلگتی آنکھوں سے میری کو گھورا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑا۔ وہ سوری کہتی' ندامت سے سر جھکائے الٹے قدموں مڑ گئی۔ سعدی کی مسکراہٹ سمٹی۔ اچنبھے سے جواہرات کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری مسز کاردار! میں آپ کی خیریت پوچھنے آیا تھا اور....."

"خیریت پوچھنے یا یہ معلوم کرنے کہ اورنگ وصیت میں تمہاری بہن کے نام کچھ چھوڑ کر تو نہیں گئے؟"

سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "جی؟" اس نے بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"میرے بیٹے کے خلاف اس کے باپ کے کان بھرتے وقت تمہاری بہن نے ذرا احساس نہیں کیا کہ یہ صدمہ اورنگ زیب کی جان لے سکتا ہے؟ بلکہ صرف وہی کیوں' تم دونوں شامل تھے نا اس ڈرامے میں! کیا سوچا تھا؟ اپنے بیٹے کو ڈس اون کر کے اپنی جائیداد تم لوگوں کے نام لکھ جائے گا وہ؟" مسکراہٹ ہنوز لبوں پہ تھی' مگر آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

"مسز کاردار! آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" سعدی نے ناگواری سے انہیں ٹوکا۔ جواہرات کی آنکھوں کی رگیں گلابی پڑنے لگیں۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ دو قدم مزید آگے آئی۔

"کیا تھا اگر تم دونوں اورنگزیب کے بجائے مجھے یا ہاشم کو تنہائی میں وہ سب بتا دیتے' مگر تم نے ذرا اس شخص کا احساس نہیں کیا؟ اس کو اندر ہی اندر یہ غم کھا گیا سعدی! اور وہ اس حالت میں مرا کہ اپنے بیٹے سے ناراض تھا' اور اس سب کے ذمہ دار تم ہو۔" اس بات پہ سعدی نے فوراً" سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں بالکل' اپنے آپ کو اغوا بھی میں نے کیا تھا اور جھوٹ بول کر باپ سے پیسے بھی میں نے مانگے تھے نا۔" وہ تنے ابرو کے ساتھ ناگواری سے بولا تو جواہرات لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

"اے..... میرے باپ کا نام بھی نہ لینا۔" نوشیرواں نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھا کر تنبیہہ

کی۔ "تم لوگوں نے ان کو میرے خلاف ورغلایا تھا' اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"میں معافی مانگ بھی نہیں رہا۔ میں صرف مسز کاردار کی طبیعت پوچھنے آیا تھا۔" وہ بمشکل ضبط کر پایا۔

"میری طبیعت دیکھ لی تم نے؟ میرا شوہر اس حالت میں مرا کہ وہ شیرو کو ڈس اون کرنے والا تھا۔ دیکھ لیا ہم کتنی اذیت میں ہیں؟"

نوشیرواں نے قدرے چونک کر ماں کو دیکھا۔ وہ سعدی کو دیکھتی تکلیف اور برہمی سے کہہ رہی تھی۔

"اس سے پہلے بھی تم شیرو کی زندگی تنگ کرتے رہے ہو' مگر اس دفعہ تم لوگوں نے حد کردی سعدی!" یہ آخری فقرہ شیرو کو دیکھ کر ادا کیا' جس پہ اس کا غصہ مزید بڑھا اور اس نے نفرت سے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

سعدی نے ایک ناپسندیدہ نظر دونوں پہ ڈالی۔ سر کو خم دیا (بہت اچھا)۔ وہ قدم پیچھے ہٹا' اور پھر نوشیرواں کو مخاطب کیا۔

"تم نے کبھی وہ کچرے کے ڈبے دیکھے ہیں نوشیرواں! جو سڑک کنارے نصب ہوتے ہیں۔ ان پہ لکھا ہوتا ہے' Use Me۔ تم نے بھی خود پہ یہی حروف لکھوا رکھے ہیں۔ جو بھی آئے' اپنا کچرا صاف کرنے کے لیے تمہیں استعمال کرے (جواہرات پہ تیز نظر ڈالی) اور چلا جائے۔ سو میں مزید آپ کے ان گیمز کا حصہ نہیں بن سکتا۔ اللہ حافظ۔"

وہ مڑا اور مخالف سمت چلتا گیا' اور جب تک نوشیرواں کو اس کا طنز سمجھ آیا' وہ دور جا چکا تھا۔

"الو کا..." وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ "اگر یہ دوبارہ ادھر آیا نا ممی تو۔"

"اگر غیرت ہو گی تو دوبارہ اس گھر میں داخل نہیں ہو گا' اور اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ غیرت والوں میں سب سے زیادہ غیرت والا ہے۔"

جواہرات اذیت سے مسکراتی' اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ نوشیرواں کے اندر کی آگ ٹھنڈی ہونے لگی۔ ڈھیلے پڑتے ہوئے اس نے گہری سانس لی' اور مڑنے لگا' پھر یکایک رکا۔

"وہ آپ نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کہا تھا نا؟ ڈیڈ مجھے ڈس اون تو نہیں کرنے لگے تھے نا؟"

جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا جو قدرے تذبذب' مگر امید سے اسے دیکھ رہا تھا۔

جواہرات کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' آنکھوں کی سفیدی گلابی ہوئی۔ نم گلابی۔

"نہیں' وہ تمہیں... تمہیں کبھی ڈس اون نہیں کر سکتے تھے۔ یہ میں نے صرف... بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کہا تھا۔"

اثبات میں سر ہلا کر تصدیق کی۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔ نوشیرواں پرسکون سا ہو کر آگے بڑھ گیا۔ جواہرات نے ہاتھوں کی نمی چھپانے کے لیے مٹھیاں بند کرلیں۔ پھر گردن موڑ کر برآمدے میں کھڑی میری کو دیکھا۔ اس کا کیا کرے؟ اصل گواہ جو خود بھی اپنی گواہی سے لاعلم تھا' وہ تو ابھی ادھر ہی تھا۔

✿ ✿ ✿

ترک تعلقات کوئی مسئلہ نہیں
یہ تو وہ راستہ ہے کہ بس چل پڑے کوئی

سعدی سرخ کانوں اور تنے تاثرات کے ساتھ قصر کاردار کے داخلی گیٹ سے باہر نکلا ہی تھا' تاکہ اپنی کار تک جائے کہ سامنے سے زمر کی کار آتی دکھائی دی۔ وہ قدم قدم چلتا سڑک پہ جا کھڑا ہوا۔ پہاڑی پہ بل کھاتی سڑک ویران تھی۔ اردگرد کوسوں کے فاصلے پہ اونچے محلات تھے' جو کاردارز کے قصر کی مانند وسیع سبزہ زار میں گھرے تھے' سوائے سڑک سے آس پاس کی محض دیواریں دکھائی دیتی تھیں۔ زمر نے کار وہیں روک دی۔ اسے اشارہ کیا۔ وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آبیٹھا۔

"آپ ادھر کیسے؟"

"جنازے کے بعد دوبارہ آ نہیں سکی' سو اب مسز کاردار کے لیے آئی تھی۔ وہ ہسپتال میں مجھے وزٹ

کرنے اکثر آتی تھیں' میرا آنا بنتا ہے۔" خشک 'سپاٹ انداز میں' ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے وضاحت دی۔ سعدی نے ڈیش بورڈ پہ نظریں جمائے انتظار کیا کہ وہ شاید کہے (جب تم میرے پاس نہیں تھے 'تب وہ آتی تھیں) مگر وہ گلہ ہی تو نہیں کرتی تھی۔

"اور تم ادھر کیسے؟" چہرہ موڑ کر اسے دیکھا تو سعدی نے بھی اس کی جانب گردن پھیری۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں نے عہد کر رکھا تھا کہ دل کی بات نہیں کہنی۔

"مسز کاردار کو دیکھنے آیا تھا اور اب اچھے سے دیکھ چکا ہوں۔ سو واپسی کے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔"

زمر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر نرمی سے کہنے لگی۔

"میں نے معلوم کیا تھا' ہاشم اس کیس میں ملوث نہیں ہے۔ کم از کم بظاہر تو نہیں ہے۔"

"خود معلوم کیا یا کسی اور نے کر کے دیا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا' کیونکہ اس کے نزدیک دونوں میں اتنا فرق تھا جتنا پہلے اور ساتویں آسمان میں۔

"خود نہیں کیا مگر۔۔۔" وہ رکی "بصیرت صاحب نے اسے چیک کیا تھا' اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اس معاملے سے' مگر تم بتاؤ' تمہیں ایسا کیوں لگا کہ ہاشم اس میں ملوث ہو سکتا ہے؟"

"مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگا۔ بس جس کا نام منہ میں آیا بول گیا۔ آئی ایم سوری' مجھے یوں کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔" اس نے سادگی سے معذرت کر لی۔

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نے اس کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی' میں اتنے دن اس کی پوچھ گچھ کرواتی پھر رہی تھی اور اب تم کہہ رہے ہو کہ تم نے یونہی کہہ دیا تھا؟" شدید غصے کو بمشکل اس نے ضبط کیا۔ تو وہ سارے دن جو اس نے فارس کے حق میں کوئی بھی بات ڈھونڈنے میں صرف کیے' وہ سب ایک مذاق تھا؟

"میری سمجھ میں نہیں آیا کس کا نام لوں۔ بس ان کا لے لیا۔ یہ لوگ۔" انگلی سے قصر کاردار کی جانب اشارہ کیا "اب میرے ساتھ پہلے کی طرح برتاؤ نہیں کرتے۔ مجھے شاید اسی بات کا غصہ تھا۔" وہ بمشکل ضبط کرتی اسے گھورتی رہی۔ اس نے ندامت سے سر جھکا دیا۔ آہستہ سے بولا۔ "سوری!"

"اور تم نے ہاشم سے یہ کیوں کہا کہ وہ آڈیو میں نے نکلوا کر دی تھی؟" سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"یعنی انہوں نے آپ سے پوچھا؟" تو پھر کیا کہا آپ نے؟"

"جو مجھے کہنا چاہیے تھا۔"

"معلوم ہے۔ تب ہی یہ کہا تھا۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ سب کچھ ویسے ہی ہوا تھا جیسے اس نے سوچا تھا۔

"میں ان سے خفا تھا' کیونکہ وہ بھی آپ ہی کی طرح فارس ماموں کو قاتل خیال کرتے ہیں' اور اب چونکہ میں ماموں کے لیے کوشش کر رہا ہوں' تو وہ مجھ سے خفا ہیں۔ مگر مجھے اچھا لگا کہ آپ نے میرا مان رکھا۔ اور آپ ماموں سے ملنے جیل گئیں' اس کے لیے شکریہ۔"

"کیا تمہارے ماموں نے تمہیں یہ بتایا کہ اس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی؟"

سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "کیا مطلب؟"

زمر نے محض چند فقرے تفصیل بتانے پہ ضائع کیے' جس کے بعد سعدی کی رنگت زرد پڑتی چلی گئی۔

"آئی ایم شیور پھپھو! کوئی غلط فہمی ہوگی ورنہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ میں ان سے۔"

"سعدی! میں تھک گئی ہوں!" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو بولنے سے روکا۔ "میں نے اس کیس سے بھی خود کو الگ کر لیا ہے۔ میں مزید فارس کے مسلوں میں نہیں الجھنا چاہتی۔ پھر بھی میں دوبارہ الجھی۔ اتنے دن میں نے پہلی دفعہ فرض کرنا شروع کیا کہ وہ بے گناہ ہو سکتا ہے' مگر اس نے پھر وہی کام کیا۔ مجھے مزید مت سمجھاؤ۔ اپنے ماموں کو سمجھاؤ کہ خدارا اپنے اور دوسروں کے اوپر رحم کرے۔ مجھے مزید مت ستائیے۔ میں نے اس کا کیس خود ریکیوٹ نہیں کیا'

میں اب گواہی بھی واپس لے چلی ہوں اور کیا چاہتے ہو تم لوگ مجھ سے؟ جب میرا دل کہتا ہے کہ وہی میرا مجرم ہے تو مجھے زبردستی اس کو بے گناہ کہنے پہ مجبور مت کرو۔ میں نے کوشش کی تھی، میں ہر چیز ایک طرف رکھ کر اس کے پاس گئی۔ اس کے لیے ہاشم کو بھی مشتبہ بنالیا۔ مگر اس نے پھر وہی کیا۔"

وہ کتنی ہی دیر چپ بیٹھا رہا۔ سر جھکائے۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو ان کے پاس جانے کے لیے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ کی تکلیف ہم میں سے سب سے زیادہ ہے۔ وہ جیل سے چھوٹ جائیں، تب بھی نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں، آپ نہیں شروع کر سکتیں۔ کم از کم اتنے آرام سے نہیں۔ آئی ایم سوری۔ اب ہم اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔ لیکن۔" اس نے چہرہ اٹھا کر امید سے زمر کو دیکھا۔ "مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ ایک دن میں آؤں گا آپ کے پاس ثبوت لے کر، تب آپ کا مجھے سننا ہو گا اور اگر وہ ثبوت قابل قبول ہوا تو اسے ماننا بھی ہو گا۔"

"شیور!" اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "میں تو تم سے ہمیشہ کہتی رہی ہوں، مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جو میں مان بھی سکوں۔ تو میں ضرور مان لوں گی۔" پھر وہ چپ ہو گئی۔ "سعدی میں تم سے پھر کہہ رہی ہوں، اگر کوئی ایسی بات ہے، جو فارس کے حق میں جاتی ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں ایک دفعہ پھر اس کی یہ حرکت بھی نظر انداز کر کے اس کے لیے کوشش کرنے کو تیار ہوں۔ اگر کوئی تیسرا شخص ملوث ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"نہیں پھپھو۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ جو سوچتی ہیں، ابھی وہی سوچتی رہیں۔ کچھ ملا مجھے تو آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔ آپ بس اپنا خیال رکھیں۔"

"میرے لیے افسردہ مت ہو بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔" اس سے نگاہ ملائے بنا وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر اس کا چہرہ تکتا رہا۔

"آپ کی برتھ ڈے ہے اگلے مہینے، میں نے ایک کتاب آپ کے لیے رکھی ہے۔ کبھی وقت ملے تو اسے پڑھیے گا۔ اس میں دل کی بیماریوں کی شفا ہے۔"

خاموشی دوبارہ دونوں کے بیچ حائل ہو گئی۔ پھر زمر نے اسے دیکھا، وہ ہنوز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زمر کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہاتھوں پہ پھسلیں اور سیاہ کی چین پہ آٹھہریں جو اس نے انگلیوں میں پکڑ رکھی تھی۔ اس پہ سنہرے حروف میں لکھا تھا۔

"Ants Everafter"

"نئی لی ہے؟" گو کہ اب وہ تعلق نہیں رہا تھا، نہ بے تکلفی، مگر وہ پوچھ بیٹھی۔ اس نے جواباً گردن جھکا کر کی چین کو دیکھا، نفی میں سر ہلا دیا۔

"اونہوں۔ علیشا نے حنین کو دی تھی۔ حنین کے لیے اس کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہیں، سو یہ میں نے رکھ لی۔ آج صبح گھر سے نکلنے سے پہلے یونہی حنہ کے کمرے میں گیا اور اٹھا لایا۔" سیاہ ہیرے نما پتھر پہ انگلی پھیرتے وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔ بالخصوص یہ عبارت۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" اس کی آواز میں قدرے نرمی در آئی تھی۔ پوچھتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کیا یہ وہی بچہ تھا جس کو اس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا؟

"جب میں چھوٹا تھا پھپھو تو ابو کے ساتھ فجر پڑھنے مسجد جایا کرتا تھا۔ تب وہاں مسجد کی دیوار پہ چھت سے فرش تک چیونٹیوں کی قطار ہوتی تھی۔ ہر موسم میں، ہر گھڑی میں۔ تب ابو کہا کرتے تھے "اگر مجھے کچھ ہو جائے سعدی تو تم اپنے خاندان کا خیال رکھنا۔ بڑے ابا ایک کمزور مرد ہیں مگر تمہیں بہادر بننا ہے۔ تم سعدی! میرے بعد اس خاندان کے بڑے مرد ہو گے۔ اور تمہارے خاندان کی عورتیں، بوڑھے اور بچے، یہ سب چیونٹیوں کی طرح ہیں، کمزور اور نازک۔ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، بادشاہ اور چیونٹیاں۔ تم سعدی اپنی چیونٹیوں کو جوڑ کر

رکھنا۔ تم سعدی! میرے بعد اپنے خاندان کے سربراہ ہوگے۔" کی چین سے نظریں اٹھا کر اس نے اداس مسکراہٹ سے زمر کو دیکھا۔ "اور میں پچھلے کئی برس سے یہی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' اور کرتا رہوں گا۔ آپ' حنہ' امی' سب ایک جیسی ہیں۔ چیونٹیاں' اور معلوم ہے پھپھو' چیونٹیوں میں کیا قدر مشترک ہوتی ہے؟"

وہ کتنا پیارا بولتا تھا' معصوم اور سادہ۔ نگاہیں اس پہ جمائے زمر نے نفی میں سرہلایا۔ وہ اس کی جانب جھکا اور آہستہ سے بولا۔

"وہ یہ کہ... ساری چیونٹیاں اندھی ہوتی ہیں۔" اور پھر اس نے لاک کھولا' دروازہ وا کیا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔ زمر اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے کتنی دیر وہیں بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ لمحے بھر کو اس کا دل چاہا کہ اسے روک لے' مگر... روکنے کے لیے کوئی بہانا نہیں تھا۔

اگلے ڈیڑھ سال تک اس نے سعدی کو نہیں دیکھا۔ نہ وہ اس کی موجودگی میں آیا' نہ وہ ان کے گھر گئی۔ یہاں تک کہ ہاشم نے ایک روز آکر اس سے کہا کہ وہ سعدی کو سونی کی سالگرہ کا کارڈ دے آئے... اور چار سال بعد زمر کو وہ بہانہ مل ہی گیا جس کی لاشعوری طور پہ اسے تلاش تھی۔

☼ ☼ ☼
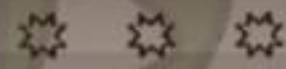
شوق اپنے بھی کیا نرالے ہیں
آستینوں میں سانپ پالے ہیں

جس وقت زمر اور سعدی باہر کار میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے' قصر کے اندر اپنے کمرے میں اونچی کرسی پہ بیٹھی جواہرات' انگلی کی انگوٹھی گھماتے' سوچ میں محو تھی۔ کمرے کے کھلے دروازے سے لاؤنج میں نئی فلپینو لڑکی فیونا بکٹ اور موپ لیے سیڑھیاں صاف کرتی نظر آرہی تھی۔

دفعتاً" جواہرات نے موبائل نکالا اور ایک نمبر ملا کر اٹھی' دروازہ بند کیا اور پھر فون کان سے لگایا۔

"جی ڈاکٹر آفتاب۔ کیا حال ہیں؟ فیملی کیسی ہے آپ کی؟"

"سب... ٹھیک ہیں مسز کاردار۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ پھیکا سا مسکرا کر بولے۔

"ہوں۔ ایم فائن۔" نخوت سے بولی' ذرا وقفہ دیا۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ پڑھ لی تھی میں نے۔ میں مطمئن ہوں۔ اب آپ مجھے بتائیں' کیا کوئی اور غیر مطمئن تو نہیں؟"

"نہیں۔" وہ لمحے بھر کو رکے۔ "ہاشم... اور ان کے سیکیورٹی آفیسر خاور... ان دونوں نے مجھ سے پوچھا تھا' اورنگ زیب صاحب کے چہرے کے بارے میں۔"

"کیا پوچھا تھا؟" اس کا سانس رک گیا۔

"کاردار صاحب کی موت سر کی چوٹ کی وجہ سے نہیں ہوئی' دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اسمودرنگ کے باعث ناک اور اس کے اطراف کا حصہ کافی سفید سا پڑ گیا تھا۔"

"تو آپ نے کیا کہا؟" وہ جلدی سے بولی۔

"یہی کہ کاردار صاحب کا استھما بگڑا تھا' وہ اسی وجہ سے گرے تھے' اور چوٹ لگی' موت بھی اسی وجہ سے ہوئی۔ وہ دونوں ڈاکٹرز نہیں ہیں' مطمئن ہو گئے تھے' کیونکہ بہرحال کاردار صاحب کو شدید دمہ تو تھا ہی۔ ویسے بھی homicidal smothering کی تشخیص بہت مشکل سے ہو پاتی ہے۔ سو میں نے وہ بات سنبھال لی تھی۔ یہ ایک طبعی موت تھی۔"

جواہرات کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے اثبات میں سرہلایا۔ چند معمول کی باتیں کر کے فون رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھولا۔ فیونا صفائی کرتی اب آخری زینے تک آچکی تھی۔ جواہرات نے اسے ہلکے سے آواز دی۔ وہ چیزیں رکھ کر مودب سی چلی آئی۔

"ٹھنڈی ہوا آرہی ہے' دروازہ بند کردو۔" وہ واپس کرسی پہ آن بیٹھی اور مسکراتی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ فیونا

سبک رفتاری سے دروازہ بند کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ جواہرات نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ بالوں کی پونی بنائے — چینی نقوش والی خوش شکل اور کم عمر لڑکی تھی۔

"کام میں دل لگ گیا ہے تمہارا؟"

"جی۔ میری اینجھو نے سب سکھا دیا ہے مجھے۔" قدرے شرما کر بولی۔

"ہوں۔ پیچھے گھر میں کون ہوتا ہے تمہارے؟"

"ماں اور چار بہنیں ' ایک بھائی۔ میں سب سے بڑی ہوں۔" سر جھکائے اس نے لب کچلے۔ آنکھوں میں نمی آئی۔

"تمہاری تنخواہ سے ان کا گزر بسر اچھا ہوتا ہو گا مگر بھائی کو پڑھانا ' عزت دار نوکری دلوانا ' یہ سب تو مشکل ہو گا... ہوں؟" وہ اپنے کان کے بندے پہ انگلی پھیرتی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ فینو نا نے جھکے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"یہ تو ہے۔"

"کاش میں تمہاری تنخواہ بڑھا سکتی ' مگر میری اینجھو ہیڈ اسٹاف ہے اور تم صرف ایک ماتحت میڈ۔ ہاں اگر تم میری اینجھو کی جگہ ہوتیں تو لاکھوں میں کھیلتیں ' لیکن..." فینو نا نے جھکی پلکیں اٹھائیں۔ امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے اسے دیکھا۔

"لیکن؟"

"اس کی پوزیشن پہ پہنچنے میں تو تمہیں سات آٹھ سال لگ جائیں گے۔ اس کا اگلے تین سال تک کا معاہدہ رہتا ہے ہمارے خاندان سے۔ اور اس کی رو سے میں اسے بے وجہ نکال نہیں سکتی۔" وہ رکی۔ فینو نا نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی ' وہ بہت اچھا کام کرتی ہے۔"

"مگر وہ تمہاری طرح تیز اور پھرتیلی نہیں ہے۔ اس کو اپنے بچے کی فکر کھائے جاتی ہے ' جس کو وہ فلپائن میں چھوڑ آئی ہے۔ تم اس سے بہتر ہیڈ اسٹاف بن سکتی ہو۔"

"مگر... یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ اگلے کئی سال تک اسی پوسٹ پہ رہے گی اور آپ اسے نکال بھی نہیں سکتیں۔" قدرے مایوسی اور بے دلی سے کہتے اس کی آنکھیں پھر جھکیں۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اسے نکال نہیں سکتی۔ چاہوں تو ابھی نکال دوں۔ کھڑے کھڑے... مگر اس کے لیے وجہ کا ہونا ضروری ہے۔"

"وجہ؟" فینو نا نے چونک کر اسے دیکھا۔ الجھن سے ابرو سکیڑے۔

"ہاں ' جیسے چوری۔" بندے کو دو انگلیوں سے مسلتے وہ مسکرائی۔

"جس دن اس نے چوری کی ' وہ ڈی پورٹ کر دی جائے گی۔ اور مجھے معلوم ہے وہ جلد یا بدیر چوری ضرور کرے گی۔ اسے اپنے بچے کے علاج کے لیے پیسے درکار ہیں ' تنخواہ سے بھی کئی گناہ زیادہ۔ جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ یہ باکس..." سنگھار میز پہ رکھے ننھے سے جیولری باکس کی جانب اشارہ کیا... "جس کا کوڈ میری تاریخ پیدائش سے کھلتا ہے اور اس میں میرا ایک قیمتی نیکلس رکھا ہے تو کیا وہ خود کو روک پائے گی؟ اسے اس بارے میں سوچنا چاہیے ' ہے نا... فی اونا؟" ٹھہر ٹھہر کر مسکرا کر اس کا نام ادا کیا۔

زمر کے آنے پہ جب فینو نا مسز کاردار کے کمرے سے نکلی تو اس کی آنکھیں ایک انوکھے خیال سے چمک رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼
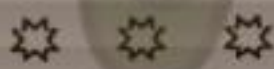
جو کھلی کھلی تھیں عداوتیں مجھے راس تھیں
یہ جو زہر خند سلام تھے مجھے کھا گئے

ہاشم کاردار کا آفس جس فلور پہ تھا اس کی راہداری اسپاٹ لائٹس سے جگمگا رہی تھی ' جب سعدی کی لفٹ کا دروازہ کھلا۔ نکلنے سے قبل اس نے لفٹ کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا ' ذرا کا گریبان کا اوپری بٹن کھولا ' سوئیٹر کے آستین اوپر چڑھائے ' ماتھے پہ ہاتھ مار کر بال ذرا بکھیرے ' پھر باہر نکلا۔ تیز قدموں سے راہداری پار کی۔ لمحے بھر کو ہاشم کے آفس کے باہر بنے

ڈیسک پہ رکا۔

"ہاشم اندر ہیں مس حلیمہ؟" ڈیسک پہ لگی نیم پلیٹ پہ نظر ڈال کر سنجیدگی سے پوچھا۔ خوب صورت سی سیکرٹری نے ٹائپ کرتے ہاتھ روکے اور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"جی، مگر وہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس اپائنٹمنٹ ہے؟"

"ضرورت نہیں۔" تلخی سے کہہ کر وہ آفس ڈور تک آیا اور دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔ حلیمہ ہڑبڑا کر پیچھے لپکی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" بہت غصے سے وہ اس کی میز تک جا پہنچا۔ ہاشم، جو کوٹ پیچھے لٹکائے، شرٹ اور ویسٹ میں ملبوس بیٹھا فائل پہ کچھ لکھ رہا تھا، اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، پھر پیچھے آتی حلیمہ کو اور آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ رکی اور پھر پلٹ گئی۔ کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگاتے، اس نے اب سنجیدگی سے سعدی کو دیکھا جو غصیلی آنکھوں اور سرخ کانوں کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" بنا کسی غصے یا تلخی کے ہاشم بولا تو آواز سخت تھی۔ اسے سعدی کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔

"یہ تو آپ بتائیں گے۔" دونوں ہاتھ میز پہ رکھے وہ سامنے کو جھکا۔ "زمر کو کیوں بتایا جو حنین نے آپ کو بتایا تھا؟"

"کیا اتنی بڑی قیامت آگئی ہے سعدی کہ تم اپنے مینرز بھول گئے ہو؟" اب کے اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ قلم میز پہ رکھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ٹیک لگاتے اس لڑکے کو دیکھا۔

"لعنت بھیجتا ہوں میں مینرز پہ۔ مگر آپ کے مینرز کیا ہوئے جب حنہ اور میرا اعتماد توڑا؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ زمر تم لوگوں کے لیے غیر ہے۔ بتانے کا شکریہ۔ اب میں کام کر لوں؟" تلخی سے اس کو گھورتے سامنے فائلوں کے ڈھیر کی جانب اشارہ کیا۔ "اور تم بھول گئے ہو تو یاد دلا دوں کہ میں اہم معاملات میں الجھا ہوں اور اپنی تمام کمپنیز اور کارٹیل کی ان دنوں سربراہی کر رہا ہوں کیونکہ میرا باپ سات دن پہلے مرا ہے۔"

"میرا باپ دس سال پہلے مرا تھا، اس لیے کیا ہی اچھا ہو کہ ہم باپوں کو درمیان سے نکال کر بات کریں۔" اس انداز پہ ہاشم نے لب "اوہ" میں سکیڑے، تعجب سے ابرو اٹھائے۔

"تو تم مجھ سے لڑنے آئے ہو؟" اس نے زور سے فائل بند کر کے پرے کی اور ڈھیروں غصہ ضبط کیا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔

"میری کیا مجال کہ میں آپ سے لڑوں؟ میں صرف آپ کو کنفرنٹ کرنے آیا ہوں اور کنفرنٹ کرنے کے لیے آپ کے آفس سے بہتر جگہ کوئی نہیں تھی۔ سو مجھے بتائیں، کیوں بات کی آپ نے زمر سے؟ انہوں نے مجھ پہ اعتماد کیا تھا، اب کیسے دوبارہ کریں گی؟" وہ کافی بدتمیزی سے کھڑا بول رہا تھا۔

"کیا میں نے تم سے جواب مانگا تھا جب تم نے میرے کیے وکیل کو فائر کیا تھا؟" وہ تلخی مگر ضبط سے بولا تو سعدی مزید بھڑک اٹھا۔

"مانگیں جواب۔ میں دوں گا ہر جواب۔" ساتھ ہی میز پہ زور سے ہاتھ مارا وہ انتہائی غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

"تو کیوں کیا میرے وکیل کو فائر؟"

"کیوں کہ وہ وکیل بھی آپ جیسا تھا ہاشم بھائی۔ آپ کی طرح اسے بھی فارس غازی کی بے گناہی کا یقین نہیں تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے، میں بچہ ہوں؟ اونہوں!" نفرت سے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلایا۔

"میری سب سمجھ میں آگیا ہے۔"

"پھر؟ کیا کرو گے تم؟" وہ اب بھی برداشت کر رہا تھا۔

"میں آپ سب پہ ثابت کروں گا کہ یہ قتل انہوں نے نہیں کیے تھے۔ آپ، زمر سب ایک جیسے ہیں۔ آپ سب نے ان کو اکیلا کر دیا ہے۔ اتنے سال میں آپ ایک دفعہ ان سے ملنے جیل نہیں گئے۔ لوگوں کی

باتیں آپ کے دل میں بھی بیٹھ گئی ہیں' اور آپ بھی... آپ بھی باقیوں کی طرح ہی ہیں۔" کہتے ہوئے وہ بے حد ہرٹ اور دکھی سا لگتا پیچھے ہٹا۔ ہاشم سختی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وکیل کے بدلاؤ پہ بازپرس کرنے پہ تم مجھ سے ایسے بات کرو گے' تو میں اس ذکر کو نہ چھیڑتا۔" ہاشم کا صدمہ اور غصہ' حقیقی تھا۔

"مجھے آپ کی بات سے فرق نہیں پڑتا۔" وہ پیچھے ہٹتے مزید بلند آواز میں غصے سے بولا تھا۔ "آپ کا امیج میری نظروں میں تباہ ہو چکا ہے۔ اس لیے بتا دوں' آپ کے والد کے چہلم کا دعوت نامہ آیا تھا' میں نہیں آؤں گا' میرے گھر سے کوئی نہیں آئے گا۔ آئندہ ہمیں کسی بھی دعوت پہ بلانے کی زحمت نہیں۔ سمجھیے گا' انکار سن کر آپ کو خود شرمندگی ہو گی۔" تنفر سے جذباتی انداز میں کہتا وہ مڑا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کرتے اسے اندر کا منظر جو نظر آیا اس میں ہاشم غم و غصے اور قدرے صدمے میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔

راہداری میں چلتے سعدی نے گہری سانس لی۔ دانستہ بھڑکائے اور تنے اعصاب کو گویا ڈھیلا کیا۔ ہاتھ اب بھی قدرے لرز رہے تھے' اور دل دھڑک رہا تھا۔ لفٹ کے پاس رکا تو اس کے دھاتی دروازے میں اپنا عکس دیکھتے خود کو شاباش دی۔

"اچھی پرفارمنس تھی سعدی! اگر جواہرات یہ نہ کرتی' تب بھی میں نے ان کے گھر نہ جانے کا کوئی تو بہانہ ڈھونڈنا ہی تھا کہ اب ان کے ساتھ ایک میز پہ کھانا کھانا' ہنس کر بات کرنا' سب عذاب تھا۔ ہر جگہ وارث کا خون نظر آتا۔ سو اچھا کیا تم نے سعدی۔ اب ہاشم بھائی کم از کم یہ نہیں جان سکیں گے کہ میں ان کی اصلیت جانتا ہوں۔ اسے صرف اعتماد توڑنے کا غصہ خیال کریں گے' اگر یہ نہ کرتا تو میرے کھنچے کھنچے رویے سے وہ سمجھ جاتے۔ بہت اچھا کیا سعدی۔ روز ان کی شکل نہ دیکھنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا! لفٹ میں کھڑے اترائی کا سفر طے کرتے وہ خود کو نارمل کرتا' داد دے رہا تھا۔ دل البتہ ویران سا تھا۔ آنکھوں میں بار بار نمی آتی جسے وہ سویٹر کی آستین سے رگڑ لیتا۔

☼ ☼ ☼

بھولنے والا لوٹ تو آیا
وقت مغرب یا عشاء کا تھا

چھوٹے باغیچے والے گھر میں کچن سے پکتے کھانے کی مہک یوں پھیل رہی تھی جیسے پانی کے گلاس میں ٹپکا انک کا قطرہ پھیلتا ہے۔ ساری فضا اشتہا انگیز خوشبو سے معطر ہو گئی تھی۔ ایسے میں حنین' سعدی کے خالی کمرے میں بے مقصد کرسی پہ بیٹھی تھی۔ کہنیاں میز پہ ٹکائے' چہرہ ہتھیلیوں پہ گرا دیا۔ عینک اتار کر سائیڈ پہ رکھ دی۔ کچھ دیر انگلی سے میز پہ لکیریں کھینچتی رہی۔ پھر یکایک چونکی۔

قریب میں سفید جلد والی کتاب رکھی تھی۔ ساتھ ریپر اور کارڈ۔ سعدی وہ کتاب کسی کو تحفے میں دے رہا تھا؟ اچنبھے سے اس نے کارڈ اٹھایا۔ سالگرہ کا کارڈ' زمر کے نام۔ اوہ۔ پھپھو کی سالگرہ تھی نا چند دن بعد۔ تو سعدی وہ کتاب زمر کو دینے جا رہا تھا۔ یہ وہی کتاب تھی' جو برسوں پہلے اس نے ایک دفعہ یونہی کھول لی تھی۔ اب دوبارہ کھولی تو پہلے صفحے پہ ہاشم کا نام لکھا تھا۔ اس نے نام پہ انگلی پھیری اور مسکرا دی۔ پھر بے مقصد صفحے پلٹتی رہی۔ دفعتاً" درمیان میں ایک ورق پہ رکی۔

سات سو برس پہلے کے زرد زمانوں کو جاتا دروازہ سامنے تھا۔ حنین نے رک کر سوچا کہ اندر جائے یا نہیں' پھر بنا مزید کچھ سوچے اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے دھکیلا۔ لکڑی کے قدیم منقش پٹ وا ہوئے۔ وہاں سے ڈھیروں روشنی کا سیلاب امڈ آیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

روشنی قدرے تھمی تو اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ قدیم دمشق کے اس زرد سے مکان کے باہر کھڑی تھی جو مسجد سے ملحقہ تھا۔ ایک زمانے میں اس نے یہاں مجمع میں گھرے ایک "بیمار" کو دیکھا تھا۔ آج یہاں ویرانی تھی۔ سناٹا تھا۔ زرد سی شام اتر

رہی تھی۔ روشنی اب ختم ہو چکی تھی۔ مکان کے اندر چراغ جل رہے تھے۔ پاجامے، لمبی قمیص اور ہیئر بینڈ لگے بالوں والی حنین اس سارے زرد منظر نامے میں واحد رنگین شے تھی۔ اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بلی کی چال چلتی، پھونک پھونک کر قدم رکھتی مکان کے اندر آئی۔ پہلے کمرے کا پردہ ہٹایا اور سر نیچا کر کے اندر داخل ہوئی۔

اس مطالعاتی کمرے میں جگہ جگہ دیے جل رہے تھے یا چند ایک موٹی موم بتیاں۔ دیوار میں بنے خانوں میں کتابیں رکھی تھیں۔ سامنے فرش پہ دو زانو ہو کر شیخ معلم بیٹھے تھے، اور چوکی پہ دھرے کورے پرچے پہ قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے چوکھٹ میں کھڑی تنقیدی نظروں سے ان کو دیکھنے لگی۔ پھر دل کڑا کر کے پکارا۔

"کیا آپ نے اپنی کتاب ختم نہیں کی؟" وہ سر جھکائے لکھتے رہے۔ حنین نے آنکھیں ناراضی سے سکیڑیں۔ ارد گرد سب زردی مائل تھا، جیسے پرانے زمانے کا رنگ ہو اور ایک وہی کلر فل تھی۔ پھر قدم قدم چلتی قریب آئی۔ چوکی کے عین سامنے۔ سر ترچھا کر کے گویا جھانکا۔

"کیا آپ کی کتاب میں واقعی دل کی بیماریوں کا علاج ہے؟" پوچھتے وقت شکل یوں بے نیاز بنائی گویا جواب میں دلچسپی نہ ہو، مگر ساری حسیات جواب پہ لگی تھیں۔

"ہر مرض کی دوا ہے۔ جو اسے جانتا ہے، وہ اسے جانتا ہے، اور جو اسے نہیں جانتا۔" سر جھکائے لکھتے ہوئے وہ بولے تھے۔

"آہ، آپ کے زمانے کے مرض!" اس نے گویا مایوسی سے ہاتھ جھاڑے۔ پھر سامنے بیٹھی، چوکی پہ کہنی رکھی اور ہتھیلی پہ تھوڑی گرائی۔

"طاعون اور دوسرے وبائی مرض ہمارے زمانے میں نہیں ہوتے۔ ہمارے مسئلے اور ہیں، یو نو۔ مگر نہیں، آپ کو کیا پتا۔" پھر جیسے اسے غصہ آیا۔ تیوری چڑھا کر بولی۔ "آپ سات سو سال قدیم کے ایک بوڑھے ہیں۔ ایک نائیو (naive) بوڑھے۔ آپ کو تو یہ تک نہیں معلوم کہ کمپیوٹر کیا ہوتا ہے، انٹرنیٹ کیا ہوتا ہے، ٹی وی شوز کسے کہتے ہیں... اور وہ زندگی کیسے تباہ کرتے ہیں۔ مگر نہیں... اف!" جیسے کراہ کر سر جھٹکا۔ افسوس سے ان کو دیکھا۔

"آپ کی کتاب میری مدد نہیں کر سکتی، کیونکہ اس میں میرے کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

وہ ہنوز قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے تو زچ ہو کر حنین ان کے پرچے پہ جھکی۔ گردن ترچھی کر کے پڑھا۔

"اے ایمان والو! بے شک خمر اور میسر، اور انصاب اور ازلام شیطان کے گندے کاموں میں سے ہیں، پس ان سے بچو تاکہ تم نجات پاؤ۔" حنین نے سر اٹھایا، آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے ان کو دیکھا۔

"مجھے پتا ہے یہ آیت ہے، مطلب بھی پتا ہے۔ خمر ہوتی ہے شراب۔

میسر ہوتا ہے جوا۔

انصاب ہوتے ہیں بت اور ازلام...."

آنکھیں میچ کر ذہن پہ زور دیا۔ "ہاں، فال کے تیر وغیرہ، رائٹ؟

مگر اے شیخ! یہ میرے ملک کی میرے جیسی مڈل کلاس کی لڑکیوں پہ اپلائی نہیں ہوتا۔" نہایت افسوس سے ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ کے زمانے میں ہوتے ہوں گے دمشق میں شراب کے مٹکے۔ وہ جیسے نسیم حجازی کے ناولز میں ہوتے تھے، ہم تو اس مشروب کا نام بھی نہیں لیتے، لینا پڑے تو انگریزی میں الکحل کہہ دیتے ہیں، انگریزی میں چیزیں کم بیہودہ لگتی ہیں۔"

رازداری سے آگے ہو کر ان کو اطلاع دی۔ وہ بغیر لکھتے جا رہے تھے۔

"بہرحال، شراب، جوا، بت، پانسے، کسی سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں میرا۔ سو۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھی۔ "آپ کی کتاب میرے کسی کام کی نہیں۔ جیسا

کہ میں نے کہا' آپ سات سو برس پرانے ایک نائیو بوڑھے ہیں۔" قدرے مایوسی' قدرے خفگی سے وہ واپس جانے کو مڑی۔

دو زانو بیٹھے' قلم سے پرچے پہ لفظ اتارتے شیخ نے ہولے سے پکارا۔

"جب شراب حرام کی گئی تھی تو وہ برتن بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔" وہ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے' "غالباً" لکھتے ہوئے اونچا بول رہے تھے۔ حنین نے تاسف سے سر نفی میں ہلایا۔

"جیسا کہ میں نے کہا' آپ کے اور میرے زمانے کے مسائل مختلف ہیں۔"

قدیم دیوان خانے کی موم بتیاں ہنوز جھلملا رہی تھیں۔ وہ ان کی مدھم روشنی میں راستہ بناتی آگے آئی اور چوکھٹ کا پردہ ہٹا دیا۔ دوسری جانب مہیب تاریکی تھی۔ اس نے تاریکی میں قدم رکھا اور..... اور کتاب بند کردی۔ سر اٹھایا تو بھائی کی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ کمرہ سفید ٹیوب لائٹ سے روشن تھا۔ لاؤنج سے بولنے کی آواز آرہی تھیں۔ حنین نے بے دلی سے کتاب واپس رکھی' اٹھی ہی تھی کہ سعدی اندر آگیا۔ اسے دیکھ کر رکا' پھر نظریں چرا کر الماری کی طرف چلا گیا۔

"ناراض ہیں آپ؟" وہ بے قراری سے اس کے پیچھے آئی۔ چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا' پھر اس کی طرف گھوما۔

"نہیں میں نے تمہیں معاف کردیا ہے۔" گہری سانس لے کر بولا۔

"دل سے کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ اس کے سامنے آیا۔ نرمی سے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھایا اور قریب بیٹھا۔ وہ سر جھکائے اپنے گھٹنوں کو دیکھتی رہی۔

"تم کسی کی موت کی ذمہ دار نہیں ہو حنہ۔ اوسی پی صاحب کا بھی اتنا ہی قصور ہے جتنا تمہارا۔ ان کو تم پہ نہیں اللہ پہ بھروسا کرنا چاہیے تھا۔ امی کے پاس جاتے' تمہاری حرکت بتاتے' تو امی تمہیں دو تھپڑ لگا کر ان کا کام بھی کرواتیں اور معافی بھی مانگنے کو کہتیں۔ ان کو پیپرز بھی نہ دینے پڑتے اور کام بھی ہو جاتا۔ مگر انہوں نے بزدلی کا راستہ منتخب کیا۔ یہ ان کی بھی غلطی ہے۔ سو اب بہتر ہے کہ ہم اس واقعے کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں۔" حنین نے جھکے سر کو نفی میں ہلایا۔

"میں ایڈمیشن نہیں لے رہی۔ میں بی اے کروں گی۔"

"ٹھیک ہے' اب تم انجینئر نہیں بنو گی۔ تم یہ ڈیزرو نہیں کرتیں۔ سب کہتے تھے' حنہ کو ہر وقت کمپیوٹر کے آگے مت بیٹھنے دیا کرو' بچی بگڑ جائے گی' مگر میں نے تمہارا انٹرنیٹ' کمپیوٹر' گیمز' کچھ نہیں روکا کبھی۔ مجھے تم پہ اعتبار تھا۔ تم نے میرا اعتبار توڑا ہے۔ حنہ ایک لفظ کی چیٹنگ بھی آپ کی ڈگری کو "ناجائز" بنا دیتی ہے۔ جو لوگ چیٹنگ کر کے میڈیکل میں ایڈمیشن لیتے ہیں' وہ ساری عمر مفت علاج بھی کرتے رہیں' تب بھی ان کی کمائی پاک ہو گی کیا؟ اللہ کے اصول بدلے نہیں جاتے۔ یو نو واٹ حنہ' میں تمہیں اس کے لیے معاف کر رہا ہوں' کیونکہ تم میں اور وارث ماموں کے قاتل میں فرق ہے۔ تم نے کہا ان کو گلٹ محسوس ہوا ہو گا' تمہیں وہ بھی نہیں ہوا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں' مجھے بھی لگتا ہے ان کو گلٹ ہوا ہو گا' وہ ماموں کی قبر پہ بھی گئے ہوں گے' ان کے نام پہ چیریٹی بھی کی ہو گی' آج بھی ماموں کے قاتل اگر ماموں کی بچیوں کو دیکھ لیں تو ان کے لیے بہت دکھ محسوس کریں گے' مگر کیا دکھ ہونا کافی ہوتا ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "بڑے گناہوں کے کفارے ہوتے ہیں' خالی خولی گلٹ اور دکھ جائے بھاڑ میں۔ ذرا دیر کو زرتاشہ کا سوگ انہوں نے بھی منایا ہو گا' اور پھر؟ کیا اعتراف جرم کیا؟ کیا کفارہ ادا کیا؟ خود کو قانون کے حوالے کیا؟ نہیں! تم ان جیسی نہیں ہو۔ تم نے کفارہ ادا کیا ہے اور حنہ! کفاروں کے بعد گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اوسی پی صاحب کی جان تم نے نہیں ان کی بیٹی اور ان کی بزدلی نے لی ہے۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں' مگر مجھے بہت عرصہ لگے گا دوبارہ تم پہ اعتبار کرنے میں' اور اب تم جو

بھی پڑھنا چاہتی ہو‘ پڑھو‘ لیکن تم مجھ سے ایک وعدہ کرو گی۔ ایک پکا عہد کہ تم دوبارہ یہ کام نہیں کرو گی۔ کیونکہ حنہ اگر کبھی مجھے یہ پتا چلا کہ حنین نے دوبارہ پیپر میں چیٹنگ کی ہے‘ تو اس دن ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔" انگلی اٹھا کر سختی سے وہ تنبیہہ کر رہا تھا۔ "مجھے دوبارہ کبھی یہ سننے مت دینا حنہ! کہ تم نے پھر سے یہی کام کیا ہے۔"

حنین نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔ (ایسا تو کبھی بھی نہیں ہو گا‘ کبھی بھی نہیں۔ اسے یقین تھا۔)

"مگر حنہ! فی الحال‘ بی اے کرنا بھی اس مسئلے کا حل نہیں ہے مسئلہ تمہاری اَیڈکشن ہے۔ کمپیوٹر اور ٹی وی ڈراموں کی ایڈکشن۔"

"ایڈکشن؟" وہ چونکی۔ بری طرح۔ ایک دم سب رک گیا۔ وہ سات صدیاں پہلے کے شیخ معلم کے نیم تاریک دیوان خانے میں بیٹھی تھی‘ اور دور کہیں سعدی بول رہا تھا۔

"میں بھی دو تین ڈرامے فالو کرتا ہوں۔ پچھلے دو سال سے Suits اور چار پانچ سالوں سے Grey's Anatomy دیکھ رہا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ڈرامے مت دیکھو‘ فلمیں مت دیکھو‘ میں یہ کہوں گا تو تم نہیں مانو گی۔ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ حد میں رہ کر دیکھو۔ زیادتی کسی بھی چیز کی ہو نقصان دیتی ہے۔"

وہ اس کا چہرہ دیکھتی‘ چپ چاپ سوچے گئی۔

"کیا سوچا پھر تم نے؟"

"خمر شیطان کی گندگی میں سے ہے۔" وہ ہولے سے بولی تو سعدی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اسے بات کا موقع محل سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ دور کسی اور زمانے میں بیٹھی بول رہی تھی۔

"شیخ نے ٹھیک کہا تھا۔ ہر شخص کا خمر مختلف ہوتا ہے۔ پتا ہے الکحل کیوں حرام ہے؟ کیونکہ وہ نشہ کرتی ہے‘ اور لت ڈالتی ہے۔ ہر نشے والی چیز خمر ہوتی ہے۔ چاہے وہ مشروب نہ ہو یا اس کا رنگ سرخ نہ ہو۔ میرا خمر یہ سب تھا۔ یہ کمپیوٹر‘ موبائل‘ انٹرنیٹ‘ ٹی وی۔

سو اب۔۔۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کروں گی۔" کوئی عزم تھا جو اسی لمحے کر لیا۔ سعدی نے بے اختیار سمجھانا چاہا۔

"حنہ‘ کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہوتی۔ اس کا استعمال اسے اچھا یا برا۔۔۔"

"بالکل بھی مت کہیے گا یہ فضول بات‘ جو لوگ دہرا دہرا کر نہیں تھکتے۔" وہ غصے سے بولی۔ "ہر چیز کے بارے میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے۔ کچھ چیزوں کا برا استعمال ان کے اندر برائی کا اثر اتنا راسخ کر دیتا ہے کہ۔۔۔ کہ ان میں آپ کے لیے اچھائی ختم ہو جاتی ہے۔ جب خمر ممنوع ہوئی تھی تو ان برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔ آپ خمر کے برتن میں آب زمزم نہیں پی سکتے بھائی۔"

"خیر‘ آج کل کے برتنوں کو دھو کر استعمال کیا جا سکتا ہے‘ وہ اس زمانے میں کدو کے برتن تھے جو۔" وہ اسے فتویٰ اور فقہ بتا رہا تھا مگر حنین نے نفی میں سر ہلایا۔

"زمانہ نہیں بدلا بھائی۔ اب بھی مسئلے وہی ہیں‘ جو سات سو سال پہلے کے دمشق میں ہوا کرتے تھے۔ کسی اور کے لیے یہ چیزیں بری نہیں ہوں گی‘ مگر میرے لیے ہیں۔ میں ان کو اب ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔" نفی میں سر ہلاتی حنین کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔

"لیکن حنہ‘ الکحل بھی اکٹھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ منع کی گئی تھی۔ تین حصوں میں۔ ایک دم سے ان چیزوں کو زندگی سے نکالو گی تو اپنا ایک حصہ ان ہی کے ساتھ کھو دو گی۔ اڈیکٹڈ آدمی کو ایک دم سے منشیات سے نہیں ہٹایا جاتا۔ ڈوز ہلکی اور مزید ہلکی کی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ چھوڑو۔ خود کو دبا کر‘ جبر کرو گی تو کتنا عرصہ ضبط ہو گا؟ ایک دن اسپرنگ کی طرح واپس وہیں آ جاؤ گی۔"

"نہیں۔ اگر ابھی نہیں چھوڑا تو کبھی نہیں چھوڑ سکوں گی۔" وہ ناں میں گردن ہلائے جا رہی تھی۔ سعدی نے مزید سمجھانا چاہا‘ مگر حنہ نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چپ ہو گیا۔ اگر وہ اپنا ضبط نفس آزمانا چاہتی تھی‘ تو

سعدی کو اسے روکنا نہیں چاہیے۔

اگلے روز ندرت نے جب کچن کی چوکھٹ پہ کھڑے ہو کر لاؤنج میں جھانکا تو دیکھا' وہ کمپیوٹر پیک کر کے سعدی کے کمرے میں شفٹ کر رہی تھی۔ اسمارٹ فون میں سے اس نے پہلے ہی سم نکال کر اسے توڑ پھوڑ کر پھینک دیا اور امی کی سم چھوٹے پرانے نوکیا سیٹ میں ڈال کر انہیں دے دی کہ میں اب یہ نہیں استعمال کروں گی۔ ندرت کو سعدی نے پتا نہیں کیا کہہ کر سمجھایا تھا کہ وہ پہلے تو چپ رہیں' پھر ڈانٹنے لگیں' انہیں اس کے انجینئرنگ میں ایڈمیشن نہ لینے کا بہت دکھ تھا' مگر وہ بے حس بنی سنتی گئی۔ کتنے دن ندرت نے اس کے ساتھ سر پھوڑا' پھر خود ہی تھک کر خاموش ہو گئیں۔ زندگی میں اور بھی غم تھے حنین کے سوا۔

اور اس تنہائی اور خاموشی کی نئی سرنگ میں داخل ہونے کے بعد حنین یوسف کے لیے ایک ہی روزن تھا۔ اپنا عہد! اگلے بورڈ ایگزام میں (بی اے کے فائنل ایگزام میں) وہ اپنی محنت سے پاس ہو گی جیسے سیکنڈ ایئر سے پہلے ہر سال ہوتی آئی تھی' اور جس دن ایمان داری کا رزلٹ آئے گا' اس کے دامن پہ لگا بے ایمانی کا داغ دھل جائے گا۔ بھائی اس پہ پھر سے اعتماد کرنے لگے گا۔ اب وہ کبھی بھی اس کو یہ سننے کا موقع نہیں دے گی کہ حنین نے چیٹنگ کی ہے۔ اب حنین ایسا کبھی بھی نہیں کرے گی۔ سعدی نے کہا تھا اگر اسے دوبارہ ایسا کچھ پتا چلا تو اس دن وہ دونوں الگ ہو جائیں گے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہو گا' اسے یقین تھا۔

وہ غلط تھی۔

☼ ☼ ☼

یہ عیاں جو آب حیات ہے اسے کیا کروں
کہ نہاں جو زہر کے جام تھے مجھے کھا گئے!

جیل کا ملاقاتی کمرہ مایوسی اور ڈپریشن کی فضا سے بوجھل ان دونوں کے گرد موجود تھا۔ فارس پیچھے کو ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر' منہ میں کچھ چباتا' نظریں آگے پیچھے کی چیزوں پہ دوڑا رہا تھا' جبکہ سعدی دبے دبے غصے اور خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

"اور وہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ نے انہیں استعمال کرنے کی کوشش کی۔"

"بریکنگ نیوز سعدی! ہر بات تمہاری پھپھو کی وجہ سے نہیں ہوتی۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"اتنی مشکل سے وہ راضی ہوئیں آپ سے ملنے کے لیے اور آپ نے سب کچھ غارت کر دیا۔" وہ دبا دبا چلایا تھا۔

"تو کیا کروں؟" فارس نے برہمی سے سعدی کو گھورا۔ "مزید ڈھائی سال یہاں گزاروں؟"

"جب میں نے کہا تھا کہ آپ کو یہاں سے نکال لوں گا تو...؟ کیا ضروری تھا زمر کو دوبارہ خود سے بدظن کرنا؟" اس کا غصہ کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"وہ ہمیشہ سے مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ تمہاری ذہین فطین پھپھو (طنز سے اسے دیکھا) اتنا تو پتا نہیں لگا سکیں کہ فارس غازی بے گناہ ہے!"

اس بات پہ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا' آنکھیں سکیڑ کر چبھتی ہوئی نظروں سے فارس کو گھورا اور پھر چبا چبا کر بولا۔

"فارس غازی صاحب! میری پھپھو آپ سے کئی گنا زیادہ اسمارٹ اور سمجھ دار ہیں' آپ کی طرح وہ ہاتھوں سے نہیں سوچتیں' دماغ سے سوچتی ہیں۔ اور ہاں' اگر آپ کی جگہ وہ جیل میں ہوتیں تو ڈھائی سال کیا' ڈھائی دن میں باہر نکل آتیں۔"

"تھینک یو وری مچ سعدی! میں بہت مرعوب ہوا ہوں۔" اس نے اتنی ہی برہمی سے سر جھٹکا۔

"آپ کو یہ بات حیران کر رہی ہے کہ اتنی اسمارٹ ہو کر بھی ان کو آپ کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے؟"

کچھ دیر بعد وہ قدرے ہموار لہجے میں بولا۔ فارس کچھ کہے بنا اسے دیکھنے لگا۔ "ماموں! آپ ایک بات بھول رہے ہیں۔ بات ذہانت یا بے وقوفی کی نہیں ہے۔ امی کو دیکھ لیں۔ امی بالکل بھی ذہین نہیں ہیں۔ دودھ چولہے پہ رکھ کر بھول جاتی ہیں۔ ان سے پوچھو کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پہ حملہ کب ہوا تھا تو تاریخ یا سن یاد نہیں ہو گا'

مگر کہیں گی' تب سعدی فلاں کلاس میں تھا۔ ان کا
کیلینڈر ان کے بچوں کی پیدائش' ان کے چلنے' بولنے'
یا فلاں کلاس میں ہونے کے مطابق ان کے ذہن میں
فٹ ہے۔ بالکل ہی بھولی ہیں امی۔ مگر جب میں نے ان
سے کہا کہ ماموں کی جعلی ٹیپ سن لیں تو انہوں نے
نہیں سنی' سن لیتیں تب بھی نہ مانتیں۔ اپنی تمام تر
سادگی کے باوجود ان کو جتنے ثبوت آپ کے خلاف مل
جائیں' وہ آپ کو گناہگار نہیں مانیں گی۔ پتا ہے کیوں؟"

"کیونکہ ان کو مجھ پہ اعتبار ہے اور۔" وہ ٹھہرا'
اثبات میں سرہلایا۔ "اور میڈم زمر کو مجھ پہ اعتبار نہیں
ہے!" بہت سالوں بعد اس کو وہ بات سمجھ آئی تھی۔
"بالکل۔ وہ آپ پہ اعتبار نہیں کرتیں' سو اب
آسمان سے فرشتے اتر کر بھی آپ کے حق میں گواہی
دیں' وہ تب بھی نہیں مانیں گی' کیونکہ ٹوٹا اعتبار جوڑنا
بہت مشکل ہوتا ہے' اور وہ کیوں کریں آپ پہ اعتبار؟
وہ آپ کو جانتی ہی کتنا ہیں؟ چند ماہ کے لیے آپ ان
کے اسٹوڈنٹ رہے تھے' وہ کبھی بھی آپ سے بے
تکلف نہیں تھیں' آپ کام کے علاوہ ان سے کبھی
کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کام پڑنے
پہ آپ سے رابطہ کرلیتیں یا خاندانی تقریبات میں آپ
سے سرسری سی ملاقات ہوجاتی اور بس۔ وہ آپ کو
ویسے نہیں جانتی تھیں جیسے ہم جانتے ہیں۔ جیسے امی
جانتی ہیں۔ جس دن وہ آپ کو جاننے لگیں گی' اسی دن
اعتبار بھی کرنے لگیں گی' اس لیے پلیز' ان کو دشمن
سمجھنا چھوڑ دیں۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیتا وہ فکر
مندی سے کہہ رہا تھا۔ "زمر دشمن نہیں ہیں' زمر وہ
واحد انسان ہیں جن کو میں اپنے ساتھ کھڑا کرنا چاہتا
ہوں اس جنگ میں' مگر ابھی یہ ممکن نہیں ہے۔ اس
لیے ان کو الزام مت دیں۔ میں آپ کو باہر نکال لاؤں
گا' ٹرسٹ می۔ صرف چند ماہ۔ مجھے چند ماہ کا وقت دیں۔
میں آپ کو یہاں سے نکال لوں گا۔" سینے پہ ہاتھ رکھے'
آگے جھکے' وہ خفگی سے ہی سہی التجا کررہا تھا۔ فارس
نے ہلکا سا اثبات میں سرہلایا۔ مگر اسے ساتھ ہی تیکھی
نظروں سے بھی دیکھا۔
"اور تم کیا کرو گے؟"
سعدی نے گہری سانس لی' پیشانی انگلی سے کھجائی۔
"جو بھی کرنا پڑا۔"
"اے... بات سنو۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ
کی۔ "کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرنا' ورنہ چار دن
میں ادھر جیل میں بند ہوگے۔" بے زاری اور غصے کے
پیچھے جیسے وہ فکرمند ہوا تھا۔ سعدی لب بھینچے آگے ہوا'
جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
"میری جو مرضی آئے میں کروں گا' جو بھی کرنا پڑا
کروں گا۔ زیادہ مسئلہ ہے آپ کو تو مجھے گرفتار کروادیں۔"
ڈھٹائی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس نے بے بسی
بھری برہمی سے اسے گھورا۔
"کچھ غلط کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"
"میں آپ پہ احسان کرنے جارہا ہوں' اس امید پہ
کہ شاید کبھی آپ بھی ایسا ہی احسان میرے اوپر کرنے
کے قابل ہوں۔ اوہ اینڈ یو آر ویلکم!"
مسکرا کر سر کے خم سے اس کا وہ شکریہ قبول کیا جو
اس نے نہ کہا تھا نہ کہنا تھا۔ اور پھر جب وہ مڑا تو اس
نے سنا' فارس نے قدرے تذبذب کے بعد کہا تھا۔
"سنو... میں ایک شخص کو جانتا ہوں' جو تمہاری مدد
کرسکتا ہے۔"

☆ ☆ ☆
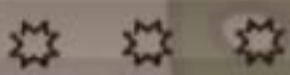
سمجھتا کیا ہے تو دیوانہ گان عشق کو زاہد!
یہ ہوجائیں گے جس جانب' اسی جانب خدا ہوگا!

سعدی قدم قدم زینے چڑھتا اوپر آیا۔ راہداری کے
سرے پہ عمارت کا فلور نمبر لکھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں
پکڑی چٹ سے پتہ تیلی کیا اور ادھر ادھر گردن گھمائی۔
آگے پیچھے فلیٹس کے بند دروازے تھے۔ وہ دائیں
طرف کے دوسرے دروازے پہ آیا اور بیل بجائی۔
"کون ہے؟" اندر سے مردانہ آواز سنائی دی۔
"مجھے... مجھے احمر شفیع سے ملنا ہے۔"
دروازہ کھلا' ذرا سی درز سے اس نوجوان نے باہر

جھانکا۔ ماتھے پہ بکھرے بال، ٹراؤزر پہ شرٹ پہنے، وہ سیاہ آنکھوں والا نوجوان تھا۔ اس نے اوپر سے نیچے تک سعدی کا جائزہ لیا جو جینز پہ گول گلے کا سویٹر پہنے کھڑا متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کوئی پیزا آرڈر نہیں کیا۔" وہ بے زاری سے دروازہ بند کرنے لگا۔ سعدی جلدی سے بولا۔

"میں سعدی ہوں۔ فارس غازی کا بھانجا۔" (کیا میں دیکھنے میں ڈلیوری بوائے لگتا ہوں؟)

بند کرتے کرتے وہ رکا، پھر دروازہ پورا کھول دیا۔ اب کہ نوجوان نے قدرے غور سے اسے دیکھا، پھر سر ترچھا کر کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ سعدی قدرے ہیجان سے اندر آیا۔

"آپ حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں، ماموں نے بتایا تھا۔" چھوٹے سے فلیٹ کو طائرانہ نظروں سے دیکھتے، وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا برائے بات بولا۔ جواب میں احمر نے شانے اچکائے۔

"ہوں۔ میرے وکیل نے سارے ثبوت مٹا دیے اور اس گھنگھریالے بالوں والی چڑیل پراسیکیوٹر کو نتیجتاً" چارجز ڈراپ کرنے پڑے۔" وہ اوپن کچن میں آیا، فریج کھولا۔ دو کوک کے کین نکالے اور مڑا تو سعدی صوفے کے ساتھ کھڑا بالکل چپ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے اسی لاپروائی سے اشارہ کیا مگر وہ نہیں بیٹھا۔

"وہ گھنگھریالے بالوں والی پراسیکیوٹر میری سگی پھپھو ہیں۔"

دانت سے کین کا منہ کھولتے احمر کو گویا ہچکی آئی۔ بمشکل سنبھالتے وہ چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثر لایا۔

"آئی ایم سوری، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ وہ بہت اچھی ہیں، میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ بیٹھو نا!"

ایک لمحے کو سعدی نے راہداری کو جاتے دروازے کو دیکھا گویا وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو، مگر یہ تو وہ جان گیا تھا کہ پہلے تاثر سچ نہیں ہوتے، سو سر ہلا کر صوفے پہ بیٹھا۔ احمر نے دوسرا کین اس کی طرف اچھالا جسے اس نے دونوں ہاتھوں میں کیچ کیا۔ (و نہی پتا نہیں کیوں تو شیرواں یاد آیا)

چند منٹ بعد وہ دونوں صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ سعدی گھٹنے برابر رکھے، آگے ہو کر، اور احمر صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، ایک پیر جھلاتا، اپنی سیاہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں، جج فارس غازی کے حق میں فیصلہ دے دے۔ اس کے لیے میں کیا کروں؟ ماموں نے کہا تھا آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

احمر نے کین اونچا کر کے گھونٹ بھرا، پھر اسے نیچے کیا۔ ابرو اچکائے۔

"سمپل۔ ایک Presentation تیار کرو، اس میں غازی کے حق میں سارے ثبوت ڈالو، اور یہ دکھاؤ کہ وہ کتنا اچھا انسان ہے، پھر اسے ایک فلیش ڈرائیو پہ ڈالو، اور وہ ڈرائیو جج کے گھر لے جاؤ، اس سے درخواست کرو کہ وہ یہ دیکھ لے، اس کے کمپیوٹر پہ اسے چلاؤ۔ پھر اس کی خوب منت کرو کہ وہ اسے رہا کر دے۔"

"کیا صرف منت کرنے سے وہ رہا کر دے گا؟"

"ابے نہیں یار!" احمر نے بدمزہ ہو کر ناک سے مکھی اڑائی۔ "جو فلیش تم اس کے کمپیوٹر میں لگاؤ گے، وہ اس کے سسٹم میں ایک mole داخل کرے گی۔ اس کے بعد جج صاحب اس کمپیوٹر پہ جو کچھ لکھیں گے، یا دیکھیں گے، اس کی لحہ بہ لحہ خبر تمہارے کمپیوٹر پہ آجائے گی۔ چند ہفتوں میں تمہیں اچھا خاصا مواد مل جائے گا جج کے خلاف۔ پہلے گمنام طریقے سے اسے بھیجنا۔ اگر وہ ڈر جائے اور جھانسے میں آجائے، تو کھلم کھلا بلیک میل کرنا۔ چند مہینوں میں غازی باہر ہو گا۔"

سعدی کا منہ کھل گیا۔ پھر آہستہ سے اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ (واؤ) احمر اب آخری گھونٹ اندر انڈیل رہا تھا۔

"ایک اور کام بھی ہے۔"

"بولو۔" اس نے کین رکھ کر سنجیدہ متوقع نظروں

"بلکہ..." احمر کا، ٹھوڑی پہ دو انگلیاں رکھے کچھ سوچا۔ "مسز شہرین سے کیش لینا۔ چیک نہیں۔ اسے یہ نہیں پتا چلنا چاہیے کہ یہ کام مجھ سے کروا رہے ہو۔"

"کیوں؟"

"وہ اپنے شوہر کو بتا دے گی اور وہ سارا غصہ مجھ پہ نکالے گا۔ اسے ویسے ہی میں ناپسند ہوں۔"

"ارے نہیں۔ وہ دونوں علیحدہ ہو چکے ہیں، اور وہ تو خود اسے ہاشم بھائی سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں۔" اس کی بات پہ احمر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"پتا ہے عورتوں کا مسئلہ کیا ہوتا ہے؟" قریب آکر قدرے رازداری سے پوچھا۔ سعدی نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ کسی نہ کسی کے سامنے کبھی نہ کبھی بول ہی پڑتی ہیں، سو آج نہیں تو دو سال بعد وہ ہاشم کو ضرور بتائے گی۔ Always a Kardar Once a Kardar اس لیے۔" ابرو اٹھا کر تنبیہ کی۔

"اوکے۔ سمجھ گیا۔" اور اس کا پھر سے شکریہ کہتا باہر جانے کو مڑا۔

"ویسے غازی کے کیس سے شہرین کاردار کا کیا تعلق؟" ٹھوڑی کھجاتے ہوئے اس نے قدرے پرسوچ انداز میں پوچھا۔ سعدی کے قدم تھمے۔ احمر کی جانب پشت تھی، سو تھوک نگل کر قدرے اعتماد سے پلٹا۔

"شہرین والا معاملہ ایک ذاتی فیور ہے۔ اس کا ماموں کے کیس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"آہاں۔" احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا مطمئن ہو گیا ہو۔ اس سے زیادہ اسے دلچسپی نہ تھی۔

✡ ✡ ✡
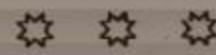
یہ حقیقت ہے جہاں ٹوٹ کے چاہا جائے
وہاں بچھڑنے کے بھی امکان ہوا کرتے ہیں

قصر کاردار پہ گہری سیاہ شام پھیل چکی تھی، جب ہاشم بیرونی دروازہ عبور کر کے لاؤنج میں داخل ہوا۔ ملازم اس کا بریف کیس لیے پیچھے تھا۔

جواہرات اپنی مخصوص اونچی کرسی پہ براجمان تھی، اور نوشیرواں اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں کوئی بات کر رہے تھے، ہاشم کو دیکھ کر خاموش ہوئے۔ خلاف معمول وہ سیدھا اوپر نہیں گیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا، قریبی صوفے پہ آبیٹھا۔ تھکا تھکا اور کسی سوچ میں لگ رہا تھا۔

"خیریت؟" جواہرات نے محتاط نظروں سے اس کا چہرہ تکا۔

"سعدی آیا تھا آج۔" وہ سر تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے، پیر میز پہ رکھے، سامنے دیوار کو دیکھتے سوچتے ہوئے بولا تو جواہرات اور شیرو نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیوں کیا کہہ رہا تھا؟" گردن کی موتیوں کی لڑی پہ خوامخواہ ہاتھ پھیرتے وہ سرسری سا بولی۔ آنکھوں میں بے چینی اتر آئی تھی۔

جواب میں وہ ساری بات اسی سوچ میں گم انداز میں بتاتا گیا، جسے سن کر جواہرات کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے، شیرو نے بھی گہری سانس لی۔

"میں نے وکیل کے بدلاؤ کی بات پہ بازپرس کی تو وہ بھڑک اٹھا۔ اس نے کبھی مجھ سے ایسے بات نہیں کی۔ مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانہ چاہتا تھا۔" پھر ایک دم چونک کر گردن موڑی۔ فیونا اسپرے کی بوتل اٹھائے گزر رہی تھی۔ ہاشم نے اسے پکارا تو وہ رکی۔

"سعدی کو جانتی ہو نا؟ کیا وہ آج گھر آیا تھا؟" فیونا نے جواب دینے سے قبل ایک ذرا کی ذرا نظر جواہرات پہ ڈالی، جو دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی، پھر ہاشم کو دیکھا اور مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"نو سر۔ آخری دفعہ میں نے اسے چار روز قبل ادھر دیکھا تھا۔" ہاشم نے سر ہلا کر اسے جانے کو کہا۔

"آپ کی تو کوئی بات نہیں ہوئی اس سے؟" اب وہ جواہرات کو الجھے انداز میں مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

"نہیں، کیوں؟ ہمارا کیا تعلق؟"

"نہیں مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانا ڈھونڈنے آیا تھا۔"

سے سعدی کو دیکھا۔ وہ قدرے متذبذب تھا۔

"ایک معزز خاندان کی لڑکی کی ایک گالف کلب کے ریکارڈ میں کچھ فوٹیجز ہیں جو......"

"وہ کیسی فوٹیجز؟ جوا؟ ڈرگز؟ یا کچھ اور؟" وہ جو رک رک کر بتا رہا تھا' احمر نے اتنی ہی سادگی سے پوچھا۔

سعدی نے گہری سانس لی۔ فجر پہ اٹھ کر قرآن پڑھنے والوں کو غلط باتیں کرنا زیادہ ہی غلط لگا کرتا ہے۔

"وہ کارڈز کھیل رہی تھیں۔ آف کورس 'جوا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"مطلب فوٹیجز غائب کرنی ہیں؟ ہو جائیں گی۔ کلب کا نام کیا ہے؟ ویسے مجھے اندازہ ہے یہ کدھر ہوا ہو گا' بہرحال' نام' تاریخ' لڑکی کی تصویر' سب دے دو۔ میں کر لوں گا۔"

"مگر آپ اس کے شوہر کو نہیں بتائیں گے۔" احمر نے اچنبھے سے ابرو سکیڑے۔

"کیا میں اس کے شوہر کو جانتا ہوں؟"

"مسز شہرین کاردار۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

احمر چونک کر سیدھا ہوا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' حیرت سے اسے دیکھا۔ "ہاشم کاردار کی بیوی' اوہ ہو۔ یہ تو کافی شرمناک ہو گا کاردار صاحب کے لیے۔ بیوی کی گیمبلنگ فوٹیج؟ چچ چچ۔ یہ تو اسکینڈل بن سکتا ہے۔" اس نے ماتھے کو چھوا۔ "ہاشم کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ غازی کا کزن ہے' مجھے پسند نہیں ہے مگر وہ ایک عزت دار آدمی ہے۔ اوہ تم اس سے ناراض تو نہیں غازی کی طرح؟"

سعدی کے چہرے پہ اس نام پہ آئی ناپسندیدگی دیکھ کر اس نے وضاحت دی۔ "اس نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی غازی کو نکلوانے کے لیے' مگر اس کے والد نے اسے روک دیا اور انہوں نے بھی اپنے ایڈوائزر؟ تم کیا ان کو کسی نے فارس کی مدد نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا؟" پوچھتے ہوئے اس کے ابرو غصے سے تن گئے۔ احمر نے بے اختیار اس کو دیکھا' پھر سینٹر ٹیبل پہ رکھے کانچ کے گلدان پہ نظر ڈالی جو اگر ٹوٹتا تو بہت زور کا لگتا۔ آوچ!

"آ... ہاں شاید کسی نے مشورہ دیا تھا۔ پتا نہیں کون تھا' میں تو اڑتی اڑتی سی ہے!" گڑبڑا کر کہتے اس نے تھوک نگلا۔ سعدی سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اصل کام یاد آیا۔

"تو کیا آپ شہرین کی فوٹیج غائب کر سکتے ہیں؟" وہ بے چینی سے آگے ہوا۔

"ہاں' لیکن وقت لگے گا' کسی اور سے نہیں کروا سکتا۔ خود کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا اس سب پہ وقت کے ساتھ پیسہ بھی لگے گا تو....." کہتے ہوئے سعدی نے جینز کی جیب پہ ہاتھ رکھا گویا بٹوہ نکالنے لگا ہو۔ مگر احمر نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"نہیں' میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔"

"نہیں پلیز' میں آپ کو ہائر کر رہا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو لوگ ایسے کاموں کے لیے ہائر کیا کرتے ہیں تو ظاہر ہے مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر میں......"

"سنو بچے۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے ہاتھ اٹھا کر سعدی کو مزید بولنے سے روکا۔ "پہلی بات۔ میں تم سے پیسے نہیں لوں گا' اور دوسری بات' جس جیب پہ تم نے ہاتھ رکھا ہے' تمہارا بٹوہ اس میں نہیں' بلکہ دوسری جیب میں ہے۔ شرمندہ مت ہونا' مجھے پتا ہے تم اپنی خودداری کی وجہ سے کہہ رہے ہو' اس لیے سنو' میں بھی اپنی خودداری کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔"

سعدی نے تکان سے ٹھنڈی سانس بھری' اب شرمندہ کیا ہونا؟ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "تھینک یو' فری سروسز کرنے کے لیے۔" اور ہلکا سا مسکرایا۔

"ایک منٹ بھائی ایک منٹ!" احمر اٹھ کر آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا "اب یہ نہیں کہا کہ فری کام کروں گا۔ تمہارا کام ہو جائے گا' مگر شہرین بی بی سے کہنا' میرا چیک تیار رکھیں۔"

"اوہ۔ شیور!" وہ سنبھل کر مسکرا دیا۔

کسی اور بات پہ خفا تھا اور غصہ کسی اور طرح نکلا۔" پھر ہولے سے سر جھٹکا۔ "شاید میں زیادہ ہی سوچ رہا ہوں۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ اتنے سال جس لڑکے کے ساتھ میں اتنی شفقت سے پیش آتا رہا' وہ اس طرح بات کیسے کرسکتا ہے۔ مجھ سے؟" اسے کافی دکھ ہوا تھا۔ شیرو نے بمشکل ناگواری چھپائی۔

"وہ تو اسی طرح کا ہے۔ بدتمیز اور احسان فراموش۔ آپ کو ہی اس کی اصلیت دیر سے پتا چلی۔ مگر آپ اب بھی اس کے ساتھ وہی چھوٹے بھائی والا رویہ رکھیں گے مجھے پتا ہے۔"

"اب نہیں۔" ہاشم کے چہرے پہ تلخی گھل گئی۔ آنکھوں میں بے پناہ سختی اتر آئی۔ اس کے دل میں سعدی کے لیے گرہ پڑ گئی' سو پڑ گئی۔ "جس طرح وہ آج بدتمیزی سے بولا میں دوبارہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" پیر نیچے اتارے اور جھک کر بوٹ کا تسمہ کھولنے لگا۔

"یہی بہتر ہے۔" جواہرات نرمی سے مسکرائی اور شیرو کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بھی مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

ہاشم تسمہ کھول کر سیدھا ہوا اور جیب سے ایک کی چین نکال کر شیرو کی جانب اچھالی' جو اس نے بروقت کیچ کی۔ پھر اسے الٹ پلٹ کر چابیاں دیکھیں۔

"یہ کیا ہے؟"

"تمہاری نئی کار۔" بیٹھے بیٹھے چہرہ اٹھا کر وہ تکان سے مسکرایا۔ نوشیرواں نے بے یقینی سے اسے دیکھا' اور پھر چابیوں کو۔

"نہیں' یہ وہ اسپورٹس کار نہیں ہے۔ جو تم چاہتے تھے۔ اس کی جگہ ایک ایگزیکٹو لگژری کار دے کر میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں نوشیرواں' کہ تمہاری کمپنی جو ڈیڈ نے تم سے لی تھی' میں نے تمہیں واپس کردی ہے' تمہیں ہر وہ چیز نہیں ملے گی جو تم چاہتے ہو' بلکہ وہ دی جائے گی جو تمہارے لیے بہتر ہو۔" اور پھر نرمی سے مسکرایا۔

"تھینک یو سو مچ بھائی۔" وہ حیران' خوش' متمیزی

سے باہر بھاگا۔ ہاشم اب اٹھ کر اوپر جا رہا تھا۔ جواہرات مسکراتے ہوئے' سکون اور اطمینان سے دونوں بیٹوں کو جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ لاؤنج میں اکیلی رہ گئی تو میز پہ رکھے شیرو کے فون کی بپ بجی۔ اس نے بنا توقف کے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ شہرین کا میسج تھا۔

کوئی عام سی بات کہی تھی اس نے' مگر جواہرات کے ابرو تن گئے۔ پرسوچ انداز میں بیرونی دروازے کو دیکھا' جہاں سے شیرو گیا تھا اور پھر... انگلیوں کو حرکت دی' پیغام مٹا دیا۔ فون واپس رکھا' اور اسی شان سے اس کرسی پہ بیٹھی رہی جو کسی ملکہ کا خاصا ہوتی ہے۔ تنی گردن' بے نیاز مسکراہٹ اور ایک عظیم الشان سلطنت کے خیال سے چمکتی آنکھیں۔

وہ آزاد تھی۔ اورنگ زیب کی غلامی کی زنجیروں سے یکسر آزاد۔ سوا گلا ڈیڑھ برس بہت اچھا گزرا۔ ہاشم نے کاروبار' گھر' سب سنبھال رکھا تھا۔ سونی شہرین کے پاس ہوتی' کبھی آجاتی تو اچھا لگتا۔ شہرین آتی تو اچھا نہ لگتا' مگر وہ اس کو فی الوقت تحمل سے برداشت کیے ہوئے تھی۔ شیرو کا شیری کی جانب بڑھتا رجحان بھی اس کی نظر میں تھا' مگر ابھی اسے برداشت کرنا تھا۔

سعدی اور اس کے خاندان کا داخلہ یہاں اب بند تھا۔ سونی کی اگلی پارٹی پہ (جو اورنگزیب کی وفات کی پانچ ماہ بعد ہوئی) اس نے سعدی کو دعوت نامہ بھجوایا' مگر وہ نہیں آیا۔ ہاشم بھی اب اس کا ذکر نہیں کرتا تھا' سوائے ایک دو دفعہ کے' جب اس نے بتایا سعدی اسے اپنے آس پاس نظر آیا ہے' کبھی کسی ہوٹل تو کبھی کسی اور پبلک پلیس پہ' جیسے وہ کسی چیز کے پیچھے ہے' تو جواہرات نے نظر انداز کیا۔ مگر ہاشم زیادہ عرصہ اس بات کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ یہ عرصہ بھی اس لیے توجہ نہیں کرسکا کہ باپ کے مرنے کے بعد ٹیک اوور کرنا' ہر شے سنبھالنا' ان سب بکھیڑوں نے اسے مصروف کردیا تھا۔ ایسے میں کس کے پاس اتنا وقت تھا' کہ جیل میں جہنم واصل ہوئے کزن یا اس کے بھانجے کی فکر کرے؟ اسے جس دن سعدی کو "چیک" کرنے کا خیال آیا' فارس اسی دن رہا ہو کر ان کی زندگیوں میں

واپس پہنچ گیا‘ اور جیسے پرسکون ندی میں زوردار پتھر آن گرا تھا۔

آج ڈیڑھ سال بعد کی اس خاموش سہ پہر‘ جب جواہرات زمر کے گھر سے فارس کے ہمراہ لوٹی تھی‘ اور اپنے خالی گھر میں اسی اونچی کرسی پہ بیٹھی تھی‘ تو اپنے کان کے بندوں پہ انگلی پھیرتے‘ نم آنکھوں سے اسے وہ سب یاد آرہا تھا‘ جو یاد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور ہاں‘ ایک بات وہ اب بھی جانتی تھی۔ ہاشم اعتراف کرے یا نہیں‘ وہ آج بھی سعدی سے محبت کرتا تھا۔ وہ آج بھی اسے مس کرتا تھا۔

تو پھر... بالآخر... ہم بھی ڈیڑھ برس قبل کے سرما کے سرد ماضی کی کہانی کو وہیں دفن کر کے مکمل طور پہ ''حال'' کے موسم گرما کی جانب بڑھتے ہیں‘ جہاں فارس غازی کی رہائی کے بعد سب کی زندگی بدل رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼
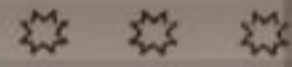
رک گیا میں سزا سے کچھ پہلے
اس کو احساس خود خطا کا تھا

یوسف صاحب کے روشن گھر پہ مئی کی گرم شام اتری تھی اور وہ ڈرائنگ روم میں عین اسی جگہ وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے جہاں دوپہر میں تب براجمان تھے‘ جب فارس اور جواہرات ادھر تھے۔ البتہ اب حاضرین بدل چکے تھے۔ ندرت سامنے صوفے پہ بیٹھیں‘ دھیمی آواز سے بڑے ابا کو تسلی دے رہی تھیں اور سعدی‘ وہ جو آفس سے فارس کا فون سن کر گویا بھاگتے ہوئے امی کو لیے ادھر آیا تھا‘ کھڑکی کے ساتھ کھڑا‘ نفی میں سرہلا رہا تھا۔ پھر ان کی جانب مڑا تو چہرے پہ خفگی تھی۔

''آپ کس طرح اپنے منہ سے یہ بات فارس ماموں سے کہہ سکتے ہیں؟ کم از کم امی یا مجھ سے تو بات کرتے۔ وہ کیا سوچتے ہوں گے؟''

''زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے‘ سعدی۔'' ندرت خفا ہوئیں۔ ''آج کل لڑکی والوں کا کہنا معیوب نہیں سمجھا جاتا‘ اور اس میں غلط بھی کیا ہے؟ اگر زمر کو اعتراض نہیں تو تم کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو؟''

''یہ جس جگہ آپ بیٹھی ہیں‘ ادھر‘ بالکل ادھر پچھلے ہفتے فارس ماموں بیٹھے تھے‘ جب زمر آئیں اور ان کو کھڑے کھڑے یہاں سے نکال دیا۔'' باقاعدہ انگلی سے اس صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ندرت نے بے اختیار پہلو بدلا۔ ''مان ہی نہیں سکتا میں کہ زمر مان گئی ہیں۔'' بہت ہی شدت سے اس نے نفی میں سرہلایا۔ بڑے ابا نے گردن اٹھائی۔ بے بسی سے اسے دیکھا۔

''وہ مانی نہیں ہے‘ بس اس نے کہا کہ جو میری مرضی ہو میں کردوں۔''

''یعنی کہ آپ لوگ ان پہ دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ایسا مت کریں بڑے ابا۔'' وہ ناراض ہوا۔

''اور اسی جگہ کھڑے ہو کر تم نے پچھلے ہفتے سعدی مجھے کہا تھا کہ میں زمر کی شادی کردوں‘ فارس سے۔'' وہ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔

''مگر ایسے نہیں کہ وہ زبردستی یہ فیصلہ کریں۔''

''تو پھر جاؤ بیٹے‘ زمر سے بات کرو‘ اس سے پوچھو کہ بغیر جبر کے بتائے‘ وہ کیا چاہتی ہے۔ میں وہی کروں گا جو وہ چاہتی ہے۔''

سعدی کھڑا لب کاٹتا رہا۔ وہ الجھا ہوا تھا‘ خفا بھی تھا۔ کیا چیز غلط تھی‘ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مگر کچھ صحیح نہیں تھا۔

''مجھے اس سب میں مسز کاردار کی مداخلت نہیں پسند آئی بڑے ابا۔ وہ کیوں اتنی بے چین ہیں زمر کی شادی کے لیے؟''

''ان کو کہا تھا میں نے کہ زمر کو شادی کے لیے قائل کریں‘ وہ میرے کہنے پہ مداخلت کر رہی ہیں۔'' ان کی وضاحت پہ سعدی نے الجھے الجھے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''مجھے نہیں پتا‘ مگر مجھے یہ اس طرح ٹھیک نہیں لگ رہا۔'' اور اسی متفکر چہرے سے باہر نکل آیا۔

لان میں شام اندھیری ہو چکی تھی۔ وہ برآمدے کی سیڑھی پہ بیٹھا کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر جیب سے موبائل نکالا اور جواہرات کا نمبر ملایا۔ فون کان سے لگائے سنجیدہ آنکھوں اور تنے تاثرات کے ساتھ دوسری

جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔

"سعدی! اتنے عرصے بعد فون پہ تمہاری آواز سنی۔ کبھی کبھی ہمارے لیے وقت نکال لیا کرو۔" وہ نرم خوشگوار انداز میں بولی تھی۔

"آپ یہ گلہ ایسے کرتی ہیں جیسے خود بھی واقف نہ ہوں کہ اب میرے لیے وقت کس کے پاس نہیں ہوتا۔" چاہ کر بھی وہ بے زار۔۔۔ نہیں ظاہر کر سکا خود کو۔ ہاشم کی ماں کو ہاشم کے کارناموں سے وہ ہمیشہ الگ رکھتا تھا۔ ہر چیز کے باوجود!

"اس رات شادی میں بھی تم نے مجھ سے خاص بات نہیں کی۔ سونی کی پارٹی پہ اس نیکلس والے واقعے کا۔۔۔"

"مسز کاردار' آج آپ نے کیا کیا ہے؟" اس نے اکھڑے خشک انداز میں بات کاٹی وہ تو ترنت بولی۔ "اور کیا کیا ہے میں نے؟"

"مجھے نہیں معلوم' آپ کیوں زمر اور فارس کی شادی کروانا چاہتی ہیں۔ مگر وجہ جو بھی ہو' میں نے بڑے ابا کو کہہ دیا ہے کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے سختی سے کہتے گویا بات ختم کی۔

"تیسری دفعہ' سعدی؟" وہ محظوظ' مزہ لینے والے انداز میں گویا ہوئی تو وہ الجھا۔

"سوری!"

"پہلی دفعہ بچپن میں زمر کے جہیز کو آگ لگانا' اور دوسری دفعہ چار سال پہلے زمر کو ایک خطرناک کیس میں دھکیلنا۔ دو بار تم نے اس کی شادی نہیں ہونے دی۔ اب تیسری دفعہ رخنہ ڈالو گے؟"

"ایکسکیوزمی؟" بے یقینی سے اس نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"مشکل بات نہیں کی میں نے۔ تم نے خود بتایا تھا' بچپن میں وہ تمہیں اپنی شادی کی چیزیں دکھا رہی تھی' اور پھر وہ چلی گئی اور تم وہیں کھیلتے رہے' پھر کھیل کھیل میں آگ لگ گئی اور اس کا جہیز جل گیا۔"

"میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار!" کچھ دیر پہلے کے تنے تاثرات غائب تھے اور وہ پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ بمشکل بول رہا تھا۔

"اور تم اچھی طرح جانتے تھے کہ تم کیا کر رہے ہو۔" وہ شاید مسکرائی تھی۔ "تم سے کھیل میں آگ نہیں لگی تھی۔ تم نے جان بوجھ کر آگ لگائی تھی۔" اس نے محظوظ سی سرگوشی کی اور وہ دم سادھے' سانس روکے بیٹھا رہ گیا۔

"میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار!" مگر وہ کہے جا رہی تھی۔

"وہ تمہاری بیسٹ فرینڈ تھی' اور وہ شادی کے بعد کراچی چلی جاتی۔ تم جیلس ہو گئے تھے' اور ان سیکیور بھی۔ مجھے جب تم نے بتایا تھا' تب میں نے تمہاری آنکھیں پڑھی تھیں' بچے۔ وہ آگ تم نے خود لگائی تھی۔"

"میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار۔" بدقت کہہ کر اس نے نچلے لب میں دانت پیوست کیے۔ جیسے ڈھیروں ضبط کیا۔ آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

"مگر اب تم دس سال کے نہیں ہو۔ اب بڑے ہو جاؤ اور اپنی پھپھو کو اس کی زندگی گزارنے دو۔ اس کے رشتے میں مداخلت مت کرو۔ کیونکہ جب تم مداخلت کرتے ہو تو وہ صرف نقصان اٹھاتی ہے۔"

"آپ۔۔۔ آپ یہ اس لیے کہہ رہی ہیں تاکہ۔۔۔ تاکہ میں اس معاملے سے خود کو الگ کر لوں اور آپ کا جو بھی مقصد ہے وہ پورا ہو جائے۔" اس نے کمزور لہجے کو مضبوط کرنے کی ناکام جہد کی۔

"ہاں' میں اسی لیے کہہ رہی ہوں' مگر یہی سچ ہے۔ کیا نہیں ہے؟" اور لمحے بھر کی خاموشی کے بعد فون بند ہو گیا۔

سعدی کتنی دیر چپ چاپ اس سیڑھی پہ بیٹھا رہا۔ آنکھیں قدموں میں اگے گھاس پہ جمائے' وہ مسلسل لب کاٹ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا جواہرات اسے ڈسٹرب کرنا چاہتی تھی' مگر اس بات کا علم ہونا ڈسٹرب ہونے سے روک نہیں سکتا۔

میں دلائل پہ تکیہ کر بیٹھا

آہ ! وہ وقت التجا کا تھا

کافی دیر بعد جب وہ اٹھ کر اندر آیا تو ندرت اور بڑے ابا مسلسل اسی بات پہ غور و خوض کر رہے تھے۔ اس چہرے کے ساتھ نہیں آیا جس کے ساتھ گیا تھا۔

سو ان کو وہیں چھوڑے، راہداری میں آگے چلا گیا۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور ملازم لڑکا صداقت اسٹول بیٹھا، پیاز چھیلتے اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کر شرمندہ سا اٹھنے لگا مگر سعدی مزید آگے بڑھ گیا۔ زمر کے دروازے پہ دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ فائل پہ جھکا لیمپ جل رہا تھا، اور وہ گردن ترچھی کیے قلم سے کچھ لکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اٹھایا۔ اسے دیکھ کر بھوری آنکھوں میں نرمی آئی اور مسکرائی۔

"آؤ سعدی!" سامنے کاؤچ کی جانب اشارہ کیا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ وہاں آبیٹھا۔

"اور کیا ہو رہا ہے؟" فائل بند کرتے ہوئے اس نے اسی نرمی سے پوچھا۔ سعدی نے بدقت مسکرانے کی سعی کی۔

"بس جاب چل رہی ہے۔ آپ۔" وہ رکا۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔

"ابا نے بھیجا ہے۔ مجھ سے بات کرنے کے لیے؟"

"جی، مگر.... میں آپ سے وہ بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ جو ولائل پہ تکیہ کیے مزید چند فقرے بولنے جارہی تھی، اپنے انہی سپاٹ انداز میں بے تاثر سے فقرے، سعدی کی بات نے اسے روک دیا۔ وہ چونک کرنا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تو پھر....؟"

"بڑے ابا نے کہا ہے کہ آپ اس شادی پہ راضی ہیں۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں زمر! کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں، میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔" سر جھکائے، انگلیاں مروڑتے بجھا بجھا سا کہہ رہا تھا۔ "آپ بغیر کسی مجبوری یا دباؤ کے فیصلہ کریں، اپنی زندگی کا فیصلہ۔ میں آپ کو سپورٹ کروں گا۔"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سب کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی۔ آپ ان سے نفرت کرتی ہیں، اور پھر بھی آپ ان سے شادی کرنے جارہی ہیں۔"

زمر کے بظاہر پرسکون چہرے پہ سایہ سا لہرایا، مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ سر جھکائے وہ کہے جارہا تھا۔

"آپ کا دل بھی ان کی طرف سے صاف نہیں ہوا، لیکن اس سب کے باوجود بھی آپ ان سے شادی کرنے جارہی ہیں، تو میں آپ سے صرف ایک چیز چاہتا ہوں۔" اس نے جھکی نظریں اٹھا کر زمر کو دیکھا جو دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

"کیا آپ مجھ سے وعدہ کرتی ہیں کہ آپ فارس ماموں کو کبھی ہرٹ نہیں کریں گی؟"

زمر نے تھوک نگلا، یوں کہ اس کی آنکھیں گھنگھریالے بالوں والے خوبصورت لڑکے پہ جمی تھیں، اور لب خاموش تھے۔

"کیا آپ مجھ سے وعدہ کریں گی کہ آپ کبھی بھی، ان کو دانستہ طور پہ نقصان نہیں پہنچائیں گی؟" وہ برے اور بھیانک خوف کے زیر اثر کہہ رہا تھا۔ زمر نے خوامخواہ چہرہ پھیر کر میز کو دیکھا، پھر لیمپ کو، پھر فائلز کو، اور پھر دوبارہ سعدی کو۔ اتنا بڑا وعدہ جو انتقام کے ہر ارادے کو مار ڈالے؟

"میں.... میں اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ آئی پرامس!" چند لمحے بعد وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی اور دوبارہ تھوک نگلا۔ سعدی نے گہری سانس لے کر بھنوؤں پہ ہاتھ رکھے، سر جھکا دیا۔ گویا تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔ زمر ہنوز پلک جھپکے بنا اسے دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے سر اٹھایا۔ مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ جو بھی چاہیں گی، میں وہی کروں گا اور کرواؤں گا۔" زمر پھیکا سا مسکرائی۔ (اور جب وعدہ ٹوٹے گا تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گا؟)

"ابا چاہتے ہیں، میں اس سے شادی کر لوں، میں

کرلوں گی سعدی۔"

"میں نے کہا نا' میں آپ کے ساتھ ہوں۔" وہ دروازے تک گیا' پھر رکا۔ مسکراہٹ مدھم ہو کر حزن میں بدلی۔ سر جھکائے' بنا مڑے' دھیرے سے بولا۔

"اور مجھے معاف کر دیجیے گا' میری ہر اس چیز کے لیے جس نے آپ کو نقصان پہنچایا' آئی ایم سوری' زمر میں جان بوجھ کر نہیں کرتا' پھر بھی میری وجہ سے کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے!" اور پھر رکے بنا باہر نکل گیا۔

زمر نے کنپٹی کو انگلی سے مسلا۔ اسے لگا' انگلیوں میں لرزش ہے۔ کرسی گھما کر رخ دائیں طرف کیا تو سنگھار میز پہ لگا آئینہ سامنے آیا' اور اس کا عکس بھی۔ کرسی پہ بیٹھی' گھنگھریالے خوب صورت بالوں والی لڑکی جس کے ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ مگر آنکھیں پریشان تھیں۔

تب ہی اس کا فون بجا۔ وہ چونکی۔ غیر شناسا نمبر آرہا تھا۔ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے' اس نے موبائل کان سے لگایا۔

"ہیلو۔"

"پراسیکیوٹر صاحبہ' مجھے تو پہچانتی ہوں گی آپ۔" اور وہ فارس کی آواز کیسے نہیں پہچان سکتی تھی؟ فکر مند تاثرات بدلے۔ آنکھیں سنجیدہ اور سپاٹ ہو گئیں۔

"جی فارس۔ کہیے۔"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔ وقت آپ بتائیں' جگہ میں بتاؤں گا۔"

اس نے آنکھیں میچ کر بہت سی کڑواہٹ اندر اتاری اور پھر ہموار لہجے میں بولی۔ "اوکے! کل شام چار بجے مل سکتی ہوں میں۔ مگر کدھر؟"

"اسی ریسٹورنٹ میں جہاں آپ کو بلا کر گولی ماری تھی میں نے۔ کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟"

زمر کی آنکھوں کی سرد مہری مزید بڑھی۔ "شیور۔" اور موبائل کا بٹن زور سے دبا کر کال کاٹی۔ اذیت سی اذیت تھی۔

☼ ☼ ☼

عکس چننے میں عمر گزری ہے
ایسا ٹوٹا ہے آئینہ مجھ سے

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں ٹی وی کا شور جاری و ساری تھا' اور حنین نفی میں سر ہلاتی ادھر ادھر چکر لگاتی پھر رہی تھی۔ دفعتاً" وہ رکی' اور تندہی سے صوفے پہ بیٹھے سعدی کو گھورا۔

"وہ جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"کیا تم چند لمحوں کے لیے زمر اور اپنے تمام اختلافات بھلا کر ان کے لیے غیر جانب داری سے نہیں سوچ سکتیں؟" وہ تھک سا گیا تھا۔ حنین نفی میں سر ہلاتی سامنے بیٹھی۔ ہاتھ سے ماتھے پہ کٹے بال ہٹائے جو پھر دوبارہ وہیں گر گئے۔

"وہ اصل بات چھپا رہی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بغیر کسی منفی وجہ کے ماموں سے شادی پہ راضی ہو جائیں۔" وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے وہ بڑے ابا کے کہنے پہ ایسا کر رہی ہیں' اور دل میں ابھی ابھی ماموں کے لیے تعفن ہو گا۔ شاید وہ سچ کی تلاش میں ہیں' ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے' نا کہ ان پہ شک کرنا چاہیے۔"

"او خدا۔ آپ لوگوں کو کیوں نہیں نظر آرہا؟" وہ متعجب' حیران پریشان تھی۔ "وہ زمر یوسف ہیں' ان کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ فارس ماموں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں' اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"انہوں نے مجھے زبان دی ہے کہ وہ فارس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔" وہ ایک ایک حرف بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور الجھی الجھی سی انگلی کا ناخن دانت سے کترنے لگی۔

"مگر...." چند ثانیے بعد انگلی دانتوں سے نکال کر وہ حتمی انداز میں بولی۔ "مگر میں ان پہ یقین نہیں کر سکتی۔"

"بس کر دو حنین۔" ندرت کچن سے اکتا کر نکلیں۔ ہاتھ میں کفگیر تھا گویا حنین کو دے مارنے کا ارادہ ہو۔ ان دونوں کے سامنے کھڑے' کمر پہ ہاتھ رکھے' وہ جب

بولیں تو بے زار لگ رہی تھیں۔

"کوئی عقل ہے تم میں؟ وہ فارس کو برا بھلا کہتی تھی تب بھی ہم سب کو شکایت تھی' اب نہیں کہہ رہی' تب بھی تم اس کے پیچھے پڑی ہو۔ جب ایک دفعہ اس نے اپنے الزامات واپس لے لیے تو اسے معاف کرو اب۔"

"مگر وہ کیسے ہنسی خوشی ماموں سے شادی کر سکتی ہیں'" حنین اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولی۔ لاشعوری طور پہ کشن پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ادھر امی نے کفگیر گھمایا' ادھر اس نے کشن کو ڈھال بنایا۔

"کیونکہ اس میں تم سے زیادہ عقل ہے۔" وہ بھی گویا تھک گئی تھیں۔ "وہ بیمار ہے بیٹا' اس کے گردے خراب ہیں' اور بڑے ابا پہلے سے زیادہ بیمار رہنے لگ گئے ہیں۔ (حنہ نے آہستہ سے کشن چھوڑ دیا۔) اس کو فارس سے بہتر رشتہ نہیں ملے گا' وہ سمجھ چکی ہے۔ اس لیے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے گزشتہ رویے کا ازالہ کرنے جا رہی ہے۔ تو تم دونوں کیوں مین میخ نکال رہے ہو؟"

"نہیں' مجھے تو اب کوئی اعتراض نہیں۔" سعدی نے فوراً" ہاتھ اٹھا دیے اور احتیاط سے کفگیر کو دیکھا جو ہنوز امی کے کمر پہ رکھے ہاتھ میں تھا۔ حنہ چپ چاپ لب کاٹتی رہی۔ چہرے کی خفگی اب تاسف اور ندامت میں بدل گئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" بس اتنا سا کہا اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ندرت افسوس سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

"اسے کیا ہو گیا ہے سعدی؟ یہ پہلے ایسی نہیں تھی۔"

سعدی نے گہری سانس لیتے ریموٹ اٹھا لیا۔

"امی... ہم میں سے کوئی بھی پہلے ایسا نہیں تھا۔" ندرت کچھ منہ میں بڑبڑاتی پلٹ گئیں۔ سعدی وہیں بیٹھا رہا۔ پھر ٹی وی چھوڑ کر اپنے کمرے میں آیا۔ سیم اس کے لیپ ٹاپ پہ بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

"آپ کو کمپیوٹر چاہیے بھائی؟" اسے آتے دیکھ کر تابعداری سے پوچھا۔

"اونہوں۔ تم بیٹھو۔" اس نے جھک کر اسٹڈی ٹیبل کے نچلے دراز سے ایک چھوٹا سا باکس نکالا۔ اور الماری تک آیا۔ پٹ کھول کر احتیاط سے باکس کا ڈھکن الماری کے اندر کر کے ہٹایا۔ (سیم دور تھا۔ اس طرف اس کا رخ نہیں تھا۔) باکس کے اندر ایک پلیٹینم اور ہیروں کا جھلملاتا نیکلس رکھا تھا۔ (جواہرات کا نیکلس جو اسے واپس کرنا تھا۔) اور ساتھ میں سفید رنگ کی فلیش ڈرائیو۔ اس نے ڈرائیو نکالی' ڈبہ الماری کے اندر چھپا کر رکھا اور باہر نکل آیا۔

حنین اپنے بیڈ پہ بیٹھی ایک رسالے کے ورق پلٹ رہی تھی جب سعدی چوکھٹ میں آیا۔

"یہ وہ فائلز ہیں جو مجھ سے نہیں کھلیں۔ کیا تم انہیں کھول دو گی؟"

وہ چونکی۔ سر گھما کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تعجب در آیا۔

"میں... آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں' میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کرتی اب۔"

"کچھ دن اسے اپنے پاس رکھو۔ اگر موڈ بنے تو کر دینا۔ نہیں تو واپس دے دینا' مگر اسے رکھو' اور سوچو کہ تم میری مدد کرنا چاہتی ہو یا نہیں۔"

وہ فلیش اس کی سمت بڑھائے ہوئے تھا۔ حنین کی آنکھوں میں خفگی تھی' مگر اس نے چپ چاپ وہ پکڑ لی۔ سعدی چلا گیا تو وہ اٹھی' الماری تک آئی' اس کے نچلے' جوتوں والے خانے کے برابر بیٹھی۔ ایک بڑا باکس نکالا۔ اس میں وہ لیپ ٹاپ' ٹیبلٹ اور دوسرے ایسے کئی gadgets رکھے تھے جو اورنگزیب کاردار نے اسے دیے تھے۔ علیشا کا لاکٹ بھی ادھر ہی تھا۔ حنہ نے وہ فلیش بھی ان ممنوعہ اشیاء کے ساتھ رکھ دی اور ڈبہ بند کر کے اندر دھکیل دیا۔

پھر گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سوچنا کیا تھا؟ جو طے کر لیا تو بس کر لیا۔

☆ ☆ ☆
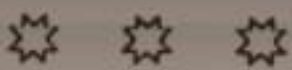
اپنے قاتل کی ذہانت پہ حیران ہوں میں

ہر روز ایک نیا طرز قتل ایجاد کرے ہے

مئی کی چلچلاتی سہ پہر پورے شہر کو گویا جھلسا رہی تھی۔ ایسے میں اس پوش علاقے کا وہ ریسٹورنٹ خالی لگ رہا تھا۔ دور کوئی اکا دکا میز پر تھی ورنہ گرمی نے کاروبار ٹھنڈا کر رکھا تھا۔

گھنگھریالے بالوں کو ہاف کیچر میں باندھے، کہنی پہ پرس اٹکائے، سیاہ منی کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس زمر متناسب چال چلتی اندر داخل ہوئی اور سیدھی دروازے کے قریب ایک میز تک چلی آئی۔ گئے برسوں میں ایک روز ادھر زرتاشہ بیٹھی دکھائی دی تھی، اب وہ کرسی خالی تھی۔ بے تاثر چہرے کے ساتھ وہ بیٹھ گئی اور پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ چار بج چکے تھے۔

ریسٹورنٹ کافی بدل چکا تھا۔ رنگ، فرنیچر۔ شاید مینیو بھی۔ مگر اسے تو ایک ایک تفصیل یاد تھی۔ سو کوشش کی کہ بھوری آنکھوں کو میز پہ رکھے گلدان پہ جمائے اور ہلائے نہیں۔ ورنہ کچھ اندر تک ہل جاتا تھا۔

"لانگ ٹائم، میڈم!" وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تو زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔ آخری ملاقات کا منظر آنکھوں میں جھلملا گیا۔ جیل کا ملاقاتی کمرہ، اور میز کے پار بیٹھا سفید کرتے شلوار اور کسی ہوئی پونی والا فارس۔ (میں.... معافی.... نہیں مانگوں گا!) پھر منظر بدلا اور چار برس پہلے کی زرتاشہ اسٹرا لبوں میں دبائے ادھر بیٹھی نظر آئی، اور اب.... اب وہ پوری آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس، ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے، چھوٹے کٹے بالوں کے ساتھ، ہلکی سنہری آنکھوں کو سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

ان تینوں مناظر میں، زرتاشہ، جیل والا فارس، اب کا فارس، ان سب میں اگر کچھ مشترک تھا تو وہ زمر تھی۔ وہی بال، وہی سیاہ کوٹ، وہی سفید لباس۔ سب آگے بڑھ گئے یا پیچھے رہ گئے، ایک اسی کی زندگی رکی ہوئی تھی۔

"لانگ ٹائم، فارس!" ویٹر نے آکر مینو کارڈ سامنے رکھے۔ زمر نے کافی منگوائی۔ فارس نے کچھ نہیں منگوایا۔

"تو کیوں ملنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ٹھنڈا سا بولی۔

"آپ کے والد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے شادی کر لوں۔" اس کے تاثرات دیکھنے وہ رکا۔ زمر نے ہلکے سے اثبات میں سر کو خم دیا۔

"مجھے معلوم ہے۔ انہوں نے مسز کاردار کے کہنے پہ ایسا کیا اور مسز کاردار نے میرے کہنے پہ۔"

فارس نے تعجب سے چہرہ ذرا پیچھے کیا۔ پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے زمر نے ابرو اٹھائی۔

"کیوں آپ کو کیا لگا تھا؟ میں جھوٹ بولوں گی، اداکاری کروں گی، یہ ظاہر کروں گی کہ آپ کو معاف کر دیا ہے، یا بے گناہ سمجھتی ہوں اور دل سے اس شادی پہ راضی ہوں؟" ذرا سے استہزاء سے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ مجھے بالکل نہیں جانتے فارس!"

وہ پیچھے ہو کر بیٹھا، کھوجتی مشتبہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی امید نہیں تھی کہ وہ خود ہی ہر بات کا اعتراف کر لے گی۔

"آپ نے مسز کاردار سے ایسا کرنے کے لیے کیوں کہا؟"

"کیونکہ مجھے چند دن پہلے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے میرا رشتہ مانگا تھا اور میری امی نے انکار کیا تھا۔ اس سے پہلے میں اتنے سال یہ سمجھتی رہی کہ آپ نے مجھے صرف استعمال کی شے سمجھ کر استعمال کیا، کولیٹرل ڈیمیج۔ مگر اب مجھے پتا چلا ہے کہ یہ ذاتی جنگ تھی۔ میں مظلوم نہیں تھی، انتقام لیا تھا آپ نے مجھ سے۔"

وہ خبریں پڑھنے کے انداز میں کہے گئی۔ کافی آگئی تو اس نے کپ اٹھالیا۔ جلتا ہوا مگ لبوں سے لگایا۔

"اچھا پھر؟" وہ چبھتی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔

"اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ابا تب سے اب تک میری آپ سے شادی کروانا چاہتے ہیں۔ سو میں نے

مسز کاردار سے کہا کہ وہ ایسا کروادیں۔ میں آپ سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ کافی اچھی ہے۔" سراہ کر اس نے کپ واپس دھرا۔

"ہوں اور کس لیے؟" جواب میں زمر نے ہلکے سے شانے اُچکائے۔

"یہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے میں آپ سے آپ کے جرائم کا اعتراف کرواسکتی ہوں اور مجھے یہی کروانا ہے۔"

"تو اگر آپ مجھ سے انتقاماً شادی کرنا چاہتی ہیں تو مجھے کیوں بتارہی ہیں؟"

"کیونکہ آپ کے برعکس میں پیٹھ پہ وار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں آپ کو پہلے سے وارن کررہی ہوں۔ میں یہ شادی آپ سے اعتراف جرم کے لیے کررہی ہوں۔ اس لیے آپ چاہیں تو یہ شادی نہ کریں، اور میرے ابا کو انکار کردیں۔ فیصلہ آپ پر ہے۔" کپ کے منہ پہ انگوٹھا پھیرتی وہ کہہ رہی تھی۔

فارس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔

"اس آپشن کا شکریہ کیا میں اس پوزیشن میں ہوں کہ جب وہ اپنے منہ سے کہہ چکے ہیں تو ان کو انکار کر دوں؟"

زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "میں نے آپ کو مطلع کرنا تھا، کردیا۔ مجھ سے شادی کریں گے تو اعتراف جرم کرنا ہی پڑے گا ایک دن۔ آگے آپ کی مرضی۔" کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔ پُرسکون، مطمئن آنکھیں فارس پہ جمی تھیں۔

فارس آگے ہوا، میز پہ ہاتھ رکھ کر اس کی سمت جھکا۔ "کیا آپ مجھے چیلنج کررہی ہیں؟"

"سچائی بتارہی ہوں!"

"اور یہ سچائی کتنے لوگوں کو مزید بتانے کا ارادہ ہے آپ کا؟"

"اگر آپ نے وہ جرم نہیں کیا تھا تو آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔" کپ پرے کرکے اس نے بیگ کی اسٹرپ کندھے پہ ڈالی۔ سرد سا مسکرائی "اور اگر آپ کو شادی پہ کوئی اعتراض نہ ہو تو اتنا خیال رکھیے گا کہ میرے بھتیجے، اور میرے ابا اس معاملے سے بے خبر رہیں، جو ہمارے درمیان ڈسکس ہوا ہے۔ اس سب میں ان کو دکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"شیور!" اس نے تلخی سے گردن کو خم دیا۔

"کوئی اور سوال نہیں ہے تو میں جاؤں؟" اور پرس تھامے اٹھی، کرسی دھکیلی اور جانے کے لیے مڑی۔

"صرف ایک سوال میم!" وہ جیب سے والٹ نکالتے اٹھا۔ سر جھکائے چند نوٹ نکالے، میز پہ رکھے اور چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر میرے خلاف اس ساری ان تھک محنت کے بعد آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میں بے گناہ تھا، تو کیا کریں گی آپ؟"

زمر، جو اس کے مخاطب کرنے پہ رکی تھی، پرس پہ ہاتھ رکھے کھڑی، چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ نہیں ہیں!"

پھر مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا، یا اس نے جواب سوچا ہی نہیں تھا۔

فارس کان کی لو مسلتا، سوچتی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

ہو گلہ کسی سے کیوں اپنی مات کا ہی جب
شہہ جو دلا دیں وہ اپنے ہی تو مہرے ہیں

قصر کاردار میں اس رات ڈائننگ ہال میں کھانا چن دیا گیا تھا، اور ہاشم خالی سربراہی کرسی کے دائیں ہاتھ کی پہلی کرسی پہ بیٹھا، نیپکن پھیلا رہا تھا جب اس نے لاؤنج کی سمت سے جواہرات کو آتے دیکھا۔

"کس کا فون تھا؟" جواہرات پہلے سربراہی کرسی پہ بیٹھی، لٹ انگلی سے پیچھے کی، پھر کہنیاں میز پہ رکھے دونوں ہاتھوں کو اوپر تلے رکھ کر تھوڑی ان پہ جمائے،

مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ میں ملبوس سر جھکائے پلیٹ اپنی طرف کر رہا تھا۔

"فارس کا۔"

چاول پلیٹ میں نکالتے ہاشم نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

"برا منہ مت بناؤ۔ اس نے بتایا کہ وہ زمر سے شادی کے لیے راضی ہے اور یہ کہ میں زمر کے والد کو مطلع کر دوں۔"

"کیا اسے یہ اطلاع اپنی بہن کو نہیں دینی چاہیے تھی؟"

"ان کو بھی دے گا۔ مجھے تو بس یہ جتا رہا تھا کہ زمر نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے خود یہ بات شروع کرنے کے لیے مجھے کہا تھا۔"

کانٹے سے چاول لبوں تک لے جاتے ہاشم نے رک کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"زمر نے اسے کیوں بتایا؟"

"اسے مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔ اسے لگا ہو گا کہ میں اس راز کو اس کے خلاف استعمال کر سکتی ہوں اسی لیے بتا دیا۔ مجھے بھی اس کی امید نہیں تھی' مگر بہر حال' وہ ایک عقل مند عورت ہے۔" گہری سانس لے کر جواہرات نے سلاد کے پیالے سے چمچ بھر کر اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

"انتقام لینے کے ایک ہزار طریقے ہوتے ہیں۔ اسے فارس سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے بالکل بھی یہ سب پسند نہیں آ رہا۔" وہ ناپسندیدگی سے کہتا' پلیٹ پہ جھکے کھا رہا تھا۔

"تمہیں کیا برا لگ رہا ہے؟"

"وہ شادی کے بعد ادھر۔۔۔" ابرو سے کھڑکی کی جانب اشارہ کیا جس کے پار دور سبزہ زار انیکسی کھڑی تھی۔ "ادھر آ کر رہنے لگ جائے گی۔ صبح شام مجھے اس کی شکل دیکھنی ہو گی۔ ناقابل برداشت۔" منہ میں چاول رکھے برہم آنکھوں کے ساتھ چباتا رہا۔

"یہ ہمارے لیے زیادہ اچھا ہے۔ تم دیکھتے جاؤ۔" وہ مسکرا دی۔

"شیرو کہاں ہے؟ کل بھی ڈنر پہ نہیں تھا۔" تھوڑی خاموشی کے بعد ہاشم نے مقابل رکھی خالی کرسی کو دیکھ کر پوچھا۔

"دوستوں کے ساتھ باہر ہے۔ شاید۔"

"آپ نے پوچھا نہیں' یہ کون سے نئے دوست نکل آئے ہیں اس کے؟"

"خود ہی تو کہتے ہو' اس پہ دباؤ نہ ڈالا کروں۔ سو خاموش ہوں۔"

ہاشم نے نیپکن سے لب تھپتھپائے اور پھر اسے گویا میز پہ پرے پھینکا۔ جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ برہم نظر آ رہا تھا۔

"وہ ابھی تک شہری کی وجہ سے ایسا ہے؟"

"اس بات کو ڈیڑھ ہفتہ ہی تو ہوا ہے' اتنی جلدی کیسے سنبھلے گا۔ خیر' تم بات کر کے دیکھ لو۔ کیونکہ جب میں بات کروں گی تو پھر ایک ہی دفعہ کروں گی۔" مسکراتے مگر سرد لہجے میں کہہ کر وہ کھانے لگی۔

"پھر کبھی سہی۔" ہاشم میز سے سیل فون اٹھا' کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں ہنوز غصہ اور ناگواری موجود تھی۔

☆ ☆ ☆

تو محبت سے کوئی چال تو چل!
ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھ کو!

اپارٹمنٹ بلڈنگ کے اس فلور پہ مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔ سیڑھیاں ویران تھیں' البتہ لفٹ کی بیرونی اسکرین پہ نمبر بدلتا نظر آ رہا تھا۔

دفعتاً لفٹ ادھر ہی رکی۔ دروازے "سس" کی آواز سے کھلے۔ اندر سے اسٹریپ والا بیگ کندھے پہ ڈالے جینز' ٹی شرٹ اور الٹی پی کیپ والا احمر نکلا۔ ماتھے پہ کٹے بال اب کے کیپ کے اندر تھے اور لاپروا چہرے پہ وہی تاثرات تھے جو ہمیشہ ہوتے تھے۔ لبوں کو گول کیے' وہ مدھم سی سیٹی بجاتا اپنے دروازے تک آیا۔ چابی لاک میں گھمائی۔ اسے کھول کر اندر قدم

رکھا۔

راہداری میں اسی طرح سیٹی بجاتا آگے آیا۔ لاؤنج کی میز پہ بیگ رکھا اور کیپ اتاری ہی تھی کہ ایک دم کرنٹ کھا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

کچن کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ فارس اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ جمائے' وہ سافٹ ڈرنک کے کین سے گھونٹ بھر رہا تھا۔

"او ایم جی!" احمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر پلٹ کر راہداری کو اور پھر ہاتھ میں پکڑی چابیوں کو۔

"کیا تم میرے گھر کا لاک توڑ کر اندر آئے ہو؟"

فارس نے گھونٹ بھرتے بھرتے رک کر چہرہ گھمایا۔ چھوٹے سے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ "یہ گھر ہے؟"

"کم از کم جیل نہیں ہے۔" وہ جل کر کہتا کاؤنٹر تک آیا اور خفگی سے اسے دیکھا۔

فارس اسی گرے پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا جو سہ پہر زمر سے ملاقات میں پہن رکھی تھی۔

"میں نے پوچھا' تم میرے اپارٹمنٹ میں داخل کیسے ہوئے؟"

"اے... تمیز سے... کیا تم مجھے آپ نہیں کہا کرتے تھے؟" اسے گھور کر دیکھا اور کین اونچا کر کے آخری گھونٹ اندر انڈیلا۔

"تب ہم اتنے بے تکلف نہیں تھے۔" اس نے شانے اچکائے' اپنے سوال پہ لعنت بھیجتا' وہ فریج تک آیا' اور کھول کر اندر جھانکا۔ پھر دروازہ بند کر کے برا منہ بنا کر پلٹا۔

"آخری کین تمہیں ہی مبارک ہو' غازی! اب بتاؤ' مزید کتنا اسلحہ چاہیے؟"

دوسرا اسٹول کھینچ کر اس کے ہمراہ بیٹھا اور رخ بھی اس کی طرف پھیر لیا۔ جیل سے نکلتے ہی فارس نے اسے فون کر کے اسلحہ منگوایا تھا' جو اس نے ارینج کر کے دے بھی دیا تھا۔

"اسلحہ نہیں چاہیے۔"

"پھر؟"

"میں شادی کر رہا ہوں۔" خالی کین ہاتھ میں گھماتے اس نے گردن موڑ کر احمر کو دیکھا۔ احمر کا پہلے تو منہ کھل گیا۔ پھر اس نے بند کر لیا۔ پھر اثبات میں دو تین دفعہ سر ہلایا۔

"گڈ۔ مبارک ہو۔"

فارس نے ابرو اٹھا کر "بس یہی؟" والے انداز میں اسے دیکھا۔

"اور کیا پوچھوں؟" ناراضی سے سر جھٹکا۔ پھر چھت کو دیکھتے ذرا سا سوچا۔

"ویسے کون ہے یہ بے چاری جس سے تم شادی کرنے جا رہے ہو؟"

فارس چند لمحے سوچتا رہا' پھر گہری سانس لی۔

"چڑیل ہے۔"

"نہ کرو بھئی۔" احمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "اب اتنی کوئی بری شکل کی بھی نہیں ہو گی جو اسے چڑیل کہا جائے' پتا ہے یہ سب لڑکیاں۔" بولتے بولتے ایک دم اسے بریک لگا۔ اسٹول سے جھٹکے سے اٹھا۔ نہایت بے یقینی سے فارس کو دیکھا جو ہنوز بیٹھا کین کو ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

"وہ... وہ چڑیل؟ نہ کرو یار... وہ پراسیکیوٹر زمر یوسف؟" اس کے کندھے کو جھنجھوڑتا وہ واپس اسٹول پہ بیٹھا۔ آنکھیں ابھی تک بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

"مگر کیوں؟ دماغ تو ٹھیک ہے؟" وہ حیران پریشان سا پوچھے جا رہا تھا' دفعتاً ڈور بیل بجی۔

"کھانا منگوایا تھا۔ لے آؤ۔ پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے کین ڈسٹ بن کی جانب اچھالتے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو احمر کو چار و ناچار اٹھنا پڑا۔

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں لاؤنج کے صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پہ ٹیک اوے کے ڈبے کھلے پڑے تھے اور کھانا ختم ہوا چاہتا تھا۔

"میرا مشورہ مانو تو فوراً شادی سے انکار کر دو۔ ورنہ جو زمر صاحبہ تمہیں برا پھنسائیں گی نا' یاد رکھو گے۔"

فارس نے بے زاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"نہیں کر سکتا انکار۔ اس کے باپ کے احسان ہیں مجھ پہ۔ وہ نہ ہوتے تو میں یہاں نہ ہوتا۔"

"اور ان کی بیٹی نہ ہوتی تو واقعی تم یہاں نہ ہوتے۔"

"بکومت۔" وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا پیچھے ہو کر بیٹھا۔ بازو صوفے کی پشت پہ لمبا سا پھیلا لیا۔ اوپن کچن کی سمت دیکھتے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"ویسے ایک بات سوچنے کی ہے۔ اگر اس کو تم سے...!"

فارس نے نگاہیں اس کی جانب پھیر کر گھورا۔ احمر رکا۔ "اگر ان کو تم سے..." (تصحیح کرتے بات جاری رکھی) اعتراف جرم کروانا ہے یا تمہیں مجرم ثابت کرنا ہے تو اس کے لیے شادی کرنے کی کیا ضرورت؟ مطلب' یہ کام تو کسی اور طریقے سے بھی ہو سکتا ہے نا۔"

"مجھے معلوم ہے' وہ کیوں شادی کرنا چاہتی ہے' جب آخری دفعہ وہ جیل میں مجھ سے ملنے آئی تھی تو اس نے کہا تھا' اچھا ہے جیل توڑو اور باہر جاؤ' دوبارہ شادی کرو اور اس بیوی کو بھی مار دو۔ تم وائف کلرز کی سائیکی... پتہ نہیں کچھ ایسا ہی بولا تھا اس نے۔" ہلکے سے سر جھٹکا تو احمر کا منہ کھل گیا۔

"تم... تم ان کے نزدیک وائف کلر ہو اور... اور بیوی کو قتل کرنے والے ہمیشہ یہی تو کرتے ہیں۔" احمر نے پرجوش انداز میں صوفے کے بازو پہ ہاتھ مارا۔ "وہ پہلے قتل کے الزام سے بچ جائیں تو دوبارہ شادی کرتے ہیں' اور دوبارہ قتل کرتے ہیں دوسری بیوی کو۔ وہ سمجھتی ہیں کہ تم انہیں بھی مارنے کی کوشش کرو گے اور پکڑے جاؤ گے۔"

"نہیں۔ اسے اچھے سے پتا ہے کہ میں اسے نہیں ماروں گا۔ مگر باقی دنیا کو تو نہیں پتا۔"

"مطلب؟" احمر نے الجھ کر اسے دیکھا۔ وہ دو انگلیوں سے ٹھوڑی کے بال نوچتے کہہ رہا تھا۔

"وہ مجھے زمر یوسف کے ارادۂ قتل کے جرم میں پھنسانا چاہے گی۔ وہ واقعات کو اپنی مرضی سے ترتیب دے گی۔ ایسے کہ دنیا مان لے' فارس غازی نے پھر سے زمر کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دفعہ لوگ اس کا یقین کریں گے۔"

احمر دم بخود بیٹھا سن رہا تھا۔ ذرا دیر کو خاموشی چھا گئی' پھر اس نے گویا جھر جھری لی۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم اس سے شادی کر رہے ہو؟ ابھی بھی وقت ہے یار۔ اس کے باپ کو انکار کر دو' یا یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ۔"

مگر فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کے پاس میرا جرم ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میں اس کو نہیں گنواؤں گا۔ وہ اپنی پوری کوشش کر لے' تب بھی مجھے نہیں پھنسا پائے گی۔ پچھلی دفعہ اگر وارث کے قاتل مجھے سیٹ اپ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو وہ میری غلطی تھی۔" وہ انگوٹھے کے ناخن سے ٹھوڑی مسلتا' میز پہ بکھرے ڈبوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔ "میرا بھائی قتل ہوا تھا' تو مجھے زیادہ احتیاط کرنا چاہیے تھی' مگر مجھے لگا تھا..." اس نے تلخی سے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "کہ مجھے کوئی پھنسا نہیں سکتا۔ تب تک میں لوگوں کو گرفتار کرتا آیا تھا' کوئی مجھے کیسے گرفتار کر سکتا تھا؟ مگر اس دفعہ ایسا نہیں ہو گا اسٹینی۔ اس دفعہ میں تیار ہوں۔"

حتمی سنگین لہجے میں کہہ کر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ احمر ابھی تک فکر مندی سے اسے تک رہا تھا۔

"میڈم پراسیکیوٹر کا قصور نہیں ہے۔" فارس نے اب کے نرمی سے اسے گویا تسلی دی۔

"ہاں' وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا دے گی' تب بھی کہنا اس کا قصور نہیں ہے۔" وہ جی جان سے جل گیا تھا۔

"اونہوں۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے بھائی کے دشمن اور میرے دشمنوں نے میری وجہ سے' مجھے پھنسانے کے لیے ان کو زخمی کیا۔ اگر وہ مجھے مورد الزام ٹھہراتی ہیں تو وہ غلط نہیں ہیں۔" چابی اور فون اٹھا کر وہ راہداری کی جانب بڑھ گیا۔

"مجھے پتا ہے ہمیں کیا لگتا ہے؟" عقب سے احمر کی آواز پہ اس کے قدم رکے۔

"مجھے لگتا ہے' یہ سب وہ بہانے ہیں جو تم نے

گھڑے ہیں۔ اس کے ابا کے احسان ' اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع ' اس کے دکھوں کی وجہ تمہاری ذات کا ہونا۔ اونہوں۔ سب بہانے ہیں غازی۔" وہ بکھرے ڈبے سمیٹتا سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ فارس نہیں مڑا ' وہیں رکا کھڑا رہا۔ آنکھیں بیرونی دروازے پہ لگی تھیں اور گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح دکھائی دی تھی۔ اسے پتا تھا اسٹیپنی کیا بکنے والا ہے۔

"تم اسے پسند کرتے ہو اور اسے کھونا نہیں چاہتے۔ یہ پہلی وجہ ہے۔ باقی وجوہات اس کے بعد آتی ہیں۔"

"بکومت!" وہ بنا پلٹے مدھم آواز میں بولا ' تیز قدموں سے باہر نکلا اور دروازہ زوردار "ٹھاہ" سے بند کیا تو ڈبے اکٹھے کرتے احمر کے ہاتھ سے کچھ گرتے گرتے بچا۔

"آوچ!" اس نے خفگی سے راہداری کی سمت دیکھا۔ "سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا ' اسٹیپنی۔ اونہوں ' احمر۔" ناگواری سے تصحیح کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆
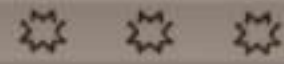
کتنی عجیب بات ہے جو نہ چاہتا تھا میں
قسمت سے اس طرح کا مقدر ملا مجھے

یوسف صاحب کا بنگلہ رات کے اس پہر خاموش اور اداس پڑا تھا۔ لاؤنج کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو سب تاریک تھا ' سوائے یوسف صاحب کی وہیل چیئر کے جسے وہ خود چلاتے ' راہداری کی سمت لے جارہے تھے۔ سناٹے میں پہیوں کی چیں چیں نے جیسے کوئی مدھم سا نوحہ بلند کیا۔ پھر اس میں زمر کے کمرے کے دروازے کی چرچراہٹ بھی شامل ہوئی جسے دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے۔

وہ جائے نماز پہ بیٹھی دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹے ' سلام پھیر چکی تھی اور اب دعا مانگنے کے بجائے مخملیں جائے نماز پہ انگلیاں پھیرتی کچھ سوچ رہی تھی۔ آہٹ پہ چونک کر گردن موڑی۔ انہیں دیکھ کر نرمی سے مسکرائی اور رخ ان کی سمت پھیرتے ہوئے اکڑوں بیٹھ کر گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنالیا۔ پھر نرمی سے پوچھا۔

"آپ سوئے نہیں ابھی تک؟" بوڑھے ابا نے نم آنکھوں سے اس کا چہرہ تکا۔ سیاہ دوپٹے کے ہالے میں وہ گندمی چہرہ تھا۔ خوب صورت نہیں تھی وہ مگر اچھی شکل کی تھی۔ پرکشش اور کچھ اس کا ٹھنڈا ' پرسکون انداز تھا جو اسے پرکشش بناتا تھا۔ وہ بھگو بھگو کر اور لپیٹ لپیٹ کر بھی اپنے ٹھنڈے انداز میں مارا کرتی تھی ' اور اپنی نرمی ' اور تلخی کے باوجود ' وہ ان کو بہت پیاری تھی۔

"تم ناراض ہو گیا؟" انہوں نے اس کا سوال شاید سنا ہی نہیں۔ بس گیلی آنکھوں سے دیکھتے اپنی پوچھے گئے۔

"نہیں ابا۔ میں کیوں ناراض ہوں گی؟"

"تم نے سعدی سے کہا کہ تم شادی کرلوگی فارس سے۔ کیا یہ ناراضی میں کہا؟" زمر کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں مگر وہ ان کو چھپا کر مسکرادی۔

"زمر سے کوئی زبردستی کرواسکتا ہے کیا؟"

"پھر بیٹے! تم کیوں شادی کرلوگی اس سے؟ تم انکار کرنا چاہتی ہو تو کردو۔ میں ساری بات یہیں ختم کردوں گا۔ وہ بھی پتا نہیں کیسے میں مسز کاردار کی وجہ سے وہ سب فارس سے بول گیا۔" شکستگی سے نفی میں سر ہلاتے وہ سخت رنجیدہ خاطر لگ رہے تھے۔

"اس روز جس شادی پہ میں سعدی لوگوں کے ساتھ گئی تھی نا ' ادھر میں نے حماد کو دیکھا۔ کرن بھی ساتھ تھی اور دو بچے بھی۔" وہ اداسی سے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"تب میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے ورنہ میں صرف خود کو اور باقی سب کو نقصان دوں گی۔ اس لیے اب میں اس فیصلے پہ عمل درآمد کرنے جارہی ہوں ' تاکہ ہم سب کی زندگی میں بہتری آئے ' ہم سب اس ناسور سے جان چھڑالیں جو چار برس قبل ہماری زندگی میں آیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ' مگر تم دل سے فارس سے شادی پہ

راضی ہو؟"

"میں اپنی زندگی سے یہ ناسور اکھاڑ پھینکنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہوں ابا! فارس سے شادی تو چھوٹی بات ہے۔" وہ بہت ضبط سے مسکراتی اس کا نام لے کر کہہ رہی تھی۔

"اور... تم نے اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر لیا کیا؟" ان کے چہرے پہ امید جاگی تھی' پھر بھی ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی زمر نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میرے خیالات اس کے بارے میں بالکل کلیئر ہیں' اگر کوئی ابہام تھا بھی تو وہ دور ہو چکا ہے۔ میں اس سے ملی تھی شام میں' ہم دونوں نے اس بارے میں بات کی' اپنی ترجیحات بتائیں' اور وہ میری طرف سے مطمئن تھا۔ جب ہی اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے متعلق میرے دل میں کوئی میل نہیں' کوئی بغض نہیں' مگر اتنا کہوں گی کہ اس شادی کے بعد کم از کم ہم سب سچائی سے واقف ہو جائیں گے۔" اس نے سچ سچ سب بتا دیا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے اور ابا کیا سمجھیں گے۔

"اچھا تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟" انہوں نے قدرے تسلی بخش انداز میں سر ہلاتے ہوئے صرف اپنی خواہش کا مطلب سمجھا۔

"جی' بالکل۔ اس نے تحمل سے میری فیلنگز سنیں اور پھر وہ رضامند ہو گیا۔ اور اگر وہ راضی ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میں اس سے شادی کر کے' ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہوں گی ابا' اور یہی سفر ہم سب کو حقیقت پسند بنائے گا۔"

اور پھر وہ نرمی سے مسکرائی۔ بڑے ابا نے بازو بڑھا کر اس کا دوپٹے میں لپٹا سر تھپکا' اور ہلکی سی مسکراہٹ اور ڈھیروں سکون کے ساتھ واپس پلٹ گئے۔ جب ان کی وہیل چیئر باہر نکل گئی تو زمر کی آنکھوں کی نرمی عجیب سی تکلیف میں بدل گئی۔ وہ سست روی سے اٹھی اور دروازہ بند کیا۔ پھر دروازے سے کمر لگا کر چند لمحے کھڑی رہی۔

"قاتلوں کو ہم اس لیے سزا دیتے ہیں ابا! تاکہ وہ مزید معصوم لوگوں کی زندگیوں سے نہ کھیلیں۔ اس شخص نے ہمیشہ ان ہی کو نقصان دیا ہے' جو اس کے لیے اپنائیت رکھتے تھے اور اب آپ سب اس کے لیے اپنائیت رکھتے ہیں۔ یہ صرف میرے لیے نہیں ابا! یہ ہم سب کے لیے ہے۔ ہمیں فارس غازی نامی ناسور کو اپنی زندگیوں سے اسی طرح نکالنا ہو گا۔" اداسی سے سوچتی وہ دوپٹے کی تہیں چہرے کے گرد سے کھولنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اتنا بھی صبر و شکر کا قائل نہیں یہ دل
کہ ہر کیفیت میں آپ کے گن گائے جائے گا

اگلی صبح شہر پہ پہلے سے بھی گرم طلوع ہوئی تھی۔ چھوٹا باغیچہ دھوپ میں جھلس رہا تھا۔ گھاس دہک رہی تھی۔ پھول جل رہے تھے۔ ایسے میں گھر کے اندر کولر کی ٹھنڈی' نم ہوا نے گرمی کو کم کر رکھا تھا اور وقفے وقفے سے اس کولر سے اڑتے پانی کے چھینٹے کبھی سامنے بیٹھے فارس کو جا چھوتے تو کبھی حنین کو آ لگتے۔

ندرت لینڈ لائن کا ریسیور کان سے لگائے بات کر رہی تھیں اور ٹیک لگا کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا فارس' جس کا ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا تھا' انہیں دیکھ رہا تھا۔ مقابل صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی حنین گھٹنوں پہ آم کی پلیٹ رکھے' بیزار سی قاشیں کاٹ رہی تھی۔

"جی۔ یہ فارس نے ہی مجھ سے کہا ہے بڑے ابا۔" ندرت نے کہنے کے ساتھ فارس کو دیکھا۔

"جی وہ اسی اتوار کی بات کر رہا ہے۔ جی ابا! میں نے بھی اس سے کہا تھا کہ اتوار میں صرف تین ہی دن ہیں' مگر اس کا کہنا ہے کہ وہ دیر نہیں کرنا چاہتا۔ آپ زمر سے پوچھ کر بتا دیں' اگر اسے کوئی اعتراض نہیں ہے تو..." وہ رک کر بات سننے لگیں۔ چہرے پہ سکون اور خوشی تھی۔

"جی ابا۔ ٹھیک ہے۔ میں فارس کو بتا دیتی ہوں۔

شکریہ ابا۔" فون رکھ کر وہ اس کی جانب مڑیں۔
"وہ کہہ رہے ہیں، نکاح کے لیے اتوار کا دن ٹھیک ہے۔ مان گئے ہیں۔"
فارس نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔ "اپنی بیٹی سے بات کیے بغیر؟"
"ان کا کہنا ہے کہ جب دوسری طرف سے تاریخ مانگی جائے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے دو دفعہ بھی تو یہی ہوا تھا نا۔ اب وہ ڈر گئے ہیں۔ مگر تم مجھے بتاؤ، اتنی جلدی مچانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ فرصت سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"زیادہ دیر کی تو شاید میں اپنا ذہن بدل لوں۔" ہلکے سے شانے اچکا کر وہ کولر کی سمت دیکھنے لگا۔
"دو دن میں کیا تیاری ہو گی؟ مانا کہ صرف گھر کے لوگ ہوں گے مگر کچھ تو کرنا ہی ہوتا ہے۔"
"امی! میرے کپڑے بھی لینے ہیں۔" حنین نے قاش کھاتے لقمہ دیا۔
"میرے کپڑے بھی۔" اندر سے سیم نے گلا پھاڑ کر پکارا۔
"ہاں، بس زمر کا ڈریس لوں یا نہیں، تم لوگوں کی چیزیں پوری ہونا چاہئیں۔ اٹھو، نماز پڑھو۔" جل کر کہتی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھیں اور کمرے کی طرف چل دیں۔
"ابھی بھی وقت ہے، انکار کر دیں، ماموں۔" حنہ نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔
"میں سن رہی ہوں حنین۔ فضول بکواس مت کیا کرو۔ اٹھو نماز پڑھو۔" اندر سے امی کی غصیلی آواز یہاں تک آئی مگر وہ سکون سے آم کی قاش کو ہاتھوں سے منہ کے اندر لے جاتی رہی۔
"میں انہیں انکار نہیں کر سکتا۔ ان کے مجھ پہ احسان ہیں۔" اس نے آواز دھیمی کر لی۔
حنین پیلے رس والے ہاتھوں سے چھلکوں کی پلیٹ اٹھائے کھڑی ہوئی اور کچن میں چلی گئی۔ جب واپس آئی تو ہاتھ منہ دھلا ہوا تھا۔ سنجیدگی سے اسے دیکھتی وہ اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی۔
"امی سے کہہ دیں، وہ انکار کر دیں گی۔" نیا آئیڈیا پیش کیا۔
"تم کیوں چاہتی ہو میں انکار کروں؟"
"کیونکہ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ غلطی کرنے جا رہے ہیں۔ وہ آپ کو پسند نہیں کرتیں، پھر کیسے رہیں گے ان کے ساتھ؟"
"تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں جو انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا؟"
حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا نہیں بھولے؟"
"چار سال!" فارس نے انگوٹھا اندر کر کے چار انگلیاں اسے دکھائیں۔ "چار سال اس عورت نے جو میرے ساتھ کیا، مجھے جس طرح ذلیل کیے رکھا، پوری دنیا کے سامنے مجھے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کی، میرا ساتھ نہیں دیا، وہ سب بھولا نہیں ہوں میں۔" اور یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سختی در آئی تھی۔
حنین بالکل ساکت ہو کر اسے دیکھنے لگی، پھر سر نفی میں ہلاتی پیچھے ہٹی۔
"تو آپ یہ شادی مجبوری میں، زبردستی نہیں کر رہے؟ آپ ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں؟" اس کی آنکھوں میں بے یقینی پھیلی تھی۔
"نہیں، صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔"
مگر حنہ نے "اونہوں" نفی میں گردن ہلائی۔ "یو نو واٹ ماموں، آپ یہ شادی کر لیں۔ آپ دونوں ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے ہیں۔"
جل کر کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس ہلکا پھلکا سا مسکرایا۔ اسے حنہ کی بات نے لطف دیا تھا۔ گردن اٹھا کر اسے دیکھا جو پہلے کی طرح اب عینک نہیں لگاتی تھی۔
"عینک والی حنہ کہاں گئی؟" اس کے چہرے پہ کچھ کھوجتے وہ جیسے سوچنے لگا۔
"آپریٹ کروالی تھیں آنکھیں۔ اب تو عینک بھول بھال گئی۔" اس نے نظریں چرا لیں۔ ادھر ادھر دیکھنے

لگی' پھر دوبارہ اسے دیکھا تو وہ ہنوز پُرسوچ نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

"تم میں کچھ بدل گیا ہے۔" چند دن لگے تھے مگر اس نے بھی بھانپ لیا تھا۔ اور حنین نے بے اختیار سوچا کہ پچھلا ڈیڑھ برس زیادہ اچھا تھا جس میں اتنے رشتے داروں سے میل ملاپ نہیں ہوا اور کسی نے اس سے یہ بات نہیں کہی جو ان ڈھائی ہفتوں میں کئی لوگ کہہ چکے تھے۔

"ویسی ہی ہوں۔ اتنا ہی کھاتی ہوں۔ اتنا ہی بولتی ہوں۔ آپ بات کو بدلنے کی کوشش نہ کریں۔" خفگی سے کہتے اس نے ریموٹ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے امی کی چنگھاڑ سنائی دی۔

"سیم! حنین! میں جوتا اتاروں گی تو تم لوگ اٹھو گے نماز کے لیے؟"

حنین نے پیر پٹخ کر ریموٹ رکھا اور غصے سے بڑبڑائی۔ "پتا نہیں ان زبردستی کی نمازوں کا کیا فائدہ۔" اور سر جھٹک کر کمرے کی طرف چلی گئی۔

فارس ٹی وی کی اسکرین کو دیکھتا کچھ سوچتا رہا۔

☆ ☆ ☆

ایک شکست کے بدلے مجھ کو سب کے سب الزام نہ دے
کچھ کچھ تیری بات ہے سچی لیکن پوری ٹھیک نہیں!

اگلی صبح قصر کاردار پہ سنہرے پر پھیلائے یوں روشن ہوئی کہ برآمدے کے اونچے سفید ستون سونے کی مانند چمکنے لگے۔ ایسے ہی ایک ستون کے ساتھ ہاشم موبائل پہ بٹن دباتا چلا آرہا تھا۔ گرے پن اسٹرائپ سوٹ میں ملبوس' بال جیل سے پیچھے کیے' وہ آفس کے لیے تیار تھا۔ ساتھ چلتی جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا' وہ کوئی مسیج ٹائپ کرتے' اوپری زینے پہ رکا تھا۔ نیچے سبزہ زار پہ گاڑی تیار کھڑی تھی۔ ایک ملازم نے بریف کیس اندر رکھ دیا تھا' دوسرا دروازہ کھولنے کھڑا تھا۔

پیغام بھیج کر اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔ "آپ آرام سے آئیں گی آفس؟"

"ہوں۔ دس بجے تک۔"

"شیرد کو لے کر آئے گا' میں...." فون کی بجتی گھنٹی پہ وہ رکا' ایک منٹ کا اشارہ کیا اور فون کان سے لگایا۔

"ہاں بولو۔ اچھا۔ ہاں ٹھیک ہے' تم میری اینجیو کو دے دو کام' وہ سنبھال لے گی۔"

فون بند کر کے جواہرات کا گال چومنے آگے بڑھا کہ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ ہاشم پہلے حیران ہوا' پھر جواہرات کی بے یقینی سے پھیلی آنکھوں کو دیکھا تو گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔

"مجھے اس سعدی والے معاملے نے مصروف کر دیا' ورنہ میں آپ کو بتانے والا تھا۔"

"کیا تم نے کہا' میری اینجیو؟" وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب تک آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جانا چاہیے۔"

"کیا تم نے کہا میری اینجیو؟" وہ مضطرب مگر بلند آواز میں بولی۔

"میں نے اسے ڈی پورٹ نہیں کروایا' اس کی ایجنسی سے بھی بات نہیں کی۔ آپ سے کہا تھا کروں گا' مگر نہیں کیا۔ مجھے فیکٹری میں کچھ لوگوں کی نگرانی کروانی تھی' میری سے بہتر یہ کام کوئی نہیں کر سکتا' سو میں نے اسے روک لیا۔"

"تم یہ کیسے کر سکتے ہو ہاشم؟" جواہرات کا اضطراب غصے میں ڈھلنے لگا۔ "کیا تم بھول گئے' اس نے میرا نیکلس چرایا تھا۔"

"وہی نیکلس جو ڈیڑھ ہفتے سے سعدی کے پاس ہے؟"

"بات چوری کی ہے' اس نے اعتراف جرم بھی کر لیا تھا۔"

"یہی بات اس کو زیادہ قابل اعتبار بناتی ہے ممی! اس نے چوری کی' مگر پھر جھوٹ نہیں بولا۔ وہ کتنے سال ہمارے خاندان کے ساتھ وفادار رہی ہے' اس کا بچہ بیمار تھا' اس لیے اس نے یہ کر دیا۔"

"تم کیسے اس کو دوبارہ کام پہ رکھ سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔" وہ اب تک بے یقین تھی۔

"ریلیکس ممی۔ صرف ایک مہینے کی بات ہے' میرا

کام ہو جائے میں اسے واپس بھجوا دوں گا۔"

"وہ پھر کوئی ایسی حرکت کرے گی ہاشم! تمہیں اس پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیوں فکر کرتی ہیں؟ ہاشم سب سنبھال لے گا۔ صرف ایک مہینہ ہی تو ہے، ممی۔" اس کے کندھے کے گرد بازو لپیٹ کر گویا تسلی دی اور مسکرا کر الوداعی کلمات کہتا برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ جواہرات سفید پریشان چہرہ لیے کھڑی، اضطرابی انداز میں لاکٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

(ڈیڑھ سال لگا اسے ہاشم کی وفادار ملازمہ کا بھروسا توڑنے میں، اتنی مشکل سے ایسے اس سے جرم کروایا کہ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اس کا اصل جرم کیا تھا۔ اور اس سب کے باوجود بھی وہ اسی شہر میں تھی۔ مگر وہ کھلم کھلا اس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہاشم کو شک ہو گیا تو.... نہیں۔) وہ نفی میں سر ہلاتی اندر کی طرف مڑ گئی۔

ہاشم کی گاڑی جب مرکزی گیٹ تک آئی تو ایک دوسری گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔ ڈرائیونگ اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھی شہرین کا چہرہ دیکھ کر ہاشم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ ایک اشارہ ڈرائیور کو کیا، دوسرا مقابل کار میں موجود شہرین کو۔ ڈرائیور نے کار سائیڈ پہ لگا دی اور باہر نکل گیا۔ چند لمحے بعد، پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر شہرین ساتھ بیٹھی۔ وہ صبح کی مناسبت سے سفید بنا آستین کی اونچی قمیص اور بیج ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ سنہرے باب کٹ بال چونچ کی صورت چہرے کے اطراف میں آتے، سائیڈ کی مانگ اور سنہرے چہرے پہ شدید فکر مندی سی کیفیت۔

"میں تمہیں تین دن سے کال کر رہی ہوں، تم اٹینڈ نہیں کر رہے۔" اس کی طرف چہرہ کر کے بیٹھی مضطرب سی کہنے لگی۔ "ہاشم! میں سونیا کی ماں ہوں، میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی؟"

وہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا، آخری بات پہ ہاتھ رکا۔ سخت نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں یہاں اس لیے بٹھایا ہے تاکہ ملازموں کے سامنے تماشا نہ بنے۔" (شہرین نے بے اختیار چہرہ موڑ کر دیکھا۔ دور کھڑا ڈرائیور۔ داخلی گیٹ پہ مامور سیکیورٹی اہلکار۔) "تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں جن میں سے دو تم ضائع کر چکی ہو۔ جو کہنا ہے کہو اور چھٹے منٹ سے پہلے تمہیں میری گاڑی سے باہر ہونا چاہیے۔"

"میں نے فلائٹ آگے کروالی ہے۔ سوموار اور منگل کی درمیانی رات کو جانا ہے۔ صرف ایک مہینے کے لیے۔ پلیز سونی کو میرے ساتھ جانے دو۔"

"سونی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ بات ختم۔" تنے ابرو اور خشک لہجے کے ساتھ اس نے کہا تو شہرین کے چہرے کی پریشانی بڑھ گئی۔

"ہاشم! ایک ہفتے سے میں نے سونی کو دیکھا تک نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے گھر ہے، میں...."

"وہ اپنے باپ کے گھر ہے اور اب یہیں رہے گی۔"

"میں اس کی ماں ہوں۔"

"یہ بات تمہیں میرے خلاف اس لڑکے کی مدد کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" تلخی سے کہتے ہاشم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس نے ہاشم اور اپنے درمیان سیٹ کا فیبرک بے بسی سے بھینچا۔

"وہ میرا دوست ہے، وہ میرے کئی کام کر چکا ہے۔ میں صرف اس کا فیور لوٹا رہی تھی۔ وہ تمہارا دوست ہے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ تمہارے خلاف کچھ کر رہا ہو گا، میں تو اسے کوئی ایڈونچر سمجھی تھی۔"

"ہر چیز ایڈونچر نہیں ہوتی شہری۔" درشتی سے کہتے اس نے دور کھڑے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔

"اسے کہو، جو اس نے میرا چرایا ہے، وہ واپس کر دے تو میں سونی کو تمہارے ساتھ جانے دوں گا، ورنہ نہیں۔"

"وہ تو مجھ سے بات بھی کرنے کا روادار نہیں۔ وہ...."

"تمہارے پانچ منٹ تمام ہوئے۔ اب جاؤ۔" اور

موبائل اٹھا کر بٹن دبانے لگا۔ شہرین بے بسی سے اسے دیکھتی رہی' پھر دروازے کی طرف مڑی' اسے کھولا اور ہیل والا پیر زمین پہ رکھا ہی تھا کہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دباتا ہاشم دھیمے سے بولا۔

''اور وہ میرا دوست نہیں ہے۔ ہاشم کے دل سے جو اتر گیا' سو اتر گیا۔''

شہرین ایک پاؤں روش پہ رکھے' دروازہ پکڑے چند لمحے کو بالکل بت سی رہ گئی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا' مگر پھر آنکھوں کی نمی اندر جذب کر کے وہ گردن اکڑا کر باہر نکلی اور دروازہ دے مارنے والے انداز میں بند کیا۔ کار زن سے آگے بڑھ گئی تو وہ مڑی۔ پتھریلی سڑک اوپر جاتی تھی۔ اور اٹھان پہ قصر کاردار تھا' پرعزم آنکھوں سے اس نے اس اونچے محل کو دیکھا اور قدم قدم اوپر چڑھنے لگی۔ اس گھر میں ابھی ایک اور شخص تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼
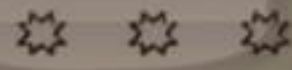
نہ گنواؤ ناوک نیم کش' دل ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو' تن داغ داغ لٹا دیا

یوسف صاحب کے بنگلے میں وہ صبح پہلے سے زیادہ مصروف طلوع ہوئی تھی۔ لاؤنج میں بڑے ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے' بار بار فکرمند نگاہ اٹھا کر زمر کے کمرے کی سمت دیکھتے تھے جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔ فجر کے ساتھ ہی یہ ہلچل شروع ہو چکی تھی اور اب تک جاری تھی۔

''صداقت' یہ باکس پکڑاؤ۔'' ''صداقت' یہ کتابیں اس کارٹن میں ڈالو۔'' ''صداقت' یہ گیرج میں رکھ آؤ۔'' ساتھ میں زمر کی ہدایات بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بڑے ابا خاموشی مگر بے چینی سے راہداری پہ نگاہیں مرکوز کیے بیٹھے اس دوسرے جوتے کا انتظار کر رہے تھے' جو زمر نہیں پھینک رہی تھی۔

دفعتاً" وہ آتی دکھائی دی۔ رف کپڑوں میں ملبوس' بالوں کا جوڑا بنائے' دونوں ہاتھوں میں خاکی کارٹن پکڑے اس نے لاؤنج کے فرش پہ کارٹن دھرا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔

''صداقت۔'' کارٹن کا چار ٹکڑوں والا ڈھکن بند کرتے اس نے آواز دی۔ وہ بھاگا آیا۔ ساتھ ہی ڈکٹ ٹیپ اور قینچی اسے تھمائی۔

''اس میں میرے اہم ڈاکومنٹس ہیں' جب فارس صاحب کے گھر جاؤ تو ان کو میرے دوسرے سامان کے اوپر رکھنا' کسی چیز کے نیچے نہ دے دینا۔'' ٹیپ سے ڈھکن کو سیل کرتے وہ سادگی سے ہدایات دے رہی تھی۔

''جی باجی۔'' وہ تابع داری سے سر ہلا رہا تھا۔ جب کارٹن بند ہو گیا تو اسے اٹھا کر گیرج میں رکھنے چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں واپس جانے لگی کہ ابھی اور بہت کام رہتا تھا۔

''تم یہ کن کاموں میں لگی ہو؟'' وہ اکتا چکے تھے۔

زمر گہری سانس لے کر ان کی طرف مڑی۔ ''آپ نے خود ہی کہا کہ سنڈے کو میری شادی ہے' تو اپنا سامان پیک کر رہی ہوں۔''

''کیا تمہیں برا لگا ہے؟ اگر کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ' میں....''

''ابا! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پریشان مت ہوں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے جلد شادی سے کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے بس آپ کی فکر ہے۔''

''میں سعدی کے گھر چلا جاؤں گا' یہ گھر مہینے کے آخر تک خالی کر دوں گا۔''

''اور سب کچھ سمیٹنا تو مجھے ہی ہے نا۔'' نرمی سے مسکرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''تم نے اپنے کپڑے نہیں لیے۔'' ان کی پریشانی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''بھابھی نے کہا تھا' وہ شام کو آئیں گی اور ہم اکٹھے جا کر لے لیں گے۔'' وہ نرم آنکھوں سے مسکراتی رسان سے بتا رہی تھی۔ بڑے ابا نے متفکر نظروں سے اس کا چہرہ کھوجا۔

''مگر تم اس جلد شادی سے خوش تو ہو نا؟''

''ابا! جو بعد میں ہونا ہی ہے' تو اسے ابھی کر لینا

چاہیے۔ مجھے کوئی پرابلم نہیں۔ اچھا میں اب اپنے کپڑے پیک کرلوں۔" ان کی تسلی کر کے وہ آستین فولڈ کرتی راہداری میں آگے چلتی گئی۔ ابا نے بس سرہلا دیا۔

وہ کمرے میں آئی اور کھلے سوٹ کیس کو دیکھا جس کے ساتھ ہینگرز میں ٹنگے کپڑے پڑے تھے۔ اس نے ان کو ہینگرز سے اتار کر تہہ کرنا شروع کیا۔ تبھی راہداری میں قدموں کی آواز آئی۔

"صداقت! یہ جو شاپرز ہیں' ان کو....." مصروف انداز میں کہتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو یکدم منجمد ہو گئی۔

چوکھٹ میں صداقت کھڑا تھا۔ سر جھکا تھا۔ ذرا شرمایا' ذرا ہچکچایا۔ دونوں ہاتھوں میں خاکی لفافے میں لپٹا ہوا کچھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

"باجی.....! وہ جو میری چاچی آئی تھی نا اس دن گاؤں سے؟ کل وہ پھر آئی تھی۔ اس کو بتایا تھا کہ باجی کی شادی ہونے والی ہے۔ یہ وہ گاؤں سے لائی تھی آپ کے لیے۔" وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور خاکی لفافے میں لپٹی شے بڑھائی۔

"یہ...." زمر نے اسے تھاما اور لفافہ ہٹا کر دیکھا۔ اندر شیشوں اور کڑھائی والی شال تھی۔

"ہمارے ہاں جی بیٹیوں کو شادی پہ یہ ضرور دی جاتی ہے۔ تو میں نے چاچی سے کہا کہ ایک باجی کے لیے بھی لے آئے۔" انگلیاں موڑ کر' سر جھکائے شرما شرما کر صداقت کہہ رہا تھا اور زمر بس ہاتھ میں پکڑی شال کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ بہت خوب صورت ہے صداقت۔" وہ بمشکل پھیکا سا مسکرائی۔ "چاچی کو شکریہ کہنا' مگر..... تم نے خوامخواہ اتنا خرچا کیا۔ میری شادی۔" حلق میں کوئی پھندا سا لگا۔ "کوئی عام شادیوں کی طرح تھوڑی ہے؟"

"پر باجی! شادی تو ایک ہی دفعہ ہوتی ہے' جیسے بھی ہو۔" اس نے کوئی فلسفہ گھڑنا چاہا مگر نہیں گھڑ پایا۔ سو جلدی سے شاپرز اٹھانے لگا۔

"ان کو باہر رکھ آتا ہوں جی۔" وہ چلا گیا اور زمر کھڑی اس شال کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں کرچیاں سی چبھ رہی تھیں۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔

پھر شال ہاتھوں میں پکڑے' وہ ایک دم باہر نکلی۔ راہداری میں وہ ٹھہری۔ ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"ابا! میں یہ شادی نہیں کروں گی۔ یہ اصلی شادی نہیں ہے۔ میں صرف اس کو برباد کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اتنا ہلکا بڑبڑائی کہ خود کو بھی سنائی نہ دیا' ابا تو کافی دور تھے۔

پھر یکایک انہوں نے گردن موڑی تو دیکھا' وہ راہداری میں کھڑی' پیکٹ ہاتھوں میں پکڑے' انہیں دیکھے جا رہی ہے۔

"کوئی بات ہے زمر؟"

وہ "جی" میں سر ہلاتی قریب آئی۔ ان کے بالکل مقابل آ کھڑی ہوئی۔ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے' پھر بند کر لیے۔

"ابھی فارس کا فون آیا تھا۔" وہ اسے خاموش دیکھ کر خود ہی بتانے لگے۔ "اس نے کہا کہ کاردار خاندان میں سے کسی کو شادی پہ نہ بلایا جائے۔ گو کہ میں مسز کاردار کو مدعو کرنا چاہتا تھا' مگر میں نے پھر بھی فارس کی بات مان لی۔ وہ سمجھ دار ہے۔ کچھ سوچ کر کہہ رہا ہو گا۔"

"آپ نے وجہ نہیں پوچھی؟" زمر کے چہرے کی فکر مندی اور بے چینی اب قدرے ٹھنڈے تاثرات میں ڈھلنے لگی تھی۔

"کوئی بھی وجہ ہو' مجھے فارس پہ بھروسا ہے۔ وہ غلط فیصلہ کر کے مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" انہیں دوبارہ خیال آیا کہ وہ ادھر کیوں آ کھڑی ہوئی۔ زمر نے گہری سانس لی۔

"جی۔ میں یہ دکھانے آئی تھی۔ دیکھیں صداقت کیا لایا ہے میرے لیے۔" ٹھنڈے' نرم انداز میں کہتی وہ پیکٹ کھول کر ان کو دکھانے لگی۔

صداقت اندر آیا تو وہ دونوں شال کھول کر دیکھتے اس پہ تبصرہ کر رہے تھے۔ وہ شرما کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

کوئی تعویذ ہو ردبلا کا
میرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

شہرین چیونگم چباتی، آنکھوں پہ ڈارک گلاسز لگائے، گردن اکڑا کر چلتی قصر کاردار میں داخل ہوئی تو سامنے لاؤنج کی اونچی کرسی پہ جواہرات کو بیٹھے دیکھا جو ملکہ کی شان سے براجمان گھٹنوں پہ رکھا اخبار کھولے دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے شہرین کھڑی تھی۔

"گڈ مارننگ مسز کاردار۔ سونی کہاں ہے؟" سن گلاسز اونچے کر کے بالوں پہ چڑھاتے اس نے ادھر ادھر دیکھتے پوچھا۔ یہ سعدی کو لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ دینے کے بعد پہلی دفعہ تھا جب وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی، اور اسی لیے جواہرات سے نگاہیں ملانے سے احتراز کر رہی تھی۔

"اپنے کمرے میں اور یقیناً" تم اس بات سے واقف ہو گی کہ سونی کو یہاں سے لے کر نہیں جا سکتیں۔" وہ پھر سے اخبار پڑھنے لگ گئی۔

شہرین نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے جیسے بہت ضبط کیا۔

"بالکل۔" ہلکے سے کندھے اچکائے اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ہیل کی ٹک ٹک ہر زینے کے ساتھ اوپر چلتی گئی۔ جواہرات مسکراتے ہوئے اخبار پڑھتی رہی۔

اوپر ریلنگ کے ساتھ کھڑی شہرین نے نیچے دیکھا۔ ذرا سا مسکرائی اور بھرپور اعتماد کے ساتھ نوشیرواں کے کمرے کے بند دروازے پہ مٹھی سے دستک دی۔ نگاہیں نیچے بیٹھی جواہرات پہ مرکوز تھیں جس نے یقیناً" دستک کے محل وقوع کا اندازہ کر لیا تھا مگر کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔

"شیرو۔ دروازہ کھولو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" تیسری دستک کے بعد اس نے پکارا۔ تب ہی دروازہ کھل گیا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں، بال اڑے اڑے سے تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ نیند سے جاگا تھا اور شہری کو دیکھ کر پورا جاگ گیا تھا۔

وہ کچھ کہے بنا اندر چلی آئی، گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لیا اور پھر آرام سے ایک کاؤچ پہ بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، پیر جھلاتے ہوئے شیرو کو دیکھا۔

"فریش ہو کر آجاؤ۔ ہمیں بات کرنی ہے۔" انداز نرم مگر تحکم سے بھرپور تھا۔ وہ جز بز سا اسے دیکھتا باتھ روم کی طرف چلا گیا۔

"سونیا والے معاملے میں، میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ آپ کو مجھ سے امید نہیں رکھنی چاہیے۔" چند منٹ بعد، اس کے سامنے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا، دھلے دھلائے چہرے والا شیرو تنے ابرو کے ساتھ قدرے خشکی سے کہہ رہا تھا، البتہ لہجے کی خشکی زبردستی تھی۔ بار بار وہ نرمی میں ڈھلنے لگتی، اور وہ اسے پھر سے غصے اور ناگواری میں لپیٹتا۔ گاہے بگاہے نگاہیں اٹھا کر شہرین کے خوب صورت سنہرے چہرے کو بھی دیکھ لیتا۔ وہ اسی اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"ناراض تو مجھے تم سے ہونا چاہیے، مگر تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟"

"جو آپ نے سعدی کے ساتھ مل کر کیا، اسے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں۔" اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہتے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"تم اس قسم کے انسان تو نہیں تھے شیرو! کہ شہری کی کوئی بات ہی نہ سنو۔ میں ہاشم کو اصل وجہ نہ بتاؤں، مگر تمہیں اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے پوچھنے پہ میں ضرور بتاتی۔"

"اصل وجہ؟" شیرو نے چونک کر اسے دیکھا۔ شہرین کی آنکھوں میں افسوس اترا۔

"تو کیا تم نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری طرح میں بھی استعمال کی جا سکتی ہوں؟ میں بھی یہ کرنے پہ مجبور ہو سکتی ہوں۔ مجھے تمہاری خود غرضی پہ افسوس ہو رہا ہے۔" اور پھر ایک دم وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جب تم نے میری مجبوری سمجھی ہی نہیں، تو میرے بتانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ تم نے تو مجھے سخت مایوس کیا ہے شیرو۔" اور وہ تاسف سے کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔

نوشیرواں ہڑبڑا کر اٹھا۔ "نہیں، پلیز۔ آپ جائیں مت۔ مجھے بتائیں تو سہی کہ اصل بات کیا ہے؟" ساری اکڑ، ناراضی، غصہ اڑنچھو ہو گیا۔ اور وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔ سخت نظروں سے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"میں کیوں بتاؤں تمہیں؟ تم کون سا میرا یقین کرو گے؟ تم بھی سعدی کی طرح مجھے ذلیل ہی کرو گے۔" خفگی سے کہتی وہ خود ہی بیٹھ گئی۔ اب کے نوشیرواں اس کے سامنے بیٹھا تو ذرا متفکر ہو کر بیٹھا تھا۔

"سعدی نے آپ کو...؟" الجھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"میں نے اس دن سعدی کو اپنا دوست کہا جب تم اور ہاشم سونی کو ڈراپ کرنے آئے تھے۔ غلط کہا تھا میں نے۔ اس لیے تاکہ اسے اصل بات نہ بتانی پڑے۔" کہتے ہوئے اس نے گہری سانس خارج کی ٹھوڑی تک آتے بالوں کی چونچ نما لٹ انگلی سے پیچھے ہٹائی۔ وہ اچنبھے مگر توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سعدی میرا دوست نہیں ہے۔ تم مجھے جانتے ہو، میں اور تم ایسے لڑکے کو کیسے اپنا دوست بنا سکتے ہیں؟" اس نے کہتے ناگواری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"اس کے پاس میری ایک ویڈیو تھی۔ ایک پارٹی کی ویڈیو، اب تفصیل مت پوچھنا، بس وہ ویڈیو مجھے اسکینڈلائز کر سکتی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ ویڈیو اس کلب کے سسٹم سے مٹا دو، مگر وہ اتنی آسانی سے مٹانے والا نہیں تھا۔ مجھ سے پانچ لاکھ لیے اس کام کے اور اس کے بدلے میں ایک فیور مانگوں گا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ بدلے میں مجھے تمہیں استعمال کرنے کو کہے گا۔ او نہوں۔" نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں بند کر کے ماتھے پہ انگلیاں رکھیں۔

نوشیرواں بالکل سانس روکے سن رہا تھا۔ دم بخود۔

"میں تو اس سے ملتی بھی نہیں تھی مجھے مال میں جا لیا اس نے۔ سونی کی پارٹی کی صبح اور بولا کہ یہ کام کر دوں میں نے انکار کیا تو اس نے کہا کیا میں نے بھی ایسے ہی انکار کیا تھا آپ کو کام کرتے وقت؟ یہ ایک دھمکی تھی اگر میں انکار کروں گی تو میری ویڈیو لیک کر کے میرا اسکینڈل بنوائے گا۔ اس کے بعد سونی کو ہاشم میرے سائے سے بھی دور کر دے گا۔ میں تم لوگوں سے کبھی نہیں مل سکوں گی۔" شیرو کے چہرے کو دیکھتی وہ دل گرفتی سے کہہ رہی تھی۔ لفظ "تم لوگوں" پہ نوشیرواں کی آنکھوں کی حیرت، برہمی میں بدلنے لگی۔ اس برہمی میں سعدی کے لیے نفرت اور شیری کے لیے ہمدردی تھی۔

"وہ آپ کو بلیک میل کر رہا تھا؟ تو مجھے یا ہاشم بھائی کو کیوں نہیں بتایا؟" حسب عادت وہ بھڑک کر آگے ہوا، گویا اٹھنے کو تیار ہو۔ شہرین نے گڑبڑا کر دروازے کو دیکھا جس کے پار، نیچے جواہرات اخبار پڑھ رہی تھی۔ اسے لمحے بھر کو ڈر لگا کہ یہ گھامڑ اگر دندناتا ہوا باہر نکل گیا تو ساری کہانی گئی فلاپ۔

"ہاشم میرا کچھ نہیں لگتا، شیرو۔" اس نے بظاہر بہت ضبط سے کہا مگر بڑی بڑی سبز لینز لگی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "ہاشم میرا شوہر نہیں ہے۔ ایسے لڑکوں سے صرف آپ کے شوہر پروٹیکٹ کرتے ہیں آپ کو، اور میرا کوئی شوہر نہیں ہے۔ میں...." سینے پہ انگلی رکھ کر بھرائی آواز میں بولی۔ "میں اکیلی ہوں، بالکل اکیلی۔" سانس ناک کے ذریعے اندر کھینچا، انگلی سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا۔ "مجھے ٹشو لا دو۔ میں پتا نہیں کیوں ایموشنل ہو رہی ہوں۔" گیلی آواز سے ہنسنے کی ناکام کوشش کرتے اس نے چہرہ پرے پھیر لیا گویا آنسو چھپانا چاہ رہی ہو۔

نوشیرواں فوراً اٹھا اور بیڈ سائیڈ ٹیبل سے ٹشو کا باکس اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔

"آپ...." اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"تھینک یو۔" اس نے آنکھیں تھپتھپا کر صاف کیں اور چہرہ اس کی طرف پھیر کر مسکرائی۔ "میں تم

سے ہمدردی لینے نہیں آئی تھی' نہ اس لیے آئی ہوں کہ تم ہاشم سے سونیا کے لیے بات کرو۔ بلکہ میں تو کہوں گی کہ تم اس سے کوئی بات نہ کرو۔ میں تمہیں مزید تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ بس تم میری طرف سے دل صاف کرلو۔"

وہ اٹھ گئی' پرس کی لمبی زنجیر کندھے پہ ڈالی' ہلکا سا نوشیرواں کے کندھے کو تھپتھپایا اور باہر نکل گئی۔ وہ بالکل گم صم سا بیٹھا رہ گیا۔

سونی کے کمرے کی طرف جاتے وہ ریلنگ پہ رکی' چہرہ جھکا کر نیچے جھانکا۔ جواہرات اب ادھر نہیں تھی۔ وہ مسکرائی اور پورے کروفر اور اٹھی گردن کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼
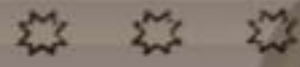
قاتل سے عشق بھی' مقتول سے ہمدردی بھی
تو بھلا کس سے محبت کی جزا مانگے گا

ہاشم کاردار کے آفس میں اے سی کی خنکی اور ٹھنڈ پھیلی تھی اور وہ کوٹ میں ملبوس' باور سیٹ پہ براجمان' موبائل کان سے لگائے' سامنے رکھی فائل کے صفحے پلٹتے کہہ رہا تھا۔

"بڑے ہو جاؤ شیرو۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے' بکواس کر رہی ہے۔" اکتا کر اس نے شیرو کی کہانی درمیان سے کاٹی۔ "وہ اس کی ٹانگ جتنا لڑکا اسے بلیک میل کرے گا؟ پانچ سال گزارے ہیں میں نے اس عورت کے ساتھ' یہی گئی ہو گی اپنے مسئلے اس کے پاس لے کر۔"

"مگر بھائی! وہ سعدی ہے ہی....." نوشیرواں جس کی شہرین کے لیے نرم آواز سعدی کے نام پہ برہمی سے کانپنے لگتی تھی نے' مزید کچھ کہنا چاہا مگر ہاشم مصروف تھا' اور بے زار بھی۔

"سعدی کو میں سنبھال لوں گا' تم بس شہری سے دور رہو۔"

"مگر آپ سونیا کو....."

"وہ تمہیں دوسری دفعہ بے وقوف بنا رہی ہے شیرو! پہلی دفعہ اس پہ لعنت' دوسری دفعہ تم پہ۔" لہجے میں بے زاری اور غصہ در آنے لگا۔ "اور اب تم اگلے آدھے گھنٹے میں مجھے آفس میں نظر آؤ۔" موبائل بند کر کے میز پہ ڈالا' اور خفگی سے منہ میں کچھ بڑبڑاتے قلم دان سے قلم نکال کر کاغذات پہ دستخط کرنے لگا۔ کام ختم کر کے فائل بند کی اور انٹر کام اٹھایا۔

"حلیمہ' خاور آفس میں ہے؟"

"جی' وہ شاید نچلے فلور پہ ہیں۔"

"اسے میرے پاس بھیجو....." ریسیور رکھتے رکھتے وہ رکا۔ "وہ اس لڑکے' سعدی یوسف کا کوئی فون آیا؟"

"سر! میں نے دو دن پہلے دوبارہ ان کو کال کی تھی' انہوں نے کہا کہ اگلے ہفتے آئیں گے وہ۔ دن نہیں بتایا۔ میں ان کو کال کروں؟"

"اونہوں۔ وہ خود کرے گا۔ بہرحال' جب کبھی وقت اور دن مت دیکھنا' اسے آنے کا کہہ دینا۔" ریسیور رکھ کر اس نے ٹیک لگائی اور کچھ سوچتے ہوئے اوپر چھت کو دیکھنے لگا۔

خاور اندر داخل ہوا تو وہ سیدھا ہوا۔ سنجیدہ' ٹھنڈے تاثرات سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ کوٹ اور پینٹ میں ملبوس اونچا لمبا سا تھا۔ ٹائی نہیں باندھتا تھا۔ بال اور مونچھیں دونوں سیاہ تھیں۔ رنگت سانولی اور نقش متناسب تھے۔ ہاتھ باندھے' سنجیدگی سے چلتا وہ سامنے آیا۔

"وہ ملا جو میں نے تلاش کرنے کے لیے کہا تھا؟"

خاور کی آنکھوں میں مایوسی در آئی' نفی میں گردن ہلائی۔

"نو سر! ابھی تک تو اس لڑکے کے بارے میں کوئی dirt نہیں ملا۔"

ہاشم قدرے برہمی سے آگے کو ہوا۔ "تو تم اتنے دنوں سے کیا کر رہے ہو؟ وہ کچھ دن بعد میرے سامنے ادھر کھڑا ہو گا' اور اگر میرے پاس کوئی لیورج ہی نہیں ہو گا اس کے خلاف تو میں اسے کیسے سنبھالوں گا؟"

"سر! میں نے پوری کوشش کی' مگر وہ ہر طرح سے صاف ہے۔ اپنے خاندان کا وہ فیورٹ ہے تو دوستوں کا

آئیڈیل - کسی کو کوئی کام ہو تو سعدی ہے نا۔" وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ "محلے کا چوکیدار رکھنا ہو' یا گلی میں اسپیڈ بریکر بنوانا ہو' ہمسایوں کے لڑکے فوراً" اسی کے پاس جاتے ہیں' بہترین اسٹوڈنٹ اور جاب پہ ایک ایمان دار اور محنتی ایمپلائی۔ اس کا کوئی ڈرٹی سیکرٹ نہیں ملا مجھے۔ وہ لڑکا گویا فرشتہ ہے۔"

ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ سرد تلخ سی مسکراہٹ۔ نفی میں سر ہلایا اور میز پہ رکھا پین انگلیوں میں گھماتے بولا۔ "میں تمہیں بتاؤں خاور! کوئی بھی فرشتہ نہیں ہوتا۔ سب کے راز ہوتے ہیں۔ تم نے درست جگہ نہیں دیکھا ہوگا۔"

خاور ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آنکھیں سکیڑے کچھ سوچا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں - ایک جگہ میں نے واقعی نہیں دیکھا۔" پھر سوچتے سوچتے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل' وہ فرشتہ نہیں ہے۔ مجھے ایک دن دیں' اس کی انسانیت دکھاتا ہوں آپ کو۔" ہاشم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا' اور خاور عجلت میں باہر نکل گیا۔

ہاشم نے گہری سانس لے کر خود کو بہتر محسوس کیا' پھر موبائل اٹھایا اور زمر کا نمبر ملا کر کان سے لگایا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے' وہ اب لبوں میں کوئی دھن گنگناتے چھت کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
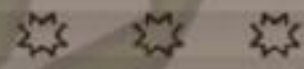
میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے
تو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

مال میں دوپہر کی نسبت رش تھا۔ مطمئن' خوش باش' مصروف لوگ اوپر نیچے' آگے پیچھے آجا رہے تھے۔ ایسے میں دکانوں کی قطار کے سامنے راہداری میں حنین اور سیم بھی چل رہے تھے۔ ایک دکان کے سامنے وہ رکے' حنہ سیم کی جانب گھومی' شرارتی چمک دار آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"اے موٹے آلو! ونڈو شاپنگ کے دو اصول یاد ہیں؟

گھنگھریالے بالوں والے دبلے پتلے اور لمبے لڑکے نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل' تم ہر چیز مجھے دکھا دکھا کر کہو گی' سیم یہ لے لو' اور میں بگڑے بچوں کی طرح' نہیں نہیں' کرتا آگے بڑھ جاؤں گا۔"

"گڈ!" وہ مسکرائی' پھر اس کی کہنی میں بازو ڈالے شاپ میں داخل ہوئی۔ قدم بہ قدم دونوں ریکس کی جانب آئے۔ حنین نے مختلف کیپس وسیم کو دکھانی شروع کیں۔ "وسیم' بچے' دیکھو' یہ آپ پہ کتنی پیاری لگے گی۔"

وہ بگڑے انداز میں نفی میں سر ہلاتے بولا۔ "نہیں ماما! مجھے یہ نہیں چاہیے۔"

"ماما؟" اس نے تلملا کر ادھر ادھر دیکھا۔ سب سیلز مین انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

"وسیم جان!" وہ جبراً" مسکرا کر پیار سے بولی۔ "بی ہیو یور سیلف' ورنہ ابھی آپ کے پاپا کو شکایت لگاتی ہوں۔"

"مگر ماما! پاپا تو کئی سال سے اوپر ہیں' اکاؤنٹنگ میں۔ (حساب کتاب میں)"

وہ معصومیت سے پلکیں جھپکا جھپکا کر بولا اور اس سے پہلے کہ وہ سارے تخیل پہ لعنت بھیج کر اس کا کان مروڑتی' ہینڈ بیگ میں رکھا موبائل بج اٹھا۔

وہ جلدی سے موبائل نکالتی شاپ سے باہر آئی۔ سیم بھی پیچھے لپکا۔

"کیا امی اور پھپھو نے شاپنگ کرلی؟ کیا وہ بلا رہی ہیں؟" حنہ موبائل نکال کر دیکھ رہی تھی اور سیم سوال کر رہا تھا۔ یہ زمر کا موبائل تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے حنہ کو اس لیے دیا تھا کیونکہ وہ اور ندرت بالائی فلور پہ نکاح کا جوڑا خرید رہی تھیں اور سیم اور حنین ٹک کر نہیں بیٹھ سکتے تھے' ایسے میں ان کو "آزاد" کرنے سے قبل زمر نے اپنا فون حنہ کو دے دیا کہ جب فارغ ہو تو ندرت کے فون پہ بتا دے۔ اب بھی سیم یہی پوچھ رہا تھا مگر حنین بالکل چپ سی ہو کر بجتے فون کی اسکرین دیکھ رہی تھی۔

"ہاشم کاردار کالنگ۔" فون پکڑے ہاتھوں پہ پسینہ

آنے لگا' دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"اٹھانا مت' حنہ! پھپھو کا فون ہے۔" سیم نے تنبیہہ کی مگر جسے دنیا کا بدترین مرض لاحق ہو جائے' وہ اور کیا کرے؟ اس نے انگوٹھے سے سبز دائرے کو سلائیڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔

"ہیلو؟"

"ہیلو۔۔۔ زمر؟" وہ ذرا اٹھٹکا تھا۔

"نہیں میں حنین۔" دھڑکتے دل اور بے قابو ہوتی خوشی سے وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ "اصل میں ہم مال میں ہیں' پھپھو اور امی دور ہیں' سو ان کا فون میرے پاس ہے۔"

"اوکے۔ کیسی ہو تم حنین؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

"میں بالکل ٹھیک۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ بھی اعتماد سے مسکرا کر بولی۔ ایسے میں وہ سیم کی طرف متوجہ نہیں تھی جو خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں ہمیشہ کی طرح بہت اچھا ہوں۔" اس کے انداز پہ وہ ہلکا سا ہنس دی۔

"تمہارا رزلٹ کب ہے؟" اگلے سوال پہ حنہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' فوراً" سیم کو دیکھا جو بے زار سا کھڑا تھا۔

"اگست میں۔ اور۔۔۔" وہ رک گئی' تھوک نگلا۔ سارے لمحات پھر سے آنکھوں میں تازہ ہوئے۔ امتحانی مرکز میں ہاشم کو بلانا' پھر وہ سیاہ اور سنہری پارٹی۔

"ڈونٹ وری' تمہارا رزلٹ بہت اچھا آئے گا' اتنا کچا کام تو نہیں کیا ہو گا نا ہاشم نے۔" اس کے نرم تسلی دینے والے انداز پہ وہ پھیکا سا مسکرائی' مگر پرجوش اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے اور ایفل ٹاور کی روشنیاں بھی ماند پڑنے لگیں۔

"میں پھپھو کو جا کر بتاتی ہوں' وہ آپ کو کال بیک کریں گی۔"

"وہ کال بیک نہیں کریں گی۔ میں دس منٹ میں دوبارہ کال کرتا ہوں۔" اور فون بند ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"مجھے خود نہیں پتا کہ وہ کیا اور کیوں کہہ رہے تھے۔" خود سے الجھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

جب وہ اس آؤٹ لٹ پہ آئے جہاں زمر اور امی تھیں تو دس منٹ بیت چکے تھے۔ وہ دونوں کاؤنٹر پہ کھڑی تھیں۔ ندرت سادگی سے سر پہ دوپٹہ لیے کھڑی' شاپنگ بیگ میں موجود جوڑے کو چیک کر رہی تھیں۔ کامدار جوڑے کا رنگ آف وائٹ تھا' ذرا سی جھلک سے حنین کو اندازہ ہوا۔ پھر وہ زمر کی طرف آئی' جو بال آدھے کیچر میں باندھے' سر جھکائے' سوٹ کی رسید پرس میں رکھ رہی تھی۔ اس کے "پھپھو" کہنے پہ سر اٹھایا۔ وہ حنین سے دراز قد تھی' دو انچ دراز۔ اور زیادہ جاذب نظر بھی۔ بھوری آنکھوں سے حنہ کو دیکھا اور نرمی سے مسکرائی۔

وہ جب ایسے مسکراتی تھی تو حنین گزرے برسوں کی ساری تلخی اور ناراضی بھولنے لگتی۔

"ہاشم بھائی کا فون آرہا ہے۔" دوبارہ بجتے سیل کو اس کی طرف بڑھایا۔ زمر نے موبائل سامنے کر کے دیکھا' پھر گہری سانس لے کر کان سے لگایا۔

"جی ہاشم' کہیے۔" مصروف سے انداز میں وہ پرس بند کرتی گویا ہوئی۔

"حنین بتا رہی تھی' آپ شاپنگ کر رہی ہیں۔ مجھے گیس کرنے دیں' کیا یہ آپ کی شادی کی شاپنگ ہے؟" وہ گویا مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ زمر نے فوراً" حنین کو دیکھا' وہ ہاشم کی بات نہیں سن سکتی تھی' مگر جلدی سے بولی۔

"میں نے کال اٹینڈ کر کے بتایا تھا کہ ہم مال میں ہیں۔" ایک دم اپنا آپ مجرم لگنے لگا۔ نظریں فوراً" جھکا دیں۔

"ہاشم! آپ نے کیسے فون کیا؟" بے تاثر' ٹھنڈے انداز میں پوچھتی وہ حنین کے ہمراہ چلتی باہر نکلی۔ ندرت اور سیم اگلی شاپ میں سیم کے کپڑوں کے لیے چلے گئے تھے۔ ندرت نے حنہ کو بھی آواز دی مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔

"آپ کو شادی کی مبارک باد دینے۔"

"ایک منٹ!" اس نے فون کان سے ہٹائے بغیر بلند آواز میں حنین کو پکارا۔ "حنہ! اگر یہ صاحب اگلے پانچ منٹ تک فون بند نہ کریں تو تم اونچی آواز میں مجھے پکار کر کہنا کہ بھابھی مجھے بلا رہی ہیں' اوکے؟ جی ہاشم! آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

رسان سے کہتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ (حنہ کا تو منہ ہی کھل گیا۔)

وہ جواب میں زور سے ہنسا تھا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر آپ کو اس روز وہ گولیاں میں نے ماری ہوتیں تو کیا آپ مجھ سے بھی شادی کر لیتیں؟" وہ محظوظ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ میں آپ کو قتل کرنا پسند کرتی' مگر ہزار حصوں میں۔"

"پھر فارس کو ہزار حصوں میں کیوں نہیں مارا؟" وہ مزہ لیتے ہوئے مخاطب تھا۔ "چار سال چپ کیوں رہیں؟"

"اچھا انسان برا کرے تو خاموشی بہتر ہے' لیکن آپ جیسا' برا انسان اگر برا کرے تو خاموش نہیں رہنا چاہیے مجھے۔"

وہ جواب میں پھر سے ہنس دیا۔ زمر اور حنین ہنوز ساتھ ساتھ گیلری میں چل رہی تھیں۔ حنہ کے کان ادھر ہی لگے تھے۔

"اور اس برے انسان کو شادی پہ نہیں بلایا آپ نے؟"

"یہ سوال آپ اپنے کزن سے کریں۔ یہ فیصلے ان کے ہیں۔"

"زمر..." اب کے وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ "آپ غلطی کر رہی ہیں۔ اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے آپ کو۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ہاشم!"

"آپ نے اس کو ذاتی نہیں رہنے دیا جب اسے میری ممی سے ڈسکس کیا۔"

زمر نے تکان سے گہری سانس بھری۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ فارس آپ کے قابل نہیں ہے۔ اس کا جرم بھول بھی جائیں' تو اس کی اکھڑ طبیعت' غصہ' لاپروائی' وہ آپ کی ٹائپ کا آدمی نہیں ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے گویا زمر کو پکارا۔ "کیا سوچ رہی ہیں؟"

"اوہ! آپ بالکل بھی نہیں جاننا چاہیں گے جو میں سوچ رہی ہوں۔"

اس کے انداز پہ حنہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ دونوں ایک شاپ کے باہر کھڑی ہو گئی تھیں' اور زمر ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ پکڑے' دوسرے سے موبائل کو کان سے لگائے بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

"مثلاً" کیا؟"

"میں یہ سوچ رہی ہوں ہاشم! کہ مسئلہ میں نہیں ہوں' مسئلہ فارس ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ کو فارس کی ہر بیوی چبھتی ہے۔ وہ جب بھی شادی کرے گا' آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ بطور ایک فرسٹ کزن' آپ کا اس سے ان کہا' لاشعوری سا مقابلہ ہے۔ موازنہ ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ زرتاشہ کی شادی کے روز بھی جب آپ اسٹیج پہ آئے تھے اور میں وہاں تھی اور فارس وہاں نہیں تھا' تب آپ نے زرتاشہ سے بھی اس کے غصے اور اکھڑپن کا تذکرہ کیا تھا جس کی وجہ سے دلہن کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہی ہوں ہاشم! کہ آپ یہ جان بوجھ کر نہیں کرتے۔ لاشعوری طور پہ تب کرتے ہیں جب آپ کو اپنی شادی کی ناکامی یاد آتی ہے۔"

اور دوسری جانب ہاشم خاموش ہو گیا تھا۔

"ویل... آپ نے کافی سخت باتیں کہہ دیں۔" جب وہ بولا تو آواز مدھم مگر بجھی ہوئی تھی۔

"میں معذرت نہیں کروں گی' اگر آپ میری ذاتیات میں دخل دیں گے تو پھر اپنی ذاتیات کے بارے میں بھی آپ کو سننا پڑے گا۔" نرمی سے کہہ کر اس نے ابرو اٹھا کر حنین کو دیکھا۔ وہ گڑبڑا کر اونچا سا بولی۔

"پھپھو! امی بلا رہی ہیں۔" کہہ کر خوب شرمندہ

ہوئی۔
"آپ نے سن لیا؟ مجھے جانا ہے۔" اور موبائل بند کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔
"بھابھی کدھر رہ گئیں؟" عام سا انداز جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔
حنین بالکل چپ رہ گئی۔ اور وہ تب تک نہیں بولی۔ جب تک وہ چاروں شاپنگ سمیت اوپر فوڈ کورٹ میں ایک ٹیبل پہ بیٹھ نہیں گئے۔ زمر ندرت سے ان کے ریسٹورنٹ کے حوالے سے باتیں کرنے لگی۔ وہ ریسٹورنٹ ان دنوں بنا تھا جب زمران سے قطع تعلق کیے ہوئے تھی، مگر خون کے رشتے "صلح" کے بعد پرانی باتوں کا ذکر نہیں چھیڑا کرتے۔ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہی چیز خون کو پانی سے گاڑھا بناتی ہے۔
ندرت اور سیم اٹھ گئے تاکہ سیم کے جوتے لے لیں تو حنین جوس میں اسٹرا گھماتی، نگاہیں جھکائے سرسری سا بولی۔ "ہاشم بھائی نے برا تو مانا ہوگا اتنی سخت باتوں کا۔"
"ہاشم کے برا ماننے سے کسے فرق پڑتا ہے؟" زمر نے مسکرا کر شانے اچکائے۔ پھر گردن ترچھی کر کے اسے غور سے دیکھا۔ "کسی بات پہ پریشان ہو حنہ؟"
وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "نہیں.... مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں۔" چہرہ نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ ڈیڑھ سال قبل کی چیٹنگ سے اب کی چیٹنگ تک، زمر کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔
"آر یو شیور؟ اگر کوئی مسئلہ ہو تو ضرور شیئر کرنا۔" اس نے نرمی سے حنہ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔
"آپ کو ایسا کیوں لگا؟"
"کیونکہ اب تم بہت خاموش رہتی ہو۔ پہلے تم بہت بولا کرتی تھیں۔"
حنین کے ابرو بھنچ گئے۔ ایک سخت نظر اپنے ہاتھ پہ دھرے زمر کے ہاتھ پہ ڈالی اور دوسری زمر کی آنکھوں پہ۔
"میں اور آپ پھپھو! کبھی بھی ایک دوسرے سے بہت نہیں بولا کرتے تھے۔"
اپنا ہاتھ نکالا اور کرسی دھکیلتی اٹھ کر باہر کی طرف چلی گئی۔ زمر گہری سانس لے کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اور خون کی سب سے بڑی خوبی اور خامی یہی ہے کہ اگر اسے باہر کی ہوا لگ جائے تو وہ جم جاتا ہے۔ عرب کے اہل زبان اس جمنے کو عقد کہتے ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ جمے خون کو کوئی پگھلائے کیسے؟"

✡ ✡ ✡

دنیا کی وسعتوں میں اسے ڈھونڈتا رہا
لیکن خدا میری ذات کے اندر ملا مجھے!

چھوٹے باغیچے والے گھر کے باہر ابھی رات کا تیسرا پہر تھا۔ گہرے جامنی آسمان پہ ستارے چمک رہے تھے۔ راہداری کے پہلے دروازے سے اندر جھانکو تو بستر پر چادر تانے سعدی سو رہا تھا۔ پھر نہ کوئی آہٹ ہوئی، نہ آواز آئی، اور وہ آہستہ سے بازو ہٹا کر اٹھا۔ نیند سے بھری آنکھوں کو مٹھی سے مسلا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ فجر میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا۔
وہ لبوں میں کوئی دعا پڑھتا بستر سے اترا اور باتھ روم کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ جب باہر نکلا تو کرتے شلوار میں ملبوس تھا، ہاتھ منہ اور پیر گیلے تھے، جب وہ راہداری میں دبے قدموں چلتا بیرونی دروازے تک آیا تو ندرت نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ خوابیدہ آنکھیں حیرت سے سیکڑ کر اسے دیکھا۔
"سعدی؟ ابھی تو اذان بھی نہیں ہوئی۔ تم جلدی کیوں اٹھ گئے؟ کیا الارم جلدی بج گیا؟"
"میں تو الارم نہیں لگاتا امی! آپ کو نہیں پتا؟" اسے جیسے معصوم سا تعجب ہوا۔
"تو پھر کیسے اٹھے ہو؟"
"میں بس اللہ تعالیٰ سے رات میں کہہ دیتا ہوں کہ مجھے صبح اس وقت جگا دیجیے گا، تو اللہ مجھے جگا دیتے ہیں۔" اور سادگی سے مسکرایا۔ "امام صاحب کی

طبیعت رات پھر خراب تھی' میں نے کہا کہ صبح میں امامت کراؤں۔ اس لیے جلدی جارہا ہوں۔"

"اچھا خیر سے جاؤ۔" انہوں نے شاید کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر حنین اور سیم کے کمرے تک گئیں۔ بلند آواز میں ڈانٹنا شروع کیا۔ "کوئی شرم حیا ہے تم دونوں میں؟ اٹھو' قرآن پڑھو' نماز پڑھو۔" سعدی باہر نکل آیا تو آوازیں دم توڑ گئیں۔

کالونی کی سڑک ویران' اندھیری پڑی تھی۔ سعدی نے تازہ ہوا کو محسوس کرتے سر اٹھا کر دیکھا۔ زمین والوں کو آسمان پہ تارے جگمگاتے دکھائی دے رہے تھے' اور آسمان والوں کو زمین پہ قرآن پڑھنے والوں کے گھر چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ اندھیرے کی وہ گھڑی تھی جس میں سب سے زیادہ نور پھیلا تھا۔

اس نے ہینڈ فری کانوں میں لگایا' قرآن پین نکالا (ایک سفید پین کی صورت کا آلہ جس کی نوک قرآن کے جس حرف پہ رکھو' وہیں سے تلاوت کی ریکارڈنگ چلنے لگتی ہے) اور سورتوں کا کارڈ نکال کر تمام سورتوں کے ناموں پہ سوچتی نظر ڈالی۔ اپنے روز کے فجر کے قرآن میں سورۃ غافر پہ تھا۔ اب اصولاً اس سے اگلی سورۃ پڑھنی تھی' مگر وہ سوچتا رہا۔ پھر عادتاً اپنی پسندیدہ سورۃ نمل پہ قلم کی نوک رکھ دی۔

سر اٹھا کر' ابرو اکٹھے کیے' بے بسی سے آسمان کو دیکھا۔

"او کے اللہ تعالیٰ' آئی ایم سوری' مجھے قرآن ترتیب سے پڑھنا چاہیے مگر میں کیا کروں' مجھے یہ سورۃ بہت پسند ہے۔" پھر مسکرا کر کانوں میں ہینڈز فری پکا کرتے قدم قدم سڑک کنارے چلنے لگا۔

"اللہ تعالیٰ مجھے آج بھی یاد ہے' جب میں ابو کے ساتھ مسجد آتا تھا تو وہ مجھے چیونٹیوں کی قطار دکھایا کرتے تھے۔ تب میں سوچتا تھا' انسانوں کو کیڑے مکوڑوں سے کیوں ملایا جائے؟ مگر بہت سالوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ نمل کیڑوں مکوڑوں کی سورۃ نہیں ہے یہ "فیملی" ہے۔ خاندان کو کیسے جوڑ کر رکھنا ہے' مجھے آپ نے یہ اس سورۃ سے سکھایا ہے۔"

جانی اندھیرے میں وہ سر جھکائے' مسکرا کر سرگوشی میں بولتا جارہا تھا۔

اوپر کالونی میں کسی گھر کی چھت پہ کوئی نوعمر لڑکی فون کان سے لگائے' آنسو بار بار پونچھتی' کسی نائٹ پیکیج کے طفیل اپنے بوائے فرینڈ سے سرگوشی میں بات کررہی تھی۔ سامنے والے ایک اور گھر میں ایک لڑکا بستر میں لیٹا' موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹک ٹک میسج کررہا تھا اور چہرے پہ وہی مسکراہٹ تھی جو مرض عشق میں مبتلا لوگوں کے چہروں پہ اس وقت ہوا کرتی ہے۔ یہ رات کا وہ پہر تھا جب صرف محبوب کے لیے جاگا جاتا ہے۔

"اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

سڑک کنارے چلتے گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے کانوں میں لگے ہینڈز فری میں آواز گونجنے لگی۔

"طس۔ یہ آیات ہیں قرآن کی اور اس کتاب کی جو روشن ہے۔"

ہاتھ میں پکڑے پین پہ اس نے وقفہ کا بٹن دبایا۔

"اوہ اللہ۔" بے بسی بھری مسکراہٹ سے آسمان کو دیکھا' اور پھر نفی میں سر ہلاتے گردن جھکائے چلتا گیا۔ "مطلب کہ میں کبھی کبھی حیران ہوجاتا ہوں' یہ "کتاب مبین" والی بات آپ نے کتنی دفعہ بتا دی قرآن میں' پھر ہر چند سورتوں کے بعد یہی آیت کیوں لے آتے ہیں آپ اللہ؟ مجھے سوچنے دیں۔"

لب کاٹتے آنکھیں ذرا میچ کر وہ واقعی سوچنے لگا۔

"ہوں۔" چند لمحے اور سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ہر دفعہ اس آیت کا مجھے نیا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ دیکھیں اللہ' اتنا مجھے پتا ہے کہ اگر ان الفاظ کا صرف ایک ہی مطلب ہوتا تو یہ قرآن میں بار بار نہ دہرائے جاتے۔ کتاب مبین۔ کتاب روشن یعنی۔" وہ سڑک کنارے قدم اٹھاتا' سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"یعنی آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں کہ آگے جو آیات آپ مجھے دیں گے' وہ اس کتاب کی ہیں' جس کے علاوہ مجھے دنیا میں کسی چیز سے کوئی روشنی نہیں

ملے گی۔ کہیں سکون نہیں ملے گا۔ کہیں خوشی نہیں ملے گی۔ مجھے اس کتاب کے علاوہ کوئی نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ کوئی نہیں جو انگلی پکڑ کر صحیح فیصلے کرنا سکھائے۔ میرے دل کی بات سمجھ کر اللہ کی بات اور کوئی نہیں سمجھائے گا۔"

مسکرا کر، خوش دلی سے بولتے اس کے تاثرات بدلتے گئے۔ آنکھوں میں اداسی در آئی۔ دل بھر سا آیا۔ اپنی زندگی کی پیچیدگیاں، دکھ، خطرات، سب یاد آنے لگے۔ کیا کھویا اور کیا پایا۔ جامنی صبح میں اداسیاں گھلتی گئیں۔

"یہ ہدایت ہے اور خوشخبری ہے، ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں۔"

کانوں میں گھلتی وہ مدھر آواز کہہ رہی تھی۔ وہ سامنے ویران اندھیر سڑک کو اداسی سے دیکھے گیا۔

"اللہ! آپ کو کیسے علم ہوتا ہے کہ اس آیات کے بعد میں افسردہ ہو جاؤں گا؟ کیسے آپ فوراً اگلی آیت میں مرہم لے آتے ہیں؟ کیا آپ کو ہر انسان کا اتنا خیال ہوتا ہے یا میں اسپیشل ہوں؟"

افسردگی کو زبردستی دباتے وہ شرارت سے خود ہی ہنس دیا۔

"خوش خبری۔" اور گہری سانس لی۔ "تو یہ کتاب پڑھنا اس لیے ضروری ہے، کیونکہ یہ ہمیں فیصلہ کرنا سکھاتی ہے، ایسا ہی ہے نا اللہ؟ آپ نے ان آیات کے ذریعے مجھے سکھایا کہ برے دنوں میں انسان کیسے وہ "آنکھ" رکھے جو اسے وہ دکھائے جو ابھی پاس نہیں ہے، مگر کبھی تو ملے گا۔ کبھی تو ہم بھی وہ دن دیکھیں گے نا اللہ جس کا وعدہ ہے۔ مگر اللہ۔ کیا یہ خوش خبری میرے لیے بھی ہے؟ آپ نے کہا، یہ ایمان والوں کے لیے ہے۔ مگر۔ مجھے خود بھی نہیں پتا کہ میں مومن ہوں یا نہیں؟ اگر خود کو مومن سمجھوں تو خود پسندی ہے "عجب" ہے خود کو منافق سمجھوں تو یہ مایوسی ہے۔ مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں مومن ہوں؟"

اداسی بڑھنے لگی۔ ارد گرد بھیگتی جامنی رات میں تنہائی بھرا ملال سا چھا رہا تھا۔ دل کی ساری ویرانیاں اس اندھیرے میں رچ بسنے لگیں۔

"ہدایت اور خوش خبری ہے مومنوں کے لیے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔" وہ ایک دم بالکل رک کر سننے لگا۔ "جو اپنی نمازوں کو قائم کرتے ہیں۔"

اور دل پر سے کوئی سل سی ہٹنے لگی۔

"اوہ اللہ۔ یعنی کہ اگر مجھے قرآن کی خوش خبریوں کی امید رکھنی ہے تو میں کبھی نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ جس وقت کی چھوڑوں گا، اس وقت آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آپ چاہتے ہیں ہم سب نماز پڑھیں، مگر نہیں، نماز صرف "پڑھنے" سے افاقہ نہیں ہوتا۔ نماز قائم رکھنا اصل چیز ہے۔ ہر نماز اپنے وقت پر اور تمام ارکان کے ساتھ پڑھنا۔ میں نماز نہیں چھوڑتا، مگر جس دن یہ سوچوں کہ نہیں چھوڑتا، اس دن ہی کوئی نہ کوئی قضا ہو جاتی ہے۔ میرے بہن بھائی نماز نہیں پڑھتے۔ مجھے صرف یہی بات تکلیف دیتی ہے کہ اگر قیامت کے دن آپ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم اکیلے مسجد کیوں آتے ہو؟ تمہارے بہن بھائی کیوں نہیں؟ وہ اس وقت سو رہے ہوتے ہیں، تو میں کیا جواب دوں گا؟"

وزن بڑھتا جا رہا تھا۔ دکھ، بے بسی، فکر مندی نے اس دم توڑتی رات کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

کانوں میں تلاوت وہیں سے جاری تھی۔

"اور وہ جو اپنی زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔"

"تھینک یو اللہ!" اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا اور خود سے بولا۔ "میں یہ تینوں کام کرتا ہوں، مگر مجھے پھر بھی اپنے اچھے ہونے کا کوئی یقین نہیں۔ شاید یہی بہتر ہوتا ہے جب تک ہمارے گناہوں کا گلٹ ہمارے ساتھ ہے، ہم کم از کم توبہ تو کرتے رہتے ہیں، اپنی عبادتوں پہ غرور تو نہیں آتا۔ پھر بھی، مجھ سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ پتا نہیں یہ آس پاس کے لوگ میری نمازیں دیکھ کر، میرے منہ سے قرآن کی باتیں سن کر مجھے اتنا نیک کیوں سمجھتے ہیں؟" وہ اداسی سے بتا رہا تھا۔

"اللہ جب لوگ مجھے نیک کہتے ہیں تو مجھے بہت گلٹ ہوتا ہے۔ لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ ہر نیک

سے نیک آدمی بھی دن میں دس ہزار دفعہ خود کو گناہ کرنے سے روکتا ہے' اور کئی دفعہ نہیں بھی روک پاتا۔ کتنا مزا آتا' ایمان ایک ہی دفعہ خرید لو' اور پھر ساری عمر کی گارنٹی۔ یہ روز روز اپنے آپ سے جنگ' گلٹ' توبہ کا سائیکل تو نہ ہوتا۔ آپ نے زندگی اتنی پیچیدہ کیوں بنائی؟"

نگاہیں اٹھا کر شکوہ کیا۔ دور صبح کی چڑیاں بولنے لگیں۔ ان کی اپنی تسبیح تھی۔ ہر ایک کی تسبیح مختلف ہوتی ہے۔

"ہاں مگر اللہ مجھے اتنا یقین ہے کہ ایک دن زندگی اپنی ساری ناتمام خواہشات اور تکالیف کے ساتھ ختم ہو جائے گی' سب دکھ مر جائیں گے اور وہ بڑا دن آئے گا۔ جب ہم اور آپ مقابل کھڑے ہوں گے اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ نماز کے بغیر' اور اپنا مال اور ٹیلنٹ لوگوں پہ خرچ کیے بغیر' میں یہ کہوں کہ مجھے آخرت پہ یقین ہے تو جھوٹ ہوگا۔ علم الیقین تو سب کو ہوتا ہے۔ مگر مجھے یہ کام کرتے رہنا ہوں گے۔ آپ کو یقین دلانے کے لیے۔ خود کو یقین دلانے کے لیے۔"

وہ سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوبا بولتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی ساتھ سے گزرتے اسے دیکھتا تو سمجھتا وہ ہینڈز فری لگائے' فون پہ بات کر رہا ہے۔ مگر ہر بات لوگوں کے سمجھنے کی ہوتی بھی نہیں ہے۔

تلاوت کی بارعب' مگر خوب صورت آواز سماعتوں میں ہنوز بکھر رہی تھی۔

"البتہ وہ لوگ جو آخرت پہ ایمان نہیں لاتے' ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے خوب صورت بنا کر پیش کر دیے ہیں اور وہ ان ہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ بے شک ان کے لیے برا عذاب ہے' اور وہ آخرت میں شدید نقصان میں رہیں گے۔"

دم توڑتی رات کا وقت تھا' ماحول کی ہیبت تھی' یا تلاوت کی آواز کا سحر' اسے لگا اس کی جلد کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ کوئی عجیب سا رعب تھا جو ہر جگہ چھانے لگا۔ یہ وہ لمحے تھے جب وہ سب کچھ بھول گیا۔ زمر' فارس' ہاشم' اپنی زندگی کی پیچیدگیاں۔ کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ صرف اپنا اعمال نامہ نظر آتا تھا۔

"تو اللہ۔ ایسے آپ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں؟"

بٹن سے پین آف کرتے ہوئے وہ گویا جھرجھری لے کر کہہ رہا تھا۔

"جب میں نماز نہ پڑھوں' یا قرآن نہ پڑھوں' یا لوگوں پہ اپنے حصے سے خرچ نہ کروں' تو میرا آخرت پہ ایمان کمزور ہو جائے گا؟ اور۔ اور میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو بہت عمل کرنے والے ہوں گے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟"

تعجب سے اس نے پوچھا جواب اسے خود بھی معلوم تھا۔

"جو چیز مجھے نماز اور قرآن سے دور کرے گی' اللہ کے راستے کے علاوہ جس بے مقصد چیز میں اپنا مال یا اپنا ٹیلنٹ لگاؤں گا' آپ مجھے وہ بے مقصد چیزیں دلچسپ اور خوب صورت بنا کر دکھاتے جائیں گے اور پھر میں ان ہی میں بھٹکتا رہوں گا؟ کیا صرف ایک نماز کا چھوڑ دینا اتنا مہنگا پڑے گا؟ نماز جاتی جائے گی' بے مقصد چیزیں آتی جائیں گی؟ ایسے چلا جاتا ہے ایمان؟ صرف ایک نماز کے جانے سے؟ ایک جھوٹ بولنے سے؟ ایک دل دکھانے سے؟" ایک کنارے پہ وہ ٹھہر گیا۔ تعجب سا تعجب تھا۔ حیرت سی حیرت تھی۔ سر اٹھا کر اس نے گہرے' پُراسرار آسمان کو دیکھا۔ دل بھر سا آیا۔ ہینڈز فری اتار دیے۔

"اللہ تعالیٰ آئی ایم سوری' ہر اس چیز کے لیے جسے میں نے نماز سے اوپر رکھا۔ میں بار بار معافی مانگوں گا۔ آپ بس معاف کرنا مت چھوڑیے گا۔"

اسی طرح خود سے بڑبڑاتا وہ قدم بڑھاتا رہا' یہاں تک کہ مسجد کے دروازے تک آن پہنچا۔ گل خان خلاف معمول دروازے پہ ہی مل گیا۔ سعدی اپنے فجر کے قرآن میں الجھا تھا' اسے نہیں دیکھا۔ لبوں میں مدھم سا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ جوتے اتارے تو ساتھ کھڑے گل خان نے حیرت سے اس کا بازو ہلایا۔

"کس سے بول رہے ہو سعدی بھائی؟"
وہ جو اپنی "دعا" ختم کر کے درود پڑھ رہا تھا' جھک کر جوتے اتارے' پھر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کی جانب متوجہ ہوا۔
"میں اللہ تعالیٰ سے بات کر رہا تھا۔" اور ننگے پاؤں اندر صحن میں قدم رکھا۔ دم توڑتی رات کی اس گھڑی صحن کی اینٹیں ٹھنڈی تھیں۔
"توبہ۔ توبہ۔" گل خان دو انگلیوں سے باری باری دونوں کان چھوتا پیچھے آیا۔
"اللہ سے ایسے بات نہیں کیا جاتا۔ ادر (ادھر) مصلّے پہ بیٹھ کر ادب سے بات کرتا ہے۔"
"میں ادب سے ہی بات کرتا ہوں' جیسے اپنے بڑوں سے کرتا ہوں۔" وہ نرمی سے کہتا اندر چلا آیا۔ گل خان کو خوب غصہ آیا۔
"سادی بھائی۔ ابھی مولوی صاحب دیکھ لیتا تم کو ایسے بات کرتے تو تمہارے پہ فتویٰ لگ جاتا۔"
"اچھا تم بتاؤ مجھے کہ دعا کیسے مانگتے ہیں؟" وہ پُرسکون سا مسکراتا ہوا جماعت والے مرکزی کمرے میں آگے بڑھ رہا تھا۔
"ادب سے' تمیز سے' اور ادر مصلّے پہ بیٹھ کر دعا مانگا جاتا ہے۔ سر جھکا کر' رو رو کر۔ ہاں!" ہاتھ ہلا ہلا کر خفگی سے اشارہ کر رہا تھا۔ سعدی نے مسکرا کر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کو دیکھا جو سفید پشاوری ٹوپی پہنے' پائینچے اوپر چڑھائے کھڑا تھا۔
"اللہ ہماری وہی دعا قبول کرتے ہیں گل خان! جو ہم نے دل سے مانگی ہوتی ہو' اور دل سے نکلی باتیں نیچرل ہونی چاہئیں۔ مصنوعی لفاظی' اور ٹی وی پہ بیٹھے علماء والی مشکل گاڑھی اردو۔ نہیں یار۔" اس نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔ "میں عام زندگی میں جو سادہ زبان بولتا ہوں' مجھے اسی نیچرل انداز میں اللہ سے بات کرنی چاہیے۔"
"توبہ۔ تم چلتے پھرتے کون سا بات کر رہا تھا؟" اس کے اندر کے مفتی کو ہضم نہیں ہوا' گھور کر مشکوک انداز میں پوچھا۔
"میں فجر کا قرآن سن رہا تھا' ہر آیت کے بارے میں اپنے خیالات اللہ کو بتا رہا تھا' اور اس کے بعد میں ان کو وہ بتا رہا تھا جو میں نے کل کیا' اور جو آج کروں گا۔" جالی دار ٹوپی سر پہ لیے اس نے رسان سے جواب دیا۔
برآمدے میں لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ کوئی اسے سلام کرنے رکا تو وہ ادھر متوجہ ہو گیا۔ فارغ ہو کر واپس گھوما تو گل خان سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے بھائی! تم ایسے خود سے بول رہا ہوتا ہے۔ تم کو ایسے اللہ تعالیٰ سے بات کرنا کس نے سکھایا؟"
وہ ہلکا سا مسکرایا' مگر وہ اداس مسکراہٹ تھی۔
"میری پھپھو نے۔ وہ بھی ایک زمانے میں ایسے ہی دعا مانگی کرتی تھیں۔" مسکراہٹ آہستہ آہستہ لبوں سے غائب ہوئی۔ "اب نہیں مانگتیں۔ لوگ بدل جاتے ہیں۔ دل سخت ہو جاتے ہیں۔" پھر سر جھٹکا۔ بہت سے خیال بھی جھٹکے۔
"تم بتاؤ' آج تمہارے تایا نے کس جگہ تھپڑ مار کر تمہیں نماز کے لیے اٹھایا ہے؟" اب کے اس نے آنکھیں سکیڑ کر گل خان کے چہرے کو ادھر ادھر سے جانچا۔
"ہا!" گل خان نے غصے سے آنکھیں پھیلائیں۔
"ہم ایسا کوئی نشئی ہے' جو خود نہیں اٹھ سکتا' ہاں؟" کمر پہ ہاتھ رکھے' ناراضی سے اسے گھورا۔
سعدی نے "اچھا" والے انداز میں ابرو اٹھایا۔ گل خان اسی طرح گھورتا رہا' پھر قدرے جز بز سا گدی پہ ہاتھ رکھ کر قریب کھسکا۔
"کیا گردن ابھی تک سرخ ہے؟" رازداری سے پوچھا۔ سعدی بے اختیار ہنس دیا' اس کے سر پہ چپت رسید کی اور امامت کی جگہ کی طرف بڑھ گیا۔ گنتی کے لوگوں کی صفیں ترتیب دی جا رہی تھیں۔ نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔
بس گنتی کے لوگ! السابقون السابقون!

☆ ☆ ☆

موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو

پہلے جینے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

اور پھر فجر کی وہ گھڑیاں انسان کو کبھی دوبارہ نہ ملنے کے لیے کھو چکی تھیں۔ روز فجر طلوع ہوگی، مگر اس دن کی پھر نہیں آئے گی۔ سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تھا، جب وہ سارہ کے گھر کا گیٹ عبور کرتے اندر آیا۔ آفس کے لباس میں تیار، سیاہ سنہری کی چین انگلیوں میں گھماتے اس نے داخلی دروازہ بجایا تو فوراً" کھل گیا۔ سامنے نور اسکول یونیفارم میں تیار کھڑی تھی۔ وہ اس کو پیار کرتا، اندر آیا تو لاؤنج میں ذکیہ بیگم امل کے بال بنا رہی تھیں۔ ایک آنکھ اس کے بالوں پہ اور دوسری ٹی وی پہ شور کرتی کسی عورت پہ تھی۔ اس کے سلام کرنے پہ چونکیں، پھر مسکرا کر خوش دلی سے اسے خوش آمدید کہا۔ ساتھ ہی ملازمہ کو آواز دی کہ ناشتہ لائے۔

"تھینک یو نانی! میں ناشتا کر کے آرہا ہوں۔" اپنی امی کی خالہ سے شائستگی سے معذرت کرتے وہ صوفے پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھی، اور اِدھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھا۔

"ارے سعدی۔ تم؟" سارہ اندر سے پرس اور بیگ اٹھائے عجلت میں چلی آرہی تھی، اسے دیکھ کر رکی، حیرت سے سوال کیا، ساتھ ہی دوسرے ہاتھ میں پکڑے کاغذ بیگ میں رکھے۔ وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

"آفس کے راستے میں سوچا، آپ سے ادھر مل لوں۔ پھر وہاں تو وقت ہی نہیں ملتا، باس!"

"کیا ہوا؟ خیریت؟" وہ سامنے آئی۔ بالوں کا فرنچ جوڑا بنائے، لمبی قمیص دوپٹے اور کانوں میں ٹاپس پہنے، سعدی کی پراجیکٹ ڈائریکٹر آفس کے لیے تیار لگ رہی تھی۔

"کل کے پروگرام کا پوچھنا تھا۔ آپ آئیں گی نا؟ زمر اور فارس کا نکاح ہے کل۔"

بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتے اس نے احتیاط سے لفظ چنے۔ سارہ کے بیگ میں کاغذ گھسیڑتے ہاتھ ذرا کی ذرا ڈھیلے پڑے، گردن موڑی۔ ادھر ادھر بھاگتی بچیوں کو دیکھا۔

"اپنے بیگز لو، اور گاڑی میں بیٹھو فٹافٹ۔ میں آرہی ہوں۔" پھر چہرہ اس کی طرف پھیرا، ذرا پھیکا سا مسکرائی۔

"ہاں، ندرت آپا نے فون کیا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی سن کر۔ ہاں تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی۔ فارس کو رہا ہوئے ابھی تین ہفتے تو ہوئے ہیں۔ مگر۔ ضرور یہی اچھا ہو گا۔" سر ہلا کر کہتے اس نے موبائل بیگ کے زپ والے خانے میں رکھا۔

"آپ۔ آئیں گی نا؟"

"اصل میں میری پلاننگ کمیشن کے کچھ عہدیداروں کے ساتھ کل میٹنگ ہے۔"

"کل اتوار ہے خالہ!"

"تو لنچ پہ ہے نا میٹنگ۔" (ذکیہ بیگم نے نفی میں تکان سے سر جھٹکا)

"آپ کو پتا ہے میں پندرہ منٹ میں پلاننگ کمیشن والوں سے لنچ کی تاریخ اور وقت معلوم کر لوں گا۔"

"اوکے سعدی!" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "میں نہیں آسکوں گی۔"

"ہم لوگ آپ کی فیملی ہیں، آپ کو آنا چاہیے۔ میں جتنا سب کو جوڑ کر رکھنا چاہتا ہوں، اتنے ہی سب ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے شاکی نظروں سے سارہ کو دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے میں گیدرنگز میں نہیں جاتی۔"

"مجھے یہ پتا ہے کہ آپ فارس ماموں سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو دور رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" حیرت بھرے دکھ سے وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ قاتل نہیں ہیں یو نو دیٹ!" (آپ جانتی ہیں یہ)

"مگر فارس وجہ ہے اس سب کی!" وہ قدرے بلند آواز سے بولی۔ آنکھوں میں درد، بے بسی، نمی، سب ایک ساتھ ابھرا۔ "اس کو پھنسانے کے لیے اس کے بھائی اور بیوی کو مارا گیا۔ فارس کا مطلب ہے "مصیبت" اور میں اپنے بچوں کو ہر قسم کی مصیبت سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جب ایک دفعہ کوئی مر جاتا ہے تو واپس نہیں آتا، بھلے تم اس کے لیے کتنے

انتقام لیتے پھرو۔"

سعدی چند لمحے کے لیے خاموش رہ گیا' مگر پھر مضبوطی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"یو نو واٹ' سب سے زیادہ مصیبت میں کون لوگ پڑتے ہیں؟ جو سب سے زیادہ مصیبتوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سی یو ان آفس۔"

اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ ذکیہ بیگم کو سلام کرتا باہر نکل گیا۔

سارہ نے افسوس سے سر جھٹکا' پھر مڑی تو ذکیہ بیگم خفگی سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"امی! میں کسی لیکچر کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے کہا' ہم نہیں جائیں گے تو نہیں جائیں گے۔" ان سے نگاہ ملائے بغیر وہ بیگ اٹھائے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ جب وہ باہر نکلی تو سعدی کی کار دور جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆
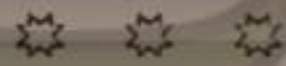
قیس تھا لاجواب لیلیٰ بھی
جب سوال ایک کی بقا کا تھا

اتوار کی شام یوسف صاحب کے گھر پہ کوئی ایسی دھن فضاؤں نے بکھیر رکھی تھی جس میں نہ آواز تھی' نہ موسیقی' صرف کیفیت تھی۔ خوشی کی کیفیت۔ لاؤنج میں رونق سی لگی تھی گو کہ مہمان کوئی نہیں تھا' سب اپنے ہی لوگ تھے۔ ادھر سامنے صوفے پہ ندرت اور فارس کے کزن' جمال بھائی تھے۔ ان کی بیگم تھیں۔ سارہ کی والدہ ذکیہ خالہ تھیں۔ ان کے ہمراہ شفون کا جوڑا پہنے' عرصے بعد تیار سی ہوئی ندرت بیٹھی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے ان لوگوں سے محو گفتگو تھیں۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر مقابل صوفوں کی سمت بھی دیکھ لیتیں' جہاں فارس بیٹھا تھا۔ اس نے آف وائٹ کرتا پہن رکھا تھا' تین ہفتے قبل جیل سے رہا ہوتے وقت کے بے حد چھوٹے بال' اب قدرے بڑھ کر اچھے لگ رہے تھے۔ البتہ خاموش تھا' سنجیدہ اور خاموش۔ بس گردن بڑے ابا کی طرف موڑے دھیان سے ان کی کوئی بات سن رہا تھا۔

بڑے ابا خوش تھے' دھیما مسکرا بھی رہے تھے۔ انہوں نے بھی آف وائٹ نئی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ تازہ دم اور صحت مند دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی فارس سے کوئی بات کہتے تو کبھی قریب بیٹھے نکاح خواں قاری صاحب سے۔ ایسے میں سیم ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے سب سے زیادہ اداس بیٹھا تھا۔ اگر ندرت اس کو غلطی سے دیکھ لیتیں تو بنا آواز کے ہونٹ ہلا کر پوچھنے لگ جاتا۔

"کھانا کب لگے گا؟" اور دو تین دفعہ تو ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

راہداری سے آگے بڑھتے جاؤ تو زمر کے کمرے کا دروازہ آجاتا۔ وہ بند تھا۔ اس کے پار اندر بھی گویا مصروف سا انداز لگتا تھا۔ حنین اپنے گلابی لمبے گاؤن میں ملبوس' کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' سر جھکائے ڈریسنگ ٹیبل پہ کھلا میک اپ کا سامان ٹھیک کر رہی تھی۔ ساتھ ہی امی کی کزن فرزانہ کھڑی کچھ کہہ رہی تھیں۔ فرزانہ کے شوہر امجد بھائی جو زمر کے بھی کزن ہوتے تھے' سعدی کے ہمراہ سامنے کاؤچ پہ بیٹھے تھے۔

سعدی جو بھورے کرتے میں ملبوس تھا' قلم کھولتے ہوئے نکاح کے کاغذات لیے کاؤچ سے اٹھا اور جھک کر انہیں زمر کے گھٹنوں پہ رکھا' جو ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھی' ان کی طرف رخ کیے ہوئے تھی۔ اس نے ہلکے کام کی سفید لمبی میکسی پہن رکھی تھی۔ نیچے سلک کا پاجامہ ٹخنوں کو ڈھکے نظر آتا تھا۔ کامدار دوپٹے کے کناروں کی سبز پائپنگ اور کہیں کہیں سبز اسٹونز کے سوا' پورا لباس سفید تھا۔ بال سیدھے کر کے اونچا جوڑا بنا تھا جس پہ دوپٹہ ٹکا تھا' میک اپ ہلکا تھا' کانوں میں اور گردن میں ننھے ہیرے تھے۔ وہ خوب صورت لگ رہی تھی اور پرسکون بھی۔ سکون سے چہرہ جھکائے نکاح کے کاغذات کے صفحے پلٹے' پھر کاجل سے گھری ہوئی بھوری آنکھیں اٹھا کر سعدی کو دیکھا اور سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"یہ کیا ہے؟" امجد بھائی کی موجودگی کے باعث

مسکرا کر پوچھا۔ وہ بھی شرارت سے مسکراہٹ دبائے اتنی ہی معصومیت سے بولا۔

"اسے نکاح نامہ کہتے ہیں۔"

"جی، مگر سعدی۔۔۔ یہ ٹیکشن کاٹنے سے میں نے غالباً" منع کیا تھا۔" مسکرا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اشارہ حق طلاق کی جانب تھا۔

"یہ آپ کے والد کی خواہش تھی، جو مجھ جیسے تابع دار پوتے نے پوری کی۔ آپ کو کوئی اعتراض؟"

زمر نے گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ "میرے والد سے کہیے، جس طرح میں نے کہا تھا، ویسا ہی نکاح نامہ تیار کر کے مجھے بھجوائیں، میں دستخط کر دوں گی۔" کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔

سعدی نے مسکرا کر کاغذ کے بجائے اس کا ہاتھ تھاما، اسے آہستہ سے اسٹول سے اٹھایا، اور دروازے تک لے آیا۔ دروازہ کھولا اور سامنے لاؤنج کا منظر دکھایا۔ یہاں سے بڑے ابا اور فارس نظر آ رہے تھے، کیونکہ وہ مرکزی جگہ پہ بیٹھے تھے۔

"آپ یہ بات اپنے والد سے خود جا کر کیوں نہیں کہہ دیتیں۔ کتنے خوش ہوں گے وہ سن کر، ہے نا؟"

اسی معصومیت سے سعدی نے زمر کو دیکھا۔ زمر نے اس طرف چہرہ کیا۔ ابا مسکراتے ہوئے فارس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ خوش، پُرامید، پہلے سے جوان۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تماشا نہیں کر سکتی تھی۔ زمر نے گھور کر سعدی کو دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے، کسی کی مرضی کے خلاف ڈاکومنٹ پہ دستخط کروانا کتنا بڑا جرم ہے؟"

"جی۔ تو آپ مجھے اس جرم میں گرفتار کیوں نہیں کروا دیتیں؟" وہ پھر سے مسکرایا۔ زمر لب بھینچے وہیں کھڑی اسے گھورتی رہی۔ تب ہی بڑے ابا کی بات سنتے فارس نے انہیں دیکھنے کے لیے سر اٹھایا، تو۔۔۔ نگاہ پھسلی۔ راہداری کے سرے پہ کمرے کے کھلے دروازے پہ وہ سعدی کے ساتھ کھڑی تھی۔ نیم رخ نظر آتا تھا۔ دوپٹہ سر پہ ٹکا تھا اور نیچے پاؤں تک گرتا

ٹیکسی کا فلیش۔ وہ سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ فارس نے ایک نظر ادھر دیکھا، پھر فوراً" چہرہ موڑ کر ابا کو دیکھنے لگا۔

"میں ابا سے حساب بعد میں لے لوں گی۔ اور یہ مت سمجھنا کہ ایک ٹیکشن کاٹنے یا نہ کاٹنے سے میرے حقوق پہ کوئی فرق پڑے گا۔"

دروازے میں کھڑے انگلی اٹھا کر دبی آواز میں اسے تنبیہہ کی۔ "وکیلوں کو ایک ہزار ایک طریقے آتے ہیں، اپنی مرضی کے مطابق قانون کو ڈھالنے کے لیے۔"

خفگی سے اسے دیکھ کر مڑی اور رسمی مسکراہٹ کے ساتھ واپس اسٹول پہ آ کر بیٹھ گئی۔ کمرے کے باقی لوگ اپنی آوازوں کے باعث ان کی گفتگو سے یکسر انجان رہے۔ وہ بیٹھی تو سعدی نے نکاح نامہ اس کی گھٹنوں پہ رکھا، اس کے قریب جھک کر اس نے دعائیہ کلمات پڑھے۔ قلم اس کے ہاتھ میں دیا۔

"کیا آپ زمر یوسف ولد یوسف خان، فارس غازی ولد ظہیر غازی کو دس لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں۔۔۔" وہ لڑکا سنجیدگی سے عقد نکاح کی سطور پڑھ رہا تھا۔ زمر کا سر جھکا تھا اور قلم انگلیوں کے درمیان تھا۔

"میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا۔ صرف ایک گولی۔ آئی ایم سوری زمر۔"

"قبول ہے۔" اس نے سر ہلا کر ہلکے سے کہا۔

"میں بے گناہ تھا میڈم زمر! میں بے گناہ تھا۔"

"قبول ہے۔"

"میں۔۔۔ معافی نہیں مانگوں گا۔"

"قبول ہے۔" آخری دفعہ کہتے اس کی جھکی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔ مگر اس نے وہ سب اندر اتار لی۔

دھڑا دھڑ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کیے۔ قلم اور کاغذات سعدی کی طرف بڑھائے۔ وہ کوئی دعا پڑھتے اٹھا، زمر کے سر پہ ہاتھ رکھا، جھک کر اس کے بال چومے اور کاغذات لیے، امجد بھائی کے ہمراہ باہر نکل گیا۔ زمر نے سر اٹھا کر دیکھا تو حنین اسی طرح کھڑی

تھی اور فرزانہ باجی اپنی بیٹی کے ہمراہ اسی طرح بولے جا رہی تھیں، مگر وہ جانتی تھی کہ اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔

"مبارک ہو پھپھو۔" حنہ نے آہستگی سے نگاہ ملائے بغیر کہا تو زمر نے مسکرا کر سر کو خم کیا۔ رخ واپس ڈریسنگ کے آئینے کی جانب موڑا۔ اپنا عکس دیکھا۔ کام دار لباس میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔ ادھر کھلے دروازے سے باہر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایجاب و قبول کے الفاظ۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے جبراً" مسکراتے وہ آوازیں سنیں۔ فرزانہ باجی اور ان کی بیٹی باہر نکل گئیں۔

حنین وہیں کھڑی رہ گئی۔ باہر دعا ہو رہی تھی۔

زمر نے جھک کر ڈریسر کی دوسری دراز کھولی۔ دو ڈبیاں نکالیں۔ ایک سیاہ مخملیں ڈبی اور دوسری سرخ۔ پہلی ڈبی کھولی تو وہ اندر سے خالی تھی۔ سوائے ننھے سے کارڈ کے، جس پہ فارس کے لکھے الفاظ کی سیاہی ابھی تک ویسی ہی تھی۔ حنہ نے ذرا چونک کر اسے دیکھا جو ساتھ ہی دوسری نئی ڈبی بھی کھول رہی تھی۔ اس کے اندر وائٹ گولڈ کی ننھی سی نتھ رکھی تھی۔

"دیکھو حنہ! ابا نے مجھے شادی کا کیا تحفہ دیا۔" زمر دو انگلیوں سے ناک کی لونگ اتارتے ہوئے بولی۔ یہ واپس رکھنی تھی اور نئی پہننی تھی۔ حنین ایک دم بے چینی سے سیدھی ہوئی۔

"آپ..... یہ مت اتاریں۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ کیا کہے۔

لونگ کھولتے اس کے ہاتھ رکے۔ سوالیہ نگاہوں سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔ "کیوں؟"

"یہ... یہ اچھی لگ رہی ہے۔ بس آپ یہ نتھ مت پہنیں۔"

"کیوں نہ پہنے؟" آواز پہ دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ ندرت بڑے ابا کی وہیل چیئر لا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے زمر کے قریب آئے، اس کے سر پہ ہاتھ رکھا، مدھم آواز میں کوئی دعا دی۔ حنین اس دوران بے چینی سے انگلیاں موڑتی رہی۔

"ہاں تو کیوں نہ پہنے میری بیٹی میرا تحفہ؟" انہوں نے مصنوعی خفگی سے حنہ کو دیکھا۔

"کیونکہ..... یہ نتھ مجھے پسند آگئی ہے۔ پھپھو کے پاس تو اس سے زیادہ قیمتی والی پہلے ہی ہے۔ یہ میں رکھ لوں ابا؟"

لپک کر نتھ کی ڈبی اٹھائی اور معصومیت سے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔ بڑے ابا مسکرا دیے۔

"میں نے اپنی بیٹی کے لیے خریدی تھی۔ اب کون سی بیٹی اسے رکھے، یہ تم دونوں خود طے کر لو۔"

کہتے ساتھ انہوں نے زمر کے چہرے کو بھی دیکھا۔ وہ بھی نرمی سے مسکرا دی۔

"شیور حنہ! یہ تمہاری ہوئی۔" وہ ڈھیلی کردہ لونگ دوبارہ کسنے لگی۔ اور ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

"تمیز ہے تم میں؟ ابا نے زمر کو شادی کا گفٹ دیا ہے، کسی کا گفٹ لینا کہاں سے سیکھا ہے تم نے؟" غصے سے لال پیلی ہوتی ندرت کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ تھپڑ لگا دیں اسے۔

"تو باقی سب بھی تو ابا نے دیا ہے پھپھو کو۔ اب مجھے اچھی لگ گئی تو کیا کروں؟" وہ نروٹھے پن سے کہتی ڈبی مٹھی میں جکڑے کھڑی رہی۔

"تم گھر تو پہنچو، تمہیں سیدھا کرتی ہوں میں۔"

ندرت نے اشارۃً مدعا سمجھا دیا۔ وہ ڈھیٹوں کی طرح دوسری جانب دیکھنے لگی۔ زمر بڑے ابا سے بات کر رہی تھی۔ پھر وہ مسکرا کر دوبارہ اسے کوئی دعا دیتے ندرت کے ہمراہ باہر کی طرف ہو لیے تو زمر اس کی طرف گھومی۔

"تو تم ناک چھدوا رہی ہو؟ اچھی لگے گی تم پہ۔" مسکرا کر کہتے وہ کھڑی ہوئی۔ ابھی بس چند منٹ میں اسے باہر جا کر مہمانوں کے سامنے بیٹھنا تھا۔ فارس کے ساتھ بیٹھنا تھا، وہ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتی، کندھے سے دوپٹے کی پن درست کرنے لگی۔

حنین ڈبی کھول کر نتھ کو یونہی چھیڑنے لگی۔

اور یہ تب ہی تھا جب ان دونوں نے وہ آواز سنی۔

کھلی کھڑکی کے باہر گھر کی چار دیواری تھی' اور درمیان کی چار فٹ کی گلی میں سعدی موبائل پہ عجلت میں بات کرتا چلا آرہا تھا۔ اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"مس حلیمہ! میں سوموار کو' یعنی کہ کل' صبح دس بجے آنا چاہتا ہوں۔ آجاؤں؟" وہ موبائل کان سے لگائے چہرہ جھکائے کہہ رہا تھا۔ حنین اور زمر بے اختیار اسے دیکھنے لگیں۔ نکاح کے فوراً "بعد" اتنے مصروف وقت میں بھی وہ کسی کو یوں باہر نکل کر کال کر رہا تھا۔ زمر آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتی کھڑکی کے قریب آئی۔

"او کے۔ پھر میں دس بجے پہنچ جاؤں گا۔ آپ....." کہتے کہتے نگاہ اٹھائی تو کھڑکی کی جالی کے پیچھے دلہن بنی زمر کھڑی تھی۔ وہ "آپ ہاشم کو...." کے بجائے "آپ اور بتا دیجیے گا" کہہ کر جلدی سے کال بند کر کے زمر کو دیکھ کر مسکرایا۔

"ہوں۔ تو یہ حلیمہ کون ہے؟" اس نے شرارتی مسکراہٹ دبائے پوچھا۔ سعدی نے "اف" کے انداز میں بھنویں بھینچ کر اسے دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایک میٹنگ کا ٹائم لے رہا تھا۔"

"اور کس سے میٹنگ؟ حلیمہ کے والدین سے؟"

"اللہ' زمر۔ آپ بھی نا۔" اس نے شرمندہ سا ہوتے ہوئے سر جھٹکا۔ "مجھے واقعی اس کے باس سے ملنا ہے۔"

"اچھا تو کون ہے حلیمہ کا باس؟" وہ اسی طرح مطمئن' پرسکون سی پوچھ رہی تھی۔ سعدی نے سوچتے ہوئے ٹھوڑی کھجائی۔ کیا جواب دے؟ سات سالوں کی ساری یادیں امڈ کر آنکھوں کے سامنے آئیں اور پھر۔

"وہ.... نیسکام کا ایک سائنس دان ہے' کام کے سلسلے میں ملنا تھا اس سے۔ آپ بھی نا۔"

اور بہت خفگی سے سعدی ذوالفقار یوسف خان نے جھوٹ بول دیا' پھر واپس مڑ گیا' یہ جانے بغیر کہ آج اس نے اپنی زندگی کی دوسری بڑی غلطی کر دی ہے۔ پہلی اسے کل عین اسی وقت کرنا تھی۔

زمر مسکراہٹ دبائے اسے جاتے دیکھتی رہی اور حنین نے گہری سانس لے کر کندھے اچکا دیے۔

وہ دونوں' اور لاؤنج میں بیٹھے مسکراتے بڑے ابا' اور سنجیدہ سا بیٹھا فارس' اور کھانا کھلنے کا انتظار کرتا سیم' اور خوشی سے بار بار نم ہوتی آنکھوں کو پونچھتیں ندرت' اور کچن میں بھاگ بھاگ کر کام کرتا صداقت' وہ سب اس بات سے ناواقف رہے کہ ٹھیک تیس گھنٹے اور بارہ منٹ بعد' وہ سعدی یوسف کو کھو دیں گے۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)